جلد ۴۵ اگست ۱۹۲۵ء نمبر ۲

حروفِ علّت

فاضل مضمون نگار نے اس مضمون مین جس عالمانہ بحث کا سلسلہ شروع کیا ہے
وہ بہت اہم اور مفید ہے ہمکو امید ہے کہ ملک کے علم دوست و اہل الرائے حضرات
بھی اسمین دلچسپی سے حصّہ لینگے۔ بہرنوع اس موضوع پر موافق و مخالف مضامین
دونون نہایت خوشی کیساتھ زمانہ مین شائع کیے جائینگے۔ (اڈیٹر)

یورپ۔ عرب۔ اور ہندوستان کے واضعین قواعدِ لسان کا یہ متفقہ فیصلہ ہے
[illegible]روف تہجی کی دو قسمین ہین۔ حروف علّت اور حروف صحیح۔ اول الذکر کے یہ تعریف
[illegible]ئی ہے کہ وہ ایسے حروف ہین جو دوسرے حروف سے ملکر انہین آواز پیدا کرنے
[illegible]ین اور موخر الذکر مین وہ حروف داخل ہین جو بذات خود آواز نہین دیتے بلکہ اسکے
[illegible]وف علّت کی اعانت کے محتاج ہین یعنی حروف صحیح سازِ لسان کے تار ہین۔
[illegible]ات خود نہین بولتے۔ جب تک انکو مضراب حروف علّت سے نہ چھیڑا جائے
[illegible] تقریر کو جو اعضائے صوت کے اعمال و حرکات کا ایک نتیجہ ہے قالب
[illegible] ڈھالنے کی ضرورت پیش آئی تو جملہ اعمال و حرکات صوت پر ایک نظر ڈالی
[illegible]ر و خوض سے معلوم ہوا کہ اعضائے صوت کے مختلف حرکات کے مختلف
[illegible]ال [illegible] کے ظاہر کرنے کے لیے حرکت مین آتے ہین

تو اکثر ایک ہی حرکت اس غرض کو پورا نہین کرسکتی بلکہ ان کا پیہم حرکت مین آنا ضروری ہوتا ہے۔ جب یہ صورت ہوتی ہے تو ہر حرکتِ اعضائے صوت کا نتیجہ (آواز) اپنے ما بعد کی حرکت سے مربوط و متماسک نظر آتا ہے۔ یہ تحقیقات موجدانِ تحریر کو دو اصول کی جانب رہنما ہوئی۔

(۱) اول یہ کہ اعضائے صوت کے ہر حرکت کے نتیجہ کو وہ ایک نئے قالب مین ڈھال کر مرئی بنائین۔

(۲) دوم یہ کہ اعضائے صوت کے پیہم حرکات کے نتائج کے درمیان جو ربط نظر آتا ہے اور جس سے ابتک سامعہ لطف اندوز ہوتا رہا ہے اُسکو باصرہ افروز بنا دین۔

یہ ایک حیرت انگیز بات ہے کہ ہر ملک کا موجد تحریر ایک ہی نتیجہ پر پہنچا۔ یورپ اعضائے صوت کے مختلف حرکات کے نتائج کو مرئی بنانے مین تو کامیاب ہوگیا مگر اُن کے ربط کو کامل طور سے ظاہر نہ کرسکا اس منزل پر پہنچکر دانائے فرنگ کی قوت ایجاد کی کم مائیگی پر بہت روشنی پڑی یعنی باوجودیکہ وہ ایک علامت سے ایک قسم کا ربط ظاہر کرنے کا کام لے چکا تھا۔ مگر اُس سے ملتے ہوئے ربط کو وہ نئی علامت سے ظاہر نہ کرسکا اور اُسنے ”علامت بالائے علامت“ کے اصول کی جادہ پیمائی شروع کردی مثلاً a سے ایک دفعہ ربط کا کام لیکر جب اُسی قسم کے دوسرے ربطون کو ظاہر کرنا پڑا تو اُس نے اِس پر اضافہ کیا اور ā ä ạ بنالئے۔

دیوناگری کا حال بھی اس سے کچھ ملتا ہی جلتا ہے وہ بھی تقسیم حروف کے وقت یورپ کے نقش قدم پر ہی چلی مگر اُسنے اپنا معیار تفریق جداگانہ قائم کیا۔ اُسکے نزدیک بعض آوازین بذاتِ خود مکمل ہین یعنی اپنے اظہار کے لیے محتاج غیر نہین [illegible] ہین جنکا اظہار غیر کا دست نگر ہے۔ اُسنے اول کی علامات اصوات (حروف علت) کا نام स्वर رکھا اور دوسرے قسم کی اصوات کا نام [illegible] ساتھ اُسی قسم کا برتاو کیا جو یورپ نے [illegible] LS [illegible]

کیا تھا یعنی اُن سے ایسے دو اصوات کے ربط دینے کا بھی کام لیا جو بذات خود اپنے اظہار سے قاصر تھین۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ स्वर کی تعریف صرف یہی نہین ہوتی کہ وہ ایسی علامات اصوات ہین جو بذات خود اظہار کامل پر قادر ہین بلکہ وہ ایسی علامات اصوات ہین جو بذاتِ خود اظہار کامل پر قادر ہونے کے علاوہ اُن علاماتِ اصوات کو بھی مربوط و منسلک کرتے ہین جن کا اظہار اعانتِ غیر پر منحصر و موقوف ہے स्वर سے व्यंजन - کے اظہار کا کام لینا اُسکو اُسی تعریف مین داخل کرتا ہے۔

جو کہ یورپ نے VOWEL کی تعریف کی ہے۔ غور سے دیکھا جائے تو یورپ کی تعریف ناقص نظر آئیگی کیونکہ اُسنے اپنے VOWEL سے ہر طرح سے وہی برتاؤ کیا ہے جو دیوناگری نے اپنے स्वर سے۔ اس لحاظ سے اُسکو VOWEL کی وہی تعریف کرنی چاہیئے تھی جو مین نے स्वर کی تعریف پیش کرنے کی جرأت کی ہے۔ دیوناگری نے स्वर کی جو صورت مقرر کی وہ ایسی نہ تھی کہ व्यंजन کے آگے اور پیچھے بے تکلف کام دیسکے اسلیے स्वर کے واسطے مختصر علامات (جو عرف عام مین ماترا کہلاتی ہین) ایجاد کرنی پڑین جنکو व्यंजन سے ملایا جاسکے۔

لیکن عرب کا یہ حال نہین ہے جو کہ انگریزی اور دیوناگری کا ہے عربی زبان کے موجد نے علاماتِ رابطہ (اعراب حروف علت۔ حرکات وسکنات) علاماتِ اصوات (حروف ... گانہ معین کیا ہے یعنی علامات رابطہ کو اسنے وہ رتبہ نہین دیا جو علامات اصوات (حروف صحیح) کو دیا ہے۔ اگرچہ علامات رابطہ کا نام اُسنے بھی حروف علت ہی رکھا ہے۔ لیکن ا۔ ی۔ کو علاماتِ اصوات سے نکالنا اور علامات رابطہ مین داخل کر دینا [illegible] سبب نظر نہین آتا۔ اُن کو حروف علت ماننا اور یہ بھی کہنا کہ وہ حروف صحیح ہین اس پر دال ہے کہ وہ ان کی حیثیت صاف صاف معین کرنے سے قاصر رہا۔ [illegible] ہے کہ حروف علت کی [illegible] کے بعد کہ وہ دوسرے حروف کو ملا کر [illegible] وہ اس وہم [illegible] مین پڑگیا کہ جہان وہ [illegible] نہین حروف

آواز دینا اُسکو حروفِ علت مین داخل نہین کرتا۔ جنکو وہ حروفِ صحیح سے موسوم کرتا ہی
اُن کا متحرک ہونا یا نہونا اُن کی حیثیت پر کوئی اثر نہین ڈالتا۔ اور جب و۔ ا۔ ی۔
کی نسبت یہ تسلیم کیا جا چکا کہ وہ علامات ہین جو ظاہر کرتی ہین اعضائے صوت کی حرکات
کے نتیجہ کو بالکل ویسے ہی جیسے کہ ب اور ص وغیرہ تو کوئی وجہ نہین کہ جب وہ غیر
متحرک ہون تو اُنکو حروفِ صحیح سے خارج کر دیا جائے۔ و۔ ا۔ ی کو ہر حالت مین
حروفِ صحیح سمجھنا چاہئے خواہ وہ متحرک ہون یا نہون۔

اب تک جو کچھ لکھا گیا ہے اُس سے یہ مقصد ہے کہ ناظرین کی توجہ اُن اُصول
کی طرف منعطف کیجائے جو باعثِ تقسیم حروف ہین اور نہ درحقیقت مقصود یہ ہے کہ
قواعد اُردو مین اسکی تقلید نہ کی جائے۔

اُوپر جو دو اُصول بیان کئے گئے ہین اُن سے صاف ظاہر ہے کہ اعضائے
صوت کے اعمال کے نتائج اور ایسے دو نتائج کے درمیان جو ربط ہے وہ بالکل دو
جُداگانہ چیزین ہین اور نیز یہ کہ اصوات مجردہ روابط کی معمول ہین۔ حالانکہ روابط کسی
کے معمول نہین۔ پس اصوات اور روابط اصوات کا یہی ما بہ الامتیاز ہے۔ لہذا جو
علامات اصوات کے لیے مقرر کی گئی ہین وہ روابط نہین ہوسکتین اور جو روابط کے لئے
مقرر کی گئی ہین وہ اصوات سے خارج ہین۔

اس ضمن مین ایک اور بات بھی قابلِ غور ہے اور وہ یہ کہ علاماتِ اصواتِ مجردہ
(حروف) مین صلاحیت الحاق موجود ہے اور روابط (حروفِ علت۔ اعراب) سے
یہ بات قطعی مفقود۔ کیونکہ روابط کو حروف الفاظ سے اِسطرح ملا کر نہین لکھا جا سکتا جسطرح
کہ حروف الفاظ کو اور یہ ایک زبردست دلیل ہی اسکی کہ روابط علامات اصوات سے کوئی
تعلق نہین رکھتے اور چونکہ و۔ ا۔ ی۔ صلاحیت الحاق رکھتے ہین اسلئے انکو روابط
مین داخل کرنا قطعی غیر موزون ہے۔

زبان اُردو کا ماخذ پراکرت اور رسم خط عربی ہے اسکو زیادہ قریب الفہم بنانا
کے لیے یون کہنا چاہئے کہ یہ TRANSLITERATION

کسی دوسرے زبان کے حروف کا لباس پہنانے مین اسکا حق باقی نہین رہتا کہ اصل زبان کی علامات اصوات کو وہ رتبہ دیدیا جائے جو اسی قسم کے یا اُس سے ملتی جلتی اصوات کے مظہر کو اُس زبان مین حاصل ہے جبکی ابجد کو بغرض افہام وتفہیم زبان اختیار کیا گیا ہے کیونکہ یہ اختیار کردہ ابجد دراصل اُن علامات اصوات کی قائم مقام ہوتی ہے جو خود زبان والون نے اپنی تقریر کو جامۂ مرئیات پہنانے کے لیے ایجاد کی ہین۔ اس منزل پر پہنچکر اختیار کردہ ابجد اپنی حقیقی حیثیت زائل کر کے نیابت کا رتبہ حاصل کرلیتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ نائب کا رتبہ اُس سے جداگانہ نہین ہوا کرتا جسکی وہ نیابت کرتا ہے۔ دیوناگری حروف مین جو کہ ہندی کی ابجد ہے य اور व جن کے ی اور و قائم مقام ہین व्यंजन یا حروف صحیح کا درجہ حاصل ہے بس یہ دونون حروف علت سے اسی بنا پر نکلگئے اب ایک (ا) ایسا ہے کہ جو دیوناگری مین بھی حروف علت مین داخل ہے اسکو اسوجہ سے حروف علت سے خارج کردینا چاہئے کہ یہ روابط کا معمول ہے اور معمول روابط حروف صحیح ہوتے ہین نہ کہ حروف علت۔

یہان یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب ہندی کی تقلید شروع ہوگئی تو اب اُس سے گریز کیون۔ یہ صحیح ہے لیکن اس نظریہ[1] کا کہ حروف علت جنکو روابط سے تعبیر کیا جاچکا ہے۔ علامات اصوات کے معمول نہین ہوتے۔ ہندی بھی تو ابطال نہین کرتی۔ ایک اور سطحی اعتراض وارد ہوسکتا ہے کہ TRANSLITERATION کے بل پر جو عمارت کھڑی کی گئی ہو وہ اُس صورت مین گری پڑتی ہے جبکہ عربی کے الفاظ جو کہ اردو مین مروج ہین سابقہ پڑتا ہے۔ یہان زبان اور طرز تحریر جو زبان کے لیے ایجاد کیا گیا ہے ایک ہی ہین۔ یہ درست ہے لیکن یہ اعتراض اُسی صورت مین وقعت رکھتا ہو جبکہ نظریہ بالا کی تردید کرتا ہو۔ عربی کے مستعار الفاظ کو ہم اپنی زبان کے لفظ سمجھتے ہین جسکا ثبوت یہ ہے کہ بے انتہا الفاظ کو ہم اس معنی مین استعمال نہین کرتے جنکے لیے وہ عربی مین مستعمل ہین تلفظ بھی اکثر کا مسخ ہوگیا ہے اور ہماری صرف نحو کا بھی

---

[1] تھیوری۔

اُن پر پورا تصرف ہے۔ اس صورت مین وہ ہماری زبان کے لفظ ہین اور ہم اُن کے حروف کی نسبت اپنے معیار کے مطابق فیصلہ دیتے ہین۔

اب رہا یہ سوال کہ اگر و - ا - ی - کو حروف علت سے خارج کردیا جائے تو اسوقت جو کام وہ بہ حیثیت حروف علت انجام دے رہے ہین وہ کس سے لیا جائے مین عرض کرونگا کہ آپ حروف صحیح کے لیے روابط ایجاد کیجئے غالباً ایک ہی علامت ایجاد کرنی پڑے گی۔ اور و ی کے لیے۔ ا جب ساکن ہوتا ہے تو اُسکا ماقبل ہمیشہ مفتوح ہوتا ہے۔ اپنے ماقبل مفتوح سے ملکر جو آواز یہ دیتا ہے۔ اُسکے لئے کسی علامت کے ایجاد کرنے کی ضرورت نہین و ساکن اپنے ماقبل متحرک سے ملکر تین آوازین دیتا ہے۔

(۱) ماقبل مفتوح جیسے جَو۔

(۲) ماقبل مضموم (دو طرح) جُو (حرف شرط)

(۳) جو (لفظ فارسی بمعنی نہر)

مثالِ اول پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ یہان و کے ساتھ وہی برتاؤ کیا گیا ہے جو اور حرفون کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ یعنی حرف ساکن کو اپنی ہستی کو فنا نہین کر دیتا۔ لیکن اُسکی آواز حرف متحرک سے ملکر نکلتی ہے اور اسطرح وہ گویا تابع ہوتا ہے اپنے ماقبل متحرک کا اسی طرح مثال دوم کو سمجھئے۔

لیکن مثال سوم ایک دقت پیدا کرتی ہے اور وہ یہ کہ و ساکن کے ماقبل جو حرکت ہے اُسکے بھی پیش ضمہ۔ یا رفع کہتے ہین حالانکہ ایک ہی رابطہ کا دونون حروف پر ایک ہی اثر نہین یعنی حروف اور رابطہ بلحاظ نام یکسان ہین۔ مگر آوازین الگ الگ ہین۔ تیسری مثال مین علامت لگائی گئی ہو وہ حال کی ایجاد ہے۔ بس اگر نام نئی علامت کا بجائے ضمہ یا رفع کے ایک نیا نام رکھ سکین تو و معروف اور مجہول کا قصہ پاک ہوا جاتا ہے اسوقت و مجہول پر جو علامت لگائی گئی ہے (دیکھئے مثال دوم) عام طور سے اسکا نام "پیش" ہے۔ اسکو "پیش" ہی کہا جائے۔ اور عربی اصطلاحات سے

قطع نظر کرکے و معروف کے لیے تو ایجاد علامت کو ضمہ یا رفع کہا جائے رابطہ کا نام اور صورت خود بخود آوازکے فرق کی طرف دلالت کرینگے ی بھی و کی طرح کیطرح معروف اور مجہول کی زنجیرون مین جکڑے ہے۔ مثلاً جی۔جی۔جے۔ یہان بھی دوسری اور تیسری مثال پر وہی اعتراض وارد ہوتا ہے جو و پر ہوتا تھا یعنی حروف اور رابطہ بلحاظ نام ایک ہین اور آوازین الگ الگ۔

چونکہ ابھی تک ی مجہول کے ظاہر کرنے کے لیے کوئی نیا رابطہ ایجاد نہین ہوا اسلیئے جدت وجودت کو اظہار کا موقع ہے۔ مین پھر عربی سے زلہ ربائی کرونگا جب کوئی حرف ی سے ملکر موجودہ ی مجہول کی آواز دے تو اس رابطہ کو کسرہ کہیئے اسکی شکل کے اختراع کا آپکو اختیار ہے۔ اگر آپ مناسب سمجھین تو یہ علامت (٨) اختیار کرلین اس سے یہی فائدہ ہوگا کہ ی معروف و مجہول کی بندشون سے آزاد ہوجائیگی بلکہ ی مجہول جو حروف الفاظ کے درمیان واقع ہوکر بوجہ مماثلت اپنے جداگانہ ہستی فنا کرکے تلفظ مین دقت پیدا کرتی ہے وہ دقت جاتی رہے گی۔

میری تجویز پر عمل کرنے سے یہ فائدہ ہوگا کہ ایک تو ا۔ و۔ ی۔ کی حیثیت مبہم نرہے گی۔ دوسرے یہ کہ انکی شکل سے جو حروف صحیح سے مشابہ ہونے کے باعث اپنے حروف صحیح ہونے کا دہوکا دیتے ہین دہوکا نہوگا۔

مین تمام اہل الرائے حضرات سے عموماً اور یونیورسٹیون کے اردو لکچرار صاحبان سے خصوصاً معاملہ کی طرف توجہ فرمانے کی استدعا کرتا ہون۔

سلیم جعفر

دیش بندھو داس مرحوم

(از جناب اقبال ورما صاحب سحر ہتگامی)

شریمت چترنجن داس کے وفات سے قوم کا ایک زبردست رہنما اور سوراج
پارٹی کا مقتدر ترین رکن ہم سے ہمیشہ کے لیے جدا ہو گیا۔ وہ بنگالی تھے اور بنگال سے انکا
خاص تعلق تھا۔ پھر بھی اُن کے دائرۂ عمل کی وسعت اور اُن کے مقلدون کی تعداد کی
افزونیت کو دیکھتے ہوے ہمکو یہی کہنا پڑتا ہے کہ وہ بلاشبہہ ہر پہلو سے ایک سچے ہندوستانی
تھے۔ اُنکے جسم کی سرشت بنگال کی آب و گِل سے ہوئی تھی اور اُنکے دل کی ہندوستان
کی خاک پاک سے۔ یہی وجہ ہے کہ آج اُنکی مرگِ ناگہانی سے سارا ملک متاثر ہوا ہے اور
سارے اہالیان ملک بلا تفریق مذہب و ملت آج ان کا ماتم کر رہے ہین۔ یہ ماتم اس بات
کو صاف ظاہر کر رہا ہے کہ مرحوم کسقدر ہر دلعزیز تھے اور بدنصیب قوم نے آج اُنھین کھو کر
اپنا کیا کچھ کھو دیا ہے!

وہ ۵ نومبر ۱۸۷۰ء کو کلکتہ مین پیدا ہوے۔ اُنھون نے ۱۸۹۰ء مین پریسیڈنسی کالج
کلکتہ سے بی۔ اے۔ پاس کیا۔ زان بعد وہ انڈین سول سروس مین شامل ہونے کے
غرض سے انگلستان گئے۔ مگر ملک کی خوش قسمتی سے وہ سول سروس کے امتحان مین
کامیاب ہونے کے باوجود بھی اُس ملازمت مین داخل نہین ہو سکے۔ اُنھون نے انگلستان
مین ہندوستانی معاملات کے متعلق کوئی سیاسی تقریر کی تھی۔ شاید اسی وجہ سے وہ سول
سروس کے باغ عدن سے نکالدیئے گئے۔ اُنھون نے ممنوع درخت کا پھل کھایا تھا۔
اور اسکا خمیازہ بھگتنا لازمی تھا۔ خیر، وہ بالآخر بیرسٹری کے امتحان مین شریک ہوے
اور کامیاب۔ وطن واپس آکر اُنھون نے ۱۸۹۳ء مین کلکتہ ہائی کورٹ مین بیرسٹری
شروع کی۔

قانون کا پیشہ بالعموم انتظار، صبر اور برداشت کا پیشہ ہوتا ہے پیشہ کے ابتدائی زمانہ کو تقریباً بیکاری کا زمانہ سمجھنا چاہیئے البتہ خاص لوگون کی حالت مین کبھی ایسا موقع ضرور آجاتا ہے جو اُنکی غیر معمولی قابلیتونکو ظاہر کرکے عوام کو ان کا عقیدتمند بنا دیتا ہے۔ یہی موقع پیشہ کے فروغ کا باعث ہوا کرتا ہے۔ مگر اکثر اُس کے آنے مین برسون لگ جاتے ہین۔ مرحوم کے متعلق بھی یہی بات کہی جا سکتی ہے۔ اُن کے باپ کی مالی حالت نہایت خراب تھی۔ حتیٰ کہ وہ مقروض تھے۔ چنانچہ مرحوم کو بھی تقریباً دس سال تک انواع واقسام کی مالی تکلیفین برداشت کرنی پڑین، ۱۹۰۸ء مین بنگال کے سیاسی مضامین اُس سازش کے مقدمہ کا ظہور ہوا جو "علی پور بم کیس" کے نام سے مشہور ہے۔ اس مقدمہ مین شری یت آروبند وگھوش جیسا نامور محب وطن بھی ماخوذ تھا وہ زمانہ تھا قوم کی بیداری کا ہندوستان بالخصوص بنگال کی رعایا نے اپنے جائز حقوق کو عملی مطالبہ کیصورت مین پیش کرکے غیر ملکی سرکار کو یکدم برافروختہ کر دیا تھا۔ سرکار بھی خالف تھی اور رعایا بھی۔ اسوقت کسی سازش کے مقدمے مین صفائی کی طرف سے وکالت کرنا۔ ذرا ہمت کا کام تھا۔ مرحوم مین وہ ہمت تھی۔ اُنھون نے گھوش کی جانب سے تقریباً آٹھ ماہ تک مقدمہ کی پیروی کی اور بالآخر اُنھین رہا کرا کے چھوڑا۔ یہین سے اُنکی بیرسٹری کو فروغ ملنا شروع ہوا، حتیٰ کہ ۱۹۲۰ء مین تحریک عدم تعاون کی شرکت پر بیرسٹری چھوڑنے کے وقت اُنکی آمدنی کا اندازہ تیس ہزار سے ساٹھ ہزار روپیہ ماہوار کیا گیا تھا۔

اُنکے دل مین درد تھا اور مزاج مین استغنا، اُنھون نے سازش کے کئی مقدمات مین صفائی کی جانب سے پیروی کرکے ملزمون کو رہا کرایا۔ اگر کہین محنتانہ لیا بھی تو اسقدر قلیل جسے شکرانہ کہنا ہی زیادہ مناسب ہوگا۔ لیکن دراصل اُنھون نے اپنی آمدنی کی کبھی اتنی پرواہ نہین کی جتنی اپنے ضمیر کی۔ اپنے والد کے قرض کے لیے قانوناً ذمہ دار نہ ہونے پر بھی اُنھون نے اُسکا ایک ایک حبہ بیباق کر دیا۔ فیاضی کا یہ حال تھا کہ اُنھون نے اگلے روز کی فکر سے اپنے آپکو کبھی پریشان نہین کیا۔ وہ اپنے روپیہ کو قوم کا روپیہ سمجھتے تھے اور اُسے قوم کی خدمت مین بیدریغ صرف کر دیتے تھے۔ اُنھون نے لاکھون کما کے اور

انھون خرچ کئے وہ غریب ہوکر امیر ہوئے اور پھر غریب ہی ہوکر مرے اُنکے درِ دولت سے
کوئی حاجتمند کبھی مایوس ہوکر نہین پھرا اور انکا باورچیخانہ تو ہر وقت ہر شخص کے لیے کھلا ہی
رہتا تھا۔ ابھی پارسال ہی اُنھون نے اپنا کل لوازمہ حتی کہ اپنا رہائشی مکان بھی ملکی کامون
کے لیے وقف کر دیا تھا! اللہ اللہ کتنا حوصلہ تھا۔ کتنی دریادلی تھی! اب ایسے لوگ
کا ہے کو پیدا ہوتے ہین۔

داس مرحوم کے پدر بزرگوار برھمو سماجی تھے۔ شریجت داس بھی برہمو سماج کے
بانی راجہ رام موہن رائے کا نام بڑی عزت سے لیتے تھے۔ مگر اُنکی طبیعت کا رحجان
وشنو دھرم کیجانب زیادہ ہوتا گیا۔ حتی کہ اُنھون نے برھمو سماج سے قطع تعلق کر کے
وشنو دھرم ہی کو قبول کیا۔ اُنکی شادی شریمتی بسنتی دیوی کے ساتھ برھمو سماج کے رواج
کے مطابق ہوئی تھی مگر اُنھون نے اپنے لڑکے اور اپنی دونون لڑکیون کا بیاہ ہندو
مذہب کے مطابق کیا۔ یون تو وہ سراپا قومیت ہی کے رنگ مین رنگے ہوئے تھے۔
اور ان کا مذہبی معیار بھی قومی خدمت کرنا تھا۔ ان کا مقولہ تھا کہ قوم کی خدمت کرنا ہی
خدا کی پرستش کرنا ہے۔ وہ آخر دم تک اپنے اسی مقولہ پر عمل کرتے رہے اور اُنھون
نے اپنے قائم کردہ معیار کے حصول کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔

دنیا قدرت کے شاعری کا ایک دلکش مرقع ہے۔ اُسکا دیکھنے والا اور اُس نظارہ
سے متاثر ہونے والا انسان شاعرانہ جذبات سے بے بہرہ نہین ہو سکتا۔ داس مرحوم شاعر
بھی تھے اور ادیب بھی، اُنکی ادبی زندگی کا آغاز ۱۸۹۵ء سے ہوا تھا۔ جبکہ اُنھون نے
مالنچ نامی کتاب کی اشاعت کی تھی۔ مگر مرحوم کو مالی مشکلات کی وجہ سے اپنی ادبی کوششونکو
متواتر کئی سالون کے لیے ملتوی کرنا پڑا۔ فوری مشکلات سے نجات پانے پر مرحوم نے
۱۹۱۵ء مین بنگلہ زبان کا ماہوار رسالہ نارائن جاری کیا اُسوقت سے اُنکی نظمون کے
کئی مجموعے، مثلاً۔ مالا۔ کشور کشوری، ساگر سانگیت وغیرہ شائع ہوئے ہین مین بنگلہ نہین
جانتا مگر اسوقت اُنکی نظمون کا اُردو ترجمہ ناگ مین کئی مہینے سے نکل رہا ہے۔ دیکھنے سے
پتہ چلتا ہے کہ اُن کے تخیل مین کتنی بلندی۔ اُنکے جذبات مین کتنا حق اُنکی فکر مین کتنی بلندی

انکے نظمون مین کتنا فلسفہ ہے! کہین کہین تو ملک الشعرا رابندر کی گیتا کا بھی مزہ آجاتا ہے
مرحوم ادھر کوئی دو سال سے ناورڈ نامی ایک زبردست انگریزی روزانہ اخبار بھی نکال رہے تھے
مگر انکی زندگی کا اہم ترین پہلو انکی طبیعت کا سیاسی رجحان تھا۔ ۱۹۰۵ء مین تقسیم بنگالہ پر وہان سودیشی تحریک کا آغاز ہوا۔ داس مرحوم کے سیاسی زندگی کی ابتدا بھی اُسی وقت سے ہوئی۔ اگرچہ اُسی زندگی کے آثار بہت پہلے سے نمایان ہو چلے تھے۔ انکی طبیعت انتہا پسند واقع ہوئی تھی۔ اور قوم کے انتہا پسند فرقہ مین وہ شامل بھی ہو گئے۔ ۱۹۱۹ء مین انڈین نیشنل کانگریس کا سالانہ اجلاس امرتسر مین منعقد ہوا اس سے کئی ماہ قبل وائسرائے کے خود مختارانہ طرز عمل کی بدولت رولٹ ایکٹ پاس ہو چکا تھا۔ اور اُس ظالمانہ قانون کی مخالفت کے سبب پنجاب کے خونین ہنگامے بھی ظہور پذیر ہو چلے تھے۔ ساتھ ہی کانگریس مذکور کے انعقاد کے پہلے ہی مسٹر مانٹیگو آنجہانی کی کوشش سے ملک کی موجودہ اصلاحی تجویز کی اشاعت بھی ہو چکی تھی۔ کانگریس مین کئی قومی رہنماؤن نے (شمولیت مہاتما گاندھی) اُس تجویز سے اپنی موافقت کا اظہار کیا تھا۔ مگر داس مرحوم اسکے سخت خلاف تھے۔ اُنھین یقین تھا کہ ۱۹۱۷ء کے شاہی اعلان سے ہندوستان کو جس سوراج کے دینے کا وعدہ کیا گیا ہے اُسے باقساط ادا کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ اسکے لیے ملک یکدم تیار ہے اور اُسمین سوراج کی کافی اہلیت ہے اُنھین نئی اسکیم پر خود بھی اعتقاد نہ تھا، انکی رائے مین اس اسکیم سے موجودہ طرز حکومت مین کسی اہم رد و بدل کی توقع نہین کیجا سکتی تھی۔ وہ کہتے تھے کہ ہمین اسکی پروا نہین کہ ہمکو پارلیمینٹ کے طرز کی یا کسی دیگر قانونی طرز کی کونسلین ملین ہمین ہم آہنگ ہوکر یہی کہنا چاہیے کہ ہم اپنی حکومت کا انتظام آپ کرینگے اور یہ ہمارا قدرتی حق ہے۔ اور کوئی گورمنٹ ہمین اس حق سے محروم نہین کر سکتی جس وقت ہمین اسبات کا احساس [illegible] ہو جائیگا اسوقت ہمکو سوراج ملجائیگا"

۱۹۱۹ء مین پنجاب کے مظالم اور خلافت کے مسائل نے قوم کے دل مین ایک ہیجان پیدا کر دیا تھا حکومت نے اپنی مظلوم رعایا کے فریاد کو سنی ان سنی کر دیا تھا وہ عوام کی دلجوئی کے [illegible] تیار نہ تھی بالآخر ستمبر ۱۹۲۰ء مین کانگریس کا خاص اجلاس (کلکتہ) طلب کیا گیا اسمین مہاتما گاندھی نے اپنی تحریک ترک موالات کی تجویز کو

پیش کیا وہ پاس بھی ہوگئی داس مرحوم اُسوقت اس تجویز سے متفق نہ تھے مگر تین چار ماہ بعد ناگپور کے کانگریس مین اُنھون نے اُسے تام وکمال منظور کرلیا۔ قول کے بعد عمل کی باری آئی، اور وہ اسمین بھی کسی سے پیچھے نہین رہے۔ علی پور بم کیس نے اُنکی قانونی زندگی مین نئی روح پھونکدی تھی۔ تحریک ترک موالات نے اُنکی سیاسی زندگی کے حق مین وہی کام کیا۔ اُنھون نے اپنی بیرسٹری ترک کردی۔ یہ بڑی زبردست قربانی تھی۔ ایسی قربانی جسے دیکھتے ہوئے ڈھاکہ یونیورسٹی کمیشن کے پریسیڈنٹ سر مائیکل سیڈلر نے کہا تھا کہ "فی زمانہ ایسی قربانی کی نظیر دنیا مین ملنی مشکل ہے اور جہان داس جیسا ایثار نفس موجود ہے اُس ملک کو نا امید ہونیکی قطعی ضرورت نہین۔ اُنھون نے مغربی وضع کی نفیس پوشاک اوتار کر پھینکدی اور کھدر پہن لیا۔ اُنھون نے اپنی ساری کمائی کلکتہ کے قومی کالج کو دیدی اور بنگال کے طلبار سے کالجون اور اسکولون کو چھڑا دینے کے کام مین نمایان حصّہ لیا۔ اُنھون نے تلک سوراج فنڈ کے سلسلہ مین نہایت مستعدی سے کام کیا۔ اور تحریک مذکور کے اصولون کی اشاعت مین بڑی سرگرمی دکھلائی۔ اُن کے دل مین لگن تھی اور زبان مین جادو۔ لوگ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتے تھے۔

اُنکی قربانیون نے اثر دکھلایا۔ ملک مین اُنکی دھاک بیٹھ گئی۔ اور قوم کے دل مین اُنکا وقار یکدم قائم ہوگیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ احمد آباد کی کانگریس کے جو دسمبر ۱۹۲۱ء مین ہوئی تھی اُسکے صدر منتخب کئے گئے۔ لیکن سنہ ۱۹۲۱ء کا سال ہندوستان کی تاریخ مین نہ بھولنے والا سال ہے۔ تحریک ترک موالات پورے زور پر تھی سوراج کا [illegible] منظر آنکھون کے سامنے تھا اور قوم اسکے لیے دل وجان سے کوشان [illegible] دل مین اُمید تھی، ارادون مین بلندی، رفتار مین تیزی۔ سرکار اُسے جبر وتشدد سے روکنا چاہتی تھی مگر بے سود۔ اُسی سال شاہزادہ ولیعہد بہادر ہندوستان تشریف لائے۔ [illegible] دل برداشتہ تھی اُسنے شاہزادہ کا خیر مقدم نہ کرنے کا تہیہ کرلیا کانگریس نے قومی رضاکارون کی بھرتی شروع کردی۔ نوکر شاہی کی ایک نہ چلی، وہ چڑھ گئی اُسنے رضاکارون کی جماعت کو خلاف قانون قرار دیا۔ ملک بھر مین گرفتاریون کی دھوم [illegible] سیکڑون [illegible]

قوم کے سرفروشون نے ٹھٹھ کے ٹھٹھ لگا دیئے اس اہم موقع پر داس سا مجاہد کب پیچھے رہ سکتا تھا۔ وہ بھی رضاکارون کی جماعت مین داخل ہوئے اور ۱۱ دسمبر ۱۹۲۱ء کو گرفتار کر لیے گئے اور بالآخر ۱۴ فروری ۱۹۲۲ء کو اُنھین چھ ماہ قید محض کی سزا دیگئی نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اُس سال کانگریس مین نہ جا سکے اور اُن کا کام حکیم اجمل خانصاحب نے کیا۔

لیکن اس اثنا مین داس مرحوم کے خیالات مین تبدیلی پیدا ہو چلی تھی کانگریس نے ابتدا سرکاری کونسلون کو بائیکاٹ کر دیا تھا اب اُنھون نے سوچا کہ کونسلون کے اندر بھی جا کر دفتری حکومت سے خود مختارانہ کامون مین رکاوٹ ڈالنی چاہیئے۔ قید فرنگ سے رہا ہونے پر وہ اُسی سال گیا۔ کانگریس کے صدر منتخب کئے گئے اور وہین اُنھون نے اپنے نئے خیالات کا اظہار کیا۔ مگر اُنکی تجویز کثرت رائے سے مسترد ہو گئی تاہم وہ نا اُمید نہین ہوئے۔ اُنھون نے سوراج پارٹی کی بنیاد ڈالی اور ملک مین اپنے خیالات کی اشاعت شروع کردی، کانگریس مین دو جماعتین ہو گئین ایک داخلہ کونسل کی خلاف اور دوسری موافق۔ دونون مین کانگریس کے چیدہ ارکان تھے۔ دونون اپنی اپنی ہٹ پر اَڑی ہوئی تھین۔ باہمی ناچاقی بڑھ رہی تھی۔ ملک کا واحد رہنما ہردوار کے قید خانہ مین سوراج کے لیے تپسیا کر رہا تھا۔ اب کیا ہو؟ خانہ جنگیون کو مٹانے کے لیے ستمبر ۱۹۲۳ء مین، دلی مین کانگریس کا خاص اجلاس ہوا۔ اُسمین مولانا محمد علی صاحب بھی جیل سے چھوٹ کر شامل ہوئے تھے اُنھین کی خاص کوشش سے دونون مین سمجھوتہ ہو گیا اور کونسل مین جانے والون کو داخلہ کونسل کی اجازت دیدیگئی۔ اسطرح داس آنجہانی اپنے مقصد مین بالآخر کامیاب ہو کر رہے۔ بلاشبہ یہ اُنکی شاندار فتح تھی۔

یہ تو سوراجیون نے الاقوم سبھی جگہہ کونسلون مین جانے کی کوشش کی اور گو کہ بنگال مین اُنھین خاص کامیابی حاصل ہوئی۔ یقیناً اسکی وجہ داس بابو کی قربت تھی۔ اُس کونسل مین وہ خود بھی تھے وہان وزارت کا عہدہ بھی پیش کیا گیا۔ مگر اُنھون نے انکار کر دیا۔ اُن کی [illegible] جنرل حیثیت سے زیادہ نہ تھی مگر اُن کے اثر و اقتدار کو

دیکھتے ہوئے یہ کہنا پڑتا ہے کہ کونسل پر اُنھین کا قبضہ تھا۔ سرکار کو متواتر زک دینا
اُن کے بائین ہاتھ کا کھیل تھا گورنر کی بارہا کوشش کرنے پر بھی بنگال کی کونسل مین
وزراء کی تنخواہین منظور نہو سکین گورنر نے لاکھ چاہا، کہ "بنگال آرڈینس بل" کسی طرح
کونسل مین پاس ہو جائے مگر اُن کا کیا کچھ نہ ہو سکا اور اُنھین مجبوراً اپنے استنادی اختیار
کا سہارا لینا پڑا۔ داس بابو اُس وقت بیمار تھے اور کام کرنے کے ناقابل۔ پھر بھی وہ
اسی بل کی وجہ سے کونسل کے اجلاس مین غیر متوقع طور پر شریک ہوئے اور بل کو نامنظور
ہی کراکے چھوڑا۔ کونسل مین جا کر اُنھون نے دوعملی حکومت کے خاتمہ کی خاص کوشش
کی اور اُنکی وفات سے ایک روز پہلے بنگال مین اُسکا خاتمہ بھی ہوگیا! اب وہان کی سرکار
کھلے بندون حکومت کریگی جیسا کہ وہ واقعی کرتی آرہی ہے۔

قدرت نے مرحوم کو اجتماعی قوت کا کافی ووافی حصہ عطا کیا تھا۔ تالیف قلوب
کا اُن مین خاص ملکہ تھا۔ مرحوم کی کامیابی اور مقصد براری کا یہی اصلی راز تھا۔ اُنھون
نے صرف بنگال ہی کی کونسل پر اپنا اقتدار قائم نہین کیا بلکہ کلکتہ (کارپوریشن) کو بھی اپنے
ہاتھ مین کرلیا۔ اور وہی اُس کارپوریشن کے اول لارڈ میئر بھی بنائے گئے۔ وہ دل و
جان سے ہندو مسلم اتحاد کے خواہان تھے۔ اُن کے دلمین محبت بھی اور خیال مین
وسعت۔ وہ سمجھتے تھے کہ اتحاد کے لیے کثیر التعداد ہندون کو قلیل التعداد مسلمانون
کے ساتھ کس قسم کا برتاؤ کرنا چاہیے۔ اسی بات کو مدنظر رکھتے ہوئے اُنھون نے
اپنے طرز پر "ایک ہندو مسلم پیکٹ" بھی تیار کیا تھا جسمین مسلمانون کے ساتھ خاص رعایت
روا رکھی گئی تھین۔ اسکے لیے مرحوم کو دنیا بھر کی نصیحت سننی پڑی۔ ایک اور معاملہ مین
بھی ہندوستان سے انگلستان تک خوب چیخ پکار ہوئی۔ اُنھون نے سراج گنج کی
کانفرنس مین نوجوان بنگالی گوپی موہن ساہا (جسے مسٹر ڈے کے قتل کے جرم مین یکم مارچ
سنہ ۱۹۲۴ء کو پھانسی دیگئی تھی) کو ایک زبردست محب وطن قرار دیکر اُسکی تعریف کا ریزولیوشن
پاس کرایا۔ یون تو وہ اہنسا کے سچے پیرو تھے اور اُسی کو ملکی نجات کا آلہ سمجھتے تھے مرحوم
نے اپنے غیر تشددی طرز عمل کا اس وقتی اعلان مین بھی تذکرہ کر دیا تھا جسے اُنھون نے

اُسی ڈھنگ پر شائع کیا تھا۔ وہ گورنمنٹ کو بھی خواہ مخواہ دق نہین کرنا چاہتے تھے ابھی
تھوڑے ہی دن ہوئے (۲۵ مئی ۱۹۲۵ء) کہ اُنھون نے فرید پور کی پولیٹیکل کانفرنس مین
تعاون کے لیے چند اہم شرطین پیش کی تھین مگر صاحب وزیر ہند نے اُنھین منظور کرنا
مناسب نہین سمجھا۔ ان شرائط کے متعلق بھی مرحوم پر لعن وطعن کی خوب خوب بوچھارین
ہوئین مگر واقعی بات تو یہ ہے کہ اُنھون نے اپنے ضمیر کے آگے اپنی نیکی یا بدنامی کی
کبھی پرواہ نہین کی یہ اُنکی ایک نمایان خصوصیت تھی۔

شریمت مین چندر پال نے مہاتما گاندھی پر دیش بندھو داس کی فوقیت کہلائی
ہے، اسلیے کہ بالآخر مہاتما بھی سوراجی دیش بندھو کے سامنے جھک گئے۔ میری رائے
مین اس قسم کا موازنہ نامناسب ہے۔ داس مرحوم کی زبردست شخصیت اور اُنکی اعلیٰ
قابلیت سے کسی کو انکار نہین ہوسکتا؛ پھر بھی اُن مین اور گاندھی جی مین وہی فرق تھا
جو مہاتما اور دیش بندھو مین ہوسکتا ہے۔ رہی جھکنے کی بات۔ اُسکے متعلق یہی کہنا کافی
ہے کہ قومی رجحان کا لحاظ کرنا ہی پڑتا ہے اور قومی رجحان مین تبدیلیان ہوتی ہی
رہتی ہین اسمین ذرا بھی شک نہین کہ دیش بندھو کو مہاتما جی سے دلی عقیدت تھی اور
تھوڑا بہت اختلاف رکھتے ہوئے بھی وہ فی الجملہ اُن کے مقلد ہی تھے اُنھون نے پھر
وکالت نہین کی وہ اشتراک عمل کی غرض سے عدالت مین نہین گئے، وہ کونسلون کے
معتقد نہین ہوئے۔ اُنھون نے کھدر کو ترک نہین کیا وہ چرخہ چلانے پر بھی رضامند تھے۔
وہ قوم کے فقیر ہوگئے تھے اور مرتے دم تک وہ ملک کی خاطر فقیر رہے۔

اگرچہ اسطرف اُنکی علالت کا سلسلہ عرصہ سے جاری تھا مگر اُنکی حالت تشویشناک تھی
مرنیسے ایک روز پہلے تک کسیکو اسبات کا وہم و گمان بھی نہو سکتا تھا کہ یہ فنافی القوم قومی خدمت کی
نہ مٹنے والی [illegible] لیے [illegible] گھنٹون کے بعد ہی فنا ہو جائیگا۔ آہ یہ وہ صدمہ ہے
جسے برداشت کرنا سہل نہین۔ اسمین شک نہین کہ داس بابو کی وفات سے صرف ہندوستان
کا نہین بلکہ دنیا کا ایک بزرگ شخص [illegible] اس سانحہ پر تمام دنیا اُنکا ماتم کرے تو بجا ہے۔
پرماتما ہمین اُن کے [illegible] کام کو پورا کرنے کی توفیق بخشے۔ [illegible]

اُردو کی ترقی کا مسئلہ

لکھنؤ اور دلّی سے اُردو کو جو نسبت تقرب ہے، اسکا اعادہ تحصیل حاصل ہے، دنیا جانتی ہے کہ اُردو دکن مین پیدا ہوئی دہلی مین پھلی پھولی، اور لکھنؤ مین آکر سراپا باغ و بہار بنگئی، زوال لکھنؤ کے بعد دہلی ولکھنؤ مین صرف زبانی ہمدردی کرنے والے تو رہگئے مگر عملی ہمدردی کرنے والا کوئی بھی نہ رہا، ہان غریب پنجاب نے اُردو کا ساتھ دیا اور ایسا ساتھ دیا کہ آج اُردو کا مرکز بنا ہوا ہے۔ یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے جسکے لیے دلائل و براہین کی ضرورت نہین، دہلی تو شاید کچھ دنون مین یہ فخر کرنا بھی چھوڑ دیگی۔ کہ اُردو کے ہم مالک ہین کیونکہ اسکی گفتگو پر پنجابی زبان کے اثرات غالب آتے جاتے ہین۔ شاعری تو قریب قریب وہان سے رخصت ہو چکی ہے، البتہ انشا پردازی کے سلسلے مین چند برگزیدہ ہستیان رہگئی ہین۔ جنکے دم سے دہلی، دہلی ہے ورنہ بہار رخصت ہو جائیگی۔ صرف اُجڑا ہوا چمن رہ جائیگا۔

لکھنؤ مین بھی آج تک میدان عمل سے حقیقتاً دور ہی دور رہا۔ اُردو کی زبانی خدمت کے لیے تو ہر فرد سر بکف (یعنی شعر بکف) نظر آتا تھا، لیکن عملی خدمت کا کوسون پتہ نہ تھا، چھوٹے چھوٹے اُردو کے دو چار رسالے نکلے بھی مگر بہار سے پہلے ہی نذر خزان ہو گئے دو ایک ہین بھی تو پڑے سسک رہے ہین، ہان شاعری کے تفریحی جلسے و مشاعرے ہوتے رہے اور اب بھی ہوتے رہتے ہین۔ اب چاہے انھین مشاعرہ کہیے یا بزم ادب بہرحال لکھنؤ کی ادبی خدمات کا دائرۂ عمل زیادہ تر انھین ادبی محفلون تک محدود تھا، امیر جلال۔ کمال وغیرہ چند ایسے بزرگ ضرور پیدا ہوے جو اُردو کے لیے سرمایۂ ناز تھے، لیکن سرزمین لکھنؤ سے اُردو زبان کو جو توقع ہو سکتی تھی وہ کبھی پوری نہ ہوئی،

اِس سال البتہ لکھنؤ کی بزم ادب نے میدان عمل مین قدم بڑھایا ہے چنانچہ انجمن اُردو کا سالانہ جلسہ بڑی دھوم دھام سے ہوا۔ حیدرآباد سے صدارت کے لئے مولانا حبیب الرحمن خان صاحب شروانی تشریف لائے مقامی رؤسا نے بھی دلچسپی کا اظہار کیا۔ ادبی نمائش بھی ہوئی۔ پراثر صدارتی خطبے بھی پڑھے گئے لیکن آگے چلکر کچھ عمل ہو تو سمجھئے کہ ساری کارروائی مفید اور معنی خیز نکلی ورنہ "نشستند و گفتند و برخاستند" کی مثل صادق آئے گی؛

اسمین ذرا بھی شبہہ نہین کہ اسکے انجمن اُردو لکھنو کا سالانہ جلسہ اعلےٰ پیمانہ پر ہوا۔ ادبی نمائش بھی اپنی نوعیت کی ایک خاص چیز تھی۔ مولوی حبیب الرحمن خان صاحب شروانی کی تقریر بھی مفید معلومات سے لبریز تھی۔ خصوصًا مولانا عبدالحلیم صاحب شرر کے خطبۂ صدارت کا حرف حرف قابل قدر تھا۔ آپ نے ہندی اُردو کے اختلاف کو ہندو مسلم نااتفاقی کا ایک ناخوشگوار نتیجہ بتایا اور یہ فرمایا کہ اُردو اور ہندی کے اختلافات اسطرح مٹائے جا سکتے ہین کہ باہمی مشورہ کے بعد مسلمان، عربی و فارسی کے غیر مانوس الفاظ کو اُردو سے نکالدین، اور ہندو حضرات اُردو کے راستے سے سنسکرت کے پتھر الگ کر دین اسطرح اردو ہندی ایک زبان بن سکتی ہے۔ ورنہ موجودہ اختلافات کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہندوستان مین مستقل طور پر دو زبانین رائج ہو جائین گی، اور ہندو مسلم مین کبھی قومی یکجہتی نہ پیدا ہوگی۔

یہ سچ ہے کہ پہلے ہندو مسلم تعلقات خوشگوار ہو جائین، پھر اُردو ہندی کے اختلافات دور ہو سکتے ہین لیکن افسوس کہ حالات حاضرہ یہ بتلاتے ہین کہ نہ ہندو اور مسلم کے مذہبی اور قومی اختلافات مٹین گے اور نہ اُردو ہندی مین مصالحت ہو سکے گی۔

مین سمجھتا ہون کہ اُردو کی شاہراہ ترقی مین ہندی زبان سنگ راہ نہین بلکہ خود ہی خواہان اُردو یعنی مسلمانون کا طرز عمل اُردو کو منزل مقصود تک نہین پہنچنے دیتا گفتگو کے سوا اور معاملات مین اُردو [illegible] کون ہے تجارت صنعت حتی کہ اعلیٰ تعلیم

مین بھی غریب اُردو کو بہت کم دخل ہے۔ رہی گفتگو اسپر بھی انگریزیت غالب آتی جاتی ہے مسلمان
بچون کا طریقۂ تعلیم کچھ ایسا ہے کہ وہ مولوی حافظ، سٹر تو بہ آسانی بن جاتے ہین لیکن اُردو کی
بزم ادب تک مشکل سے رسائی ہوتی ہے۔ آجکل انگریزی اسکولون کی طرح عربی مدارس
کی آب وہوا بھی اُردو کے لیے خطرناک ہوگئی ہے۔ انگریزی اسکولون مین تو کچھ نہ کچھ اُردو کا جزو نصاب
تعلیم بھی ہے لیکن خیر سے یہان اُردو کی رسمی تعلیم بھی رائج نہین۔ یہی وجہ ہے کہ عربی
مدارس کے اکثر طلبار اُردو کی چار سطرین لکھنے پر بھی بخوبی قدرت نہین رکھتے کیا حامیان
اُردو ان مذہبی درسگاہون مین اُردو ادب کی تعلیم کا انتظام نہین فرما سکتے۔ کیا یہ ممکن نہین
کہ ہر مدرسے مین ایک باقاعدہ انجمن قائم کیجائے اور کسی ادیب کی نگرانی مین ان ناآشنایان
ادب کو اُردو سکھائی جائے۔ پھر دیکھیے کہ ان مین سے کتنے شبلی و حالی نکلتے ہین۔

ترقی زبان کے لیے ہر شہر مین اردو کی ایک مرکزی انجمن کی ضرورت ہے۔ جسکے زیر اثر
شہر کے مختلف حصون مین اُردو کی چھوٹی چھوٹی انجمنین قائم کیجائین اور ان کی طرف سے
اردو ادب کے ماہوار جلسے منعقد ہوتے رہین، طلبار اور عوام کو اُردو ادب کی طرف
توجہ دلائی جائے، چھوٹے چھوٹے عام فہم ادبی رسالے تصنیف کئے جائین اور مرکزی
انجمن انکی اشاعت کا انتظام کرے ان رسالون کا مطالعہ، بہت کچھ ترقی زبان کے لیے مفید
ثابت ہوگا۔

مرکزی انجمن انگریزی اسکولون اور عربی مدرسون کے طلبار کو بھی اپنی انتظامی
جماعت مین شریک کرے، اور ان کے توسط سے طلبار کی جماعت مین اردو ادب کی روح
پھونکنے کی کوشش کرے!

انجمن اپنے جلسون مین، مضامین کے ذریعہ اس امر کی تحریک بھی کرتی ہے کہ بغیر کسی
خاص ضرورت کے ارکین انجمن انگریزی الفاظ کو اُردو مین شامل کرین خط و کتابت بھی اپنی ہی
زبان مین کرین اور تجارتی حساب کتاب یا ذاتی معاملات مین بھی اردو کا استعمال کرین۔ ہان جن مواقع پر انگریزی تحریر یا تقریر
کے بغیر کام نہ چلے وہان مضائقہ نہین

کیا کسی ادبی انجمن نے آجتک طلبار کی طرف توجہ کی کیا کسی ادبی جلسے مین یہ تجویز

پیش کی گئی کہ عربی مدارس میں ادب اردو کا ایک شعبہ بڑھایا جائے۔ ممکن ہے معلمین اُردو کے
خیال میں یہ باتیں ناقابل توجہ ہوں لیکن میں ان ساری باتوں کو اُردو کی ترقی کے لیے
ضروری سمجھتا ہوں[1]۔

تعجب ہے کہ انجمن اُردو لکھنو نے لائبریری کی تجویز پاس کی۔ قلمی کتابوں کی اشاعت
کا بیڑا اُٹھایا۔ تصنیف و تالیف پر آمادگی ظاہر کی لیکن اُردو کی ترقی کا مسئلہ ابھی محتاج التفات
ہی رہ گیا۔

مولانا اشرر نے اُردو اور ہندی کے متعلق اپنی قابل قدر رائے کا صاف صاف
اظہار تو کر دیا لیکن یہ نہ بتایا کہ ہندو مسلم اتحاد کیونکر ہوگا جو ہندی اور اُردو کے اختلافات مٹانے کیلئے
ناگزیر ہے مانا کہ ہندو مسلم اتحاد بھی ہو گیا اور ہندی اور اُردو میں صلح بھی
ہو گئی لیکن کیا اس صورت میں ہندو حضرات ہندی کو اُردو پر قربان کرنے کے لیے طیار
ہو جائیں گے۔ یا مسلمان اُردو کو ہندی حرفوں کا لباس پہنانا پسند کرینگے۔ پھر فرماتے ہیں
ہندی نے صلح بھی کر لی تو اُردو کو کیا فائدہ پہونچے گا۔ میں تو اُس روش کو پسندیدہ خیال
کرتا ہوں جو اُردو کے لیے مفید ثابت ہو صرف شاندار جلسوں سے اُردو کی ترقی نہیں ہو سکتی

کروروں مسلمان ایسے ہیں جو اُردو سے بالکل نابلد ہیں اور کروروں ایسے ہیں
جو انگریزی کی برکت سے متاثر ہو کر اُردو سے بیزار ہو رہے ہیں۔ لیکن ہندوؤں میں آپکو
ایسے کمتر اشخاص نظر آئیں گے جو انگریزی کے عالم و فاضل ہو کر ہندی کو بھول بیٹھے ہوں۔

[1] شاید کوئی صاحب یہ فرمائیں کہ دوسروں کو ہدایت کرنا آسان ہے مگر خود عمل پیرا ہونا مشکل، اس لیے
میں یہ گزارش کرنے پر مجبور ہوں کہ میں حتی الامکان ان فرائض کو ادا کرتا رہتا ہوں جو اُردو کی خدمات نے مجھپر
عائد کر رکھے ہیں اور حلقۂ ادبیہ کانپور میرے اس دعوے کا کھلا ہوا ثبوت ہے۔

ہاں یہ میرے بس کی بات نہیں کہ اپنی ناچیز ادبی خدمات میں نمایش کا وہ رنگ بھر دوں جسکے لیے
مرادوزی استطاعت حضرات کی توجہ لازمی ہے۔

میرے خیال میں کانپور کی سرزمین نہ قدردان ادب ہے نہ ادیب نواز۔ مشاعرے یہاں ضرور ہوتے
رہتے ہیں مگر ان کا اثر صرف دائرۂ تفریح تک محدود ہے (احسن سہمی)

جب مسلمان خود اُردو زبان کی رفاقت کا حق ادا نہ کرین گے تو ہندوؤن سے کیا امید ہوسکتی ہے یہی غنیمت ہے کہ بہت سے روشن خیال اور اعلےٰ تعلیم یافتہ ہندو اُردو کی حمایت کر رہے ہین - یہ مانا کہ آپ نے روسا اور تعلقہ داران اودھ کی مدد سے اُردو کے لیے اتنا سرمایہ بہم پہنچا لیا کہ اعلےٰ پیمانے پر کام ہونے لگا اور مولفین و مصنفین کی بھی کمی نہ رہی لیکن یقین مانئے کہ یہ ترکیبین اسوقت تک خاطر خواہ اثر پذیر نہ ہوسکین گی جبتک عام مسلمانون مین کتب بینی اور اُردو ادب کا مذاق نہ پیدا ہو۔

جبتک ہر مسلمان زبان سے نہین دل سے اُردو کی ترقی کو اپنا فرض نہ سمجھے گا اسوقت تک اُردو کی ترقی کا خیال کچھ زیادہ وقیع نہ ہوگا، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عوام مین اُردو کا مذاق کیونکر پیدا ہوگا۔ اسکا ایک مختصر سا جواب یہ ہے کہ روسا، وامرا، اُردو ادب کی طرف دستِ اعانت بڑھائین اور اُردو اخبارون اور رسالون کی قدردانی کرین تاکہ ملک مین اُردو کے اچھے اچھے اخبار اور رسالے جاری ہون جو ہندی اور بنگالی جرائد کی طرح عوام کو اپنا گرویدہ بنا سکین۔ تاوقتیکہ اُردو رسائل اور اخبارات کی حوصلہ افزائی نہوگی، نہ اُردو کی اشاعت عام ہوگی نہ عوام کو اُردو ادب سے ذوق پیدا ہوگا، اور جب تک عوام مین اُردو مذاق عام نہو جائے۔ تصنیفات و تالیفات کو نمایان کامیابی نہین ہوسکتی۔

جب آپ اُردو کو آگے بڑھالین تو ممکن ہے کہ شاید ہندو حضرات بھی اس مسئلہ کی طرف توجہ کرین، کہ اُردو و ہندی ایک زبان ہین یا دو، اور ہندوستانی زبان کے الفاظ اُردو حرفون مین لکھے جائین یا ہندی حرفون مین!

اُردو کا تو یہ حال ہے کہ کاروان ہندی کی گرد کو بھی نہین پہنچی اور آپکو یہ توقع ہے کہ ایک آگے بڑھنے والی زبان پلٹ کے اس زبان سے بغلگیر ہوجائے جو چلتے ہوئے مسافر کی طرح غبار کاروان سے بھی پیچھے ہے۔ اِن اُردو ترقی کرتے کرتے ہندی کے برابر پہنچ لے تو کچھ مصالحت کی اُمید بھی ہوسکتی ہے۔ [illegible] وقت ممکن ہے کہ امرا و روسا اور مصنفین ادبا کی [illegible]

ہندی کی ترویج واشاعت سے فرصت نہیں۔

یہی کیا کم عنایت ہے کہ سرکاری دفاتر میں ابھی تک اردو کی جھلک نظر آرہی ہے ۔

اس زمانہ میں اردو کی ساری تمنائیں صرف حضور نظام کے دامن دولت سے وابستہ ہیں۔ کاشکہ حیدر آباد کی طرح دوسری اسلامی ریاستیں بھی اردو کیطرف متوجہ ہوں ، اور اپنی زبان کو معراج ترقی پہنچانے کی کوشش کریں۔

پارسال یوپی کے ایک معزز ہندو رئیس نے ہندی کی ترقی کے لیے اپنی بہت بڑی جائداد وقف کی ہے۔ لیکن یہاں کے مسلمان روسا میں کوئی اتنا بھی نظر نہیں آتا کہ اپنی بزم نشاط سے اٹھ کے اردو کی فریاد ہی سن لے ۔

خوش قسمت ہے انجمن اردو لکھنؤ جسنے چند روسا ، وامراء کی امداد حاصل کرلی ہے خدا کرے اس کا وجود اردو کے لیے فال نیک ثابت ہو۔ اور مولانا عبدالحلیم صاحب شرر اور دیگر بہی خواہان اردو کی تجویزیں نتیجہ خیز نکلیں۔

احسن شمسی

(ناظم حلقۂ ادبیہ کانپور)

رسید کتب

کلیات شبلی مطبوعہ معارف پریس اعظم گڈہ قیمت ۸/

مشیر شوہر مصنفہ مولوی محمد اکرام عالم صاحب بی اے وکیل بدایوں قیمت ۱۰/

مقتل فریب از سید طالب علی طالب الہ آبادی مطبوعہ الناظر پریس لکھنؤ قیمت ۴/

گوتم بدھ از منشی [illegible] بی اے مطبوعہ الناظر پریس لکھنؤ ۴/

پپیہا اور پی کہاں (نظم) مصنفہ شیام موہن لال جگر بریلوی بی اے دھامپور ضلع بجنور قیمت ۲/

افشار خرد افزا مولفہ منشی گنیشی لال ہیڈ ماسٹر مطبوعہ نیشنل پریس الہ آباد قیمت ۴/

شمع شبستان مرتبہ جہانگیر بک کلب چابک سواران لاہور قیمت ۸/

تذکرۂ دہلی[ل]

باب ۳ ذکاء اللہ کی ابتدائی زندگی

مصنفہ سی۔ ایف۔ اینڈریوز

ذکاء اللہ بچپن میں بہت حسین تھے اور قلعہ معلی کی مغل خواتین انھیں بہت عزیز رکھتی تھیں جب انکی عمر چھ یا سات سال کی ہوگئی تو ان کے والد جو شاہزادوں اور شاہزادیوں کے اتالیق تھے تہواروں پر نیز دوسرے موقعوں پر انھیں زربفت کے لباس میں سلمہ ستارے کی ٹوپی پہنا کر آتشبازی دکھاتے اور خواتین سے تحفے تحائف لینے کی غرض سے (کیونکہ وہ بچہ کو ساتھ لانے کے لیے اصرار کیا کرتی تھیں) اپنے ہمراہ لیجایا کرتے تھے۔

ذکاء اللہ کو بڑی عمر میں بھی یہ تمام واقعات اچھی طرح سے یاد تھے اور وہ مزے لے لیکر قلعہ کی شاندار روشنیوں کا ذکر کیا کرتے تھے ان کے دادا وقتاً فوقتاً اپنے ہونہار پوتے کی عجیب وغریب خداداد ذہانت کی باتیں بیان کرتے تھے اور شاہی حرم کی خواتین ان کی بہت تعریف کرتیں اور ان کو ساتھ لانے پر اصرار کرتیں واپسی پر وہ ہمہ تن شوق اور جوش کیحالت میں اپنی ماں کی خدمت میں جاتے اور اُن تمام تحفوں کو جو انھیں ملتے تھے اپنی ماں کو دکھاتے تھے بعض اوقات وہ اثنائے گفتگو میں اُس زمانہ کی دہلی کا مابعد کی دہلی سے مقابلہ کرتے لیکن اس تمام طول طویل مدت میں انکے لیے یہ امر ناممکن تھا کہ شاہی گھرانے کی مہربانیوں کو بھول جائیں

ان میں ذاتی وفاداری کا جذبہ نہایت وسیع حد تک موجود تھا اور [illegible] کے کیرکٹر کا یہ نمایاں پہلو اپنے میں خاص دلآویزی رکھتا تھا بعد کی زندگی میں انھوں نے اس جذبہ کو

ل سلسلہ کے لیے دیکھئے زمانہ بابت جولائی ۱۹۳۸ء

ملکہ معظمہ کوئن وکٹوریہ آنجہانی کی محبت میں منتقل کردیا جنہیں انھوں نے اپنی کتاب وکٹوریہ نامہ میں بہت سراہا ہے۔ ان لوگوں کے ساتھ جنکا نمک انھوں نے کھایا ہے اس درجہ وفاداری کے ساتھ پیش آنا ان کے خاندان کی زبردست رعایت تھی جو انھیں اپنے بزرگوں سے ورثہ میں ملی تھی یہ صفت بجائے خود نہایت قیمتی شے ہے اور یہ امر افسوسناک ہوگا اگر یہ جدید دنیا اس سے خالی ہو جائے گی۔

اسمیں کچھ شبہ نہیں کہ ان کے والد مولوی ثناء اللہ نے انھیں اسکول اور کالج کے روزمرہ کے ضابطہ کی زندگی سے واقف ہونے کے لیے ابتدائے عمر ہی میں وہاں داخل کردینے میں نہایت دانشمندی برتی۔ ممکن تھا کہ درباری زندگی میں بہت زیادہ منہمک رہنے سے وہ بگڑ جاتے اور بچپن ہی سے عیاشیوں میں گرفتار ہو جاتے مگر دہلی کے مدرسہ کی فضا اور اپنے ہم سبقوں سے روزمرہ کی صحبت اور ان کا باہمی خوشگوار رشک ہی ایسی قوتیں تھیں جنھوں نے انھیں اس چیز کی بالآخر رغبت و تحریص دلائی جسکی انھیں اپنے قویٰ کی نشو و نما کے لیے سخت ضرورت تھی۔ لیکن ایسا کرنے کے لیے بھی کوشش شرط تھی اور تعصب و مخالفت کو مغلوب کرنا باقی تھا اس سے پیشتر کہ وہ جدید انگریزی اسکول میں داخل ہوں اور یہ چیزیں ایسی نہ تھیں جنہیں کسی نوع نظر انداز کیا جاسکتا ہو۔ آج ہم اس امر کا نہایت دقت سے قیاس کر سکتے ہیں کہ ان کے دادا اور والد نے جو اپنے خصائص کے اعتبار سے بہت زیادہ مذہبی آدمی تھے۔ اپنے بچے کو جس سے وہ اسقدر مانوس تھے۔ جدید طریقہ تعلیم کی نذر کرتے وقت کسقدر کشمکش کی ہوگی۔ اسلئے کہ ہم جانتے ہیں کہ اس زمانہ میں جدید تعلیم کو 'کفر' سے تعبیر کیا جاتا تھا اور سکی نسبت عام رائے یہ تھی کہ اس سے دہریئے پیدا ہونگے۔ جہانتک انکی والدہ کا تعلق تھا انھوں نے نہایت مضبوطی اور استقلال کا اظہار کیا۔ بلاشبہ جس چیز نے انھیں فیصلہ کرنے میں ایک گونہ امداد دی وہ آنحضرت صلعم کا یہ ارشاد تھا کہ "اطلبوا العلم ولو کان بالصین" یہ شاندار الفاظ ہر زمانہ میں تعصب کی ان دیواروں کو توڑنے میں کامیاب

ہوئے ہیں جو اسلام اور اجنبی علوم کی راہ میں حائل رہی ہیں اور یہی الفاظ اس امر کی تشریح
پیش کرتے ہیں۔ اور یہ اسلام کی طول طویل اور مختلف تاریخ کا نمایاں پہلو رہا ہے کہ اس
نے اجنبی علوم کو ہمیشہ اپنا بنالیا ہے اس خاندان کی جسکے ایک فرد منشی ذکاء اللہ تھے،
جو باتیں میں نے مشاہدہ کی ہیں ان سے مجھ پر یہ حقیقت واضح ہوگئی ہے کہ اسمیں فیاضانہ
تعلیم و تربیت کی روایت وہی چلی آرہی ہے جسکا سلسلہ اس دور دراز زمانہ تک پہنچتا ہے۔
جبکہ ان کے بزرگ وسط ایشیا میں زندگی بسر کرتے تھے۔ جہاں اسلامی تہذیب کا پرچم اپنی
پوری شان کے ساتھ لہرا رہا تھا۔

کالج میں داخلہ کے وقت ذکاء اللہ کی عمر محض بارہ سال کی تھی۔ ان کے والد
جنسے انھوں نے اعلےٰ ذہن وذکاوت ورثہ میں پائی تھی۔ ہر روز سہپر کے وقت ان
کے سبقوں کو سنا کرتے تھے۔ جبکہ وہ اسکول سے واپسی پر جدید علوم کا کوئی نیا اچھا
اپنے ہمراہ لے آیا کرتے تھے تاکہ بچپن کے فطری جوش وخروش کے ساتھ وہ اسے اپنے
والد کو دکھائیں۔ مابعد کے زمانہ میں وہ اپنے کالج کے پروفیسروں کا تذکرہ بہت ادب
محبت سے کیا کرتے تھے، بالخصوص اپنے فارسی اور عربی کے پروفیسر مولوی امام بخش
کا جو صہبائی تخلص کرتے تھے۔ مولوی صاحب دہلی کے برگزیدہ اشخاص میں سے تھے
اور بہت اعلےٰ اخلاقی خصائل سے متصف ہونے کے علاوہ روشن خیال بھی تھے۔
سیّد احمد خان جب آثار الصنادید لکھ رہے تھے تو اسوقت مولوی صاحب نے
انھیں بیحد مدد دی تھی۔ ان سے بڑھکر اور کوئی پروفیسر ایسا نہ تھا جن سے طلبا کو اسقدر
گہری محبت ہو اور انکی شخصیت کا نقش عمر ذکاء اللہ پر اسقدر گہرا اثر پڑا تھا کہ ۳۰ سال بعد جبکہ
وہ خود فارسی کے پروفیسر کی حیثیت سے میور سنٹرل کالج میں اپنے طلبا کے روبرو لکچر دیتے
تھے تو طلبا سے کہا کرتے تھے کہ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولوی امام بخش صہبائی کی روح
اس کمرے میں میرے ساتھ ہے۔

ایام غدر کے ربیانہ جذبات کا ہر طرف اظہار ہو رہا تھا ... ایک تطاردن ...

ایک یہ تھا کہ شہر کے جس محلہ مین یہ بوڑھے پروفیسر سکونت رکھتے تھے انگریزی فوج نے اسپر گولہ باری کی اور دوسرے مکانات کی طرح ان کے مکان کو بھی زمین کے برابر ہموار کردیا مولوی صاحب اور ان کے خاندان کے بیشتر افراد اسی گولہ باری مین مارے گئے اور آج نوبت یہ ہے کہ ان کے خاندان کا بالکل نام و نشان باقی نہین رہا۔ غدر کے جو واقعات منشی ذکاءاللہ کے ذہن مین محفوظ تھے۔ ان مین یہ واقعہ انھین ہمیشہ خون کے آنسو رلوا تا رہا۔

جون جون منشی ذکاءاللہ بڑے ہوتے گئے علم ریاضی مین انکی مہارت پایۂ تکمیل کو پہنچگئی علم ریاضی کے مطالعہ کے دوران مین وہ پروفیسر رامچندر کے نہایت ذہین اور ہونہار طالب علم سمجھے جاتے تھے اور یہی وجہ ہے کہ دونون کے مراسم نہایت محبت آمیز ہوگئے تھے لیکن اس محبت کا انجام ایک گونہ غلط فہمی کی شکل مین نکلا اسیلیے کہ بہت جلد یہ افواہ پھیلگئی تھی کہ رامچندر کے عزیز ترین شاگرد ذکاءاللہ اپنے اُستاد کی تقلید مین عنقریب عیسائی ہونیوالے ہین۔ لیکن حقیقت یہ نہ تھی ان کی باہمی دوستی ذہنی یگانگت کا نتیجہ تھی اور اس قسم کے تعلقات ان لوگون مین بیشتر دیکھنے مین آتے ہین جو یکسان تحقیق و تجسس کے میدان مین گامزن ہون اور چونکہ پروفیسر رامچندر اور ان کے شاگرد رشید دونون کے لیے مغربی علوم و فنون کی ابتدا بہت دلچسپ تھی اسیلیے وہ ان علوم سے گہری مگر تحیر خیز دلچسپی لیتے تھے: ان دونون مین وہ تعلقات نہ تھے جو پیر اور مرید مین ہوا کرتے ہین۔ اگرچہ مذہبی مسائل پر ان مین بالضرور باہمی بحث و مباحثہ ہوتا ہوگا۔ اسمین کچھ شک نہین کہ ایک غیر مسلم کیساتھ ابتدائی اور گہری دوستی نے ذکاءاللہ مین مذہبی معاملات کے اندر وہ وسیع النظری اور بردباری پیدا کردی تھی جو مابعد کے زمانہ مین غیر معمولی ہمدردی مین مبدل ہوگئی تھی اور یہی وہ صفت ہے جسنے ان کے کیریکٹر کو اسقدر قابل عزت اور پاکیزہ بنا دیا تھا۔

پروفیسر رامچندر بیباک صداقت اور مضبوط عقائد کے آدمی تھے اس واقعہ نے

کہ عیسائی مذہب قبول کر لینے پر ان کے تعلقات ہند و رشتہ داروں سے منقطع ہو گئے تھے اور انھیں بے انتہا صعوبتیں اور تکلیفیں اُٹھانی پڑ گئی تھیں۔ ان کے مزاج میں کسیقدر سختی اور کرختگی پیدا کر دی تھی اور وہ دوسروں کے ساتھ ذرا سختی سے بحث کرنے کے عادی ہو گئے تھے تاہم ان کا دل محبت کے گہرے جذبات سے مملو رہتا تھا اور ان کے اعمال و افعال راستی پر مبنی ہوتے تھے ذکاء اللہ کے ساتھ انھیں سچی الفت تھی اور وہ اپنے نوجوان دوست کے لیے ہر قسم کی قربانی کرنے کے لیے تیار رہتے تھے۔

جس زمانہ مین غدر کی شورش کی ابتدا ہوئی اور شہر دہلی بیک جنبش باغیون کے قبضہ مین چلا گیا اسوقت پروفیسر رامچندر کی زندگی عیسائی ہونے کی وجہ سے نہایت زبردست خطرہ مین تھی ان کے رفیق کار چمن لال جو سچائی پرہیز گاری اور نیکی کا مجسمہ تھے فی الفور باغیون کے ہاتھوں مارے گئے۔ رائے بہادر پیارے لال دہلوی نے جو گنتی کے چند اور اشخاص کی طرح خوش قسمتی سے بچ رہے تھے مجھسے بیان کیا ہے کہ "صبح کو میرٹھ کی باغی فوج نے دہلی پر قبضہ جمایا اس دن دس بجے کے قریب مین نے دیکھا کہ منشی ذکاء اللہ اپنی زندگی سے بے پروا ہو کر بسرعت تمام دہلی کالج کی طرف جا رہے ہین تاکہ پروفیسر رامچندر کی جان بچا ئین۔ کالج پہنچنے پر انھین معلوم ہوا کہ پروفیسر موصوف کو کسی دوسرے شاگرد نے پہلے سے متنبہ کر دیا تھا۔ چند دن تک شہر مین چھپے رہنے کے بعد وہ بھیس بدلکر باہر نکلنے مین کامیاب ہو گئے اگرچہ اس عرصہ مین ان کے دن بیحد پریشانی اور ضیق مین گذرے تھے جب غدر کی شورش ختم ہو گئی تو اسوقت پروفیسر رامچندر نے اپنے نوعمر دوست اور شاگرد کیساتھ جنھون نے بروقت تنبیہ کر کے ان کی جان بچانے مین مدد دی تھی۔ مہربانی آمیز سلوک کر کے احسان کا معاوضہ کسی حد تک ادا کر دیا۔ انھوں نے اسکے لیے اور اسکے تمام خاندان کے لیے فوجی پاسپورٹ (اجازت نامے) حاصل کئے، اور اسطرح سے انھین شہر مین آنے کے قابل بنا دیا۔ اسکے علاوہ انھون نے اسکے ساتھ اور بھی بہت سے سلوک کئے تھے۔

بہر حال مین غدر سے قبل کے واقعات بیان کر رہا تھا۔ ذکاءاللہ کے کالج کے دوستون مین نذیر احمد بھی تھے جنھون نے نہایت مہربانی سے اس تذکرہ کا دیباچہ لکھا ہے ان کے علاوہ مولوی کریم بخش، پیارے لال، چندو لال، کنھیا لال، میر ببر علی اور ضیاءالدین بھی تھے۔ ان مین سے ہر ایک نے اپنے زمانہ مین کم وبیش شہرت حاصل کی ہے۔ ذکاءاللہ کی زندگی ہی مین ان کے تقریبًا سب دوست دنیا سے رخصت ہو چکے تھے، ان کے نہایت گہرے دوست جو اگرچہ کالج مین ان کے ہمعصر تھے، مولوی سمیع اللہ خان تھے جو بعد مین مصر مین نمایان خدمات کے صلہ مین سی ایم جی کے خطاب سے سرفراز کئے گئے۔ وہ اودھ مین ڈسٹرکٹ جج پر مامور تھے اور اسی حیثیت مین انھون نے پنشن لی تھی تقریبًا تین سال کا عرصہ ہوا کہ ان کے ان گہرے دوست کا انتقال ہو گیا اور منشی ذکاءاللہ نے اپنی زندگی کے آخری دن اپنے انھین دوست کا اُردو تذکرہ لکھنے مین صرف کر دیئے۔

منشی ذکاءاللہ کی وفات سے تقریبًا تین ہفتہ پیشتر ان کے عمر بھر کے دوست خواجہ الطاف حسین حالی جو انیسوین صدی کے جدید دورِ اُردو کے بہترین شعرا مین سے ہین، پانی پت سے ملنے کے لیے آئے۔ ذکاءاللہ ان سے بغلگیر ہوئے اور بے انتہا اخلاص و مودت کا اظہار کیا یہ دونون دوست بہت دیر تک قریب بیٹھکر آپس مین گفتگو کرتے رہے اثنائے گفتگو مین ذکاءاللہ نے مولانا حالی کو مولوی سمیع اللہ خان کی سوانح عمری" دی جو اُن دونون کے مشترکہ دوست تھے۔ حالی سے مخاطب ہوکر انھون نے فرمایا کہ "یہ میری آخری تصنیف ہے، اور اسنے مجھے مار ڈالا ہے۔" ان کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ اپنے پرانے دوست کے واقعات زندگی کو از سر نو کر دینے سے مجھے اسقدر تکلیف پہنچی ہے، اور مجھ مین اس درجہ ضعف پیدا ہو گئی ہے کہ مین آخری بیماری مین مبتلا ہو گیا۔ جب حالی ان سے رخصت ہو رہے تھے تو اسوقت ذکاءاللہ نے ان سے آہستہ سے کہا کہ "اس زندگی مین یہ ہماری آخری ملاقات ہے۔ خدا تمھین ہر طرح سے تندرست رکھے!" یہ پیشین گوئی حرف بحرف صحیح نکلی کیونکہ یہ دونون دوست اس دنیا مین پھر کبھی

نہین ملے ان کی آخری اور مہلک بیماری کے دوران مین ان کے ایک اور عمر بھر کے دوست بستر علالت پر پڑے ہوئے تھے اور وجع مفاصل کے درد نے انھین بیحد کمزور کر دکھایا تھا۔ وہ ذکاء اللہ کے نام میرے ذریعہ تقریباً روزانہ پیغامات بھیجا کرتے تھے۔ اور مین ہی ان کے جوابات لاکر دیا کرتا تھا۔ اسطرح سے مین بذات خود یہ مشاہدہ کرنے کے قابل ہوا کہ ذکاء اللہ اور ان کے دوستون مین کسقدر پختہ تعلقات قائم تھے۔ ان کی دوست نوازیون نے جو نمایان حصہ ان کی زندگی مین لیا ہے۔ ان کا تصوّر کئے بغیر ان کے خصائل اور زندگی کا پورے طور اندازہ لگانا قریب قریب ناممکن ہوجاتا ہے۔ جیساکہ ہم آگے چلکر دیکھین گے وہ بالعموم خانہ نشین آدمی تھے اور زیادہ تر وقت اپنی بیوی، بچون اور گھر کے معاملات مین صرف کیاکرتے تھے۔ لیکن ساتھ ہی اپنے دوستون سے محبّت آمیز تعلقات کا رکھنا بھی ان کی زندگی کا نمایان پہلو تھا اور دوست نوازی کا یہ جذبہ اخیر عمر تک ان مین باقی رہا۔

جب کبھی اُن وقتون کی دہلی کی صورت حالات کا احساس کیا جاتا ہے کہ کلکتہ سے ایک ہزار میل دور ہونے کے علاوہ دونون مین مطلق ریلوے تعلق قائم نہ تھا، تو ہمارے تعجب کی کوئی انتہا نہین رہتی بالخصوص جبکہ دہلی کالج کے قیام کے ساتھ ہی ہم وہان نہایت شاندار ذہنی زندگی کا فوری جلوہ دیکھتے ہین۔ انیسوین صدی مین شہر کی تاریخ مین ایسا دور کبھی دیکھنے مین نہین آیا۔ خود مین نے مابعد کے زمانہ مین ۱۹۰۴ء سے لیکر ۱۹۱۳ء تک وہان درس دیا ہے۔ شہر دہلی کی ذہنی اور علمی زندگی کے بارے مین میرا اپنا تجربہ بالکل اسکے برعکس ہے جو ہم ابتدائی زمانہ کے متعلق پاتے ہین۔ آج تمام شہر تجارتی فضا سے معمور ہے۔ پرانی تہذیب اور شائستگی اور طباعی و ذکاوت اب بہت جلد معدوم ہورہی ہین۔ موجودہ زمانہ مین اس قسم کے شاندار اعلیٰ ذہن والے طلباء کا اجتماع دکھائی نہین پڑتا جو ذکاء اللہ کے زمانہ مین دیکھنے مین آتا تھا۔ دونون دورون کا باہمی فرق اسقدر عظیم الشان ہے کہ مین اکثر اس مسئلہ پر ان سے سوالات کیا کرتا تھا اسکا جواب وہ مجھے یہ دیتے تھے کہ "آپ کی رائے بالکل صحیح ہے اور یہ کہ پھر اس جیسا دور کبھی دیکھنے مین نہین آیا۔" وہ انیسوین صدی کی ابتدا مین اس عجیب و غریب

جوش کا سبب انگریزی تعلیم کی جدت طرازیوں کو قرار دیتے تھے وہ مجھ سے بیان کرتے تھے کہ جدید تعلیم ہمین ایسی معلوم ہوتی تھی گویا کہ ہم کسی جادو بھری سرزمین مین داخل ہو رہے ہین۔ کوئی شخص یہ نہین کہہ سکتا کہ آیندہ کیا ظہور مین آئیگا۔ سب سے زیادہ جس شے کا ان کے تخیل پر جادو کا سا اثر پڑا وہ جس سے انھون نے یہ خیال کیا کہ جدید علم کے انکشاف کا دروازہ ان کے لیے ہر وقت کھلا ہوا ہے وہ سائنس کے نت نئے تجربات تھے وہ اپنے تئین جدید دور کے بانیون مین محسوس کرتے تھے اور مستقبل کے متعلق طرح طرح کے خواب دیکھا کرتے تھے اور نہایت دل خوش کن خیالات رکھتے تھے۔

اپنے ہمعصرون مین ذکاءاللہ مشکل سے مشکل سوال کو جو انھین دیا جاتا، حل کر دینے کی شہرت رکھتے تھے۔ یہ عام تجربہ تھا کہ اپنی ساری جماعت مین وہی اکیلے بعض بعض سوالات کا صحیح حل نکالا کرتے تھے۔ ابھی وہ طالب علم ہی تھے اور انکی عمر ۱۷ برس سے زیادہ نہ تھی کہ اُردو مین انکی ریاضی پر پہلی تصنیف شائع ہوگئی اہلِ دہلی متعجب تھے۔ اور دل ہی دلمین خوش بھی ہوتے تھے کہ ایک لونڈے نے ایسی کتاب لکھ ڈالی۔ وہ کتاب تین چار دن مین ہاتھون ہاتھ بک گئی۔ تمام و کمال نفع منشی ذکاءاللہ کے حصہ مین آیا جسکی مقدار ۲۲ روپے سے زیادہ نہ تھی۔ اور وہ یہ پہلی رقم ہے جسے انھون نے اپنے زور قلم سے پیدا کیا۔ اس روپے سے انھون نے اپنی ہمشیرہ کے لیے چند بالیان خریدین۔ سرسید احمد خان کے ایک چچا نے جو دہلی کے رئیس تھے۔ جنکا مکان ریاضی اور ہیئت کی بہت بڑی درسگاہ سمجھی جاتی تھی اور جہان سائنس کے آلات۔ چارٹ اور فلک سماوی کے نقشہ جات ادھر اُدھر بکھرے پڑے تھے اور جہان چرخیان چھت سے لٹکی رہتی تھین، ایکدن اس لڑکے کو بلایا جسنے ۱۷ برس کی عمر مین ریاضی کے متعلق اپنی کتاب شائع کر دی تھی۔ انھون نے ان سے کہا کہ میان صاحبزادے! مین سنتا ہون کہ تم اقلیدس ثانی ہو۔ اور پھر کہا کہ " مین ایک سوال کو حل کرنیکے لیے تمہین تین دن کی مہلت دیتا ہون تین دن گزر جانیکے بعد ذکاءاللہ نواب صاحب کی خدمت مین حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ سوال ناقابل حل ہے اسلیے کہ ہمین زاویہ حادہ کو تین حصون مین تقسیم کرنے کیصورت

پڑتی ہے جسے علم مساحت کی رو سے آجتک کوئی شخص بھی حل نہین کر سکا۔ نواب صاحب اس جواب سے بہت متعجب ہوئے اور خوش ہوکر فرمایا کہ "میرے صاحبزادے! تمنے سوال حل کر دیا ہے کیونکہ تم ایسی منزل تک پہنچگئے ہو جس سے آگے بڑھنا ناممکن ہے"

ان ابتدائی ایام مین تمام فضا برقیت سے مملو تھی جس قسم کی کہانی مین نے اوپر بیان کی ہے۔ اس قسم کی کہانیان ایک گھر سے دوسرے گھر تک بہت جلد پھیلجاتی تھین اور اسطرح سے خاندانی روایات کا جزو بنجاتی تھین۔ دہلی مین اردو ادب کے احیار سے اُس دور مین اس سے پیشتر کہ وہ اپنی سابقہ تاریک حالت کو پہنچے فوری تیز روشنی کی سی کیفیت پیدا ہوگئی تھی۔ اسوقت تک گزشتہ شان و شوکت کی عظیم الشان روایت اور عہد مغلیہ کی آخری آن بان ابھی باقی تھی چراغ ٹمٹما رہا تھا اور بجھنے سے پہلے اسمین تھوڑی دیر کے لیے غیر معمولی روشنی پیدا ہوگئی تھی جو کسی اور سبب واحد کے مقابلہ مین سب سے زیادہ غدر نے بالآخر خاموش کر دیا۔

(ترجمہ)　　ضیاء الدین احمد برنی۔ بی۔ اے

مرقعہ بابریہ

یہ کتاب سیر المتاخرین مدخلہ امتحان منشی فاضل (پنجاب یونیورسٹی) کا اردو خلاصہ ہے۔ جسکو مولوی حافظ محمد مشتاق علی خانصاحب نعمانی رامپور نے نہایت قابلیت سے مرتب کیا ہے،

عبارت سلیس، زبان پاکیزہ، مضمون مختصر لیکن تفصیل کا قایمقام ہے بہرحال، یہ کتاب قابل قدر ہے۔ مخصوص امیدواران منشی فاضل کے لیے جنکو ۱۶۰۰ صفحہ کی اصل کتاب طوطے کی طرح رٹنی پڑتی ہے بیحد مفید ہے کیونکہ اب صرف چھوٹی تقطیع کے ۱۳۶ صفحون کو ازبر کر لینے کے بعد مشکل آسان ہو جائیگی۔

کاغذ عمدہ کتابت وطباعت نفیس۔ قیمت علاوہ محصولڈاک عہ مشتاق علیخانصاحب نعمانی منشی فاضل پیلا تالاب۔ ریاست رامپور سے طلب فرمائیں

نہین نہین۔ !! آج اس مجمع کے سامنے وہ دھن نہ چھیڑو وہ راگ نہ گا بلکہ ایسا ترانہ چھیڑ جسکا سب بخوبی مزہ لے سکین۔

یہ لوگ جامۂ مسترت مین پھولے نہین سماتے اور تیرے ساحل پر آکر جمع ہوگئے ہین۔ تو اُن کے قلوب کو اپنے دل کے قریب کھینچکر جوہر رقص و سُرود نمایان کر۔

لیکن تجھپر جب پھر تاریکی چھاجائے اور آدھی رات اپنا دامن ڈالدے اور یہ مسرت انگیز قہقہے تیری طغیانی مین محو ہوجائین اسوقت ہم دونون کے سوا باقی تمام عالم راگ مین سما جائیگا اور تاریکی دربان بنکر وہان استادہ ہوگی۔

ایک راگ تو چھیڑے گا اور اسکے جواب مین ایک دوسرا گیت مین گاؤن گا اور پھر مسرت بے پایان سے بے قابو ہوکر ہم دونون ہم آغوش ہوکر لیٹ رہین گے اور اسی عالم مین تیری دیرپا اور دلکش صدائین اپنی یکسوئی مین مجھے غرقاب کردینگی۔

ہان جب شبِ تیرہ و تار کا پھر تیرے ساحل پر قبضہ ہوگا ہم دونون ساتھ گائینگے اور وصل کا لطف اُٹھائینگے۔

(نمبر ٦٨)

تو اسی طرح کتنے قرنون سے مائل روانی ہے؟ تیرے قلب کو ہمیشہ یہ سُرود چاک چاک کرتا رہتا ہے۔

ع سلسلہ کے لیے دیکھو زمانہ جو[illegible]

یہ نام عالم کو متوحش و مجنون بنا دینے والے ترانے - یہ لحن خوشگوار جو قلوب کو
اُبھار کر بوسہ زنی پر مائل کر دیتے ہین -
کون قرن کے بعد تیرے موجۂ صدا سے نکل رہے ہین - جنکو سنکر مدتہائے بے انتہا
کا خیال آجاتا ہے جنکے پیشتر بے شمار زندگیان گذر چکی ہین -
اے بحرِ روان جس روز پہلے پہل تونے یہ صدائے ماتم بند کی تھی - اس روز
سے برابر تو لاابتدا و لاانتہا - ہر وقت متوجّ خیز رہتا ہے بتا بتا کہ تجھے کس چیز کی طلب ہے
تیرے دل مین کون زبردست آرزو مخفی ہے - تجھکو کون ارمان اسطرح رات دن تڑپایا
کرتا ہے - ؟
لاکھون گذشتہ زمانون، کروڑون زندگیون کی یاد کر کرکے تو نالہ زنی کرتا رہتا ہے
اے میرے مضطرب و متوج خیز اشکبار سمندر -
اے مدتون کے حرمان نصیب یہ صرف تیری ذات ہے جسکی قربت حاصل کرنے کے
لیے مین تمام زمانہ کی چیزون پر لات مار کر آیا ہون جیسے مین پہلے ہمیشہ اپنے اِس
حقیقی وطن مین آیا کرتا تھا اور اسی طرح آیندہ زمانہ لاانتہا مین بھی برابر تیرے پاس
آتا رہونگا -
مدتون مین تجھ سے جدا رہا ہون اور بیشمار زندگیون مین آکر تجھسے ملا ہون - !!!

(نمبر ۶۹)

کس زمانے مین کس ملک مین اور کس فراموش شدہ اور دور و دراز ساحل پر پہلے
پہل ہم دونون کی آنکھین باہم دیگر چار ہوئی تھین ؟
ہم دونون کو کس مہیب اور دل ہلا دینے والی گرج نے یا کس دلفریب
خوشگوار اور فرحت اثر ترنم نے باہم دیگر پہلے پہل جکڑ دیا تھا - وہ کس فراخ اور وسیع
لق و دق میدان صدا کے لافانی مقامات مین پہلے پہل ہم دونون یکجا ہوئے تھے -
کون زبردست مائل ترانہ سنجی اور بہکی ہوئی روح والے دل نے اور کس ز

فرسودہ کے اسرار نے ہم دونوں کو قابو مین کر لیا ہے ؟

کس صدائے بے نام کی رُوح نے ہم دونوں کے آغازوں کو اپنے اپنے راستے سے ہٹاکر باہم دیگر وصل کر دیا ہے ۔؟

اے بحر امواج ۔ ہان کسی عظیم الشان روح کی لا ابتدا جاودانیت سے ہم دونوں کے چشمے بہ نکلے تھے اور اپنے روز اخراج سے نہ معلوم کتنی مرتبہ ہم دونون جدا ہوگئے ، اور جدا رہا سکے بعد نہ جانے کتنی بار پھر آملے ہین ۔

اے حبیب صادق تو ہمیشہ اُس بحر ناپیدا کنار کی جانب مائل روانی ہے اور مین تیرے نغمہ کی روانی مین اپنے منزل مقصود کی جانب تیرتا ہوا چلا جا رہا ہون ۔

(نمبر ۲)

اے سرتاج مطربان ۔ آدھی رات کو جو وقت میری آنکھون سے نیند اُڑی ہوئی تھی اور مین بیخوابی کے عالم مین لیٹا ہوا تھا اُس وقت تونے اپنے سرود و ترنم کا سمندر بہر سو بہادیا ۔

اِس شب یلدا مین تیری آواز کس شان سے گذر رہی ہے ؟

آہ ! یہ کون موج ۔ کون برق صفت لہر مجھپر سے دوڑی جا رہی ہے ؟

اے سمندر میری آنکھون اور میرے چہرے کو تونے ڈھانپ لیا ہے ۔ میرا دل تیری گونج کی تہ مین ڈوبا جا رہا ہے ۔ میری روح ایک طوفان زدہ پھول کے مانند کانپ رہی ہے ۔

کون بے صورت اور وحشت اثر راگ اس عالم تارکی مین ہر طرف دوڑ رہا ہے جو ان تمام سرتون سے زیر بار ہے جنکا احساس دلکو ہو سکتا ہے ۔ اور ان سراسیمگیون سے چاک چاک ہے جنکا دفعیہ دنیا کی کوئی راحت نہین کر سکتی ۔

مجھے کچھ نہین دکھائی دیتا ، کچھ نظر نہین آتا ۔ ہان ایک افتادہ سی کانون کو سنائی دیتی ہے ، اور ہر طرف جاودانیت دکھائی دیتی ہے ۔

مجھے محسوس ہوتا ہے کہ ایک شورش انگیز مبہم اور غیر پیدا شدہ جاودانیت اپنا

بار میرے سینے پر رکھ رہی ہے۔

کانون مین سیکڑون ترانہ ہائے بے صدا جارہے ہین اور راگ کی ہزارون خموشیان

مجھپر آئینہ ہورہی ہین۔

یہ زبان جسکی کوئی دنیا نہین عالمگیر صدا والی اور ہر نغمہ و ہزال مین مخفی ہے اور

جو راگ دنیا مین گائے جاچکے ہین ان کا وہ دل جسکا حال کسی پر سرود و ترنم

کے ذریعہ سے آشکارا نہین کیا گیا۔ موت اور خواب کی نقاب منھ پر ڈالے ہوئے میرے

پاس آتا ہے۔

نمبر ۱۲

ننھے ننھے چراغ جلاکر ایک چھوٹے سے کمرے مین کھیل رہا تھا اور آہستہ آہستہ

ایک راگ گا رہا تھا۔

مجھے اپنی روح کی تاریکی مین جسکا نصف حصہ چراغون کی ٹمٹماہٹ سے روشن

ہو گیا تھا۔ ایک مقصود جادو خیز کی تصویر نظر آتی۔

اے بحر فراخ تو یہ مقصود سے معمور میری چھوٹی سی بازی گاہ نے اپنا

فریب مجھپر کس طرح ڈالا تھا، کہ مین تجھکو بالکل بھولگیا۔ اسوقت قناعت نے میرا چھوٹا

سا چراغ ہاتھ مین اٹھا ایک سہل انگاری کے ساتھ بنایا ہوا ہار میرے سامنے رکھدیا اسوقت

تو نے عالم وجد مین جادو دانیت کا راگ چھیڑکر اپنی متانت خیز مین مگر برق وش صداؤن کو

دعوت دی اور تو نے اپنے طعن و تشنیع اور لعنت و ملامت سے میری فطرت مین ایک زلزلہ

پیدا کر دیا جس سے خیالات کے تمام تنگ ساحل پاش پاش ہوکر گرنے اور ڈوبنے لگے

میری بازیگاہ بالکل مسمار ہو گئی اور چراغ بھی گل ہو گیا۔ یہ نظارہ میری آنکھون کے

سامنے تھا، اور مین سمندر کی طوفان خیز صداؤن کے ما بین نہایا دھویا اور ہر طرف

پانی مین ڈوبا ہوا استادہ تھا۔

(ترجمہ)　　**بشیشور پرشاد منور لکھنوی**

مسئلہ طلاق اور ہندو سوسائٹی

مسئلہ طلاق کے متعلق رسالہ زمانہ ماہ جون میں پنڈت کشن پرشاد کول کے خیالات معلوم کرکے دل میں ایک عجیب قسم کی بےچینی پیدا ہوگئی ہے۔ پنڈت صاحب نے مسئلہ طلاق کے تاریخی و نیز قانونی پہلو سے قطع نظر کرتے ہوئے محض دنیوی مفاد اور انصاف کے نقطۂ خیال سے اس سوال پر بحث کرنا مناسب تصور فرمایا ہے لیکن نظائر اور حقوق وراثت وغیرہ کا بھی ضمنی تذکرہ کرتے ہوئے تاریخی واقعات نظائر اور قانونی مراتب سے گریز ممکن نہ ہوسکا مجھے حیرت ہے کہ دنیوی مفاد اور انصاف کی رو سے طلاق کا رواج کہاں تک اُن خرابیوں کا علاج یا انسداد کی وجہ قرار دیا جاسکتا ہے کہ جنہیں معہود ذہنی کے طور پر لائق نامہ نگار نے جواز طلاق کے لیے ضروری سمجھا ہے اولاً تو یہ بات سمجھ میں آنا مشکل ہے کہ عورتیں ہی زیادہ تر مظلوم اور بے عیب ہیں تجربہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ فرقۂ اناث میں رجعت پسندی کا احساس بہ نسبت مردوں کے بہت زیادہ ہے۔ مرتے دم تک اُنکی دنیوی خواہشات اور ملبوس و زیورات کی ہوس کم نہیں ہوتی پھر یہ بات بھی ضروری ہے کہ روپیہ پیدا کرنے اور عزت و آبرو کو قائم رکھنے کا بار ابھی تک ہر ملک و ملت میں زیادہ تر مردوں ہی کے سر چلا آتا ہے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ مرد گھروں میں چرخہ چلائیں اور عورتیں دربارداری کا کام انجام دیں۔ جن ادنے درجہ کی قوموں میں عورتیں روزی کمانے کے کاموں میں بھی کافی حصہ لیتی ہیں ان میں مردوں پر ان کا دباؤ بھی ضرورت سے زیادہ پایا جاتا ہے۔ اور وہاں طلاق کی ضرورت بھی مفقود ہے۔ یہ درمیانی طبقہ کی حالت ہے یا بگڑے ہوئے رئیسوں کا خاکہ ہے جس پر زیادہ تر پنڈت صاحب کا روئے استدلال منحصر ہے مستورات کا بالعموم یہ خاصہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے خاوندوں کو کبھی تفکرات سے خالی

نہین رہنے دیتین. کھانا کھاتے اور سوتے وقت بھی اُنھین چھیڑتے رہنا اپنا فرض خیال کیا کرتی ہین اُن کی محبت اور پرورش کو کبھی احسان مندی کے نقطۂ نگاہ سے دیکھنا یا کم از کم اسکا اظہار کرنا ان کے لیے ہمیشہ باعثِ شرم اور خلاف فطرت معلوم ہوا کرتا ہی زیادہ تر یہی باعث ہوتا ہے کہ بہت سے ستائے ہوئے لوگ گھر سے باہر اپنی تفریح کا سامان مہیا کرنے کی طرف راغب ہوتے ہین۔ مغربی تہذیب کے زیر اثر یہ شکایات روز مرہ زیادہ ہوتی جاتی ہین۔ اوسط گھرانے کی عورتین جو بیشتر رات دن گھر کے کاروبار مین مصروف رہکر اپنی زندگی کافی آرام و آسایش سے بسر کرتی رہتی تھین اب یہ چاہتی ہین کہ وہ نوکر چاکرون پر تمام کام کاج چھوڑکر خود ایسے کامون مین اپنا وقت صرف کرین جنھین علمی مذاق اور پولٹیکل خدمات کا معیار ترقی تصور کیا جارہا ہے یہ سمجھ مین نہین آتا کہ علم اور انتظام گھر سے باہر کس مرض کی دوا ہین مانا کہ عورت اور مرد دونون کے حقوق علمی مذاق اور پاکیزہ تفریح کے لیے یکسان اور مساوی ہین مگر آخر کچھ کھانے کمانے کا دھندا اور بچون کی پرورش اور راحت کا انتظام بھی تو ہونا چاہیے اسکا ذمہ دار کون ہو۔ جو تقسیم ابتک ہر ملک مین رائج ہے اُسکی رو سے تو باہر کا کام مردون کے سپرد اور گھر کا انتظام عورتون کے ہاتھ ہے اور بس یہی مناسب اور ضروری سمجھا گیا تھا اور ایسی جو شکایتین بیوی کو خاوند سے یا خاوند کی بیوی سے پیدا ہونا ممکن ہین اُن کا ازالہ باہمی طور پر چند روز کی کشاکشی کے بعد خود ہی ہو رہتا ہے۔ اگر آج ناراضی ہوئی اور کل طلاق دیکر علیحدگی کی نوبت پہنچی اور پھر ایک سے دو اور دو سے چار بیوی اور خاوند کا سامنا کرنا پڑا تو سوشل تار و پود کا سلسلہ ہرگز قائم نہین رہ سکتا۔ کبھی ایسا وقت نہین آسکتا کہ خاوند اور بیوی مین ناراضگی کا موقع پیش نہ آئے۔ ایسی عورتون کی عجلت پسندی اور بے جا آزادی کی اسپرٹ اور بھی سونے مین سہاگے کا کام کر دکھائیگی مساوات کے موہوم خیال نے جو فتنہ و فساد انگلستان جیسے تعلیم یافتہ ملک مین برپا کیا تھا اُسکی یاد اب تک نہین بھولی جرمن کی جنگ نے اس شورش کا مناسب وقت پر یہی خاتمہ کر دیا ورنہ انگلستان کے مدبرین کے دماغ ٹھیک ہو جاتے، پنڈت صاحب اس غریب ملک

مین تو مرد اور عورتین مل جلکر اتنا کام کر رہے ہین کہ فرشتون کی طاقت سے بھی باہر ہے اہل اسلام بھی جنکے یہان مسئلہ طلاق جائز ہے۔ ہندوستان مین آکر اسکی ضرورت کو بھلا بیٹھے ہین اور جن ممالک کے اعداد پیش کئے گئے ہین وہان بھی مردم شماری کے لحاظ سے اِس مکروہ رسم سے بہت کم فائدہ اُٹھایا گیا ہے۔ حقیقتاً اس مسئلہ کو قانونی مسئلہ بنانے کی ضرورت خواہ کسی ملک مین ہوئی ہو مگر اب تو جا بجا اتحاد کی ضرورت محسوس کی جا رہی ہے نہ کہ علیحدگی کے لیے مساوی حقوق کی جستجو۔ آپکا خیال ہے کہ اکثر اوباش آدمی گھر باہر سے لاپروا ہو کر بیوی کو چھوڑ بیٹھتے ہین مگر پھر بھی وہ گھر کی مالکہ پہلے سے زیادہ با اختیار بنی رہتی ہے محض نفس مین مساوات حاصل کرنے کے لیے ایک گھر چھوڑ کر دوسرے اور تیسرے گھرون مین گھستے پھرنا ایک گری ہوئی بات ہے۔ جسکی شریف عورتون کے لیے ضرورت نہین۔

بجنور۔ ۲ر اگست ۱۹۲۵ء

دوارکا پرشاد

کتابین

کتابین پاکیزگی و شرافت کا سبق سکھاتی ہین۔ اور انھین ہمین شوق سے مطالعہ کرنا چاہیے اُنمین ایسے مضمون ہوتے ہین جنسے ہر ایک شخص کو دلسکتی ہے۔ مین انھین خوب پڑھتا ہون اور اسپر خوب توجہ دیتا ہون۔

(ترجمہ) **ورڈز ورتھ**

مین بہت سی کتابون کے ساتھ کسی تیرہ و تار مکان مین مقید ہو کر رہنا ایسا بادشاہ بننے سے زیادہ پسند کرون گا جسکو مطالعہ کتب کا ذوق و شوق نہین۔

(مکالے) **حاجی محمد صادق**

ناپاک معاہدہ

خوبصورت مصنفہ تم ہو۔ مسٹر نیلسن نے سر اٹھا کر گرجتی ہوئی آواز مین کہا۔

حسن و معصومیت کا مجسمہ غم و درد کے اثرات کا شکار اینا ہومرس ایک دلدوز آہ کے ساتھ جو ضرور کرسی نشین کے جذبات ترحم کو حرکت دینے پر قادر نہ تھی سامنے بچھی ہوئی بنچ پر بیٹھ گئی۔

"کل کے اخبارات سے مجھے معلوم ہوا کہ "میریا کی قسم" کی اشاعت نے عجیب و غریب ترقی کی ہے" اینا نے آہستہ گرتی ہوئی لفظون مین کہا اور چہرہ پر سرخی دوڑ گئی جو شرم ناموری کی مسرت کے احساسات سے پیدا ہوتی ہے "ہان تو یقیناً تم اسکی اشاعت کے متعلق مجھسے زیادہ جانتی ہو" بوڑھے نے اپنی مشہور نامطبوع انداز سے جواب دیا اور کیفیت طلب نگاہین اسطرح جھکا لی گئین گویا ملاقات کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔

اینا کے چہرہ کی سرخی بے پروائی کی اس ادا سے ترقی کر گئی وہ اپنی جگہ سے اٹھنا ہی چاہتی تھی کہ ایک بیمار کی زرد اور مجہولی صورت آنکھون مین پھر گئی اور ان سے پہلو بدلکر کہا "آپ نے اسکی اشاعت سے خلاف امید کثیر فائدہ فائدہ اٹھایا ہے" اب اسکی نغمہ پرور چاندی کی گھنٹی کی سی آواز بھاری ہو چلی تھی۔

بوڑھے نے مستفسرانہ انداز سے پھر چہرہ پر نگاہین جما دین۔

حسین مصنفہ نے رکتی ہوئی آواز مین کہا "مین یہ کہنا چاہتی تھی...... میرا یہ منشا تھا کہ "میریا کی قسم" ایک کامیاب تصنیف ثابت ہوئی ہے اور آپ نے اس سے غیر متوقع فائدہ حاصل کیا ہے کیا آپ اس کثیر نفع مین سے ایک قلیل رقم کا میرے حق تصنیف مین اضافہ کر دین گے۔

سر سریندر ناتهه بنرجي

پیدائش سنه ۱۸۴۸ع   وفات سنه ۱۹۲۵ع

"کیا کیا" بوڑھے کے ہونٹوں سے بیساختہ دو لفظ نکلے "یقیناً مس صاحبہ مین آپ کا مطلب سمجھنے سے بالکل قاصر ہون۔

اُسنے گھنٹی بجاتے ہوئے کہا۔ آپ کو یاد ہوگا پچاس پونڈ معاوضہ تصنیف ہمارے باہمی معاہدہ کے مطابق آپ کو مل چکا ہے۔ اُس معاہدہ کی تحریر یقین ہے کہ آپ کو فراموش نہ ہوئی ہوگی۔

"ناپاک معاہدہ" کمرہ مین داخل ہوتے ہوے ایک پستہ قد زرد رو آدمی نے کہا مگر خوش قسمتی سے یہ الفاظ مغرور بوڑھے کے کانون تک نہ پہنچ سکے۔

"نمبر ۳" بوڑھے نے آنیوالے کلرک سے مخاطب ہوکر کہا۔ مس اینا ہومرس اور نیلسن اینڈ کمپنی کا معاہدہ۔

"ہان میرا بھی خیال تھا" کلرک سے معاہدہ کا کاغذ لیتے ہوے بوڑھے نے اپنی کرسی آگے بڑہائی اس تحریر کے مطابق پانچ سال تک آپ کی ہر تصنیف نیلسن اینڈ کمپنی کی ملکیت ہوگی معاوضہ کی رقم پچاس پونڈ سے سو پونڈ تک محدود رہے گی حقوق ترجمہ معاوضہ تصنیف پر سات فیصدی کے حساب سے اب مس ہومرس آپ کیا کہتی ہین آپ نے اس معاہدہ پر اپنی خوشی سے دستخط کئے ہین۔ یہ واقعہ ہے کہ کمپنی نے اس کتاب کی اشاعت سے غیر معمولی فائدہ اُٹھایا ہے۔ لیکن یہ کوئی وجہ نہین ہوسکتی کہ آپ مجھسے اس بناپر ایک طے شدہ اور مقررہ رقم پر اضافہ کی درخواست کرین مین نے اپنے تمام عمر کے تجارتی تجربہ مین ایسی عجیب بات نہین سنی۔

"بہرحال حقوق ترجمہ کی رقم تو مجھے ملنی چاہئے۔ مین نے سنا ہے کہ اُسکا ترجمہ جرمن اور فرنچ زبانون مین ہو رہا ہے" اینا نے زمین کیطرف دیکھتے ہوے کہا۔

"نمبر ۱۰" نیلسن نے نمبر ۳ سے مخاطب ہوکر کہا۔ کلرک فوراً کمرہ سے باہر گیا اور پانچ منٹ کے اندر اُسکی جگہ ایک دبلا پتلا متوحش صورت انسان اپنی پیشانی پر پریشان بالون کو دونو انگلیون سے ہٹاتا ہوا سامنے موجود تھا۔

بوڑھے نے حاکمانہ انداز سے ہاتھ اُٹھاکر کہا۔ نمبر ۱۰۔ میریا کی قسم کے ترجمہ کا

حساب تیار کر دو اور جو کچھ رقم مصنفہ کے حصہ کی نکلے اُسکا ایک چک لکھدو جلدی کرو۔
کلرک خاموشی کے ساتھ کمرہ سے باہر گیا اور مسٹر نیلسن پھر نو عمر مصنفہ سے مخاطب ہوئے۔

اگر تمہین روپیہ کی ضرورت ہے تو مس ہومرس تم ایک اور کتاب لکھو مجھے اس سے انکار نہین کہ تمہاری کتاب اچھی ہے۔ مین نے خلاف عادت اسکا خود مطالعہ کیا ہے۔ میرا اعتماد اُسپر قائم ہو گیا تھا اور مین نے اُسپر بھروسہ کرنے مین کوئی غلطی نہین کی مجھے یقین ہے کہ پچیس ہزار کی تعداد سے پیشتر اُسکی اشاعت نہین رک سکتی۔
یہ آپ کا حساب ہے بوڑھے کے منھ سے یہ الفاظ نکلتے ہی پریشان صورت کلرک نے حساب کا کاغذ اور ایک غیر دستخطی چک اپنے آقا کے سامنے میز پر رکھدیا۔ مسٹر نیلسن نے حساب دیکھا چک پر دستخط کئے اور دونوں کاغذ اینا ہومرس کو دیدیئے۔ جنے حساب کا کاغذ بلند آواز سے پڑھنا شروع کیا۔

اینا نے کاغذ میز پر رکھتے ہوے کہا۔ اگر مین اس حساب کو صحیح طور پر سمجھتی ہون تو آپ نے ترجمہ کے وہ حقوق فروخت کئے ہین جن حقوق کو ظاہرا آپ نے ساٹھ پاونڈ مین مجھسے حاصل کیا ہے۔ مگر اُن مین سے بھی کاٹ چھانٹ کے بعد مجھے پانچ پاونڈ اور ایک شلنگ وصول ہوئے ہین۔

ہان مس ہومرس۔ اب مہربانی کر کے آپ اس رقم کی رسید مجھے عنایت کرین کیونکہ حقیقتاً ابھی مجھے اور بہت کام کرنا ہے۔
"نہین مسٹر نیلسن" اینا نے بے تابانہ کھڑے ہوکر کہا۔ اُسکا چہرہ غصہ سے تمتا گیا تھا اور وہ اسوقت ہمیشہ سے زیادہ حسین نظر آتی تھی۔ مین یہ چک نہین لونگی۔ اور اس لیے رسید کیضرورت باقی نہین رہتی۔ نہ مین آیندہ آپ کے لیے کوئی کتاب لکھونگی آپنے مجھے اپنے جال مین پھانس لیا ہے۔ آپ نے میری عدم واقفیت اور ناتجربہ کاری سے ناجائز فائدہ حاصل کیا ہے آپنے مجھے اسطرح بے بس کر دیا ہے گویا مین پانچ برس تک آپ کی غلام ہون۔ اگرچہ مین اسوقت ملک مین بہترین مصنفہ ہون جیسا اخبار

کی رائے ہے لیکن مین اپنی بے مثال تصنیف کے معاوضہ مین ایک مختصر سی رقم قبول کرنے کے لیے مجبور ہون جبین میری بسر اوقات بھی نہین ہوسکتی۔ آپ جانتے ہین ایسی ہی ایک کتاب لکھنے کے لیے مجھے ایک ہزار پونڈ کی رقم پیش کی جارہی ہے۔ میرے پاس تحریر موجود ہے اور کتاب کا مسودہ بھی تیار ہے کاش مین اُسکی اشاعت کرسکتی اور اپنی ذات نیز اپنی غریب بہن کو عسرت اور تنگدستی سے بچا سکتی ایک آہ کھینچکر اینا نے سلسلہ کلام جاری رکھا۔ افسوس مین اُسے شائع نہین کرسکتی مگر مین اُسے آپ کو بھی نہین دونگی خواہ مجھے بھوکا ہی مرنا پڑے مین پانچ برس تک کسی کتاب کی اشاعت نہ کرونگی۔ مین اخبارون کے ذریعہ سے اُس دغابازی اور فریب کو مشتہر کرونگی جو میرے ساتھ کیا گیا ہے۔

"دغابازی" مسٹر نیلسن نے گرج کر کہا۔ خبردار نوجوان لیڈی سوچو تم کیا کہہ رہی ہو میرے پاس ایک گواہ ہے۔ کلارک تم سنتے ہو دغابازی کلارک دغابازی۔

"ہان مسٹر نیلسن دغابازی مین پھر کہتی ہون خواہ مجھے قید ہی کیون نہ ہوجائے اچھا سلام۔ اینا نے ایک حقارتی تعظیم کیساتھ سر خم کیا اور پھر یکایک اُسکی خوبصورت نیلی آنکھون سے آنسو کا ایک دریا بہ نکلا۔

چٹخنی گرنے کی آواز آئی کمرہ کے داہنی جانب کا دروازہ کھلا اور ایک منٹ کے عرصہ مین ایک بلند بالا وجیہہ نوجوان جبمین مردانہ حسن کی تمام خوبیان موجود تھین اور جسکے چہرہ سے شرافت اور نیکدلی کے آثار نمایان تھے۔ اینا ہومرس کے برابر پہنچ گیا۔

مس ہومرس خدا کے لیے رو و نہین مین یہ المناک نظارہ برداشت نہین کرسکتا۔ نوجوان نے جسکی آواز درد مین ڈوبی ہوئی اور جسکی صورت سے ہمدردی کے جذبات نمایان تھے نفیس سر جھکاتے ہوئے کہا۔

غریب اینا نے سر اٹھایا اُسکی آنکھون مین آنسو بھرے ہوئے تھے مگر مسکرانے کی کوشش کی اور سر کی ایک حسین اور خفیف جنبش کے ساتھ بولی "شکریہ"

یہ میری بے وقوفی ہے، لیکن مجھے سخت نا امیدی ہوئی ہے کاش آپ کو میری کیفیت معلوم ہوتی خیر مین اب جاؤنگی ایک مرتبہ پھر شکریہ۔

دوسرے لمحہ مین کمرہ تاریک سا معلوم ہونے لگا اینا ہومرس باہر جا چکی تھی۔

نیلسن نے بڑبڑاتے ہوئے کہا " اوہ، وہ پھر آئے گی ابتدا مین اکثر مصنفون نے ایسا کیا ہے۔ ایسے دو تین مغرور المزاج یہان بھی ہین۔ اُسنے اپنی انگلی جونیئر رول کیطرف اُٹھائی جہان ۲۵ پالتو مصنف اور اڈیٹر یا تجارتی بھوت کے قیدی (مسٹر نیلس اس خطاب سے مشہور تھے۔) پیٹ کی خاطر معاہدہ کی زنجیرون مین بندھے ہوئے اپنی طبیعت کے خلاف اور مسٹر نیلسن کی مرضی کے مطابق تصنیف و تالیف اور اپنے دل و دماغ کا خون کرنے کے لیے مجبور تھے۔

اُس فتحمندانہ تبسم کیساتھ کہا۔ ان کو کس نے سیدھا کیا اب وہ بالکل راہ راست پر ہین اب زیادہ تیزی نہین دکھلاتے مین جانتا ہون کہ ان لوگون سے کسطرح برتاؤ کرنا چاہیئے۔ یہ لڑکی بھی ایکدن اسی جگہ دکھائی دیگی کیون تمہارا کیا خیال ہے جوان آدمی" نیلسن نے نوجوان سے جواب تک اُسی جگہ کھڑا ہوا تھا مخاطب ہو کر کہا۔

نوجوان نے کہا، میرا خیال ہے کہ تمہین اپنی ہستی سے خود شرمانا چاہیئے۔

کمرے مین ایک خوفناک خاموشی چھا گئی۔

مسٹر نیلسن نے چک جسکو اپنا نے میز پر پھینک دیا تھا۔ اُٹھایا اور اُسکو [illegible] کہا تم نے کیا کہا۔

"مین نے کہا کہ تمہین اپنی ہستی سے خود شرمانا چاہیئے۔ نوجوان [illegible] نے مضبوطی کیساتھ اپنے الفاظ پر قائم رہتے ہوئے اُنھین دوہرایا۔

بوڑھے نے غضبناک ہو کر کہا۔ اچھا اب مہربانی کرکے اپنے الفاظ کی [illegible] سمجھا دیجئے آپ کا اس سے کیا منشا ہے۔ بوڑھے کی آنکھون سے خوفناک شعلے نکلنے لگے۔

میرا منشا یہ ہے کہ اُس لڑکی کے الفاظ بالکل صحیح تھے کہ آپ نے اُسکو دھوکا دیا ہے آپ کا ضمیر بھی اُس فریب سے واقف ہے جو اُسکے ساتھ کیا گیا ہے۔ مین نے "تیر ملکی قسم" کا حساب دیکھا ہے مین اُس ناپاک معاہدہ سے واقف ہون مین نے آپ کے قیدی مصنفون کی زندگی پر ایک غائر نظر ڈالی ہے۔ جنکی قوت تحریر جنکی طبیعتون کی جدت اور تیزی کثرت کار سے سلب ہو چکی ہے اُن کی تصنیفات اور آپ کے خریدارون اور ایجنٹون کی مرضی کے مطابق تھیں اور بے لطف ہو گئی ہین اب وہ آپ کے اور صرف آپ کے رحم پر معاہدہ کی زنجیرون مین جکڑے ہوئے اُن وحشت انگیز جھونپڑیون کے اندر اپنی بےمزہ زندگی کے دن پورے کر رہے ہین۔ اب آپ کی بدترین خواہشات اور ناپاک ارادے اُس غریب مصنفہ کے دل ودماغ پر بھی (جسکی پہلی تصنیف نے ملک مین ہلچل ڈالدی ہے) قبضہ کرنا چاہتے ہین۔ اپنے گرفتارون مین ایک جدید اضافہ کرنے کے لیے آپ اُس جوہر قابل کو جو اُسکی فطرت مین قدرت نے ودیعت کیا ہے اور جس سے ملکی لٹریچر مین ایک نئی جان پڑنے والی ہے مٹا دینے کے لئے تیار ہین۔ ایک صنف نازک کے ساتھ آپ کا یہ رویہ اور برتاؤ آپکے کیرکٹر پر پوری پوری روشنی ڈال رہا ہے اور مجھے یہ کہنے مین ذرا بھی تامل نہین کہ آپ ایک پرفریب زندگی بسر کر رہے ہین اور ایک خطرناک راستہ پر چل رہے ہین۔ آپکا نفس آپکو دھوکا دے رہا ہے۔ اور مجھے یہ نظر آتا ہے کہ آپ کا انجام ایک ایماندار آدمی کا سا نہین ہو سکتا۔

تم کہہ چکے۔

ہان مین کہہ چکا۔ اور مین امید کرتا ہون کہ مین نے اپنے مطلب کو بہت اچھی طرح واضح کر دیا ہے۔

شکریہ یقیناً تمکو اکسفورڈ مین تہذیب اور راست بیانی کی سب سے زیادہ تعلیم ملی ہے۔ اچھا اب میرا نمبر ہے اور مین تم سے کہتا ہون کہ یا تو تم فوراً اپنی تقریر کی معافی مانگو ورنہ تم ہمیشہ کے لیے اس مکان سے علیحدہ اور میرے ترکہ سے

محروم کر دیئے جاؤ گے۔

مین تم سے معافی نہین مانگونگا اسلیے کہ مین نے جو کچھ کہا ہے وہ سچ ہے حقیقت یہ ہے کہ تم سچ بات سننے کے عادی نہین ہو یہ غریب کلرک جو ہر وقت تمہارے اردگرد رہتے ہین تمہاری مرضی کے مطابق گفتگو کرنے کے لیے مجبور ہین مجھے اسجگہ سے نکلکر بہت خوشی ہوگی مجھے اس مقام سے نفرت ہے اسکی دیوارون سے حرص وطمع و مکر و فریب کی بو آتی ہے مین خود ایسی جگہہ رہکر اپنے ضمیر کو مجروح نہین کرنا چاہتا جہان جائز و ناجائز طریقہ سے روپیہ پیدا کرنے کے سوا اور کوئی کام نہ ہوتا ہو۔

بوڑھا آدمی اب تک اپنے جذبات کو ضبط کیے ہوئے تھا لیکن اس آخری تقریر نے تاب ضبط باقی نہ رکھی اس مغرور دولتمند کے کان برسون سے خوشامدانہ گفتگو سننے کے عادی تھے اس ناگوار اظہار حقیقت نے اُسکی صورت پر شیطانی آثار پیدا کر دیئے۔ اُسکی دونون بھوین تن گئین۔ اُسکی آنکھین سرخ اور چہرہ تاریک ہو گیا ہونٹ کانپنے لگے اور جذبات کے ہجوم نے اُسکو چند سکنڈ تک بولنے سے بھی مجبور کر دیا آخر اُسکے منھ سے الفاظ کا ایک طوفان پیدا ہوا جوش غضب مین وہ کرسی سے اُٹھ کھڑا ہوا تجارتی بھوت کا خطاب اس وقت اسکے لیے بالکل موزون تھا۔

گستاخ بدمعاش نوجوان کیا تم سمجھتے ہو کہ جب میرا بھائی تمکو فاقہ کرنے کے لیے چھوڑکر (جسکے تم دراصل مستحق تھے) دنیا سے چلا گیا تھا تو مین نے تمکو فاقہ کشی سے بچا کر تمہاری پرورش اسلیئے کی تھی کہ آج تم میرے طرز عمل کو نشانۂ اعتراض و ملامت بناؤ میری مہربانیون کا یہی معاوضہ اور میری محبت کا یہی صلہ ہے اچھا اب تم [illegible] کرکے بارہ گھنٹہ کے اندر اندر میرے مکان سے چلے جاؤ مین اسے اچھا [illegible] کریگا بجائے تم جیسے ناشکرے انسان کے میری لاانتہا دولت اور وسیع [illegible] غیر آدمیون کے قبضے مین چلے جائین اب مجھے سب سے پہلا کام [illegible] کرنا ہے۔ جو وقت میرا مکان تمہارے احسان فراموش وجود سے خالی ہو جایگا [illegible]

اپنے دکلا سے اسبارے مین گفتگو کرنے کے لیے جاونگا۔

اس گفتگو کے دو گھنٹہ بعد ایک بند گاڑی جسکی چھت پر کچھ مختصر سامان تھا جو ایک نوجوان کنوارے آدمی کے پاس ہو سکتا ہے مسٹر نیلسن کے کارخانہ کے بڑے دروازہ سے باہر نکلتی ہوئی دکھائی دی اور اُسکے آدھ گھنٹہ بعد ایک دوسری گاڑی دروازہ سے نکلی اور مسٹر نیلسن کی کرخت آواز نے کوچوان کو نمبر ۱۳ جرمن اسٹریٹ میسرز پارک اینڈ ٹامس وکلا کے دفتر چلنے کی ہدایت کی۔

اُن خوفناک جھونپڑیون پر جہان تجارتی بھوت کے قیدی آفتاب غروب ہونے کا موت کی سی بے چینی کے ساتھ انتظار کر رہے تھے انگلیاں لکھتے لکھتے شل ہوگئی تھین لیکن خفیہ نگاہبانون کی بیرحم آنکھون اور مسٹر نیلسن کی وحشتناک آواز DISCHARGE کا خوف جو ہر وقت اُنپر مسلط رہتا تھا۔ پانچ منٹ کے لیے بھی آرام لینے کا خیال نہ آنے دیتا تھا ناکام اینا ہومرس ایک خوف آمیز نظر ڈالتی ہوئی اُس منحوس عمارت کے حدود سے باہر نکلگئی اُس کا حسین چہرہ غم و درد کے جذبات کا آئینہ تھا۔ وہ راستہ کے خیال سے بار بار اپنے تاثرات کو چھپانے کی کوشش کرتی تھی لیکن ایک خیال اُسکی سرد آہون اور گرم آنسوؤن کا محرک تھا جسکو وہ ایک لمحہ کے لیے بھی فراموش نہ کر سکتی تھی اور وہی خیال اخفاے حال کی کوششون کو ناکام ثابت کر رہا تھا۔

"آہ! میری غریب بیمار بہن" بیسون ہی مرتبہ یہ الفاظ اُسکے لبون سے نکلے [illegible] مجھے اسوقت دوسو پاونڈ کی ایسی ضرورت ہے جیسی کہ ایک تین روز کے [illegible] کو ایک ٹکڑے روٹی کی۔ دوسو پاونڈ جو کسی امیر کی پوشاک مین صرف ہوجاتے [illegible] جان سے زیادہ پیاری یتیم بہن کی زندگی بچانے کے لیے نہین ملتے ایسی [illegible] اور درد کے ساتھ یہ الفاظ اُسکے منھ سے نکلے کہ وہ ان کے دلدوز اثر سے [illegible] ہوکر گر جاتی اگر یکایک امید کی ایک دھندلی سی شعاع ناامیدی

کی اُس غیر محدود تاریکی مین اُس کی ساوان نہ ہوتی وہ یکایک اپنے مکان کے راستہ کو چھوڑکر
بائین ہاتھ کیطرف جانے والی ایک سڑک پر مڑ گئی۔ اینا ہومرس غریب ماں باپ کی بیٹی
تھی جبکا سایہ اُسکے سر سے اُٹھ چکا تھا اُسکا باپ ایک نادار پادری تھا مگر اعلے خصائل کے
لیے اپنے ہم پیشیون مین سب سے ممتاز نظر آتا تھا اُسنے سوائے اپنی پیاری بیٹی کو عمدہ
تعلیم دلانے کے دنیا کے اور کسی امر کی طرف توجہ نہین کی ماں باپ سے ہمیشہ کے لیے
جدائی کے بعد غریب اینا کو صرف چھ سو پونڈ اپنے قبضہ مین دکھائی دیئے یہی وہ ترکہ تھا
جو اُسکے غریب والدین دنیا مین چھوڑ گئے تھے۔ ظاہر ہے کہ اینا اس قلیل رقم کے سود مین
اپنا اور اپنی چھوٹی بہن کا گزارہ کسی طرح نہین کر سکتی تھی لہذا وہ اصلی روپیہ کو صرف کرنے
کے لیے مجبور تھی اس سرمایہ کے قریب ختم ہونے کے ساتھ ہی اُسکی مصیبتون کا آغاز ہو گیا۔
اسکی پیاری چھوٹی بہن پولی جبکا ہاتھ زندگی کے آخری لمحون مین مرنے والی ماں بڑی
حسرت سے اُسکے ہاتھ مین دے گئی تھی۔ سخت بیمار ہو گئی ڈاکٹر کی رائے تھی کہ اسکو کسی گرم
مقام پر لیجانا چاہیئے جسکے لیے کم از کم دو سو پاونڈ کی ضرورت تھی یہان روزمرہ کی ضروریات
کے لیے بھی خرچ کافی نہ تھا۔

ہونہار اینا کی علمی قابلیت اور فطری جودت نے بسر اوقات اور اپنی پیاری بہن
کے معالجے کے اخراجات کے لیے اُسے تصنیف و تالیف کیطرف متوجہ کیا اُسنے بڑی محنت
کوشش سے ایک کتاب تصنیف کی لیکن اسکی اشاعت سے مفید نتیجہ پیدا نہ ہوا بلکہ اینا ہومرس
کو اس تجربہ مین پانچسو پونڈ کا نقصان اُٹھانا پڑا لیکن اُسنے ہمت نہ ہاری اور ایک دوسری کتاب
"میرا کی قسم" کے نام سے تصنیف کی جو نیلسن اینڈ کمپنی کے ذریعہ سے شائع ہوئی اور خلاف
اُمید اُس سال کی بہترین تصنیف شمار کی گئی لیکن اپنی ناتجربہ کاری سے جس معاہدہ کی زنجیرون
مین وہ جکڑ دی گئی تھی اُس سے ناظرین واقف ہو چکے ہین۔
مسٹر نیلسن سے امداد حاصل کرنے کی کوشش مین ناکام رہنے کے بعد اینا ہومرس
نے اپنے مکان کا راستہ چھوڑ کر جس سڑک کی طرف رخ کیا تھا وہ اُس بینک کی طرف جاتی تھی

جہان اُسکے چھ سو پاونڈ مین سے ایک قلیل رقم باقی رہ گئی تھی۔ اُسکے بھولے اور دنیاسے ناآشنا دلمین یہ خیال پیدا ہوا تھا کہ شاید اُسے بنک سے کچھ قرض ملسکے اسی امید پر وہ بنک گھر کی سیڑھیون کو طے کرتی ہوئی منیجر کے کمرہ مین پہنچ گئی۔

منیجر ایک خشک مزاج و تنگدل کا انسان تھا۔ اینا ہومرس کو اُس سے پہلے ملاقات کا اتفاق نہین ہوا تھا۔ اینا کا ارادہ متزلزل ہو چکا تھا لیکن اُسنے ہمت کرکے اپنی مصیبت کی داستان لفظ بہ لفظ کہہ سنائی منیجر نے اُسکی تقریر کو توجہ سے سنا اور چند ہمدردی کے لفظون مین اور بنک کے قواعد کے مطابق قرضہ دینے سے مجبوری کے اظہار کیساتھ رخصت کردیا۔ اسوقت بنک سے گھر تک کا راستہ طے کرنا اینا ہومرس کے لیے اپنی زندگی مین مشکل ترین کام تھا۔

سہ پہر کا وقت تھا چار بج چکے تھے آسمان پر ابر محیط تھا خفیف ترشح ہو رہا تھا سردی ناقابل برداشت تھی لیکن موسم کی یہ ناگوار کیفیتین مایوس حسینہ کی دلی کیفیات کے مقابلہ مین کسی طرح قابل التفات نہ تھین۔ اُسکے پانون جو اس طول طویل سفر کی بہ نسبت ناکامی سے زیادہ تھک گئے تھے برابر اُٹھ رہے تھے لیکن رفتار مین ایک غیر اختیاری کیفیت اور کشش مقناطیس کی طرح ایک خاص قوت تھی جو اُسے مکان کیطرف کھینچے لیے جارہی تھی اور جسنے اُسے پیچ در پیچ راستون اور کوچون سے گذار کر اُسکے دروازہ پر لیجا کر کھڑا کر دیا حالانکہ نہ اُسکا دماغ اسوقت رہنمائی کر رہا تھا نہ اُسکے پانون کو یہ احساس تھا کہ جس راستہ پر وہ چل رہی ہے وہ کس طرف لیجانیوالا ہے۔

مکان مین داخل ہوتے ہی اینا ہومرس نے اُس کمرہ کی طرف رخ کیا جہان اُسکی ناکام کوششون کے ہمت شکن تاثرات مین حصہ بٹانیوالی اُسکی غریب بیمار بہن انتظار کرتے کرتے سو گئی تھی۔ ایک چھوٹی سی انگیٹھی کے قریب جسمین بہت دھیمی دھیمی آگ روشن تھی ایک سرخ کپڑے سے منڈھی ہوئی کوچ پر دست فطرت کی صناعی کا ایک اعلیٰ شاہکار خانہ ہستی کی ایک بولتی ہوئی تصویر ایک نوعمر حسین سنہرے بالون والی لڑکی خاموش لیٹی ہوئی تھی لاغری اور کمزوری کی بدولت وہ ایک شاعرانہ تخیل

بنکر رکھی تھی نفس کی آمد و شد اُسکی زندگی کا ثبوت نہ ہوتا توکسی نظرفریب پیکر تصویر کے خاکہ سے اُسکی حیثیت زیادہ نہ تھی۔

مجبور اینا کی آنکھون مین آنسو بھر آئے اُسنے جھک کر اُس پیاری صورت پر ایک نظر ڈالی جو دنیا مین اُسے سب سے زیادہ عزیز تھی اُسنے اپنی بیمار بہن کے نازک ہونٹون پر ایک خفیف مسکراہٹ کی جھلک محسوس کی پھر لبون کو ایک حرکت ہوئی اور اس نے آنکھ کھولتے ہوے کہا پیاری کیا تم واپس آگئین، کیسی خوفناک تنہائی تھی۔ اُف تمہارے کپڑے کیسے تر ہین تم اپنا لباس بدل ڈالو کہین تم میری طرح بیمار نہ ہوجاؤ اتنا کہکر بیمار کو کھانسی آنا شروع ہوئی۔ جسنے اُسکے سارے جسم کو اسطرح ہلا دیا جسطرح تیز و تند ہوا کسی نرم و نازک شاخ کو متحرک کردیتی ہے۔

بیمار نے کھانسی تھم جانے کے بعد پوچھا" کیا وہ نہین کچھ اور روپیہ دیگا۔

نہین پیاری اُس سے جھگڑا ہوگیا اور مین واپس آگئی۔

تب میرا خیال ہے کہ ہملوگ باہر نہین جاسکتے۔ بیمار نے آہ کھینچکر کہا۔

اینا اپنے تلخ آنسوؤن کو بدقت پی رہی تھی اُس مین جواب دینے کی قوت باقی نہ تھی۔

بیمار بہن نے تکیہ مین اپنا منھ چھپاکر کچھ دیر اپنی حالت کو سنبھالا۔

پیاری اینا مجھے تم سے کچھ کہنا ہے خفا نہ ہونا میری عزیز میری فرشتہ صفت بہن" اُسنے تکیہ سے سر اُٹھاکر کہا اب سب بیکار ہے۔ قدرت سے جنگ نہین ہوسکتی جلد یا بہ دیر مجھے مرنا ہے اگرچہ میری عمر صرف سولہ سال کی ہے اور تم مجھے بالکل بچہ خیال کرتی ہو لیکن اتنا سمجھنے کے لیے مجھ مین کافی عقل ہے۔ کہ مجھے تمام کوششین ترک کرکے مرنے کے لیے تیار ہوجانا چاہیے مین تمہارے لیے پریشانی کی صورت اور تمہارے دردسر کا باعث ہون جسے تم اپنی خلق نیکی اور مہربانی سے بخوشی برداشت کررہی ہو مجھے فوراً مرجانا اور ابدی نیند مین سوجانا چاہیے۔

"بس کرو بس کرو بولی تم مجھے مار ڈالوگی" اینا نے ایک غیر اختیاری اور دردناک

چیخ مار کر کہا۔

"سُن لو کوشش کر کے سُن لو اگرچہ تمہیں تکلیف ہوتی ہے، میری یہ آخری خواہش ہے تم میرے انجام کے متعلق اسقدر پریشان کیوں ہو کیا وہ جگہ جہان مین جا رہی ہون یہان سے بھی بدتر ہو گی۔ کیا کہین مجھے یہان سے بھی زیادہ تکلیف ہو سکتی ہے جہان مین تمہارے رخسارون پر آنسو بہتے ہوئے دیکھ رہی ہون۔

آہ! دیکھو سوچو یہ کیسی بدترین جگہہ ہے یہان صرف ایک چیز ہلوگونکی زندگی مین مسرت کا باعث ہوئی اور وہ تمہاری تصنیف ہے۔ اب بھی میری زندگی کی آخری لمحون مین جبکہ میری روح تحلیل ہو رہی ہے کیسی خوشی ہوتی ہے۔ جب مین سوچتی ہون کہ ملک کے اخبار تمہارے لیے کیا لکھ رہے ہین وہ لکھتے ہین کہ تمہاری قابلیت فطری ہے جو کسی روز تم کو ملک کے انشاپردازون کی صف مین سب سے ممتاز مقام پر بٹھادیگی۔ وہ تجارتی بھوت اسپر قبضہ نہین کر سکتا۔ وہ روپیہ ضبط کر سکتا ہے لیکن تمہارا دماغ نہین چھین سکتا وہ یہ نہین کہہ سکتا کہ یہ کتاب میری تصنیف ہے۔ اُسنے بچپنے کی سادگی اور تیزی کے ساتھ کہا۔ اور اگر ممکن ہوتا تو وہ یہ بھی کہہ گزرتا۔ ہاہا اور پھر اُن خطوط کو دیکھو جو لندن کے بڑے بڑے مصنفون نے تمہاری تعریف اور مبارکباد مین لکھے ہین یہ میرے لئے کتنی بڑی تسکین کی بات ہے کہ یہ سب کچھ میرے سامنے ہو رہا ہے۔

اینا تم ایکدن اس ناگوار بندش سے آزاد ہو جاؤگی۔ پانچ برس کسی محروم تمنا کی زندگی نہین ہوتے کہ کاٹے نہ کٹین۔ پھر جب دولت اور شہرت اور خوبصورتی تمہارے قدمون سے لگی ہوگی جب دنیا تمہین حیرت اور عزت کے ساتھ دیکھے گی تو مجھے یقین ہے کہ تم دوسری بہنون کی طرح مجھے بھولوگی نہین۔ اس سنجیدہ زوردار اور غیر معمولی تقریر کا سلسلہ کھانسنے نے پھر توڑ دیا۔

اینا نے کوچ کے قریب دوڑا تو ہو کر اور مرنیوالی بہن کو لپٹا کر اُس سے التجا کی

کر وہ موت کا تذکرہ نہ کرے۔

"اچھا میری پیاری بہن" بیمار نے اینا کے نرم بھورے بالونکی لٹون کو بوسہ دیتے ہوے کہا اب مین کچھ نہ کہونگی" لیکن سچ کو چھپانے سے کیا فائدہ زندگی وموت کی کشمکش نے مجھے عاجز کردیا ہے۔ بہرحال ہمنے ایک دوسرے سے بہت محبت کی ہے......

اور غالبا...... کہین اور بھی...... پھر ہم اسی طرح ایک دوسرے کو....

یہان پہنچکر اُس بہادر لڑکی کا دل شدت غم سے پاش پاش ہوگیا اثرات کے ہجوم اور جدائی کے روح فرسا خیال سے دونون ایک دوسرے سے لپٹ کر زار زار رونے لگین۔

زمین کے بسنے والون مین اس دردناک نظارہ کو دیکھنے والا کوئی نہ تھا مگر آسمان کے فرشتے ضرور ان دو معصوم ہستیونکی بیچارگی پر آنسو بہا رہے ہونگے۔

کمرہ کا دروازہ کھٹ کھٹایا گیا۔ ملازمہ چائے لیکر آرہی تھی اب دونون بہنون کو آنسو پونچھکر اپنے آپ کو سنبھالنا ضروری تھا۔

"اینا!" پولی نے چائے نوشی کے بعد کہا، مجھے اپنی کتاب کا تھوڑا سا حصہ اُس مقام سے جہان میریا کی موت واقع ہوئی ہے"

اینا نے اپنی بہن کی خواہش پوری کرنیکے لیے کتاب اُٹھائی اور شدت مین بدشواری اپنی آواز کو قائم رکھتے ہوے اس فقرہ تک پہنچی۔

"اور پھر میریا نے اپنا ہاتھ اُسکی طرف پھیلایا اور گلوگیر آواز مین کہا اچھا رخصت اُسنے اپنا عہد پورا کیا تھا اور وہ اس ایفائے وعدہ سے خوش تھی پھر ایک لازوال سکون کیساتھ وہ ابدی نیند مین سوگئی"

"آہ" پولی نے آہستہ سے کہا میری خواہش ہے مجھ مین بھی میریا کی سی صفا ہوتی مین اگرچہ میرا کوئی عہد میری کوئی قسم پوری کرنے کے لیے نہین ہے مگر مین کہہ سکتی ہون، اچھا رخصت اور ایسی ہی نیند سو سکتی ہون۔

اینا کے لبون سے ایک خفیف آہ کے سوا کوئی لفظ نہ نکل سکا۔ پولی چپ ہوا

ایک غنودگی کی سی کیفیت طاری ہوگئی "وہ دل شکستہ ہورہی ہے" ایتانے دل ہی دل مین کہا وہ مرجائیگی اور صرف اسوجہ سے کہ ہم تبدیل آب وہوا کے لیے باہر نہ جاسکے۔ آہ مین کسطرح روپیہ حاصل کرون وہ خوفناک آدمی!" اتنا کہکر اُسنے اپنا سر اپنے ہاتھون پہ رکھ لیا یہ ممکن ہے کہ مین اُسکے پاس پھر جاؤن اور اپنی نئی کتاب کا مسودہ سو پونڈ مین اُسکے ہاتھ فروخت کردون لیکن سو پاؤنڈ آہ وہ اخراجات کے لیے کافی نہین ہوسکتے۔ لیکن مین اُسکی ملازمت حاصل کرسکتی ہون اس صورت مین وہ ضرور مجھے کچھ پیشگی دیدیگا۔ اور پھر پولی پیاری پولی ایک قابل نرس کے ساتھ لندن سے باہر جاسکتی ہے اور مین اُن جھونپڑیون اُس دنیاوی دوزخ مین تجارتی بھوت کے رحم پر زندگی بسر کرتے ہوئے خدا سے اُسکے لیے صحت اور اپنے لیے قوت واستقلال کی دعا مانگ سکتی ہون۔ یہ ایک غلامی ہوگی ناقابل برداشت غلامی میری قابلیت کا خون میری آزادی کی موت۔ میرے وجود کا ناجائز استعمال جانورون کی سی زندگی۔ مگر مین سب برداشت کرونگی مین سب کچھ سہہ لونگی مگر اپنی معصوم بہن اپنی محبت کی پتلی اپنی مصیبت کی ساتھی کو بچا دونگی۔ نہین نہین مین اُس پھول کو مرجھانے نہ دونگی جسکی لطیف خوشبو میری روح کی تقویت ہے مین اُس شمع کو گل نہ ہونے دونگی جسکی ٹھنڈی روشنی میری زندگی کی مسرت ہے۔

وہ ایک مستقل اور مضبوط ارادہ کے ساتھ اُٹھی اور لڑکھڑائی اپنے بستر تک پہنچ گئی دن بھر کی تھکاوٹ اور رنج وغم کی کثرت نے مضمحل کرکے اُسے تھوڑی دیر مین [illegible]لی کی طرح غافل سُلادیا۔

علی الصباح اینا ہومرس ایک غیر معمولی کیفیت کے ساتھ بیدار ہوئی گویا [illegible]سکے چہرہ پر کسی نامعلوم ہستی کے سرد تنفس کا احساس اُسکے چونکا دینے کا باعث [illegible]ا ہے آنکھ کھلتے ہی اُسکی نگاہ بیمار کے بستر پر پڑی جو کمرہ کے دوسرے سرے [illegible]ھا وہ پلنگ پر سے عموماً بیمار کی حس وحرکت محسوس کیا کرتی تھی، کیونکہ مریضہ

ایک بے چین سونے والی تھی اور لندن کی مشہور معروف سردی جو صبح کے وقت انتہائی ترقی پر ہوتی تھی اُسے دن نکلنے سے پیشتر ہی جگا دیتی تھی لیکن اسوقت اُسے کوئی آہٹ کسی قسم کی حرکت حتی کہ اُسے اپنی غریب بہن کی کمزور تنفس کی خفیف آواز بھی محسوس نہوئی ایک وحشتناک خاموشی تھی جس نے اُسکے دل پر ایک ناقابل بیان خوف طاری کر دیا وہ اپنے بستر سے اُٹھی دیا سلائی جلا کر شمع روشن کی اور دوسرے لمحہ مین پولی کے بستر کے پاس گئی مریضہ اُسی کی جانب منہ کئے ہوئے تھی اُسکا سر اُسکے بازو پر تھا آنکھین کھُلی ہوئی تھین ہونٹھون پر معصومانہ تبسم اور چہرہ پر ملکوتی جلال نمایان تھا۔ ..... وہ ابدی نیند سو چکی تھی۔

اینا ہومرس نے غم والم کے ناقابل برداشت ہیجان مین اپنے دونون ہاتھ بلند کئے اور ایک دل ہلا دینے والی چیخ سارے مکان مین گونج گئی۔

صبحکو دروازہ کی گھنٹی نے کسی ملاقاتی کی آمد کی اطلاع کی خادمہ نے دروازہ کھولکر مسٹر نیلسن کے نوجوان بھتیجے کو راستہ دیا۔ ماتمدار اینا سیاہ لباس زرد چہرہ اور سُرخ آنکھون کے ساتھ کرسی پر بے حس وحرکت بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ اُٹھی اور آنیوالے کو ایسی نظر سے دیکھا گویا اُسے پہچاننے کی کوشش کر رہی ہے۔

مجھے معاف فرمائیے۔ نوجوان نے ہچکچاتے ہوئے کہا مین خود ہی آپ سے اپنا تعارف کرانے کے لیے مجبور ہون میرا نام نیلسن ..... الفرڈ نیلسن ہے"

اینا کا چہرہ سرخ ہو گیا اور اُسنے حقارت آمیز انداز سے کہا" اگر آپ میرے پاس مسٹر نیلسن کی طرف سے آئے ہین ....." یہان پہنچکر وہ رک گئی گویا کوئی نیا خیال اُسکے دل مین پیدا ہوا ہے۔

نہین بالکل نہین اب مجھے مسٹر نیلس سے کوئی واسطہ نہین" نوجوان نے نہایت مہذب انداز سے جواب دیا مین آپ کے پاس اپنے چچا کے طرز عمل پر اظہار افسوس کرنے اور اپنی خدمات پیش کرنے کے لیے حاضر ہوا ہون آپ کو خیال ہوگا مین اُسوقت دفتر مین موجود تھا" ....

ہاں۔ مجھے یاد آگیا آپ نے میرے ساتھ بہت مہربانی کا برتاؤ کیا تھا۔"
آپ کے چلے جانے کے بعد چچا سے میرا جھگڑا ہوگیا جسکے نتیجہ مین مجھے خانہ بدوش کر دیا گیا اور وراثت سے محرومی کی دہمکی بھی دیگئی اور کچھ تعجب نہین کہ اس دہمکی نے اب تک عملی صورت بھی اختیار کرلی ہو۔
آینا نے تعجب سے کہا۔ کیا مجھے یہ سمجھنا چاہئے کہ آپ نے میری حمایت مین اپنے چچا سے لڑائی ٹھان لی قطع تعلق کرلیا؟"
"ہاں ایسا ہی ہے اور مین اس علیحدگی سے مطمئن اور مسرور ہون۔"
"اُف آپ کسقدر شریف ہین۔ کیا غیر متوقع اور عجیب طرز عمل ہے۔" مجھے معافی مانگنی چاہیئے۔ کہ میرے باعث ایسے واقعات پیش آئے۔ مگر مجھے روپیہ کی سخت ضرورت درپیش تھی مین مجبور تھی اور ناکامی کا خیال بھی خوفناک تھا مگر آہ اب سبکچھ ہوچکا اب کوئی ضرورت باقی نہین رہی۔"
آینا کے لہجہ سے انتہائی مایوسی مترشح تھی جسنے نوجوان کو چونکا دیا اور وہ تفتیش حالات کے لیے بیچین ہوگیا۔
"مجھے افسوس ہے۔ کیا آپ مجھے بتا سکتی ہین کہ آپکو کیا ضرورت درپیش تھی اور اب کیون باقی نہین رہی۔ اگرچہ مجھے اس قسم کے سوالات کا کوئی حق نہین ہے! غالبًا یہ مہذب اصول کے منافی ہے۔" نوجوان نے معذرت کے طور پر کہا"
آینا نے چند لمحہ تک نوجوان کیطرف دیکھا اور ایک غیر اختیاری جذبہ کے زیر اثر کرسی سے کھڑی ہوگئی۔ مین آپ کو دکھاونگی اگر آپ پسند کرین آینا نے آہستہ سے کہا اور موست کے کمرے کیطرف رخ کیا۔
نوجوان تعجب کیساتھ سر کو ایک خفیف جنبش دیکر اُسکے ہمراہ ہولیا وہ متعجب تھا کہ واقعات کیا ہونگے۔ اور اُسے کس شے کے دیکھنے کے لیے تیار ہوجانا چاہیئے۔
آینا نے ہینڈل گھما کر آہستہ سے دروازہ کھولا کمرہ تاریک تھا لیکن کھڑکی کے باریک پردہ مین سے سورج کی روشنی چھن کر کمرہ کے اُس حصہ کو واضح کررہی تھی جہان

ایک کوچ پر سفید چادر اوڑھے ہوئے معصوم پولی موت کی نیند میں محو تھی۔
اینا بستر کیطرف بڑھی آہستہ سے چادر ہٹائی اور پولی کا خوبصورت مگر بیجان سنگ مرمر
کی طرح سفید چہرہ کفن اور اُسکے لانبے سنہری بالوں میں لپٹا ہوا دکھائی دیا۔
نوجوان کے مُنہ سے ایک چیخ نکلگئی اور وہ لڑکھڑا کر پیچھے ہٹ گیا۔ یہ پہلا موقع
تھا کہ ایسا دردانگیز اور مایوسانہ منظر اُسکی بے پروا آنکھوں نے دیکھا تھا۔
اینا حقیقتاً غم والم کی شدت اور اس دردناک نظارہ سے مانوس ہوجانے
کے باعث یہ بالکل بھول گئی تھی کہ کسی ناواقف و بے خبر نوجوان آدمی کو یکایک موت
کا ایسا دل ہلا دینے والا سمان دکھادینا مہربانی کا سلوک نہیں ہوسکتا۔
نوجوان نے بمشکل اپنی حالت کو سنبھالتے ہوئے وحشت زدہ آواز میں
کہا "یہ کون ہے"

"میری بہن میری غریب یتیم بہن" آہ مجھے اسی کی زندگی بچانے کے لیے روپیہ
کی ضرورت تھی۔ جب میں نے اُسے اپنی ناکامی کا حال سُنایا اُسکا دل ٹوٹ گیا۔ اور اُسنے
مایوسی میں اپنی زندگی کا آخری لمحہ پورا کیا آپکے چچا اسکے قاتل ہیں۔ آیئے۔
نوجوان اُسکے ساتھ ملاقات کے کمرہ میں واپس آیا اور صورت حالات پر
اظہار ہمدردی کے بعد اس بے موقع دخل دہی کی معافی مانگی۔
اینا نے کہا "نہیں نہیں آپکے آنے سے مجھے تسکین ہوئی میں بالکل اکیلی
تھی یہ تنہائی بہت خوفناک تھی۔ میں نے سوائے ڈاکٹر اور پادری کے کسی ہمدرد کی
شکل تک نہیں دیکھی تھی۔۔۔۔ کاش میں اسقدر بیوقوف نہوتی۔ مسٹر نیلسن کی
ملازمت اور اپنی نئی کتاب کی بدولت روپیہ حاصل کرنے کی تجویز بہت بعد از وقت تھی
ورنہ شاید میں اپنی غریب بہن کو بچانے میں کامیاب ہوجاتی۔ لیکن آہ اب سب کچھ ہوچکا
اتنا کہکر وہ زار و قطار رونے لگی۔
نوجوان نے کہا کاش مجھے خبر ہوتی۔ اور میں آپکو روپیہ دے سکتا تھا میرے
پاس دو سو پاؤنڈ تھے۔

دوسرے روز اینا اپنی غریب بہن کو سپرد خاک کرنے کے لیے ایک بوڑھے نیک مزاج پادری کے سہارے سے قبرستان تک گئی۔

جنازہ قبر مین اوتارا گیا اور اینا نے سیریا کی قسم کی ایک کاپی جو اُسکی ملکیت تھی اور جیمن سے اُس نے آخری مرتبہ پولی کو وہ موت کا سین پڑھ کر سنایا تھا) مع نئی کتاب کے مسودہ کے مُردہ بہن کے پہلو مین رکھدی اور اس طرح اُسکا ادبی ذوق وشوق ہمیشہ کے لیے مرنے والی کیساتھ دفن ہوگیا۔ مسٹر نیلسن کی خودغرضی. ظلم۔ اور طمع نے اُس ہونہار مصنفہ کے ہاتھ سے قلم چھین لیا جو کبھی آسمان شہرت پر آفتاب بنکر چمکنے کی صلاحیت رکھتی تھی۔

جسوقت آبادی سے دور اس مختصر قبرستان مین یہ دردناک نظارہ درپیش تھا. کنینگٹن اسٹریت کے سرے پر ایک عالیشان عمارت سے (جسکے خوبصورت سائن بورڈ پر شاندار طلائی حروف مین میسرز نیلسن اینڈ کمپنی لکھا ہوا تھا) خوفناک شعلے بلند ہوکر آسمان سے باتین کررہے تھے۔

انھین خوفناک اور سر بفلک شعلون مین اُس ناپاک معاہدہ کا انجام بھی شامل تھا۔

نجم آفندی (اکبرآبادی)

پروین

اکبرآباد کا یہ رسالہ ہر مہینے کے پہلے ہفتے مین شائع ہوتا ہے۔ اسمین علمی اخلاقی تمدنی ادبی۔ ہر قسم کے مضامین شائع ہوتے رہتے ہین۔ حصہ نظم سے اڈیٹر صاحب کو زیادہ دلچسپی معلوم ہوتی ہے اسلیے یہ حصہ خصوصیت سے بہتر ہے۔
تقطیع چھوٹی مگر کاغذ وکتابت وطباعت بہ غایت نظر فریب قیمت سالانہ عہ
ملنے کا پتہ منیجر دفتر پروین آنچ نمبر ۳۱۲۴ سیب بازار آگرہ۔

نوحہ سی آر داس آنجہانی

عالم نہ پوچھیے دلِ حسرت اساس کا — پیکر ہے کلفت و غم و حرمان و یاس کا
وقفِ ہزار درد ہے پھر جانِ ناتوان — پھر دل کو سامنا ہے غمِ بیقیاس کا
بیکر رہے گا کشتیٔ صبر و قرار کو — طوفان اُٹھا ہے آج وہ بیم و ہراس کا
ڈوبا ہے آج کوکبِ اُمیدِ حرّیت — ماتم بپا ہے ہند میں سی آر داس کا

وہ فخرِ ہند، نازشِ بنگال چل بسا
قوم و وطن کو چھوڑکے بدحال چل بسا

محبوبِ جانِ قوم، محبِ وطن گیا — ہندوستان تمام عزاخانہ بن گیا
سوزِ غمِ فراق میں جلتے ہیں ہم وہ خود — سوئے بہشت چھوڑکے دارالمحن گیا
بادِ بہار تازہ کریگی چمن کو کیا — وہ پھول تھا جو نازشِ صحنِ چمن گیا
آزاد تھا وہ مردِ جری اسقدر کہ ملئے — بے بس ہوا تو توڑکے زندانِ تن گیا
تیرِ ستم سے جانِ وطن چھد گئی ترا — خالی نہ ایک وار بھی چرخِ کہن گیا

جس کے لئے فضائے وطن قید خانہ ہو
جز مرگ کیا رہائی کا اُسکی بہانہ ہو

خوشیاں مناؤ، عیش کرو، دشمنانِ ہند — رخصت ہوئی ہے داس کے ہمراہ جانِ ہند
مرنیسے اسکے پیکرِ بیجان ہوا یہ مُلک — سی آر داس تھا دلِ جانِ وزبانِ ہند
جوش و خروش و ولولۂ حرّیت گیا — باقی کہاں سے طاقت و تابِ توانِ ہند
تھا میرِ کاروان وہی اور راہبر وہی — اسکے بغیر جائے کدھر کاروانِ ہند

مارا ہے سارے ہند کو مارا نہیں اسے
اے موت! تھا وہ چارۂ دردِ نہانِ ہند

یارب! عدم میں اسکی ضرورت پڑی تھی کیا
پیدا وہاں بھی دو عملی ہوگئی تھی کیا؟

اے رہ نوردِ عالمِ بالا یہ کیا کیا
پستی سے قوم کو نہ نکالا یہ کیا کیا

دو ایک حلقے طوقِ غلامی کے توڑ کر
پھر اس پہ تو نے ہاتھ نہ ڈالا یہ کیا کیا

تھا دوستوں کو تیری سواری کا انتظار
اُٹھا جنازہ زیرِ ہمالا یہ کیا کیا

درماندگی میں چھوڑ گیا بیکسوں کو تو
اے بہرہ دارِ ہمت والا یہ کیا کیا

ڈھارس بندھا بندھا کے غریبوں کی چل بسا
سنبھلا نہ آہ! اسکے سنبھالا یہ کیا کیا

روپوش آخری جھلک امید کی ہو لی
چاروں طرف ہراس کی آندھی چڑھی ہوئی

لرزاں تھے مدعی تری جرأت کے سامنے
خس تھے وہ موجِ بحرِ طبیعت کے سامنے

جیسے ہوا ہو نیّرِ تاباں کے روبرو
یوں حیلہ جو تھے تری صداقت کے سامنے

پرفنون طرازِ سیاستِ فرنگ کے
تھے طفل تیری فہم و فراست کے سامنے

سینہ سپر ہوا نہ کوئی سرفروشِ قوم
تیری طرح ہر ایک مصیبت کے سامنے

[illegible] نے کہ ناز و نعم کو ہیچ
سمجھا تو ملک و قوم کی خدمت کے سامنے

تڑپیں گے آہ! جب نہ سنیں گے صدا تری
پُر ہوگی بزمِ حبِّ وطن میں نہ جا تری

تلوک چند محروم

---

۵ اگست کو فخرِ ملک سر سریندر ناتھ بنرجی کا بھی انتقال ہوگیا۔ آپکی تصویر اس ماہ ہدیہ ناظرین ہے۔ سوانحی حالات آیندہ نمبر میں شایع ہوں گے۔

نغمۂ محبّت

گل کھلے ہیں صحرا میں سامنے شوالا ہے
گوپیوں کی جھرمٹ میں برج کا گوالا ہے

بانسری ہے ہاتھوں میں برق ہے نگاہوں میں
ہر ادا ہے شور افگن گوپیوں کی آہوں میں

روح رقص کرتی ہے رس بھرے ترانوں پر
حسن وجد کرتا ہے بانسری کی تانوں پر

دلفریب نغموں میں دلربا اثر بھی ہے
سامنے نگاہوں کے جنت نظر بھی ہے

گوپیوں کی آنکھوں سے بیخودی برستی ہے
اب یہ کوئی کیا جانے ہوش ہے کہ مستی ہے

دل میں اک تلاطم ہے، شور ہے جہان مضطر میں
مد و جزر ہے گویا حسن کے سمندر میں

حسن کارفرما ہے بانسری کی ہر لے میں
بھر رہا ہے نغموں میں سوز غم ہر اک شے میں

وہ نگاہ کیف افزا کس ادا سے پھرتی ہے
تیغ بن کے اٹھتی ہے برق بن کے گرتی ہے

اڑ رہا ہے چہروں سے رنگ مہ جبینوں کا
لے رہی ہے موسیقی جائزہ حسینوں کا

حافظ کانپوری (رکن حلقۂ ادب)

بنسی کی لے

بنسی کی جو لے ہے
نشہ ہے نہ مے ہے
کچھ اور ہی شے ہے

اک روح ہے رقصاں
اک کیف ہے لرزاں

اک عقل ہے بیہوش
اک ہوش ہے مدہوش

اک خندہ ہے سیال
اک گریہ ہے خوشحال

اک عشق ہے مخمور
اک حسن ہے مجبور

اک سحر ہے مسحور

ابوالاثر حفیظ جالند

سری کرشن جنم اشٹمی

ہوگئی حد جبکہ جور بانیٔ بیداد کی
بیکسوں کے بیڑیاں بھی پڑگئیں فولاد کی
ننھے بچوں پر چھری پھرنے لگی جلّاد کی
دیوکی بسدیو نے ایشور کی دلمین یاد کی

کی دعا وہ جلد ہو لکھا ہے جو تقدیر مین
مر مٹے ہم گھٹتے گھٹتے خانۂ زنجیر مین

آخر اُسکے کان تک آہِ رسا پہونچی شتاب
اور دعا بھی ہوگئی اُن غمزدون کی مستجاب
آگیا وہ وقت تھا جسکے لیے رنج عذاب
ہوگیا سب دُور دلکا دم کے دم مین اضطراب

وہ مبارک روز بدھ کا اور بدی تتھ اشٹمی
ماہ بھادون مین نچھتر از بس مبارک روہنی

کاکُل لیلائے شب تھی بڑھکے آئی تا کمر
آسمان پر بھی گھٹا گھنگھور چھائی سربسر
دل ہلاتی تھی گرج بادل کی تھا وہ شور و شر
بجلیان ہی بجلیان گردون پہ آتی تھین نظر

واہ کیا تھی شبھ مہورت شبھ گھڑی وہ شبھ لگن
موہنی مورت ہوئی زندان مین جب جلوہ فگن

دیکھتے ہی دیوکی بسدیو شادان ہوگئے
ہنسکے بول اُٹھا مقدر پورے ارمان ہوگئے
[illegible] کی یاد آتے ہی دلمین ہراسان ہوگئے
غم رسیدہ ابر کے مانند گریان ہوگئے

کیا خبر تھی ہے یہی ذاتِ مقدس کا ظہور
اور اسی کے نور سے عالم مین پیدا ہو گا نور

[illegible]ن یہ ڈر تھا کہ آتا ہوگا کنس بدگمان
خاک مین چھپ جائیگا پھر یہ بھی گنج شائگان
[illegible] فکر و تردد مین وہ دونون نیمجان
یہ صدا جانفزا کانون مین پہنچی ناگہان

آج گوکل مین ہوئی پیدا ہے اِک دختِ حسین
مجکو وان پہنچا کے یان لے آؤ وہ مہرِ مُبین

سُن کے یہ دونون ہوئے ازبسکہ دلمین بیقرار ہاتھ سے جاتا رہا صبر و تحمل ایک بار
یہ اندھیری رات یہ برسات یہ جان نزار کسطرح پہنچیگا گوکل تک یہ طفل شیرخوار

بند ہے زندان کا در اور جاگتے ہین پاسبان
ہتھکڑی ہاتھون مین پاؤنمین پڑی ہین بیڑیان

ہو کے یون مایوس دونون نے جو آہ سرد کی کھُلگیا زندان کا در قسمت موافق ہوگئی
سوگئے سب پاسبان نیند آگئی ایکبارگی کٹگئین خود آپسے وہ بیڑیان وہ ہتھکڑی

لیچلے آغوش مین بسدیو جی لختِ جگر
رہنمائی کر رہا تھا جلوۂ نورِ نظر

پہنچے جب جمنا کنارے اِک بلا نازل ہوئی بہرِ پابوسی وہ بڑھکر راہ مین حائل ہوئی
بولے یہ بسدیو اے ایشر بڑی مشکل ہوئی بیکسی مین جان لیوا آہ یہ منزل ہوئی

شیر پیچھے ڈھونڈتے ہین آگے جمنا جل اتھاہ
کیا کرون کچھ بن نہین پڑتا بہت عاجز ہون آہ

شیام نے چپکے سے اپنے پانون کو لٹکا دیا چھو کے جمنا ہوگئی پایاب اور رستا دیا
سیش جی نے بھی پھن اپنا سیس پر پھیلا دیا دیوتون نے خلد سے پھولونکا مینھ برسا دیا

جب گھٹا پانی نظر آیا بڑھے انکے قدم
پہنچے گوکل دھام مین بسدیو جی بے رنج و غم

پاس جسودا جی کی لڑکا چھوڑ کر لڑکی وہ لی جوگ مایا کو جو لائے دیوکی کو آ کے دی
پڑگئین ویسی ہی دست و پا مین بیڑی ہتھکڑی ہوگئے در بند دربان جاگ اُٹھے وہ دُھڑکا

کنس کو دی جاکے فوراً پاسبانون نے خبر
سنتے ہی بس آگیا زندان مین وہ بیدادگر

چھین لی آغوش سے لڑکی ستم ایجاد نے منتیں کین لاکھ پر مانی نہ اک جلاد نے
قصد جب اسکے پٹکنے کا کیا ناشاد نے اڑکے ہاتھون سے کہا گردون پہ اُس نوزاد نے
خون ناحق کیون کیا میرا تجھے کیا ہو گیا
مارنے والا تیرا گوکل مین پیدا ہو گیا

سنتے ہی آواز یہ جاتے رہے اُسکے حواس اُڑگئی چہرے کی رنگت چھا گیا دل پر ہراس
دیوکی بسدیو کو زندان سے پھر بلوا کے پاس کرکے آزاد انکو کی یہ دست بستہ التماس
جو لکھا قسمت مین تھا میری ہوا اُس کا ظہور
آپ اب کر دین معاف انکو ہوی ہون جو قصور

جنم اُنسو کرشن کا ہے آج گھر گھر واقعی جھومتی پھرتی ہے گوکل مین خوشی و خرمی
کر پرستش صدق دلسے تو بھی افزا کرشن کی راگ وہ ایسا سناوین گے بجا کر بانسری
دور ہو جائیگا سب دلسے تردّد لا کلام
نظم جنم اُوتسو کی یہ ہو جائیگی مقبول عام

اقبال بہادر افزا (ر تا پوری)

(از جناب ابو المعانی اختر شیرانی الافغانی)

میخانۂ حیات مین کیا آرمیدہ ہون؟ بزم ازل کا ساغر راحت چشیدہ ہون
آغاز عشق ہی مجھے انجام عشق ہے مین دامن نسیم پہ اشک چکیدہ ہون
ہون بوستان غم کا دل داغدار مین! یا نونہال درد کی شاخ بریدہ ہون؟
تصویر خاک مین مجھے ظاہر کیا تو کیون؟ مین نو بہار قدس کا رنگ پریدہ ہون
میری خموشیون پہ نہین ضبط دل گران مین ساربان عشق کی بانگ شنیدہ ہون
اس دامگاہ دہر مین کیون ہو گیا اسیر؟ مین شاخسار خلد کا مرغ پریدہ ہون
اختر یہ فیصلہ ہے نبرد حیات کا
ہو جاؤ فنا کہ فنا آفریدہ ہون

رُباعیات

از چودھری جگت موہن لال رَوان ایم۔ اے ایل ایل بی وکیل

اب دشمنِ جان ہے کلفتِ غم ساقی
فریادیون پر آگیا دم ساقی
کیا دُور ہوگی یہ میری تشنہ لبی
میرے مولا میرے مکرم ساقی

(۲)

ملنا کس کام کا اگر دل نہ ملے
چلنا بیکار ہے جو منزل نہ ملے
وسط دریا مین غرق ہونا بہتر
اس سے کہ نظر مین آکے ساحل نہ ملے

(۳)

تم تیشۂ باغبان سے کیون مضطر ہو
شاید یہ قلم ہی نخلِ بار آور ہو
مقراضِ اجل ہے قاطع شاخِ حیات
ممکن ہے اسی مین رازِ جانِ مضمر ہو

(۴)

دل رازِ ثبات تجھکو معلوم نہین
اصلی حالات تجھکو معلوم نہین
تو نقطۂ اصل و مرکزِ ہستی ہے
شاید یہ بات تجھکو معلوم نہین

(۵)

سعی و فکرِ شفا کرے گا کوئی
مانا میری دوا کریگا کوئی
ہے زخم نواز مرہمِ زخمِ جگر
میری قسمت کو کیا کرے گا کوئی

(۶)

نالہ ترا نیاز سے بالا ہے
یہ راز افشائے راز سے بالا ہے
انسان منذور و شکر انسان منذور
نغمۂ آواز ساز سے بالا ہے

بزمِ سخن

عالمِ رنگ و بُو

اے صرصرِ حوادث پامال کر نہ دینا — کچھ پھول ہم لیئے ہین دامانِ آرزو مین

محوی لکھنوی

عرش تک ہو نہین سکتی جو رسائی نہ سہی — یہی انسان کی ہے معراج کہ انسان ہوجائے

جگر مرادآبادی

نشۂ حُسن کو اسطرح اُترتے دیکھا — عیب پر اپنے کوئی جیسے پشیمان ہوجائے

یاس عظیم آبادی

داغِ حرمان کیون مٹاتا ہے فلک ہنس بھی دے — کیا ترے تارون مین کچھ اسکے کمی ہوجائیگی

آغا لکھنوی

لیلو دم اور گھنی چھانون سے اُٹھنے والو — ہم بھی چلتے ہین ذرا خشک پسینا ہوجائے

ریاض خیرآبادی

اندازۂ نظر مین بھی حدِ ہر دو عالم — تم پھر بھی دور نکلے اندازۂ نظر سے

پیمانہ

سیماب اکبرآبادی

طُور پر چڑھنے کا کیا دیگا یدِ بیضا ثبوت — حضرتِ موسیٰ دکھائین پا تو نین چھالا مجھے

سیماب ؎

ملال و عبرت کے کارخانے ہر ایک ذرے مین ہین یہان کے

نہین یہ قبرین نشان پا ہین حیاتِ فانی کے کاروان کے

جوش ملیح آبادی

جب فلک نے غم دیا غم مین مزے پانے لگے بھوک مین جو کچھ میسر آگیا کھانے لگے

طیش مارہروی

حشر بھی ہوگا اک مگر منظر صد فراشی کون رہیگا ہوش مین جلوہ یار دیکھکر

ارشد تھانوی
پیانہ

وہ چلے جھٹکے دامن مرے دست ناتوان سے اسی دن کا آسرا تھا مجھے مرگ ناگہان سے
مجھے خاک مین ملاکر مری خاک بھی اُڑادے ترے نام پر مٹا ہون مجھے کیا غرض نشان سے

بیدم شاہ وارثی

تجلی کہہ رہی ہے طور پر اس برق پیکر کی جسے ارمان ہو بیہوش ہونیکا یہان آئے

جگر بسوانی
الناظر

مین چھپاؤن تو بہت دست درازی جنون خود گریبان نہین کہتا کہ گریبان ہون مین

آشہر لکھنوی

کہین ایسا نہو آجائے ہنسی وقت جواب یہ نہ پوچھے کوئی کسواسطے گریان ہون مین

محشر لکھنوی

مجھے نہ پوچھ اپنی نگاہ کرم سے پوچھ کیا جانے کس اُمید پہ تقصیر ہوگئی

احسن شمسی ناظم حلقہ ادبیہ

نفس نفس مرا دشمن ہے مجھ مین دم کیا ہے کرم کی شان دکھادے ترا کرم کیا ہے

احسن شمسی "

بہار جب بھی کہ گلشن مین یون بہار آتی کلی کلی مین وہی مسکرا رہے ہوتے

حافظ کانپوری رکن حلقہ ادبیہ

مآل خندہ عشرت بھی وجہ عبرت ہے ابھی کلی تھی چمن مین ابھی چمن مین نہین

" "

گری نہو کہین نیچی نگاہ کی بجلی ادا سے کھیل رہی تھی ابھی حیا ان کی

عابد رکن حلقہ ادبیہ

زمانہ

جلد چہل وچہار

از جنوری لغایت جون سنہ ۱۹۲۵ء

مرتبہ

دیانرائن نگم بی۔ اے

زمانہ پریس کانپور مین چھپکر

دفتر زمانہ کانپور سے شایع ہوا

قیمت سالانہ صہ ؍

قیمت سالانہ پانچروپیہ

جلد چہل و چہارم از جنوری ۱۹۲۵ء لغایت جون ۱۹۲۵ء

جملہ حقوق محفوظ ہیں — رجسٹرڈ نمبر ۴۱۱

زمانہ

جلد ۴۵ | ستمبر ۱۹۲۵ء | نمبر ۳

فہرست مضامین

تصاویر۔ دربار راجہ جے چند۔ خوابگاہ راون

زمانہ پریس کانپور سے شائع ہوا

قیمت سالانہ ۔۔۔ مالک غیر ۔۔۔ سالانہ ۔۔۔ ہندوستان کے لیے ۔۔۔

جھوجھو تکیہ دار نوایجاد جھولا

بچہ کتنا ہی اُچھلے کودے گر نہیں سکتا نہ ہی بکرنے کی ضرورت نہ کسی کی نگرانی کی حاجت ہاتھ پاؤں مالکر قدرتی ورزش کرتا رہتا ہے جس سے ہاضمہ درست اور بچہ تندرست رہتا ہے دانت نکلنے کی تکلیف سے بچا رہتا ہے جو بات دایہ اور ماں کی گود میں بھی نہیں ہو سکتی آگ پانی میل سے گرم و سرد ہوا سے محفوظ رہتا ہے گھنٹوں خوش رہتا ہے بچہ کو خوشی و آرام سے دیکھکر ماں کو فرحت رہتی ہے اور اطمینان سے گھر کے اور کاموں کی فرصت ملتی ہے چھوٹا بڑا ہر عمر کا بچہ جھول سکتا ہے تہ ہو کر بستر میں لپیٹ سکتا ہے ہر جگہ آسانی سے لٹکایا جا سکتا ہے وزن صرف تین پاؤ۔

جھوجھو معزز و مستند ڈاکٹر بچوں کے واسطے تجویز کرتے ہیں۔

(۱) ڈاکٹر کلمنز نے آپکا جھوجھو میرے بچے کیواسطے تجویز کر دیا ہے۔ از لیف بادی کاٹ مسوری (۲) دو اور بھیجئے میں آپکے جھوجھو کے مفید ہونے کی وجہ سے قدر کرتا ہوں۔ از جناب کپتان وی بھوشن صاحب آئی۔ ایم۔ ایس۔ از ڈیرہ اسمٰعیل خان۔ جھوجھو بچہ اور ماں دونوں کیواسطے نعمت ہے خالی کھلونا ہی نہیں ہے۔ (۳) جھوجھو دیکھکر جی خوش ہو گیا آپنے مشرق کی صنعت قدیمہ کو اعلیٰ صورت میں پیش کر کے نسل انسانی کے وسائل نشو و نما میں ایک قابل قدر اضافہ اور ملک پر احسان عظیم کیا ہے اور صنعتی دنیا میں اپنی نوع کی اختراع جلیل۔ از مولوی عبد الواسع سوردنی یونانی گورنمنٹ پریس۔ (۴) چھاونی ذہو میں گھر کے بہت سے کام کر لیتی ہوں اور بچہ آرام سے جھوجھو میں جھولتا رہتا ہے۔ جناب مسز آنی داس صاحبہ از ناگ۔ جھوجھو بہت بڑے آرام اور تھوڑے دام کی چیز ہے (۵) آپکا جھوجھو بچوں کے آرام کے لیئے خاص چیز ہے بڑی خوبی یہ ہے کہ ان داموں پر ہر شخص خرید سکتا ہے۔ از جناب سید حسن امام صاحب آرگیا۔ (۶) جھوجھو بہت پسند آیا نہایت مفید چیز ہے ہر گھر میں ہونا چاہئے۔ از جناب سید اصغر یوسف صاحب لیڈر۔ ایم آر اے۔ ایس لندن آرگیا۔ (۷) جھوجھو پہنچنے کا شکریہ جھوجھو چھوٹے بچہ کیواسطے ایک دایہ کا کام دیتا ہے۔ غریب اشخاص کیواسطے تو یوں مفید ہے کہ بچہ کو لٹاکر گھر کا کام کاج بخوبی کیا جا سکتا ہے۔ امیروں کے لیئے یوں مفید ہے کہ بچہ کی کھلائی سے اس فرصت میں دوسرا کام لیا جا سکتا ہے بچہ کے لیے نہایت شادمانی۔ ترو تازہ ہوا۔ اور ورزش کا باعث ہے بچہ کے رونے کی عادت چھڑا دیتا ہے غرضکہ سوائے عمدگی اور مفاد کے دوسری بات نہیں۔ از جناب ڈاکٹر شہید حسن صاحب ناظم سابق تحصیلدار حبیبہ طلاق محل گیٹ کانپور

دنیا کی ترقی دوسروں کے تجربے سے فائدہ اُٹھانے سے ہوئی ہے۔ اپنے پیارے اور عزیز بچہ کو اس مجرب ہر دلعزیز اور مفید چیز سے محروم نہ رکھئے آج ہی اپنی پسند یا واپسی کی شرط پر بذریعہ وی پی منگا لیجئے۔

قیمت قسم اعلیٰ مثل کا فریم ۶ روپے قسم اوسط آہنی فریم خاکی جین ۳ روپے محصولڈاک وغیرہ بارہ آنہ ۱۲

کے اینڈ کنیر کمپنی پوسٹ بکس نمبر ۳۲ فیض بازار نمبر ۲ دہلی

چلد والی راٹھور کا دربار

زمانہ

جلد ۴۵ ستمبر ۱۹۲۵ء نمبر ۳

ہماری قومی ضرورتین

ہمارے ملک مین پولٹیکل جدوجہد اس زور شور سے ہو رہی ہے کہ گویا ہم لوگون کو سیاسی ترقی کے سوا اور کسی کام کرنے کی ضرورت ہی باقی نہین ہے۔

جو لیڈر پولٹیکل کام کر رہے ہین اُن کے کارنامون کا حال ملک کے سب حصّون مین شوق سے پڑھا جاتا ہے۔ اخبارون کے بیشمار کالم پولٹیکل مباحثون سے سیاہ ہوتے ہین اور اس عام قدردانی کی وجہ سے جو لوگ ملکی خدمت کرنا چاہتے ہین وہ پولٹیکل میدان ہی مین کھڑے ہوتے ہین۔ اس کل جوش و خروش کی تہ مین ہمارے ہموطنون کا یہ عقیدہ ہے کہ جبتک ملک کی پولٹیکل حالت اچھی نہ ہوگی اور ہمارے سیاسی حقوق مین ترقی نہ ہوگی اور ہماری قانونی کونسلین اپنی مرضی کے مطابق بلا روک ٹوک قومی کامون کے لیے روپیہ خرچ کرنے کی طاقت حاصل نہ کرین گی تب تک ہمارے ملک کی حالت کا سدھار مشکل ہے۔ یہ خیال ایک حد تک واقعی درست بھی ہے۔ لوگ کہتے ہین کہ سرکار کی طرف سے فوجی کامون پر بیشمار روپیہ خرچ ہوتا ہے مگر ہندوستانی لڑکے لڑکیون کی تعلیم پر نسبتًا بہت کفایت شعاری سے کام لیا جاتا ہے۔ میونسپل کمیٹیون کو

شہرون اور قصبون کی صفائی کے لیے جو مالی مدد دیجاتی ہے وہ بہت قلیل ہوتی ہے دیہات کی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ اعلے درجہ کے سرکاری ملازمون کو ایسی تنخواہین دی جاتی ہین جو انگلستان امریکہ اور جاپان کے سرکاری عہدہ دارون کو نصیب نہین ہوتین مگر ان کے مقابلے مین چھوٹے اہلکارون کو بہت معمولی تنخواہین دیجاتی ہین - جس سے اُن کا گزارہ مشکل سے ہوتا ہے۔ گورنمنٹ بعض اوقات لوگون کی مرضی کے خلاف قانون بناتی اور ٹیکس لگاتی ہے۔

امریکہ، کنیڈا، جنوبی افریقہ۔ آسٹریلیا۔ نیوزیلینڈ وغیرہ ملکون سے جو شخص چاہے ہندوستان مین آکر جبتک چاہے شوق سے رہے اور جسقدر چاہے روپیہ پیدا کرے اہل ہند کو اعتراض کرنے کا قطعی کوئی حق حاصل نہین۔ مگر اہل ہند کو ان ممالک مین جانے کی ممانعت ہے۔ اور جو ہندوستانی وہان جاتے بھی ہین ان کی سخت بےعزتی ہوتی ہے ہماری گورنمنٹ زبانی جمع خرچ کے علاوہ اس بےعزتی کا کوئی انسداد نہین کرسکتی انگلستان کے لوگ دنیا کے ہر ایک حصہ مین جاکر آباد ہوسکتے ہین مگر اہل ہند کو اعلے تعلیم و تربیت اور رعایائے برٹش گورنمنٹ ہونے کے باوجود دوسرے ملکون مین داخل ہونا نصیب نہین۔

یہ داستان لمبی ہے اور چند سطرون مین اُسکو ختم کرنا یا اُسکے ہر ایک پہلو پر بحث کرنا مشکل ہے۔ ان حالات کی وجہ سے دور اندیش تعلیم یافتہ لوگون نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ہندوستان کی اس بیکسی اور بےعزتی کا خاتمہ کرنا ہی بہتر ہے اسلئے وہ لوگ پولیٹیکل کامون مین مصروف رہنا زیادہ مناسب سمجھتے ہین۔ ہمارا عام خیال ہے کہ اگر کونسلون مین ہمنے بازی جیت لی تو ملک کی خودبخود بہت کچھ اصلاح ہوجائیگی۔ میری رائے مین قوم کو سیاسی ترقی ہی تک اپنی کوششین محدود نہ کردینا چاہیے۔ ہندوستان بہت غریب ملک ہے اور جسطرح انسان کے سر اور بازو۔ پیٹ اور پاؤن۔ دل اور دماغ سب ہی کی حفاظت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسیطرح ہماری قومی زندگی کے مختلف پہلوؤن کی ترقی بھی لازمی ہے

اور اسکے لیے بہت زور کوشش کرنا چاہیئے ہندو اور مسلمانون کے مختلف طبقے اپنی اپنی طاقت کے مطابق اسکول اور کالج کھول رہے ہین جنمین ہزارون لڑکے اور لڑکیان تعلیم پاتی ہین مگر تعلیم کے معاملہ مین ہمارے خیالات ابھی بہت ادنے درجہ کے ہین۔ اسلئے اگرچہ تعلیم یافتہ لوگون کی تعداد دن بدن بڑھ رہی ہے مگر انکی تعلیم واقعی اعلیٰ پایہ کی نہین ہوتی گو عوام الناس اسکو اعلےٰ تعلیم سمجھتے ہین۔ آجکل ہر ایک صوبۂ ملک مین یونیورسٹیان موجود ہین۔ اور ان کے انتظامی کمیٹیون مین انگریزون کے مقابلے مین ہندوستانی ممبران کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ قواعد تعلیم مین وہ جو تبدیلی چاہین کر سکتے ہین مگر غور سے دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ واقعی ترقی بہت کم ہو رہی ہے۔ وجوہات مین جانے کی ضرورت نہین ہمارے خیالات ایک خاص ڈھانچہ مین ڈھلے ہوئے ہین اسلئے یونیورسٹی کے ہندوستانی ممبران ضروری ترقی کی طرف توجہ نہین کرتے۔ ہماری تعلیم کی تہ مین اسوقت تک یہ خیال موجود ہے کہ انگریزی پڑھنا اور لکھنا ہماری زندگی کا اعلےٰ مقصد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو ترقی ہم لوگون نے انگریزی زبان پر قدرت حاصل کرنے کی کی ہے اُسکی مثال دنیا کے کسی دوسرے ملک مین نہین ملتی۔ ہمارے نظام تعلیم مین انگریزی زبان کو بہت بڑا مرتبہ دیا گیا ہے۔ بار بار تحریک کیجاتی ہے کہ ہندوستانی لڑکون کو انکے مادری زبان مین تعلیم دیجائے۔ مگر انگریزی زبان کے عاشق ہندوستانی محبان وطن اس تحریک کے سخت مخالف ہین۔

جو لوگ دن رات انگریزی بولتے ہین نجی خط وکتابت بھی انگریزی مین کرتے ہین۔ ہر وقت انگریزی اخبار اور کتابین پڑھتے ہین۔ اُنکے دماغ مین یہ خیال بھی پیدا نہین ہوتا کہ بغیر انگریزی پڑھے ہوئے بھی کوئی شخص تعلیم یافتہ ہو سکتا ہے۔

میری رائے مین انگریزی پروفیسرون کے لیے یہ ضروری ہونا چاہئے کہ وہ اپنے اپنے مضامین پر طلبار کی جماعتون کے سامنے صوبہ کے زبان ہی مین لکچر دین۔

ہندوستان مین جو انگریز ملازم ہین وہ ہندوستانی زبانون پر قدرت حاصل کرنیکی کوشش نہین کرتے۔ اسلیے یہ امید نہ رکھنا چاہیئے کہ انگریز پروفیسر اس تحریک کی کو

ہندوستانیون کی تعلیم ہندوستانی زبانون مین ہونا چاہیئے کبھی مدد کرینگے۔ افسوس ہے تو ہندوستانی ممبرون پر کہ وہ موجودہ نظام تعلیم مین تبدیلی نہین کرتے۔ انگریزی کی تعلیم زبان کی حیثیت سے ہونا چاہیئے۔ مگر باقی مضامین کی تعلیم ہندوستانی زبانون مین ہونا چاہیئے۔ انگریزی ایک مشکل زبان ہے سالہا سال تک پڑھنے کے بعد بھی ہمارے انگریزی بابو انگلشمین کہلاتے ہین۔ آجکل ریاضی سائنس فلاسفی اور اقتصادیات وغیرہ کی کتابین سب انگریزی ہی مین پڑھائی جاتی ہین اسلیے طالب علم کو نہ انگریزی ہی کی پوری لیاقت حاصل ہوتی ہے۔ اور نہ ان دوسرے مضامین کی۔ ممتحن اصحاب اس امر کی سخت شکایت کرتے ہین کہ جو لڑکے بی اے کے امتحان مین بیٹھتے ہین انکی انگریزی عموماً کمزور ہوتی ہے۔ گویا تعلیمی ترقی کے لیے انگریزی زبان سے بہت اعلےٰ واقفیت ہونا لابدی ہے۔ اسوجہ سے انگریزی مین خصوصاً اور دیگر مضامین مین عموماً فیل شدہ امیدوارون کی تعداد بہت زیادہ ہوتی ہے میرا سوال ہے کہ کیون انگریزی کورس مین کتابون کی تعداد کم نہین کی جاتی تاکہ مضمون نویسی کے لیے طالبعلمون کو زیادہ فرصت ملے۔ دوسرے مضامین ہندوستانی زبانون مین کیون نہین پڑھائے جاتے؟ ان مضامین کے کورس مین بھی کتابون کی تعداد کم کیون نہین کیجاتی۔ یہ قاعدہ بلا کسی شرط کے کیون جاری نہین کیا جاتا کہ اگر کسی مضمون مین کوئی لڑکا فیل ہو جائے تو آیندہ صرف اُسی مضمون مین اسکا امتحان لیا جائے[1]۔ جن مضامین مین وہ پاس ہو چکا ہے ان مین دوبارہ امتحان دینے کی ضرورت نہ ہونا چاہیئے۔ یہ قاعدہ انگلستان اور امریکہ مین بھی جاری ہے۔ پھر ہندوستان مین کیون اسکا نفاذ نہین ہوتا[2]؟

کیا ہندوستان مین اس قاعدہ کے اجرا سے کسی نقصان کا خوف ہے۔ امتحان لینے والون کی بے قاعدگیون کی بھی روک تھام ہونا چاہیئے کبھی کبھی کورس کے باہر کے بھی سوالات آتے ہین۔ عموماً سوالات اتنے ہوتے ہین کہ وقت مقررہ مین اُن کا

---

[1] بمبئی والہ آباد یونیورسٹی مین ایک حد تک یہ شکایت رفع کردیگئی ہے۔ ا-ذ

[2] الہ آباد یونیورسٹی مین اس قسم کی رعایت ہوتی ہے۔

جواب دینا مشکل ہوتا ہے کبھی کورس کی صرف ایک ہی کتاب سے سوالات پوچھے جاتے
ہین باقی کتابون سے کوئی سوال ہی نہین ہوتا۔ تحریک یہ ہوتی ہے کہ امتحان مین پرچہ
تقسیم ہونے سے پیشتر ان سوالات کی اصلاح ہو جانا چاہیئے اس کے لیئے
اصلاح کنندون کا ایک بورڈ مقرر ہونا چاہیئے فدایان ملک اس تحریک کی بھی مخالفت
کرتے ہین ملک کے مختلف حصون مین مختلف قواعد جاری ہین مین صرف انھین
حالات کو پیش کرتا ہون جو مجکو معلوم ہین۔ انگلستان مین یہ بے قاعدگیان ہین اور
نہ اسباب کی ضرورت ہے کہ سب مضامین مین ایک ہی ساتھ امتحان لیا جائے۔
نہ یہ ضرورت ہے کہ جن مضامین مین ایک دفعہ کامیابی حاصل ہو جائے ان مین دوبارہ
امتحان لیا جائے وہان طالبعلمون کو امتحان پاس کرنے کے لیے ہر طرح کی سہولتین
دیجاتی ہین۔

اُنکی محنت اُن کے وقت اور روپیہ کی قدر کی جاتی ہے جس طرح ہمارے
ملک مین سیکڑون طالب علم فیل ہوتے ہین اگر انگلستان مین ایسا ہو تو ملک بھر
مین اس زور شور سے اظہار ناراضگی ہو کہ افسران یونیورسٹی بدنام ہو جایئن۔ اور ان کو
فوراً اپنے قاعدون مین تبدیلی کرنا پڑے۔

یہان آپ چاہے جس مدرسہ مین جایئے آپ دیکھین گے کہ کسی لڑکے کے کپڑے
پھٹے پرانے ہین۔ کسی کے ہاتھ صاف نہین۔ کوئی ننگے پاؤن ہے۔ کسی کے کپڑون
پر سیاہی گری ہوئی ہے۔ آپ سوچین کہ بڑے ہو کر انھین لڑکون مین سے کوئی کلکٹر
کوئی سشن جج کوئی جج ہائیکورٹ بنیگا۔ کوئی مسٹر داس اور مسٹر گاندھی کا قائم مقام
ہوگا۔ کیا ہمارے تعلیمی لیڈرون کو شرم نہین آتی کہ ہر ایک
صوبہ کی یونیورسٹی اپنی نامناسب قاعدون سے ان ہونہارون کا
وقت۔ روپیہ اور محنت ضائع کر رہی ہے۔ یورپ اور امریکہ مین حصول تعلیم کی جو
سہولتین ہین وہ ہمارے ملک مین قطعی موجود نہین ہین امتحان کے دنون مین ہمارے
طالب علم ایسے پریشان ہو جاتے ہین کہ معلوم ہوتا ہے زندگی و موت کی لڑائی لڑ رہے ہین

اور جو شخص پاس ہو جاتا ہے وہ بڑا خوش نصیب سمجھا جاتا ہے۔

یورپ اور امریکہ سے کتنے ہندوستانی فیل ہو کر آتے ہین بلکہ جو لڑکے ہندوستان مین بار بار فیل ہوتے ہین وہ بھی یورپ یا امریکہ جاکر وہان کی امتحان اعزاز کے ساتھ پاس کر لیتے ہین۔

ہندوستان کے امتحانون مین فیل شدہ طالبعلمون کی حالت زار پر ہمکو رحم کرنا چاہیئے اور سر توڑ کوشش کرنا چاہیے کہ تعلیمی نظام سے نامناسب قاعدے دور ہو جائین تاکہ زیادہ لڑکے تعلیم حاصل کر سکین۔

مادھورام۔ وکیل انبالہ

بمبئی کے ایک سوشل سروس لیگ نے تین مہینہ سے ایک اُردو کا سفری کتب خانہ قائم کیا ہے، منتظم صاحب کتبخانہ شہر کے دور دراز علاقون مین کتابین پہنچانے کا خاص اہتمام کر رہے ہین۔ اس قسم کی تحریک مختلف شہرون مین بھی جاری ہو سکتی ہے۔
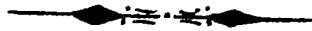
انجمن ارباب علم پنجاب نے حال مین نظم نگار شعرا کی طبع آزمائی کے لیے مختلف عنوانات پیش کئے ہین۔ نظمون کا انتخاب ایک ادبی مجلس کے سپرد ہوگا۔ اسسال کے ادبی مقابلون مین اول درجہ حاصل کرنیوالے ادیب کو ڈھائی سو روپیہ نقد اور "سحر نگاری" کا خطاب دیا جائیگا مجوزہ عنوانات حسب ذیل ہین۔

جولائی ۲۵ء کے لئے حسن (اگست کیلئے) ہمارا وطن۔ (ستمبر کیلئے) تارون بھری رات (اکتوبر) گنگا (نومبر) محبت، (دسمبر) شاعر، (جنوری ۲۶ء) دوشیزۂ کوہسار۔ (فروری) موسیقی نظمین ہر مہینہ کی پہلی تاریخ تک انجمن ارباب علم پنجاب لاہور مین پہنچ جانا چاہیئے۔

ایران کی خانہ بدوش قومیں

لقب قرہ جی یا قرہ جی (قرہ بمعنی سیاہ) جو ایران یا طہران میں کنجرون کو دیا جاتا ہے۔ کوئی قومی نام نہین بلکہ ایک ملامت آمیز لفظ ہے جس سے "تباہ شدہ یا تباہی آور" مراد ہوتا ہے' بہت سے اُن فرقون پر بھی جو کنجر تو نہین مگر کنجرون ہی کیطرح بداطوار ہین۔ مثلاً لوطی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ بلانزاع جوکی ان کے لیے زیادہ مخصوص لفظ ہے کیونکہ انگلستان کے کنجر بھی اپنے آپ کو [illegible] (جوکی) ہی کہتے ہین اور گھوڑون کے متعلق ان لوگون کے طرح طرح کے چھل فریب کام مین لانے کی وجہ سے انگریزی لفظ JOCKEY (پیشہ ور شہسوار جو گھوڑدوڑ مین بہ اُجرت دوسرون کے گھوڑون پر سوار ہوتے ہین) بھی اسی اشتقاق کیطرف رہنمائی کرتا ہے۔ ایک اور لفظ جو اسکا حریف مقابل یا مرادف کہا جاتا ہے۔ لولی یا لوری ہے جسکی تشریح برہان قاطع مین اسطرح کی گئی ہے:-

"لولی بر وزن و معنی لوری باشد کہ سرود گوے کو چہا و گدائے درخانہا باشد و بمعنی نازک و لطیف و ظریف ہم آمدہ است۔ و در ہندوستان قحبہ و فاحشہ را میگویند" یعنی لفظ لولی لوری کا ہموزن و ہم معنی ہے۔ گلی گلی گیت گانیوالے اور در در بھیک مانگنے والے کو کہتے ہین اور نازک و لطیف و خوش منظر کے معنون مین بھی آتا ہے۔ اور ہندوستان مین بدکار عورت یا رنڈی کو بھی کہتے ہین۔۔

ان تفصیلات سے قطع نظر جو کنجرون پر بالکل چسپان معلوم ہوتی ہین خود اس بحث پر

(ماخوذ از تسامت شرفت دیر دا تبشس ارگنتند شن گز فسفت جلد یازدہم ۱۸۸۵ء از قلم گو نیو مختار فرانسہ بدربار طہران)

ذرا گہری نظر ڈالنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ لولی یا لوری ابتداءً لورستان کے اصلی باشندوں کو غالباً کہتے ہونگے جو ایک نہایت نادار و فلاکت زدہ قوم ہے۔ ان کے رسوم و عادات اس امر کا قوی باعث ہوئے ہونگے کہ غلطی سے ان کا تبادلہ ایک ایسے فرقہ سے کر لیا گیا جسکو ہم علی الخصوص ذلیل و خوار و پامال خیال کرتے ہیں مگر جو مشرق میں اپنی اور بھی نظیریں رکھتا ہے اور بالکل ہی عجیب نہیں سمجھا جاتا۔

کولی[۱] (بفتح کاف) بھی ایک نام ہے جو بلاشبہ ایرانی کنجروں کے ایک حصہ پر اطلاق پاتا ہے یہاں قابل لحاظ امر صرف یہ ہے کہ میں نے نہیں سے جس جس سے بھی سوال کیا کسی نے بھی اس نام والے فرقہ سے تعلق رکھنے کا اقرار نکیا بلکہ اس فرقہ کو جسکی بدولت اس لفظ نے رواج پایا کابلی النسل بتایا (لہذا یہ لفظ بھی یقیناً وہیں سے آیا یعنی کابلی کی بدلی شکل ہے) خود اپنے متعلق میرے کنجروں نے یقین دلایا کہ انکا عام نام بشادان یا بشاوان (بکسر با) ہے۔ اپنی زبان کو وہ زبان کو ربانی یعنی کوربات کی زبان کہتے ہیں اور یہ کوربات صریحاً وہی لفظ ہے جو شام کے کنجر استعمال کرتے ہیں اور خود اپنا امتیازی لقب بتاتے ہیں۔ کوربات کے معنی یہ لوگ صرف آوارہ گرد خانہ بدوش طریق معاشرت کے بتاتے ہیں یعنی جسطرح کی زندگی یہ خود بسر کرتے ہیں مگر ان کے شامی بھائی اس خصوصیت سے ناواقف معلوم ہوتے ہیں۔ علاوہ ان دو عام ناموں یعنی کولی و بشاوان کے ان کا ایک تیسرا نام بھی ہے یعنی ادجولی یا اجولی۔ ہرات میں لوگ انھیں کنجینی بھی کہتے ہیں ایران میں بعض اوقات یہ لوگ نہایت عام لقب برابر یا برابری میں بھی شامل کر لئے جاتے ہیں۔

اس آخری لفظ پر جو بجائے خود ایک اہمیت رکھتا ہے تھوڑا سا وقت صرف کرنا چاہتا ہوں۔ ایران و فارس کے باشندے معلوم ہوتا ہے کہ اس لفظ سے خراسان و سیستان کے شمال و مشرق کی اقوام مراد لیتے ہیں جنمیں افغانیوں ہراتیوں بلوچوں اور خاصکر ہندوستانیوں کو شامل نہیں کیا جاتا۔ لہذا اس سے اُن بستیوں کی کہیل مراد ہے جو کم و بیش قدیم زمانہ میں افغانستان اور کوہستان میں آباد ہوئیں، دریائے سندھ تک پھیلی ہوئی ہیں، محکوم ہونے اور سیاسی اہمیت نہ رکھنے کی وجہ سے یہ مشکل ہی مشخص قبائل بناتی ہیں۔ اس حالت کا لحاظ کر کے

[۱] ڈاکٹر برٹن کی یادداشتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ کوہستان نزاگرد میں ایک قسم کے پھل کو انگور کولی یعنی کنجروں کا انگور کہتے ہیں۔ ۱۴

ایرانی کابل، قندھار اور غزنی کے مضافات کے تمام کھیتی باڑی کا کام کرنے والوں کو
تاجک، نہ وہ افغان ہیں نہ ہراتی نہ بلوچی بربر کہتے ہیں۔ کنجر قدرتی طور پر اس جماعت میں شامل کئے
جاتے ہیں۔ اب کوئی تو ظاہر طور جغرافیائی یا مقام پر دلالت کرنے والا لفظ ہے اور بساوان
یا پساوان بالکل پارسوان یا پرسان سے مختلف نہیں ہے جو افغانی تمام اپنے محکوم لوگوں کے نام
کے طور پر استعمال کرتے ہیں جنھیں ایرانی بربر کہتے ہیں۔ اجولی اور کنجینی کی نسبت مجھے اس سے زیادہ
واقفیت نہیں مگر دوسرا غالباً کسی پیشہ کا نام ہوگا اور "بھاٹ" کے معنی رکھتا ہوگا لیکن اسکا بھی مجھے
اسقدر یقین نہیں کہ دعوے سے کہہ سکوں۔

رہا لفظ زط[1] جو حمزۂ اصفہانی کے یہاں پایا جاتا ہے تو اسکی نسبت کنجروں اور دوسرے لوگوں
میں سے جس کسی سے بھی سوال کیا وہ اس سے ناواقف پایا گیا۔ حمزۂ اصفہانی کی تصنیف سردست
موجود نہیں کہ اسکی طرف رجوع کریں۔ برہان قاطع اور فرہنگ شعوری کو چھان مارا مگر کہیں اس کا
نام نشان نہ پایا۔ مختصر یہ کہ مذکورہ بالا ناموں میں سے ایک بھی ایسا نہیں جسے کوئی بہ لحاظ اصل
اور واقعیت کے یقین کے ساتھ قومی نام کہہ سکے۔ علاوہ ازیں مجھے یقین ہے کہ ان کے ماسوا
اور بھی ایسے ہی نام موجود ہیں۔ یہ بہتات سب ہی کے متعلق میرے مزید توقف و تذبذب کا
باعث ہے۔

بازہم میں دیکھتا ہوں کہ یہ نام (بہ وثوق یا بہ ظن غالب) ایرانی ہوں یا افغانی ہندی اصل
کی طرف کوئی ان میں سے ادنیٰ اشارہ بھی نہیں کرتا۔ کولی بربر بساوان کا مقابلہ کرکے دیکھا جائے
تو سب یکساں اوس حصۂ زمین سے آنے والے لوگوں کو بتاتے ہیں جو خراسان و پشاور کے
حدود کے درمیان واقع ہے۔ اس خیال کی اس جواب سے بھی تائید ہوتی ہے جو کنجروں میں سے

[1] عربی مصنفین مثل علامہ بلاذری کے زط اور سیابجہ کی نسبت لکھتے ہیں کہ یہ دو ہندوستان کی خانہ بدوش قوموں
کے نام ہیں جو ہندوستان سے ساسانیوں کے زمانہ میں ایران میں آئیں اور وہاں سے قبل از اسلام ایرانیوں کے
ساتھ ساتھ عراق میں آباد ہوئیں۔ خلیفہ مہدی کے زمانہ میں زط سرکاری ملازم اور جیل کے پاسبان تھے بعد ازاں
مسلمانوں نے انھیں شام اور ایشیائے کوچک میں لیجاکر آباد کیا۔ ان کے مفصل و دلچسپ حالات ہم قبر زندگی
کسی آیندہ نمبر میں قلمبند کرینگے۔ فدا علی۔

اُن مردون اور نیز عورتون نے مجھے دیا جن سے مینے اسکی نسبت استفسار کیا ۔
" ہمارا وطن ملک کابل ہے جہان سے ہم بجبر نکالدیئے گئے اور واپس نہین جا سکتے " مین ہر ایک ذہن مین آنے والے طریقہ سے ان کو اس راہ پر لانے کی کوشش کر چکا ہون کہ وہ مجھ سے ہندوستان کا کچھ ذکر کرین مگر اُنہون نے مجھے یکزبان یقین دلایا کہ نہ وہ کبھی وہان رہے نہ اُن کے باپ دادا نہ اُنکی ذات بنیاد وہان کی تھی اور بوجوہ ذیل مجھے یقین ہے کہ اُنہون نے جو کچھ کہا ٹھیک ہی کہا :-
(۱) ہندوستان کو گئین تو بہت سی قومین مگر نکلی وہان سے کوئی بھی نہین (۲) ذات پات کے عقیدے کی وجہ سے جو پامال سے پامال لوگون کو بھی اجنبیون اور غیر ملکیون سے کہین بلند مرتبہ دیتا ہے ۔ ایک پاریہ بھی ایسا نہ نکلیگا کہ جو پردیس کو جھوڑنا پسند کرے جہان اسے یقین ہے کہ اگلے جنم مین اونچی جاتی پالے گا (۳) فرض کیجئے کہ ہندوستان کے کسی گروہ نے آوارہ گردی ہی کی جی مین ٹھان لی ہو تو ان کے اپنے جزیرہ نما مین غیر مقبوضہ غیر آباد جگہون کی کونسی کمی ہے ۔
(۴) سندھ کو عبور کرنا ، اُن جرگون اور قبیلون سے جو تنگ گھاٹیون پر قابض ہین جبر پھاڑکے گزرنا اور پھر افغانون مین ہو کر راستہ بنانا ایک ایسا کام ہے کہ مجھے کنجرون کے اسلحہ جنگ سے ، انکی جرأت سے اور انکی ہمت و بلند حوصلگی سے ہرگز اسکی اُمید نہین ہوسکتی ، رہا انکا بصلح وامن داخلہ تو انکی کثیر التعدادی سے یقین نہین ہوتا کہ کہین بھی بخوشی خاطر انکا خیر مقدم کیا گیا ہو ۔ لہذا مین ان کے خیال سے پورا اتفاق رکھتا ہون ۔ میری نظر مین یہ بلخ اور آریہ کے اُن قدیم باشندون کی نسل ہین جو نسبت نوبت ایرانیون یونانیون ، انڈو جرمن لوگون ، اور افغانیون کے محکوم بنے دنیا بھر کے ظلم و ستم سہے اور تمام فاتحین سے تھوڑا بہت رشتہ ناتا جوڑا ۔ آخر ہزارون وجہون سے جن مین بدترین وجہ جور و تعدی تھی مادر وطن کو خیرباد کہنے پر مجبور ہوئے اور سیدھے عرب کی سمت عظیم الشان بنون جنگلون مین مارے کھدیڑے چلے آئے جدھر کہ ایک تقریبا برابر ہموار راستہ نے ان کے سفر کو حتی الامکان سہل و آسان بنا دیا ۔ ایکبار ایران پہنچنے کے بعد ان کی بھی وہی حالت ہوگئی جو اور سب عربی ، ایرانی یا ترکی خانہ بدوش نسلون کی تھی جو سارے ملک پر پھیلے ہوئے ہین اور بعد ازان دوسرے مقامات سے بھی زیادہ

کس مپرسی مین پڑ گئے کیونکہ وہ خود وہی اطوار و عادات رکھتے ہین اور کسی سے بھی زیادہ اجنبی نہین نظر آتے۔

درحقیقت مین دیکھتا ہون کہ رائے عامہ یہان ان کی نسبت کسی طرح خصوصیت کے ساتھ ناموافق نہین۔ وہ بے شبہہ چور ہین مگر سب ایلیات کی یہی حالت ہے۔ وہ نکمے ہین تو سب ایلیات ایسے ہی ہین۔ وہ میلے کچیلے ہین مگر ایرانیون کے نزدیک خواہ خانہ نشین ہون یا چادر نشین یعنی تنبوؤن مین رہنے والے یہ کوئی قابلِ نفرت عیب نہین۔ آخری بات یہ کہ یہ لوگ نہایت امن پسند ہین اور ایلیات اسکا نمونہ یقیناً ان کے سامنے پیش نہین کرتے بلکہ برعکس صفت جنگجوئی کی ڈینگین مارا کرتے ہین۔ مگر ایرانی کسان، شہری، مرزا، سوداگر ہر ایک کو ہتھیارون کی کھڑکھڑ سے نفرت ہے اور کنجرون پر ظلم نہین کرتے۔

شام کی طرح یہان بھی یہ لوگ گھوڑے کے بالون کی چھلنیان، ڈھلیان یا خنجریان اور لوہے کی چھوٹی چھوٹی چیزین بناتے ہین۔ ان مین ایک فرقہ ہے جو زرگر کرمانی یعنی کرمان کے سنار کہلاتا ہے یہ لوگ ایسا ویسا نہین بلکہ سکندر اعظم کی نسل سے ہونے کا دعویٰ رکھتے ہین۔ ہندیت کی ان مین بھی کوئی بات نہین پائی جاتی۔ مگر انکا یہ یونانی عناصر سے بنے ہوئے شجرۂ نسب کا دعویٰ مجھے خالی از ذوق نہین معلوم ہوتا۔ یہ زرگر ابتدا ہی سے سنار چلے آتے ہین۔ ایرانی کنجرون مین ایک اور فرقہ لوہارون کا بھی ہے۔ ہرات مین یہ لوگ سب ناچنے گانے والے ہین اور مزید بران عورتین کسی قدر بداطوار بھی ہین۔ تبریز مین بھی یہی حالت ہے مگر ملحوظ خاطر رہے کہ یہ اُن کنجرون کا ذکر نہین جو ہمیشہ تنبوؤن یا راوٹیون مین بسر کرتے ہین۔ انکی اور ہی بات ہے کیونکہ یہ خانہ بدوشی اور آوارہ گردی ترک کر چکے ہین۔ جن جن لوگون کو مینے ٹٹولا وہ جنتر منتر اور فال کھولنے کے فن سے ناآشنا نکلے۔ اُنہون نے مجھے یقین دلایا کہ ان مین صرف ایک فرقہ بداغی (بغنم یا) نامی جو ایران کے شمال مین پھیلا ہوا ہے آیندہ حالات دریافت کرنے کے علم سے واقف ہے۔ شاہ متوفی محمد شاہ کے زمانہ مین تمام شاہی شاطر (شتابندہ) کنجر تھے اور ان کا اُس زمانہ کا سردار یا شاطر باشی تالان خان نامی اب بھی ایک خاصے خوش آیند مقام پر دارالسلطنت مین سکونت رکھتا ہے۔ مگر اسکے موقع پر اسکی اصل نسل کا ذکر لوگ کبھی کبھی زبان پر نہین لاتے۔

وہ بات جو کنجروں کو دوسرے خانہ بدوشوں سے کسی قدر ممتاز بنائی ہے یہ ہے کہ یہ عموماً بہت بودے مسلمان سمجھے جاتے ہیں۔ مگر میں اس سرزنش کی کوئی خاص وجہ نہیں پاتا کیونکہ باقی ایلیات بھی اسلام کے ویسے ہی کم پابند ہیں۔ وہ لوگ جو قطعی طور پر کسی مذہب کا اعتراف نہیں کرتے اور اسلام کے دشمن ہیں جیسے علی اللہی اور یزیدی وغیرہ نہ کبھی نماز پڑھیں نہ روزہ رکھیں اور خدا کی وحدانیت کا بھی چندان یقین رکھتے نہیں معلوم ہوتے۔

مخالفت سلطنت کے لحاظ سے کنجر ٹھیک وہی رتبہ رکھتے ہیں جو دوسرے ایلیات۔ ہر ایک بڑے شہر میں انکا ایک کلانتر یعنی مکھیا یا پردھان ہوتا ہے جو اپنے ضلع کے فرقوں سے ٹیکس اگھانے اور جمع کرنے کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ آج کل طہران میں جو شخص اس عہدہ پر سرافراز ہے رحمن خان کہلاتا ہے۔ رائے عامہ میں یہ شخص کوئی بلند رتبہ نہیں رکھتا۔ وہ کمائی کا ذریعہ جو انہیں اپنا سالانہ خراج یا لگان ادا کرنے کے قابل بنا دیتا ہے یہ ہے کہ کنجروں اور بہت سے اور ایلیات میں خصوصاً ترکی نسل میں رسم ہے کہ عورتوں اور بچوں کو گانوں گانون بھیک مانگنے کو چھوڑ دیتے ہیں جسے انہیں ذرہ برابر بھی سرزنش و ملامت نہیں کیجاتی۔

یہ لوگ گھوڑے کے بالوں کے تنبوؤں میں جو کوئی بھی امتیازی خصوصیت نہیں رکھتے بسر اوقات کرتے ہیں، نہ گھوڑے رکھتے ہیں نہ اونٹ، اور سخت ناداری و افلاس انکا سب سے نمایاں امتیازی نمغہ ہے۔

یہ اپنی نسل کو پاک اور غیر مخلوط رکھنے پر بھی چندان اصرار نہیں کرتے۔ ان میں ایک کنجری میری نظر سے گذری جسکا باپ کنجر تھا۔ یہ شخص ایکبار حج کو جاتے ہوئے بیمار پڑا۔ کنجروں کے ایک پڑاؤ میں اسکی تیمارداری ہوئی۔ اچھا ہونے پر وہیں اس نے بیاہ کر لیا اور رہ پڑا۔ ہندی اعتقاد کے یہ معاملہ بھی برخلاف ہے اور میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ہسپانیہ کے کنجروں کے بارہ میں بارد اس خیال سے اتنا برا کیوں ماننا ہے۔ اس مشنری کے بیانات پر یقیناً بغیر سوء ادب کے شبہہ کیا جا سکتا ہے۔

ذیل میں میں اُن قبائل کے نام پیش کرتا ہوں جو شمالی ایران میں پھیلے ہوئے ہیں یقیناً ان کے علاوہ اور بھی ہونگے مگر جن کنجروں سے استفسار کیا انہوں نے مجھے یقین دلایا کہ

وہ اور کسی سے واقف نہین۔ وہ اپنی نسل کی باقی شاخون سے جو ایران مین سکونت پذیر ہین۔ جہان کہ انکی تعداد جیسا کہ مجھے بطریق دیگر معلوم ہوا خاصی بڑی ہے ناآشنا ہین۔ جن قبائل کے نام مجھے بتلائے گئے یہ ہین:۔

(۱) سنادی (بفتح سین وکسر دال) (۲) کستراش (بفتح کاف وکسر سین وتا) (۳) بداغی (بجیم یا) جو آیندہ واقعات کی خبر دینے والا فرقہ ہے۔ (۴) اونیسرس (بفتح الف وکسر نون وسین وراو یائے معروف) (۵) زرگر کرانی جو سنارون کا فرقہ ہے اور اپنے آپ کو یونانی النسل بتاتا ہے ۔(۶) شہریاری۔ (۷) کرزی (بکسر کاف وسکون را ویائے معروف) (۸) طوارطیب (بضم طائے اول وکسر طائے ثانی ویا) ۔(۹) گاوباز۔ (۱۰) باشکایان (بسکون شین) گاوداری جو مازندران مین محدود ہین۔(۱۱) کاشی۔ (۱۲) بجومبون (بکسر با وہر دو واو معروف)

یہ فرقے بڑی بڑی متحدہ جماعتون مین سفر نہین کرتے۔ ان کے ڈیرا عموماً پانچ سے چھ تک اور بعض اوقات ان سے بھی کم راوٹیون پر مشتمل ہوتے ہین۔ ہر ایک کا دائرہ آوارہ گردی مقرر ومعین ہوتا ہے۔ مثلاً شہریاری موسم سرما ہمدان مین گزارتے ہین اور گرمی کا زمانہ داوند کی گھاٹیون مین کرمانشاہ مین۔ سالہا سال یہی رسم جاری رہتی ہے یہانتک کہ کوئی خاص باعث جیسے کوئی سیاسی ہنگامہ یا حکومت کی خودرائی تغیر تبدل کا مقتضی ہو۔ مثلاً شہریاری جنکا ذکر ہو رہا ہے کہتے ہین کہ نادرشاہ انکو کابل کے نواح سے ایران لایا، کریم خان زند فارس لیگیا، اور فتح علیشاہ نے حال کے مسکن پر لابسایا۔

مین شروع ہی مین کہہ چکا ہون کہ ایران کے کنجر عموماً نہایت امن پسند ہین۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ بعض فرقے اس سے مستثنیٰ ہین کیونکہ یقین دلایا جاتا ہے کہ مازندران کے گاوداری خوفناک مہارت والے نشانہ باز ہین اور کبھی کبھی سارا مہینہ شیر کے شکار مین جنگلون مین بسر کردیتے ہین۔

مجھے یقین تھا کہ مین کنجرون کو ایک نئی بات بتاؤنگا اگر ان سے بیان کرون کہ ان کی نسل کے بہت سے افراد یورپ مین بھی موجود ہین۔ انہون نے جواب دیا کہ ہم اس سے بخوبی واقف ہین اور یہ کہ ہماری نسل کے ان حصون کی حالت ہماری حالت سے بہت مختلف ہے

اسکے بعد کہنے لگے وہ تمہاری حکومت مین خوب مرفہ حال و مالدار اور طاقتور ہین -

افعال و خواص حیوانی کے لحاظ سے انکا چال چلن مجھے ٹھیک ویسا ہی معلوم ہوتا ہے جیسا کہ یورپ کے کنجرون کا ہے - چہرون کی کسیقدر اجنبی شباہت کی نقاب مین وہی نرمی و انکسار پایا جاتا ہے جو ہندی قبائل کا خاصہ ہے - مگر ایک بات ہے جو نظر انداز نہین کیجا سکتی یعنی یہ لوگ اس سرے سے اُس سرے تک افغانستان کی نیچ ذاتون، سندھ کے باشندون، بعض بلوچون اور خود مسقط کے عربون کا سا قیافہ رکھتے ہین - جزیرہ نمائے ہند کے نیچ ذاتون کی قرب و جوار کے قدیمی باشندون کے ساتھ رشتہ داری شک و شبہہ کی گنجایش نہین رکھتی مگر سفر کرنے والے گروہون کی باہم مشابہت انکا مسکن پر دلالت نہین کرتی -

آخر مین مین چند الفاظ کی فہرست پیش کرتا ہون :-

لفظ	معنے	لفظ	معنے
منو (بکسر میم و واؤ مجہول)	روٹی	ماسی	گوشت
پونز (اول معروف ثانی مجہول)	پانی	بونہ (مجہول)	شراب
شوریکی (بفتح شین و یائے اول مجہول)	نمک	جوہ (بفتح جیم)	لڑکا
لاگو (بفتح کاف فارسی)	جیاتو	بان	باپ
مانس (بکسر نون)	انسان، آدمی	مان	مان
جیوو (جائے مجہول و کسر واؤ)	عورت	گہترہ (بکسر کاف فارسی مخلوط دال)	گدھا
ییت (بکسر یا و بفتح ہا)	ایک	گھوڑا	گھوڑا
دوہت (بفتح دال)	دو	مورک (بفتح میم و کسر را)	مجھکو دکھنی سیر کو
سہت (بکسر سین و یائے مشدد)	تین	تورک (مثل سابق)	تجھکو دکھنی سیر کو
چارہت	چار	اورک (مثل سابق)	ہمکو بنگالی پھیر کو
پانشن ہت (بفتح پا و سکون نون)	پانچ	مانگر آخالیدن (بسکون نون و	کھانا
ششن ہت	چھ	کسر کاف فارسی)	
ہفہت (بکسر ہا و سکون فا)	سات	اکی (بفتح الف و یائے معروف)	آنکھ

ہشتہت (بکسر ہا و سکون شین)	آٹھ	ہس	ہاتھ
نوہت (واو مجہول و ہے مشدد)	نو	کیلم (یائے مجہول و کسر لام)	پاؤن
دہت (بکسر دال و ہے مشدد)	دس	دیہنہ (یائے مجہول و کسر ہا)	موہنہ
		اگھی (بفتح الف و یائے معروف و کاف مخلوط)	آگ

ناظرین دیکھ سکتے ہین کہ زبان خالص نہین ہی فعلون تک مین فارسی ماخذ اور فارسی صیغے پیش کرتی ہے۔ ضمیمہ (ہت) جو تمام اعداد پر اضافہ کیا گیا ہے قابل ملاحظہ ہے۔ ایرانی بھی بول چال کی زبان مین ایسا ہی رسم و رواج رکھتے ہین۔ وہ بھی سہ تا، یا چہارتا، یا پنجتا خصوصاً تین چار پانچ گھوڑون کے لئے استعمال کرتے ہین مگر تحریر سے ضمیمہ کو اڑا دیتے ہین (میسو گوبو کو غالباً خبر نہین کہ یہ ضمیمہ ہندوستان کے ایک حصہ مین بھی ہر وقت بولا جاتا ہے۔ بنگالی اعداد اس سے بہت ہی کم خالی ہوتے ہین۔ ایکٹا، دوٹا، تین ٹا وغیرہ کی بنگال مین وہ بھرمار ہی کہ یہان کے اُردو بولنے والے بھی ہمیشہ اکیٹھو، دوٹھو، تین ٹھو وغیرہ ہی بولتے ہین جس سے شمالی ہندوستان کے کانون کو سخت اذیت ہوتی ہے۔ فدا علی)

اسی طرح ضمائر اضافی کا (رک) قابل غور ہے (ہم کہتے ہین کہ پہلے سے کہین زیادہ قابل غور ہے کیونکہ میسو گوبو کے اس خیال کی کہ یہ لوگ ہندی الاصل نہین صاف تردید کرتا ہے اور فوراً میرے کو، تیرے کو، وغیرہ یاد دلاتا ہے فدا علی)

یہان گوبو کا بیان ختم ہوتا ہے۔ افسوس ہے کہ جناب موصوف مزید نحوی صرفی و لغوی تشریحات سے اپنے بہ لحاظ دیگر اہم اور دلچسپ بیانات کی قدر و قیمت اور بھی بلند نکر سکے ورنہ انہین یقیناً نظر آجاتا کہ کنجرون کے ہندوستان سے ایران کو ہجرت کر جانے پر ان کے جتنے اعتراضات ہین، زبان کی شہادتین اُنکے قیام و ثبات کو بہت دشوار بنا دیتی ہین۔ کنجرونکی زبان کی فارسی سے خال خال مشابہت صوت جیسے کہ اعداد مین کوئی اچنبھے کی بات نہین۔ خود فارسی مصادر کی علامت کا کنجرونکی زبان کے لفظون مین جوڑ دیا جاتا صرف اسوجہ سے واقع ہوا ہی کہ ان زبانون کے اپنے مخصوص مصادر باقی نہین رہے۔ ایسے صرفی ضمیمے اگر اس سے بھی بڑھکر فارسی ہوتے تو مجھے جب بھی تعجب نہوتا کیونکہ ہسپانیہ کے جپسیا نو (بیائے معروف و واو مجہول) اپنے

تمام موروثی مواد لسانی کے ساتھ سراسر سپاہی زبان ہی کی گردانین کام مین لاتے ہین حالانکہ
ان کی زبان کے سپاہی ہونے کا کسی کو وہم وگمان بھی نہین ہوسکتا (خود میوگو نبو کی دیجی ہوئی
مختصر فہرست مین بعض لفظ اپنی ہندی اصل سے ہنوز ایسے قریب ہین کہ ان کے ہندی ہونے
مین شک وشبہہ کی گنجایش ہی نہین جیسے ماسی (ماس)، پونو (پانی)، مانس (مانس)، مان (مان)
گھوڑا (گھوڑا)، اکی (آنکھ - اکشی سے ماخوذ)، اگی (اگنی، آگ)، میوگو نبو کو بتانا چاہیے تھا
کہ اگر ان کنجرون کے ساتھ ساتھ نہین تو اور کس ذریعہ سے یہ لفظ ایران پہنچے اور ایک ہی خانہ
بدوش فرقہ کی زبان نے نہین آغوش شوق مین کیون جگہ دی اور دون نے کیون خیر مقدم
نکیا اب رہے صرفی ضمیمے قواعد وضمائر کی نسبت تو ہم اوپر رائے دیچکے۔ علامت مصدر کے
متعلق ایڈیٹر لسانیات شرقیہ کی رائے بالکل فیصلہ کن ہے۔ اب شاید کوئی صاحب دریافت
فرمائین۔ کہ اچھا علامت مصدر کو جانے دو اسکے اڑانے کے بعد جو باقی رہتا ہے یعنی (آخال)
وہ بھی تو ہندی لفظ نہین معلوم ہوتا۔ جواب مین صرف اتنا ہی عرض کردینا کافی ہے کہ یہان خے
"ہے" سے اور لام "رے" سے بدلا ہوا ہے اور فارسی علم اللسان سے واقف لوگ جانتے ہین کہ یہ
تبادلہ نہایت عام ہے جیسا کہ خور اور ہور مین جو سنسکرت مین سوریہ مین ہے۔ خور عام لفظ ہوگیا ہے
ہور قدیم کتابی زبان مین کہین کہین پایا جاتا ہے۔ لام اور رے کا تبادلہ ایسا عام ہے کہ اسکی
نسبت ایک لفظ بھی لکھنے کی ضرورت نہین۔ غرض کہ جب ہے خے کی جگہ ہے اور لام کی جگہ
رے رکھدیجائے تو یہ لفظ آہار ہو جاتا ہے جو ہندوستان کی سنسکرتی زبانون مین مثل ہندی
بنگالی مرہٹی وغیرہ کے اب بھی بمعنی غذا عام استعمال مین ہے۔ اسکی منفی صورت نہار
اردو و فارسی مین بھی برابر مستعمل ہے۔ "نہار منہ" سے ہمارا مطلب ہوتا ہے صبح اٹھکر
بغیر کھائے ہوئے "نہار صرف کردن" سے ایرانیون کی مراد ہوتی ہے صبح اٹھکر کچھ عرصے
گذر جانے کے بعد پہلی بار جو کھانا کھایا جائے جسکو صاحب لوگ چھوٹا حاضری کہتے ہین۔ دہلی
محاورہ مین جو حضرات لفظ نہار کو عربی اور اسکے معنی روز سمجھتے ہون وہ ہماری رائے ناقص مین محاورہ کا خون
کرتے ہین۔

فدا علی خان رامپوری۔ ایم اے بیلیگ
صدر شعبہ فارسی و اردو۔ یونیورسٹی ڈھاکہ

شہیدان سائنس

وہ مبارک ہستیاں جو حمایت مذہب۔ حفاظت ملک۔ پاس ناموس و غیرہ مقاصد جلیلہ کی خاطر اپنی جان کو خطرے میں ڈالتی اور اپنے خون سے کھیلتی ہیں، بیرو اور شہید کا لائق افتخار اعزاز و لقب حاصل کرتی ہیں۔ اور ہم آج بھی صدیوں کے بعد انکے شجاعانہ سوانح حیات پر فخر و ناز کرتے اور انکے نام کے احترام میں سرنیاز خم کر دیتے ہیں۔ لیکن نوع بشر کے دشمن صرف انسان کی ہم جنس یا ہم حیات مخلوق ہی نہیں، بلکہ ایسی مصائب و آفات کا لشکر بھی موجود ہے جو خونچکاں شمشیر اور شرر فشاں توپ سے زیادہ خوفناک و تباہ کن ہے۔ امراض۔ افلاس۔ جہالت حملہ آور ان بری و بحری سے زیادہ سفاک وخونریز ثابت ہوتے ہیں۔ ہر دور میں ایسے دردمند فدایان ملک و ملت کا وجود رہا ہے، جنھوں نے ان اعدائے بشر کا مقابلہ بھی نہایت بے جگری و جان نثاری کیساتھ کیا ہے

عہد قدیم میں قحط و امراض وبائی کو عموماً شامت اعمال کا اثر اور گردش تقدیر کا نتیجہ سمجھ کر ناقابل علاج و غیر ممکن الاندراک تصور کیا جاتا تھا۔ اسی لئے انکے اسباب کی تحقیق اور چارہ سازی کی تدابیر قضائے الہٰی کیساتھ جنگ کرنیکے برابر سمجھی جاتی تھی۔ لیکن عصر حاضر میں تحقیقات جدیدہ و اکتشافات علمیہ نے اسبات کا عام طور پر احساس پیدا کر دیا ہے کہ یہ آفات ارضی وسماوی بھی ناگریز و لاعلاج نہیں۔ چنانچہ ان خطرناک دشمنوں کے مقابلہ و محاربہ میں بھی نامور ان سائنس و بہادران علم و حکمت سرفروشی و جانبازی کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ اور بے شبہہ وہ بھی "غازی" و "شہید" کے القاب کے مستحق ہیں۔

امریکہ سے "زرد بخار" کے استیصال کی داستان ایسے ہی غازیان و شہیدان سائنس

ہے جزیرہ کیوبا ایک جزیرہ ہے امریکہ کے جزائر ویسٹ انڈیز میں کیوبا ایک جزیرہ ہے
کی بنظیر فدائیت و قربانی کا کارنامہ ہے۔ امریکہ کے جزائر ویسٹ انڈیز میں کیوبا ایک جزیرہ ہے
صدیاں گزر گئی تھیں کہ زرد بخار کا مہلک مرض اس جزیرہ کے غریب جاہل و وحشی باشندوں
پر ہر سال تاخت و تاراج کرتا تھا اور لاکھوں جانیں اسکی نذر ہو چکی تھیں۔ جب کیوبا ریاستہائے
متحدہ کے زیر اثر آیا تو حکومت کو ان غریبوں کی امداد کیطرف توجہ ہوئی۔ لیکن کسی کو اسبات کا
علم نہ تھا کہ یہ مرض کسطرح پیدا ہوتا اور کیونکر ایک سے دوسرے کی طرف متعدی ہوجاتا ہے۔
بعض لوگوں کا خیال تھا کہ ہوا کے اندر اس مرض کے اسباب مخفی ہیں۔ بعضوں کی رائے
تھی کہ مریضوں کے جسم۔ لباس اور اشیائے متعلقہ کو چھونے کے سبب سے پھیل جاتا ہے
بعض سمجھتے تھے کہ صرف کثافت و ناصفائی اسکا باعث ہے۔ چنانچہ تجویز کی گئی کہ شہر
ہوانا کو (جو جزیرہ کیوبا کا خاص بندرگاہ اور اس مرض کا جولانگاہ خصوصی تھا) صاف رکھا
جائے، ہر قسم کی صفائی اور احتیاط عمل میں لائی گئی اور قوی اُمید تھی کہ اب مرض کا حملہ
نہ ہوگا لیکن زرد بخار پھر پھیلا اور عجیب بات یہ تھی کہ زیادہ صاف مقامات پر ہی اسکا زیادہ
زور ہوا۔ اسکے یہ معنی تھے کہ مرض کا سبب ابھی دریافت نہیں ہوا۔ اور کوئی تدبیر اختیار
کرنی چاہیئے۔

یہی زمانہ تھا کہ ڈاکٹر کارلوس فنلے کے ایک نظریۂ طبی کی طرف لوگوں کو توجہ پیدا
ہوئی۔ بیس سال قبل ڈاکٹر فنلے نے جو ہوانا کا طبیب تھا یہ رائے بیان کی تھی کہ زرد بخار
ایک قسم کے مچھروں کے ذریعہ سے پھیلتا ہے۔ چونکہ ڈاکٹر اپنے دعوے کی قوی دلائل کو
پیش نہ کر سکا اس لئے اسوقت لوگوں نے اسکی طرف توجہ نہ کی۔ لیکن جب حکومت ریاست
ہائے متحدہ نے زرد بخار کی تحقیقات کے لئے کمیشن مقرر کیا تو اس نے ڈاکٹر فنلے کے
نظریہ کو ثابت کردیا۔

اس کمیشن میں ڈاکٹر میجر والٹر ریڈ صدر تھا۔ ڈاکٹر جیمس کیرول تحقیقات جراثیم کا نگران
تھا ڈاکٹر لیزیر کے سپرد مچھروں کی تحقیقات تھی اور ڈاکٹر اگر امونٹ زرد بخار کے مریضوں کا
معالج تھا۔ ان ڈاکٹروں نے سب سے پہلے تمام مشہور اسباب مرض کے تجربے کئے لیکن
معلوم ہوا کہ لوگوں کے سب نظریے غلط ہیں۔ اب صرف ڈاکٹر فنلے کا نظریہ رہ گیا کہ ایک قسم

کے مچھر اس وبائی اشاعت کے ذمہ دار ہین چونکہ یہ مرض جانورونکو لاحق نہین ہوتا۔اس لئے لازم تھا کہ انسانی ہستی کو تختۂ مشق بنایا جائے۔ڈاکٹرون نے مشورہ کرکے یہ فیصلہ کرلیا کہ چونکہ تحقیقات ضروری اور اسکے نتائج نہایت اہم ہین اسلئے ہر حالت مین اس خطرہ کو برداشت کرنا فرض ہے۔انھون نے یہ بھی طے کرلیا کہ صرف انہی لوگون پر تجربہ کیا جائے جو بطیب خاطر آمادہ ہون اور خطرے کی شدت واہمیت سے پورے طور پر آگاہ ہوکر اس خدمت کو انجام دینا چاہین۔اورون سے پہلے ڈاکٹر خود اس کام کے لئے تیار ہوے۔اسوقت اتفاق سے ڈاکٹر ریڈ کو امریکہ واپس جانا پڑا۔اور سب سے پہلے ڈاکٹر لیزیر نے اپنے اوپر تجربہ شروع کیا۔اس نے چند مچھر لئے جنکی لیبوریٹری مین پرورش کی گئی تھی اور ان سے چار مریضون کو جو زرد بخار مین مبتلا تھے کٹوایا۔اور پھر انکو اپنے اور چند اور رضا کارون کے جسم پر بٹھایا اور کٹوایا۔لیکن کچھ نتیجہ نہ نکلا۔اسکے بعد ڈاکٹر کیرول نے اپنے اوپر یہی عمل کیا۔اور اپنے جسم کو ایک ایسے زہر آلود مچھر کے نیش خون آشام کے حوالے کردیا جسکے متعلق اسکو یقین تھا کہ مادۂ زرد بخار کا حامل ہے۔چند روز مین ڈاکٹر زرد بخار مین مبتلا ہوگیا۔فوراً اسکو علیحدہ کیمپ مین منتقل کرکے علاج کردیا گیا۔تین روز تک زندگی خطرے مین رہی لیکن بالآخر صحت یاب ہوگیا۔

اب ڈاکٹر لیزیر نے دوبارہ اپنی ذات پر تجربہ کیا۔اور ڈاکٹر کیرول کی صحت یابی کے پانچ روز بعد وہ بھی مبتلا ہوگیا۔اس نے کیمپ کو منتقل ہونے سے قبل اپنے تمام نوٹ جو مچھرون کی تحقیقات کے متعلق تیار کئے تھے۔ڈاکٹر کیرول کو سپرد کردیئے اور اپنا ذاتی تجربہ بھی تفصیل کے ساتھ بیان کردیا۔تین دن تک معمولی خطرے کی حالت رہی لیکن اسکے بعد یاس و مہلک آثار نمایان ہوگئے اور اس سے چار روز بعد دنیا سے رخصت ہوگیا۔ایک بیوہ اور دو چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑے جنمین سے چھوٹے کو دیکھنا بھی نصیب نہ ہوا تھا۔۳۴ سال کی عمر مین اس نے اپنے زمانے جنس کی صحت و راحت پر اپنی جان عزیز قربان کردی۔کمیشن کو اسکے انتقال سے سخت نقصان پہونچا۔اسکی یادگار مین جان ہوپکنس ہاسپٹل بالٹی مور کے کرۂ جراحی مین یہ کتبہ نصب کیا گیا۔

"اس نے ایک سپاہی سے زیادہ شجاعت و وفاداری کیساتھ صرف اس امر کے ثابت
کرنے کے لیئے کہ ایک خطرناک مرض کسطرح پھیلتا ہے۔ اور اس سے محفوظ رہنا کیونکر
ممکن ہے۔ اپنی جان نثار کر دی"

اب باقی تینون ڈاکٹرون نے یہ رائے قائم کی کہ چونکہ بخار کا مچھرون کے ذریعہ سے
پھیلنا ثابت ہوگیا۔ اسلیئے اب اس امر کے اثبات و اعلان کی بھی ضرورت ہے کہ اشاعت
مرض کا واحد ذریعہ یہی ہے۔ اور کوئی سبب تعدیہ زرد بخار کا نہین۔ ورنہ لوگونکا خوف و
دہشت کم نہ ہوگا۔ چنانچہ فیصلہ کیا گیا کہ ایک میل کے فاصلے پر ایک تجربہ گاہ کی تعمیر کیجائے،
اُنھون نے اپنے شہید سائنس دوست کی یادگار مین اس کیمپ کا نام "کیمپ لینزیر"
رکھا۔ ممبران کیمپ کے قیام کے لیئے خیمے نصب کرنیکے بعد دو مکان بنائے گئے۔ ایک کا نام
"بخار کے مچھرون کا مکان" رکھا گیا۔ دوسرے کا "مریضان بخار کے کپڑون کا مکان"۔
مچھرون والے مکان مین دو کمرے بنائے گئے جنکے درمیان صرف تارون کا پردہ حائل تھا۔
انہین سے ایک کمرے مین وہ مچھر رکھے گئے جنکی زرد بخار کے مریضونکے خون سے پرورش
ہوئی تھی۔ اور دوسرے کمرے کو ان قاتل ہستیون سے بالکل پاک و صاف رکھا گیا تجویز
یہ تھی کہ ان دونون کمرون مین ان تندرست آدمیون کو رکھا جائے جو ابتک مرض سے
محفوظ رہے ہین۔ اس خدمت کے لیئے رضاکار طلب کیئے گئے۔

فوراً دو نوجوان سپاہی جان کسنگر اور جان مورین (ساکنان اوہیو) مچھرون کے
کمرے مین رہنے پر آمادہ ہوگئے۔ ڈاکٹر ریڈ نے تمام خطرات و تکالیف نہایت مفصل و
مشرح طور پر انکے سامنے بیان کین لیکن دونون اپنے عزم پر قائم رہے۔ یہ دیکھکر ڈاکٹر
نے کہا انکو خدمت کا صلہ دیا جائیگا۔ اُنھون نے اسکے قبول کرنیسے انکار کیا اور کہا کہ اگر اس
کام پر انعام مقرر ہے تو ہم ہرگز تیار نہین۔ اس حقیقی روح رضاکاری کو دیکھکر ڈاکٹر نے اپنی ٹوپی
پر ہاتھ رکھکر تعظیم کے لہجہ مین کہا کہ "شریف نوجوانو مین تمہارا احترام کرتا ہون"
اسکے بعد دونون سپاہی مچھرون کے کمرے مین داخل ہوئے اور ان زہریلے اور ہلاک
جانورونکو اپنا خون پلایا۔ تین دن کے بعد دونون بخار مین مبتلا ہوگئے۔ لیکن جو لوگ دوسرے

صاف کرتے رہے ان پر مرض کا مطلق اثر نہ ہوا۔

دوسرا مکان جس میں مریضوں کے بستر اور کپڑے رکھے گئے تھے اس بات کے ثابت کرنے کے لئے بنایا گیا تھا۔ کہ مریضوں کے کپڑوں کو استعمال کرنے سے بخار نہیں پھیلتا۔ سالہا سال سے لوگوں کا یہ اعتقاد تھا اور اسکا بطلان نہایت ضروری تھا۔ یہ مکان بہت مختصر تھا اور اس میں اصول حفظان صحت کا کوئی لحاظ نہ رکھا گیا تھا۔ سپاہیوں کے تجربہ کے بعد اس مکان کے داخلہ کے لئے بھی لوگوں کو دعوت دی گئی اور فوراً جواب میں صدائے لبیک بلند ہوئی۔ ڈاکٹر رابرٹ کک اور دو نوجوان شہری اس مکان میں داخل ہوئے۔ مریضوں کے صندوقوں اور بستروں کو کھولا گیا۔ بستر۔ کپڑے خوب جھاڑے تاکہ جراثیم بخار موجود ہوں تو پھیل جائیں اور رہنے لگے۔ ہر روز صبح کو کپڑے تہ کرکے صندوق میں رکھدئے جاتے اور رات کو کھولکر استعمال کئے جاتے تھے۔ بیس روز متواتر یہی عمل کیا گیا۔ اور یہ لوگ مہلک مرض سے متاثر بستروں پر سوتے رہے۔ لیکن اس طویل مدت میں کوئی اثر نمایاں نہ ہوا اور قرنطینہ اٹھا دیا گیا۔

اسی طرح تجربات جاری رہے۔ زیادہ سے زیادہ خطرناک حالات کے اندر مختلف تجربے کئے گئے اور آخر اس صداقت وحقیقت کا اعلان کر دیا گیا کہ مچھری زرد بخار کی اشاعت کا سبب منفرد ہیں۔

اس اہم ترین اکتشاف سائنس کے متحقق ہونیکے بعد جلد سے جلد ایسی تدابیر عمل میں لائی گئیں کہ ہوانا کو مچھروں سے خالی کر دیا جائے۔ اگرچہ کبھی کبھی جنوبی ساحل پر زرد بخار نمایاں ہوتا رہا لیکن اس سفاک دشمن کا قتل عام موقوف ہو گیا۔

ان فدایان محبت انسانی وشجاعان سائنس میں سے پہلے ڈاکٹر کیرول نے اپنی جان کو خطرناک تجربہ کیلئے پیش کیا تھا اور بڑی دشواری سے جانبر ہو سکا تھا۔ ڈاکٹر لیزیر اور چند رضا کار شہید ہوتے۔ ڈاکٹر ریڈ اس تحقیقاتی کمیشن کی روح رواں تھا۔ اسی کی ہمت افزائیوں اور بیش بہا مشوروں نے جان ڈالے رکھی۔ اگرچہ اس نے اپنی ذات پر یہ ہولناک تجربے نہیں کئے لیکن اسکی صحت اسقدر متزلزل ہو گئی کہ ایک سال بعد اسی بخار میں مبتلا ہوا۔ اور

جان دیدی۔ اس عظیم الشان فتح وکامیابی کا سہرا اسی کے سر ہے۔

کیوبا کے شاندار تجربہ کی بنا پر خاکنائے پناما کو بھی زرد بخار کے پنجۂ بیداد سے آزاد کیا گیا ملیریا کے متعلق بھی تجربات سے یہی ثابت ہوا کہ اسکا باعث بھی مچھر ہی ہین اگرچہ انکی قسم زرد بخار کے مچھرون سے الگ ہے۔ اگر اس مجادلہ و محاربہ کا ہنگامہ برپا نہ کیا جاتا اگر بے نفس خلوص پرور شیدایانِ ملک۔ فدایان نوع بشر اور شہیدان سائنس رضاکاری وجانفروشی سے کام نہ لیتے تو علاوہ اور نقصانات کے ایک یہ کتنا بڑا نقصان ہوتا کہ آبنائے پناما کا کھودنا غیر ممکن ہوتا۔ اول اہل فرانس نے ہمت کی تھی اور کام شروع کیا تھا لیکن زرد بخار نے سیکڑون جانین تلف کرکے ہمت توڑ دی اور وہ مہتم بالشان کام انجام کو نہ پہنچا۔ اب اس مصیبت کے دفع ہونیکے بعد آبنائے بآسانی کھودلی گئی۔

حامد حسن قادری
اڈیٹر اخبار سعید کانپور

از منشی سوہن لعل صاحب حقیر لکھنوی

مجز و نیازی کند ہر پاک را	آنکہ بر جبہہ مالد خاک را
کفر و دین بر جلوہ اش گردم نثار	بخم بر شعلہ این خاشاک را
کاش دل را بر کند از سینہ ام	منت و احسان بود سفاک را
از سر و از درد سر دادی نجات	گر دگردم خنجر سفاک را
سبزہ دارد سبزہ زار آسمان	مرحبا این دیدۂ نمناک را
سوزنے بر خود چرا دارد مسیح	بخیہ نتواند دل صد چاک را

خانۂ خمار میجویم حقیر
تا سپارم این دل غمناک را

سر سریندر ناتھ بنرجی

بنگال کی سرزمین سے اکثر ایسے ذرے منودار ہو چکے ہین، جو دیکھتے ہی دیکھتے آسمانِ شہرت پر آفتاب بنکر چمکے اور جنکی تجلیات روحانی سے خاک ہند اس سرے سے لیکر اُس سرے تک منور ہو گئی۔ اگرچہ آج صفحۂ ہستی ان مایۂ ناز ہستیون سے خالی ہو چکا ہے لیکن ان کے نہ مٹنے والے نقوش جریدۂ عالم پر ثبت ہین اور جب تک کائنات کا ایک ذرہ بھی قائم رہیگا تاریخ کی کتابین انکی یاد دلاتی رہین گی۔

انھین برگزیدہ اور مایۂ ناز شخصیتون مین، سر سریندر ناتھ بنرجی، کی جامع کمالات ہستی بھی شامل تھی۔ کون جانتا تھا کہ جو لڑکا ڈاکٹر بابو درگاچرن کے یہان پیدا ہوا ہے۔ ایکدن ہندوستان کا لیڈر اور بے تاج کا بادشاہ بنے گا۔ قدرت نے بابو درگاچرن کو پانچ لڑکے عطا کئے تھے۔ لیکن جس لڑکے کو شہرت دوام کا تاج پہنانا چاہتی تھی وہ یہی سریندر ناتھ تھے، انکی پیدایش ۱۸۴۸ء مین ہوئی اور سات برس کی عمر مین تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا، اول اول یہ ڈیوٹن کالج کلکتہ مین داخل ہوئے۔ حسن اتفاق سے وہان انھین ایسی صحبت میسر آئی۔ جسنے انھین تعلیمی میدان مین کہین سے کہین پہنچا دیا۔ ڈیوٹن کالج مین عموماً یوروپین اور یوروشین لڑکے تعلیم پاتے تھے انکے ساتھ رہنے سہنے کا یہ نتیجہ ہوا کہ بابو سریندر ناتھ کو انگریزی زبان مین کامل مہارت حاصل ہو گئی، اور وہ دشواریان جو ابتدا ئً ہندوستانی لڑکونکو انگریزی تعلیم مین پیش آیا کرتی تھین آسان ہو گئین کیونکہ اُنھین یوروپین اور یوروشین لڑکون سے انگریزی زبان مین گفتگو کرنی پڑتی تھی اس تعلیمی فضا مین نشو و نما پاکے بابو سریندر ناتھ نے ۱۸۶۳ء مین کلکتہ یونیورسٹی کا امتحان انٹرنس اول درجے مین پاس کر لیا۔ اور ۱۸۶۸ء مین بی اے کی ڈگری حاصل کر لی۔

ابھی بابو سریندر ناتھ کی عمر ۱۹ برس کی تھی لیکن اقبالمندی کا ستارہ پیشانی پر

چمک رہا تھا آغاز سے اندازہ ہوتا تھا کہ انجام کتنا شاندار ہوگا، کالج کے پروفیسر مسٹر سالکم نے قیافے سے بھانپ لیا تھا کہ یہ لڑکا ایک دن دنیا مین نام پیدا کریگا لیکن اچھی ترتیب کی ضرورت ہے. چنانچہ انھون نے ڈاکٹر درگاچرن کو مشورہ دیا کہ وہ اپنے ہونہار لڑکے کو انڈین سول سروس کے امتحان کے لیے ولایت بھیجدین۔ اقبال یاور تھا اور خوش قسمتی رہنما اسلئے ان کے والد نے بھی اس نیک مشورہ کو قبول کر لیا اور بابو سرنیدر وناتھ نبرجی ولایت روانہ ہو گئے۔

لندن پہنچکر آپ یونیورسٹی کالج مین داخل ہوے، اسوقت کالج کے پروفیسری پر مسٹر جان مارلے (جو اسوقت ہندوستان کے اسٹیٹ سکریٹری ہین) مامور تھے بابو سرنیدر وناتھ نے ایسے لائق اُستاد کے زیر سایہ بہت کچھ علمی ترقی کی اور انگریزی زبان کے ادب پر بخوبی عبور حاصل کر لیا۔ اسی سلسلے مین پروفیسر گولڈ سکر کی توجہ سے سنسکرت زبان مین بھی مہارت حاصل کر لی،

۱۸۶۹ء مین سول سروس کے امتحان مین تخمیناً تین سو اُمیدوار شریک تھے لیکن پاس شدہ طلبا مین بابو سرنیدر وناتھ کا اڑتیسوان نمبر تھا، کامیابی کے بعد عمر کا جھگڑا پڑا اور آپ کا نام امیدواران سول سروس کی فہرست سے خارج کر دیا گیا لیکن بابو سرنیدر وناتھ کی درخواست پر انگلینڈ کی عدالت العالیہ نے پھر اجازت دیدی اور ان کا نام دوبارہ سول سروس کی فہرست مین لکھ لیا گیا۔

نبرجی نے ۱۸۷۱ء مین سول سروس کا امتحان پاس کیا تھا لیکن افسوس کہ ڈاکٹر درگاچرن بیٹے کی کامیابی کا مژدہ سننے سے پہلے ہی اس دنیا رفانی سے رحلت کر چکے تھے۔ یہ بھی عجب اتفاق ہے کہ ۲۰ فروری کو بابو درگاچرن کا انتقال ہوا اور ۲۱ فروری کو بابو سرنیدر وناتھ کے پاس ہونیکی خبر ملی۔

بابو سرنیدر وناتھ ولایت سے واپس آکر سلہٹ مین اسسٹنٹ مجسٹریٹ کے عہدہ پر مامور ہوے لیکن ابھی پورے دو سال نہ ہوئے تھے کہ ایک ناگہانی مصیبت مین مبتلا ہو گئے اور اس عہدے سے دستکش ہونا پڑا یہ ناگہانی مصیبت خود انھین کی ہاتھون

آئی تھی جسکا اعتراف انھون نے اپنی خود نوشت سوانحمری مین کیا ہے۔
واقعہ یہ تھا کہ ایک سرقے کا مقدمہ ان کے اجلاس مین پیش تھا اور بغیر کسی خاص وجہ کے اسکی تاریخین بڑھتی رہین ۳۱ دسمبر سنہ کو ملزم کا نام مفرورین کی فہرست مین شامل کر لیا گیا۔ اور جس حکم کے ذریعہ سے یہ کاروائی کیگئی تھی اسپر بابو سریندر ناتھ کے دستخط موجود تھے۔ چنانچہ اس حکم کے متعلق بابو سریندر ناتھ تحریر فرماتے ہین۔

در اصل یہ مجرم مفرور نہ تھا، اور اس حکم کا مقصد یہ تھا کہ مقدمہ اتنے دنون تک ملتوی رہنے کی توجیہ کیجائے یہ چال اکثر اہلمد وغیرہ الزام سے بچنے کے لیے چلا کرتے ہین۔

مین نے اس حکم پر کاغذات کے انبار کے ساتھ دستخط کر دیئے تھے۔

غرض یہ معاملہ ایک تحقیقاتی کمیشن کے سپرد ہوا کمیشن نے بابو سریندر ناتھ پر دو الزام عائد کئے۔

پہلا جرم یہ تھا کہ انھون نے دانستہ مجرم کو فراری کی فہرست مین لکھا اور دوسرا یہ کہ جب ان سے جواب طلب کیا گیا تو انھون نے لاعلمی کا اظہار کیا حالانکہ انھین علم تھا۔ اس تحقیقات کا نتیجہ یہ ہوا کہ بابو سریندر ناتھ برخاست کر دیئے گئے اور پچاس روپیہ ماہوار پنشن مقرر ہوئی۔

مشہور ہے کہ قلم ہونے کے بعد، درخت کی شاخین اور بڑھتی ہین چنانچہ یہی برخاستگی ان کی عزت وشہرت کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ پہلے تو انھون نے انگلستان جاکر اپنی بحالی کی کوشش کی لیکن جب مایوس ہوئے تو بیرسٹری کا امتحان دینا چاہا مگر چونکہ ایک جرم مین ماخوذ ہو چکے تھے اسلئے شرکت کی اجازت نہ ملی، بہرتقدیر بابو سریندر ناتھ کو مجبور ہوکر ہندوستان ناکام واپس آنا پڑا، یہان آکر۔ ایشور چندر ودیا ساگر کے مشورے سے درس وتدریس کے میدان مین قدم رکھا اور مختلف مدارس مین معلم رہے چونکہ طبیعت فطرتاً تعلیم وتعلم سے مانوس تھی۔ اسلئے وہ ترقی کرتے کرتے پروفیسری کے درجہ تک پہنچے اور آخر مین اپنا اسکول خود قائم کر لیا شروع شروع آپ کا اسکول

معمولی پیمانے پر تھا اور اس مین طلبا کی تعداد سو سے زیادہ نہ تھی لیکن رفتہ رفتہ آپ کے علمی شغف اور ستعدی نے اسکول کو ' رپن کالج بنا دیا اور اسمین دو ہزار طالب علم تعلیم پانے لگے،

۱۸۷۹ء مین اخبار بنگالی کا اجرا ہوا تو گویا آپ کی شہرت کیلئے قدرت نے ایک اور راستہ تیار کر دیا، آپ نے اپنے دوستون کے مشورے سے اخبار کے مالک بابو بیچارام سے اڈیٹری کی درخواست کی، اور بابو بچارام نے اخبار کے جملہ حقوق ان کے سپرد کر دیئے۔ اسوقت سے مرتے دم تک ماسوائے چندروز) بابو سریندر ناتھ نبرجی اخبار بنگالی کے اڈیٹر رہے،

اڈیٹری کے سلسلے مین ایکمرتبہ بابو سریندر ناتھ کو دو مہینہ کی سزائے قید بھی بھگتنی پڑی واقعہ یہ ہے کہ انھون نے ایک اخبار کا اقتباس شائع کرکے اس حکم پر نکتہ چینی کی تھی جو کلکتہ ہائیکورٹ کے ایک جج نے صادر کیا تھا۔ اور جسمین ایک پردہ نشین عورت کو بے پردہ عدالت مین حاضری کا حکم دیا گیا تھا، مرحوم کا خیال تھا کہ یہ حکم ہندوؤن کی کھلی ہوئی توہین ہے انھین یہ معلوم نہ تھا کہ جج نے فریقین کی رضامندی سے یہ حکم دیا ہے۔ آخر جج صاحب نے اس نکتہ چینی سے متاثر ہوکر ان پر مقدمہ دائر کر دیا اور انھین عدالت سے دو مہینہ قید کی سزا ملی۔

اس مصیبت نے بابو سریندر ناتھ کو اور بھی دلعزیز بنا دیا اور ہر شخص کو عدالت کی زیادتی اور انکی رہائی کا خیال پیدا ہوگیا۔

سریندر ناتھ نبرجی کے کارنامے حقیقتاً ہندوستان کی تاریخ کیلئے سرمایۂ ناز ہین۔ آپ نے ۱۸۷۶ء مین انڈین ایسوسی ایشن کی بنیاد ڈالی جس روز اسکا پہلا اجلاس تھا، شومئی قسمت سے اسی روز انکے اکلوتے لڑکے کا انتقال ہوگیا اسلیے وہ شریک نہ ہوسکے لیکن اسکے بعد تمام اجلاسون مین وہ شرکت کرتے رہے آپ نے ہندوستان کے مفاد کے لیے انگلستان کا سفر کیا اور باشندگان انگلینڈ کو ہندوستانیون کے حال زار سے مطلع کرنے کیلئے کم و بیش تیس چالیس جلسون مین

تقریرین کین۔

آپ نیشنل کانفرنس کے پرجوش حامی تھے۔ دو دفعہ آپ اسکے پریسیڈنٹ مقرر ہوئے تھے۔ پہلی مرتبہ ۱۹۱۲ء مین جب کانگریس کا اجلاس احمدآباد مین ہوا تو صدارت کے لیے آپ ہی انتخاب کئے گئے۔ تقسیم بنگال کے سلسلے مین بھی آپ نے نمایان خدمات انجام دین حتی کہ باریسال کے مجسٹریٹ نے انکو گرفتار کرکے قید کی سزا دی۔ لیکن اس سزا سے اُن قومی خیالات مین ذرا بھی تغیر نہوا اور وہ جس اُصول کو قوم کے لیے مفید سمجھتے رہے اسپر دلیری سے قائم رہے۔

آخر آخر مین قوم اُن کے اُصول کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھنے لگی اسلئے کہ وہ مہاتما گاندھی کے خیالات کے حامی اور گورنمنٹ سے تعاون عمل کرنے کے مخالف نہ تھے۔ چنانچہ بنگال کونسل مین گورنمنٹ بنگال نے انکو وزیر مقرر کیا تھا اور سر کا خطاب بھی دیا تھا۔ لیکن اس گورنمنٹ پرستی سے یہ نتیجہ نکالنا بہتر نہ ہوگا کہ وہ قوم کے خیرخواہ نہ تھے اور ملک کی بھلائی انھین ویسے منظور نہ تھی۔ یہ دوسری بات ہے کہ جس چیز کو مہاتما گاندھی وغیرہ قوم کی بہتری کے لیے ضروری سمجھتے ہون۔ وہ ان کے نزدیک وقیع نہ ہو اور سچ پوچھئے تو مسٹر بنرجی کے خیالات ایک حد تک درست تھے اور آج بھی زمانۂ موجودہ کی روش عام سے صاف صاف نمایان ہو رہے ہین۔

غرض بابو سریندر ناتھ بنرجی قوم و ملک کے سچے خیرخواہ تھے۔ آپ نے اپنی تمام عمر ملک و ملت کی خدمات مین بسر کی۔ اس زمانہ مین بھی قوم و ملک کو ان سے بہت توقع تھی لیکن افسوس ہے کہ ۵ راگست ۱۹۲۵ء کو بیرحم موت نے اِس زبردست مقرر اور اخبار نویس کے لب پر ایک دائمی مہر سکوت لگا دی اور وہ دل جسکی ہر تڑپ مین علم و عمل کا ایک جوش و خروش شامل رہتا تھا سکون ابدی کی آغوش مین جاکر ہمیشہ کے لیے ساکن ہوگیا۔

تذکرۂ دہلی[1]

باب ۴ غدر دہلی

(مصنفہ سی۔ ایف۔ اینڈ ریوز)

زمانہ مابعد مین کسی شخص کے لیے یہ امر آسان نہ تھا کہ وہ منشی ذکاء اللہ سے خاص غدر کے حالات معلوم کرتا اور وہ باتین دریافت کرتا جنکا مشاہدہ اُنھون نے خود اپنی آنکھون سے کیا تھا۔ بات یہ ہے کہ یہ مضمون ان کے لئے سخت تکلیف دہ تھا اور اسی وجہ سے وہ ہمیشہ اسکے متعلق گفتگو کرنے سے گریز کرتے رہے سوائے خاص خاص مواقع کے جبکہ انھین اسکے متعلق خصوصیت کیساتھ کچھ کہنے کی ضرورت پیش آتی تھی۔ لہذا جو واقعات یہان جمع کئے گئے ہین وہ اُس معلومات پر مبنی ہین جو بہت سی گفتگوؤن کے دوران مین زیادہ تر بالواسطہ اشارون اور رائے زنیون کے ذریعہ حاصل ہوئی ہے۔

خاندانِ ذکاء اللہ کے قدیم مربی یعنی دربار مغلیہ کے عام انحطاط کی وجہ سے جو عُسرت کی حالت پیدا ہوگئی تھی اسکے باعث خود ذکاء اللہ اوائل عمر مین شادی سے اجتناب کرنے پر مجبور ہوئے اور اسطرح سے وہ اُس عام رسم کی پابندی سے گریزان رہے جو شمالی ہندوستان کے مسلمانون مین رائج تھی۔ جہان تک ان کی ذات کا تعلق تھا اُنھون نے یقیناً بہت بڑی قربانی کی۔ کیونکہ فطرتاً وہ خانہ نشین واقع ہوئے تھے اور بچون کے بہت شیدا تھے۔ لیکن حسن اتفاق دیکھو کہ جب غدر کی شورش برپا ہوئی ہے تو محض اوائل عمر مین شادی نہ کرنے کی وجہ سے خود ان پر اپنی بیوی بچون کی نگرانی کا بار نہ تھا۔ اُسوقت ان کی عمر پچیس برس کی ہو چکی تھی۔

غدر کے خوفناک ایام مین محض اسوجہ سے کہ وہ شادی شدہ نہ تھے۔ وہ بہت سے

[1] تذکرہ دہلی سلسلہ کے لیے ملاحظہ ہو زمانہ اگست ۱۹۲۵ء

رہے اسلیئے کہ وہ اپنی تمامتر توجہ اپنے والدین پر جواب بوڑھے ہو چلے تھے، اور نیز اپنے نو عمر بھائیون اور بہنون پر جوان کی حفاظت کی محتاج تھین، مبذول کر سکتے تھے۔ ذاتی طور پر وہ اپنے گھر کے عیسائی دوستون کے متعلق حد درجہ پریشان تھے جو ان کیساتھ دہلی کالج مین تھے۔ انمین بعض ایسے بھی تھے جن سے انہین بہت محبت تھی اور اسلیئے اُنہون نے مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ جہانتک بن پڑیگا مین انکو بچانے کی کوشش کرونگا۔

یہ داستان بیان کیجا چکی ہے کہ جب بغاوت برپا ہوئی اور باغی میرٹھ سے دہلی آپہنچے، اور اُنہون نے شہر کو شورش کر دینے پر آمادہ کر لیا تو وہ کسطرح سے اولین موقع پر اس بات پر آمادہ ہوگئے تھے کہ بخطر امکان اپنے پیارے پروفیسر رامچندر کو جنہون نے عیسائی مذہب اختیار کر لیا تھا، بچائین۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ باغیونکو اس بات کی خبر مل چکی تھی کہ ذکاءاللہ اور رامچندر کے درمیان کہانتک دوستانہ تعلقات قائم ہین اور محض اس بات سے کہ شہر کے لوگون کا غلطی سے یہ خیال ہوگیا تھا کہ ذکاءاللہ عیسائی بنا چاہتے ہین ان کے خلاف شبہہ کی شدت مین اور اضافہ کر دیا۔ اس موقع پر انہین خود اس امر کا سخت خوف دامنگیر تھا کہ کہین باغی میری جان کے دشمن نہ ہو جائین۔

دہلی کالج کے نو عمر طلبا کے لیئے جو جدید علوم حاصل کرنے مین مشغول تھے، غدر کی آمد ایک سخت اور خوفناک مصیبت تھی جس سے بیک جنبش ان کی تمام آرزوؤن اور مقاصد پر پانی پھر گیا۔ خود ان کے پرنسپل مسٹر ایف۔ ٹیلر شورش مین مارے گئے۔ کئی ہفتون تک پروفیسر رامچندر کی بابت کوئی خبر سننے مین نہین آئی اور اسکی وجہ سے یہ افواہ پھیل گئی کہ وہ بھی مارڈالے گئے ہین۔ طلبا مین سخت ہیجانی کیفیت پیدا ہوگئی تھی اور وہ پریشان تھے کہ کیا کرین اور کیا نہ کرین۔ ان کے لیئے ناممکن تھا کہ خود اپنے ملکیون کے خلاف جنھون نے بغاوت کا جھنڈا بلند کر دیا تھا، کوئی کارروائی عمل مین لائین لیکن ان کے لیئے یہ امر اس سے زیادہ ناممکن تھا کہ وہ بغاوت مین ان کے شریک کار بن جائین۔ ایک طالب علم نے بھی موخرالذکر راستہ اختیار نہین کیا اور یہ امر واقعہ ہے کہ جتنے عرصہ تک شہر باغیون کے ہاتھ مین رہا ان سب پر شبہہ کی نظرین پڑتی ہین۔

جہانتک مین خود منشی ذکا اللہ کے بیانات سے اندازہ کر سکا ہون اُنہون نے خانہ نشینی اختیار کر لی تھی اور دوسرون کو بھی یہی طرز عمل اختیار کرنیکی رائے دی تھی۔ حتی الامکان وہ اپنے مکان ہی مین بند رہتے تھے اور مشکل سے کبھی گھنٹہ بھر کے لئے باہر نکلتے ہون تو نکلتے ہون ورنہ وہ گھر بیٹھ کر مطالعہ مین مصروف رہا کرتے تھے اور جہانتک بن پڑتا تھا وہ بیرونی معاملات سے اپنے تئین الگ تھلگ رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ اس درمیان مین گھر کی مشکلات مین اضافہ ہوتا گیا اور کئی مرتبہ انہین اپنے تمام متعلقین کے لئے روٹی کا انتظام کرنے مین سخت دقت محسوس ہوئی۔ کھانے پینے کی جسقدر چیزین تھین ان کی قیمت بہت گران ہوگئی تھی اور بعضون اُن پر بے انتہا عسرت کا زمانہ گذرا۔

ایک سے زیادہ مرتبہ اُنہون نے مجھ سے بیان کیا تھا کہ ایسی مصیبت کے وقت مین مجھے سب سے زیادہ سکون اور اطمینان دعا سے حاصل ہوا۔ اُنہون نے مجھ سے فرمایا کہ اس مصیبت و ابتلا کے زمانہ مین میرا تمام تر سہارا خدائے برتر کی ذات تھی اور اگر میرا خدا پر ایمان نہ ہوتا تو میرے لئے اس وقت مین سے گذرنا ناممکن تھا۔ لیکن اس سے سخت تر کشمکش قسمت مین لکھی تھی اور یہ مصیبت غدر کے آخری دور مین نازل ہوئی جب کہ ہم بے خان ومان رہ گئے تھے۔ ایسے وقت مین جس چیز سے مجھے سب سے زیادہ تقویت حاصل ہوئی وہ دعا تھی"

جب بالآخر نکلسن کی ماتحتی مین کشمیری دروازہ پر دھاوا کیا گیا اور انگریز شہر پر دوبارہ قابض ہوگئے تو نکلسن خندق مین گر پڑا اور عین فتح کی حالت مین اسکا انتقال ہوگیا۔ اسکی موت نہ صرف انگریزون کے لئے بلکہ شہر کے لئے ایک مصیبت تھی کیونکہ وہ بہت مضبوط کیرکٹر کا شخص تھا اور تمام شمالی ہندوستان مین وہ دلیری اور راستبازی کے لئے مشہور تھا۔ وہ ارادے کا پکا تھا اور اسلئے یہ بالکل ممکن تھا کہ وہ فتح کے بعد اپنی افواج مین نظام قائم رکھ سکتا جبکہ کوئی دوسرا شخص نظام پیدا کرنے سے قاصر رہتا۔

مبالغہ سے قطع نظر کرتے ہوئے یہ بیان کردینا مناسب ہوگا کہ مابعد کے تباہی انگیز ایام مین کیا کیا واقعات ظہور پذیر ہوئے۔ یہ واقعات مین اپنے الفاظ مین بیان نہ کرون گا

بلکہ وہ اُن مراسلات اور خط و کتابت کی زبان مین بیان کئے جائینگے جسے گورنمنٹ آف انڈیا (حکومت ہند) کے محکمہ خبر رسانی نے دو جلدون مین شائع کیا ہے۔مین انہین کی رائے کو حتی الامکان نہایت اختصار سے بیان کرونگا۔

سب سے پہلے ہمارے سامنے کمشنر سی بی ساونڈرز کی رپورٹ ہو جو آگرہ مین ولیم مور (جو بعد مین ولیم میور کہلائے) کے نام بھیجی گئی تھی۔ وہ رقمطراز ہین :۔

"صرف وہی لوگ جو موقع پر موجود تھے (حملہ کے بعد) ہمارے کمانڈرون کی مشکلات سے واقف ہو سکتے ہین۔تمام فوج کلیتہً سخت بے ترتیبی کی حالت مین تھی اور حملہ کے تین گھنٹے کے اندر اندر تو رہے سہے نظام کا بھی خاتمہ ہوگیا۔ہماری یورپین افواج کے بیشتر سپاہی دو دن تک تو گویا سخت جنون کی حالت مین مبتلا تھے۔ہندوستانی سپاہیون کی بھی قریب قریب یہی حالت تھی اور جو لوٹ مار اور مال غنیمت ان کے ہاتھ لگا اسکی وجہ سے ان مین مساوی نظمی پیدا ہوگئی تھی"

یہی افسر ایک دوسرے مراسلہ مین ولیم مور کیخدمت مین حسب ذیل الفاظ مین اختصار کے ساتھ صورتِ حالات کا نقشہ پیش کرتا ہے :۔

"جنرل ولسن نے حکم دیدیا تھا کہ حفاظتی ٹکٹ اسوقت تک باکار نہ سمجھے جائینگے جبتک کہ انکے مقابل مین میرے دستخط ثبت نہونگے۔اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ صرف چند اشخاص ہی حفاظت سے مستفید ہو سکے۔مکانات کے لئے محافظ سپاہی مہیا نہ کئے جاسکے اور ابھی دو دن نہ گذرے تھے کہ کوئی مکان ایسا نہ بچا جسکی اچھی طرح سے تلاشی نہ لی گئی ہو اور اسے لوٹ نہ لیا گیا ہو۔گورنمنٹ کے دوستون اور دشمنونکو اس طریقہ کارروائی سے مساوی نقصان پہنچا۔شہریون کی زیادہ تر دولت دیوارون مین چن دی گئی تھی اور انپر چونے کا پلاستر چڑھا دیا گیا تھا۔سکھون اور فوجی محکمہ کے دوسرے اشخاص کو بہت جلد یہ راز معلوم ہوگیا اور اسطرح سے بہت سی دولت لوٹنے والون کے ہتھے چڑھ گئی اور انعامی فنڈ مین داخل نہین ہوئی۔

"انعام جمع کرنیوالے ایجنٹ فوج کا عام طور پر یہ خیال ہے کہ کسی طرح تمام شہر فوج کی ملکیت قرار دیدی جائے اسلئے کہ بقول انکے اسپر دوران حملہ مین قبضہ کیا گیا ہے اور وہ سب انکا حق

مین ہین کہ منقولہ اور اُنکی غیر منقولہ اور ذاتی جائداد پر قبضہ کرلین۔

"اسکا نتیجہ یہ نکلا ہو کہ شہر کی تمام دولت، کم سے کم وہ حصّہ جو خود مختار لوٹ مار کرنیوالون کے چنگل سے بچ رہا ہے، راتون رات یہان سے منتقل کردیا گیا ہے اور حفاظت و ضمانت کا غلط استعمال کیا گیا ہے۔ شہر کی ایسے کامل طریقے سے تلاشی لی گئی ہے اور اُسے ایسی بُری طرح لوٹا گیا ہے کہ جن چیزون کو آپکے ہاتھ نہین لگایا گیا ہے ان کی کچھ زیادہ قیمت نہین آتی۔۔۔۔ حکام نے مال و اسباب کا تصفیہ کرنے مین کسی مقررہ اُصُول پر عمل نہین کیا، بلکہ برخلاف اسکے تمام کارروائی مین عدمِ اُصُول کی حقیقت نمایان رہی ہے"

یہ بات بسا اوقات بیان کی جاتی ہے کہ انگریزی سپاہیون کا یہ جنون اُن انگریز عورتون کی عصمت دری کے سُننے سنائے واقعات پر مبنی تھا جو دوران غدر مین قتل ہوئی تھین۔ چونکہ باغیون کے خلاف یہ الزام بار بار دہرایا گیا ہے اور اسکی وجہ سے ایسے انگریزی فسانہ نگارون کو سنسنی خیز ناول لکھنے کا مواد ہاتھ آگیا ہے جنھون نے حالاتِ غدر کو پبلک کے سامنے کہانی کی صورت مین پیش کیا ہے لہذا اس موقع پر اس شہادت کو پیش کرنا مناسب ہوگا جسے عین موقع واردات پر قلمبند کیا گیا تھا۔ مسٹر ولیم مور جو شورش زدہ علاقہ جات مین محکمہ خبر رسانی کے افسر اعلیٰ تھے اور جو غالباً تمام سول حکام مین سب سے زیادہ باخبر شخص تھے کیونکہ انھین واقعاتِ غدر سے براہ راست تعلق تھا، ۳۰ دسمبر ۱۸۵۷ء کو حسب ذیل عبارت لکھتے ہین:-

"گورنمنٹ کے ہیڈ کوارٹر واقع آگرہ کے محکمہ خبر رسانی سے تعلق رکھنے کی وجہ سے مجھے گذشتہ چھ ماہ مین ملک کے تمام حصص کے قاصدون اور خبر رسانون اور جاسوسون سے ملنے کا اتفاق ہوا ہے۔ مین خوشی کے ساتھ تصدیق پیش کرتا ہون کہ آجتک میرے علم مین یہ بات نہین آئی ہے کہ اسی قسم کا کوئی واقعہ ہوا ہو جس سے عصمت دری کی اُن کہانیون کی تائید ہوتی ہو جو ہمارے اخبارات مین آئے دن شائع ہوتی رہتی ہین۔ جہان کہین عینی شہادت حاصل ہوسکی ہے وہ سب کی سب سختی کے ساتھ ان واقعات کیخلاف رہی ہے۔

وہ لوگ جنھین یقیناً خبر ہوسکتی تھی بشرطیکہ عصمت دری کے واقعات ظہور مین آئے ہوتے (کیونکہ وہ ہمین بالیقین انکی اطلاع دیدیتے) بالکل انکار کررہے ہین اور کہہ رہے ہین

کہ اس قسم کے واقعات نہ تو ہوئے اور نہ انکا کسی نے خیال ہی کیا۔ اس بارے مین لوگون کی
رائے بشرطیکہ ہم نے (جیسا کہ مین یقین کرتا ہون) اسے صحیح صحیح سمجھا ہو، غلط نہین ہوسکتی،
"مخالفانہ شہادت کے وسیع انبار کا جو بہت سے امور مین براہ راست اور یقینی ثبوتون
پر مبنی ہے، اندازہ کرتے ہوئے یہ بات اطمینان کے ساتھ بیان کی جاسکتی ہے کہ اس امر کا
یقین کرنے کے مناسب وجوہ موجود ہین کہ قتل کرنے سے پہلے عصمت دری کا ایک بھی واقعہ
ظہور مین نہین آیا"

باقی رہا یہ امر کہ باغیون کے ہاتھون بہت سی انگریز عورتین اور کچھ انگریز بچے قتل ہوئے ہین
تو اسپر کبھی کسی نے اعتراض نہین کیا۔ بلکہ اس کی وجہ سے مذکورہ بالا الزام کا خیال اپنے ذہن سے
نکالنے مین ایک گونہ مدد ملتی ہے۔ شہر دہلی پر قبضہ کرتے ہی نہ صرف مسٹر مور کی شہادت
قلمبند کر لی گئی تھی بلکہ خاص تحقیقاتی کمیشن بھی جس کے اجلاس آگرہ مین ہوتے تھے
اور جس نے اختتام سال ۱۸۵۷ء سے پیشتر اپنی رپورٹ پیش کر دی تھی، اسی نتیجہ پر پہنچا تھا۔

لیکن یہ ایک افسوسناک حقیقت ہے کہ اسکے بارے مین پختہ افواہین پھیل چکی تھین
اور جو جنون یورپین افواج مین دیکھنے مین آتا تھا، وہ کسی حد تک انہی افواہون کی وجہ سے
پیدا ہوا تھا۔ مگر یہ امر کسی نوع اُن واقعات کو قابل معافی قرار نہین دیسکتے جو دہلی مین وقوع
پذیر ہوئے، جو انگریزی فوج کی تاریخ پر بدنما دھبہ ہین اور جنکے اثرات بعد مین اخلاق اور
نفسیات کے نقطہ نظر سے سخت تباہ کن ثابت ہوئے۔

قبضہ دہلی کے بعد کئی دن تک کسی کی زندگی امن مین نہ تھی۔ ہر جگہ قتل کے واقعات
ظہور مین آرہے تھے۔ ذکاءاللہ کی نازک اور حساس نظرت نے ان واقعات کا بچشم خود مشاہدہ
کیا۔ وہ سب واقعات کے عینی شاہد تھے اور ان کے دل کی آنکھ سے وہ نظارہ کبھی محو
نہین ہوسکتا تھا۔ جس پروفیسر کی وہ دنیا مین سب سے زیادہ عزت کرتے تھے اور جو ان کے
نزدیک محبوب ترین شخص تھے، یعنی مولوی امام بخش جو ایک مقدس آدمی تھے اور جنہون
نے جدید انگریزی علم و فن کو ترقی دینے اور خود بھی اس کی روشنی سے مستفید ہونے کی
حتی المقدور کوشش کی تھی، انکا قتل غالباً سب واقعات سے زیادہ دردناک تھا۔ ابتدا

میں جس قسم کے جذبہ کا اظہار باغیوں کے خلاف کیا جا رہا تھا جنہوں نے مسٹر ٹیلر کے علاوہ اور بہت سے انگریزوں کو (جن میں عورتیں اور بچے بھی شامل تھے) موت کے گھاٹ اتار دیا تھا، بعینہ اسی جذبہ کا اظہار فاتح انگریزوں کے خلاف کیا گیا جنہوں نے عین فتح کے عالم میں اسی قسم کی زیادتیاں روا رکھیں۔ ہمایوں کے مقبرہ میں شاہزادگان کے قتل کی خبر نے اس جذبہ میں خوفناک شدت پیدا کر دی تھی۔

لیکن یہی مصائب فوراً بعد ہی خود ان کے گھر اور خاندان پر نازل ہونے والے تھے یہ حکم نافذ ہوا کہ قلعۂ دہلی از جامع مسجد کے درمیانی رقبہ کے تمام مکانات کو زمین کے برابر ہموار کر دیا جائے۔ یہ انتہائی کارروائی سزا کے طور پر اور جنگی وجوہ کی بنا پر اختیار کی گئی تھی۔ ان مکانات کا معاوضہ ادا نہیں کیا گیا اور اس طریقہ سے مجرم اور بیگناہ ہر دو ناگہانی مصیبت کا شکار ہوئے۔

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے ذکاء اللہ کا خاندانی مکان اور جائداد اسی معتوب رقبہ میں واقع تھی۔ لہذا وہ اپنے بوڑھے باپ اور بوڑھی ماں اور گھر کے دیگر افراد کے ساتھ دوسرے ہزارہا بیگناہ اشخاص کی طرح نہایت بے رحمی کے ساتھ نکال دیے گئے۔ گھر سے اس شان کے ساتھ نکالے گئے تھے کہ ان کے پاس ایک پیسہ بھی نہ تھا اور وہ سب بالکل خانماں برباد اور بے سر و سامانی کی حالت میں تھے۔ اور یہ مصیبت ایسے زمانہ میں ان پر نازل ہوئی تھی جبکہ ہزارہا اور آدمی بھی ان ہی کی سی حالت میں مبتلا تھے۔ شہر میں کوئی جگہ ایسی نہ تھی جہاں پناہ کی غرض سے وہ جانے کا خیال کر سکتے ہوں۔

ابھی ایک تباہ کن سفر انکو درپیش تھا یعنی یہ کہ مضافات میں بھاگ کر جائیں تاکہ وہاں اپنے لئے کوئی جائے پناہ تلاش کریں تمام خاندان حضرت نظام الدین اولیا کی درگاہ کی جانب روانہ ہو گیا جہاں رات کو وہ کھلے میدان میں آ جاتے تھے اور دن کو کسی کھنڈر میں چھپ جاتے تھے۔ وہ ہر وقت سہمے سے رہتے تھے اور سمجھتے تھے کہ ہمارا آخری وقت آن پہنچا ہے۔ مجھ سے منشی ذکاء اللہ نے صرف ایک دو مرتبہ ہی اس زمانہ میں اپنی بھوک پیاس کی تکالیف اور خوف و ہراس کے واقعات بیان کئے تھے۔ مابعد کے زمانہ میں ان پر یہ

حقیقت اچھی طرح سے واضح ہوگئی تھی کہ ان کے والد کے اُمید افزا اعتقاد کی سپرہی نے بالآخر انھیں محفوظ رکھا۔

اگرچہ دوسری جگہ میں بہت کچھ بیان کرچکا ہوں تاہم اس مقام پر بھی میں ایک دو کہانیاں جو اُنہوں نے مجھے سنائی تھیں، ضرور بیان کرونگا۔ انکا بیان ہے کہ ایک رات تو انھیں بالکل نیند نہیں آئی کیونکہ جو اشخاص انھیں اپنی جان سے زیادہ عزیز تھے وہ نہایت کرب و بلا میں مبتلا تھے اس رات کو وہ خاموشی کے ساتھ اپنے والد کی گہبانی کرتے رہے ثنا ء اللہ نے یہ رات عبادت میں گذاری۔ ان کا چہرہ رات کی تاریکی میں نہایت روشن تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ روشنی ان کے دلمیں سے نکل رہی ہے۔ صبح کے وقت انہیں معلوم ہوا کہ لٹیروں کا ایک گروہ لوٹنے اور قتل کرنے کی نیت سے رات کو یہیں اسی جگہ آیا تھا مگر وہ سب لوٹ گئے اور اسطرح سے سارا خاندان مصیبت سے محفوظ رہا۔ ذکاء اللہ کو کامل یقین تھا کہ ہم سب کی نجات محض اسوجہ سے ہوئی ہے کہ ابّا جان کو خدائی امداد پر پورا پورا بھروسہ تھا۔

اب یہ سمجھنا مشکل نہیں ہوگا کہ ذکاء اللہ کو جو ذہنی تکلیف اپنی شکستہ امیدوں اور سطح نظر کی وجہ سے پہونچی ہوگی وہ اُس جسمانی عقوبت کے مقابلہ میں بہت زیادہ تھی جسے انہوں نے اور ان کے اعزا نے اُس دورِ مصیبت میں برداشت کیا تھا۔ میں اسے تفصیل کے ساتھ اسوقت بیان کرونگا جب میں انہی کے الفاظ اور ان کی بات چیت دہراؤنگا۔ بہت عرصہ تک ذہنی بے چینی کا بھوت ان کے دماغ پر مسلط رہا اور ذہنی خراب دینے والے خیالات کے ہجوم نے ان میں ایک گونہ نا اُمیدی و مایوسی پیدا کر دی تھی۔

لیکن انتقام کا یہ جنون زیادہ عرصہ تک قائم نہیں رہا۔ رحم دل کیننگ نے اپنی شرافت کی وجہ سے بہت جلد اخلاقی تبدیلی پیدا کردی اور افواج میں از سر نو امن و امان قائم کیا۔ اُنہوں نے ہی انتقام کی پالیسی کو کلیتہً مسترد کر دیا اور اگرچہ وہ اس نام نہاد کمزوری کے باعث اپنے ہم ملکیوں کے غصہ و رنج کے شکار رہے تاہم تاریخ نے ان کے طرزِ عمل کو

حق بجانب ٹھہرایا ہے۔

ذکاءاللہ کے دل سے رفتہ رفتہ وہ تمام اثرات زائل ہو گئے جو غدر کے تباہ کن واقعات اور مابعد کے انتقامی کارروائیوں کی وجہ سے پیدا ہو گئے تھے۔ قدرت اپنے زخموں کو اُن زخموں کے مقابلہ میں جو انسان کے دل میں لگتے ہیں، بہت جلد چنگا کر دیتی ہے میرے پاس ایک افسر مسمی لفٹنٹ براؤن کے ہاتھ کی لکھی ہوئی مشہور و معروف چٹھی کی نقل موجود ہے جس میں اُنہوں نے غدر کی مصیبت کے بعد کے ضلع دہلی کی حالت کا تذکرہ کیا ہے۔

وہ رقمطراز ہیں کہ "مضافاتِ دہلی کے جہاں ہر طرف زرخیز فصلیں کھڑی تھیں مسکراتے ہوئے چہرہ کو دیکھکر مشکل سے یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ وہ حال ہی میں خوفناک واقعات کا منظر رہ چکے ہیں۔ لوگ ہر طرف ہل چلا رہے ہیں اور بیج بو رہے ہیں اور خدا تعالیٰ نے دیہات والوں کو اعلیٰ درجہ کی فصلیں عطا کی ہیں"

منشی ذکاءاللہ کی اسپرٹ میں غدر کے بعد فوراً ہی نہیں بلکہ جوں جوں زمانہ گذرتا گیا خوشی و تازگی پیدا ہوتی گئی۔ اُنہوں نے بھی اپنی زندگی کے کھیت میں از سر نو ہل جوتنا اور بیج بونا شروع کر دیا اور گھاس پھوس کو کاٹنے اور اچھی زمین کو تیار کرنیکی ابتدا کر دی۔ بالآخر اُنہوں نے نہایت آزادی کیساتھ دوبارہ علوم جدیدہ کی ترویج کا کام اپنے ہاتھ میں لیا۔ انکی زندگی میں ایک جدید عقیدتمندی پیدا ہو گئی تھی اور یہ عقیدتمندی تھی ملکہ وکٹوریہ آنجہانی سے تھی جنہوں نے ہندوستان کو وہ چیز عطا کر دی تھی جسکی نسبت منشی جی پورے یقین رکھتے تھے کہ وہ اسکے لئے پروانۂ آزادی ہے۔ انکے خیالات میں از سر نو جان پڑ گئی اور تھوڑے عرصہ بعد ہی ان کی دنیوی حالت بھی سدھر گئی اسکے بعد اُنہوں نے خود اپنی پسند سے شادی کی اور ہمیشہ اپنی انتخاب کردہ بیوی کے ساتھ گہری اور غمگسارانہ محبت روا رکھی، خوشی کے سال بہت جلدی گذرے اور اس اثنا میں وہ خود دو بچوں کے باپ بن گئے تھے۔ انکا گھرانہ لڑکوں پر مشتمل تھا اور ایک ایسے شخص کے دل میں جسکی فطرت میں بچہ کا سا دل ودیعت کیا گیا ہو، اب باپ بننے کی غیر محدود خوشی و مسرت پیدا ہو گئی تھی۔ اُنہوں نے اپنی بیوی کی مخلصانہ محبت کی تکمیل اپنے بچوں کی محبت میں پائی خدا تعالیٰ کی اِن روحانی برکتوں کے تحفے نے غدر کے پرانے زخموں کو مندمل کر دیا جس سے انکی سطح پر ورخوشی لوٹ آئی اور انکی زندگی کا دور از سر نو شروع ہو گیا۔

(ترجمہ) ضیاءالدین احمد برنی

خوابگاہِ راون

والمیک جی کی تصنیف کردہ رامائن مین ، ادبیات و جذبات کا ایسا خزانہ پوشیدہ ہے ، جسکے جواہر ریزون کی چمک ، آنکھوں مین نور اور دلمین سرور پیدا کرتی ہے ، جس صفحے کو ملاحظہ کیجئے - نیرنگی خیالات کی ایک نئی دنیا آنکھوں کے سامنے آجاتی ہو اگرچہ اسکا اصلی لطف تو سنسکرت دان حضرات ہی اُٹھا سکتے ہین لیکن ترجمہ بھی کچھ کم لطف انگیز نہین ہم یہان پر خوابگاہ راون کا وہ دلفریب بیان ہدیہ ناظرین کرتے ہین - جسکو والمیک جی نے اُس موقعہ پر قلمبند کیا ہے جب ہنومان جی سیتاجی کی تلاش مین راون کے محل واقعہ لنکا مین پہونچے ہین -

سری ہنومان جی سیتا جی کی تلاش مین رفتہ رفتہ راون کی شبستان عیش تک پہونچگئے یہ وہ جگہ تھی جو راون کے لئے جان عیش اور ایمان مستی تھی ، اسکی دیوارین جواہرات کے دریا مین غرق تھین ، گویا ہر طرف دوشیزہ عورتین ، جگمگاتے ہوئے زیورات مین لدی ہوئی خاموش کھڑی ہین ، فرش کی صفائی مین ، جواہرت کی چمک اور موتیونکی آب شریک تھی جسکی ایک جھلک انسانی جذبات کے عمیق سمندر مین ایک طوفان عظیم برپا کرسکتی ہے ، جا بجا ہاتھی دانت اور چاندی سونیکے پچیکاری تھے اور جواہرات کے خوشنما بیل بوٹے تراشے گئے تھے ، کمرے کی چھت جواہرات کے ستون پر قائم تھی ، اور یہ ستون مصنوعی چڑیونکی پشت پر (جو پر پھیلائے ہوئے مائل پرواز تھیں) نصب کئے گئے تھے ، معلوم ہوتا تھا کہ یہ چڑیان ان زرین ستونونکو لیکر اڑجانا چاہتی ہیں ،

بیش قیمت عطریات سے سارا کمرہ معطر ہو رہا تھا ، بادی النظر مین یہ دھوکا ہوتا تھا

کہ جواہرات کے مصنوعی پھول سچ مچ خوشبو دے رہے ہیں، وسط کمرے میں راون ایک آراستہ اور پُر تکلف پلنگ پر محو خواب تھا، اگر کا دھواں (جس سے کمرے کی ساری فضا، عنبر بیز ہو رہی تھی) اپنی خوشبو سے در و دیوار تک کو مست بنا رہا تھا،

ہنومان کو رہ رہ کے شبہہ ہوتا تھا کہ شاید یہی اندرلوک ہے، یا میں کسی اور دنیا میں آگیا ہوں، رتن کے کھمبے جن پر چراغ روشن تھے، راون کے جمال و جلال کے سامنے شرما رہے تھے، جیسے کوئی جواری اپنی ساری دولت ہار کے پچھتا رہا ہو، شمعوں کی روشنی راون کے تیج اور جواہرات کی چمک دمک سے مل جل کر ایسی نظر فریب ہو گئی تھی، کہ معلوم ہوتا تھا، کمرے کی فضا میں آگ لگی ہوئی ہے،

ہنومان کی نظر ان نازنینوں اور مہ جبینوں پر پڑی، جو مختلف رنگ کے لباس سے ملبوس اور جڑاؤ زیوات سے مرصع تھیں، اور راون کی نصف شب تک کی خدمتگذاری سے تھک کر شراب کے نشے سے مخمور ہو کر سو رہی تھیں، سب کی سب اسطرح ایک جگہ پڑی تھیں جیسے کنول کا جنگل بغیر بھونرے اور ہنس کی آواز کے دلوں کو للچاتا ہو، ان مہ جبینوں کے دانت کھلے اور آنکھیں کنول کیطرح بند تھیں، انکے منھ ایسے معلوم ہوتے تھے، جیسے نصف شب کے بعد پھولا ہوا کنول اپنی پنکھڑیوں کو سمیٹ لیتا ہے، خوبصورت ملیح و صبیح چہرے کے گرد زلف عنبریں اسطرح بکھری ہوئی، سانس کی جنبش سے ہل رہی تھی، گویا کنول کے کھلنے کی تمنا میں، بھونرے صف باندھکر کنول کا طواف کر رہے ہیں، ہنومان جی کو شبہہ ہوا کہ شاید ان پریوں کے منھ کنول کی پنکھڑیوں کے بنائے گئے ہیں،

ان ماہ پاروں کے جلوؤں نے کمرہ اسطرح جگمگا رہا تھا جیسے جاڑے کی راتوں میں آسمان رونق پاتا ہے، ان تاروں کے درمیان راون چاند کیطرح محو خواب تھا۔

یہ مست شباب عورتیں نشۂ خواب سے مخمور ہوکر، فرش پر بیجابانہ انداز سے محو استراحت تھیں، انکی گہری نیند، اور مخمور کروٹوں سے ظاہر ہوتا تھا کہ راون کی گرمجوشیوں نے انھیں چور چور کر ڈالا ہے۔ انکے حسن خوابیدہ کا یہ عالم تھا کہ گویا باد تند نے صحن چمن میں، شاخوں سے توڑ توڑ کے پھول بکھیر دیئے ہیں،

تھکا ہوا مسافر جب منزل پر پہونچکر سوتا ہے تو اسے اپنے جسم کی سدھ بدھ نہین رہتی
بعینہ یہی حال ان متوالی کنیزون کا تھا، جو راون کی ہوس پرستیون کے اثر سے، غفلت کی
نیند مین مست تھین، انکے زیوات کھسک کھسک کر راون کو رقیبانہ انداز سے دیکھ رہے
تھے، ان سب کے سونے کا انداز بھی جداگانہ تھا، جو جہان فرش پر بیٹھی تھی، وہین لیٹ
گئی تھی، پاؤن سے گھونگرو چھوٹ چھوٹ کے الگ ہوگئے تھے، ہار ٹوٹ کر فرش پر
بکھر گئے تھے جسم نازک سے کپڑے سرک سرک کے ایک عجیب عالم دکھا رہے تھے، اور
کمرے کی فضا سناٹے کے عالم مین للچائی ہوئی نظر سے دیکھ رہی تھی، جیسے کوئی مست ہاتھی
کسی ہری بھری سبزہ زار کو پامال کرکے چلا گیا ہو اور ملے دلے ہوئے سبزے زمین سے لپٹے پڑے ہون اسطرح حسن کے خوشنما پودے
راون کی دراز دستیون سے پامال ہوکر فرش سے لپٹے ہوئے زبان حال سے گذشتہ واقعات کی تصویر کھینچ رہے تھے،

بعضون کے سینے پر چاندکی سی چمک دمک رکھنے والا موتیون کا ہار سمٹا ہوا نظر آتا
تھا گویا ہنس اپنی چونچ پرون مین ڈالے ہوئے بےحس وحرکت بیٹھا ہوا ہو،

بعض نازنینون کے شفاف سینے، بےنقاب ہوکر، نفس پرستی کا سبق دے رہے تھے،
اور نرم ونازک ..... پر زیورات کے نشانات اسطرح نظر آتے تھے، گویا وہ قدرتی زیور سے
مرصع ہین، اور اترے ہوئے زیور اب بھی موجود ہین۔

کوئی نازنین اپنا ایک ہاتھ سر کے نیچے رکھے ہوئے اور دوسرا ہاتھ کسی دوسری نازنین
کے سینے پر رکھے ہوئے تھی، گویا وہ خود غرضی سے مجبور ہو رہی ہو اور نیند مین بھی یہ خیال
ہے کہ اگر راون خواب ناز سے بیدار ہو تو پہلے اسی کے سینے سے لگے، بعض مہوشین دوسری
نازنینون کے منھ سے منھ ملائے ہوئے اسطرح سو رہی تھین، گویا ایک دوسرے کے منھ کو
سونگھ کر یہ پتہ لگا رہی ہین کہ راون نے ان لب ہائے حلین کو بھی آلودہ کیا ہے یا نہیں،

ایک نازنین جو اس شب کو راون کے شربت وصل سے سیراب نہ ہوسکی تھی اپنے بازو
پر اسطرح سر ڈالے سو رہی تھی، جیسے کسی سخت صدمے کی تاب نہ لاکر بیجان پڑی ہے۔

کوئی نازنین اپنا ہاتھ اپنی دوسری ہمجولی پر اور دوسری تیسری پر اور کوئی ماہوش اپنے
پیر دوسری نازنین اور وہ اپنا پاؤن دوسرے کے سینے پر رکھے ہوئے تھی، غرض وہ سب

ایک دوسرے کے سہارے آپسمین اس ڈھنگ سے ملی ہوئی پڑی تھین کہ جیسے کنول کے پھولونکا ایک گلدستہ ہو، انکے کالے کالے بال ان بھونرون کیطرح معلوم ہوتے تھے جو پھول پر بیٹھے رس لے رہے ہون۔

بہرحال راون کی خوابگاہ، گویا نازنینونکا چمن تھا جسمین پھولونکی بجائے ہرطرف گلعذار اور ماہ پیکر نازنینون کے حسن کی بہار نظر آ رہی تھی،

سونیکی شمعدانونکو دیکھکر قیاس ہوتا تھا کہ اگنی دیوتا نے راون کو سوتے ہوئے دیکھکر دیولوک سے اپنے ساتھی دیوتاؤنکو بلا لیا ہے جو بغیر پلک جھپکائے ٹکٹکی باندھے ہوئے ان شمعدانون کو دیکھ رہے ہین، کیونکہ راون کے جاگتے ہوئے کسی کی مجال نہ تھی کہ اس کی رواس پر نظر ڈال سکے۔

جس پلنگ پر کبوتر کے خون سے زیادہ سرخ آنکھون والا راون، کانون مین سونیکے کنڈل پہنے، اور جواہرات کا جڑاؤ لباس زیب تن کئے اور خوشبودار سرخ چندن بدن پر ملے کالے بادل کیطرح گویا بجلی سے ہم آغوش ہو کر سو رہا تھا، اسپر ہاتھی دانت اور سونے کی خوشنما تصویرین اور بیل بوٹے بنے تھے، اور ایک سونیکا چھتر اوپر لگا ہوا تھا جسمین موتیون کی خوشنما جھالرین لٹک رہی تھین، جواہرات کی جگمگاہٹ سے وہ چھتر بقعہ نور بنا ہوا تھا اور اسکی چمک دمک آفتاب کی روشنی کو بھی ماند کئے دیتی تھی،

راون متوالے ہاتھی کی طرح سانس لے رہا تھا اسکے منہ سے جو سانس نکلتی تھی وہ تمام مکان کو معطر کر رہی تھی اور اسکے گرد و پیش حسینوں کو مست و بیخود بنا رہی تھی، ہنومان جی اسکے قریب جاکر کچھ سہم گئے، اور پیچھے ہٹ کر ایک چوکی پر جو پلنگ کے پاس پڑی تھی، کھڑے ہوکر بغور دیکھنے لگے،

راون کے بازو پر جڑاؤ بازو بند تھے، یہ وہی بازو تھے جنھون نے ہزار ہا راجہ مہاراجونکو اپنے زور شمشیر سے فتح کیا تھا، اور کیلاش کو انھین بازون کے زور سے اُٹھا لیا تھا، انہین بازوؤن نے بڑے بڑے متوالے ہاتھیونکو پچھاڑا تھا، یہ بازو ہاتھی کی سونڈ کی طرح سڈول اور خوبصورت بنے تھے، گویا سانچے مین ڈھالے گئے ہین۔

خوابگاہ راون

یکتا موتیون کا ہار اسکے زیب گلو تھا، اسکے پیرون کے قریب فرش پر وہ سب استریان معروف خواب تھین جو ہیرے اور جواہرات کا جڑاؤ زیور اور بیش قیمت پوشاک پہنے ہوئے تھین اور جو راون کی ہوس پرستیون کا نشانہ بنکر اپنی اپنی جگہ پر نیند سے متوالی ہوکر سو گئی تھین نیاس سے پتہ چلتا تھا کہ وہ سب ناچنے گانے والی عورتین ہین کیونکہ کوئی چکارا بغل مین دبائے اسطرح سو رہی تھی، جیسے اس کا شوہر بہت دنون کے بعد پردیس سے آیا ہوا ور وہ اسکے سینے سے لپٹی ہوئی سو رہی ہو، کسی کی رانون کے درمیان ستار اسطرح دبا ہوا تھا گویا وہ اپنے شوہر سے اس احتیاط کی وجہ سے لپٹی ہوئی ہو کہ اسکی سوت آکر اس سے ہم آغوش نہ ہوجائے، کوئی نازنین سارنگی کو اسطرح گلے سے لگائے ہوئے پڑی ہے جیسے کوئی مان اپنے پیارے بچے کو لپٹائے ہوئے سو رہی ہو

غرض، اسی طرح ہر عورت کوئی نہ کوئی باجہ لئے ایک نرالی وضع سے مصروف خواب تھی ان سب استریون کی مالکہ اور حسن کی دیوی، مندوری بجلی سے بھی زائد چمک دمک والی چودھوین رات کے چاند کو شرماتی ہوئی، خوشنما و بیش قیمت زیورات سے مزین، راون سے ہم آغوش تھی، یون تو جسقدر عورتین وہان تھین ایک سے ایک حسن مین بڑھ چڑھ کر تھین مگر یہ سب مین زیادہ خوبصورت تھی، اور اسکو دیکھ کر ہنومان جی حیرت مین آگئے۔

غزل

رادھکا کمار نگم

اے خوشا بخت اہل بزم تمام — ہین عزادار شمع و پروانہ
مرحبا آفرین جزاک اللہ — ہے سزوار شمع و پروانہ
عبرت شوق کا نمونہ ہے — حالت زار شمع و پروانہ
بزم دنیا مین غیر ضبط الم — تھی نہ گفتار شمع و پروانہ

دیوی رام شرن گپت مضطر

(دیش بندھو داس کی ساگر سانگیت کا اُردو ترجمہ)

نمبر ۲

شام ابھی تک نہین ہوئی اور آفتاب تیزی سے غروب ہورہا ہے اسوقت تاریکی اور روشنی دونون یکجان، وہ قالب ہوکر تجھپر چھاگئی ہین بادل اس تاریکی خیز اور ساتھ ہی ساتھ روشنی آمیز نظارہ کی طرف نظر دوڑاتے ہوئے آسمان پر اسطرف سے اس طرف چلے جارہے ہین۔ اور فریب زدہ ہوائین تیری انوار منتشر پر چپکے چپکے اپنا راگ گاتی ہوئی گذر رہی ہین۔

اس تیرگی غیر تیرہ وجادو خیز روشنی پر آسمان نہایت تعجب خیز نگاہون سے ایک لامحدود خاموشی کا نظارہ کررہے ہین۔ اے سمندر تو کس فرضی اور طلسمی خط سے گذر کر رنج والم کا راگ گارہا ہے۔؟ ایک ایسی دُھن چھڑی ہے جو یکسان نہین ہے ٹوٹ جاتی ہے۔

کس اہم مسئلہ کا جواب تجھکو ابتک نہین ملا ہے؟

اے زائر ذیشان تیرے قدم کس رنج آمیز شک وشبہ سے زیر بار ہین تو نے زندگی اور موت سے آج کون گفتگو چھیڑ رکھی ہے؟

کون ستارا تیرے ہاتھون سے ٹوٹ گیا ہے۔ کس درد سے تیرا دل بیتاب ہے دنیا بھر مین جتنی تاریکی ہے۔ زندگی کو جتنی روشنی حاصل ہوتی ہے۔ اے سمندر تو اپنی روح کی عظیم داروگیر سے سمیٹ کر اُسے میری ہستی پر ڈالدے۔ ان عکسون اور ان طلسمون مین میری روح سے بھی ایک فریب لرزش زدہ پیدا ہورہا ہے۔ یہان کون

۱؎ [illegible] کے لئے ملاحظہ ہو زمانہ اگست ۱۹۲۵ء

اُمید جلوہ گر ہے ؟ کون حقیقت اپنا ظہور دکھا رہی ہے ؟ کس بات کا خوف قیام کئے ہوئے ہے۔ ہاں کون امر باطل اپنا زغہ کر رہا ہے ؟

آج اس شام سکوت آمیز مین تیری میٹھی میٹھی لہرون پر تیرا راگ کہان مائل روانی ہے۔ اسکا رُخ کسطرف ہے۔ تیری آواز کس دور دراز مقام کی تاریکی مین ظہور پذیر ہو رہی ہے۔ تو نے میری روح کیلئے کون حکومت تیار کی ہے ؟ شام کی عبادت مین جو ناقوس بجایا جاتا ہے۔ اسکی صدا اب میرے دلمین شام کے وقت کا راگ بنگئی ہے۔

مین عنبر و عود کی خوشبو سے ایک دھندلے دھندلے مندر کے مانند پاک ہو جاتا ہون۔

اے پاک باطن۔ اور جذبات و خواہشات سے بے لوث ہستی تو اپنے متانت آمیز راگ مین کس چیز کی طلب و تمنا کر رہا ہے۔

اے عابد۔ تو کس دیوتا کیلئے ان رسوم کی تیاری مین مشغول ہے تو کسکی طرف میری روح کو جو ہنگام عبادت کی چراغ ہے پیش کر رہا ہے۔ تیری زبان کس سریلے بھجن کے ورد مین محو ہے۔

اے بحر ساکن۔ تو مجھے اپنا مرید بنالے۔ مجھے اپنا منتر دیدے۔ تو اپنے صوفیانہ کام سے میرے دل کی عبادت کو مکمل کردے۔ میری روح صرف ایک ہی بھجن ایک ہی تانتی ایک ہی حمد سے متاثر ہو جائے۔

نمبر ۷

شام نے دنیا مین ہر طرف اپنا دامن پھیلا دیا ہے۔ اور اے بحر روان تیرے سینۂ خاموش کے ماتم خیز راگون سے ایک لہجۂ موزون بھوٹا پڑتا ہے اور یہ متانت خیز صدا جو پیدا ہو کر تیرے منھ ہی مین رہجاتی ہے اور جذبات کی رگ جانے والی روانی ہے۔ ہم دونون کی روح کی گہرائی کا اندازہ کرنے کے لیے ایک سرد خاموشی

کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔

شورش انگیز موجین استراحت کرنے کے لیے تیرے سینے سے لپٹ رہی ہین اور اب مضطرب ہوا ؤن کو بھی سستانے اور آرام کرنے پر مائل کر دیا گیا ہے۔

آسمان پر چاند کا کہین پتہ نہین۔ ایک ستارہ کا بھی وجود دکھائی نہین دیتا خدائے قدیم اپنی متانت خیز بے پایانی کے ساتھ ہر چیز پر اپنا دامن پھیلائے ہوئے ہے۔

کیا آج تیرے دلمین کوئی بھی خواہش۔ ایک بھی آرزو باقی نہین رہی کیا محبت کا خاتمہ ہو گیا۔ کیا زندگی نے اپنا تماشہ بند کر دیا؟ کیا اسلیے اس بے فریب تاریکی اور روشنی دونون چیزون سے ملے ہوئے نظارے مین گم ہو کر تو بے حرکت اپنی ذات مین خود مستغرق ہو گیا ہے۔

مین بھی اپنے عمیق ذات مین محو ہو جاؤنگا اور جب تیرا راگ ختم ہو جائے اسوقت تو مجھے اس عالم خواب سے بیدار کر دینا جگا دینا۔!

نمبر ۵

آسمانون پر آج کوئی صدا بازگشت نہین کرتی۔ تمام دنیا پر سکوت کا عالم طاری ہے۔

اے ذات غیر محدود۔ تیری زبان حال پر بھی ایک لفظ نہین آتا۔

ہنگام شام کی بارش تجھپر اپنے سکون بخش اثرات ڈال رہی ہے اور تو اسوقت نہایت امن اور طہارت کے ساتھ بے حرکت اور خاموش لیٹا ہوا ہے رات کی پہلی زردزر دکھیا مین گر کر تیرا راگ خاموش ہو گیا اور بے صدا مسرت انوار کی گن گنا گن گنا کر تیرے دلکو پردۂ راز مین چھپا رہا ہے۔

تیرے لحیم و شحیم کالبد مین ایک مستی خیز سرور سے چار سو لپٹ کر میرا چھوٹا سا کاشانہ رنج و راحت ڈوبا جا رہا ہے۔ اور فطرت "خاموش اور دلفریب کنول کے پھول" کی مانند تیری جانب تیر کر دوڑی آرہی ہے۔ اور موت اور کال عالم حیرت مین پابستہ

تیرے قدوم پر گر رہے ہین ۔
کوئی طاقتور مرتاض اسوقت میرے سینے پر آسن جمائے بیٹھا ہوا ہے اور کسطرح ؟
یکسو حبس دم مین مشغول ۔ خاموش ۔ آنکھین بند کئے ہوئے بالکل بیحرکت
اے بحرِ ناپیدا کنار مگر مین نے اسکی تنویر کا نظارہ کرلیا ہے گو اُسکی ذات تک میری رسائی نہین ہوئی ۔ مین خامشی سے چشم براہ ہون مجھکو بھی غیر صوری روح بناکر اپنی روح مین وصل کرلے ۔ ہم دونون ذات واحد ہو جائین ۔ دوئی نہ باقی رہے ۔

بشیشور پرشاد منور لکھنوی
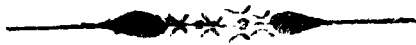
"سنسار کے سمت" مصنفہ بابو جگن لال صاحب گپتا مختار بلند شہر ہندی لٹریچر مین ایک قابل قدر اضافہ ہے ۔ اسمین ہندوستان و نیز دیگر ممالک کے جن کا تعلق ہندوستان سے رہا ہے مختلف پچاس سنین کی تاریخ نہایت دلچسپ پیرایہ مین درج کی گئی ہے اور نیز ایک سن کو دوسرے سن مین تبدیل کرنے کے نہایت آسان طریقے درج کئے گئے ہین جن سے مصنفین کو مختلف سنین کی مطابقت مین نہایت آسانی ہوتی ہے ۔ مصنف کی کوشش قابل ستایش ہے ۔ اسکی محنت کو مدنظر رکھتے ہوئے اسکی قیمت نو آنہ کچھ بھی نہین

الناظر بابت اپریل و مئی ۲۵ء مین وہ انعامی مضمون شائع ہوا ہے جسکے لیے کئی مہینے پہلے ، ارباب ادب کو دعوت دیگئی تھی ۔ یہ مضمون مولوی سعید انصاری متعلم جامعہ ملیہ علیگڈہ کا ہے صاحب مضمون نے مولانا شبلی نعمانی کو ترجیح دی ہے انتخابی کمیٹی نے مولوی سید نجیب اشرف ندوی بی ۔ اے کے مضمون کو دوسرا درجہ دیا ہے ۔ یہ مضمون کتابی صورت مین علیحدہ شائع ہوا ہے

لحد کی پہلی رات

اور
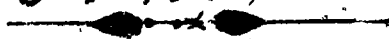
سروشِ عبرت کی آواز

(از حضرت مولانا کیفی چریاکوٹی)

ہوش کب آیا تجھے اے مستِ کیفِ جامِ عیش — آگیا جب آفتابِ زیست زیرِ بامِ عیش
تجھکو جو کنجِ لحد مین کچھ نظر آتا نہین — چھپ گیا ہے عیش کا دن ہوگئی ہے شامِ عیش
بند اب کب تک رکھیگا دیدۂ عبرت نگاہ — کھولدے اِس کو کہ آخر ہے یہی انجامِ عیش
مار دیگا دم بخود اب قعرِ مرقد مین تجھے — ذکرِ عیش و یادِ عیش و فکرِ عیش و نامِ عیش
تو ہے جبتک تیرے پیکر کو ہی چھٹکارا محال — اب قفس مین آگیا ٹوٹا جو تارِ دامِ عیش
زیست کی دولت تھی جبتک تھی مسرت کی پکار — بھولکر بھی اب ادہر آتا نہین پیغامِ عیش
زندگانی نشہ تھی جب رات دن تیرے لیے — تجھکو کیون معلوم ہوتا کب کٹے ایامِ عیش

وقت جو ہے جاگنے کا سو کے کٹتا ہے کہین!
وقت جب سونے کا آیا تجھکو نیند آتی نہین

ہان سُن اے مفلس فراوانیٔ دولت کیا ہوئی — وہ تکبر کی چڑھی تیوری، وہ نخوت کیا ہوئی
کیا ہوا وہ ظاہر و باطن مین خودداری کا شوق — رنگ صورت کیا ہوا؟ نازک طبیعت کیا ہوئی
کس مپرسی مین ہے کیونکر مبتلائے بیکسی — اب بھلا سمجھ یہ وہ تیری حکومت کیا ہوئی

تیری جو کشتی رواں تھی سیم و زر کے آب مین
آج وہ ڈوبی ہے مگر خاک کے گرداب مین

یہ جو تیرا جسم ہے خاکِ لحد مین زیر بار
بوجھ پھولون کا کبھی اسکے لیے تھا ناگوار

تجھکو جز عشرتکدہ راتون کو نیند آتی نہ تھی
ایک لمحہ بھی سبھے کرتا تھا تنہا بیقرار

خاک کے تودے مین نادان وقفِ تنہائی ہے تو
اب وہ عشرتکدہ ہے اور نہ یارون کی قطار

دن مین دس دس بار تھا رنگت بدلنے کا خیال
یعنی ہر جامہ تھا تیرا گلشنِ زر کی بہار

ایک ہی کپڑے پہ کیون تجھکو قناعت ہوگئی
کیا ہوا اب شوقِ بینائی کا وہ پہلا ابھار

تجھکو سو گز بھی بلندی قصر کی کافی نہ تھی
ایک ہی گز پر ہوا کیون تیرا اب دار و مدار

خود بخود کیونکر فنا کا جام تو نے پی لیا
موت کا جب نام سنتا تھا تو آتا تھا بخار

کچھ جواب آتی نہین تو آج شرمایا ہے کیون؟
اپنی ہیئت کو بدلکر گور مین آیا ہے کیون؟

پھول تھا بستر ترا اب خاک کا انبار ہے
اور بجائے خوابِ راحت حسرتون کا خار ہے

تا قیامت زیست کے انجام کا قیدی ہے تو
اب نہ کوئی آشنا تیرا، نہ کوئی یار ہے

تجھکو بیخود کر چلے جب بالشِ راحت کی یاد
سر ٹیک دینے کو حاضر گور کی دیوار ہے

ہیچ واز خود رفتگان از خود رو و بیہوش باش
راز راے پردہ خواہی کیفیا خاموش باش

کیفی چڑیا کوٹی

ترجمۂ منظوم

(لی آف دی لاسٹ منسٹرل کینٹو ۶ - اسٹانزا ۱)

عشق عہد امن مین ہے نغمۂ سازِ شبان
رزم مین رہتا ہے دلمین شہسوار و نکتہ دان

بزم مین وہ جامۂ زیبا مین آتا ہے نظر
رقص وہ دیہات مین کرتا ہے فرشِ خاک پر

باغ مین خرگاہ مین دیوان مین ہے حکمران
قدسیون پر چرخ مین انسان پہ زیرِ آسمان

(نظم)
کیونکہ عشق و عرش دونون درحقیقت ایک ہین

مرقع عبرت

ایک تصویر کے دو رخ

(از جناب راز چاندپوری رکن حلقۂ ادبیہ)

میں کیا سناؤں عہدِ تمنا کی سرگزشت
یادش بخیر دل میں قیامت کا جوش تھا

پیہم تھا مستِ کیفِ تمنا سے روز و شب
اپنی خبر تھی مجھکو نہ دنیا کا ہوش تھا

ہر لحظہ دل تھا سلسلہ جنبانِ عاشقی
اک حسنِ دلنواز کا حلقہ بگوش تھا

تھا سر بکف میں معرکۂ حسن و عشق میں
اس درجہ دل میں شوقِ شہادت کا جوش تھا

سوزِ نہاں سے قلب و جگر داغ داغ تھے
پہلو تھا یا کوئی سبدِ گلفروش تھا

صبر آزما تھا وہ، وہ محبت کا اضطراب
قلبِ حزیں کو حوصلۂ ضبطِ جوش تھا

جوشِ جنونِ عشق سے چکر میں تھا دماغ
گویا میں اپنے گھر میں بھی خانہ بدوش تھا

دیوانگی میں کچھ سر و پا کی خبر نہ تھی
چاکِ دل و جگر کا جنون پردہ پوش تھا

حد سے بڑھا ہوا تھا مرا ذوقِ بیخودی
غیروں کی تھی تمیز نہ اپنوں کا ہوش تھا

ناصح کا کچھ خیال نہ تھا محتسب کا ڈر
میں ہر نوائے تلخ سے پنبہ بگوش تھا

خنجر بکف تھا حسنِ جہانتاب اس طرف
ذوقِ نیازِ عشق ادھر سرفروش تھا

المختصر وہ عہد بھی تھا کچھ عجیب چیز
پہلو میں دل تھا دل میں محبت کا جوش تھا

وہ حال تھا کبھی مگر اب ہے یہ کیفیت
وقفِ جمود قلب کا جوش و خروش ہے

چھائی ہوئی ہے ایک ادا سی ہر اک طرف
دل کیا خموش ہے کہ زمانہ خموش ہے

باقی ہے دل میں اب کوئی حسرت نہ آرزو
فردا کی ہے امید نہ کچھ رنجِ دوش ہے

احساس زندگی میں بھی لذت نہیں رہی — مرنے کا ہے خیال نہ جینے کا ہوش ہے
دل بجھ چکا سرور جوانی بھی مٹ چکا — داغ حسرت سرور تمنا کا جوش ہے
نالہ بھی کوئی دل میں نہیں اب شرر فشان — صد حیف شمع سوز جگر بھی خموش ہے
اک بیکسی ہے حاصل سرمایۂ نشاط — بیچارگی میں نیش کی لذت بھی نوش ہے

اے غنچے غور کر انجام شوق پر — مانا کہ تجھ کو ولولۂ نائے و نوش ہے
دھوکا نہ دیں سمجھے تری غفلت شعاریاں — ہشیار اک سراب یہ دریائے جوش ہے
انجام کی بھی فکر کر اے بیخود نشاط — نادان چند روزہ جوانی کا جوش ہے
تو سن چکا ہے رام کہانی مری ابھی — عبرت نیوش بن تو اگر حق نیوش ہے
ہر حرف حال دل کا ہے اک داستان غم — ہر لفظ اک فسانۂ عبرت فروش ہے

سرمایۂ ادب ہیں مری گل فشانیان — یہ نظم کیا ہے اک سبدِ گلفروش ہے
اے راز آپ اسکو تعلی نہ جانئے
میری صدا نہیں یہ "نوائے فروش" ہے

راز چاندپوری

رشحات صفدر

تفرقہ ساز مجازی سے حقیقت نہ ہوئی — صدقے وحدت کے کہ جو مانع کثرت نہ ہوئی
جب چلے ناز سے وہ اٹھکے یہ ہولی ہمسر — انکی پرچھائیں ہوئی یہ تو قیامت نہ ہوئی
خوب تھا حشر کا دن قصۂ فرقت کے لیے — نہ ہوئی آج بھی شرح غم فرقت نہ ہوئی
پھول برسا دیئے صدقے تری اس جوش بہار — انکی شرمندۂ احسان مری تربت نہ ہوئی
انکی حسرت ہی یہ کبھی منھ تک آتی — آشنائے لب خاموش شکایت نہ ہوئی
پی کے ہر کیف مئے عشق نہ ہم اے صفدر — ہمسے رندوں کو یہ دنیا کبھی جنت نہ ہوئی

وجے دشمی

سر تریتا مین اُٹھایا جو ستمگا رون نے — آسمان ظلم کے توڑے جو سیہ کارون نے
بیگنا ہون کو ستایا جو گنہگا رون نے — شور فریاد جو برپا کیا دیندارون نے
نخل دسرتھ کے تپوبل کا ثمر بار ہوا
قالب رام مین بھگوان کا اوتار ہوا

راجہ دسرتھ سے کیا کا دھ سون نے جو سوال — رکھشش یہ ہلنے نہین دیتے ریاضت کا نہال
رام لچھمن سے گئے ہمراہ سیئے دفع ملال — جا کے اسرون کو کیا چشم زدن مین پامال
جگیہ رکھشا سے رشی جی کو مسرت بخشی
کی عنایت کی نظر امن کی دولت بخشی

عہد طفلی مین عیان کی یہ شجاعت کی شان — چھتری بنس کی رگھو بیر نے رکھی یون آن
دھرم رکھشا کیلئے ڈالکے خطرے مین جان — جگتی دشواریان رشیون کی یقین کر دین آسان
کیون ظفریاب نہ ہوتے یہ دھنی تیر کے تھے
تھر تھرا اٹھتے اُسُرنام سے رگھبیر کے تھے

شود ہنش کا جو سوئمبر مین ہوا معرکہ سر — چھتری دھرم کا ظاہر تھا وہان بھی جوہر
آن رگھو بنس کی رگھو بیر نے رکھلی جا کر — حرف آنے نہ دیا جذبۂ خودداری پر
جیون آدھار جنک راج دلاری کے بنے
پران پت جانکی مستھلیش کماری کے بنے

جب دھنش ٹوٹنے پر سرام کا ڈنڈا دیکھا — چشم پرخون سے سوئمبر کا نظارہ دیکھا

[illegible]

رنگ ہوتے ہوئے محفل کا جو پھیکا دیکھا   یہ پرسرام سے رگھو بیر نے نیچا دیکھا
آنکھیں کی چار دوبارہ نہ مقابل ہوکر
چلدیئے قدرت و اعجاز کے قائل ہوکر

یاد پھر آیا جو منشائے ظہور عالی   یعنی بے دینون سے کرنا ہے یہ دنیا خالی
بڑھتی جاتی ہے زمانے کی پریشان حالی   ہوگئی دھرم کی اب حد سے سوا پامالی
چھوڑکر تخت شہی دشت نوردی کو چلے
دھرم رکھشا کیلئے بادیہ گردی کو چلے

جانکی جان کی مانند گئیں ہمرہ رام   لکشمی جی ہوئے بھائی کے شریک آرام
ہر نفس رام کی خدمت سے تھا سومترکو کام   رام سیوا سے نہ غفلت ہو یہ تھی فکر مدام
خدمت رام ہی مین شکل مسرت دیکھی
خواب مین بھی نہ کبھی رام کی صورت دیکھی

بن مین پامال کیا رام نے ہر دشمن کو   نہ جدا جان سے رکھتے تھے کبھی لچھمن کو
راہی ملک عدم کر دیا کھر دوکھن کو   کھیل بچون کا سمجھتے تھے یہ دونون رن کو
چھتری دھرم کا اعجاز دکھا یا دیکھو
رام نے معرکہ جیتا تن تنہا دیکھو

قید سیتا کی جو راون نے بپا کی بیداد   آہ کیسی یہ نئی طرز ستم کی ایجاد
مول لی اور بد اندیش نے خود جنس فساد   پڑ گئی جنگ کی اس روز سے گہری بنیاد
فکر رہتی تھی سیا جی کی رہائی کیلئے
رام کے تیر مچلتے تھے لڑائی کیلئے

تھے تجسس مین سیا جی کے جو دونون و لنگ   مل گئے دشت مین آخر کو کپیشو بجرنگ
مشورہ سے ہوئے سگریو کے سامان جنگ   ہر سپہدار کے دل مین تھی لڑائی کی امنگ
ہری بکرم بلی سیتا کا پتہ لے آئے
جاکے لنکیش کو پیغام دغا دے آئے

قید سیتا سے تھا لنکیش کو حد درجہ غرور خود پرستی نے کیا عقل و خرد کو مستور
صلح جوئی سے تھا خود بین کی طبیعت کو نفور رام سے جنگ ہر اک طرح تھی اسکو منظور
خوف دنیا کا نہ تھا فکر نہ عقبیٰ کی تھی
خانۂ دل مین سیاہی شب یلدا کی تھی
جا کے لنکا مین سری رام کا اترا لشکر عرصۂ جنگ کا ہر سو نظر آیا منظر
میان سے نکلے بہادرون کے تیغ و خنجر سرفروشی کیلئے لیکے چلے تیر و تبر
شعلہ زن آتش پیکار جہانسوز ہوئی
رام راون سے غرض جنگ کئی روز ہوئی
خاندان والے ہوئے جنگ مین ہلاک انبار خود ہوا پھر وغا پھر شہ لنکا تیار
پھونک دیتے تھے جنھین اسلحۂ آتشبار ہوئے بڑھ چڑھ کے دلاور ہر اک سمت وار
صفت مار سیہ چار طرف تیر چلے
خون بہا کرتے ہوئے خنجر و شمشیر چلے
دونون جانب کے کماندار جری آئے کام کوئی میدان سے ہٹنے کا نہ لیتا تھا نام
جو بہادر تھا۔ گرجتا تھا برنگ ضرغام دیکھتی تیغ پلٹ کر نہ تھی پھر سوئے نیام
حوصلے ہو گئے کفار کے پست آخرکار
ہو گئی راون خود بین کو شکست آخرکار
ہوئی رگھوبنس کی دنیا مین اٹل یون مرجاد سری سیتا کو کیا قید الم سے آزاد
آئے سب لوٹ کے پھر سوئے وطن ہو کر شاد کی اجودھیا کی پھر اجڑی ہوئی بستی آباد
رشک گلزار جنان ہو گیا بستان اودھ
سری رگھناتھ ہوئے خسرو ذیشان اودھ
رام اوتار کا تھا مدعا قتل کفار شادمان صفا ایمان تو ہوئے خوش دیندار
نصرت و فتح ہوئی بائے مقدس پہ نثار مل گئی راون خودسر کو نزائے کردار
دھرم کی جیت ہوئی ۔ ناش ہوا ادھرم کا

کنوارکی دسوین کو خورشید مسرت چمکا

گوورن دھرم کی رو سے تھا بین لنکیش سینۂ اہل جہان تیغ ستم سے تھا ریش
رام نے قتل مین بیکن نہ کیا کچھ پس و پیش سر پہ بھی خلق کے بیداد رہا بیش از بیش

نادم انجام پر اپنے ہزارون کیسا
معصیت کی جو چلے راہ برہمن کیسا

رام کو فرض شناسی کا مقدم تھا خیال کشت بیداد کیا فضل و کرم سے پامال
نہ چلی رام کے آگے کوئی لنکیش کی چال دھرم کے سامنے ادھرم کا ٹھہرنا ہی محال

روز روشن کے مقابل شب یلدا ٹھہرے
سامنے گیان کے اگیان بھلا کیا ٹھہرے

ہندوؤ رام کے اوتار کا منشا سمجھو رام لیلا کو نہ اک کھیل تماشا سمجھو
رمز ہے رام چرتر دن میں نہان کیا سمجھو بے سمجھنے کا انھیں گرہین دعویٰ سمجھو

پانی اونچا ہوا اب سر سے ہی رسوائی کا
تم سے کچھ کہتا ہے تیوہار یہ وجے دسمی کا

منّور لکھنوی

رباعیات اروان

غم شہر بشہر پھیلتا جاتا ہے اللہ کا قہر پھیلتا جاتا ہے
ابتک تو دلون مین اک حرارت تھی رواں اب خون مین زہر پھیلتا جاتا ہے

سرمایۂ جان و دل ہے ہستی میری ہے وجہ بقا فنا پرستی میری
ورنہ اس گنبد تعین مین رواں اک نالۂ رائیگان ہے ہستی میری

کیا تم سے بتا ئین عمر فانی کیا تھی بچپن کیا چیز تھا جوانی کیا تھی
یہ گل کی مہک تھی وہ ہوا کا جھونکا اک موج فنا تھی زندگانی کیا تھی

جذبات فراق

دیکھ سکتا ہی نہین ہے دل حیران کوئی
جلوۂ حسن کے پردون مین ہو پنہان کوئی

ہم عدم مین نہ شب ار نہ خلوت گہ ناز
ہم تو کچھ بھی نہین کیون ہم مین ہے پنہان کوئی

پنکھڑی پھول کی ہے اُٹھتی ہوئی موج شراب
ساقیا محفل مے ہے کہ گلستان کوئی

یہ بھی سچ ہے کہ ہم آوارۂ و سرگردان ہین
یہ بھی سچ ہے کہ ہمارا نہین پرسان کوئی

اس گلشن ہستی مین کم کھلتے ہین گل ایسے
دنیا مہک اُٹھیگی تم دل کو مسل جانا

پھولوں کو کھڑا رہی ہے نسیم بہار بھی
ساغر بکف اُٹھا کوئی صبح بہار کیا

اے دل کسیکی پہلی نگاہون کا ذکر آہ!
یاد آگیا مجھے میرے خطات شعار کیا

بجھ بجھ کے داغ دل اُبھر آتے ہین ہمنوا
مجھ قیدی قفس کی خزان کیا بہار کیا

منھ پھیر کر فراق وہ کچھ مسکرا دیئے
اب اور سنتے حال دل بیقرار کیا

خبر بہار کی بلبل کو یون صبا دینا
کہ صحن باغ مین چنگاریان اُڑا دینا

لٹا دون نام خزان پر بہار اے صیاد
قفس مین سوکھے ہوئے خار کچھ بچھا دینا

سرہانے قبر کے اسے جھلملاتے ہوئی شمع
اُکھڑتی سانس کی تصویر انھین دکھا دینا

بہار گل نے آنکھین پھیر لین جب ہم اسیرون سے
گلستان سے ہر اک موج ہوا بن بن جین نکلی

سیہ بختون کے دل دھڑکے کہ وقت امتحان آیا
چھری کھینچے ہوئے موج شراب آتشین نکلی

سارا عالم اسی کا جلوہ ہے
جسکی صورت نظر نہین آتی

فراق گورکھپوری

بزم سخن

انتخاب کلام مشاعرہ بزم شعرا اورنگ آباد

ہمارے قدیم کرمفرما مولانا نظمؔ لکھنوی سال دو سال مین جب کبھی کروٹ لیتے ہین تو ناظرین زمانہ کے لیے کوئی نہ کوئی نفیس تحفہ ضرور پیش کرتے ہین چنانچہ اب کی مرتبہ آپ نے اورنگ آباد سے یہ ہدیۂ دلکش ارسال فرمایا ہے۔ ہم شکریہ کے ساتھ مشاعرے کی غزلون کا انتخاب شائع کرتے ہین، اور امید کرتے ہین کہ آیندہ بھی مولانائے ممدوح ہمین ممنون کرم فرماتے رہین گے۔

نالہ جز حسنِ طلب اے ستم ایجاد نہین
ہے تقاضائے جفا شکوۂ بیداد نہین
(غالب مرحوم)

مولوی محمد ولی حسن صاحب اثرؔ

دست و بازو قید مین جنبش کے قابل دیکھکر — خندہ زن وحشت ہی پابند سلاسل دیکھکر
مجمع اغیار ہے اور بادۂ عشرت کے دور — ہوش اڑے جاتے ہین یارب رنگ محفل دیکھکر
دشت پیمائی کہا پابندئ جادہ کجا — وحشیون نے پانون پھیلائے ہین منزل دیکھکر
کوششِ پیہم پہ ہستی ہین اثرؔ ناکامیان — اسقدر محوِ فریب زعم باطل دیکھکر

مولوی انیس احمد صاحب انیسؔ

ہے گمان یہ جوہرِ شمشیر قاتل دیکھکر — کچھ مسافر گھاٹ پر اُترے ہین ساحل دیکھکر
لطف اسمین ہے کہ چھوڑی جان لیکر تیغ ناز — موت کا منہ کیون مین دیکھون روئے قاتل دیکھکر
کھل کے غنچون نے اٹھادی اپنے چہرے سے نقاب — سال بھر کو سیر ہو جائین عنادل دیکھکر
کیا موافق ہے جنون کے حق مین گلشن کی ہوا — ہوش بھی اڑتے ہین پروازِ عنادل دیکھکر

مولوی عباس حسن صاحب اقدس

عافیت کی زندگانی کی ہوس کسکو نہین　　موج ہوتی ہے فنا آغوش ساحل دیکھکر
آہ کرنا جرم ہے خاموش رہنا مشتبہ　　ہوش پران ہو رہے ہین انکی محفل دیکھکر
سنگئین دلکی امیدین شل ہوئی پائے طلب　　یاس نے گھیرا مجھے گم کردہ منزل دیکھکر

مولوی احمد اللہ صاحب احمد

قتل سے انکار کرنیکا تجھے ہے اختیار　　لیکن اپنے دامنِ رنگین کو قاتل دیکھکر

مولوی محمد حسین صاحب آبرو

خلد مین واعظ چلے تو ہین الٰہی خیر ہو　　دل نہ للچائے کہین حورونکی محفل دیکھکر

مولوی ماجد علی صاحب ذبیح

پھر گیا آنکھون کے آگے منظرِ انجام عشق　　قطرۂ خونِ جگر اشکون مین شامل دیکھکر

مولوی صدر الدین صاحب سرشار

رخصت ای شامِ جدائی رخصت ای شامِ فراق　　چارہ گر خاموش ہین کچھ مجکو غافل دیکھکر
ہے کے سب سرشار ہین بیگانۂ انسانیت　　محوِ حیرت ہون نگاہِ اہلِ محفل دیکھکر

مولوی نبی الحسن صاحب شمیم

لیجئے یہ دل ہی میرا اور یہ میری جان ہی　　دونون مین سے آپ لیلین اپنے قابل دیکھکر

مولوی شیخ احمد علی صاحب شاکب

خون آلودہ، ستم دیدہ، شکستہ، مضمحل　　دل پکڑ کر رہ گیا ظالم مرا دل دیکھکر
غرقِ بحرِ عشق رہنے دی مجھے ای جوشِ شوق　　ماہیِ بے آب ہوجاؤنگا ساحل دیکھکر

حکیم محبوب عالم خان صاحب شوق

بیخودیِ شوق نے گم کردئیے ہوش و حواس　　جاتا ہے اک بگولہ قیسِ محمل دیکھکر
کررہے ہین نزع مین وہ میٹھی میٹھی گفتگو　　دل بڑھاتے ہین مرا دنیا سے بیدل دیکھکر

مولوی محمد عمر صاحب عمر

شوقِ جانبازی چھپانے سے نہ آخر چھپ سکا　　خود بخود گردن جھکی شمشیرِ قاتل دیکھکر

جناب مولوی عبدالخالق صاحب گرامی

کیا کہیں رشک بہر دامن میں کیا تھا کیا نہ تھا　　خون ہے دل بسمر تونکا اپنی حال دیکھکر
یاد آ یا کہ جب تھی گرمی ذوق تپش　　بجلیاں بیچین رہتی تھیں، مرا دل دیکھکر

جناب مولانا محوی صدیقی لکھنوی

واہ رے سادہ دلی پھر ہے امید التفات　　بارہا اپنی تمناؤں کا حاصل دیکھکر
اے مری ناکامی پیہم یہ احسان ہے ترا　　اب نہیں ہوتا پریشان کار مشکل دیکھکر
حاصل صد زندگی ہی نازش صد عیش ہے　　وہ تباہی خوش ہو جسکو میرا قاتل دیکھکر
پالیا مین نے صلہ اپنی وفائے عشق کا　　شاد ہے کوئی مری بربادی دل دیکھکر

کوئی اے محوی نہیں اپنا یہاں پرسان حال
چپ ہوں میں یہ داور محشر کی محفل دیکھکر

جناب ڈاکٹر محمد اکبر خان صاحب نشتر

خوب موقع سے دکھایا جوش الفت نے اثر　　اک تماشا ہو گیا قاتل کو بسمل دیکھکر
حسن نے یارب نگہ کو بھی مسخر کر لیا　　پھر نہ کچھ دیکھا گیا ان کو مقابل دیکھکر

جناب مولوی صدیق الزمان صاحب وفا

بڑھگیا شوق شہادت کوئے قاتل دیکھکر　　سر کے بل چلنے لگے ہم اپنی منزل دیکھکر
شوق دل پھر ڈھونڈھتا ہے لذت گم گشتگی　　کسقدر حسرت ہوئی ہے ہمکو منزل دیکھکر
اسقدر طاری ہوئی فرط خوشی سے بیخودی　　ہو گئے ہم اور کوسوں دور منزل دیکھکر

جناب محمد رضی الحسن صاحب رضی سکریٹری بزم شعرا

اٹھ نہیں سکتا قدم اب کوئے قاتل دیکھکر　　ڈھونڈھی دل نے جگہ مدفن کے قابل دیکھکر
میرے دم سے کوئے قاتل میں تماشا ہو گیا　　جی بہل جاتا ہے سبکا رقص بسمل دیکھکر

علمی خبرین اور نوٹ

بنگال کے مشہور اخبار نویس مسٹر پرتھوس چندر رائے نامور محب وطن دیش بندھو داس آنجہانی کی سوانح عمری لکھ رہے ہین جو آیندہ سال کے شروع مین انگلستان سے شائع ہو گی۔

یورپ و امریکہ کے اخبارات کی اشاعت و آمدنی کا کچھ حال اس سے معلوم ہوسکتا ہے کہ لندن کے مشہور روزانہ اخبار ڈیلی میل کی صرف اشتہارات کی آمدنی کا اوسط ایک لاکھ روپیہ روزانہ سے۔ اس اخبار کا حجم سولہ صفحات ہے اور اسکی اشاعت سترہ لاکھ ہے۔ لندن کے ہفتہ وار نیوز آف دی ورلڈ کی اشاعت تیس لاکھ ہے۔ ہندوستانی اخبارات کی طاقت اور وقعت اسی وقت بڑھ سکتی ہے۔ جب کم سے کم ہر خواندہ شخص کسی نہ کسی اخبار کی خریداری اپنے اوپر فرض سمجھے۔

گورنمنٹ بہادر اڑیسہ نے سر علی امام بالقابہ کے زیر صدارت ایک کمیٹی اسلئے مقرر کی ہے کہ وہ اردو ہندی کے ترقی کے وسائل پر غور کرے۔

پچھلے ماہ پونا کے مشہور و معروف سنسکرت عالم سر رام کرشن بھنڈارکر نے ،، سال کی عمر مین انتقال فرمایا۔ مرحوم کی علمی شہرت چار دانگ عالم مین پھیلی ہوئی تھی۔ آپ کی وفات سے ہندوستان مین سنسکرت علم و فضل کا آفتاب ہی غروب ہو گیا۔

پونا مین ڈاکٹر سر بھنڈارکر مرحوم کے نام نامی پر اورینٹل ریسرچ انسٹیٹوٹ قائم ہے چھ سال سے اسکے زیر اہتمام مہابھارت کا ایک مشرح ایڈیشن تیار ہورہا ہے ڈاکٹر وستوررسکتانکر کے زیر ہدایت کئی سنسکرت علما زمانۂ قدیم کے پرانے مسودون کی چھان بین کررہے ہین۔

ہمارے مکرم سحر ہنگامی صاحب کی مشہور و معروف مثنوی سحر کا دوسرا ایڈیشن تیار ہوگیا ہے۔ لایق مصنف نے مثنوی کی بڑی جانکاہی سے نظر ثانی کی ہے جس سے شاعرانہ نقطۂ خیال سے اسمین بہت سی نئی خوبیان پیدا ہوگئی ہین۔ شائقین منیجر زمانہ پریس کانپور سے طلب فرمائین۔ قیمت ۸ علاوہ محصولڈاک ہے۔

سحر صاحب آجکل رباعیات عمر خیام کا ہندی ترجمہ کررہے ہین۔

ناسخ کا مولد ابتک لاہور یا فیض آباد خیال کیا جاتا ہے۔ مگر حال مین آگرہ اخبار مین ایک مضمون نگار صاحب نے ناسخ کا وطن اکبرآباد کو قرار دیا ہے۔ مگر جب تک کوئی خاص ثبوت پیش نہ کیا جائے یہ دعوی بے دلیل ہی سمجھا جائے گا۔
تذکرۂ آبحیات مین شیخ صاحب نے شاعری کا وطن تو لکھنو قرار دیا گیا ہے لیکن آپکے والد کا وطن لاہور بتایا گیا ہے۔ شیخ امام بخش ناسخ ایک متمول تاجر شیخ خدا بخش خیمہ دوز لاہور کے بیٹے تھے۔ بقول ہمعصر آگرہ اخبار بعض روایتون سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ خدا بخش لاولد تھے اور انھون نے ناسخ کو ان کے غریب والدین سے لیکر جو فیض آباد کے رہنے والے تھے متبنےٰ کرلیا تھا۔ اگر واقعی ایسا ہی ہے تو پھر فیض آباد کو ناسخ کے مولد ہونیکا فخر حاصل ہوگا۔ بہرحال اکبرآباد کے متعلق ابتک کسی تذکرے مین نہین دیکھا گیا ہے کہ وہ ناسخ کا وطن ہے۔

رسالہ زمانہ کا خاص ایڈیشن جو ہر ماہ دبیز کاغذ پر شائع ہوتا تھا اور جسکی قیمت آٹھ روپیہ سالانہ تھی انتظامی مشکلات کیوجہ سے جولائی سنہ حال سے بند کر دیا گیا ہے۔ اب زمانہ صرف ایک ہی قسم کا شائع ہوتا ہے۔ مگر بعض قدردانان رسالہ ایک اعلےٰ ایڈیشن کے اشاعت کے لیے زور دے رہے ہین۔ قسم خاص کے خریدار صاحبان کی فاضل قیمت جو وصول ہوگئی ہے وہ آیندہ حساب مین مجرا دیجائیگی۔

دسمبر آیندہ مین رسالہ زمانہ کا ایک خاص نمبر "قومی نمبر" کے نام سے شائع کرنے کا انتظام ہو رہا ہے۔ ہمکو امید ہے کہ قلمی معاونین زمانہ اس نمبر کو کامیاب بنانے مین کارکنان رسالہ کی امداد فرمائینگے۔ اس نمبر مین ادبی، تاریخی و سیاسی ہر قسم کے متعدد خاص مضامین نظم و نثر درج ہونگے۔ حجم معمول سے دوچند کے قریب ہوگا۔ اس نمبر کیلئے کئی تصاویر خاص طور سے تیار کرائی جا رہی ہین۔ مضمون نگار حضرات اس نمبر کے لیے جو مضامین ارسال فرمانا چاہین وہ ۱۰ نومبر تک دفتر مین بھیجدین۔

ہمعصر الناظر لکھنو نے اعلان کیا ہے کہ اہل قلم حضرات نذیر احمد[1]، حکیم محمد علیخان[2]، سرشار[3]، شرر[4] اور سودا کے افسانون کا مقابلہ کرکے بتائین کہ ان مین بہترین ناول نویس کون ہے اور ان کا سب سے زیادہ بہتر ناول کونسا ہے۔ بہترین مضمون لکھنے والے کو پچاس روپیہ کی تھیلی نذر کیجائیگی اور بعد طبع مضمون کی پچاس جلدین مفت نذر کی جائنگی۔ دوسرے درجہ پر جو مضمون ہوگا وہ بھی شائع کیا جائیگا۔ اور اسکے راقم کو پچیس روپیہ کا انعام دیا جائیگا۔ مضامین مقابلہ کی جانچ ایک کمیٹی کی سپرد کی گئی ہے۔ جسمین پانچ اصحاب ہین۔ کل مضامین ایڈیٹر صاحب الناظر لکھنو کے پاس ۱۵ نومبر ۱۹۲۵ء سے پیشتر پہنچ جانا چاہیئے۔

تصحیح زمانہ بابت جولائی ۱۹۲۵ء مین فراقی صاحب کے اسم گرامی کیساتھ غلطی سے دریاآباد کی بجائے الہ آباد لکھ گیا ہے آپ دریاآباد ضلع بارہ بنکی کے رئیس اور زمانہ کے خاص عنایت فرما ہین۔
اسی نمبر مین پنڈت مادھو رام صاحب وکیل انبالہ کے نام کے ساتھ بجائے "پنڈت" کے "منشی" لکھ گیا ہے۔ امید ہے دونون صاحبان غلطیون کے لیے ہمکو معاف فرمائینگے۔

رجسٹرڈ نمبر ۲۱

سلہ حقوق

زمانہ

مرتبہ دیا نرائن نگم

جلد ۴۵ | اکتوبر ۱۹۲۵ء | نمبر ۴

فہرست مضامین

زمانہ پریس کانپور سے شائع ہوا

قیمت ممالک غیر سے عصر سالانہ ششماہی عمر ہندوستان کیلئے ششماہی عہ

جھوجھو تلیہ دار نو ایجاد جھولا

بچہ کتنا ہی اُچھلے کودے گر نہیں سکتا نہ ہی پکڑنے کی ضرورت نہ کسی کی نگرانی کی ضرورت ہاتھ پاؤں ہلاکر قدرے ورزش کرتا رہتا ہے جس سے ہاضمہ درست اور بچہ تندرست ہوتا ہے دانت نکلنے کی تکلیفوں سے بچا رہتا ہے جو بات دایہ اور ماں کی گود بھی نہیں ہو سکتی آگ پانی میل مٹی گرم و سرد ہوا سے محفوظ رہتا ہے بچہ کو خوشی آرام سے دیکھکر ماں کو فرحت رہتی ہے اور اطمینان سے گھر کے اور کاموں کی فرصت ملتی ہے چھوٹا بڑا ہر عمر کا بچہ جھول سکتا ہے تہہ ہو کر بستر مین لپٹ سکتا ہے ہر جگہ آسانی سے لٹکایا جا سکتا ہے وزن صرف تین پاؤ

جھوجھو معزز و مستند ڈاکٹر بچون کیواسطے تجویز کرتے ہین

(۱) ڈاکٹر کلف نے آپکا جھوجھو میرے بچہ کیواسطے تجویز کیا ہے۔ از لیڈی گارڈ مسوری (۲) دو اور بھیجئے مین آپکے جھوجھو کے مفید ہونیکی دلسے قدر کرتا ہون۔ از جناب کپتان دی بھوشن صاحب آئی ایم ایس از ڈیرہ اسمٰعیل خان۔

جھوجھو بچہ اور ماں دونون کیواسطے نعمت ہے خالی کھلونا ہی نہین ہے (۳) جھوجھو دیکھکر جی خوش ہو گیا آپنے مشرق کی صنعت تمدنیہ اور تفاقی صورت مین پیش کرکے نسل انسانی کے وسائل نشو و نما مین ایک قابل قدر اضافہ اور ملک پر احسان کیا ہے۔ اور صنعتی دنیا مین اپنی نوع کی اختراع جلیل از مولوی عبد الواسع سوروی ریونیو کونسٹ بڈھونہ چھاونی (۴) مین گھر کے بہت سے کام کر لیتی ہون اور بچہ آرام سے جھوجھو مین جھولتا رہتا ہے جناب مسز آئی داس صاحبہ از نانک۔ جھوجھو بہت بڑے آرام اور تھوڑے دام کی چیز ہے (۵) آپ کا جھوجھو بچون کے آرام کے لئے خاص چیز ہے بڑی خوبی یہ ہے کہ ان دامون پر ہر شخص خرید سکتا ہے از جناب سید حسن امام صاحب از گیا (۶) جھوجھو بہت پسند آیا نہایت مفید چیز ہے ہر گھر مین ہونا چاہئے۔ از جناب سید اصغر یوسف صاحب پلیڈر ایم۔ آر۔ اے۔ ایس لندن از گیا۔ (۷) جھوجھو پہنچنے کا شکریہ۔ جھوجھو چھوٹے بچے کیواسطے ایک دایہ کا کام دیتا ہے غریب اشخاص کیواسطے تو یون مفید ہے کہ بچہ کو لٹا کر گھر کا کاج بخوبی کیا جا سکتا ہے امیرن کیلئے یون مفید ہے کہ بچہ کی کھلائی سے اس فرصت مین دوسرا کام لیا جا سکتا ہے بچہ کیلئے بیحد شادمانی تروتازہ ہوا۔ اور ورزش کا باعث ہے بچہ کے رونے کی عادت چھڑا دیتا ہے غرضکہ سوائے عمدگی اور فائدہ کے دوسری بات نہین از جناب ڈاکٹر شبیر حسن صاحب کاظمی سابق تحصیلدار حیدرآباد حال گیسٹ کانپور۔

دنیا کی ترقی دوسرونکے تجربہ سے فائدہ اُٹھانے سے ہوتی ہے اپنے پیارے اور عزیز بچہ کو اس مجرب ہر دلعزیز اور مفید چیز سے محروم نہ رکھئے آج ہی [illegible] یا واپسی کی شرط پر بذریعہ وی پی منگا لیجئے۔

قسم اعلیٰ نیل کا فریم (۲ روپے) قسم اوسط آہنی فریم خاکی جین (۱ روپیہ) محصولڈاک وغیرہ بارہ آنہ (۱۲)

کے اینڈ کنیر کمپنی پوسٹ بکس نمبر ۳۲ فیض بازار نمبر ۳۷ دہلی

RAJPUT ZENANA TOILET.

Rajput School, 17th Century

5253-Lakshmi Art, Bombay.

آٹھوین صدی مسیح کی ابتدائی زمانہ مین اہل روما کی حکومت ختم ہو چکی تھی اور اسپین مین غربی گوتھ کی حکومت کو (جنکو وزگوتھ VISIGOTHS یعنی WESTERNGOTHS بھی کہتے ہین) دوسو برس سے زیادہ زمانہ گذر چکا تھا یہ ایک راسخ الاعتقاد عیسائی قوم تھی لیکن وہ نہ تو اپنے زمانۂ حکومت مین رعایا کی حالت کو (جو اہل روما کی حکومت کے زمانہ سے عشرت پرستی کی وجہ سے نہایت خراب ہو چکی تھی) بہتر بنا سکی اور نہ اپنے دامن کو عیش پرستی کے بدنما داغ سے محفوظ رکھ سکی۔ ہر فرد کا شعار تھا کہ ہر گناہ کے بعد اقرار گناہ و توبہ کرتا اور ہر اقرار توبہ کی بعد گناہ مین مبتلا ہوتا بقول شاعر

دیروز بہ توبہ شکستم ساغر
امروز بہ ساغرے شکستم توبہ

امرا کو سوائے عیاشی شرابخواری نفس پرستی اور قمار بازی کے اور کوئی کام نہ تھا تمام ملک بداخلاقی کا شکار ہو چکا تھا۔ درمیانی طبقہ کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ اسکی کمر ٹیکسوں کی

بھرمار سے ٹوٹ گئی تھی مزدور پیشہ لوگ غلامی کی حالت مین تھے۔ کاشتکار زمینون کے ساتھ
وابستہ تھے۔ اور مثل آراضی کے آراضی کے ساتھ ایک زمیندار کے پاس سے دوسرے
زمیندار کے پاس منتقل ہوجاتے تھے۔ ایک ریاست کے غلام دوسری ریاست کی غلامون
کے ساتھ شادی بیاہ نہ کر سکتے تھے اور اگر کبھی کوئی ایسا کرتا تو اسکی اولاد کو زمینداران
ریاستہائے متعلقہ آپسمین تقسیم کر لیتے۔ ایسے حالات مین نہ سیاسی حالات سے نہ کسیکو دلچسپی
ہوسکتی تھی اور نہ تھی۔

اُس زمانہ کے دستور کے موافق شاہی خاندان کے لوگ اپنے بچّون کو بغرض
تحصیل تہذیب وآداب سلطنت دربار شاہی مین بھیجتے تھے۔ یہ تو ایک ظاہری وجہ
تھی بباطن اسکا مطلب یہ تھا کہ کوئی ممبر خاندان شاہی اپنے بچّونکی حفاظت جان کے
خیال سے جو دربار شاہی مین موجود ہوتے تھے بغاوت نہ کرسکے۔ اسی تقریب سے کاونٹ
جولین گورنر کیوٹا کی دختر فلورنڈا بھی شاہ روڈرک کے دربار مین بمقام TOLEDO
ٹولیڈو آئی ہوئی تھی اور ملکہ کی حاضری مین بغرض حصول تہذیب وآداب سلطنت حاضر
دربار رہتی تھی۔ یہ نہایت خوبصورت تھی روڈرک کی نظر اسپر پڑی تو دل ہاتھ سے جاتا
رہا شاہانہ ذمہ داریون کا احساس بالائے طاق ہوگیا اور فلورنڈا کو قابو مین لانے کی کوششین
کرنے لگا۔ ایسی نازک حالت مین فلورنڈا نے جبکہ اُسکو اپنی آبروریزی کا ہر گھڑی اندیشہ تھا
ایک وفادار خادم کو ایک خط دیکر اپنے باپ کے پاس بھیجا اور اس سے طالب امداد ہوئی
کاونٹ جولین سابق شاہ وٹیزا کا جسکو روڈرک تخت سے معزول اور شاید قتل کرکے
تخت نشین ہوا تھا رشتہ دار تھا اور دلمین روڈرک کی جانب سے غبار رکھتا تھا۔ بیٹی کی
بیحرمتی کے خیال نے اس زخم دیرینہ پر نمک پاشی کی۔ چونکہ کھلم کھلا بغاوت نہ کرسکتا تھا
اسیلئے مصلحت سے کام لیا بہت سے تحفے تحائف لیکر روڈرک کی خدمت مین حاضر ہوا
اور کچھ روز رہ کر مع اپنی دختر کے کیوٹا واپس آگیا۔

اب جولین نے اپنی بیحرمتی کا بدلہ لینے کا ارادہ کیا اسوقت خلیفہ ولید کا زمانہ
تھا۔ شمالی افریقہ کو مسلمان فتح کر چکے تھے موسیٰ وہان کا گورنر تھا۔ جولین اسکے پاس

پہنچا ملک اسپین کی زرخیزی۔ دودھ وشہد کی فراوانی اور گوتھ کے ظلم ان کا ذکر
کرکے موسیٰ کو فتح اسپین کے لیے آمادہ کیا اور خود بھی مدد و رہنمائی کا وعدہ کیا چنانچہ
۷۱۰ء مین ایک چھوٹی سی فوج تعریف سپہ سالار کی ماتحتی مین اسپین یعنی اندلس
کے سواحل پر حملہ کرنے کے لیے بھیجی گئی۔ تعریف کامیاب ہوکر واپس آیا اور اس نے
اسپین کی بے بسی ولاچاری وجولین کی وفاداری کا تمام حال موسیٰ سے بیان کیا
۷۱۱ء مین موسیٰ نے دوسری فوج جنرل طارق کی ماتحتی مین عین اُس وقت
اندلس پر حملہ کرنے کے لیے بھیجی جب شہنشاہ روڈرک اسپین کے شمال مین ماسبق
قوم کی بغاوت کے فروکرنے مین مشغول تھا۔ طارق اسپین کے اس حصہ کو ہی پر لنگر انداز
ہوا جسکو اسکے نام پر اب جبل الطارق یا جبرالٹر کہتے ہین۔ وادی لقامین جس کو
ETELEDAUG کہتے ہین) طارق اور روڈرک مین ایک ہفتہ تک سخت
لڑائی تھی۔ آخر وقت مین سابق شہنشاہ وٹیزا کے تمام خاندان والون نے بیوفائی
کی اور طارق سے جاملے آخر روڈرک کام آیا اور دشمنان ملک وقوم کی غداری سے
اسپین یعنی اندلس مین اسلامی حکومت قائم ہوگئی اور معمولی مقابلہ کے بعد قرطبہ یعنی کارڈووا
البورا۔ مرشیا وغیرہ مشہور شہر مطیع ہوگئے۔ طارق کی غیر متوقع مسلسل کامیابیون نے
موسیٰ کے دلمین آتش حسد فروزان کردی وہ خود اسپین گیا۔ فرانس کی فتح کا ارادہ
کیا۔ تمام یورپ مین حالت اضطراب واضطرار رونما ہوئی اور یہ طے کرنیکے لیے کہ آیندہ
یورپ مین عیسائی حکمران رہین گے یا مسلمان۔ چارلس مارٹل مشہور سپہ سالار فرانس ایک
زبردست فوج لیکر ۷۳۲ء مین موسیٰ سے بمقام ٹورس (TOURS) برسرپیکار
ہوا اور موسیٰ کو شکست فاش دی۔ اندلس مین اسلامی فتوحات کا طوفان اپنی آخری
منزل پر پہنچکر ختم ہوگیا اور عیسائی اور مسلمان حکومتون کے درمیان حد فاصل مقرر ہوگئی
صوبجات گلیشیا۔ لیون۔ کیسٹائل ودیگر شمالی سرحدی صوبجات عیسائیون کے قبضہ مین
رہے بقیہ اسپین جسکو اہل اسلام اندلس کہتے تھے مسلمانون کے قبضہ مین رہا۔
اسلامی عہد غیر مطیعین باشندگان کے لیے نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوا۔ مزید فتوحات

کا خیال چھوڑ کر فاتحان نے انتظام ملک کیطرف توجہ کی۔ فضول خرچ و تعیش پسند قوم گوتھ کے دور حکومت کے ختم ہوتے ہی معمولی طبقہ پر ٹیکسون کا بوجھ بھی کم ہو گیا عام باشندگان نے عموماً اور غلامون نے بالخصوص مذہب اسلام قبول کیا جو مسلمان نہین ہوئے وہ جزیہ دیتے رہے۔ فاتحان کو انکی غیر متعصبانہ پالیسی نے ہر دلعزیز بنا دیا۔ زراعت و تجارت نے زبردست ترقی کی۔

وادی الکبیر اور وادی انا مین بہت سے شہر آباد ہو گئے علم کا سمندر موجین مارنے لگا۔ اندلس تہذیب و تمدن کا گہوارہ بن گیا۔ فرانس۔ جرمنی انگلستان۔ مصر۔ قسطنطنیہ بغداد عرب و دیگر ممالک سے طالبان علم گروہ در گروہ آنے لگے فنون جراحی و طبابت درجۂ کمال پر پہنچ گئے۔ قرطبہ مین خواتین بھی آسمان طبابت پر زہرہ و مشتری بنکر چمکین۔ علوم ریاضی۔ نجوم۔ علم النباتات۔ تاریخ فلسفہ قانون وغیرہ وغیرہ مین تحصیل کمال صرف اسپین مین ہو سکتی تھی۔ فن زراعت کے نکات و سائنٹفک اصولون پر آبپاشی کرنے کے طریقے صرف اہل اندلس کو معلوم تھے۔

تعمیرات قلعہ فنون جہاز سازی و جہاز رانی۔ پارچہ بافی۔ آہنگری۔ معماری کوزہ گری مین اندلس کے مسلمانون کو ید طولےٰ حاصل تھا۔ رزم و بزم مین یکتا تھے۔ بحر روم پر ان کا سکہ رواں تھا۔ خلفائے بنی فاطمہ کا قافیہ تنگ تھا۔ یورپ کی عیسائی ملکتین مسلمانان اندلس کی قابلیت کی خطبہ خوان تھین۔ غرضکہ تین سو سال مین مسلم حکمرانان اندلس کا آفتاب اقبال نصف النہار پر پہنچکر تمام یورپ پر علم و فضل کی ضیا پاشی کرنے لگا

اسلامی ممالک کی حکومت تقریباً چھ سو برس خلفا کے ہاتھ مین رہی۔ شروع کے چار خلیفاؤن۔ حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ۔ حضرت عثمانؓ و حضرت علیؓ کا انتخاب کم و بیش عوام کی رائے سے ہوا تھا۔ لیکن جسقدر فتوحات اسلام کا دائرہ بڑھتا گیا اسیقدر خلفا کا انتخاب بجائے جمہور کی آرا کے اور اور ذرائع سے ہونے لگا۔ حکومت کے ساتھ عیش و عشرت کے مزے آنے لگے۔ خلیفہ بجائے خادم قوم ہونے کے ملک کا مالک بننے لگا۔ اور رفتہ رفتہ مرکزی طاقت کمزور ہونے لگی۔ ابتدا مین مختلف صوبجات کے گورنرون کا

تقرر خلفا کے حکم سے عمل میں آتا تھا۔ پھر گورنر بظاہر مطیع لیکن بباطن خود مختار ہوتے
گئے۔ تخت خلافت کے لیے جنگ وجدل کی نوبت آنے لگی اور جن مذہبی اصول
اور روایات کو مدنظر رکھکر خلفا کا انتخاب ہوتا تھا وہ سب نظرانداز کر دیے گئے
خلیفۃ المسلمین ابتداءً جملہ اہل اسلام کا روحانی پیشوا خیال کیا جاتا تھا لیکن اب
محض اسلامی سیاسی طاقت کے اجتماع و کسی مرکزی طاقت کی نمائشی متابعت کے
خیال سے خلیفہ کی ہستی ضروری خیال کی گئی۔ رفتہ رفتہ اسپین بھی فرق آیا۔ خلفا
محض برائے نام خلیفہ رہ گئے۔ تیرہویں صدی میں مغلوں کے حملوں نے اس کا
بھی خاتمہ کر دیا۔ سلطان ٹرکی اگرچہ چند مہینے پہلے تک خلیفۃ المسلمین کے لقب سے
ملقب تھے لیکن اصلی معنوں میں وہ دنیائے اسلام کے روحانی یا سیاسی خلیفہ
نہ تھے۔ روحانی رہنمائی کا تو کیا ذکر وہ خود اپنی سیاسی مشکلات میں گرفتار تھے۔ علاوہ
ازیں بقول غازی مصطفےٰ کمال پاشا افغانستان فارس اور مصر کے مسلمانوں نے
اونکو کبھی اپنا خلیفہ تسلیم نہیں کیا اور اسی لیے غازی ممدوح نے سیاسی مشکلات کو حل
کرنے اور مذہبی تفرقات کو مٹانے کے لیے اُنکو معزول کر دیا اور عہدۂ خلافت کو
توڑ دیا۔

جس وقت مسلمانوں نے اندلس فتح کیا دمشق دارالخلافت تھا۔ حضرت علیؓ کی
خلافت کے خاتمہ پر اہل سیریا کی پارٹی نے حضرت معاویہ کو خلیفہ بناکر دمشق کو دارالخلافت
قرار دیا یہاں سے خلفاء بنو امیہ کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں چودہ خلفا ہوئے
ہیں جنہوں نے ۶۶۱ء سے ۷۵۰ء تک حکومت کی ہے۔ ان کے بعد خلفاء عباسیہ
کی حکومت شروع ہوتی ہے۔ انھوں نے بجائے دمشق کے بغداد کو دارالخلافت
بنایا جہاں پانچسو سال تک عباسی علم لہراتا رہا۔ ۱۲۵۸ء میں اسکو مغلوں نے فتح
کر لیا۔ اور خلافت کا اصلی معنوں میں خاتمہ ہو گیا۔ عام حکمرانوں کی طرح عباسیوں
نے بھی بنو اُمیہ کے خون میں ہاتھ رنگ کر تخت خلافت ۷۵۰ء میں حاصل کیا
لیکن معزول شدہ خاندان کا ایک شخص عبدالرحمٰن نامی اپنی جان بچا کر

بھاگ گیا اور شمالی افریقہ جا پہنچا اور کسی تدبیر سے صاحب تاج و تخت ہونے کے منصوبے باندھنے لگا۔ اندلس مین جو اسوقت خانہ جنگیون کا شکار ہو رہا تھا عبدالرحمن کی مدد کو تیار ہو گئے۔ ان کے علاوہ ان تمام غلامون نے بھی جنکو بنو اُمیہ نے آزاد کر دیا تھا۔ اور جو اب اسپین مین رہتے تھے مدد کا وعدہ کر لیا۔ ۷۵۶ء کے موسم بہار مین عبدالرحمن اندلس پہنچا۔ وہان کے گورنر یوسف سے جنگ ہوئی یوسف قتل ہوا اور سال کے اختتام سے پیشتر عبدالرحمن تمام اسلامی اسپین کا مالک ہو گیا۔ ابھی زیادہ عرصہ نہ گزرنے پایا تھا کہ ابن مغیث شمالی افریقہ سے ایک لشکر جرار لیکر اسپین مین دوبارہ عباسی حکومت قائم کرنے اور باغی عبدالرحمن کو قتل یا گرفتار کرنے کی غرض سے پہنچا اسکو منصور بانی خلیفہ نے بھیجا تھا دو ماہ کے محاصرہ کے بعد بمقام کرمنہ CARMONA عبدالرحمن نے ابن مغیث کو معہ تمام لشکر کے قتل کر ڈالا اور تمام مقتول سردارون کے سرون کو ایک تھیلہ مین بند کر کے بطور تحفہ کے ایک حاجی کے ہاتھ جو مکہ معظمہ کو حج کرنے جا رہا تھا خلیفہ منصور کے پاس بھیجدیا۔ اسکی اس جرارت و بیباکی کا خلیفہ پر یہ اثر پڑا کہ اسنے پھر کبھی عبدالرحمن کے معاملات مین کسی قسم کے مزاحمت نہ کی۔ ازان بعد متعدد بربر امرا اور عربی امرا نے بغاوتین کین لیکن فرو کر دی گئین۔ باغیون کو سزائین عبرت خیز دیگئین۔ تمام ملک مین امن و امان ہو گیا اور عبدالرحمن خود مختارانہ حکومت کرنے لگا۔

باوجود ان تمام جنگی مشاغل کے بادشاہ اپنی مذہبی فرائض کی ادائگی سے غافل در رہتا تھا۔ خود بھی عالم و شاعر تھا اور مذہبی علما کی بھی قدر کرتا تھا لیکن انکو سیاسیات مین دخل دینے کی اجازت نہ تھی۔

۷۸۸ء مین عبدالرحمن نے اس دار فانی سے کوچ کیا اور اسکی جگہ اسکا لڑکا ہشام تخت نشین ہوا۔ یہ نہایت نیک خوش اخلاق اور علم دوست تھا۔ تخت نشینی کے وقت کسی نجومی نے پشینگوئی کی تھی کہ اسکی عمر صرف آٹھ سال اور ہے۔ اسلیے اس فرشتہ خصلت بادشاہ نے اپنا وقت اور بھی عبادت الٰہی مذہبی علما کی قدر و منزلت

ان کے احکام کی تعمیل اور نیک کامون مین صرف کیا۔ رات کو بہ تبدیل لباس شہر مین
گھومتا بدمعاشون کو گرفتار کرتا اور غریبون اور مصیبت زدون کے دکھہ درد دور کرتا
اس نے قرطبہ کا پل دوبارہ تعمیر کرایا جو آج تک موجود ہے اس نے سنہ ۷۹۶ء مین انتقال
کیا اور اسکی جگہ حاکم تخت پر بیٹھا یہ بھی مثل اپنے بزرگون کے مذہب کا پابند تھا۔
لیکن فرق صرف اسقدر تھا کہ یہ خوش طبع و یار باش تھا اور سختی سے مذہبی احکام کی
پابندی نہ کرتا تھا۔ متعصب دیندار علما اسکے اس رویہ کو نفرت کی نظر سے دیکھتے تھے
اس زمانہ مین یحییٰ نام ایک مشہور فقیہہ تھا اس نے ایک مذہبی مدرسہ کھول رکھا تھا۔
جہان جامع ازہر قاہرہ کے فقہا قسطنطنیہ کے صوفی۔ دمشق۔ بغداد۔ مکہ معظمہ و دیگر
مقامات کے ملا و مذہبی علما درس و تدریس مین مشغول رہتے تھے اور گروہ در گروہ
طالبان علم تحصیل و تکمیل کے لیے آتے تھے۔ یحییٰ نہایت باحوصلہ تھا اور سلطنت کے
کامون مین مداخلت کرنا اپنا فرض سمجھتا تھا۔ ہشام کے زمانہ مین اسکی دیرینہ آرزو
جو عبدالرحمن کے زمانہ مین پوری ہو سکتی تھی پوری ہوئی اور ملایان مذہب دینی و سیاسی
معاملات مین فتاوے صادر کرنے لگے۔

غرض اندلس کے حاکم کو مذہبی علما علانیہ برا کہنے لگے اسکی جگہ اک اور ممبر
خاندان شاہی کو تخت پر بٹھانے کی سازش کی گئی یعنی مذہبی علما و طالبان علم اور وہ
عوام جو اسکے احکام کو آیت و حدیث کا مرتبہ دیتے تھے۔ سازش مین شریک تھے۔
لیکن اسکا حال کھلگیا اور بہت سے متعصب علما اور امرا کو پھانسی دیدی گئی۔ مگر
اس سے فساد مین کمی واقع نہوئی۔ مذہبی ملا مذہب کی آڑ مین مفویانہ خیالات کی اشاعت
کرتے رہے۔ اور حاکم کے اوپر کفر کا فتویٰ لگا کر رعایا کو بھڑکاتے رہے انجام کار سنہ ۸۰۵ء
مین رعایا نے بغاوت کردی مگر حکومت کیطرف سے بہت جلد فرو کردیگئی اور چن چن کر
باغی قتل کیے گئے۔ لیکن حاکم باوجود اپنی تمام کوششون کے مذہبی علما کا استیصال
کلی نکر سکا نتیجہ یہ نکلا کہ ملک باغیانہ خیالات کا گہوارہ بنگیا اور سنہ ۸۱۴ء مین بڑی زور
شور سے بغاوت ہوئی ہزارون کی تعداد مین طالبان علم و علما و فقہا شریک تھے اور

عوام کی رہنمائی کرتے تھے۔ حاکم نے پہلے سمجھانے کی کوشش کی لیکن ناکامیاب ہوا۔ جب اسنے دیکھا کہ باغی شاہی فوج کو مذہب کے نام پر ورغلاتے اور دباتے چلے جاتے ہین۔ تو اسنے ایک دستہ فوج کو چکردار راستہ سے شہر قرطبہ کے جنوبی حصہ پر حملہ کرنے کے لیے جہان باغی علماء و فقہا رہتے تھے بھیجا اس دستہ نے جاتے ہی۔ تمام محلہ مین آگ لگا دی باغیون نے جب اپنے گھر دو اسباب اور بیوی بچون کو نذر آتش ہوتے دیکھا تو فوراً گھر کی خبر لینے کو واپس دوڑے حاکم نے مفرورین پر پشت کی طرف سے حملہ کر دیا ہزارہا کی تعداد مین باغی قتل کئے گئے۔ اور جو بچے تھے وہ جلا وطن کر دیئے گئے۔ اسکے بعد ملّاؤن اور عوام کی ہمّت دوبارہ بغاوت کرنیکی نہوئی۔ اور حاکم کی عہد حکومت کا بقیہ حصہ امن و امان سے گذر گیا ۸۲۲ء مین حاکم کی وفات کے بعد اسکا لڑکا عبدالرحمن ثانی تخت نشین ہوا۔

اسلامی حکومت کے آغاز مین بہت سے اسپین کے عیسائی باشندے مسلمان ہوگئے تھے۔ یہ نومسلم اہل عرب سے بہت زیادہ جوشیلے تھے اور اپنے پُرانے ہم مذہبون پر زیادہ جوش و خروش سے نکتہ چینی کرتے تھے۔ اپنے آپ کو سچا مسلمان ثابت کرنے کے لیے کسی موقع پر مذہبی نمود و نمایش کو ہاتھ سے نجانے دیتے تھے اور قدم قدم پر اخوت اسلامی محبت عرب منافرت یہود و نصارا کا دم بھرتے تھے حاکم کے زمانہ کی جملہ بغاوتون کی تہ مین بھی خیالات کا کام کر رہے تھے۔ عیسائی باشندگان اندلس بھی نومسلمون کی مذہبی دیوانگی کے زہریلے اثر سے قدرتاً نہ بچ سکے۔ اور مدافعانہ طور پر وہ بھی اسلام و بانیٔ اسلام پر حملے کرنے لگے عوام مین تو یہ مذہبی کشمکش پھیل رہی تھی۔ اودہر عبدالرحمن ثانی جو حاکم کے بعد تخت نشین ہوا انتہایت تساہل پسند عشرت طلب اور کمزور بادشاہ تھا وہ زریاب۔ مطرب ملکہ طرب یحیی فقیہہ اور نصر حبشی غلام کی نازبرداریون مین مصروف رہتا تھا۔ زریاب کے علاوہ بقیہ تینون ہستیان اندلس کے سیاسی معاملات مین کامل طور پر شریک رہتی تھین۔ یحیی فقیہہ کی پرانی آرزو مین جو عبدالرحمن اول ہشام اور حاکم کے زمانہ مین

پوری نہو سکی تھین اب بارآور ہوئین۔ مذہبی وسیاسی معاملات پر اسکو اختیار کلی حاصل تھا۔ ایسی صورت مین نومسلم عیسائیون کی مذہبی دیوانگی رنگ لائے بغیر نہ رہ سکی اسلامی شریعت مین قرآن شریف یا پیغمبر اسلام کے خلاف کوئی بات کہنا کفر ہے اور اسکی سزا قتل ہے چنانچہ عیسائی مذہبی سا تھون کی پاداش مین جا بجا قتل کیے جانے لگے۔ اور صفحات تاریخ مین عیسائی شہیدون کی فہرستین نظر آنے لگین۔ یولوجیس۔ فلورا۔ پرفکٹس۔ اسحاق۔ سانکو وغیرہ وغیرہ قرطبہ کے مشہور عیسائی شہیدون مین ہین۔

عبدالرحمٰن کی وفات پر اسکا لڑکا محمد ۸۵۲ء تا ۸۸۶ء حکمران رہا۔ یہ نہایت متعصب تھا اسکے زمانہ مین مذہبی کشت وخون کی خوب گرم بازاری رہی رفتہ رفتہ مذہبی جوش کے کم ہونے پر ذمہ دار عیسائیون کو تصویر کا دوسرا رُخ بھی نظر آنے لگا۔ رفتار زمانہ اور صلحت پر نظر رکھکر مذہبی رواداری کے احکامات حرج سے جاری ہوئے اور مذہبی شور وشر فرو ہو گیا۔

۸۸۶ء مین مندہر تخت نشین ہوا گر یہ ۸۸۸ء مین قتل کر دیا گیا۔ ایک طرف تو قرطبہ کے عیسائیون کے مذہبی جوش وخروش نے تمام صوبہ جات مین ہلچل ڈالدی تھی دوسری طرف عبداللہ کے تخت پر بیٹھتے ہی جو مندہر کا بھائی اور اسکے قتل کا سبب تھا حکومت کی عنان کمزور ہاتھون مین چلی گئی۔ تمام ملک فرقہ بندیون کا شکار ہو گیا عربی بربری اور ہسپانوی امرا خود مختار ہو گئے۔ جا بجا قتل وغارتگری کا بازار گرم ہو گیا بالآخر شب تار کی صبح ہوئی اور ۹۱۲ء مین عبداللہ کے انتقال پر عبدالرحمٰن ثالث تخت نشین ہوا۔ اسنے تمام امرا کو جمع کیا اور ان سے صاف الفاظ مین کہدیا کہ یا تو حلف وفاداری اٹھائین یا جنگ کے لیے تیار ہو جائین۔ اب خود مختارانہ حکومت کرنا ناممکن ہے رعایا بھی طوائف الملوکی سے سخت نالان تھی۔ جسوقت عبدالرحمٰن نے باغی صوبون کی طرف رخ کیا بر ائے نام مقابلہ کے بعد سب فتح ہوتے چلے گئے۔

غرض آٹھ سال مین تمام ملک پر قبضہ ہو گیا۔ عبدالرحمٰن کی شریفانہ منصفانہ ہمدردانہ

اور غیر متعصبانہ طرز حکومت سے عیسائی و مسلمان سب خوش تھے۔ تجارت و زراعت مین پھر ترقی ہوئی۔ بحری لڑائی کے لیے جہازون کا بیڑہ تیار کیا گیا۔ ۹۲۹ء مین بادشاہ نے خلیفہ کا لقب اختیار کیا۔ اس زمانہ مین عباسی خاندان کے خلیفہ بغداد مین برسر حکومت تھے۔ عبد الرحمن نے انکو شکست دی اور بحر روم پر اپنا اقتدار قائم رکھا۔ قرطبہ مین نہایت خوبصورت محلات۔ حمام۔ باغات۔ مساجد تعمیر کرائی گئین۔ مدارس مین علم کے دریا بہائے گئے۔ تمام یورپ اور مغربی ایشیا و شمالی افریقہ کے تشنگان علوم قرطبہ مین آکر سیراب ہوتے تھے۔ علم طب و فن جراحی مین نئی نئی علوم ایجادین کی گئین۔ ابو القاسم خالف و ابن زہرآسمان طبابت پر آفتاب و ماہتاب بنکر چمکے ابن بیطار نے علم النباتات مین نئے نئے شگوفے کھلائے ابن الرئیس AVERROES نے علوم فلسفہ مین نئی نئی موشگافیان کین۔ اور یونانی فلسفہ کو یورپ کے قرون وسطی کے فلسفہ سے ملا دیا۔ علوم نجوم۔ جغرافیہ۔ کیمیا۔ تاریخ کی تکمیل قرطبہ مین ہوتی تھی۔ شاعری کا بازار گرم تھا۔ خلیفہ سے لیکر ماہی گیر تک شعر کہتے تھے ریشم بافی اندلس کی مشہور صنعت تھی۔ صرف قرطبہ مین ڈیڑھ لاکھ کے قریب ریشم باف تھے لیکن المیریا ALMERIA کے ریشمی سامانون اور قالینون نے صنعت قرطبہ کو بھی اٹھا کر بالائے طاق رکھدیا تھا۔ میورکا MAJORICA کے مٹی کے برتنون کی نقل کرکے اٹلی ظروف گلی کے لیئے مشہور ہوگیا۔ مسی و برنجی نقرئی وطلائی ظروف سازی اور ان مین قلمہائے دندان فیل وجواہرات کی پچی کاری لاثانی ہوتی تھی ٹولیدو کے فولادی تیغون کی آب سے سیویلی SEVILLE مرشیا اور غرناطہ کے فولادی ہتیارون کی شہرت پر پانی پھر گیا تھا۔

۹۶۱ء مین عبد الرحمن نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ حاکم ثانی اسکا جانشین ہوا یہ زبردست عالم و علم دوست تھا۔ بہادر بھی تھا۔ لیکن علمی مشاغل کو سیاسی الجھنون پر ترجیح دیتا تھا۔ شروع شروع مین شمال کی عیسائی ریاستون نے کچھ سرکشی کی لیکن عبد الرحمن ثالث کے زمانہ سے ان کے دلون پر اسلامی تیغ کی اسقدر ہیبت طاری

ہوگئی تھی کہ حاکم کی فوجکشی کرتے ہی فوراً ہی صلح کرلی۔ تمام فریقون نے صلحنامون پر دستخط
کردیئے۔ اور حاکم کو اپنا حاکم تسلیم کرلیا۔ سیاسی جھگڑون سے فارغ ہوتے ہی بادشاہ
کی توجہ اپنے مشہور عالم کتبخانہ کی تدوین و تکمیل کیطرف منعطف ہوئی۔ اسنے جابجا مشرقی
بلاد مین فراہمی کتب نادرہ کے لیے قاصد روانہ کئے شاہی لائبریری کے لیے شاہی
گماشتون نے قاہرہ بغداد دمشق وغیرہ مین کتب فروشون کی دوکانون پر علماء و فضلاء
کے نجی کتب خانون مین نادر و نایاب کتابین تلاش کرنا شروع کین۔ اور جس قیمت
پر مل سکین خریدین۔ یا ان کی نقل کرالی۔ اسطرح اس زمانہ مین جبکہ چھاپہ کا کوئی نام بھی
نہ جانتا تھا۔ اور کتابین خوشنویسون سے اُجرت پر نقل کراکر حاصل کیجاتی تھین۔ حاکم
نے اپنے کتب خانے مین چار لاکھ سے زیادہ کتابین جمع کرلین صرف یہی نہین بلکہ
اُن تمام کو پڑھ ڈالا اور بعض کی شرحین بھی لکھین۔
ایسا کوئی نسخہ نہ تھا جسپر حاکم نے حواشی نہ لکھے ہون۔ اسکے زمانہ مین ملک بیرونی
حملون سے بچا رہا آخر ۹۷۶ء مین اسنے عالم آخرت کی راہ لی۔

سری کرشن۔ بی ٹی آر۔ اے (بلند شہر)

(باقی آیندہ)

جذبات اثر

مژدۂ دوست کو نمناک کیا — آہ یہ کیا دل صدچاک کیا
جس جگہ داغ تھا خاکستر ہے — نالۂ شب نے اثر خاک کیا
تیرے انداز تغافل کے نثار — نگہ شوق کو بیباک کیا
عقل کی شمع بجھا کر مین نے — روشن آئینہ ادراک کیا

کس کی در پردہ شکایت ہے اثر
تم نے کیون شکوۂ افلاک کیا

مرزا جعفر علیخان اثر ڈپٹی کلکٹر اناؤ

مسئلۂ افلاس و تموّل

نور کو ظلمت سے - دن کو رات سے اور خیر کو شر سے جو فطری مناسبت ہی وہی
افلاس کے تمول سے ہے ان کی ہستی باہم دگر لازم ملزوم ہے - ایک کا قیاس دوسرے
کے بغیر ناممکنات سے ہے ایک کا ادراک دوسرے کے وجود کے بغیر ممتنع الفہم ہے -
دنیا اجتماع ضدین سے ناآشنا نہین - اسلیے افلاس و تمول کو اِس ذیل مین شمار
کرنا غیر مناسب نہین ہے - اگر پروفیسر آئن اسٹائن کا شہرہ آفاق اور انقلاب خیز نظریہ
اضافیات RELATIVITY درست ہے تو یہ قرین قیاس ہے کہ کوئی وجود
فی الذات مطلق نہین ہے یا بالفاظ دیگر یون سمجھیے کہ کوئی شخص امیر مطلق یا غریب مطلق
نہین ہے بلکہ غربت اور امارت صرف اضافی ہے -

اس ضروری مقدمہ کے بعد اب ہم اصل غشار کی طرف توجہ کرتے ہن - سب سے
نازک اور قدیم سوال یہ ہے کہ "کیا ہندوستان غریب ملک ہے؟" اسے زیادہ وضاحت
کے ساتھ یون بیان کر دینا واجب ہے "کیا ہندوستان افلاس کیطرف قدم بڑھائے
جاتا ہے یا خوشحالی سے دوچار ہوتا جاتا ہے" یہ سوال قدیم ہے اور نصف صدی سے
ہندوستان کے سیاسیات کا مرکز ثقل بنا ہوا ہے - کانگریس کے معرکتہ الآرا مسائل
مین اسے چوٹی کا درجہ عطا کیا گیا ہے - نان کواپریشن کا یہ مدار اصلی بنا رہا - سوراج
کے تازہ ترین مطالبہ کا یہ منبع ہے - ہمارے لیڈر چاہے وہ انتہا پسند ہون یا اعتدال
پسند اس مسئلہ مین گہری دلچسپی لیتے ہین - اگست ۱۹۲۱ء مین مہاتما گاندھی جی نے ایک
تقریر کے دوران مین یہ بیان کیا تھا کہ تین کروڑ آدمی رات کو خالی پیٹ سوتے ہین -

اِسی جوش و خروش کے زمانہ مین لالہ لاجپت رائے اور ایک دو اصحاب نے دس کروڑ آدمیون کے نیم گرسنہ سونے کا ذکر کیا تھا۔ اس سے تین سال پیشتر لندن مین مشترکہ پارلیمنٹری کمیٹی کے روبرو جو اصلاحات ہند کی ترمیم وازدیاد پر غور کر رہی تھی سر سنکرن نائر نے اظہار رائے کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ۔ ہندوستان مین سال بسال افلاس ترقی پر ہے جو جیلخانون کے قیدیون اور تعلیم گاہون کے لڑکون کی طبعی ناتوانی سے بخوبی عیان ہے۔ علاوہ ازین کسانون مین امساک باران کے خوفناک نتائج کے مقابلے کی طاقت نہین پائی جاتی "

اِس سے ظاہر ہے کہ گو مہاتما گاندھی اور سر سنکرن نائر موصوف کی پولیٹکل آرا ایک دوسرے کے متباین ہین۔ مگر مسئلہ افلاس پر دونون مین تعجب انگیز موافقت پائی جاتی ہے۔

اس نازک مسئلہ افلاس و تمول کی نسبت اہل الرائے اور تعلیم یافتہ اصحاب دو بڑے گروہون مین منقسم ہین۔ ایک فریق کا یہ دعوی ہے۔ اور وہ اسی کی تائید مین زبردست دلائل نقلی پیش کرتا ہے کہ ہندوستان بہت غریب ملک ہے۔ اور یہ کہ اسکے افلاس مین روز بروز زیادتی ہو رہی ہے روشن خیال اصحاب ہند بہ تعداد کثیر اس نظریہ کے حامی ہین انتہا پسند توہم پرست بیا ننگ دعوی کرتے ہین کہ انگریزی راج کی بدولت ملک تباہ اور مفلس ہو رہا ہے۔ اس بنا پر ناہل جمہور سے یہ استدعا کی جاتی ہے وہ اپنا راج قائم کرنے مین اپنے لیڈرون کی عملی معاونت کرین۔ برعکس اسکے کہ دوسرے گروہ کا یہ خیال ہے اور وہ اسے بطور قضیہ پیش کرتا ہے کہ ہندوستان مفلس اور تباہ نہین ہو رہا ہے۔ بلکہ خوشحال ہوتا جاتا ہے" اور اسکے ثبوت مین تاریخی واقعات اور اقتصادی حقائق کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ اس گروہ کا استدلال جدید اقتصادی اصولیات پر مبنی ہے۔

عرصہ سے دونون گروہون کے درمیان جیص بیص جاری ہے۔ اخبارون اور

رسالون کے مضامین کے اسوا لیکچرون مین بھی ایک دوسرے کی تکذیب کی جاتی ہے اور کبھی کبھی کتابین بھی شائع کی جاتی ہین۔

مسئلہ افلاس کی ابتدائی نسبت کچھ غلط فہمی ہے اسیلیے اسکا اجمالی ذکر ضروری ہے۔ سر ولیم ہنٹر نے اپنے زمانہ کے مشہور مورخ اور اہل قلم مدبر تھے۔ آپ نے ایک کتاب مین کلکتہ بمبئی وغیرہ مشہور شہرون کی سر بفلک اور محل نما شاندار عمارت کی شوکت ظاہری اور سوداگرون کی عظیم الشان کوٹھیون کی اندرونی دولت کا جو انگریزی راج کے دوران مین معرض وجود مین آئی ہین تذکرہ کرنے کے بعد یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ کروڑون ایسے آدمی بھی ہر حصہ ملک مین پائے جاتے ہین جو اس دولت و امارت سے سراسر ناآشنا ہین۔ حکام کا یہ فرض اولی ہے کہ وہ ان غریبون کی مالی حالت سدھارنے کی تجاویز اختیار کرین" یہ خیال غالبًا ساٹھ برس پہلے ظاہر کیا گیا تھا بعض لوگون نے اسکی اپنے حسب منشا تاویل کی۔ اور کروڑون آدمیون کی "نیم گرسنگی" کا ڈھکوسلہ تراش لیا اور دادا بھائی نورو جی آنجہانی نے سب سے پہلے افلاس ہند پر خامہ فرسائی کی تھی۔ ۱۸۶۹ء مین دفتر ہند کی ایک خاص مالی کمیٹی کے روبرو آپ نے جو عرضداشت پیش کی تھی۔ اس مین ۱۸۶۸ء کے حالات کے مطابق اہل ہند کی مجموعی دولت اور آمدنی فی کس کا تخمینہ مرتب کیا تھا۔ اول الذکر تین ارب چالیس کروڑ روپیہ اور آمدنی فی کس کا بیس روپیہ سالانہ اوسط نکلا تھا۔ ۱۸۸۲ء کے مالی بیان کے وقت ۱۸۸۱ء کا تخمینہ لگایا گیا تھا اہل ہند کی مجموعی دولت سوا پانچ ارب اور سالانہ آمدنی کا اوسط (۲۷) روپے قرار پایا تھا۔ عرصہ تک یہی تخمینہ عام جلسون مین پیش ہوتا رہا ہے بلکہ اب بھی انتہا پسند بالخصوص مسئلہ افلاس کے حامی اسی تخمینہ پر وثوق کلی رکھتے ہین۔ ولیم ڈگ بی مرحوم نے ایک کتاب مین افلاس ہند پر بحث کی تھی۔ جس سے اس نظریہ کے ہندی حامیون کی بڑی حوصلہ افزائی ہوئی تھی۔ دادا بھائی نورو جی نے اپنے نظریہ پر بڑی وضاحت اور تفصیل کے ساتھ ایک جامع کتاب مین بحث کی تھی۔ آپ کے شاگردون مین رومیش چندر دت تھے

جنہون نے اپنا زور قلم اسی مسئلہ کی تقریب اور ثبوت مین صرف کیا تھا۔ آپ نے محاصلات زمین کی روز افزون بیشی کو افلاس ہند کا محرک ٹھیرایا تھا۔ چند برس کے بعد ایک جداگانہ کتاب مین یہ دعوے پیش کیا تھا کہ برطانیہ کے مدبرون نے اپنی مخالفانہ پالیسی سے مصنوعات ہند کو برباد کیا تھا۔ گویا دت صاحب کی رائے مین مالگذاری کی ناقابل برداشت اور ضرر رسان شرح سے اہل زراعت کی تہی دستی۔ اور برطانیہ کے محصولات امتناعی سے صنعت پیشہ آبادی کی بربادی منسوب کی تھی۔ موجودہ بحثون مین عموماً ۱۸۸۱ء کے اوسط آمدنی فی کس (۲۷) روپیہ پر زور دیا جاتا ہے اور کبھی کبھی تجارت خارجی کو بھی افلاس ہند کا موجب قرار دیا جاتا ہے۔ نان کواپریشن کے زمانہ کی گرماگرم افراط تفریط بہتون کے ذہن سے دور نہین ہوئی ہوگی۔

جو لوگ اہل الرائے ہونے یا اقتصادی اُصول تحقیقات سے سطحی ہدایت دعویٰ پیش کرتے ہین وہ ہندوستان کے افلاس کا یہ ثبوت دیتے ہین کہ آمدنی فی کس بہت قلیل ہے۔ اور اسکا بے تکلفی سے غیر ملکون سے مقابلہ کیا جاتا ہے۔ لارڈ رپن کے زمانے مین جو تخمینہ مرتب کیا گیا تھا اسمین معلومات اور اسباب سے کام نہین لیا گیا تھا۔ یہ تخمینہ بالکل سرسری اور برائے نام تھا لارڈ کرزن نے اس قسم کے اسباب کی بنا پر اپنا تخمینہ ۱۹۰۱ء مین مرتب کرایا تھا۔ جو تیس روپیہ سالانہ تھا۔

فروری ۱۹۲۱ء مین سردار جوگیندر سنگھ صاحب کے ایک سوال کے جواب مین گورنمنٹ کی طرف سے یہ بیان کیا گیا تھا کہ ۱۹۱۱ء سے ایک تخمینہ سے پچاس روپے سالانہ اور دوسرے کے رو سے اسی روپے سالانہ آمدنی فی کس مرتب ہوئی تھی۔

۱۹۲۱ء کے شمار اعداد کی بنا پر صوبجات مدراس و بمبئی مین جو تخمینہ مرتب کیا گیا تھا اسکے رو سے دونون صوبون مین سو سو روپیہ سالانہ فی کس آمدنی کا اوسط برآمد ہوا تھا۔ مگر بحثون مین ۱۸۸۱ء یا ۱۹۰۱ء ہی کے تخمینہ سے کام لیا جاتا ہے۔ اور ۱۹۲۱ء کے تخمینہ کو بالکل ہی نظر انداز کیا جاتا ہے حالانکہ حالات مین زمین و آسمان کا

فرق پیدا ہوگیا ہے۔ سنہ ۱۹۰۱ء اور سنہ ۱۹۱۱ء کے مابین جو تغیرات واقع ہوئے۔ وہ سنہ ۱۹۱۱ء اور سنہ ۱۹۲۱ء کے انقلابات کے سامنے کوئی حقیقت ہی نہین رکھتے۔ اقتصادی دنیا کی ہیئت ہی بدلگئی۔

پچھلی بحث کا یہ ماحصل ہے۔ کہ سنہ ۱۸۸۱ء یا سنہ ۱۹۰۱ء کے تخمینۂ آمدنی پر افلاس ہند کا نظریہ قائم کرنا کسی طرح بھی اخلاقیات مین داخل نہین اسپر جو استدلال مبنی ہی وہ سراسر مغالطہ خیز ہے۔ اور کوئی آدمی جو عقل سلیم سے بہرہ ور ہو اس قسم کی خطرناک غلطی مین مبتلا نہین ہوگا۔ اس دیرینہ تخمینہ اوسط آمدنی کو تقریرون اور تحریرون کا بحث مستند یا موضوع عام بنانے اور جا و بیجا اسکے ایمان سے اہل وطن کی کوئی دیرپا اور مستقل اور مفید اور سود مند خدمت نہین ہوسکتی مناسب یہ ہے کہ بیجا ہٹ اور نامناسب ضد کو بالائے طاق رکھکر حقائق اقتصادیات اور واقعات حاضرہ سے ہدایت حاصل کیجائے۔

جو تبدیلیان گزشتہ نصف صدی مین عالم تجارت و زراعت اور دنیائے صنعت و حرفت اور اقلیم اقتصادیات مین واقع ہوئی ہین ان کا اجمالی تذکرہ خالی از لطف نہ ہوگا۔ بلکہ یہ تبصرہ موجودہ مقاصد کے لیے ضروری ہے کیونکہ اسکی وساطت کے بغیر اوس آمدنی سے پیدا شدہ غلط فہمی کی نوعیت کماحقہٗ واضح نہین ہوسکے گی۔ ان کا لب لباب یہ ہے۔

(۱) تجارت خارجی مین بیحد وسعت (۲) صنعت و حرفت کے کارخانون کی توسیع (۳) زراعت کی ترقی کے بیش بہا وسائل۔ (۴) انہار کے سلسلہ کی مسلسل وسعت (۵) سلسلۂ آمد و رفت کے ذرائع کی توسیع۔ ان کا تفصیلی تذکرہ ضروری ہے۔

سنہ ۱۸۳۴-۳۵ء مین غیر ممالک سے ہندوستان مین سوا چار کروڑ روپیہ کی مختلف اشیاء اور ایک کروڑ سوا (۸۹) لاکھ روپیہ کا سونا چاندی درآمد ہوا تھا۔

اوراس ملک سے کل آٹھ کروڑ پونے انیس لاکھ روپیہ کا مال باہر گیا اور اسمین سونا چاندی وغیرہ بھی ہے۔ جو افغانستان کے راستہ سے وسطی ایشیا ترکستان تبت نیپال اور مشرقی سرحد کے پار جاتا ہے۔

سنہ ۱۹۲۲-۲۳ء اور سنہ ۱۹۴۵-۴۶ء کے مابین اشیائے درآمد کی اوسط مالیت چھ کروڑ ۹۸ لاکھ اور سونے چاندی کی درآمد بالاوسط پونے چار کرور روپیہ سالانہ رہی اور برآمد کا اسی دہ سالہ عرصہ مین تیرہ کروڑ ۳۷ لاکھ ساڑھے ۴۸ ہزار روپیہ سالانہ اوسط رہا اسمین سونے چاندی کی برآمد بھی شامل ہے۔ سنہ ۱۸۸۰-۸۱ء مین غیر ملکون سے (۵۳) کروڑ کا تمام مال اور نو کروڑ کا سونا چاندی درآمد ہوا تھا۔ اسی سال (۷۶) کروڑ کا مال باہر گیا۔ جسمین ایک کروڑ چالیس لاکھ روپیہ کی سونے چاندی کی برآمد بھی شامل ہے۔ سنہ ۱۹۰۹-۱۰ء مین درآمد مع سونا چاندی (۹۳) کروڑ (۹۱) لاکھ روپیہ اور برآمد ایک ارب ۲ کروڑ روپیہ کی ہوئی تھی اور اس سال ایک ارب ۱۲ کروڑ ساڑھے (۹۴) لاکھ روپیہ کا مال برآمد ہوا تھا۔ سنہ ۱۹۱۰-۱۱ء مین ایک ارب ساٹھ کروڑ کا مال آکر داخل ہوا اور ایک ارب ۹۴ کروڑ کا باہر گیا۔ سنہ ۱۹۰۰-۱۹۰۱ء مین غیر ملکون سے اسی کروڑ ۹۰ لاکھ کا تمام مال آیا اور ۲۳ کروڑ ۷۵ لاکھ کل ایک ارب ۵ کروڑ کا مال گیا۔ سنہ ۱۹۲۶-۲۷ء مین ۲ ارب ۲۱ کروڑ ستر لاکھ روپیہ کا تمام مال اور (۷۸) کروڑ ۱۳ لاکھ ۸۸ ہزار کا سونا چاندی درآمد ہوا۔ اسی سال تین ارب ۴۶ کروڑ پونے ۴۴ لاکھ روپیہ کا مال غیر ممالک کو برآمد ہوا تھا۔ ان اعداد سے عیان ہے کہ سنہ ۱۸۸۰ء اور سنہ ۱۹۲۱ء کے درمیان تجارت خارجی کی مجموعی مالیت ایک ارب ۳۸ کروڑ بارہ لاکھ سے بڑھ کر ۶ ارب ۴۶ کروڑ ۳۷ لاکھ روپیہ ہو گئی۔ تجارت کی توسیع کی بابت دو امور قابل لحاظ ہین (۱) توازن تجارت مسلسل بحق ہندوستان چلا آتا ہے۔ دوسرے لفظون مین اس سے مراد یہ ہے کہ غیر ملکی تجارت مین ہندوستان کو نفع کثیر پہنچتا چلا آتا ہے (۲) سونے چاندی کی مقدار اور مالیت ترقی کی طرف مائل چلی آتی ہے سنہ ۱۹۳۴-۳۵ء مین یہ دونون بیش قیمت اور ہوس انگیز دھاتین ایک کروڑ نواسی لاکھ روپیہ کی آئین۔

تھین۔ اور سنہ ۱۹۲۰-۲۱ء مین (۸۰) کرور ۲۳ لاکھ کی درآمد ہوئی تھی اُن کا ایک حصہ قرب وجوار
کے ملکون مین چلا جاتا ہے۔ اور ایک معقول حصہ ٹکسالون مین مضروب ہوتا ہے سنہ ۱۹۱۱-۱۲-۱۳
مین ایک ارب چار کروڑ روپیہ کا سونا اور گیارہ کروڑ روپیہ کی چاندی سنہ ۱۹۲۲-۲۳-۲۴ء
مین اول الذکر ایک ارب چودہ کروڑ کا اور موخر الذکر چھپن کروڑ روپیہ کی آئی تھی۔ جنگ
عظیم سے پہلے سالانہ توفیر بالاوسط (۸۷) کروڑ روپیہ تھی۔ سنہ ۱۹۲۳ء مین آٹھ کروڑ تیس لاکھ
پونڈ کی توفیر مرتب ہوئی تھی سنہ ۱۹۲۱ء مین ہندوستان کو تجارت مین تین کروڑ
پونڈ کا خسارہ رہا۔ مگر سنہ ۱۹۲۲ء مین نوے لاکھ پونڈ کا منافع حاصل ہوا تھا۔ ماہرین اقتصادیات
کی رائے مین توفیر تجارت خوشحالی کی دلیل ہے۔ دوسرے لفظون مین اس سے مراد
یہ ہے کہ بین الاقوام خرید و فروخت مین ہندوستان لگاتار مستفید ہوتا چلا آتا ہے۔

تجارت خارجی سے قطع نظر زراعت مین بھی بیحد ترقی عمل پذیر ہوئی ہے ۔
(۱) مزروعہ رقبہ مین بیشی (۲) سلسلۂ انہار مین توسیع (۳) زرعی اور تجرباتی
فارم اور زراعتی تعلیم کے کالج (۴) اجناس کی پیداوار کی مقدار مین اضافۂ عظیم جو
مذکورۂ صدر وسائل کے طفیل مرتب ہوا ہے (۱) سنہ ۱۹۰۰-۱۹۰۱ء مین قیصری ہند مین کل اکیس
کروڑ (۱۷) لاکھ ایکڑ رقبہ زیر کاشت تھا۔ سنہ ۱۹۱۰-۱۱ء مین یہ بائیس کروڑ تیس لاکھ
۶۵ ہزار ایکڑ ہوگیا۔ سنہ ۱۹۱۹-۲۰ء مین بائیس کروڑ اٹھائیس لاکھ ایکڑ رقبہ پر فصلین کاشت
کی گئی تھین۔ بیسوین صدی کے دوران مین مزروعہ رقبہ مین اتنی بھاری بیشی نہین
ہوئی۔ کہ جتنی گذشتہ صدی کے آخر مین ہوئی تھی۔ ہنوز اور بہت سا قابلِ زراعت رقبہ
غیر مزروعہ اور ویران پڑا ہوا ہے کہ جو نہرون کی بدولت سرسبز و شاداب ہوگا۔ مگر سب سے
زیادہ قابلِ غور تو یہ انہار ہین کہ جنکی طفیل سال بسال سیراب رقبہ مین حیرت افزا
ترقی ہوتی چلی آتی ہے۔ سنہ ۱۸۷۹ء مین ایک کروڑ پانچ لاکھ ایکڑ اراضی نہرون سے
سیراب ہوئی تھی۔ سنہ ۱۹۰۰ء مین ایک کروڑ ساڑھے بانوے لاکھ ایکڑ رقبہ ہوگیا۔ اور
سنہ ۱۹۱۹-۲۰ء مین دو کروڑ اسی لاکھ ایکڑ تک جا پہنچا۔ علاوہ ازین کنوؤن۔ تالابون اور ندیون
سے بھی رقبہ سیراب ہوتا ہے۔ کہ جو سنہ ۱۹۰۰-۱۹۰۱ء مین تیس لاکھ ایکڑ تھا۔ مگر سنہ ۱۹۱۹-۲۰ء مین
یہ ۴ کروڑ ۹۰ لاکھ ۶۳ ہزار ایکڑ ہوگیا۔ جو کل رقبہ کے ۱/۴ سے قدرے زیادہ ہے۔ سنہ ۱۹۰۰-۱۹۰۱ء

مین نہرون کا مجموعی طول (۳۹۱۴۲) میل تھا۔ مگر ۲۱-۱۹۲۰ء مین (۵۲۰۲) میل ہو گیا۔
علاوہ ازین وادی ستلج کی نہر اور نیز سکھر اوڑی کے قریب سندھ سے جو نہرین تیار
ہو رہی ہین ان کی بدولت کروڑ ڈیڑھ کروڑ ایکڑ اراضی اور سیراب ہو گی۔ آیندہ بیس سال
مین نئی نہرون سے آدھے سے زیادہ رقبہ سیراب ہونے کی توقع کیجاتی ہے۔

۱۹۰۱-۱۹۰۰ء مین تمام نہرون پر جو سرمایہ صرف ہوا تھا۔ بیالیس کروڑ ۳۶ لاکھ
روپے تھا۔ مگر ۲۱-۱۹۲۰ء مین یہ (۷۸) کروڑ (۹۱) لاکھ روپیہ ہو گیا۔ اور خالص بچت
مین بھی معتد بہ بیشی ہوتی چلی آتی ہے۔

(۳) ۱۸۸۰ء مین زراعت کی ترقی کے لیے شاید ہی کوئی تجربہ کے لیے
فارم ہوگا۔ اسکول اور کالج ہنوز ہستی مین نہ آئے تھے مگر اب ہر صوبہ مین شاندار
زرعی کالج اور اسکول اور تجربے کے لیے بیسون فارم ہین جنکی بدولت کاشتکار
دقیانوسی طریقۂ کاشت کی بے سودگی سے عملاً واقف ہوتے جاتے ہین۔ اور نئے
نفع رسان طریقے اور آلات استعمال کرکے بیحد فائدہ اُٹھا رہے ہین۔

(۴) زرعی پیداوارون مین نہرون اور جدید مغربی طریقون سے بیحد اضافہ ہو رہا ہے
اسکا اندازہ صرف اس بات سے ہو سکتا ہے کہ پنجاب مین نہری آراضیات کی پیداوار
۶۳-۱۸۶۲ء مین دو کروڑ روپیہ تخمینہ ہوئی تھی۔ مگر ۲۰-۱۹۱۹ء مین نہرون سے سیراب
شدہ رقبہ مین ۶۳ کروڑ روپیہ کے اجناس پیدا ہوئین۔ فی ایکڑ پیداوار کا اوسط ۴۰
روپیہ ہوا ہے۔ اسی سے دوسرے صوبون کی نہری زمین کی پیداوار کا بھی اندازہ
ہو سکتا ہے۔

تجارت اور زراعت نے گذشتہ چالیس پچاس سال مین جو قابل فخر وسعت
اختیار کی ہے۔ صنعت و حرفت سے بیگانہ نہین رہی۔ سب سے زیادہ قابل ذکر کپڑے کے
کارخانے ہین۔ مغربی نمونہ کا پہلا کارخانہ ۱۸۵۱ء مین بمبئی مین قائم ہوا تھا۔ مگر
باقاعدہ شمار و اعداد ۱۸۸۰ء سے پہلے مرتب نہین ہوئے تھے۔ ۱۸۸۰ء مین کپڑا بننے
کے تمام ہندوستان مین (۶۳) کارخانے تھے۔ اور ان کا مجموعی سرمایہ چھ کروڑ ۷۵ لاکھ

تھا ان مین کام کرنے والے (۵۰) ہزار تھے۔ سنہ ۱۹۰۰ء مین ان کا شمار اعلےٰ الترتیب (۱۹۵) سرمایہ سولہ کروڑ پونے (۸۰) لاکھ۔ اور کام کرنے والے ایک لاکھ (۱۷) ہزار ہو گئے۔ سنہ ۲۰-۱۹۱۹ء مین ان کارخانون کا شمار (۲۶۳) اوران کے اندر ایک لاکھ سے ساڑھے سترہ ہزار کر گھے اور ۶۷ لاکھ تکلے اور کام کرنیوالے تین لاکھ پانچ ہزار تھے ان کا مجموعی سرمایہ (۳۸) کروڑ ۳۵ لاکھ ۷۹ ہزار روپیہ تھا اوران مین سوت نمبر ایک سے لیکر نمبر ۲۵ تک اور اس سے اوپر تیار ہوا تھا۔ وہ سنہ ۹۷-۱۸۹۶ء مین چالیس کروڑ (۳۹) لاکھ پونڈ تھا۔ اور سنہ ۲۰-۱۹۱۹ء مین پونے ساٹھ کروڑ پونڈ تیار کیا گیا تھا۔ ان کارخانون مین کپڑا سنہ ۹۷-۱۸۹۶ء سے لیکر سنہ ۱۹۰۱ء تک بالا وسط نو کروڑ ساڑھے اٹھارہ لاکھ پونڈ سالانہ تیار ہوا اور سنہ ۲۰-۱۹۱۹ء مین (۳۵) کروڑ (۵۶) لاکھ اسی ہزار پونڈ بنا گیا۔

ٹپسن کی تجارتی اہمیت کپاس اور روئی سے دوسرے درجہ پر ہے سنہ ۸۰-۱۸۷۹ء مین پٹسن کے کارخانون کی تعداد (۲۱) تھی۔ اوران کا کل سرمایہ دو کروڑ ستر لاکھ روپیہ اوران کے اندر کام کرنے والے (۳۸) ہزار آٹھ سو تھے۔ سنہ ۲۰-۱۹۱۹ء مین ان کے اعداد (۷۶) پندرہ کروڑ (۶۳) لاکھ اور دو لاکھ اسی ہزار علیٰ الترتیب تھی۔ معدنیات کے تذکرہ سے دانستہ چشم پوشی کی جاتی ہے۔

جائنٹ اسٹاک کمپنیون کا ذکر اجمالی نامناسب نہ ہوگا۔ سنہ ۱۲-۱۹۱۱ء مین ہر قسم کی مشترکہ سرمایہ کی کمپنیون کا شمار (۲۴) تھا۔ اوران کا ادا شدہ سرمایہ ۶۹ کروڑ روپیہ تھا۔ مگر سنہ ۲۱-۱۹۲۰ء مین ان کی تعداد (۴۲۸۲) ہوگئی اوران کا ادا شدہ سرمایہ ایک ارب ۵۰ کروڑ ۱۳ لاکھ روپیہ تھا۔ یہ حیرت انگیز ترقی صرف دس سال کے عرصہ مین ہوئی ہے۔

جملہ اقتصادی ترقیان بے سود اور ایا ہج ہین تا وقتیکہ وسائل آمد و رفت نہ ہون۔ ریلوے اور صاف سیدھی سڑکین تار اور ڈاک خانہ اگر ایک طرف تمدن کے معادن لوازم ہین تو دوسری طرف صنعتی تجارتی اور زرعی ترقیان انکی تحریک سے عمل مین آتی ہین۔ اسلئے ان کا مختصر تذکرہ غیر موزون نہ ہوگا۔

(۱) ریلوے۔ ہندوستان مین پہلی لائن بمبئی اور تھانہ کے درمیان اکیس میل

لمبی اپریل سنہ ۱۸۵۳ء مین کھلی تھی۔ اور دوسری لائن ہوڑہ اور ہگلی کے درمیان اگست سنہ ۱۸۵۴ء مین کھلی تھی۔ اسکے بعد اب تک سال بسال اسمین توسیع ہوتی چلی آتی ہے سنہ ۱۹۰۶ء کے اخیر مین (۲۹) ہزار میل ریلوے جاری تھی۔ مگر سنہ ۱۹۱۱ء مین (۳۲) ہزار سنہ ۱۹۱۳-۱۴ء مین ساڑھے (۳۴) ہزار میل ہوگئی۔ اور سنہ ۱۹۲۰-۲۱ء مین (۳۷) ہزار میل تیار ہوگئی۔ سنہ ۱۹۰۶ء مین ریلون پر جو سرمایہ خرچ ہوا تھا۔ تین ارب سوا اکہتر کروڑ روپیہ تھا سنہ ۱۹۱۰ء مین یہ چار ارب (۳۹) کروڑ روپیہ تک جا پہنچا۔ سنہ ۱۹۲۰-۲۱ء مین چھ ارب (۲۶) کروڑ ساڑھے اسی لاکھ روپیہ پا یا گیا۔ ظاہر ہے کہ اسمین بہت ترقی ہو رہی ہے۔ پھر ریلوے سفر سال بسال قبولیت عام حاصل کرتا چلا آتا ہے۔ سنہ ۱۹۰۱ء مین ساڑھے انیس کروڑ آدمیون نے ریل کے ٹکٹ خریدے تھے۔ سنہ ۱۹۱۱ء مین ان کا شمار انتالیس کروڑ کے قریب پہنچگیا۔ اور سنہ ۱۹۲۱ء مین چھپن کروڑ کے لگ بھگ ہوگیا۔ ان مین سے (۴۹) کروڑ درجہ سوم کے۔ ایک کروڑ ۲۰ لاکھ ڈیوڑھے درجے کے ۲۰ لاکھ درجہ دوم کے اور صرف ۱۰ لاکھ درجہ اول کے مسافر تھے۔

(۲) تمدن کی اشاعت اور عام ترقی مین ڈاکخانہ اور تار کا درجہ ریلون سے کچھ ہی کم ہے۔ اقتصادی ترقی کو ان دونون کی بدولت بہت تحریک پہنچتی ہے سنہ ۱۸۹۳-۹۴ء مین سارے ہندوستان مین ڈاکخانون کا شمار دس ہزار (۸۷۳) تھا جو سنہ ۱۹۱۳-۱۴ء مین اٹھارہ ہزار نوسو (۴۶) ہوگیا۔ اول الذکر سال مین ڈاک کے راستون کی طوالت ایک لاکھ ساڑھے سولہ ہزار میل تھی مگر بیس سال کے بعد یہ ایک لاکھ چھپن ہزار میل سے ذرا کم پائی گئی۔ سنہ ۱۹۲۲-۲۳ء مین ڈاکخانون کا شمار ۱۹ ہزار ۴۹۶ اور ڈاک کے راستون کی طوالت ایک لاکھ (۷۵) ہزار تین سو ایک میل پائی گئی تھی۔ سنہ ۱۸۹۳-۹۴ء مین پوسٹ کارڈ۔ لفافے اخبارات پیکٹ وغیرہ جو ڈاکخانہ کی وساطت سے پہنچائے (۳۶) کروڑ اسی لاکھ تھے۔ مگر سنہ ۱۹۱۴ء مین ان کا مجموعی شمار ایک ارب تین کروڑ ستر لاکھ تک جا پہنچا۔ اور سنہ ۱۹۲۰-۲۱ء مین یہ سب ایک ارب ۳۸ کروڑ ۹۳ لاکھ ۷۰ ہزار پائے گئے۔ پارسل بیس سال کے عرصے مین بیس لاکھ سے بڑھکر ایک کروڑ ۲۵ لاکھ ہوگئے۔ غیر ممالک کے جو خطوط پارسل پیکٹ وغیرہ وغیرہ ڈاک کے وسیلہ سے بھیجے گئے۔ وہ ایک کروڑ اسی لاکھ سے بڑھکر ساتھ کروڑ ہوگئے۔ سنہ ۱۸۹۳-۹۴ء مین اٹھارہ کروڑ اسی لاکھ سوا اکیس ہزار کے منی آرڈر

ڈاک کے وسیلہ سے تقسیم ہوئے۔ اور ۱۴-۱۹۱۳ء میں (۵۶) کروڑ، ۴۲ لاکھ ساڑھے چھ ہزار روپیہ تقسیم کیا گیا۔ ۲۱-۱۹۲۰ء میں ملکی اور غیر ملکی منی آرڈروں کی رقم مجموعی چوراسی کروڑ ساڑھے گیارہ لاکھ تک پہنچ گئی۔

۲۳-۱۹۲۲ء میں بیمہ کی چیزوں کی مالیت آٹھ کروڑ روپیہ بیان کی گئی تھی۔ مگر ۱۴-۱۹۱۳ء میں ان کی مالیت (۷۳) کروڑ روپیہ بیان کی گئی۔ ۱۹۲۲ء میں ڈاکخانہ کے سیونگ بنکوں میں آٹھ کروڑ ۲۶ لاکھ روپیہ جمع تھا۔ مگر ۱۹۱۴ء میں یہ رقم ۲۳ کروڑ سولہ لاکھ روپیہ ہوگئی۔ اور ۱۹۲۱ء میں بائیس کروڑ ۸۶ لاکھ روپے سیونگ بنک میں جمع پائے گئے۔ ڈاکخانہ کے اعداد سے تمدنی اور اقتصادی ترقیوں پر قابل قدر روشنی پڑتی ہے۔ ۹۴-۱۸۹۳ء میں محکمہ تار کی وساطت سے ۴۴ لاکھ ۹۱ ہزار تار روانہ ہوئے اور ۱۴-۱۹۱۳ء میں محکمہ تار کی وساطت سے (۲۳) لاکھ ۱۹ ہزار تار روانہ ہوئے۔ اور ۱۴-۱۹۱۳ء میں ایک کروڑ ۶۶ لاکھ کے قریب تقسیم کئے گئے۔

۱۶-۱۹۱۵ء میں سڑکوں کے ساتھ ساتھ ۳۷ ہزار میل لائن اور باسٹھ ہزار سات سو میل تار تھا۔ مگر ۲۲-۱۹۲۱ء میں ان کا شمار ساڑھے (۳۸) ہزار اور ۶۵ ہزار میل علی الترتیب تھا۔ اول الذکر سال میں ریلوے لائن کے ساتھ ۴۳ ہزار آٹھ سو ۳۵ میل لائن اور دو لاکھ بیالیس ہزار میل تار تھا۔ جو سال موخر الذکر میں علی الترتیب ۴۵ ہزار اور ۲ لاکھ ۶۵ ہزار ہوگیا۔

بطور قضیہ یہ بیان کردینا ضروری ہے کہ کوئی قوم نہ تو غریب مطلق اور نہ امیر مطلق ہے۔ سب ملکوں میں غربت و تموّل نسبتی صورت میں پایا جاتا ہے اگر امریکہ (صوبجات متحدہ) سب سے دولتمند ہے یا برطانیہ اقتصادی اور تمدنی لوازم راحت سے بہرہ ور ہے تو اس سے یہ مراد نہیں کہ وہاں کوئی فرد قوم ضروریات زندگی کی پریشان کرنے والی قلت سے ناآشنا ہے۔ لندن میں تین لاکھ کے قریب انسان بے خان و مان پھرتے ہیں جو رات کو بسر کرنے کے لیے اخباروں کے دفتروں سے گرے پڑے ردّی کاغذ اکٹھے کرکے کھنڈروں کے اندر جا گھستے ہیں۔ نیویارک۔ شکاگو۔ پیرس اور برلن جو امارت اور خوشحالی کے مرکز سمجھے جاتے ہیں۔ وہاں کے غربا کی حالت

دردناک ہے برخلاف اسکے ہندوستان کے محتاجون غریبون سے بدرجہا آسودہ حال ہین

افلاس وتمول کی جان صرف ضروریات زندگی ہین۔ دوسرے لفظون مین

ان سے مفہوم زندگی کے راحت کے سامانون کی کثرت اور قلت ہے اور اسکا انحصار

طبعی حالات پر ہے۔ راحت زیست کا دارومدار ضروریات کی بہم رسانی اور گردوپیش

کے حالات پر ہوتا ہے۔ یورپ اور امریکہ مین جہان شدت کی برف پڑتی ہے۔ راحت

کے سامان بہم پہنچانے کے لیے سخت محنت سے کام لینا پڑتا ہے۔ یون سمجھنا چاہئے

کہ تمدنی زندگی کی آسایش کے سامان گوناگون ہونے کے باعث نسبتاً زیادہ قدروقیمت

پاتے ہین۔ روس اور سکنڈلی نیویا دسوئڈن ناروے) کی آب وہوا کی سختی سے گرم

کپڑے اور بھاری بوٹ اور جسم کے اندر گرمی پیدا کرنیوالی چیزون کے استعمال کی ضرورت

ناگزیر ہے۔ علاوہ ازین بائیسکوپ۔ تھیٹر۔ برقی روشنی اور مکان روشن اور گرم

رکھنے کے لیے۔ ٹرام عام سواری کے لیے۔ ٹیلیفون اخبارات اور رسائل اور کتب

تفریح طبع کے واسطے اور نیز اور کھیل تماشے اور ضروریات زندگی مین داخل ہین ان

کے بغیر راحت دشوار ہے۔ اور ان لوازم کے حصول کے لیے بہت روپیہ درکار ہوتا ہے۔

برخلاف اسکے ہندوستان کی گرم آب وہوا مین نہ تو گرم کپڑے اور نہ حرارت پیدا کرنے

والی خوراک کی ضرورت ہے۔ نہ برقی روشنی۔ ٹیلیفون۔ ٹرام۔ کھیل تماشے اور اخبارات لازم

ہین۔ اسوجہ سے ہماری راحت کے سامان مختصر اور کم قیمت ہین جنکے حصول کے لیے

بہت روپیہ درکار نہین۔ دھوتی کرتے اور چادر مین جو مزہ ہے وہ بھاری اونی کوٹ

اور بنیان مین نہین ہے۔ بنابرین امریکہ انگلستان فرانس اور جرمنی کے لوگون کی اوسط آمدنی کا مقابلہ اہل ہند سے سراسر تشویش

لاطائل وبیکار ہے۔ آب وہوا کے علاوہ جغرافیائی مساحت تمدنی مدارج مین بھی یورپ اور امریکہ ہندوستان

سے بالکل مختلف ہین اسوجہ سے اوسط آمدنی باعث تشویش نہین۔

اہل ہند کی اوسط آمدنی اور مجموعی دولت کے تخمینہ جات ۱۸۶۹ء سے لیکر

۱۹۲۲ء تک کے مرتب کئے گئے ہین جنکا خلاصہ یہ ہے دادا بھائی نوروجی (۱۸۶۹ء)

آمدنی فی کس بیس روپیہ سالانہ اور مجموعی دولت تین ارب چالیس کروڑ سرکاری

تخمینہ ۱۸۸۱ء (۲۷) روپیہ فی کس ۲۷ روپیہ فی کس اور دولت پانچ ارب ولیم ڈگ بی برائے ۱۸۹۸ء

ساڑھے سترہ روپیہ اور چار ارب ۲۹ کروڑ علے الترتیب۔ لارڈ کرزن تیس روپیہ
سالانہ اور پونے سات ارب۔ ڈاکٹر بالکرشن برائے سالہ ۱۹۱۲-۱۱ء اکیس روپیہ اور
بارہ ارب دس کروڑ۔ پروفیسر صاحبان وادیہ وجوشی تخمینہ برائے سالہ ۱۹۱۴-۱۳ء
چوالیس روپیہ سالانہ اور بارہ ارب دس کروڑ۔ لیٹن ارنلڈ برائے سالہ ۱۹۲۰-۱۹ء ایک سو چودہ
روپیہ سالانہ اور ۲۰ ارب ساڑھے (۵۴) کروڑ روپیہ۔ پروفیسر کے ٹی شاہ اور مسٹر
کے جے کھمبٹہ۔ برائے سالہ ۱۹۲۱-۲۰ء ۷۴ روپیہ اور ۲۲ ارب ۶۴ کروڑ روپیہ۔ فنلے شرز
سالہ ۱۹۲۲-۲۱ء ۲۰ ارب ۶۶ کروڑ اور اوسط آمدنی ایک سو سولہ روپیہ سالانہ۔ اس سے
عیاں ہے کہ مختلف تخمینہ جات اوسط آمدنی مین کتنا اختلاف ہے۔

ہمنے آمدنی فی کس کو ایک سے زیادہ مرتبہ مغالطہ خیز قرار دیا ہے اور یہاں پر
اسکی تشریح کئے دیتے ہین۔

تمام مہذب ملکون مین ہندوستان ہی ایک ایسا ملک ہے کہ جہان مفت خور
اور ناکارہ آبادی کا اوسط سارے جہان سے بڑھا ہوا ہے۔ سالہ ۱۹۱۱ء کی مردم شماری
کے روسے بیکار آبادی ۵۳ فی صدی اور کام کرنیوالے ۴۷ فیصدی تھے۔ مگر سالہ ۱۹۲۱ء
مین (۵۴) اور ۴۶ فیصدی علی الترتیب پائی گئی۔ بے کار آبادی اور ملکون مین بھی
پائی جاتی ہے مگر اسکا اوسط ۲۵ اور ۳۳ فیصدی کے درمیان پایا جاتا ہے۔ گداگر
بھک منگے۔ سادھو اور مذہبی کام کرنیوالے بالخصوص براہمن مفت خورون مین شمار
ہوتے ہین۔ کوڑھی اور اپاہج اسی ذیل مین ہین۔

اگر آپ ۵۴ فی صدی بے کارون اور مفت خورون مین سے صرف ۴ فیصدی
آدمیونکو محنت سے کام کرنے پر آمادہ کرسکین تو اوسط آمدنی اب سے ڈیوڑھی ہو جائے
مشہور ماہر اقتصادیات مسٹر فنلے شرز نے سالہ ۱۹۲۲-۲۱ء مین ایک سو سولہ روپیہ سالانہ
فی کس آمدنی کا تخمینہ کیا تھا۔ یہ ایک سو (۷۴) روپیہ سالانہ ہو جائیگا۔

مسئلہ افلاس وتمول اقتصادیات کا ایک نہایت مشہور اور معرکۃ الآرا مسئلہ ہے
اس وجہ سے اسپر ماہرون کے مقرر کردہ معیار سے نگاہ ڈالنا چاہیئے۔ (۱) تجار[illegible]

خارجی مین توازن آیا ملک کے حق مین ہے یا خلاف عرصۂ دراز سے یہ توازن بحق
ہند چلا آتا ہے۔ جس سے مراد یہ ہے کہ بین الاقوام لین دین مین ہندوستان
مسلسل منافع کثیر سے بہرہ ور ہوتا رہا ہے۔ اسکے ساتھ سونا چاندی کی متواتر درآمد بھی
ہے کہ جو اس نفع کا لازمی جزو ہے۔ ایک ماہر کے تخمینہ کے مطابق ساٹھ سال
مختتمہ سنہ ۱۹۱۲ء تک چھہ ارب روپیہ کا سونا چاندی ملک ہند مین آکر کھپ گیا۔(۲)
معاشرت مین اصلاح۔ اگر لوگ آسودہ ہون تو ان کے رہنے سہنے کے طریقہ اور
روزانہ زندگی مین اصلاح اور ترقی منعکس ہوتی ہے اسمین کوئی شبہہ نہین ہے،
کہ معاشرت کے معیار مین نمایان بلندی اور شستگی پائی جاتی ہے (۳) شرح مزدوری
آبادی کا ایک بڑا حصہ محنت مزدوری سے بسر اوقات کرتا ہے۔ اگر اس طبقہ کی حالت
اچھی ہے تو ملک بلا شبہہ آسودہ حال ہوتا ہے۔ شرح مزدوری ہر صوبہ مین بہت بڑھ
گئی ہے۔ پنجاب کے دیہات مین موٹے کام کرنیوالے چھہ آنہ اور کاریگر دس بارہ آنے۔ اور شہرون مین
بارہ چودہ آنے اور دو ڈھائی روپیہ علی الترتیب روزانہ مزدوری ملتی ہے۔ علاوہ ازین دیگر اسباب
بھی بڑھتی ہوئی آسودگی کے مؤید پائے جاتے ہین۔ مثلاً زمینون کی قیمت مین بالاوسط
تین گنا اضافہ ہو گیا ہے کم از کم دو چند اور زیادہ سے زیادہ پانچ گنا بیشی ہوئی ہے نیچ ذاتون
کی عام حالت مین نمایان ترقی نظر آتی ہے۔ ریل کا سفر بہت مقبول ہوتا جاتا ہے۔ جو
بغیر پیسہ کے ناممکن ہے اسطرح اور باتون سے بھی یہ امر ظاہر ہے کہ آسودگی کے لوازم
اور راحت کے سامان بکثرت بہم پہنچ رہے ہین۔

ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ ہندوستان تنزل کے بجائے ترقی کیطرف استقلال سے
قدم اُٹھائے جا رہا ہے۔ اوسط آمدنی فی کس جو سنہ ۱۸۶۸ء یا سنہ ۱۸۸۲ء یا سنہ ۱۹۰۱ء مین مرتب کیا گیا تھا
مغالطہ خیز ہے اپنے قرب و جوار کے اقتصادی حالات اور واقعات حاضرہ پر نگاہ ڈالنا مناسب
ہے کہ جس سے یہ خوب ثابت ہے کہ اقتصادیات ہند مین نمایان انقلاب پیدا ہوتا جاتا ہے اور یہ کہ
ترقی کے آثار ہر طرف ہویدا ہین اور ہر طبقۂ آبادی اس سے بہرہ اندوز ہو رہا ہے۔

جے۔ آر۔ رائے

تذکرۂ دہلی[۱]

(مصنفہ سی۔ ایف۔ اینڈریوز)

باب ۵

لبرلزم (آزاد خیالی) کا آغاز

اگر ہم اُن واقعات کو سمجھنا چاہتے ہین جو ہندوستان مین غدر کے بعد ظہور مین آئے تو ہمین تھوڑی دیر کے لیے اپنی توجہ کو ہندوستان کے بجائے انگلستان کی جانب منعطف کرنا پڑیگا اور اُن واقعات کا مطالعہ کرنا ہوگا جو وہانکی سیاسی دنیا مین اُس زمانہ مین وقوع پذیر ہو رہے تھے۔ اسکے لیے ہندوستانی واقعات کا دارومدار بڑی حد تک انگریزی صورت حالات پر تھا۔

انگلستان مین ۱۸۵۰ء سے لیکر ۱۸۶۰ء کا زمانہ عجیب وغریب کشمکش اور تلاطم کا زمانہ تھا وہ ابتدائی جوش وخروش جو بیس ۲۰ سال قبل اصلاحی قوانین کی منظوری کی بدولت پیدا ہوگیا تھا۔ تبدریج کم ہو رہا تھا اور پہلی سی خرابیان انتظام سلطنت مین ازسرنو پیدا ہو چلی تھین۔ ۱۸۵۴ء کی جنگ کریمیا کے متعلق جو غدر سے تین سال قبل ہوئی تھی۔ اب مورخین کا یہ خیال ہوگیا ہے کہ وہ جنگ معاملات سلطنت کی بدنظمی کی بین مثال تھی اسلیے کہ سرے سے اُسے وقوع پذیر ہی نہ ہونا چاہیے تھا۔ عین لڑائی شروع ہو جانے پر بھی انگلستان کے سنجیدہ طبقہ نے بہت جلد یہ محسوس کرلیا تھا کہ کسی نہ کسی نے بالضرور کہین غلطی کی ہے۔" اسپتال کے نظم ونسق اور دیگر ملکی امور مین صریح ناقابلیت اور بدنظمی کے متعلق مس فلارنس نائٹ انگیل کی رپورٹ سے

---

[۱] سلسلہ کے لیے دیکھو زمانہ ستمبر ۲۵ء۔

جو جو انکشافات بعد مین ہوئے ان کا انگریزی رائے عامہ پر بہت تسکین کُن اثر پڑا تھا اسی طرح غدر کے برپا ہو جانے سے بھی جسنے تمام انگریزی قوم کو تعجب مین ڈالدیا تھا۔ انگریزون کے احساسِ اطمینان وطمانیت کو سخت صدمہ پہنچا تھا۔ اور جسطرح سے قبل ازین کریمیا کے بارے مین یہ حقیقت آشکارا ہوگئی تھی کہ "کسی نہ کسی نے بالضرور غلطی کی ہے" اسی طرح اب ہندوستان کی نسبت بھی یہی حقیقت پورے طور پر بے نقاب ہوگئی۔

اس طرح سے اس تلخ تجربہ کے بعد انگلستان کی ذہنیت کا مطلع بالکل صاف ہوگیا اور وہ بالآخر اندرونی انتظام ملک مین بنیادی اصلاحات نافذ کرنے اور اپنی ہندوستانی پالیسی مین تبدیلی کرنے پر آمادہ و تیار ہوگیا۔ یہی وجہ ہے کہ جون جون سال گذرتے گئے لبرل پارٹی زیادہ طاقتور ہوتی گئی۔ اور اُس صدی کے آخری تیس سال کے متعلق تو بآسانی یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ انگریزی سیاسی زندگی کا "دور گلیڈاسٹون" تھا۔

جو اثر اور رسوخ مسٹر گلیڈاسٹون کے نام نے جدید تعلیم یافتہ ہندوستانیون کے دلون مین پیدا کر لیا تھا۔ اسکا ضرورت سے زیادہ اندازہ کیا جا سکتا۔ غالباً یہ کہنا درست ہوگا کہ ہندوستان مین تعلیم یافتہ جماعتون کے لیے اس سے قبل یا بعد مین کسی انگریز کا نام اسقدر توجہ سے نہین لیا جاتا تھا۔ جب مین مارچ ۱۹۰۴ء مین پہلے پہل ہندوستان مین آیا تو اسوقت شمالی ہندوستان کے تعلیم یافتہ طبقہ مین جو بات مین نے دیکھی وہ یہ تھی کہ سب کے سب مسٹر گلیڈاسٹون کے سیاسی خیالات کی اعلےٰ عظمت کے قائل تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جنگ بوئر کے خلاف جو کچھ عرصہ قبل وقوع مین آئی تھی۔ نہایت سختی سے اظہار نفرت کیا گیا کیونکہ وہ اسے گلیڈاسٹون کی پسندیدہ پالیسی کے صریح خلاف سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ خود گلیڈاسٹون نے بھی یہ حیثیت مدبر اپنی شاندار زندگی کے اختتام پر آئرلینڈ کے لیے ہوم رول حاصل کرنے کی غرض سے ہر قسم کے مفاد کو قربان کر دیا تھا۔ اور وہ اپنے مقصد کے حصول کی غرض سے اپنی پارٹی کے اتحاد و اتفاق

کی بھی پروانہ کرتے تھے وہ زور دیکر بیان کرتے تھے کہ گلیڈاسٹون انسانی آزادی کا قائل
تھا اور بہ حیثیت سیاست دان وہ جو کچھ کہتا تھا۔ اسپر عمل بھی کرتا تھا۔ بلاشبہ اس سارے
سان مین بھی بہت کچھ صداقت نہان تھی اور جہانتک اصل اصول کا تعلق
ہے، تعلیم یافتہ ہندوستان صحیح رائے پر تھا۔ ساتھ ہی بہ حیثیت لبرل گلیڈاسٹون
کے کارنامون کی جو تصویر وہ کھینچتے تھے اسکے خدوخال مین مبالغہ آمیزی کی بہت
کچھ جھلک موجود تھی۔

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ سیاسیات مین اخلاقی مطمح نظر کا تصور (جب کبھی اسپر عملدرآمد
بھی ہوتا ہو) ہندوستانی دماغ کے لیے ہمیشہ سے دلچسپ چیز رہا ہے اور ہندوستانی
دلکو" اس سے ہمیشہ مسرت حاصل ہوتی ہے۔ دہلی کی لائبریری مین ہر شام کو گلیڈاسٹون
کے متعلق منشی ذکاءاللہ کے خیالات کو سنا۔ اور پھر حاضرین کی واہ واہ کو دیکھنا ایک
ایسی چیز تھی جسکے ذریعہ مین نے اُس نسل کے بارے مین بہت کچھ باتین سیکھی ہین۔
جو غدر کے بعد سے بوڑھی ہوگئی ہے اور جسے برطانیہ عظمیٰ کی نیک نیتی پر بنیادی اعتقاد
از سر نو حاصل ہوگیا تھا۔ گلیڈاسٹون کی اخلاقی فوقیت، اسکی انسانی شرافت، اسکا
مذہبی کیرکٹر اسکی سادہ اور پاکیزہ عیسائی زندگی۔ الغرض ان تمام باتون نے مجموعی
حیثیت سے یہ انقلاب برپا کیا تھا۔ اگر وہ محض سیاست دان ہوتا (خواہ وہ کتنا ہی
ہوشیار اور قابل ہی کیون نہ ہوتا) مگر وہ ہرگز ہرگز اس کام کو جو اُسنے کیا پورا نہین کرسکتا
تھا۔ جہانتک منشی ذکاءاللہ کی ذات کا تعلق ہے انپر تو اسکی اخلاقی خوبیون کا اثر پڑا تھا
مسٹر گلیڈاسٹون خالصتہً مذہبی آدمی تھا۔ اور اسکی زندگی کا یہی پہلو اس کے باقی تمام
اوصاف پر بھاری تھا۔

ایک اور نہایت ہی اہم چیز جسکا ہندوستانی تخیّل پروروں کے دماغ پر بہت
گہرا اثر پڑا تھا وہ نیک دل ملکہ معظمہ آنجہانی کی نیکیون کی زندہ تصویر تھی جو ہمیشہ انکی نگاہوں کے
سامنے رہتی تھی۔ اب ہمین معلوم ہے کہ جسطرح سے گلیڈاسٹون کے متعلق ہوا بعینہ
اسطرح اس بارے مین بھی تصویر مین مبالغہ کی رنگ آمیزی کو بہت کچھ دخل تھا اسلیے ہم

ملکہ معظمہ کی اخلاقی نیکی جو اگرچہ فطری تھی۔ تاہم انمین ایک ایسی تنگ نظری جلوہ گر تھی جو ان اشخاص کے لیے جو ان سے اچھی طرح سے واقف تھے اور قریب ہی رہتے تھے۔ سخت تکلیف دہ تھی۔ لیکن ان کے کیرکٹر پر بھی گہرا مذہبی رنگ چڑھا ہوا تھا اور انھین کامل یقین تھا کہ انسانی معاملات کی رہنمائی خدائی ہاتھ مین ہے۔ اور وہ نہایت بے خوف خطر ہوکر اپنے اس عقیدہ کا اظہار کرتی رہتی تھین۔ بہ حیثیت عورت وہ خانگی صفات کی بھی مالک تھین جنکی ہندوستان سب سے زیادہ قدر و منزلت کرتا ہے۔ انھین اپنے خاوند سے بے انتہا محبت تھی اور انھین کی یاد مین انھون نے اپنی ساری زندگی رنڈاپے مین گزار دی تھی۔ ذکاء اللہ جیسے شخص کی نظرون مین اس ایک واقعہ نے انھین بہت بڑا بنا دیا تھا۔ چنانچہ انھون نے اپنی کتاب وکٹوریہ نامہ مین ان تمام واقعات کا حال پوری شرح و بسط سے تحریر کیا ہے۔

لیکن اس سے بھی بڑھکر ایک بات اور تھی اور وہ یہ تھی کہ تمام ہندوستان کو یہ یقین ہو گیا تھا کہ نیک دل ملکہ معظمہ وکٹوریہ آنجہانی ہی کی بدولت غدر کے بعد مزید خونریزی کا دروازہ بند ہوا اور یہ کہ خود انھون نے ہی اپنے نائب اور قائم مقام لارڈ کیننگ کے نام امتناعی حکم صادر فرمایا تھا۔ ۱۸۵۸ء کے مشہور و معروف اعلان ملکہ معظمہ کا اصلی مسودہ تیار کرنے کی عزت بھی انھین سے منسوب کیگئی تھی جسمین سب سے پہلے نہایت واضح اور صاف الفاظ مین شاہی مہر کے ساتھ یہ مشتہر کیا گیا تھا کہ کامل مذہبی غیر جانبداری اور نسلی مساوات ہی وہ اصول ہین جنپر ان کی ہندوستانی سلطنت کی بنیاد قائم ہے۔ ہندوستان مین تمام برطانوی حکومت کی تاریخ مین کبھی کسی ایسی تحریر پر دستخط یا مہر ثبت نہین ہوئی جو اس اعلان سے زیادہ اہم ہو۔ اور منشی ذکاء اللہ کی طرح ہندوستان کے اہل الرائے اصحاب صحیح طور پر اسپر زور دینے اور اُسے ہندوستان کے لیے پروانۂ آزادی سمجھنے مین حق بجانب تھے۔

انگلستان کے ملک الشعرا ٹینی سن نے اپنی شاعری کے ذریعہ اس انگریزی ملکہ کی فطری نیکی کے خیال کو تقویت دینے کی ہر ممکن طریقہ سے کوشش کی ہے

اسکی نظمون مین جہان جہان ان کی جانب اشارے کئے گئے ہین ۔ وہ سب حصے
ازبر کرلیے جاتے تھے ۔ اور مختلف مواقع پر انھین سنایا جاتا تھا۔
(آئی ڈلز آف دی کنگ) کے ابتدائی اشعار پر تو یہ بات بالکل صادق
آتی ہے۔

ہندوستان مین گذشتہ صدی مین عہد وکٹوریہ کے شعرا مین سب سے زیادہ ہردلعزیز شاعر ٹینی سن تھا۔ ملکہ معظمہ کا نام اسوجہ سے کہ شعرا نے فیاضانہ نیکی کا انھین مظہر و نمایندہ قرار دے دیا تھا۔ رفتہ رفتہ ذکاء اللہ کی نگاہ مین اشوک اور اکبر کے ہم پہلو ہوگیا۔ ان کی تمامتر تاریخ نگاری کی تہ مین یہی جذبہ کام کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ اثنائے گفتگو مین یا دوران تحریر مین وہ اس جذبہ کی جانب اشارہ کرنے سے کبھی نہین چوکے تھے۔ جب مین تازہ تازہ انگلستان سے ہندوستان آیا تھا تو اسوقت مجھے تاریخ کی یہ جدید تشریح ذرا عجیب و غریب معلوم ہوئی اسلیے کہ اشوک اور اکبر نے اسی سرزمین مین اپنی زندگی بسر کی تھی اور یہین پیوند خاک ہوئے تھے اور اپنی اپنی مخصوص پالیسی کے جاری کنندہ اور موجد تھے حالانکہ انگلستان مین لقب "قیصر ہند" کے متعلق بالعموم یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ وہ ڈزرائیلی کی محض ایک چال تھی۔ کیونکہ اسے معلوم تھا کہ مدبر کی حیثیت سے کس طرح سے اور کسوقت خوشامد کرنیکی ضرورت ہے اور یہ کہ کسطرح سے ایک معمر نرم دل ملکہ کی کمزوری سے فائدہ اُٹھایا جا سکتا ہے۔ اس طور پر کہ اسکا ملک پر ایک گونہ پائدار اثر باقی رہ جائے۔

ہندوستان مین لارڈ ورین کے بارے مین یہ بات سب کو معلوم تھی کہ وہ بہت زیادہ مذہبی شغف رکھتے ہین۔ اور یہ کہ انھون نے اپنے ضمیر اور مذہب کے مطابق عمل کرنے مین بہت بڑی قربانی کی ہے۔ بیان کیا جاتا تھا کہ صبح کی نماز ادا کئے بغیر وہ دن کا کوئی کام شروع نہین کرتے تھے۔ ہر چگہ ان کے مذہبی شغف کے متعلق طرح طرح کی کہانیان مشہور تھین۔ انکی نجی زندگی کی نسبت سبکو معلوم تھا کہ وہ اپنے عقائد کے عین مطابق ہے۔ ہندوستانی نظرون مین اگرچہ یہ بات نہایت اہم

بھی جاتی تھی تاہم بہ حیثیت وائسرائے لارڈ ڈفرن نے اپنے تئین انگریزون مین نہایت غیر ہردلعزیز بنا لیا تھا کیونکہ انھون نے البرٹ بل کے سلسلہ مین عظیم الشان جدوجہد کے دوران مین اعلان ملکہ معظمہ کے مطمح نظر کو قائم و برقرار رکھنے اور ملکی قانون کی نگاہ مین ہندوستانی اور یورپین کے درمیان کامل مساوات برتنے کی غرض سے کھلم کھلا ہندوستانیون کا ساتھ دینا شروع کر دیا تھا۔ لارڈ موصوف کے عہد حکومت کا یہ اکیلا واقعہ ایسا تھا جسکا ہندوستانی تخیل پر بے انتہا اثر پڑا تھا اور اسکی وجہ سے ان کا بجا طور پر ادب و احترام کیا جاتا تھا اور یہ واقعہ ہے کہ ساحل ہندوستان سے ہندوستانیون کیجانب سے لارڈ ڈفرن کو جس شاندار اور دلکش انداز سے رخصت کیا گیا تھا وہ آپ اپنی نظیر تھا۔ اور ان سے قبل یا بعد کے کسی وائسرائے کی قسمت مین ایسی شاندار رخصتی مقدر نہ تھی۔

اگر گذشتہ صدی کے اختتام پر ہندوستان کی صورت حالات کا صحیح طور سے مطالعہ کرنا مقصود ہو تو اسکے لیے ایک اور امر کی اہمیت کا اندازہ لگانا ضروری ہے۔ ہربرٹ اسپنسر کو بہ حیثیت فلاسفر اور سائنسدان ہندوستان کے تعلیم یافتہ طبقہ پر انیسوین صدی کے مخصوص سائنٹفک نظریہ تخلیق یعنی مسئلہ ارتقا کے مفسر کے طور پر ایک گونہ حکومت بلاشرکت غیرے حاصل تھی ان کے نزدیک ایک لفظ "ارتقا" مین تمام جدید ترین سائنس کا نچوڑ مضمر تھا اور وہ یہ سمجھتے تھے کہ اسکے ذریعہ ابتدائے آفرینش اور تاریخ بنی نوع انسان کی کامل طور پر تشریح ہو جاتی ہے۔ اگرچہ سب باتون مین سچائی نہان تھی۔ تاہم ہربرٹ اسپنسر کے نظریہ کی تشریح کی اس سے زیادہ تعریف و توصیف بیان کی جاتی تھی۔ جتنی کہ واقعات کی روسے حق بجانب ہو سکتی تھی۔ یہان پر بھی مسٹر گلیڈاسٹون کی لبرل پالیسی اور ملکہ معظمہ کے خصائل کی طرح ہندوستان مین مبالغہ آمیز خیالات جاگزین تھے۔ مجھے دہلی مین یہ دیکھکر سخت تعجب ہوا کہ لوگ ہربرٹ اسپنسر کے اصولون سے کسقدر شغف رکھتے ہین اور یہ کہ وہ ان پر کسقدر اعتماد رکھتے ہین گویا کہ وہ اٹل اور امسٹ ہین۔

جب تک مین ۱۹۰۶ء مین بنگال نہ گیا اسوقت تک مجھے ایسے اشخاص نہین ملے

جو اسپنسر اور گلیڈ اسٹون پر یکسان طور پر نکتہ چینی نہ کرتے ہون اور جنھون نے تغیّر پذیر نا گزیری
سیاسی اور فلسفیانہ خیالات کی عاجزانہ غلامی کے جوئے کو ہمیشہ کے لیے اُتار نہ پھینکا ہو یا ہو
کم سے کم اس طرز عمل مین دہلی کی سی تصنع سے بھری ہوئی فضا کے مقابلہ مین مجھے ایک
گونہ تازگی محسوس ہوتی تھی۔ اور مجھے ابتدا ہی مین اسکا احساس ہو گیا تھا کہ جہانتک لیڈرون
کا تعلق ہے انھین دیر یا سویر اس تلخ حقیقت سے دو چار ہونا پڑیگا۔

تاہم اگر شمالی ہند کے تعلیم یافتہ طبقہ کی انگلستان جیسے دور افتادہ ملک کے
اخلاقی و روحانی اقتدار کے رو برو اس عاجزانہ تقلید پر جبکہ خود اسوقت ان کی کتابون
مین اور ان کے قریب ہی اعلےٰ خیالات کے خزانے نامعلوم حالت مین
پڑے ہوئے ہون۔ ہمین آج کچھ تعجب معلوم ہو تو ہمین ذرا اس امر کا احساس کر لینا
چاہئیے کہ ابتدا ابتدا مین مغربی علم کس حیرت انگیز طریقہ سے علم جدید کے نام سے
پکارا جاتا ہوگا اور یہ کہ اسکا سائنٹفک پہلو کسقدر دلربا اور دلکش متصور ہوتا ہوگا۔ اسلئے
کہ جن لوگون نے اِسکا پہلے پہل مطالعہ اور اسکے تجربون کی تصدیق کا مشاہدہ کیا تھا وہ
کلیتہً اسکی عظمت کے قائل ہو گئے تھے۔ تعلیم یافتہ ہندوستان ہی اکیلا اس طلسم سے
متاثر نہین ہوا تھا بلکہ خود انگلستان یورپ اور امریکہ مین بھی ایسے اصحاب موجود تھے جو
بغیر کسی قیل و قال کے اس سے مرعوب ہو گئے تھے۔ اس دور کی ذہنی نفسیات اِسی
طرز عمل کی مقتضی بھی لیکن ہندوستانین سیاسی غلامی کی بدولت ان سب باتونکا زیادہ گہرا اثر پڑا تھا

بہ حالِ مسئلہ زیر بحث کو ثابت کرنے کی غرض سے مین یہ دکھاؤنگا کہ ہندوستانیون نے
جو ہربرٹ اسپنسر کے نظریہ کو تسلیم کر لیا تھا تو اسکی وجہ ہندوستان کی کوئی مخصوص غلامانہ
ذہنیت نہ تھی بلکہ ہمارا فرض ہے کہ اس زمانہ کی جاپان کی حالت پر بھی غور کرین باوجود
اسکے کہ اُسے اپنی قومی روایات اور اپنی قائم کردہ اور پسندیدہ خود مختاری پر بڑا ناز
تھا تاہم وہ بھی ایک زمانہ مین ہندوستان کی طرح ہربرٹ اسپنسر کی عظمت اور
اسکے اقتدار کا قائل تھا یہ بھی بات نہین کہ جاپان نے اسپنسر کے فلسفہ کے جوئے
کو تعلیم یافتہ ہندوستان سے پہلے اُتار دیا ہو بلکہ واقعہ یہ ہے کہ جب نظریات مین انقلاب

واقع ہوا تو اس وقت ارتقائی نظریہ کے زوال سے جس میں کامیاب "تنازع البقا" کا اصول نمایاں حیثیت رکھتا تھا - دنیا میں اسی طرح مسلط تھا جس طرح کہ سابقہ ایام میں اس کا فتحمندانہ عروج . فرق صرف اتنا تھا کہ تعلیم یافتہ ہندوستانیوں نے چونکہ اصول کو ذرا بعد میں سیکھا تھا اسلیے وہ اسپر دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ عرصہ تک عمل پیرا رہے .

لہذا جب یہ بات پورے طور پر معلوم ہو جائیگی کہ منشی ذکاءاللہ درحقیقت عملی میدان کا مرد ہونے کے بجائے خیالی میدان کے مرد تھے یعنی یہ کہ وہ عملی دنیا کے بجائے خیالی دنیا میں زندگی بسر کرنے کے عادی تھے تو اس وقت یہ سمجھنا مشکل نہ ہوگا کہ انھوں نے غدر کی آخری منازل میں جو کچھ اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا تھا اسکی بھیانک یاد رفتہ رفتہ کم ہوتی گئی اور آخر کار وہ تمام واقعات بالکل ان کے لوح دل سے مٹ گئے - کیونکہ اب وہ آزاد خیالی کی ایسی فضا میں رہنے لگ گئے تھے جسکی نمائندگی ان کے خیال میں کالون اور لارڈ ڈلہوزی کر رہے تھے .

یہ دماغی عمل ان کے لیے ایک خاص وصف کی وجہ سے جو ان کے کیرکٹر کی نمایاں خصوصیات میں سے تھا اور جو بار بار ہماری نظروں کے سامنے آتا ہے جوں جوں ہم انکی زندگی کے واقعات کا غور کے ساتھ مطالعہ کرتے جاتے ہیں آسان تر ہو گیا تھا - جیسا کہ میں نے تشریح کرنے کی کوشش کی ہے ذکاءاللہ میں ہیرو ورشپ (بزرگ پرستی) کا جذبہ بدرجہ اتم موجود تھا اور ان کی روحانیت کا یہ اقتضا تھا کہ وہ کسی شخصیت کے ساتھ عقیدتمندانہ جذبات رکھیں . جسطرح مچھلی پانی کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی اسی طرح قریب قریب انکے لیے بھی یہ ناممکن تھا کہ وہ کسی شخصیت کے ساتھ وفاداری کی آب و ہوا کے بغیر زندہ رہ سکیں جو تقابل میں نے پیش کیا ہے وہ زیادہ مبالغہ آمیز نہیں ہے اور اگر اسمیں کچھ مبالغہ کا شائبہ بھی ہو تو اس واقعہ سے کسی طرح انکار نہیں کیا جا سکتا انکی فطرت اس امر کی متقضی تھی کہ ان کے روبرو ہمیشہ کوئی ایسی شخصیت رہے جسکی وہ تقلید کریں - اور جس شے کی انھیں ضرورت تھی وہ انھیں انگریزی سیاسی زندگی کے لبرل طبقہ میں تمام و کمال مل گئی .

جب مین مابعد کے باب مین انکی بعض گفتگوؤن کو معرض تحریر مین لاؤن گا تو اسوقت مین اس مسئلہ پر زیادہ شرح وبسط کے ساتھ لکھون گا۔ اسمین تکرار کا ہو جانا ممکن ہے۔ ملکہ وکٹوریہ، ولیم گلیڈ اسٹون، لارڈ رپن، ان تینون نے ان کے دل کی خالی جگہ کو معمور کر دیا تھا اور جسطرحسے انکی نوعمری مین جدید مغربی علوم کے خیالی پیکر نے انکے خیالات مین مستقبل کا مطمع نظر قائم کر دیا تھا۔ بعینہ اسی طرحسے ان تینون ہستیون نے مابعد کی عمر مین ان کے دل ودماغ پر قبضہ کر لیا تھا اور وہ ہر وقت ان کے پیش نظر رہا کرتی تھین مین اسبات پر بھی زور دینا چاہتا ہون کہ اُس زمانہ کے دیگر تعلیم یافتہ ہندوستانی بھی جنھین یکسان تعلیم حاصل ہوئی تھی۔ اس قسم کے خیالات رکھتے تھے۔

غالباً یہ کہنا درست ہے کہ سر سید احمد خان سے جو عقیدت اور محبت انھین تھی، وہ اس جدید خیالی دنیا کی تعمیر مین انکی بہت کچھ ممدّ و معاون ثابت ہوئی۔ سر سید احمد خان کی ذات سے وفاداری کرنے کے معنی یہ تھے کہ انگریزی لبرل طبقہ سے وفاداری رکھی جائے اسلیے کہ سر سید احمد خان نے اپنی تمامتر اُمیدین انھین سے وابستہ کر رکھی تھین۔ عملی آدمی کی حیثیت سے وہ میدان مین اُتر آئے تھے۔ بعینہ جسطرحسے کہ منشی ذکاءاللہ خیالی دنیا مین زندگی بسر کرتے رہے۔ انھون نے خصوصیت کے ساتھ انگریزی لبرلون کے روبرو دست دوستی دراز کیا تھا اور ان سے درخواست کی تھی کہ علیگڈھ مین مسلمان طلبار کے لیے جس کالج کی بنیاد ڈالی جارہی ہے اسکی وہ امداد واعانت کرین۔ مسلمانون مین تحریک علیگڈھ کی ابتدا اسطرح سے ہوئی تھی۔ ذکاءاللہ اور نذیر احمد دونون کے دونون ابتدا ہی سے اسمین شامل ہو گئے تھے۔ ذکاءاللہ کے دل ودماغ مین یہ خیال سرایت کر گیا تھا کہ علیگڈھ کی اس جدید درسگاہ سے نئی نئی وفاداریون کی امیدین قائم ہونگی۔ جون جون سال گذرتے گئے انھون نے اپنی تمام سرکاری اور ادبی مصروفیتون کے باوجود انھین پوری طرح ظاہر ہونے مین مدد دی کیونکہ ان مین سے ہر ایکبات کا نظاہر ایک ہی مقصد تھا یعنی یہ کہ شمالی ہندوستان مین جدید مغربی علوم کی ہرممکن طریقہ سے ترویج وترقی ہو۔

اس زمانہ میں حکومت ہند کا محکمۂ تعلیم نشوونما ابتدائی منازل طے کر رہا تھا اعلے خصائل سے متصف انگریز اسمین کام کرنے کے لیے انگلستان سے آگئے تھے جو جگہ مسلمہ ہندوستانی فضلا کو پیش کیگئی تھیں وہ بھی آزادی اور ذمہ داری کی جگہین تھین منشی ذکاء اللہ کی چٹھیون یا دوسری خط و کتابت سے اس امر کا پتہ نہین چلتا کہ انھین اسوقت سرکاری ملازمت کی بندھن گران یا تکلیف دہ معلوم ہوتی تھی الہ آباد مین بہ حیثیت پروفیسر انھون نے ایک طرف تو اعلے قابلیت اور علمی فضیلت کی دھاک بٹھا دی تھی اور دوسری طرف انھون نے طلبا سے ہمدردی اور محبت اور عقیدت کا خراج حاصل کر لیا تھا۔ انکے پوزیشن اور دہلی مین ابتدائی دور مین مولوی امام بخش کی پوزیشن کی یہ مماثلت یاد رکھنے کے قابل ہے۔ بسا اوقات یہ مماثلت نہایت گہری حد تک پہنچ جاتی تھی۔ ان مین دوسرون کو متاثر کرنے کی خاص قوت پائی جاتی تھی۔ اور سال بسال طلبا انکے گرد مجتمع ہوجاتے تھے۔ اور انکی اخلاقی اور روحانی رہنمائی اور ان کی ذہنی امداد کے طالب ہوتے تھے وہ ان کے سچے بہی خواہ تھے۔ اور جب کبھی انھین ضرورت ہوتی تھی وہ اپنے تئین ان کی خدمت مین منہمک کر دیتے تھے۔ طلبا بھی جانتے تھے کہ وہ ہر وقت انکی خدمت مین مشورہ اور نصیحت کے غرض سے جا سکتے ہین۔

ساتھ ہی جب کبھی وہ کالج مین اپنے لکچرون سے فارغ ہوتے تھے تو وہ اپنے وقت کا زیادہ حصہ سائنس اور ریاضی کی جدید کتب نصاب کے ترجمہ اور تیاری کی نذر کر دیتے تھے اتوار کا دن انھون نے بالکل علیحدہ کر لیا تھا اور اس دن وہ پوری طرح سے طلبا کو امداد دیا کرتے تھے۔ کالج مین انھین اردو اور مشرقی علم ادب کی پروفیسری دیگئی تھی اور اس حیثیت سے جو کام وہ کالج مین کرتے تھے اسمین اور اردو نصاب کی تیاری مین ایک گونہ مناسبت پیدا ہوگئی تھی۔ وہ کبھی کبھی عربی اور فارسی کا بھی درس دیتے تھے اور گاہ بگاہ کمی اسٹاف کیوجہ سے سائنس اور ریاضی بھی پڑھاتے تھے۔

جون جون الہ آباد مین ان کے بال بچون مین ترقی ہوتی گئی وہ رفتہ رفتہ اپنی گذشتہ تلخ تجربات کو بھولتے گئے اور انکی سابقہ خوشی و مسرت واپس آتی گئی۔ وہ

اپنے بے تکلف دوستوں میں اپنی حاضر جوابی اور بذلہ سنجی کے لیے اتنے ہی مشہور تھے جتنے کہ وہ اپنی قابلیت و فضیلت علمی کے لیے شہرت رکھتے تھے لیکن پبلک میں وہ ذرا شرمیلے سے رہتے تھے۔ اور ان میں کسی حد تک گھبراہٹ بھی پیدا ہو جاتی تھی۔ وہ پیش پیش رہنے سے ہمیشہ احتراز کرتے تھے۔ مگر پرائیویٹ زندگی میں اپنے بال بچوں کے بیچ میں وہ کردہ بچہ کی مانند مسرور اور باتونی نظر آتے تھے۔ ان کے دوستوں کے سلسلہ میں نمایاں اضافہ ہوتا گیا اور سال گزرتے گئے یہاں تک کہ [illegible] میں وہ پنشن پر چلے گئے تاکہ وہ اپنا سارا وقت ادبی خدمت کے لیے وقف کر دیں۔

(ترجمہ) ضیاء الدین احمد برنی

رباعیاتِ اثر

مرزا جعفر علی خاں صاحب اثر لکھنوی

بیکار یہ کاوش ہے نظارا ہو جائے
اس دردِ محبت کا مداوا ہو جائے
کیا حسرتِ دیدار بر آئے اے دل
جب تو ہی رخِ دوست کا پردا ہو جائے

پھر چہچے مرغانِ خوش الحاں کے ہیں
آثار طلوعِ مہرِ تاباں کے ہیں
ہر پھول میں دل ہے اور ہر دل ہے پیالہ
چھلکے ہوئے ساغر عرفاں کے ہیں

پھر گنبدِ اخضر پہ طلا کاری ہے
پھر نورِ ظہور کی ضیا باری ہے
اللہ اللہ! بخشش رحمت تیرا
توبہ کا خیال بھی گنہگاری ہے

کب ورقِ گل پہ وہ تحریر جمال
یا مہرِ درخشاں میں وہ تنویرِ جمال
آنکھوں نے نہ دیکھی ہے نہ دیکھینگی اثر
جو دل میں کھنچی ہوئی ہے تصویرِ جمال

اثرستان

دیوان غزلیات جناب مرزا جعفر علیخان صاحب آثر لکھنوی
(مطبوعہ نظامی پریس۔ لکھنؤ ۱۹۲۵ء پر ایک نظر)

اِس دور مین جب فکر ترقی اور شوق جدت ہر قلب مین ایک اضطراب و ہیجان پیدا کئے ہے۔ دنیائے شعر مین کسی جدید دیوانِ غزلیات پر تبصرہ و تنقید آسان نہین۔ اکثر ارباب فن و شایقین سخن کا خیال ہے کہ غزل کا موضوع مشرق کے اصناف سخن مین اسقدر پامال اور فرسودہ ہوچکا ہے کہ اسمین کسی نئے شاعر کے لیے ایک قدم بھی آگے بڑھنا محالات سے ہے اِسی صنف سخن مین حافظ سا نادر الکلام ملہم غیب اپنا پیغامِ حقیقت دنیا کو دے گیا ہے۔ اسی مین عرفی سا نغز گو جدت طراز فضائے عالم کو اپنے نغمات سرمدی سے ہمیشہ کے لیے معمور کرگیا ہے۔ اور نظیری سا نکتہ رس اپنا دیوان طرۂ امتیاز و بلاغت آیندہ نسلون کو ودیعت کرگیا ہے۔ اُردو مین سرتاج سخن میر وہ غزلگو تھا جسکے دل کے ٹکڑے الفاظ بنکر اُسکی زبان پر آتے تھے۔ اور آبحیات ہوکر سپرد قلم ہوتے تھے۔ اور غالب کی فکر آسمان پیما ہر بحر قافیہ مین چرخِ ہفتم سے ٹکراتی تھی لیکن میرا یہ خیال نہین۔ میری راے مین بمصداق اسکے کہ

پر بحرِ سخن سدا ہے باقی
دریا نہین کا رہند ساقی

جسطرح یہ کہا جا سکتا ہے کہ اب غزل مین کوئی نئی بات کہنا دشوار ہے اسی طرح یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ قدما کے دواوین اور طرز سخن سے کسی نئے شاعر کو فائدہ اُٹھانے

کی کافی گنجائش ہے یہی نہیں بلکہ معترضین کی یہ تمام حجت اس امر کی دلیل ہے کہ غزل ہی وہ راہ سخن ہے جس پر ابتداء سے آجتک مشرق کے شعرائے باکمال اپنے بہترین جواہر ریزون کو بکھیرتے رہے۔ نفس بسین کی خوش قسمتی ہوتی ہے کہ نفس پیشین اُسکے سامنے مشعل ہدایت ہوکر رہبری کرتا ہے اور یہ فیض امتیاز ایک نادر نفع ہے۔

تصویر کے ایک رخ کو دیکھیے تو غزل مختصر الفاظ مین محض حسن و عشق کی داستان ہے۔ وہی جانکاہی اشتیاق و انتظار۔ وہی عاشقانہ بے صبری وہی ضبط غم۔ وہی حیرت و محویت۔ مبالغہ حسن اور اسی طرح کے موضوع جولانگاہ غزل ہین لیکن اس تصویر کے دوسرے رخ پر نظر ڈالیے تو کونین پر انھین دو الفاظ حسن و عشق کا دائرہ محیط ہو جاتا ہے۔ حسن اپنے دامن مین محبوب حقیقی کی تمام صفات پوشیدہ رکھتا ہی اور عشق اپنی وسعت مین تمام داستان اشتیاق و معرفت فلسفہ و حقیقت۔ تصوف و مذہب سمیٹ لیتا ہے۔ اور جب معلوم ہوتا ہے کہ غزل جذبات عالم پر محیط ہے اور میدان غزل کائنات حیات کا مترادف ہے۔

اللہ اللہ ری یہ وسعتِ دامان غزل		بلبل و گل ہی پہ موقوف نہین شان غزل
ختم ہنائے دو عالم پہ ہے پایان غزل		پوچھیے حافظِ شیراز سے امکانِ غزل

ضبط ہے آئینۂ رازِ حقیقت اِس مین
یہ وہ کوزہ ہے کہ دریا کی ہر وسعت اسمین

غزل کا یہ پایہ اور اُسکی یہ وسعت تسلیم کرکے کون کہہ سکتا ہے کہ حافظ و عرفی صائب و نظیری۔ میر و سودا۔ آتش و غالب غزل کو پایۂ انتہا کو پہونچا سکے یا یہ کہ اُنھون نے اس بحر ناپیداکنار کے سب ساحل دیکھ لیے۔ علامہ اقبال نے کیا خوب کہا ہے۔

گمان مبر کہ بہ پایان رسید کار مغان
ہزار بادۂ ناخوردہ در رگ تاک است

جناب اثر بھی غزل کی اس وسعت تخیل کے دلدادہ اور قائل ہین اور آپ کا کلام ابتک بیشتر غزلیات ہی کی صورت مین ہم تک پہنچا ہے۔

کسی شاعر کے کلام پر تبصرہ کرتے ہوئے ہم اُسکو دو قسم کے معیار پر جانچتے ہین ایک یہ کہ اُسنے اپنے کلام مین کوئی نیا پیغام عمل دنیائے اشتیاق کو دیا اور اُسکے ذریعہ عالم آرزو کو بہتر بنایا۔ یا (۲) اُسنے محض اپنے محسوسات کو نغمہ کی صورت دیکر فضائے عالم کو اُس سے معمور کر دیا اور وہ نغمے شیرین لطیف۔ پاک اور دل خوش کُن ہین ؟

جناب اثر ثانی الذکر صنف کے شاعر ہین۔ ان کا پیام دنیائے عمل کے لیے کیا ہے۔ اسکے منتظر ہم چندے اور رہینگے جب آپ اپنے ارشادات کی دوسری قسط اہل دل کے سامنے پیش کرینگے۔ ابھی صرف آپ کا دیوان غزلیات ہمارے پیش نظر ہے۔ اور اُسکو ہم ایک فطری خوشنوا کی خوشنوائیون کی حیثیت سے دیکھینگے۔

بعض شعرا مین جنون۔ جدت پسندی اس حد تک ترقی کر جاتا ہے۔ کہ وہ معنی آفرینی کی دھن مین اپنے ہم آہنگون کے سامنے اجنبی ہو کر رہ جاتے ہین۔ بعض لفظی شان شکوہ پر اسدرجہ فریفتہ ہوتے ہین کہ خیالات کی پروا نہین کرتے اور انکی یہ کاغذی ٹوپی تنقید کے چار چھینٹون کی بھی متحمل نہین ہوتی۔

کسی نغمہ سنج کے نغمات پر نظر ڈالتے ہوئے ہمکو دو باتین خاص طور سے دیکھنا ہوتی ہین۔

(۱) کہنے والے نے کیا کہا۔

(۲) اور کیونکر کہا۔

یعنی نغمۂ تخیل اور لباس الفاظ مین ایک ربط ایک مناسبت ایک خاص دلچسپ مطابقت ہونی چاہیے۔ یہی حد شناسی اور توازن شاعری کی روح ہے۔ اور یہی جناب اثر کا طرۂ امتیاز۔ خیالات چست و نادر اندازِ بیان بید شیرین اور لطیف مناسبت لیے ہوئے۔ ملاحظہ ہو۔

بہشت و نار کے ٹکڑے لگائے جاتے ہین
بڑھائی جاتی ہین رنگینیان فسانے کی

شعر کی صحیح تعبیر نشتر سے کیجا سکتی ہے۔ خیالات مین تحریک کرنا شعر کا منصب ہے۔ اور

اکثر اوقات اسلئے شعر کی تشریح اُسکی شعریت کے مضر ہوتی ہے لیکن عذر گناہ بدتر از گناہ
ملاحظہ فرمایئے محاورہ کی مناسبت صرف نے تخیل مین پر پرواز لگا دیئے کہنا مقصود
یہ تھا کہ ارشادات ادیان مذاہب بر طرف اور مرگ کے واقعات محض ممکنات خیالی
ہین جو افسانے سے زیادہ وقیع نہین۔ افسانہ ساز افسانہ کہنے مین ہمیشہ اسباب
کا خیال رکھتے ہین کہ سننے والے پر اُسکا اثر ایسا ہو کہ اُسکی قوت تخیل مصروف کار رہے
اور اُسکے جذبۂ اشتیاق مین گدگدی ہوتی رہے۔ اِس احساس سے افسانہ گو جو حیات
بعدِ ممات کا ذکر کرتے ہین اپنے افسانے مین بہشت و نار کے ٹکڑے لگا کے اُسے
رنگین تر بناتے ہین۔ ظاہر ہے کہ بہشت و نار کے رنگ جدا جدا ہونگے۔ امکان تخیل
بے پایان۔ جذبۂ اشتیاق سراسیمہ ابتدائے آفرینش سے ابتک یہی عالم ہے نہ فسانہ
ختم ہوتا ہے نہ رنگینی کافی ہوتی ہے نہ رنگینی مین کمی ہونے پاتی ہے۔ اللہ اللہ شعر کیا
کہا ہے جذبات مین تلاطم پیدا کر دیا ہے۔ عمر خیام کہتا ہے۔

کس را پس پردۂ قضا راہ نشد — وز سر خدا ہیچکس آگاہ نشد
ہر کس ز سر خیال چیزے گفتہ — معلوم نگشت قصہ کوتاہ نشد

لیکن اِس رباعی مین جو خشکی اور سادگی ہے اُسے اس شعر نے رنگینی سے بدل دیا
ہر کس ز سر خیال چیزے گفتہ کو ملاحظہ کیجئے اور بڑہائی جاتی ہین رنگینیان فسانے
کی۔ دونون مین جو بیّن امتیاز ہے وہ اہلِ نظر سے پوشیدہ نہین رہ سکتا۔

ہوا ہے ایک طرز خاص کا موجد ہر اک وحشی
کوئی ٹکڑا نہین ملتا گریبانسے گریبان کا

مقصود یہ ہے کہ عقل کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ نقالی پر ابتداً مائل ہوتی ہے۔
لیکن یہی اسکا امتیاز خصوصی اُسکا سب سے بڑا عیب ہے۔ نقال جسقدر مصلحت آمیز ہو
آموز ہے اسی قدر رموز جدت طرازی سے بے بہرہ۔ اب ظاہر ہے کہ وحشی عقل سے
بیگانہ نقالی کا دشمن ہے لیکن پھر بھی ہر وحشی ایک ہی کام مین مصروف ہے سب
مشغلہ جامہ دری ہے۔ اس طرز عمل مین عقل سے بیگانگی کے فوائد دیکھئے۔

ہوا ہے ایک طرز خاص کا موجد ہر ایک وحشی
کوئی ٹکڑا نہیں ملتا گریبان سے گریبان کا

ہر لفظ اپنی اپنی جگہ نگینے کی طرح جڑا ہوا ہے بندش کی چستی الفاظ کا انتخاب تخیل کی جدت کے ہمقدم ہے اور اسی توازن نے شعر کو شعر بنا دیا۔

نہیں شرط ابتدا کی نہیں قید انتہا کی ہے لطیف قصۂ غم اسے چھیڑ دو جہاں سے

غور فرمایئے تمام قصے اپنی دلچسپی کے لیے ابتدا اور انتہا کے تابع ہیں لیکن قصۂ غم ابتدا سے انتہا تک ایک ہی لطافت اور دلچسپی میں شرابور ہے۔ ایک عجب حصہ اس قصۂ غم کے لطافت کی یہ بھی ہے کہ کہنے والے کے لیے بھی لطیف ہے اور سننے والے کے لیے بھی شکسپیر کہتا ہے۔

It easeth some though none it
ever cured,
To think their sorrows others
have endured

یعنی یہ خیال کہ جو غم ہم اسوقت برداشت کر رہے ہیں دوسروں کو برداشت کرنا پڑا ہے اکثر لوگوں کے رنج میں کمی کا باعث ہوتا ہے یہ سچ ہے کہ کسیکا دُکھ محض اس خیال سے دُور نہیں ہو جاتا لیکن پھر بھی غم غلط ضرور ہو جاتا ہے۔ کہنے والا اپنا دل بارِ غم سے ہلکا کرتا ہے اور شریک غم بنا کر اپنے کو تسکین دیتا ہے اور سننے والا اُس مذاق فطرت کے مطابق جو ہر انسان میں غم میں دلچسپی محسوس کرنے کے لیے ودیعت کیا گیا ہے قصۂ غم کی دلکشی سے مجبور ہو جاتا ہے۔ اصل خیال کتنا حقیقت سے ہمدوش ہے۔ اور اندازِ بیان کسقدر سلجھا ہوا اور کسدرجہ لطیف۔ رنگ تغزل شعر میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہے۔

تمام غزل مرصع ہے لیکن ایک شعر اور سن لیجیے۔

وہ اسیر رنگ و بو ہوں کہ اگر قفس میں پھڑکوں تو بہار چھوٹ نکلے خس و خار آشیاں سے

الفاظ خاکشیدہ کی انتخاب کی داد دیجئے۔ چند اشعار اور ملاحظہ ہون مین اپنی تشریح لکھکر اشعار کی لطافت کم نہ کرون گا۔

تھین بارونق اک آئین ویرانہ — آئینۂ ہستی مین میرا دلِ دیوانہ
مخمور نگاہون سے دل چور ہوا میرا — ٹکرا گیا مستی مین پیمانہ سے پیمانہ
ہوا مین کچھ دھوان سا اُٹھکے فورا پھیل جاتا ہے — قفس مین یاد جب آتا ہے میرا آشیان مجھکو

خواب کیطرح مجھے یاد ہے پیمان الست — یونہی شاید کسی عالم مین ملاقات بھی ہو

واں بحر مین قطرہ ہے انا البحر کا ساز — اور کچھ نغمۂ منصور کی رودادنہین

طائر جانکو پر پرواز ہے یہ قید تن — ہم لئے پھرتے ہین اپنے ساتھ زندان کیا کرین

کثرت جلوہ فقط عشق کی صناعی ہو — عالم حسن ہے اک عالم حیرت دل مین

جناب اثر نے نیچر کے بعض مشاہدون کو اپنی غزل مین اس انداز تغزل سے داخل کر لیا ہے کہ عجب سرور انگیز کیفیت پیدا ہو گئی ہے۔ ملاحظہ کیجئے۔

شکوہ سنجان ستم نالے پپیہے کے سُنین
یون مزے لے لیکے دلپر چوٹ کھانا چاہیئے

جس نے پپیہے کے ترانون مین ایک جوش اور تکرار ایک فطری لطف انگیزی محسوس کی ہے وہی اِس شعر کو سمجھ سکتا ہے۔

وہ پھول اوس مین ڈوبی ہوئی وہ صبح بہار — کہ جیسے جام مین صہبا کی تاب ہوتی ہے

شاہد صبح نے ہنسکر جو ذرا دیکھ لیا — کوہ و صحرا پہ پھٹا پڑتا ہے جوبن کیسا

ہر اک غنچہ کو ڈھالا جسنے قالب میں نزاکت کے — طرازِ رنگِ گل عارض وہ معمارِ گلستان تھا

کاش ہمارے ہم آہنگ اِس طرز پر زیادہ توجہ فرماتے تو ہندوستانی غزل معلوم ہوتی۔ لیکن انکو صحرائے نجد کے بگولون سے فرصت کہان۔ بیچارہ پپیہا کتنا ہی سر دھنے انکی عنایت کا مستحق نہین ٹھہرتا۔

خیالات کی ندرت جناب اثر کے کلام کی ایک ممتاز خصوصیت ہے۔

بیاضِ صبح پر لکھی شفق نے خون سے اپنے — وہ رنگین داستانِ عشق جو تھی بیتی لکی

جنبشِ لب انکو کیا ہوئی ساغر چھلک گیا — پُرکیف ہے شراب سی تقریر دیکھنا

خلقتِ عشق ہوئی درد کا درمان نکلا — جلوۂ برق سے دل سوختہ سامان نکلا

تیرے پیمانِ وفا کی تاب لاتا کس طرح — دل جو خوگر ہو چکا تھا لذتِ بیداد کا

مین اِس شعر کے سلسلے مین بجائے تشریح کرنے کے ڈاکٹر ٹیگور کے اُس خیال کی یاد ناظرین کو دلانا چاہتا ہون جہان وہ فرماتے ہین۔

"مین دعا مانگتا ہون کہ تو مجھکو شرفِ نیاز کی سعادت بخشے اور مین ڈرتا ہون کہ کہین میری دعا قبول نہ ہو جائے۔"

نورِ روشنیٔ دیدۂ بیدار ہو گیا — عالم تمام مطلعِ انوار ہو گیا

عالم کا مطلعِ انوار ہو جانا۔ روشنیٔ دیدۂ بیدار پر موقوف اور دیدہ کی بیداری اور دیدۂ بیدار کی روشنی تیری نظرِ فیض پر منحصر۔

خود ہوا صیاد صید اپنی نگاہِ ناز کا — اور باقی کوئی عالم مین نشانہ ہی نہ تھا

اِس شعر کا پایہ خیال کے بلندترین معیار سے بھی زیادہ بلند ہے۔

اہلِ دین و معتقدانِ فلسفۂ ہستی کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کی نظر مین کوئی چیز اتنی عزیز نہین جتنی حسنِ عقیدت عمل خواہ وہ عقیدت گناہ کی جانب ہی مائل کیون نہو۔

دھوکا مذموم ہے۔ اپنے کو دھوکا دینا خدا کو دھوکا دینے کی کوشش ہے۔ اور یہ مذموم ترین عمل ہے سچے کافر جھوٹے ایمان والون سے بہتر ہین۔ سچے گنہگار جھوٹے عابدون پر فوق رکھتے ہین ملاحظہ ہو۔

عقل ہے دنگ کہ کریم تیرا اشعار دیکھکر — بخشدے میرے گناہ اُنکا شمار دیکھکر

کار فرما ہے وہ عالم تعین ادائین حسن کی — جزو ہستی بنگئین اجزائے ایمان ہوگئین

حسن کے جلوون کی غایت عشق ہے — مدعا ہے اے دل آگاہ تو

ندرت تخیل۔ فطرت نگاری کے نمونے آپ نے دیکھے اب ذرا جذبات اور بیان کی برجستگی ملاحظہ فرمائے۔

میری بے ربطی فریاد پہ مسرور نہو — غمزے کیا کرین جب ضبط کا مقدور نہو

اثر کا ذکر سنکر ہنسکے اُس کافر کا یہ کہنا — بڑے عابد بڑے زاہد تبعہ اللہ و آمین

یادگار سرور دوشینہ — میری آنکھون مین کچھ خمار ہے اب

جذبات کی صحیح ترجمانی اور واقعات کی ہوبہو تصویر کشی ایک نادر خوبی ہے لیکن شاید میرا یہ دعوے بے دلیل نہ سمجھا جائیگا کہ اثر صاحب نے اس رنگ سخن مین کمال دکھایا ہے

سنورنے والے ایسی بھی کوئی تدبیر ممکن ہے — کہ تجھکو دیکھ لون جی بھر کے دل سے بیخبر ہوکر

وہ ادھر چپ ہین مین ادھر چپ ہون — اک تماشہ ہوا حیا نہ ہوئی

وہ تڑپتا نہین کبھی ظالم — جسنے بھر پور چوٹ کھائی ہو

خود پٹتی رہی دنیا اُس سے جبکو دنیا سے کوئی کام نہ تھا
مرنے کا بھی نہ سلیقہ آیا یہ تو دشوار کوئی کام نہ تھا

بیکسی مین تیرا نظیر نہین اے وطن اے مرے غریب وطن

خوف طوالت سے جناب اثر کے کلام کی دوسری خصوصیات پر مفصل نظر اسوقت نہین ڈال سکتا۔ ناظرین اصل دیوان کے مطالعہ سے سیر ہون۔ غرض تمام دیوان مجسم "اثرستان" ہے۔ ندرت۔ مصوری جذبات۔ برجستگی۔ لطف سادگی۔ عبرت۔ فلسفہ۔ حسرت عشق۔ جذب الفت۔ ہر قسم کے اشعار موجود ہین۔ مجموعی طور پر نہایت سخن فہمی اور سختی سے انتخاب کیا گیا ہے۔ لیکن مین اپنے ضمیر سے جھوٹا ہونگا۔ گر ان باتون کا ذکر نہ کرون جو مجھے مشکوک معلوم ہوتی ہین۔ کہین کہین غزلین اور اشعار پست ہین۔ شاید یہ میری بدذاقی ہو وہی شعر ایک سننے والے کو پسند آتا ہے لیکن دوسرا اُس سے متاثر نہین ہوتا کچھ تو یہ شعر کی کیفیت کا سبب ہوتا ہے اور کچھ سننے والے کے موجودہ انداز طبیعت اور مستقل مذاق شعر پر منحصر ہے۔ اکثر اشعار جو قابل اعتراض ہین وہ اسلیے قابل اعتراض نہین کہ ایسے شعر کیون ہین بلکہ اسلیے قابل اعتراض ہین کہ وہ "اثرستان" کا جزو ہین جہان لطائف نوادر ہون وہان ایسے اشعار کھٹک جاتے ہین۔

یکسن اچھی صورت والی آتش کر ہین بیچارے ہر اک نہین لئے فتوای قتل عام آتا ہے
عدو سے وہ کھنچین تو حرف آتا ہی تو وضع پر اگر ہم سے ملین تو وضع پر الزام آتا ہے

میرا خیال تھا کہ ایسے اشعار خزانہ نسیان مین ستر وسکے ہو کر داخل ہو گئے ہین مثلاً

دیکھئے دیکھیے وہ حسن کے گاہک آئے جکو طے سر بازار دیے جاتے ہین

ہر دو اکہتی تھی قاتل قاتل کیا ہی بچے ہین مکر نے والے

شہر وفا جو دل تھا وہ تاراج کر دیا بیٹھے رہے صورت دیبا لیے ہوے

لیکن ایسے اشعار کی تعداد کم ہے اور بخوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ غزلگوئی میں "اثرستان" اردو شعر کی معیار رفعت ہے۔ ہماری دل سے دعا ہے کہ جناب اثر کی نغمہ سنجیوں سے فضائے اُردو اور زیادہ سیراب ہو اور جلد ہی خمستان اثر کا دوسرا دور سے آشامان لطافت تک پہونچے۔

رندان میگسار کی اللہ رے تشنگی
بیٹھے ہیں دونوں ہاتھوں میں ساغر لیے ہوئے

جگت موہن لال "رواں"

سیدکتب

ازالۂ تعصب، مصنفہ پنڈت کشوری لال ہیڈ ماسٹر تحصیلی اسکول بلند شہر قیمت ۲ ر

تصورات زیرک۔ مصنفہ حضرت سید علی احمد صاحب زیرک قیمت عہ ر
ملنے کا پتہ حکیم محبوب علی بیگ صاحب مصنف مکان محمد عمر سوداگر چیلہ پورہ حیدرآباد دکن

شمع شبستان۔ مرتبہ جہانگیر بک کلب چابکسواران لاہور قیمت ۳ ر

تاریخ دریاباد مولفہ منشی برج موہن لال صاحب محب مطبوعہ نامی پریس لکھنؤ قیمت ۸ ر

تفسیر پارہ الم۔ از حضرت خواجہ حسن نظامی۔ ملنے کا پتہ منیجر نظام المشائخ دہلی قیمت ۸ ر

دشینت وشکنتلا۔ المعروف بہ مثنوی سحر از منشی اقبال ورما سحر ہتگامی۔ قیمت ۸ ر
ملنے کا پتہ زمانہ پریس کانپور۔

شعراء الہند (حصہ اول) از مولانا عبدالسلام ندوی۔ مطبوعہ مطبع معارف اعظم گڈھ قیمت ۲ ر

جین کرم فلاسفی　مصنفہ بابو رکھب داس جینی بی آے وکیل
جین دھرم دیر آتما وغیرہ وغیرہ　میرٹھ۔ ملنے کا پتہ جین مترمنڈل۔ دہلی

شاعری

اپنی قسمت کا ستارہ آپ ہی انسان ہے (۱) اور ہی وہ روح جسکا ساختہ ایمان ہے

خود اُسکی ذات مین پنہان ہین اسرارِ کمال بخت ہے محکوم قدرت جذب پر تابع جمال

وقت کے پہلے کوئی شئے یا بہت تاخیر سے اُسکا حصہ ہو نہین سکتی کسی تدبیر سے

ہین فرشتے قہر یا رحمت کے جو افعال ہین ساتھ سایہ کیطرح سب نیک بد اعمال ہین

ذات پر اپنی اگر پورا بھروسا ہے تجھے (۲) کہہ آوازِ دل جو کچھ بھی کہنا ہے تجھے

کذب سے ہرگز نہو گا آشنا ڈرتا ہے کیون ہو کے دانشمند خون راستی کرتا ہے کیون

دلسے جو نکلے اثر دل پر وہ کرتا ہی ضرور یہی وہ مے پھیلتا ہی دور تک جسکا سرور

ہان مگر اپنے کہے پر خود عقیدہ چاہیئے اچھی محفل کیلیئے ساقی بھی اچھا چاہیئے

اک شعاع نور ہے شاعر کے سینے مین نہان (۳) جسکی تابش کا نظارہ ہی نشاط بیکران

یہ کرن ہی اُس تخیل کی جو تیری ملک ہی یہ نہو تو نغمہ سے خالی صریرِ کلک ہے

حیف اگر تو نے اسے بیکار ضایع کر دیا کام جلبِ منفعت کا طبعِ عالی سے لیا

سلب ہو جائیگی، قوت ہے اگر الہام کی

بے نشان کر دیگی غافل تجھکو خواہش نام کی

مرزا جعفر علیخان اثر بی اے

تاروں بھری رات

دلچسپ ہے کیا تاروں بھری رات کا جلوہ
ہے صانع قدرت کی کرامات کا جلوہ

کیا گل ہیں کھلے دامن گلزار فلک پر
صدقے ہیں زر و لعل و گہر جنکی چمک پر

لیلئ شب اوڑھے ہوئے تاروں کی رداہے
کیا حسن ضیا پاش ہے دل جسپہ فدا ہے

کیا تیرگی نور کے دلکش ہیں نظارے
روشن شب تاریک میں ہیں چرخ پہ تارے

ہے ان کی تجلی سے عجب رات کا عالم
ہے ساحت گردونپہ طلسمات کا عالم

کیا ضو ہے سر چرخ بریں کاہکشاں کی
اک موج ہے یہ نور کے دریائے رواں کی

ہے جلوۂ انجم سے اندھیرے میں اجالا
قدرت نے انھیں نور کے سانچے میں ہے ڈھالا

قندیلیں سر شام سے روشن ہیں فلک پر
یا گنبد گردونپہ چراغاں کا ہے منظر

دامان فلک میں گل خوشرنگ پڑے ہیں
یا سقف زمرد میں در و لعل جڑے ہیں

تاریک کوئی ماند کوئی، کوئی درخشاں
ثابت کوئی، سیارہ کوئی، کوئی ہے رقصاں

مصروف گردش ہیں یہ دامان خلا میں
لاکھوں کرۂ نور معلق ہیں ہوا میں

پانی میں جہاز انکے اشارہ پہ رواں ہیں
گویا یہ سفینوں کے لیے سنگ نشاں ہیں

چھا جاتی ہیں جب لیکے غم و یاس کے بادل
صحرا میں مسافر کو دکھاتے ہیں یہ مشعل

ہمدم ہیں ہمارے دن کے ہیں رنج و تعب میں
دل انسے بہل جاتا ہے تنہائی شب میں

گردونپہ عجب غل انجم کا ہے عالم
آتا ہے نظر دور سے اک مجمع برہم

ہاں راتکی ہی رات کا جلوہ ہے یہ فلک پر
جب نور کا تڑکا ہوا تبدیل ہے منظر

شب آتے ہی رنگ رخ انجم ہوا پھیکا
گل کر گیا جھونکا ہمیں باد سحری کا

آتا ہے دم صبح یہ فرق انکی چمک میں
مرجھائے ہوئے پھول ہیں دامان فلک میں

رونق دہلوی

کلام ناشاد

(از پروفیسر رام پرشاد کھوسلہ ناشاد ایم۔ اے۔ آکسن)

میں شوق میں اپنے ہی سے بیگانہ بنا ہوں — محفل میں مے عشق کا پیمانہ بنا ہوں

مسجد سے سروکار نہ بتخانہ سے مطلب — میں خاک رہ کوچۂ میخانہ بنا ہوں

ہے عار مجھے صحبت ارباب خرد سے — مشتاق ہوں گردیدۂ جانانہ بنا ہوں

ناصح کی نصیحت کا اثر مجھ پہ کہاں ہو — رسوا سر بازار ہوں دیوانہ بنا ہوں

ہے یہ کشش شمع سر بزم حسیناں — جلنے کے لیے شوق سے پروانہ بنا ہوں

ہر لب پہ مرا تذکرۂ عشق ہے جاری — اقلیم حسیناں میں اک افسانہ بنا ہوں

طاعت سے ہے انکار مجھے زہد سے پرہیز — میں مست مے خوبی جانانہ بنا ہوں

ہوں مذہب و ملت کی ہر اک قید سے آزاد — میں محفل عشاق میں فرزانہ بنا ہوں

کیا پوچھتا ہے زاہد نافہم تو مجھ سے — کچھ بات ہی ایسی ہے جو مستانہ بنا ہوں

بدمست نہیں رند نہیں دہر میں ناشاد
ممنون ہوں اور ساغر شکرانہ بنا ہوں

جذبات اختر

ہنگام سحر خنداں تقدیر نظر آئی — یہ صرف محبت کی تفسیر نظر آئی

تاریک ہوئی دنیا دم گھٹنے لگا میرا — آہوں کی یہی مجھکو تاثیر نظر آئی

اغیار کی محفل میں وہ زینت محفل ہیں — یہ خواب تمنا کی تعبیر نظر آئی

اف ایک قیامت تھا محفل سے ترا جانا — جو چیز نظر آئی دلگیر نظر آئی

ہر گام پہ جھک جھک کر کی میں نے جبیں سائی — ہر نقش میں اک مجھکو تصویر نظر آئی

اس محو تغافل سے لاکھوں تھے گلے لیکن — سوچا تو اختر اپنی تقصیر نظر آئی

اختر صہبائی

جذباتِ محوی

مرنے والے چشمِ حسرت کیوں تری وا رہ گئی
کیا ہوا دل میں اگر کوئی تمنا رہ گئی

مٹتے ہی جوشِ جوانی مٹ گئے سب ولولے
دل میں صرف اک سوزشِ داغِ تمنا رہ گئی

اب کہاں وہ جلوۂ سینا کہاں وہ برقِ طور
اک جہاں میں یادگارِ ذوقِ موسیٰ رہ گئی

قیدِ زندان و مداواے جنون سے فائدہ؟
جب دلِ وحشی میں باقی یادِ صحرا رہ گئی

دعوتِ کیفِ نظر ساقی نے اب دی بھی تو کیا
آہ جب ذکیتِ بزمِ جام و مینا رہ گئی

قیس کیا دیتا غبارِ ناقۂ لیلیٰ کا ساتھ
چلکے تھوڑی دور تک یہ خاکِ صحرا رہ گئی

جرأتِ نظارہ بھی اس بزم میں دشوار تھی
بارہا اٹھ کر مری چشمِ تمنا رہ گئی

اے قسامِ ازل کو یاد ہم یا دشمن بخیر
ہاتھ میں جب دولتِ تکلیف ایذا رہ گئی

پوچھیے اہلِ نظر سے اس نظر کا حسنِ ذوق
اٹھ کے رخ تک جا کے جو محوِ تماشا رہ گئی

خلد میں بھی بارہا اٹھی ہے دل میں ہوک سی
دل میں کیا یادِ بہارِ باغِ دنیا رہ گئی

ہم ہیں اور ساقی ہے اور کوثر کی موجیں ہمنشیں
شکر ہے جنت میں قدرِ ذوقِ صہبا رہ گئی

خاکساروں نے جھکا دیں سرکشوں کی گردنیں
پائے ساحل چوم کر ہر موجِ دریا رہ گئی

اے حوادث! پے بہ پے پڑتے بڑھائیں ہمتیں
اس جہاں میں عزتِ ذوقِ تماشا رہ گئی

اب دلِ زندہ ہے پہلو میں نہ محوی جوشِ شوق
صرف یادِ عشرتِ عہدِ تمنا رہ گئی

محوی لکھنوی
پروفیسر عثمانیہ کالج اورنگ آباد

پیغامِ زرّین

تھا تابشِ حسین سے مہتاب جلوہ آرا — اُس آسمان پہ جسکا ملتا نہ تھا کنارا
صحنِ چمن کو دعوت دیتا تھا روشنی سے — پھولوں کا تختہ تختہ روشن تھا چاندنی سے
پہنے ہوئے تھا ہر گل ملبوس چاندنی کا — کلیوں میں ایک عریان عالم تھا کمسنی کا
مستی بھری ہوائیں گلشن میں چل رہی تھیں — کلیاں چٹک چٹک کر صورت بدل رہی تھیں
آسودگی تھی طاری پتوں کے بانکپن پر — اک نیند چھا رہی تھی دوشیزۂ چمن پر
کچھ غنچے ہنس رہے تھے پھولوں کی بیکسی پر — کچھ خودسر لیٹے تھے دامانِ اخضری پر
تخلیق ہو رہی تھی پھولوں کی نکہتوں سے — الفت کے جوہروں کی کامل لطافتوں سے
آئینہ بن گیا تھا گلشن کا ماہِ کامل ؛ — گویا درِ چمن پہ تھا ایک غریب سائل
گل اور غنچے ملکر جادو جگا رہے تھے — رامشگرانِ فطرت تانیں اُڑا رہے تھے
کلیوں کا حُسن رنگین تھا صد شعاع دربر — بکھرے ہوئے تھے گویا صحنِ چمن میں اختر
دھندلی ہوئیں فضائیں آخر فروغِ کم سے — شبنم نے جسم دُھویا قطراتِ سرد و نم سے
ہونے لگے اُفق سے آثارِ صبح پیدا — مہرِ سواد آرا اک دم ہوا ہویدا ؛؛
ہوتے ہی صبح گلچین صیاد وار آیا — کلیوں کو مست و بیخود کیفِ شبی سے پایا
جی بھر کے پھول توڑے نامہربانیوں سے — پُر کر لیا سبد کو رنگین جوانیوں سے
پھر ہر کلی کو رشتہ بدل بنایا — تیار ہار کر کے پھر وقتِ شام لایا
تحفہ بروزِ شب کو گل ہار بنکے آئے — تا زم دوست رہنے والے چمن کے آئے

اے کاش میں چمن کا خوشرنگ پھول ہوتا — اے کاش مثلِ غنچہ انکو قبول ہوتا
اے کاش جلد ہوتا میں سنگِ آسمان کا — جھکاکے دیکھہ لیتا رخ اُنکے آستان کا

اے کاش چاندنی ہی مجکو خدا بناتا		پیغام نور لیکر مین اُنکے پاس جاتا
اُن کی صباحتون سے نور آشکار ہوتا		اُنکی لطافتون سے مین ہمکنار ہوتا
وہ نیم باز آنکھین افشائے راز کرتین		کیفیتِ نظر کو مست نیاز کرتین

ہین مجھسے پھول اچھے بہتر کلی کلی بھی		روشن نہین ہے یہ کمبخت چاندنی بھی
فطرت کی سنگدلی نے معذور کر دیا ہے		انسان بنا کے مجکو مجبور کر دیا ہے

دنیا کی وسعتون مین اذنِ مشاہدہ دے
یارب میری نظر کو ماہِ فلک بنا دے

صاحبزادہ حامد سعید خان ساحل سیمابی ٹونکی

گریۂ رنگین

ہائے مجھسے وہ رات مت پوچھو		قصۂ التفات مت پوچھو
مین جوانی مین رہن مرگ ہوا		داستانِ حیات مت پوچھو
آہین کرتے ہی دن گذرتے ہین		سوز و سازِ حیات مت پوچھو
اشک آنکھون مین کیسے آتے ہین		راز کی ہے یہ بات مت پوچھو
پوچھتے ہو کہ حسن کیا شے ہے		مجھسے تم اپنی بات مت پوچھو

صہبا مارہروی (علیگ)

اس رسالہ مین جو رنگین تصویر ہدیۂ ناظرین کیگئی ہے اسمین سترہوین صدی کے راجپوت خواتین کی آرائش کا خاکہ پیش کیا گیا ہے اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ زمانہ کے ساتھ ساتھ طرز آرائش مین کیا نمایان فرق ہو گیا ہے تصویر تاریخی حیثیت سے قابل قدر ہے

۲۴ اکتوبر کی شب مین اگروال سبھا کان پور کیطرف سے ایک بزم مشاعرہ منعقد ہوئی تھی جسمین مقامی شعرا، کے علاوہ لکھنؤ کے بعض قادر الکلام اور مشہور شعرا بھی شریک تھے۔ چند غزلون کا انتخاب حاضر ہے۔ ناظرین لطف اندوز ہون۔

جناب عزیز لکھنوی

ان نگاہون کا نشانہ ہے ستم ایجاد بھی
ناوک افگن جھک چلا ہے چرخ کج بنیاد بھی

آپ ہی نے خاک کا پتلا بنایا تھا ہمین
آپ ہی کے ہاتھ سے مٹی ہوئی برباد بھی

ہم گرفتار چمن نیرنگ ہستی کیا کہین
سرو کے مانند ہین پابند بھی آزاد بھی

دیکھکر گور غریبان ہو گیا سکتا مجھے
واہ رے بستی کہ ہے آباد بھی برباد بھی

جناب ثاقب لکھنوی

قہقہے ہمنے سنے دنیا مین اور فریاد بھی
ایک ہی رستے سے گذرے شاد بھی ناشاد بھی

جوشش گریہ سے پھندے پڑ رہے ہین حلق مین
مین اسیر دام ہون تو قید ہے فریاد بھی

آہنین قیدین تو کٹ جائینگے قابل یقین مگر
عشق کی بیڑی سے شل ہین بانده مدعا بھی

جناب آسی لکھنوی

وشمن دل ہے ہجوم شکوۂ بیداد بھی
جس سے بھولی ہے لبون کا راستہ فریاد بھی

رحم کر ای موت میری بیکسی پر رحم کر
چھوٹتا ہے ہاتھ سے اب دامن جلاد بھی

ساتھ اپنے کر دیا دل کی بنا کو منہدم
کتنی مستحکم تھی قصر عشق کی بنیاد بھی

جناب وصل بلگرامی

عبرت افزا ہے فضائے گلشن ایجاد بھی
اسکو کہہ سکتے ہین ہم آباد بھی برباد بھی

دل کا ویرانہ نہین معمورۂ عالم سے کم ۔۔۔ اسمین غم بھی جلوہ گر ہی اور تمہاری یاد بھی
ایک دن وہ تھا کہ ہم ناواقفِ فریاد تھے ۔۔۔ ایک دن یہ ہی کہ کر سکتے نہین فریاد بھی
عیش آزادی سے خوگر فطرت تخلیق دیکھ ۔۔۔ یہہ دنیا اسجگہ ہین شاد بھی ناشاد بھی

جناب محشر لکھنوی

مبتلائے دردِ روحانی بھی ہون اور شاد بھی ۔۔۔ دلمین زخمِ عشق بھی ہے اور کسیکی یاد بھی
آشیان میرا اجڑتا ہے تو کچھ پروا نہین ۔۔۔ نقش فانی ہے زمین پر خانۂ صیاد بھی
اب کسیکی بات دنیا مین مزا دیتی نہین ۔۔۔ کیا ہی نازک ہے مزاج خاطرِ ناشاد بھی

جناب صفدر مرزاپوری

دل دکھاتی ہے دل مظلوم کی فریاد بھی ۔۔۔ شام غربت مین قیامت ہی وطن کی یاد بھی
تیری ویرانی کی ای شہر خموشان حد نہین ۔۔۔ ورنہ گھر لاکھون ہوے آباد بھی برباد بھی

ہائے کس حسرت سے کہتے ہین وہ میت پر مری
واہ رے غفلت بھلادی تونے میری یاد بھی

جناب بہار لکھنوی

ضبط ہے صورت کشِ دردِ دل ناشاد بھی ۔۔۔ دوسرا رُخ میری خاموشی کا ہے فریاد بھی
دلکی بیتابی چھپائے سے کبھی چھپتی نہین ۔۔۔ ترجمان راز، خاموشی بھی ہے فریاد بھی

کثرتِ ارمان کہین کا بھی نہ رکھے گی بہار
دلکی آبادی کرگئی خانمان برباد بھی

جناب ظریف لکھنوی

نالہ کش بھی وقفِ لطفِ ناخنِ بیداد بھی ۔۔۔ غالبًا عشاق کے خارشت بھی ہی یاد بھی
انکو بھاتی ہے کتھا بھی محفلِ میلاد بھی ۔۔۔ جو تبرک بھی لیا کرتے ہین اور پرشاد بھی
سایہ کی صورت رقیب روسیہ ہی ساتھ ساتھ ۔۔۔ ہے انھین کے دم کے پیچھے یہ سگِ ہمزاد بھی

کاٹ کر نلیا نکالی دودھ پینے کی سبیل
جیسے بی شیرین کے آنا تھے میان فرہاد بھی

علمی نوٹ اور خبرین

حضور نظام کی علم دوستی اور ادب نوازی سے حیدرآباد اُردو ترقی کا مرکز بنگیا ہے۔ چنانچہ اس سال کی نظامی رپورٹ کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اسسال ۲۵۰ کتابین شائع ہوئی ہین جنمین ۱۴۱ کتابین دینیات، اخلاق، ۳۰ قانون، ۱۶ تاریخ اور ۴۲ نظم و ڈراما اور حفظان صحت وغیرہ سے متعلق ہین دارالترجمہ کی طرف سے ان کتابون کے علاوہ ۱۶۲ کتابین مختلف علمی فنون پر بھی شائع ہوئین) یہ تعداد پچھلے سال کی مطبوعات سے بقدر ۹۲ کے زائد ہے۔

اُردو کے نئے رسالون مین ہمعصر شمع ایک بلند پایہ رسالہ ہے، کارکنان رسالہ نے اعلان کیا ہے کہ دسمبر مین علیگڈھ کالج کی پنجاہ سالہ جوبلی کی یادگار مین اس رسالہ کا جوبلی نمبر نہایت آب و تاب کیساتھ شائع ہوگا، یہ خاص نمبر شمع کے گذشتہ نمبرون سے بدرجہا بہتر ہوگا۔

ہمارے معزز ہندی ہمعصر "چاند" الہ آباد کے اولعزم کارکنان نے دسمبر مین، ممالک غیر کے ہندوستانی باشندون کے متعلق ایک خاص نمبر نکالنے کا اہتمام کیا ہے۔ جسکی ادارت پنڈت بنارسی داس چترویدی کے سپرد کی گئی ہے۔ ہمکو امید ہے کہ یہ رسالہ خاص طور پر دلچسپ ہوگا۔

دسمبر کی آخری تاریخون مین رسالہ زمانہ کا قومی نمبر شایع ہوگا۔ بہترین مضامین اور بہترین تصاویر کا انتظام ہو رہا ہے ملک کے اہل قلم حضرات ۲۵۔ نومبر تک مضامین ارسال فرمائین۔

ڈھاکہ کا موقر رسالہ "جادو" زبان کی قابل قدر خدمت انجام دے رہا ہے، اسکے مضامین خصوصیت سے علمی وادبی مسائل سے متعلق ہوتے ہین۔ کسی گذشتہ نمبر مین مولانا محمد محفوظ الحق صاحب ایم۔اے پروفیسر عربی وفارسی پریسیڈنسی کالج کلکتہ کا ایک فاضلانہ مضمون شائع ہوا تھا۔ انگریزی شعرائے اردو کی ہمہ گیری اور ہردلعزیزی کا پتہ چلتا ہے۔

ملک کے مسلم جادو نگار نواب سید نصیر حسین خیال (صدر آل انڈیا اردو کانفرنس لکھنؤ) کی خود نوشت سوانح عمری جو بیحد دلچسپ اور معلومات سے مالامال ہے بالاقساط جادو مین شائع ہوگی۔

کانگریس کے سلسلہ مین کانپور مین ایک شعرا کانفرنس بھی ہونیوالی ہے۔ جسمین ہندی اُردو شعرا کے علاوہ ہندوستان کے بعض اور ممتاز زبانون کے شعرا بھی شریک ہونگے۔

ہمنے نہایت مسرت سے سنا ہے کہ مولانا کیفی چریاکوٹی کو پھر "سحبان" کے اجرا کا خیال پیدا ہوا ہے، "سحبان" اردو ادب کا ایک قابل قدر رسالہ تھا۔ خدا کرے کہ وہ دوبارہ بزم ادب مین آئے۔

انتخاب لاہور کا پہلا پرچہ حضرت اختر شیرانی کی ادارت مین نہایت آب وتاب سے شائع ہوا ہے اسکے وسیع اڈیٹوریل اسٹاف مین حضرت دلگیر کا نام نامی بھی نظر آتا ہے جو آگرہ کے رسالہ نقاد کے ہامرہ چکے ہین۔ انتخاب نے مطبوعہ مضامین کیساتھ حضرات کو بزم ادب مین نمایان کرنیکی کوشش کی ہے ہماری رائے مین انتخاب کو اپنا معیار بلند کرنا چاہئے صرف ان مطبوعہ مضامین کی اشاعت جو مختلف رسالون مین وقتاً فوقتاً شائع ہوچکے ہین طرۂ امتیاز نہین ہوسکتی ہرادبی رسالہ کا فرض ہونا چاہئے کہ وہ اردو کے دامن کو تازہ پھولون سے باغ وبہار بنانے کی کوشش کرے۔

زمانہ

مرتبہ دیا نرائن نگم

جلد ۳۶ | جنوری ۱۹۳۶ء | نمبر ۱

فہرست مضامین

تصاویر: بیل دیمند (رنگین)، بھگوان گوتم بدھ، حضرت عزیز لکھنوی، شری پنڈت ... مولانا حسرت موہانی

جلد ۴۶ — جنوری سنہ ۱۹۲۶ء — نمبر ۱

اُردو شاعری کی اِصلاح[1]

از پنڈت اقبال کشن غرمہ بی۔اے۔ سابق پروفیسر دہلی کالج و پرنسپل سری پرتاپ کالج کشمیر

اگر دنیا کو وسیع نظر سے دیکھا جا سے تو ہر جگہ کسی نہ کسی طرح کا حسن و کمال نظر آسکتا ہے اور ہر جگہ شاعری کی کم و بیش گنجائش ہے۔ مگر عام طور پر اُردو شاعری کل جلوہ ہائے قدرت سے مُنہ موڑ کر محض عشق مجازی (بلکہ ناجائز عشق مجازی) کیطرف متوجہ نظر آتی ہے لیکن حلال عشق مجازی بھی ایک چیز ہے بلکہ بہت بڑی چیز ہے۔ اور عام واقعات دنیا مین سے ہے۔ عموماً ہر مرد کو اپنی بی بی سے اور ہر عورت کو اپنے شوہر سے کم و بیش تھوڑے یا زیادہ عرصہ تک عشق رہتا ہے۔ مثلاً۔

تن مین من مین نینون مین	تم ہی بست ہو بیستم پیارے
جن نینون مین نیند نہین ہے	اون نینون مین آپ سمائے
بہت ہان کو گھر سے نہ نکسے	تم ہی اونکے پردیس جو آیا
جب سے گئے موری سُدھ بُدھ نہ لینی	جانے بسے کونسے دیس نگریا

[1] اسمضمون مین عام اُردو شاعری اور خاصکر غزلیات کے چند عیوب دکھانے کی کوشش کیگئی ہے۔

عام طور پر اُردو شاعری نے اس عشق حلال سے کوئی سروکار نہین رکھا ہے اور ہمہ تن مصروفیت اُس عشق سے ہے جہان عاشق کے بہت سے رقیب ہین اور جہان معشوق پہ عاشق کا کوئی حق نہین ہے۔ مثلاً

دیکھیے حصہ ہے وہ سیب زنخدان کس کا (امیر)
دانت ہر وقت ہمارا بھی ہے اغیار کا بھی

بالفرض یہ تسلیم کر لیا جائے کہ بجز عشق مجازی کے اور کسی شے مین زیادہ لطف حاصل نہین ہو سکتا ہے تو بھی کم از کم یہ ہونا چاہیے کہ عشق مجازی کی سچّی تصویر کھینچی جائے۔ مگر عموماً اردو شاعری اسمین بھی قاصر ہے۔ جو خیالات ظاہر کیے جاتے ہین وہ اکثر خلاف طبیعت انسانی اور بعید از قیاس ہوتے ہین جسکا نتیجہ یہ ہے کہ اکثر کلام بے جان اور بے اثر ہوتا ہے۔ بلکہ بعض اوقات اسمین محض لغویت پائی جاتی ہے۔ یہی اُردو شاعری کا سب سے بڑا عیب ہے۔ تمثیلاً بہت اختصار سے اُردو شاعری کے چند اجزا کا ذیل مین ذکر کیا جائیگا۔ اور مثالین بھی پیش کیجائینگی۔ مگر اسکے یہ معنی نہین ہین کہ جن مصنفون کے دو چار اشعار قابلِ اعتراض ہین ان کا کلام بہ حیثیت مجموعی پُر از عیب ہے یا وہ بہ مقابلہ اور شعراء کے اونٹے درجہ کے ہین۔ اعتراض اُردو شاعری کی عام روش پر ہے۔ کسی خاص شاعر پر کوئی اعتراض نہین ہے۔

اس تحریر کا یہ مقصد نہین ہے کہ اُردو شاعری مین سراسر عیب ہی عیب ہین۔ اور کوئی خوبی نہین ہے شاعری (باضابطہ یا بے ضابطہ) طبیعت انسانی کا ایک خاصہ ہے کسی خاص زبان یا ملک پر محدود نہین ہے۔ اور جہان کہین شاعری کی قدرتی رفتار مین فرق نہین آتا وہان خیالات مین کم و بیش نفاست اور جذبات مین لطافت پیدا ہوتی ہے۔ اُردو مین بھی ایسی شاعری بیشک پائی جاتی ہے مگر اُردو شاعری کا ایک بڑا حصہ راہ راست سے منحرف ہے۔ اگر علاوہ خیال کی جولانی اور زبان کی پاکیزگی کے ایک نظر طبیعت انسانی اور واقعات دنیا پر بھی رہے تو بہت زیادہ اثر اور لطف پیدا ہوگا۔

عاشق کی حالت | عشق میں خلش اور بیقراری - آہ وفغان واشکباری - طبیعت انسانی کا خاصہ ہے - ان حالات کا ذکر اگر ان کی قدرتی کیفیت کے مطابق ہو تو مناسب ہے - مثلاً

کچھ نہین معلوم مجھکو دفعتاً کیا ہو گیا وہ اُٹھے پہلو سے دلمین درد پیدا ہو گیا

شب درد وغم یون بسر ہو گئی تڑپتے تڑپتے سحر ہو گئی

آہ کیون بار بار کرتا ہے سچ بتا کس کو پیار کرتا ہے

تصور آ بندھا اپنے صنم کا لگا ٹپکا ٹپکنے چشم نم کا

اشعار مذکور الصدر پر اثر ہین - اور ایسے کلام سے دل پر چوٹ لگتی ہے - برخلاف اسکے جیسے شعر عموماً لکھے جاتے ہین ان کی چند مثالون پر غور فرمایا جائے -

تھکا سمجھ کے دور کرے بزم یار سے فرش دیکھے جو میرے جسم زار کو (ناسخ)

روے زمین پہ ایسا ہین سیل طپان ہوا اڑکر لہو مرا شفق آسمان ہوا (آتش)

جو اٹکی دل جلون نے تیرے تو تیا گلدان پھونکا زمین کیا آسمان کیا مکان کیا لا مکان پھونکا (داغ)

موجزن رہتے نہ دریا جو میرے اشکون سے سفر آب ہند و نہ مسلمان کرتے (آتش)

ہر دن موی مژہ مین ہین بہان سو طوفان عین غفلت ہے مری آنکھ کو دریا کہنا (امیر)

مین نے روکا رات غالب کو وگرنہ دیکھتے اُسکے سیل گریہ مین گردون کف سیلاب تھا

ایسے اشعار حسب عادات دیرینہ عام پسند ہین لیکن نظر غور و انصاف سے دیکھا جائے تو بالکل بے معنی ہین نہ واقعات دنیا سے ان کا کوئی تعلق ہے اور نہ خیال مین ان اشعار سے عاشق کی کوئی دلکش تصویر بنتی ہے -

صحرا نوردی | عاشق کے مصائب مین صحرا نوردی بھی شامل کی گئی ہے اسی کے ساتھ خار بیابان وغیرہ کا بھی ذکر کیا جاتا ہے - فی زمانہ کوئی عاشق برہنہ پا جنگل کا راستہ نہین لیتا ہے گو کہ سنا جاتا ہے کہ قیس و فرہاد نے کسی زمانہ مین ایسا کیا تھا - لہذا صحرا نوردی کے ذکر سے عوام کے دلپر کوئی بڑا اثر نہین ہو سکتا ہے - صحرا نوردی گو کہ موجودہ واقعات مین نہین ہے تاہم ممکن الوقوع ہے اور خیال مین اسکی ایک دردانگیز اور دلکش تصویرین سکتی ہے جسمین یک قسم کا شاعرانہ لطف ہو سکتا ہے بشرطیکہ و تصویر حیطۂ ممکنات کے اندر رہے - مثلاً

خاک صحرا کی زمیں بھر میں چھائی ایسی - حیثیت تک نہ رہی
پاؤں تلووں سے مرے دشت کا ہر خار ہوا - چلنا دشوار ہوا

اس شعر سے ایک صاف تصویر نظر کے سامنے آجاتی ہے اور دل میں جذبۂ ہمدردی پیدا ہوتا ہے۔ اس قسم کے ابتدائی خیال کو جو کہ سادہ اور بہت پر اثر ہے بعض شعرا ایسی ایسی روشوں میں لے گئے ہیں کہ صحرانوردی سے جو خیال اور جذبہ قدرتی طور پر پیدا ہونا چاہیے وہ بالکل گم ہو گیا اور اشعار ایسے تصنیف ہونے لگے جو بالکل بے بنیاد ہیں۔ مثلاً

پا خراشی ہے مری کوہ کنی سے افزوں	پہلے پیدا تو کریں قوت بازو کانٹے (آتش)
آتا ہے ایک آبلہ پا اور دشت میں	دیدے صبا نوید ہر ایک نوک خار کو
صدقے برہنہ پائی کے ہمت نہ ہارنا	مدعو کیا ہے آبلوں نے نوک خار کو

صحرانوردی کا سارا لطف عاشق کے ساتھ ہے اور شاعری میں خار بیاباں کو عاشق کے تابع اور زیر پا رہنا چاہیے۔ گر اشعار بالا میں نوک خار کی تضحیک یا تواضع وتکریم جداگانہ ہو رہی ہے۔ اور نوک خار کو عاشق پر ایک طرح کی فضیلت دی گئی ہے۔ مانا کہ یہ شاعرانہ خیالات ہیں۔ اصلی واقعات کا تذکرہ نہیں ہے۔ گر تاہم سوال یہ ہے کہ ان اشعار سے کوئی خیالی تصویر بھی بن سکتی ہے۔ اور اگر بن سکتی ہے تو اس تصویر سے عاشق کے بابت کیا خیال اور کیا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ یعنی کیا عاشق صاحب مغموم ہیں اور ان کے ساتھ ہمدردی کی جائے۔ یا عاشق صاحب ظرافت پر آمادہ ہیں اور ان سے ہنسی مذاق کیا جائے۔

معشوق کی صورت | اگر معشوق کی صورت کا اندازہ بغیر تخصیص وتفصیل وتشبیہ کے ہوسکے تو بہتر ہے۔ جہاں حسن کے اجزا علیحدہ علیحدہ بیان کئے جاتے ہیں وہاں جذبہ جو کہ شاعری کا خاص مقصود ہے کم ہو جاتا ہے اگر جذبہ کی قوت منظور ہے تو زیادہ تفصیل وتخصیص نہ ہونی چاہیے۔ مثلاً الفاظ ذیل میں موجود ہے۔

"ٹھہرا دا ستانہ سر سے پاؤں تک چھائی ہوئی"

"دُو دُو دہ ستم ستم نظم برکہ او فتاد"

اگر خفیف تخصیص ہو تو بھی جذبہ ضعیف نہین ہوتا اور لطف باقی رہتا ہے۔ مثلاً

خدا سر دے تو سودا دے تری زلف پریشان کا

"چوٹی مین اُس نے اپنے جو گوندھا ہے ہار کو"

"باندھا ہے پیچ زلف مین گویا بہار کو"

کیون رک نہ سکی اُمنگ دل کی　　　　پستان بنکر شباب نکلا"

ع　　پتلی کمر بل کھائے نہ جائے

برخلاف اسکے جہان تخصیص زیادہ ہے وہان جذبہ مین کمی ہو جاتی ہے اور شاعری کا لطف جاتا رہتا ہے۔ مثلاً

یہ خوش اسلوب جسم اُس نوجوان کا ہے جو ناپین تو
برابر نکلے ڈورا اُس کمر کا اور گردن کا　　(آتش)

معشوق کی کمر کو لوگ عموماً ڈورے سے نہین ناپتے ہین۔ اور اگر دراصل کمر اور گردن کی ناپ برابر ہو تو ایسی کمر بدنما معلوم ہوگی۔ کمر بدنما اور خوشنما ہوتا تو درکنار اُردو شاعری نے کمر معشوق کو ایسا تحلیل بلکہ نیست و نابود کیا کہ خوبصورتی اور بدصورتی دونون غائب ہوگئین۔ مثلاً

نظر آتی نہین آنکھونکو باریکی کے باعث سے　　کمر سے یار کی ہمکو محبت غائبانہ ہے (آتش)

ڈھونڈھے سے بھی نہ معنی باریک جب ملا　　دھوکا ہوا یہ مجھکو کہ اُسکی کمر نہو (امیر)

علاوہ تفصیل اور تخصیص کے تشبیہ مین بھی بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔ اگر تشبیہ مین خیال و جذبہ مطلوب ہے تو مناسب ہے اور شاعری کے لطف کو زیادہ کریگی۔ مگر تشبیہ ایسی نہ ہونی چاہیئے کہ جذبہ معکوس پیدا کرے اور اُردو شاعری مین اکثر ایسا ہی ہوتا ہے۔ مثلاً

شام سے ڈھونڈھا کیا زنجیر پھانسی کیلئے　　صبح تک مین نے خیال گیسوئے پیچان کیا (آتش)

لب دریا اگر دھوئے وہ کافر اپنی زلفونکو　　تو سانپونکی طرح ہر موج دریا مین ہو سم پیدا (ناسخ)

بعد مردن بھی رہائی نہیں ممکن اس سے | ہو گیا چاہِ ذقن حلقۂ گرداب مجھے (ناسخ)
رہا ہے چاہِ ذقن میں میرا دل وحشی | کنوئیں میں جنگلی کبوتر کا آشیانہ ہوا (آتش)
صاف ان آنکھوں کو سمجھا تھا میں آہو لیکن | پنجۂ شیر ہوئے پنجۂ مژگاں مجھکو (ناسخ)
توڑ کر سینہ کو کاٹا ہے تری مژگاں نے دل | توڑا میں تیر کا ہے کاٹ ہے شمشیر کا (امیر)
دریا حسن چہرہ ہے اُس شوخ و شنگ کا | مژگاں نہیں ہیں آرہ ہے پشت نہنگ کا (آتش)
گہ تیغ تیز ہے کبھی خنجر کبھی سناں | لاتی ہے سانگ ناز کے مژگاں نئے نئے (〃)
لا جو تونے لہو دست دیا میں عاشق کا | ہو گا میل طبیعت کو پھر حنا کی طرف (〃)
ابھرا پنجے سے ہوں اُس گلبدن کے پاؤں | پھیریں چھری نہ پنجۂ قصاب ہیں کے پاؤں (ناسخ)

معشوق کی سیرت: جس شخص سے کسی کی غرض وابستہ ہے وہ عموماً حاجتمند سے اجتناب کرتا ہے یہ انسانی خاصہ ہے۔ مگر دوسرا اصول یہ بھی ہے کہ عشق جو کہ محض خواہشمندی اور خودغرضی نہیں ہے ایسا جذبہ ہے کہ یک طرفہ نہیں ہوتا ہے۔ بلکہ بعض کا تو یہ قول ہے کہ

عشق اول در دل معشوق پیدا میشود | تا نسوزد شمع کے پروانہ شیدا میشود
عشق کہتے ہیں جسے ہے کشش حسن کا نام | کون کہتا ہے کہ مطلوب طلبگار نہیں

اُردو شاعری میں عموماً معشوق بالکل بے لوث ہے علاوہ بریں حسب خیالات قدیم عورت کا خودغرض اور بے اعتبار ہونا مسلم الثبوت قرار دیا گیا ہے۔ ع

بود بے وفائی سرشتِ زنان

حالانکہ یہ غلط ہے اگر حالات دنیا کو بہ نظر انصاف دیکھا جائے تو بہ لحاظ اوسط عورت میں بمقابلہ مرد کے الفت۔ صدق عقیدت۔ صبر اور وفاداری زیادہ ہوتی ہے۔ بہر حال معشوق یا معشوقہ اگر انسان ہے تو اسکی ظلم پسندی کے کوئی قدرتی حدود ہونے چاہئیں۔ جور و ستم ایسا ہونا چاہیے جو بالکل بعید از قیاس ہو۔ اگر اسکا لحاظ رہے تو معشوق کے گریز اور عاشق کی گرویدگی میں ایک شاعرانہ لطف ہو سکتا ہے۔ مثلاً

یہ تو میں کیونکر کہوں تیرے خریداروں میں ہوں | تو سراپا ناز ہے میں نازبرداروں میں ہوں
ہائے میری یہ التجا دیکھو | اور اپنا یہ تنا تنا دیکھو

باعث وحشت ہوئی بے اعتنائی آپکی تنکے چنوانے لگی ہے جدائی آپ کی

اشعار بالا مین ایک قدرتی جذبہ کے مختلف مدارج اور مختلف صورتون کا اظہار ہے اورخیالات دائرہ ممکنات سے باہر نہین جاتے ہین۔ کلام کی بنیاد مین صداقت ہے اورصداقت کی وجہ سے دل پر اثر ہوتا ہے۔ مگر اُردو شاعری مین عموماً قدرتی حدود اور واقعات دنیا کا مطلق لحاظ نہین رکھا جاتا ہے۔ جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اکثر اشعار بے معنی اور بے اثر اور لغو ہوتے ہین۔ مثلاً

قاتل سنبھل کے تیغ لگا جائے شرم ہے تسمہ لگا ہو گردن عاشق مین رہ گیا (آتش)

تراب اس کا ٹھکانا کیا بتائین جہان کٹتی ہین نت دو چار گردن (تراب)

لاش پر لاش نکلتی ہے ترے کوچے سے کیا تماشہ ہے کہ پھر بھیڑ نہین چھٹتی ہے (آتش)

مزار غریبان پہ ظالم یہ بولا یہ گھر سب ہمارے بسائے ہوئے ہین (د)

ان دونون قسم کی اشعار کا فرق ظاہر ہے۔ ایک مین قدرتی خیالات وجذبات کو مطابق واقعات دنیا ظاہر کیا گیا ہے اور ہر شعر سے ایک قسم کا لطف حاصل ہوتا ہے۔ دوسرے قسم کے اشعار بالکل بے بنیاد ہین اور ان کو پڑھکر طبیعت بے کیف اور پراگندہ ہوتی ہے۔ اب ان دونون قسمون کا ایک ایک شعر اور لیجئے اور دونون کو برابر رکھکر ان کا مقابلہ کیجئے۔

بگڑ کر شب وصل کروٹ جو لی مناتے مناتے سحر ہو گئی

جو سویا ساتھ بھی قاتل تو خنجر درمیان رکھکر جہانے اُسکے پردہ رہ گیا دیوار آہن کا

دونون اشعار کا منشا قریب قریب ایک ہی ہے یعنی وصل مین کسی وجہ سے بدمزگی ہوجانا۔ فرق یہ ہے کہ اول شعر مین جو تصویر دکھائی گئی ہے وہ ہر شخص کے خیال مین آسانی سے آسکتی ہے۔ بلکہ بہت سے لوگون کو کبھی اس امر کا کم وبیش ذاتی تجربہ بھی ہوا ہوگا مگر ابتدائے آفرینش سے آج تک کون معشوق خنجر درمیان رکھکر عاشق کے ساتھ سویا ہے نتیجہ یہ ہے کہ شعر مین کچھ بھی جان نہین ہے گو کہ بعض اشخاص کو مطابق رسم ورواج شاعری الفاظ خنجر اور دیوار آہن کا پردہ پڑھکر تھوڑی سی مصنوعی خوشی دم بھر کو ہوجائیگی۔

شمع مزار | شمع مزار کا جلنا یا گل ہو جانا ایک نہایت درد انگیز نظارہ ہے اور اس سے ایک خاص قسم کے خیالات وجذبات پیدا ہوتے ہین۔ اگر ان کا لحاظ ہے تو اشعار مین بہت اثر اور بڑی دلچسپی ہوسکتی ہے۔ مثلاً

پس مرگ میرے مزار پر جو دیا کسی نے جلادیا | اُسے آہ دامن باد نے سر شام ہی سے بجھا دیا (ظ)
مرنے پہ بھی رہین میسر دریغ خرابیان | گل کردیا ہوانے چراغ مزار کو
جی بھر کے رو تو لینے دے اس اشکبار کو | کیون اے ہوا بجھاتی ہے شمع مزار کو

اس لطیف اور رقت انگیز خیال کو دل سے بالکل دور کرکے بعض شاعر صاحبان نے شمع مزار کو بھی مورد جور وجفائے معشوق بنایا ہے حتی کہ شمع مزار کا جو اصلی مفہوم تھا اسکا نشان بھی باقی نہ رہا۔ مثلاً۔

یہ کیا ہوا کہ ہستی ناپائدار کیا | جب جا رہے ہنسکے گل کرو شمع مزار کو
کیا خاک مین ملاکے بھی آیا نہ اُنکو چین | گل کر رہے ہین کسلئے اس شمع مزار کو
کتنا جلائیگا دل داغدار کو | ہان ہان بجھائیے نہ چراغ مزار کو

قبر عاشق | اگر معشوق کی بے وفائی سے تنگ آکر عاشق زندگی سے بیزار ہو اور اپنی موت یا قبر کا خیال کرے تو مقتضائے بشریت ہے۔ مگر ایسی صورت مین بھی اظہار یاس کے ساتھ قدرتی طور پر صریحاً یا ضمناً یہ عقیدہ پایا جاتا ہے کہ معشوق کے دلمین بھی عاشق کی کچھ الفت ہے۔ مثلاً

"یاد آئے گی تجھے میری وفا میرے بعد
خاک اوڑانے لگے جب کرچکے برباد مجھے"

چھیڑ دیکھو میری میت پر جو آئے یہ کہا | تم وفاداروں مین ہو یا مین وفادارون مین ہون (امیر)
قیامت کا سمان پیش نظر تھا سن عالم مین | وہ میری قبر پر جسوقت آئے نوحہ گر ہو کر

ہر قبر اور خاصکر عاشق صادق کی قبر ایک متبرک شے ہے جس سے عبرت ہوتی ہے اور دل سے شور و شر دور ہوتا ہے۔ معشوق کیسا ہی زشت خو کیون نہ ہو یہ قرین قیاس نہین ہے کہ وہ عاشق کی قبر کی بے عزتی کرے۔ تاہم سنا جاتا ہے کہ معشوق اکثر

عاشق کی قبر کو ٹھوکر مارتا ہے یہ اندازِ معشوقانہ شاید تھوڑے ہی عرصہ سے ظہور میں آیا ہے۔ مگر بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ بہت جلد عام پسند ہو گیا ہے الہ آباد مین دو عظیم الشان مشاعرے دیوان پنڈت رادھے ناتھ صاحب کول گلشن رئیس لاہور نے منعقد فرمائے ایک ۱۹۲۲ء مین اور دوسرا ۱۹۲۴ء مین۔ ہر موقعہ پر جو غزلیات پڑھی گئین ان کا مجموعہ بعد کو دیوان صاحب موصوف نے شائع کیا۔ اول بنام گلشن اور دوسرا بنام بہار گلشن دونون مجموعۂ غزلیات . . . . قابلِ قدر ہین اور ان کے ذریعہ سے یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ آجکل اُردو شاعری کی ہوا کسطرف چل رہی ہے ان مین اکثر اشعار بھی اپنی اپنی وضع پر بہت خوب ہین مگر تعجب ہے کہ اول مجموعۂ غزلیات یعنی بزم گلشن مین اندازاً پچیس تیس اشعار ایسے ہین جنمین یہ شکایت ہے کہ معشوق عاشق کی قبر کو ٹھوکر مارتا ہے یا مزار کا نشان مٹاتا ہے۔ تمام اشعار کا یہان درج کرنا باعث طوالت اور بار خاطر ناظرین ہوگا۔ صرف تھوڑے سے اشعار بطور نمونہ ذیل مین پیش کئے جاتے ہین۔ مثلاً۔

ٹھکراتے ہین وہ روز میری قبر بار بار — مرنے پہ بھی نہ چین ملا خاکسار کو

آئے تھے فاتحہ کے لیے دفن گاہ مین — ٹھکرا کے جا رہے ہین ہمارے مزار کو

مرنیکے بعد بھی میری مٹی خراب کی — ٹھکرا رہے ہین آ کے وہ میرے مزار کو

ٹھکرا کے چل رہے ہین شہیدِ وفا کی قبر — سمجھے نہ خاک ہستیٔ ناپایدار کو

او مست ناز مجھپہ لحد مین بھی یہ ستم — ٹھوکر نے تیری آہ ہلا یا مزار کو

ہلکو مٹا چکا فلکِ ظلم آفرین — اب تم مٹا رہے ہو ہمارے مزار کو

اشعار بالا کے معنی پر ناظرین باتمکین ذرا غور فرمائین اور خود اس امر کو سمجھین کہ ان بے تکی باتون سے کیا حاصل ہے اور ان سے درحقیقت کسی قسم کا بھی لطف حاصل ہوتا ہے یا نہین۔ کسی معشوق نے تو شاید ہی اپنے عاشق کی مٹی خراب کی ہو مگر یہان تو بلا شبہہ اُردو شاعری کے عاشق اُسکی مٹی خراب کر رہے ہین۔

کل امور پر نظر کرکے یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ عام طور پر اُردو شاعری مین معشوق وہ ہے جس کے سر سے سانپ لٹکتے ہین جسکی مژہ تیر و خنجر و سنان ہین جسکی ذقن مین کنوان ہے جسکی کمر باریکی کے

باعث سے دکھائی نہین دیتی ہے۔ جو ہاتھون مین بجائے حنا کے عاشقون کا خون ملتا ہے جسکا کوچہ شہدو مقتل عام ہے۔ جو عاشق کے مزار پر جاکر شمع کو گل کر دیتا ہے اور قبر کو بار بار ٹھوکر مارتا ہے اب نظر انصاف سے دیکھنا چاہئے کہ ایسے شخص سے عشق یعنی انتہائی الفت اور رغبت ہو سکتی ہے یا بیحد نفرت اور کراہیت ہوگی۔ عقل حیران ہے کہ ع یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے۔ اُردو شاعری کس طرف جارہی ہے اور کس معشوق پر اپنے تئین قربان کر رہی ہے۔

معشوق کو علیحدہ رکھکر اُردو شاعری کے کل اجزا اور اُسکی عام روش پر بہت غور کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ ایک چھوٹی بات نہین ہے۔ ہر ملک کی شاعری عوام کے میلان طبع سے پیدا ہوتی ہے اور پھر یہ عوام پر اپنا اثر ڈالتی ہے۔ سب آدمی شاعر نہین ہوتے ہین شعر صرف چند اشخاص کی زبان سے نکلتے ہین۔ شاعرون کے منھ سے وہ ہوا نکلتی ہے جو گرد و نواح سے انکے سینہ مین آئی ہے گو کہ اُس ہوا مین شاعرون کے منھ کی کچھ خوشبو یا بدبو بھی ملجاتی ہے۔ اگر کسی ملک کی عام مروج شاعری صداقت سے خالی اور لغویت سے پُر ہے تو یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ وہان کے عام لوگ واقعات دنیا سے غافل اور لغویت کیجانب مائل ہین۔ اور اگر ایسی شاعری کی اصلاح نہ کیجائے تو یہ احتمال ہے کہ عام لوگون کے دماغ مین بے بنیاد توہمات اور زیادہ دخل کرینگے۔ اور روز بروز لغویت کی نئی نئی صورتین پیدا ہونگی۔

شاعری مین صداقت کی ضرورت ہے۔ مگر صداقت کے یہ معنی نہین ہین کہ محض خشک اور بے مزہ واقعات کا ذکر کیا جاے۔ یا شاعر کا خیال محسوسات پر محدود رہے۔ مثلاً

چشمان تو زیر ابرو انند　　　دندان تو جملہ در دہانند

غرض یہ ہے کہ شاعرانہ خیال مین ایسی کجروی اور پیچیدگی نہونی چاہئے کہ واقعات دنیا بالکل نظر سے غائب ہو جائین۔ نہایت افسوس کا مقام ہے کہ عام اردو شاعری مین اِسکا لحاظ نہین رکھا جاتا ہے۔ اگر یہ عیب دور ہو تو شاعری سے اصلی اور دیرپا خوشی حاصل ہوگی اور اور اُسکا اثر نیک عوام کے خیالات اور اخلاق پر بھی محسوس ہوگا۔

اقبال کشن شرعہ

ادب الکاتب

از نواب حیدر یار جنگ صاحب طباطبائی ناظر ادبیات دار الترجمہ عثمانیہ یونیورسٹی

زبان کیونکر بنتی ہے اور کون بناتا ہے۔ اس مسئلہ کو تاریخ نہین حل کرسکتی۔ یہ بات ظاہر ہے
کہ زبان کو قوم بناتی ہے۔ شخص نہین بنا سکتا۔ قوم اسی طرح زبان کو بنالیتی ہے جطرح
بھڑین اپنا چھتہ یا چیونٹیان رنگ تو وہ بنالیتی ہین۔ جس قوم نے جو زبان بنائی ہے اُسی کے
افراد اُس زبان کے اہل زبان ہین ان کے ہمسایہ لوگون نے انھین سے انکی زبان کو سیکھا
ہے۔ وہ بیشک ان کے مقلد ہین۔ اس زمانہ کے آزاد خیال تقلید کو ناجائز سمجھتے ہین
اس بات پر غور نہین فرماتے کہ تقلید اگر امور عقلیہ مین ہو تو آزادی کے خلاف ہوسکتی ہے
زبان تو بالکل سمع سے تعلق رکھتی ہے۔ اسمین تقلید سے چارہ نہین۔ ایک ہندی عمر بھر عربی
فارسی انگریزی پڑھتا رہے تو کیا وہ محاورہ عرب و فارس و انگلستان کی تقلید سے آزاد
ہوسکتا ہے۔ ہرگز ایسا نہین ہوسکتا۔

ہندی اپنی زبان کا مالک ہوگا۔ سیکھی ہوئی زبان اُسکی فطری زبان نہین ہوسکتی
مرزا بیدل اہل بہار مین سے ایسا نازک خیال شاعر پیدا ہوا جسکا مثل ایران مین نہین نکلسکا
مگر ان کی قابلیت فارسی اعتبار سے ساقط سمجھی گئی ہے۔ حالی مرحوم کے یہ الفاظ ہین "کہین
کہین بیدل کی ٹھیک نکلجاتی ہے" بیدل نے فارسی ترکیبین بنانے مین مالکانہ تصرف
کیا ہے۔ جسے ایران کے شعرا نہین مانتے۔ لیکن بیدل پھر بیدل تھا۔ اُسکی تقلید
مین اردو کہنے والے بہت ہی بگڑے۔ یہ سمجھ گئے کہ فارسی زبان مین ہمنے عمر صرف کی ہے۔ کیا
اب بھی ہم اسمین تقلید کئے جائین اب جو ہمارے قلم سے نکلے غلط نہین ہوسکتا۔
بے زبان اردو پر پہلے یہ آفت نازل ہوئی۔ اسکے بعد کالجون کے تعلیم یافتہ نوجوان
نے قلم اُٹھایا۔ ان کے پاس مضامین کا ذخیرہ بے انتہا ہے لیکن زبان سے بیگانہ ہین

انہون نے انگریزی کا تحت اللفظ ترجمہ کر کے اردو کی صورت کو بگاڑ دیا - اور نہایت ہی غلط ترکیبین فارسی و عربی کی بھی اُردو مین شامل کین - مثلاً احمد محمود اور خالد - اسے اول الذکر نے یہ کیا ثانی الذکر نے یہ اور آخر الذکر نے یہ " دو اشخاص دو امور اور دو کتب " جان توڑ کوشش ان تھک محنت اور ناقابل برداشت مصیبت " اسطرح کا آور انگریزی زبان سے مخصوص ہے اُردو کی نحو مین حرف عطف کا لانا اور ترک کرنا سب کچھ جائز ہے -

اول الذکر و آخر الذکر بالکل غلط ترکیبین ہین - کیا یہ کافی نہین کہ زید اور عمر و آئے اسنے یہ کیا اُسنے وہ یا زید نے یہ کام کیا عمرو نے وہ - دو اشخاص کی جگہہ - دو شخص کہنے مین آپ کو یہ تردد ہوا کہ شخص تو مفرد ہے - مگر اسبات کو بھول گئے کہ اردو مین مذکر کا مفرد و جمع ایک ہی ہے - آپ سنتے ہین دو شخص آئے تو شخص کو مفرد نہین سمجھتے - جان توڑ اور ان تھک ہندی دو لفظ بنائے ہین - لیکن بنانے کی ترکیب نحو فارسی سے لی ہے - یعنی بنانے والے کو یہ امتیاز نہین کہ ہم فارسی کی نحو کو ہندی کے الفاظ مین جاری کر رہے ہین - ناقابل برداشت یعنی ناگوارا -

" مادری زبان " بہت مشہور لفظ ہو گیا ہے - جن بزرگ نے انگریزی سے اسکا ترجمہ کیا اُنھین یہ خیال نہ آیا کہ (مدرٹنگ) مین لفظ مدر اور ہی معنی رکھتا ہے - جیسے مدر کنٹری (مدر چرچ) مین مدر کے معنی ہین ویسے ہی (مدرٹنگ) مین بھی ہین - آپ نے مادری زبان کا ترجمہ کر دیا یہ نہ دیکھا کہ اسکے کیا معنی ہوئے - آخر باپ دادا کی تمام بزرگون کی تمام خاندان کی وہی زبان ہے نہ پھر مادری کہنا کیا معنی -

اوقات بسر ہوئی نہایت صحیح و بے غش اُردو ہے - اسکے تصرفات جو اس زمانہ کے اہل قلم نے کئے ہین عجیب و غریب ہین - بسر اوقات - بسر اوقات - اوقات بسری - قوت بسری - یہ تین صورتین غلط ہین - احمد محمود سے لڑا - بر سر پیکار ہوا - نبرد آزما ہوا - اس مضمون کو یہ حضرات اسطرح ادا فرماتے ہین " احمد نے محمود کے خلاف جنگ کی " ہرگز یہ اردو نہین ہے

"اُس نے نفی مین جواب دیا" انگریزی مین یہ طرزبیان محاورہ مین ہو تو ہو – اُردو مین تو ایک طفل مکتب کی شوخی معلوم ہوتی ہے۔ زبان مین نفی و اثبات کہان اُس نے نانا۔ اُس نے کہا مین نہین جانتا۔ بس یہ نفی مین جواب ہوا۔ اگر وہ کہتا مین جانتا ہون تو اثبات مین جواب ہو جاتا۔

"اُس حال پر روشنی پڑی۔ یعنی یہ حال روشن ہو گیا۔ روشنی ڈالی یعنی روشن کر دیا۔

"اس بات کو زور سے کہا" یعنی اس بات پر زور دیا۔

"عملی دلچسپی لی" یعنی سرگرمی یا مستعدی کی۔

"عملی جامہ پہنایا" یعنی عمل مین لایا۔

"ملکی بےچینی" ملک کی بے اطمینانی اہل ملک کی تشویش۔

"مالی امداد کی" مال سے امداد کی۔ بمقتضائے محاورہ۔

"جنگ مین حصہ لیا" یعنی شریک ہوا۔

"کافی بدنام ہوا۔ یعنی بدنام ہونے مین کوئی بات اُٹھا نہ رکھی۔

"حیات و موت کا سوال" جان جوکھون کا معاملہ۔

"دوران ملاقات و دوران گفتگو۔ یعنی اثنائے گفتگو۔ دوران سر و دوران فلک اور اسکے علاوہ جہان جہان لفظ دوران محاورہ مین ہے غلط نہین ہے۔ مگر دوران ملاقات مین یہ لفظ اپنے محل سے سرکا ہوا ہے۔

"مستقبل تاریک ہے۔ یہ استعارہ انگلش کے کسی بڑے انشاپرداز کا معلوم ہوتا ہے۔ مگر ہندوستان کا گریجویٹ طبقہ اسے اپنا مال سمجھتا ہے۔ ترجمہ کے علاوہ بھی اپنی عبارت مین یہ نہ لکھین گے کہ نجانے اب کیا ہو گا۔ یہی لکھین گے کہ مستقبل تاریک ہے۔ خیر حرج نہین ہے۔

"یہ میرا واحد مقصد ہے" یعنی بس یہی تو میرا مقصد ہے۔

"کمانڈر فوج" کمانڈر کا ہندیا معرب بنا لیا ہے مضائقہ نہین لیکن زیرکمان کہنا تو ستم ہے

نا ستم ہے۔

"بیس ہزار سپاہی لاپتہ تھے" یعنی پتہ نہ لگا کہ کیا ہو گئے۔ لاپتہ غلط ہے۔

غرض مجھے جن اہلِ قلم سے سابقہ پڑا ہے ان کے ترجمون مین یہ رنگ عام ہے

دوسری بحث علمی اصطلاحات کی ہے۔ حکمائے یورپ نے لاطینی و یونانی سے علمی اصطلاحات گڑھ لیے۔

ہر ہر فن مین سیکڑون لفظ ایسے بنائے کہ نہ وہ لاطینی ہین اپنے معنی کے اعتبار سے نہ یونانی نہ انگریزی۔ اور یہ ہر زبان کا قاعدہ ہے کہ غریب لفظ مخل فصاحت ہوتا ہے غرض اہلِ ادب نے یہ غرابت دیکھکر فنِ بلاغت کی کتابون مین یہ وصیت کی کہ ان اصطلاحات کا استعمال کرنا اہلِ ادب کو جائز نہین۔ یورپ کے اس واقعہ پر جن لوگون کو تنبیہ ہوا اُنکی یہی رائے ہے کہ علمی اصطلاحات بامعنی الفاظ مین ہونے چاہیے۔ مثلاً شریانِ بصر۔ محور شبکیہ۔ کن پتھری۔ میانہ پسلی۔ مرکزہ۔ (منوکلیس) عدسی مرکزہ۔ دم دار مرکزہ۔ مرکزہ دار جھلی خلیہ۔ (سیل) اہرامی خلیہ۔ مخروطی خلایا۔ مادہ اولی (پروٹوپلازم) وغیرہ۔ لیکن ہماری جماعت کے بعض احباب یہ رائے رکھتے ہین جیسے بکر یدمین بکری کی ی اور عید کا عین گراکر لفظ بنالیا اسی طرح اصطلاحات کو بنانا چاہیئے۔ مثلاً (میٹازوا) یعنی نخستین حیوان (پروٹوپلازم کی دوسری ارتقائی صورت اور حیوان کی پہلی صورت) اسکے لیے یہ لفظ بنایا گیا۔ نخیوان۔ گو عربی مین عبد الشمس والون کو عبشمی عبد الدار والون کو عبدری کہتے ہین۔ لا شئی سے متلاشی بلاکیف سے بلکفہ بنالیا ہے۔ اور اسی طرح کے غتربود سے یہ الفاظ بنائے گئے ہین لیکن قوم نے اسے بنایا ہے شخص نے نہین بنایا مین نخیوان کو مہمل ہی کہونگا۔ مگر غلبہ آرا سے یہان کام چل رہا ہے اگر ایک شخص نے اختلاف کیا تو کیا۔

منطق تو قدیم فن ہے اور ہم لوگ ہزار برس سے اسے پڑھتے آئے ہین اور آج تک پُرانے ہی اصطلاحات سے کام چل رہا ہے۔ اب منطق مین بھی نئے اصطلاحات گڑھ لیے گئے۔ مثلاً قیصوقہ۔ وطاطیس۔ ان الفاظ سے یہ حضرات اُردو کو مکمل کرنا چاہتے ہین

اور ڈکشنری کو ضخیم۔ لیکن اس ہیمپرز کی پیشنگوئی اس باب مین ضرور پوری ہونے والی
ہے کہ یہ سب زحمت ہباءً منثوراً ہونے والی ہے۔ اردو کو اس سے توضرر نہین پہنچیگا۔
ہان پہلی صورت سے بہت ضرر پہنچ رہا ہے۔ اسوقت مجھے جتنی شالین یاد آئین لکھدی
ہین مجھے امید ہے کہ کوئی اردو کا ہوا خواہ ایسا اوٹھکھڑا ہوگا کہ اس کام کو تمام
کردے گا۔

علی حیدر طباطبائی

"پریم"

یہ بچون کا باتصویر ہفتہ وار اخبار ہے جو اس ماہ کے آغاز سے لاہور سے جاری ہوا ہے
ٹائیٹل پر بھارت ماتا کی ایک رنگین تصویر بنائی ہے جسکے گرد ہندو مسلمان پارسی۔ عیسائی
سکھ لڑکون کا ہجوم ہے بھارت ماتا کا داہنا ہاتھ ایک ہندو بچے کی گردن مین ہے۔
اور بایان ہاتھ ایک مسلمان بچے کی گردن مین۔

مضامین بھی مفید اور سبق آموز ہین پنجاب کے موجودہ روش کے مطابق ادارت کی
اہم ذمہ داریان صرف ایک ذات واحد کے سپرد نہین بلکہ اس بارگران کے اٹھانے
مین جناب تاجور نجیب آبادی چیف اڈیٹر، جناب سیفی سہاروی رجائنٹ اڈیٹر، جناب
لالہ چرنجیو لال ایم۔ اے دآنریری اڈیٹر، شریک ہین۔ کاغذ عمدہ کتابت طباعت نفیس
قیمت سالانہ ہے ملنے کا پتہ دفتر پریم لاہور

اخبار پھول لاہور، بچون کا ہفتہ وار اخبار ہے جو پندرہ سال سے نہایت کامیابی
کے ساتھ جاری ہے اسمین بچون کے حسب حال دلچسپ اور مفید مضامین شائع ہوتے
ہین بعض بعض مضامین کیساتھ لیتھو کی تصویرین بھی دیجاتی ہین۔ اس کا نوروز نمبر خصوصیت سے
دلکش اور نظر فریب ہے۔ مضامین کا انتخاب نہایت عمدہ ہے لیتھو کی چند تصاویر کے علاوہ
متعدد فوٹو بھی ہین غرض پھول کا نوروز نمبر صوری و معنوی ہر حیثیت سے قابل قدر ہے اور
مولوی سید ممتاز علی صاحب مبارکباد کے مستحق ہین سالانہ قیمت ہے ملنے کا پتہ۔ دار الاشاعت پنجاب لاہور۔

بھاشا اور اسکے نورتن

(۷)

متی رام

برج بھاشا کی شاعری کا پورا پورا لطف اٹھانا ہو تو متی رام اور دیو دت کی شاعری کا مطالعہ کیجئے۔ زبان کے لحاظ سے پرکھئے آپ دونون شاعرون کو کھرا پائینگے۔ بھاشا نورتنون مین اگر کچھ خصوصیت بلحاظ زبان کسی کو حاصل ہے۔ تو انھین دو شاعرون کو کیونکہ انھون نے دوسری زبانون کی بہت کم خوشہ چینی کی ہے۔ کہین کہین عربی اور فارسی کے معمولی الفاظ ضرور پائے جاتے ہین لیکن وہ بھاشا کے آغوش مین برے نہین معلوم ہوتے۔ متی رام کے کلام مین تشبہات اور جذبات انسانی کی تصویر نہایت دلفریب اور قابل داد ہے۔ درجے بہترین ہین مگر ان کا نمبر بہاری لال کے درجون کے بعد ہے۔

پنڈت متی رام قوم کے تیواری برہمن تھے ان کے والد کا نام رتناگر تھا۔ ان کا مولد وطن تکوان پور ضلع کانپور ہے۔ آپ سنہ ۱۶۱۷ء[ل] مین پیدا ہوئے۔ آپکی خاندانی خصوصیت یہ ہے کہ آپ کے دو بھائی چنتامن اور بھوشن کوی زبردست شاعر ہوئے ہین (بھوشن کوی سے ناظرین زمانہ اسی سلسلہ مین روشناس ہو چکے ہین اگر فرصت رہی تو چنتامن کے کلام کا نمونہ بھی پیش کیا جائیگا۔)

آپ بوندی کے مہاراج بھاؤسنگھ کے یہان رہتے تھے اور انھین کی تعریف مین آپ نے اپنی کتاب "للت للام" تصنیف فرمائی۔ بھاؤسنگھ کے مرنے کے بعد بوندی دربار سے تعلق باقی نہ رہا اور کچھ دنون تک شمبھوناتھ کے یہان رہے۔ آپ کا انتقال سنہ [illegible]ء مین ہوا۔ آپ کی تصنیف کردہ کتابون مین "للت للام" "ساہتیہ سار" "رس راج" "چھند سار نگل" مشہور ہین ہم انھین کتابون سے آپکے کلام کے نمونے پیش کرتے ہین۔

ل: مصنف ہندی نورتن کی تحقیقات ہے کہ آپکی پیدائش [illegible] مین اور وفات [illegible] مین [illegible] لیکن ہندی مصنف ساہتیہ کا خیال ہے کہ [illegible] مین پیدا [illegible]

نمونہ کلام

راؤ بھاؤ سنگھ کی تعریف مین فرماتے ہین۔

तेजनिधाननि में रवि ज्यौं छवि वंतन में बिधु ज्यौं छबि छाजै।
تیج ندھانن مین ربی جیون چھبی ونتن مین بدھو جیون چھبی چھاجے

सैलनमें ज्यौं सुमेरलसै बर रच्छनि में कलप द्रुम साजै।
سیلن مین جیون سُمیر لسے بر برچھن مین کلپ[1] درم ساجے

देवनि में मति राम कहैं मघवा जिमि सोहत सिद्ध समाजै।
دیون مین متی رام کہے مگھوا جمی سوہت سدھ سماجے

राव सता-सुत भाव दिवान जहान के राजनमें इमि राजै।
راؤ ستا سُت بھاؤ دیوان جہان کے راجن مین امی راجے

متی رام کوی کہتے ہین کہ جسطرح منور چیزون مین سورج اور خوبصورت چیزون مین چاند پہاڑون مین سمیر اور درختون مین کلپدرم دیوتاؤن اور بزرگون مین اندر سب سے افضل اور برتر ہین اُسی طرح راجاؤن کی محفل مین مہاراجہ راؤ بھاؤ سنگھ سب سے افضل و برتر ہین۔

مبالغہ اور انتہائی تعریف کی شان مین ملاحظہ فرمائیے۔

बारन ते बकसे जिनकी समता न कहै बढ़ि बिन्ध्य समूचे।
بارن تے بکسے جنکی سمتا نہ لہے بڑھی بدھ سموچے

कित्ति सुधा दिग भीति पखारत चन्द मरीचिन को करि कूचे।
کیرتی سودھا دگ بھیت پکھارت چند مریچن کو کری کوچے

राव सुता-सुत कौं मतिराम महीपति क्यौं करि और पहूँचे।
راؤ ستا ست کون متی رام مہی پت کیون کر اور پہوچے

भू परभाव भविष्यति को मनसों करगौ करसों मन ऊंचे।
بھو پر بھاؤ بھویت کو من سون کرا و کر سون من اوچے

---

[1] کلپدرم۔ ایسا درخت جو تمام خواہشات کو پورا کر دیا کرے۔

یعنی بھاؤ سنگھ ایسی ہاتھیون کی بخشش کرتا ہے جنکی برابری کوہ بندھیاچل دربا وجود اتنی اونچائی کے بہنین کرسکتا، چاند کی کرنون کی کونجی بناکر اپنی فیاضی سے جو مثل آبحیات ہے جہان ستنکی دیوارون پر سفیدی کرتا ہے یعنی اُسکی فیاضی عالمگیر ہے۔ متی رام کوی کہتے ہین کہ راؤ چھتر سال کے لڑکے کو اور راجاکیونکر پہنچ سکتے ہین جبکہ بھاؤ راجا کا من سے ہاتھ اور ہاتھ سے من اونچا ہے اور انہین دونون پر سخاوت کا دارومدار ہے۔

ایسی ندرت تلسی داس نے اپنی رامائن مین ایک جگہ کی ہے وہ کہتے ہین کہ "رامچندر جی کی خوبصورتی کس طرح بیان ہوسکتی ہے۔ آنکھ جو دیکھتی ہے اس کے پاس زبان نہین اور زبان جو بیان کرسکتی ہے اسکے پاس آنکھ نہین۔

مناظر قدرت

बेलिन सों लपटाय रही है तमालन की अवली अतिकारी।

بیلن سون لپٹائے رہی ہے تمالن کی اولی اتی کاری

कोकिल कूक कपूतन के कुल केलि करें अति आनन्द भारी।

کوکل کوک کپوتن کے کل کیل کرین اتی آنند باری

सोच करै जनि होहु सखी मतिराम प्रवीन सबै नर नारी।

سوچ کرے جنی ہو ہوکا دُکھی متی رام پربین سبے نرناری

मंजुल वंजुल कुंजन के घन पुंज सखी ससुरारि तिहारी।

منجل بنجل کنجن کے گھن پنج سکھی سسراری ہتاری

ایک سکھی بندرابن کی گوپیون کو مخاطب کرکے کہتی ہے کہ تم سب اپنے میکے کو یاد کرکے فضول فکر کرتی ہو یہان پر قدرت کی فیاضیان اپنے دست کرم کو دراز کیے ہوئے ہین یہان پر تمال کے درختون کی سیاہ فام قطارین بیلون کی طرح بٹی ہوئی ہین۔ کوئل کوکتی ہے، قمریان رقص کرتی ہین۔ تمہاری سسرال خوبصورت اور نازک پھولون کے درمیان ہے۔ اے عقلمند عورتو! خوش ہو کہ تمہین ایسا دلفریب مقام نصیب ہوا ہے۔

فراق کی تصویر ملاحظہ ہو۔

हां मिलि मोहन सों मतिराम सुकेलि करी अति आनंद वारी।
ہان ملی موہن سون متی رام سوکیل کری اتی آنند ا ر ی

तेइ लता द्रुम देखत दुःख चले अंसुवा अंखियान ते भारी।
تیئی لتا دُرم دیکھتے دُکھ چلے انسوا انکھیان تے بھاری

आवत हौं जमुना तट कों नहिं जानि परे बिछुरे गिरिधारी।
آوت ہون جمناتٹ کو نہین جان پرے بچھُرے گردھاری

जानति हौं सखि आवन चाहत कुंजन ते कढ़ि कुंजबिहारी।
جانت ہون سکھی آون چاہت کنجن تے کڑھی کنج بہار ی

اے سکھی اس جگہہ پر جہان کرشن جی سے وصال کے مزے لوٹے تھے آج کیسی اداسی چھائی ہے ان مقامات کے پھول پتے جو باعث فرحت روح تھے اب کاٹے کھاتے ہین کبھی ان سے آنکھین شاد ہوتی تھین آج آنسو امنڈے چلے آرہے ہین۔ اور یہی معلوم ہوتا ہے کہ مین جمنا کے کنارے چلی آرہی ہون اور کرشن جی بچھڑے نہین ہین بلکہ کسی کنج سے نکلا اب آیا ہی چاہتے ہین۔

شباب کی مستانہ ادائین -

अंजन दै निकसे नित नैननि मंजन कै नित अंग संवारे।
انجن دے نکسے نت نین منجن کے نت رنگ سنوارے

रूप गुमान भरी मग में पग ही के अंगूठा अनौट सुधारे।
روپ گمان بھری مگ مین پگ ہی کے انگوٹھا انوٹ سدھارے

जोबन के मद सों मतिराम भई मतवारिन लोग निहारे।
جوبن کے مدسون متی رام بھئی متوا رن لوگ نہا رے

जात चली यहि भांति गली बिथुरी अलकैं अचरा न संभारे।
جات چلی یہی بھانت گلی بتھری الکین اچرا نہ سنبھارے

"روزانہ آنکھوں مین انجن دیتی ہے اور نہا دھو کر اپنے تمام بدن کی آرائش کرتی ہے

بحالت خرام اپنے غرورِ حسن مین بدمست ہوکر آنکھین اپنے پیر کے انگوٹھے پر جھکائے رکھتی ہے۔ متی رام کہتے ہین کہ شباب سے متوالی ہوکر انگون کو دیکھتی ہوئی اس انداز سے چلی جاتی ہے کہ کاکلین دوش پر بکھری ہوئی ہین اور آنچل الگ پڑا ہے۔

محویت

पीतम को मन भावती मिलति बांह दै कंठ।
پیتم کو من بھاوتی ملت باہنہ دے کنٹھ

बांह छुटै न कंठते नाहीं छुटै न कंठ।
باہنہ چھوٹے کنٹھ تے ناہین نہ چھوٹے کینٹھ

اپنے معشوق کی خیالی تصویر سامنے ہے اور ایک عاشق خیالی تصویر کو گلے لگانے کے لیے ہاتھ پھیلا کر اسکے گلے مین باہین ڈالتا ہے ظاہر ہے کہ لپٹانے کی ناکام کوشش مین اسکا ہاتھ اسی کے گلے مین پڑیگا اور وہ اپنی محویت مین سمجھے گا کہ معشوق کو گلے لگائے ہوئے ہے۔

"اے سکھی عالم محویت مین خیالی تصویر کو دیکھکر باہین گلے مین ڈالدیتی ہون۔ اس عالم مین نہ تو باہنہ گلے سے چھوٹتی ہے نہ گلا ہاتھ سے چھوٹتا ہے۔

جدائی۔

तियको मिल्यौ न प्रानपति सजल जलद तन नैन।
تیہ کو ملیو نہ پران پت سجل جلد تن نین

सजल जलद लखि के भये सजल जलद से नयन।
سجل جلد لکھی کے بھئے سجل جلد سے نین۔

عورت فراق شوہر مین زندگی بسر کر رہی ہے بدن مین مستی اسطرح لبریز ہو رہی ہے جس طرح بادل پانی سے لبریز ہو ایسی حالت مین جب وہ پانی سے بھرے ہوئے بادل کو دیکھتی ہے تو فراق حبیب مین آنکھین پانی سے بھرے ہوئے بادل کے مانند ہو جاتی ہین

شرم و حجاب

ज्यों ज्यों परसे लाल तन त्यों त्यों राखे गोय।
جیون جیون پرسے لال تن تیون تیون راکھے گوے

नौल बधू डर लाज ते इन्द्र बधू सी होय।
نول بدھو ڈر لاج تے اندر بدھو سی ہوئے ؛؛

عروس نو کے شرم و حجاب کی تصویر اس سے بہتر اور کیا ہو سکتی ہے۔ فرماتے ہین کہ جیون جیون عروسِ نو کو شوہر چھوتا ہے تیون تیون ڈر اور شرم سے خاموش ہوکر بیر بھوٹی کی طرح سمٹی جاتی ہے۔

وجہ اضطراب

क्यों सही है सुकुमार वह पहिलो बिरह गोपाल।
کیون سہی ہین سوکمار وہ پہلو برہ گوپال

जब वाके चित हित भयो चलन लागे तब लाल।
جب واکے چت ہت بھیو چلن لاگے تب لال

وہ نازک اندام بھلا فراق کی پہلی مصیبت کسطرح برداشت کر سکتی ہے (ہائے) یہ جدائی تو عین ایسے وقت مین ہوئی جب اِس بے مہر کے دلمین محبت پیدا ہونی شروع ہوئی۔

लाज छुटी गेहो छुट्यो सबसे छुट्यौ सनेह।
لاج چھُٹی گے ہو چھٹو سب سون چھٹیو سینہ

सखि कहियो वा निठुर सों रही छुटिबे देह।
سکھی کہیو وا نٹھر سون رہی چھوٹبے دیہہ

تمہاری محبت مین شرم و حیا چھوٹی مکان چھوٹا اور سب محبت بھی چھوٹ گئی اے سکھی اس بیدرد سے کہنا کہ اب محض جسم کا چھوڑ دینا باقی ہے یعنی تمہاری محبت اور فراق مین دنیاوی علاقے محض جسم تک محدود رہ گئے ہین مگر اب وہ زمانہ نزدیک ہے کہ

جان نکلکر یہ بھی تعلق چھوٹ جائے۔

میر صاحب فرماتے ہین۔

غم رہا جبتک کہ دم مین دم رہا   دم کے جانے کا نہایت غم رہا

चलत लालके मैं किया सजनी हियो पखान ।
چلت لال کے مین کیو سجنی ہیو پشان ::

कहा कहों दरकत नहीं इते वियोग कृशान ।
کہا کہون درکت ناہین اتی بیوگ کرشان :

اے سکھی مین نے نندلال کی جدائی مین اپنے دلکو صبر کرنے کے لیے پتھر بنالیا گر دہائے، مین کیا کہون کہ اتنی زبردست جدائی کی آگ سے بھی اسمین سوز و گداز پیدا نہین ہوتا۔"

بہ حیثیت مجموعی متی رام کا کلام بہاری اور سورداس جی کی بھی ایک حیثیت سے بلند ہے کیونکہ بہاری اور سورداس جی نے اپنے رنگ کو محدود رکھا ہے اور انھون نے ہر رنگ مین لکھا ہے اور خوب لکھا ہے۔

منظور الحق کلیم اعظم گدھی

ابتدائے آرزو

یہ مختصر مگر دلچسپ کتاب ایک مشہور انگریزی ناول کا ترجمہ ہے جسکا ہیرو آرسن لوپن ہے اس عیار ہیرو کے متعلق جتنے ناول اب تک شائع ہو چکے ہین وہ یورپ مین بہت پسند کیے گئے ہین۔

ابتدائے آرزو بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے جناب شمیم بلہوری نے ترجمے مین اصل کی شان پیدا کرنے کی کوشش کی ہے اور اس کوشش مین وہ بڑی حد تک کامیاب بھی ہوے ہین یہ افسانہ چھوٹی تقطیع کے ۲۰ صفحے پر شائع ہوا ہے کاغذ عمدہ کتابت و طباعت نفیس قیمت ۶ر ملنے کا پتہ دفتر زمانہ یا نعیمیہ ناول پبلشنگ سوسائٹی کانپور

بُدھ مت کا پرچار یورپ و امریکہ مین

از جناب رائے بہادر پنڈت شیو نرائن صاحب شمیم ایڈوکیٹ پنجاب ہائیکورٹ

مغربی ممالک مین بدھ مت کے مطالعہ کا بہت اشتیاق پیدا ہو گیا ہے اُسکے دلکشی اس درجہ تک پہنچی کہ بعض طالبان حقیقت ملک برما اور سیلون مین پالی زبان سیکھنے کے لئے آئے تاکہ کتب مقدس کا اصلی زبان مین مطالعہ کرین۔ بعض کی کیفیت یہ ہوئی کہ وہ بدھ مت کے خود پیرو ہو گئے۔

ناناتلکا۔ سونا۔ پنا۔ دہم انوسار۔ سوبھدرا۔ قوم کے جرمن تھے جنہون نے بھکشو بنکر یہ نام اختیار کر لیے۔

سنانندا قوم کا ڈچ یعنی ہالینڈ کا رہنے والا اور ناناتلکا کا شاگرد تھا۔

انندا متریا۔ قوم کا انگریز تھا۔ اُسنے انگلستان مین سنہ ۱۹۰۸ء مین بودھی سوسائٹی قائم کی۔

سلکارا۔ قوم کا اسکاچ تھا۔

ایک آسٹریا کا شہزادہ بھی بھکشو بنا۔

ڈاکٹر ملس[1] اور مسٹر بالس[2] نے بدھ ازم کا بہت پرچار کیا۔ یہ دونون بُدھ مت کے پیرو تھے۔

انگلستان کی بودھی سوسائٹی مین علاوہ کئی شرفا اور خاتونون کے مندرجہ ذیل حضرات بھی داخل ہوئے۔

ارل آف میکسبرا۔ آنریبل ارک کولیر۔ واکر اڈمندس۔ مسٹر ملس۔

---

[1] Dr. Mills

[2] Mr. Balls

جس سال یہ لوگ بدھ مت مین داخل ہوئے اسی سال ایک یورپین عالم مسٹر مور نامی برہما آیا اور ریوزنڈ ولاسا کے پاس ٹھیرا اور بھکشو بنا۔ اسی سال جرمنی کے شہر لیپ زک مین ایک بودھی ماہواری رسالہ جاری ہوا۔

۱۹۰۸ء کے اخیر مین ایک عیسائی پادری سٹیونسن نامی تبلیغ کی غرض سے برما پہونچا وہ بدھ مت کا ایسا قائل ہوا کہ خود بھکشو بنگیا اور سمانا دواجا نام اختیار کیا اور انند ماتریا کے ساتھ بودھی مشن مین کام کرنے لگا۔

۱۹۰۹ء مین انگلستان کی بودہی سوسائٹی مین تین سو اصحاب شریک ہوگئے اور ایک رسالہ "بودھسٹ ریویو" کے نام سے جاری ہوا۔

ایک آثار قدیمہ کے شائق مسٹر سٹیفن نے تین سال کے تلاش کے بعد ایک غار مین سے چار ہزار قلمی نسخے بودھی کتب کے دریافت کئے۔ بعض انمین سے بعد از م پچاس سال بعد انتقال گوتم بدھ بتلاتے تھے۔ اسی سال ایک عیسائی پادری سپر جس مادھرست نامی جو چین مین وعظ کیا کرتا تھا بدھ ازم کے اصول دریافت کرتے کرتے خود چین مین بھکشو ہوگیا۔ اور بعد مین اسنے سیلون آکر بدھ مت کے وعظ شروع کردیئے۔ چنانچہ ایک لکچر مین اسنے اسبات کو تسلیم کیا کہ "پہلے مین ایشیا کو سکھانے آیا تھا لیکن وہ میرا استاد ثابت ہوا"

۱۹۱۰ء مین کئی مغربی علماء نے تحقیقات کے بعد یہ رائے قائم کی کہ کلمبس سے پیشتر پانچ بودھی سفیر امریکہ پہنچے تھے۔ جب سے یہ رائے قائم ہوئی ہے بدھ مت کے مطالعہ کا شوق روز افزون ترقی کرتا رہا ہے۔ چنانچہ یورپین بودھی فضلا میدان مین آگئے ہین مثلاً

پروفیسر سلون لیوی (فرانسیسی)

ڈاکٹر پال وہلکے (جرمن)

کارل نیومن (آسٹریا)

مسٹر رین۔ کپتان رولنس وغیرہ (انگلش)

The World Teacher Teaches Law

i: Art, Bombay, 8

[illegible]ء سے سن رواں تک بدھ مت کی بہت سی کتابیں جرمن - فرنچ انگریزی ہنسہ وغیرہ میں زبانوں میں ترجمہ ہو گئی ہیں - امریکہ اور یورپ میں بہت سے رسالے معلومات عامہ کے لیے شائع ہو رہے ہیں -

(ماخوذ بدھسٹ کرانیکل)

شمیم

قدرت کامل ہے

شہنشاہ روم کے زرین خیالات

کھیرا کڑوا ہے تو پھینکدو، جھاڑی اگر تمہاری راہ میں حائل ہے تو اسے الگ کر دو کیونکہ فطرت کا تقاضا یہی ہے اور بس - اس قسم کے مستزاد سوالات کہ یہ اشیاء کیوں عالم وجود میں آئیں "ان کی کیا ضرورت تھی" تمہارے فرائض میں داخل نہیں - ورنہ مناظر قدرت تم پر ہنسیں گے - اگر ایک بڑھئی کی دکان میں پڑی ہوئی چمڑے کی تھیلیاں اور لکڑی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے تمہارے لیے موجب حیرت ہوں اور حیرانی کے عالم میں تم پوچھنا شروع کر دو کہ "یہ اشیاء بے فائدہ اور بے معنی یہاں کیوں پڑی ہیں - ان سے کیا حاصل تو بلا شبہ تم پر ہنسیں گے - اسلیے کہ جو چیز تمہارے لیے غیر مفید ہے - ان کے لیے کار آمد ہے۔

قدرت کے ذخیرہ میں بھی کوئی بیکار چیز نہیں - بلکہ ہر چیز کسی نہ کسی مصلحت کی بنا پر وجود میں آئی ہے اور اس کی ہستی میں کوئی نہ کوئی فائدہ ضرور مضمر ہے۔

قدرت کی صنعت کی امتیازی روش یہ ہے کہ وہ نہایت سختی سے اپنے قوانین کی پابند ہے اور اپنے قوانین کے احاطہ میں جو ہر شے بیکار و ناکارہ اور بیکار ہو جاتی ہے اسے اپنے میں سمیٹ لیتی ہے اور حسب ضرورت کو نئی مخلوقات انہیں کے اجزا سے معرض وجود میں لاتی ہے وہ کسی غیر چیز کی محتاج نہیں کسی مسالہ کی محتاج ہے اور نہ کسی ذخیرہ گاہ کی حاجتمند - وہ اپنے بنانے کے لیے کسی کا محتاج نہیں ہے - بلکہ مصالحت پر اسکا ان ہے - اور اپنی ضرورت پر اسکا قبضہ ہے غرض قدرت کامل ہے - اور اسپر کسی چیز کی علت کا اثر نہیں۔

راجہ جھاؤلال

(از خواجہ عبد الرؤف صاحب عشرت لکھنوی)

مرزا یحییٰ عرف مرزا امانی نواب آصف الدولہ بہادر فرمانروائے اودھ کا زمانہ حکومت حاتم ثانی کا زمانہ تھا سخاوت مروت قدردانی اس سلطنت کے جوہر تھے پھر لطف یہ تھا کہ نواب تعصب مذہبی سے پاک تھا اور دربار مین ہر ملت و مذہب کے لوگ ایک نظر سے دیکھے جاتے تھے سخاوت کا یہ عالم تھا کہ ایک دن مین کئی ہزار دوشالے تقسیم کر دیئے۔ بھولے نہ تھے مگر بھولے بنتے تھے علم کی قدردانی ایسی تھی کہ غفران مآب مولوی دلدار علی کو انہین نے مالا مال کر دیا۔ مولوی فضل عظیم خان صفی پوری کو عہدہ آبکاری کا عنایت کیا شرفا پروری کا یہ حال تھا کہ دہلی کے شہزادہ مرزا جوان بخت مرزا جہانگیر مرزا سلیمان شکوہ مرزا خرم بخت کو نہایت اعزاز و اکرام سے اپنا مہمان بنایا اور ان کی تنخواہین حسب مراتب معین کین شعرا پروری کی یہ کیفیت تھی کہ دہلی کے جتنے شاعر نواب آصف الدولہ کی فیاضی کی کیفیت سنکر مصائب برداشت کرکے لکھنؤ آتے تھے سب بیش قرار تنخواہون پر ملازم ہو جاتے تھے۔

میر مہدی سوز ملک الشعرا میر تقی میر۔ میر حسن ملک الشعرا سودا مرزا حسرت وغیرہ سب انہین کے دامن دولت سے وابستہ تھے مسلمان اور ہندو عیسائی سب کا پلہ برابر تھا۔ ایکطرف سرفراز الدولہ نواب حسن رضا خان بہادر نواب مختار الدولہ و سید مرتضیٰ خان ہیبت جنگ۔ نواب امیر الدولہ حیدر بیگ خان۔ علامہ تفضل حسین خان نائب سلطنت تھے محمد ایلچ خان ہفت ہزاری منصب دار تھے تو ایک طرف عہدہ دیوانی راجہ ٹکت رائے کایستھ سریواستو کے سپرد تھا راجہ ٹکیت رائے جتنے شاہ خرچ تھے اسکا حال انکی قدیم عمارتون سے معلوم ہو سکتا ہے۔

اسی طرح راجہ جھاؤلال نائب کی فیاضیون کو خیال کیجیے جھاؤلال کا پل جھاؤلال کا امام باڑہ ایک جھاؤلال کی مسجد موسےٰ باغ کے قریب ابتک موجود ہے۔ جنپر ان کا نام بھی

...ا ہے اسی طرح راجہ بلبھدر سنگھ ناظم کے خرچ پڑے ہوئے تھے۔

انگریزی تاجر بھی آصف الدولہ کی فیاضیوں سے محروم نہیں رہے مارٹن صاحب ...کوٹھی اور ان کا اسکول جسمین انگریز تعلیم پاتے ہین سب آصف الدولہ کی عنایتوں پر ...ول ہے۔

نائبین سلطنت کا خرچ چھبیس لاکھ روپیہ سالانہ سے کم نہ تھا اور مہاراجہ ٹکیت رائے کے ...مارت ان سب پر بالا تھے جنکی عمارتین پل تالاب عیدگاہ باغات اور کٹرے آج تک ...کارہین خواجہ سرا کا ایک گروہ تھا جو مختلف عہدون پر ممتاز تھا الماس علیخان فرحت علیخان ...اہر علیخان۔

خود نواب آصف الدولہ ساٹھ لاکھ روپیہ ہولی اور دیوالی کے جلسون مین صرف ...تے تھے۔

شاہی فیاضیون کا ایک نمونہ اور ملاحظہ کیجئے سورجی کہار جو کمسنی سے نواب آصف الدولہ ...ے دربار مین خدمت گار تھا اپنی دیانت اور نیک نفسی سے شاہی کہارون مین نوکر ہو گیا۔ ...ب نواب ہوا خوری کو بوچے پر سوار ہوتے تو یہ سواری اٹھاتا تھا اور محل مین جتنے کہار ...تھے سب کا چودھری بھی تھا کہارون کی تنخواہ اسی کے ہاتھ سے تقسیم ہوتی تھی کہارون کی ...یان اور مخملی تکنیان اسی کی رائے سے بنتی تھین۔ نواب کا خیرخواہ تھا اسی وجہ سے نواب ...ے اکثر انعامات سے سرفراز فرمایا کرتے تھے۔ اس زمانے مین پالکی اور بوچے کا اسقدر رواج ...ا گھر گھر کہار نوکر تھے یہانتک کہ جان چیری صاحب رزیڈنٹ بہادر بھی پالکی مین سوار ہو کر ...ب کے دربار مین تشریف لاتے تھے حالانکہ خاصے کی بگھی بھی موجود تھی۔

ایکدن جان چیری صاحب رزیڈنٹ نے نواب سے کہا۔

"حضور آجکل ہماری ولایت مین بگھیون کا بہت رواج ہے نئی نئی قسم کی بگھیان ولایت ...ے آتی ہین مین نے بھی ایک بگھی منگوائی ہے اور اسمین گھوڑے کی جوڑی نہایت نفیس ...ن ہے سوار ہوتے ہی گھوڑے ہوا ہو جاتے ہین۔

پالکی اگرچہ عمدہ سواری ہے مگر وہ لطف کہان ایک تو آمد و رفت مین بہت کم وقت صرف

ہوتا ہے۔ دوسرے کہارون کے کندھے محفوظ رہتے ہین۔ تیسرے یہ بات کہ جتنا آرام
بگھی مین ملتا ہے پالکی مین میسر نہین پھر بگھی کو پالکی ہزار کوشش سے بھی نہین پا سکتی۔
نواب نے کہا۔ کیا بگھی پالکی سے تیز جاتی ہے۔ رزیڈنٹ بہادر نے فرمایا۔ حضور زمین آسمان کا فرق ہے
جتنی دیر مین بگھی کوس بھر جائے پالکی چار قدم بھی طے نہین کر سکتی۔ نواب نے سرجی کہار کیطرف
دیکھا اسنے ہاتھ باندھکر رزیڈنٹ بہادر سے عرض کیا۔ حضور جیسے گھوڑے بعض اڑیل ٹٹو اور بعض
تیز رفتار ہوتے ہین اسی طرح کہارونکی بھی سات قومین ہین جو اچھی قوم کے کہار ہین ان کی
سواری بگھی سے چار قدم آگے جاتی ہے اور پیٹ کا پانی تک نہین ہلتا نہ پاؤن کی چاپ کی آواز
آتی ہے اور اتنا آرام ملتا ہے کہ اکثر سواری پالکی پر سو جاتی ہے۔
بگھی کی کھڑکھڑاہٹ گھوڑون کی ٹاپون کی آواز سڑک کی ناہمواری کے ہچکولے اچھے خاصے
تندرست آدمی کو بیمار ڈالدیتے ہین۔
رزیڈنٹ بہادر نے فرمایا اچھا ایک بات بتاؤ تم نواب کا بوجھ ہماری بگھی کے برابر لیجا سکتے ہو
سرجی نے جواب دیا نواب کے اقبال سے تو یہ امید ہے کہ دو کوس تک تو بگھی سے
چار قدم آگے بوجھ ہوگا زیادہ شیخی غلام نہین مار سکتا۔
رزیڈنٹ بہادر نے کہا۔ سرجی یہ تو تم ہنسنے کی بات کہتے ہو گھوڑے کے برابر آدمی
نہین جا سکتا شاید تمنے اچھے گھوڑے نہین دیکھے۔
سرجی نے عرض کیا فدوی نے سب کچھ دیکھا ہے عربی گھوڑے کہار کے قدم کو نہین
پا سکتے۔
رزیڈنٹ نے کہا اچھا ایک دفعہ تم ہماری بگھی کو دیکھ لو اسکے بعد فیصلہ کرنا۔
سرجی نے کہا حضور مین نے نواب کی بدولت کیا کچھ نہین دیکھا ہے آپکو یقین نہین
آتا تو ایک دن بگھی اور بوچے کو ساتھ چھوڑکر خدا کی قدرت ملاحظہ فرمالیجیے۔ رزیڈنٹ ہنسکر
اور نواب سے عرض کیا دلگی تو ہے۔ ایک دن حضور بوچے پر سوار ہون اور مین بگھی پر دونون کا
مقابلہ ہو جائے۔ نواب نے تجاہل عارفانہ سے کہا ایسا کبھی نہین ہو سکتا اسلئے کہ کہار
گھوڑے کو نہین پا سکتے۔

سرجی نے کہا۔ حضور ایک دفعہ آزمایش ہو جائے نواب نے کہا اگر تم ہار گئے تو کیا سزا ہے
اسنے عرض کیا حضور جو چور کی سزا وہ میری۔

نواب نے کہا اچھا دوشنبہ کو رمنے کے میدان مین جو سڑک ہے اسپر دونون کا امتحان ہو جائے۔ کیونکہ اس زمانے مین تمام لکھنو مین گلیان تھین صرف ایک ہی سڑک تھی جسپر بگھی جا سکتی تھی۔

نواب کی غرض شاید اس مقابلے سے یہی ہو کہ اس امتحان مین سرجی ناکامیاب ہوگا اور اسی خیال سے نواب نے رزیڈنٹ کے جانے کے بعد سرجی سے کہا یہ کیا حماقت تھی۔

سرجی نے نہایت اطمینان سے جواب دیا حضور آپ خود دیکھ لیجئے گا کہ آپ کا غلام کیا رنگ دکھاتا ہے۔ آپکے اقبال سے فدوی کو کامیابی ہوگی اور اگر ہیٹی ہوئی تو شہر مین کسی کو منہ نہ دکھاؤن گا۔

نواب نے کہا۔ تم تو شہر سے منہ کالا کرکے چلے جاؤگے۔ ہمین کیسی شرمندگی ہوگی۔

اس نے کہا شرمندگی ہوگی آپ کے دشمنون کو۔ شرمندگی ہوگی آپکے بدخواہون کو۔ اگر سرجی زندہ بچا تو حضور کو شرمندگی نہوگی اور جو آپ پر سے تصدق ہو گیا تو مجبوری ہے۔

نواب نے کہا۔ سرجی میرے سر کی قسم اگر کچھ اس امتحان مین جان جوکھم ہو تو مین ابھی صاحب رزیڈنٹ بہادر کو لکھدون مجھے ایسا مقابلہ منظور نہین۔

اس نے کہا کہ حضور دیکھین تو کیا ہوتا ہے۔

دوڑ کا میدان صرف ایک کوس مقرر ہوا راستے سے ڈھیلے کنکر پتھر ہٹائے گئے سرجی بھائی اور پائے کے نشان کا ایک پتھر لگا یا گیا۔

سرجی نے اپنی مدد کے واسطے آٹھ کہار مقرر کئے اور آدھ آدھ میل پر انکو متعین کیا۔ پیر کے روز نو بجے صاحب رزیڈنٹ بہادر اپنی بگھی پر اسی میدان مین تشریف لائے۔

تھوڑی دیر کے بعد نواب کی سواری برآمد ہوئی سرجی ایک میل کے فاصلے پر دوسرے کے ساتھ کھڑا ہوا۔ نواب کا بوچہ گاڑی کے برابر کھا گیا۔

بوجھ کو دوسرے کہاروں نے بسم اللہ کہکر اُٹھایا صاحب کی گاڑی روانہ ہوئی اسی کے ساتھ ساتھ کہار بھی دوڑتے ہوے جانے لگے۔ اور آدھ کوس تک برابر گھوڑوں کے قدم بقدم رہے اسکے بعد سرجی اور دوسرے کہار نے دوڑتے ہوے کندھا بدلایا اور جدا ہوگیا صاحب نے ہر چند گھوڑے کو شسکارا مگر وہ آگے نہ نکلے سرجی آگے آگے رہا اور پائے کی نشان پر پہنچکر کہاروں نے سب سے پہلے بسم اللہ کہکر سواری رکھدی۔

تماشائیوں مین واہ واہ کا غل مچگیا رزیڈنٹ بہادر کو نہایت حیرت ہوئی اور بادشاہ کو سلام کرتے ہوئے اپنی کوٹھی کو چلے گئے۔ نواب خوش خوش اپنے دولتکدہ پر واپس آئے اور اس خدمت کے صلے مین سرجی کو راجہ کا خطاب دیا اور گھوڑے ہاتھی اور جھالردار پالکی اور رسالہ دیکر سرفراز فرمایا اس نے پانچ سو سواروں کا ایک رسالہ تیار کیا۔ سُرخ پگڑیان زانون تک کوٹ جنمین سبز سنجاف لگی تھی اور مشروع کے پاجامے کی انکو وردی پہنائی۔

نواب نے اسکے مصارف کے لیے معقول تنخواہ مقرر کی۔ کہاروں نے اسکی پالکی اُٹھانے سے انکار کیا مگر سرجی نے اپنی دانائی سے رضامند کرلیا۔ دوسرے روز رزیڈنٹ بہادر نے بھی انعام دیا اور خدمت کے صلے مین اب سرجی کہار کا نام راجہ سورج نرائن ہوگیا مگر سرکاری عہدے دار خطاب ملنے پر خوشی کا اظہار کیا صدرے راجہ جھرا کہتے تھے آخر یہی نام مشہور ہوا۔

راجہ جھرا نے ابتداء سے فارسی کی درسی کتابین پڑھی تھین اور کچھ کچھ عربی اور سنسکرت مین بھی دخل رکھتے تھے۔

کچھ دنون کے بعد بادشاہ نے ان کو داروغہ کتبخانہ کردیا ٹھاکر گنج مین ان کا مکان نہایت پختہ نیا بنا ہوا تھا۔ اسکے بعد کچھ جائداد نواب گنج مین مول لی۔

پھر نواب آصف الدولہ نے رومی دروازے کے داہنی طرف زنانہ گھاٹ کے قریب ایک نہایت نفیس عمارت ان کے رہنے کو بنوادی جسمین وہ تاحیات سکونت پذیر رہے وہ عمارت اب تک نہایت پائیدار موجود ہے اور اب اس مکان مین کوئی نہین رہتا۔

سب سے زیادہ قابل تعریف یہ بات یہ بات ہے کہ راجہ جھرا نے اپنی قومی حالت

کو کبھی نہین بدلا کہارون کی ہر پنچایت مین شریک ہوتے تھے اور ان کے مقدمات کا اچھی طرح فیصلہ کرتے تھے اور ان سے برادرانہ برتاؤ رکھتے تھے اور اکثر اپنی قوم کی سفارش نواب سے کیا کرتے تھے۔

اب راجہ جھراجھالر دار پالکی مین سوار ہوکر نواب کے دربار مین جاتے ہین اور تمام امرائے سلطنت کے برابر بیٹھتے ہین۔ علم سیاق مین ایسے مشاق تھے کہ راجہ جھاؤ لال اکثر کہا کرتے تھے کہ یہ تو کسی کایستھ کا بچہ معلوم ہوتا ہے۔

ہر علم مین بقدر لیاقت کچھ نہ کچھ معلومات حاصل تھے شطرنج مین کافی مہارت تھی عمر بھر کسی سرکاری ملازم کے متعلق کوئی خلاف کلمہ زبان سے نہ نکالا۔

مختار الدولہ وزیر نے ایک دن تخلیے مین عرض کیا کہ حضور نے جو ایک کہار کو راجہ کا خطاب اور خلعت اور تنخواہ سے سرفراز فرمایا ہے اسپر دوسرے راجہ کبیدہ خاطر ہین اور اس کا کوئی سبب بھی نہین معلوم ہوتا۔ نواب نے فرمایا اس کا سبب توصاف ہے کہ وہ خیر خواہ دولت ہے۔ زیور علم سے آراستہ ہے عیب سے کوسون دُور ہے۔

ان کا پرانا مکان گڑھی پیر خان مین تھا اور اسی جگہ ایک امام باڑہ بھی تعمیر کیا تھا اور عشرۂ محرم مین تعزیہ داری بھی ہوتی تھی آج تک ان کے خاندان کے لوگ سرخ تعزیہ نہایت اہتمام سے بنواکر اٹھاتے ہین اور خود مرثیہ پڑھتے ہوئے جاتے ہین اور مجلس بھی کرتے ہین اور وہ عمارت بھی ان کے خاندان کے قبضہ مین ہے۔

ایک دن نواب نے فرمایا کہ ہمنے کہارون کا ناچنا اور گانا نہین سنا ہے ہڑک کیونکر بجاتے ہین۔ راجہ جھرا نے چند خوبصورت عورتون کو کہارون کا ناچ سکھا کر پیش کیا۔ نواب بہت خوش ہوئے اور اس ناچ کا کچھ ایسا رنگ جما کہ اسکا نام کہارواڑ گیا۔ تمام طوائفون نے کہاروا ناچ سیکھا کہ نواب کو بہت مرغوب تھا۔ نقالون نے ہڑک بجاکر کہارون کی نقل کی۔

اور اسی وقت سے کہار و ناچ طوائفون مین بھی پھیل گیا اور اسکی بڑی قدر ہونے لگی۔

نواب آصف الدولہ کی سخاوت کسی قوم کسی ذات کے ساتھ وابستہ نہتی وہ جسکو اسکا اہل پاتے تھے اسکو زمین سے آسمان پر پہنچا دیتے تھے گو یہ امر بعض اکابرین دولت کے خلاف گزرتا انکی سخاوت کا دسترخوان عام تھا ہر شخص اسی سے حصہ پاتا تھا چنانچہ انھون نے اپنی ولیعہدی کے چند تلنگون کو جو ان کی اردلی مین رہتے تھے اور نواب کے جان نثار تھے۔ اپنے برسرِ حکومت ہونے کے بعد بڑے بڑے عہدے اور منصب عطا فرمائے۔

مولاس سنگھ۔ سوبھا سنگھ۔ بھوانی میگہ سنگھ۔ نواز سنگھ۔ موتی سنگھ بھوانی سنگھ وغیرہ کو راجہ کا خطاب عطا کرکے بڑے اقتدار پر پہنچا دیا۔

ان کی سخاوت سے نیچ ذات کے لوگ بھی محروم نرہے اسی وجہ سے اودہ کے ہندو بھی آج تک ان کا نام لیکر دکان کھولتے ہی اور خوانچہ اُٹھاتے ہین مگر راجہ مہرا کا اقتدار سب پر بالا تھے اور دربار کے لوگ ان سے حسد کرنے لگے ان کی دربارسی سب کی نگاہون مین کھٹکنے لگی تخلئے مین سرگوشیان ہونے لگین۔

نیچ ذات کے لوگ اپنی حماقت مین کہتے تھے آصف الدولہ بھی ایک اوتار ہے جسکو خدا نے ہم غریبون کے واسطے اتارا ہے۔

راجہ مہرا کے اوصاف باطنی پر اگر نظر کیجئے تو ان کی ترقی کا سبب واضح ہو سکتا ہے تمام امراکی عزت کرتے تھے کبھی بادشاہ سے کسی کی شکایت نہین کی اپنی قوم کی پرورش کو ہمیشہ ملحوظ خاطر رکھا اور ان کے ساتھ ہمیشہ احسان کیا تمام خاندان کو رہنے کے واسطے مکان نبوا دیئے خیرات اپنے حوصلے سے زیادہ کی۔ انکسار حد سے بڑھا ہوا تھا اس ثروت پر بھی کسی خدمت مین عار نہ تھا۔

لوگ کہتے ہین کہ انکی کوئی اولاد نہتی کسی عزیز قریب کے لڑکے کو گود بٹھا لیا تھا اور اسی سے ان کے خاندان کا نام چلا۔

صورت شکل مین وجیہ تھے۔ دربار کی پوشاک یہ تھی۔ کرشلہ سر چاپکن گلے مین۔ مشروع کا پائنچہ دار پاجامہ۔ پاون مین گھٹیلا جوتا۔ جاڑون مین شالی رومال اور گرمیون مین جالی کا

وہاں گلے مین سونگیے کا اا اڑا ہوا تھا علمی جلسون مین اور مشاعرون مین شوق سے
شریک ہوتے تھے شعر کہتے نہ تھے مگر شعر فہمی کی استعداد کافی تھی شعراء کے ساتھ حسن سلوک
سے پیش آتے تھے اور مشاعرون مین نہایت شوق سے شریک ہوتے تھے عمر بھی بہت
پائی آصف الدولہ کے بعد نواب سعادت علیخان کے دربار مین بھی رسائی حاصل کی اور اسی
وقار سے رہے نصیر الدین حیدر بادشاہ کے وقت تک زندہ تھے اور آغا میر کے نہایت
خیر خواہ مشہور تھے۔

شیخ امام بخش ناسخ نے ایک قصیدہ آغا میر کی تعریف مین کہا تھا۔ تو انھین کے
شورے سے شیخ صاحب کو سوا لاکھ روپیہ انعام مین دیا گیا۔

راجہ جھرا کی تاریخ ولادت اس تاریکی مین پڑی ہے کہ ہم صحیح سن ولادت نہین
بتا سکتے۔

اور نہ ان کے والدین کے نام کا پتہ کہین ملتا ہے۔ اتنا پتہ قوم کا ملتا ہے کہ گڑ ییے
کہار تھے یعنی وہ ملاح تھے جو مچھلی کو جال مین پکڑتے ہین اور سنگھاڑے بیچتے ہین اور ڈولی
اٹھاتے ہین۔

مگر ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات ان کی ابتدائی زندگی پر خیال کیجئے تو ہمیشہ سے
بری صحبتون سے ان کو پرہیز تھا کبھی ہوے کی شراب نہین پی پڑھنے لکھنے کا اتنا شوق تھا
کہ انکی تعلیم جو کچھ ہوئی محض اپنے شوق سے ہوئی ان کے باپ نے تعلیم نہین دلوائی خوش پوشاکی کا
اتنا ذوق تھا کہ غریبی کی حالت مین بھی ان کو کسی نے میلے کپڑے پہنے نہین دیکھا۔ اگرچہ
ابتدائی زمانہ مین دن رات کا اُٹھنا بیٹھنا اپنی قوم کے ساتھ تھا۔ مگر کبھی گالی منھ سے نہین
نکالتے تھے۔ اپنی پست حالت سے نکل کے اسقدر مرتبۂ عالی پر پہنچگئے تھے۔ مگر تمکنت اور
غرور کا نام بھی نہ تھا۔

نواب سے اکثر کہتے تھے کہ حضور ہمارا پیشہ تو ڈولی اٹھانے کا ہے یہ ساری عزت حضور کی
بدولت پائی ہے ہم غرور کس بات کا کرین۔

جب نواب آصف الدولہ بہادر نے اپنی عنایت خسروانہ سے فرمایا کہ ہم

چاہتے ہین تم پیرخان کی گڑھی سے اٹھکر ہمارے قریب چلے آؤ - اور کسی آباد جگہ کو پسند کرو تو تمہارے لیے ایک عمارت بنوا دی جائے -

ہاتھ جوڑکر کہنے لگے حضور مین یہ نہین چاہتا کہ کسی شریف آدمی کا مکان خریدکر میرے لیے عمارت بنوائی جائے بلکہ جو افتادہ زمین ہو اسپر اگر سرکار کوئی عمارت بنوا دینگے تو مین اسمین خوشی سے رہون گا اسی واسطے ان کی عمارت آبادی سے الگ دریا کے کنارے بنوائی گئی جہان بیکار زمین پڑی تھی -

کوئی شریف آدمی ان کے پاس احتیاج لیکر جاتا تھا تو اسکے مانگنے سے پہلے اور اسکی ضرورت سے زیادہ چپکے سے الگ لیجاکر جو کچھ توفیق ہوتی دیتے اور کہتے کہ اگرچہ میری یہ لیاقت نہین ہے کہ آپکی کچھ خدمت کرسکون مگر پان کھانے کے واسطے جو دیتا ہون اسے قبول فرمایئے اور برائے خدا اسکا تذکرہ کسی سے نہ کیجیگا جو کچھ میرے پاس ہے سب آپ ہی شرفا کا دیا ہوا ہے -

مرغ بازی کا شوق تھا مگر وہ بھی نواب آصف الدولہ کے خوش کرنے کے واسطے تھا کئی مرغ باز ان کے یہان نوکر تھے - اور اچھے اچھے مرغ ان کے ہاتھ لگ گئے تھے۔ عشرۂ محرم مین عزادار رہتے تھے دس دن تک تعزیہ رکھتے تھے اور یوم عاشورہ کو سر و پا برہنہ تعزیہ اپنا کربلا مین لیجاتے تھے -

ابوالمظفر معزالدین شاہ زمن غازی الدین حیدر بادشاہ کے زمانہ مین راجہ مہرا مکروہات زمانہ سے بردل ہوکر خانہ نشین ہوگئے تھے اور اپنی ذاتی آمدنی پر نہایت فراخدلی سے زندگی بسر کرتے تھے - فقط معتمد الدولہ بہادر وزیر کی ملاقات کو کبھی کبھی جاتے تھے

بعض کہتے ہین کہ راجہ مہرا نصیرالدین حیدر بادشاہ کے عہد تک زندہ تھے مگر گھر سے نہین نکلتے تھے اور بھگت ہوگئے تھے شراب اور گوشت ترک کردیا تھا اسقدر مسن تھے کہ چلنے پھرنے سے معذور تھے اور اسی زمانے مین انتقال کیا ان کے انتقال کی صحیح تاریخ معلوم نہ ہوسکی بہرحال آدمی ایسے نیک نیت تھے کہ مرنے کے بعد بھی ان کا ذکر خیر ابتک زبانون پر جاری ہے -

خواجہ محمد عبدالرؤف عشرت لکھنوی

تذکرۂ دہلی

از سی۔ ایف۔ [illegible] صاحب

باب ششم۔ علوم جدیدہ

منشی ذکاء اللہ کی زندگی کا اصلی کارنامہ ان کی تعلیمات کے بجائے ان کی تصانیف ہین یہ سچ ہے کہ ان کا اپنے طلبا پر بہت زیادہ اثر تھا اور وہ ان سے اتنی گہری محبت و عقیدت رکھتے تھے کہ اتنی محبت صرف چند ہی اساتذہ کو نصیب ہوئی ہوگی لیکن یہان پر اور اشخاص بھی ان کے اس اثر کے حصہ دار تھے۔ بحیثیت ایک ایسے شخص کے جو بالکل جدید وضع کے تعلیمی مسئلہ سے عہدہ برا ہونے کے لیے نہایت سنجیدگی سے جد وجہد کر رہا ہو اور اسکا بالکل نیا حل تلاش کر رہا ہو ان مین بجز اسکے اور کوئی بات ایسی نہین پائی جاتی جو انھین اپنے معاصرین سے ممتاز کرتی ہو۔ اور اس کام کو انھون نے اپنی تصانیف کے ذریعہ انجام دیا۔ انھون نے ایسے وقت مین جبکہ تقریباً ہر شخص ان کا مخالف تھا یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ اعلےٰ مغربی تعلیم ملکی زبان اور ملکی زبان کی کتابون کے ذریعہ انگریزی زبان کو ذریعہ تعلیم اور کتب انگریزی کو ذریعۂ تحصیل علم ٹھہرانے پر اصرار کئے بغیر دی جا سکتی ہے۔ اسوقت تو وہ یہ بات ثابت کرنے کی غرض سے ایک ایسی جنگ کر رہے تھے جسمین ہارنا یقینی تھا لیکن تاریخ کا یقینی اور قطعی عمل اب سرعت کے ساتھ یہ امر ثابت کر رہا ہے کہ آخر ان کا مجوزہ حل صحیح تھا۔

جون جون جدید مغربی علوم کو ترقی ہوتی گئی ودن ودن ایک ایسے فاضل کی ضرورت زیادہ نمایان ہوتی گئی جو ملکی زبان مین خیالات کو روانی و سادگی کے ساتھ باحسن وجوہ ادا کر سکے۔ نیز ایسے شخص کے لیے ضروری تھا کہ وہ ان مضامین مین مہارت تامہ بھی رکھے جنکی وہ پہلی مرتبہ اپنی مادری زبان مین تشریح کرنے کی غرض سے طلب کیا گیا ہے زمانۂ حال کے مغربی مضامین مین سے [illegible] اور سائنس [illegible] کی کتاب مثال [illegible]

له سلسلہ کیلئے دیکھو زمانہ [illegible]

کی زبان میں تحریر نہیں ہوئی تھی۔ طالب علم کے لیے پہلے ضروری تھا کہ وہ انگریزی پر عبور حاصل کرے اور یہ بجائے خود طویل اور تکلیف دہ عمل تھا بعض طلبا کے لیے تو گویا اسکا حاصل کرنا سرے سے ناممکن تھا اور ویسے مشکل تو سب کے لئے تھا۔

منشی ذکا اللہ اپنے اس تعلیمی طریقہ کے متعلق بہت پُر جوش نظر آتے تھے۔ انھوں نے خود سائنس اور ریاضی کا مطالعہ اپنی مادری زبان یعنی اُردو کے ذریعہ کیا تھا۔ اور وہ کوئی وجہ نہ دیکھتے تھے کہ کیوں ان کے بچے بھی ایسا ہی نہ کریں۔ یہ سچ ہے کہ خود انھوں نے جدید علوم کی تحصیل ان لکچروں کے ذریعے کی تھی۔ جو ملکی زبان میں زبانی دیئے جاتے تھے۔ انھوں نے درسی کتب سے کچھ بھی نہیں سیکھا تھا۔ لیکن انھیں پورا یقین تھا کہ ایسی درسی کتابیں لکھی جا سکتی ہیں اور وہ خود ان کے لکھنے پر آمادہ تیار تھے۔ ان کی یہ تحریک منظور کرلی گئی۔ اس زمانہ میں تمام شمالی ہندوستان میں اس کام کے لیے کسی اور موزوں شخص کا ملنا نہایت دشوار تھا۔ اور واقعہ بھی یہی ہے کہ ایسے شخص کا ملنا تھا بھی ناممکن جو خود استقدر جوش رکھتا اور دوسروں میں جوش پیدا کر دیتا ہو اور جو استقدر محنت کے ساتھ کام کرنے کا عادی ہو۔

جب ایک مرتبہ انھوں نے کام کی ذمہ داری قبول کرلی تو فرصت کے جس قدر لمحات انھیں میسر آتے وہ سب کے سب اس کام کی نذر کر دیتے۔ وہ اس شدومد کے ساتھ کام کرتے تھے کہ معمولی ذہن اور جسمانی طاقت اور قوت ارادی رکھنے والا شخص تو بالکل ہی تھک جاتا۔

ان کا پہلا پبلشر "علیگڈھ انسٹیٹیوٹ" تھا اور اس انسٹیٹیوٹ نے اس ابتدائی اور عظیم الشان کام کی ذمہ داری اپنے سر لینے میں جو جرات دکھائی وہ اس قابل ہے کہ اس کی تعریف کیجائے۔ اس پریس سے کیمسٹری (علم الکیمیا) فزکس (علم طبیعات روشنی گرمی) اور دیگر سائنٹفک مضامین پر نیز زمانۂ حال کی ریاضی پر ابتدائی اور اعلےٰ کتابیں یکے بعد دیگرے شائع ہوتی رہیں۔

حکومت بنگال کے سکریٹری کی طرف سے آئی ہوئی ایک دلچسپ چٹھی ہے جو ابتک منشی ذکا اللہ کے خاندان میں موجود ہے۔ اس سے ملکی زبان میں تعلیم دینے کے پیچیدہ مسئلہ

کے متعلق حکومت ہند کے خیالات کا اندازہ کیا جا سکتا ہے وھو ہٰذا۔

گورنمنٹ کو اب تک جو جوابات موصول ہوئے ہین ان سے معلوم ہوتا ہے کہ جدید سائنس کی کتابون کو ہندوستان کی ملکی زبانون مین منتقل کرنے کے متعلق یا تو بہت کم کارروائی کی گئی ہے یا بالکل ہی نہین کی گئی ہے۔ اردو مین جو کچھ ہوا ہے وہ زیادہ تر "علیگڈھ انسٹیٹیوٹ" کی بدولت عمل مین آیا ہے۔ یقین کیا جاتا ہے کہ ریاضی کی کتابون کا سلسلہ جسے منشی ذکاء اللہ دہلوی نے شائع کیا ہے اور جسکی صوبۂ شمال مغربی نے بیحد تعریف و توصیف بیان کی ہو علیگڈھ انسٹیٹیوٹ کی درخواست پر اور اسکی امداد سے شروع کیا گیا تھا۔ ظاہر ہے کہ منشی ذکاء اللہ نے اپنے کام کو باحسن وجوہ انجام دیا ہے اور توقع کیجاتی ہے کہ مزید ہمت افزائی اور امداد سے وہ دوسرے علوم کی جانب توجہ کر سکینگے اور کام کو جاری رکھ سکین گے۔ نواب گورنر جنرل صاحب بہادر باجلاس کونسل کی رائے ہے کہ اس قسم کی کتابون کی تالیف و تصنیف کو مزید تحریک دینے کے لیے کسی مزید امداد کے بارے مین ذرائع سوچے جائین۔"

جن گورنر جنرل کا یہان ذکر کیا گیا ہے ان سے مراد لارڈ نارتھ بروک ہین۔ ایک مہتم بالشان کام کی جو ختم کیا جا چکا تھا یہ قدر دانی نہ صرف دیر سے بلکہ کسی حد تک بددلی کے ساتھ کی گئی تھی اسکا آخری فقرہ صورت حالات کے اعتبار سے بالکل حق بجانب تھا اسلیئے کہ منشی ذکاء اللہ اپنے کام کو نہایت استقلال کے ساتھ انجام دیتے رہے اور ان کے قلم سے نکلی ہوئی کوئی نہ کوئی نئی کتاب ہر سال شائع ہوتی رہی۔

انھون نے جو کارگزاری دکھائی وہ تقریباً ناقابل یقین معلوم ہوگی تاوقتیکہ اس تمام مدت کو شمار کر لیا جائے جو انھون نے اپنے کام مین صرف کی تھی۔ غالباً یہ کہنا مبالغہ مین داخل نہ ہوگا کہ انھون نے اس ایک ادبی تکمیل مین اپنی زندگی کے پچاس سال سے زیادہ صرف کر دیئے تھے۔

انھون نے انگریزی کتب کو محض اردو مین ترجمہ کرنے کے کام کو بہت جلد خیرباد کہدیا اور وہ ایسی کتابون کے لکھنے مین مشغول ہوگئے جو تمامتر یا ایک حد تک اور تحصیل تھین۔ اپنی ادبی زندگی کے اختتام پر جبکہ ان سے میرے دوستانہ تعلقات بہت گہرے

ہو گئے تھے وہ مجھے ان کتابوں کی قطار در قطار دکھاتے تھے جو انھوں نے لکھی تھیں۔ خود میرے کتب خانہ میں ان کی بڑی بڑی تصانیف موجود ہیں جنھیں انھوں نے مجھے تحفتہً عنایت کیا تھا۔ وہ بہت کچھ اور بیش بہا معلومات سے پُر ہیں اور سادہ اور آسان مگر رواں طرز تحریر میں لکھی گئی ہیں اور وہ مختلف مضامین پر حاوی ہیں۔ مدارس میں ان کی اشاعت اور استعمال نے اردو علم ادب کے لیے جدید معیار قائم کرنے، معمولی پڑھنے والے کے لیے اسے آسان اور واضح بنانے اور فارسی اور عربی کے الفاظ کی غیر ضروری بھرمار سے بچانے میں کچھ کم اہم کام انجام نہیں دیا ہے اور یہ کام ایسا ہے کہ سوائے فاضل اشخاص کے اسے اور کوئی شخص پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچا سکتا تھا۔

میور سنٹرل کالج الٰہ آباد میں اردو علم ادب اور سائنس کے پروفیسر کی حیثیت سے وہ تقریباً مسلسل طریقہ سے ان درسی کتابوں کی تیاری کے کام کو کرتے رہے جن میں وہ اب نہایت ہی مصروف نظر آتے تھے ساتھ ہی انھوں نے اپنے تمام شاگردوں سے خراج ادب و احترام وصول کیا تھا۔ ان کی علیحدگی پر ان کے قدیم طلبا نے ان کی خدمت میں اڈریس پیش کیا تھا جو جہاں تک ان کی ذات کا تعلق تھا محض معمولی رسمی کارروائی نہ تھی بلکہ ایسی کارروائی تھی جو سچائی اور محبت کا نتیجہ تھی۔ اڈریس کے ایک پیراگراف میں بیان کیا گیا ہے کہ آپ کا اپنے شاگردوں کے ساتھ مہربانی آمیز اور منصفانہ سلوک۔ آپ کی ان کے ساتھ ہمدردی اور ہر ایسے کام میں جو ان کی اخلاقی اور ذہنی بہبودی سے متعلق ہوتا تھا۔ مکمل وابستگی بہت زمانہ تک یاد رہے گی ٹیچر کی حیثیت سے اور سچے دوست اور رہنما کی حیثیت سے ہمیں آپ پر ہمیشہ کامل اعتماد رہا ہے اور ہمیں اس امر کا پورا پورا یقین رہا ہے کہ آپ ہمارے اپنے اور ہمارے مفاد کو ترقی دینے کے لیے انتہائی کارروائی کرنے سے کبھی دریغ نہ فرمائینگے۔ ہم محسوس کرتے ہیں کہ ہمارے کالج سے آپ کی جدائی ہم سب کے لیے سخت صدمہ ہے۔۔۔۔"

کالج کی عملی تعلیمی جد و جہد سے علیحدہ ہو جانے پر انھیں جو اعزازات دیے گئے وہ خود ان کے لیے باعث حیرت تھے جیسا کہ انھوں نے مجھ سے اکثر کہا کہ وہ ان کے مستحق نہ تھے لیکن عوام کا خیال اس سے مختلف تھا۔ وہ مطمئن و مسرور تھے کہ ان کی قابلیت اور

علم وفضل کی بجا طور پر عزت کی گئی ہے بلا شبہ انھوں نے اپنے مختلف فرائض کی ادائگی مین بے انتہا محنت سے کام کیا تھا۔ ان کے تعلیمی تجربات نئے تھے اور ان کی اب تک مشق نہوئی تھی۔ انھین جو ہدایات قائم کرنی تھین۔ اور سہر موقع پیانی سے علوم جدیدہ کی ابتداکرائی جاتی تھی جو طریقۂ عمل انھون نے اختیار کیا وہ ہر دلعزیزی حاصل کرنے کی نیت سے نہ تھا بلکہ بلا شبہہ تعلیمی نظریہ کے نقطۂ نظر سے وہی نہایت صحیح تھا۔ یہ امر کہ وہ زیادہ بہتر طریقہ سے کامیاب نہو سکا تو اسکی وجہ یہ ہے کہ اس نسل کے لوگ بہر نہج انگریزی سیکھنے کے خواہشمند تھے اور انھون نے نہایت بےپروائی کیساتھ اپنی مادری زبان اور اسکے علم ادب کو پس پشت ڈالدیا تھا تاکہ زیادہ عجلت کیساتھ انگریزی زبان کی تکمیل کریں۔ آج ہوا کا رخ تیزی کے ساتھ بدل رہا ہے اور ممکن ہے کہ منشی ذکاءاللہ کے عظیم الشان کام کی آج (خواہ دیر ہی سے سہی) قدر ہو اور اسکی پوری پوری اہمیت کا احساس کیا جائے۔

۳۲ سالہ خدمات کے بعد الہ آباد سے ان کی علیحدگی کے معنی یہ نہ تھے کہ انھون نے اسکے بعد بیکاری۔ غیر مصروفیت یا آرام کی زندگی بسر کی۔ بلا شبہہ انکی بہترین ادبی تصانیف ملازمت کے زمانہ ہی کی رہین منت ہین۔ وہ بہت زیادہ پڑھنے لکھنے کے عادی تھے اور اپنے زمانہ کی خبرون اور معلومات سے حیرت انگیز طریقہ سے باخبر رہتے تھے۔ خواہ وہ خبرین ان کے وطن کی ہون یا غیر ممالک کی ہون۔ انھون نے کسیقدر بڑی عمر مین زمانۂ حال کی تاریخ کا مطالعہ کرنا شروع کیا تھا اور یہ مطالعہ انھون نے نہایت تن دہی اور جانفشانی سے کیا تھا اور ان کی بعض اور طویل تصانیف اسی مضمون سے متعلق ہین۔ اس تاریخی مطالعہ سے ان کا ایک خاص مقصد تھا۔ اور وہ یہ دکھلانا چاہتے تھے کہ ہندوستان مین اچھی گورنمنٹ کے لیے مذہبی بردباری سب سے پہلا اور آخری فرض ہے۔ ان کے نزدیک بہترین حکمران خواہ وہ ہندوون کے زمانہ کے ہون یا عہد مغلیہ کے یا انگریزی عہد کے، وہ تھے جو اصول بردباری پر عمل پیرا تھے اور مختلف فرقون کو مذہبی اور نسلی تعصب، تنگدلی اور غرور کی قوتون کے ذریعہ علیحدہ رکھنے کے بجائے آپس مین متحد رکھتے تھے۔

"وکٹوریا نامہ کا نفس مضمون انگریزی راج کی آمد ہے اور ہم اُن وور افتادہ و تواریخ

تسلیم کرتے ہیں جو اس زمانہ کے بہترین اشخاص کے دلوں میں جاگزیں تھیں جنہوں نے
غدر کے بعد حکومت کی مہلک کمزوری کو ابھی پہچانا تھا۔ جسکی قسمت میں غیر ملکی رہنا تھا۔ اور
جو صرف فاصلہ کی بنا پر ہندوستانیوں میں منظم نہیں ہوسکتی تھی۔

اسی زمانہ میں جبکہ وہ اپنے ادبی مشاغل میں نہایت درجہ مصروف تھے، دوسرے
قومی کام ان سے طلب توجہ کا مطالبہ کر رہے تھے۔ علیگڑھ کالج کے بانی سر سید احمد خان
کے ذکر سے ان کی آنکھوں میں روشنی اور دل میں جوش پیدا ہو جاتا تھا۔ اس امر کے متعلق
کہ منشی ذکاء اللہ کے ہیرو کون تھے۔ کسی قسم کا سوال نہیں کیا جا سکتا۔ وہ ہیرو سر سید احمد
خان تھے۔ ان کے نشست و برخاست کے کمرہ میں سر سید احمد خان کی تصویریں مرکزی
جگہ پر آویزاں تھی اور ان کی الماریوں میں سر سید کے متعلق یا خود ان کی لکھی ہوئی کتابیں
نمایاں طور پر نظر آتی تھیں اور وہ اکثر اوقات ان کا مطالعہ کرتے تھے۔ وہ ان کا ذکر بہت احترام
اور تعریف کے ساتھ کرنے کے عادی تھے۔ وہ ان کے لکچر مجھے دیکر میری رائے پوچھا
کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ ان سے صاف معلوم ہو سکتا ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں
کی ترقی و نشو و نما کا راستہ کونسا ہے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ذکاء اللہ ابتدا ہی سے
تحریک علیگڑھ کالج کے پرجوش حامی و مددگار تھے۔ جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں "علیگڑھ انسٹیٹیوٹ"
ہی ابتدا میں ان کی اردو کتابوں کی اشاعت کا ذمہ دار تھا۔ وہ اسکے قیام کے زمانے سے
ڈائرکٹروں کے بورڈ کے ممبر تھے اور اپنی وفات تک اسکے ممبر رہے۔ اس تحریک علیگڑھ سے
انھوں نے شمالی ہندوستان کے دیگر سارے مسلمان آئیڈیلسٹوں کی طرح اپنی تمام تر امیدوں
کو وابستہ کر لیا تھا۔

ایک دن وہ صبح کے وقت علیگڑھ کالج میں ایکمرتبہ نہایت نازک صورت حالات
پیدا ہو جانے پر دہلی میں اپنے دوست مولوی نذیر احمد کو ساتھ لیکر میرے پاس آئے تاکہ ان
مشکلات کو حل کرنے میں جو یوروپین پروفیسروں اور مسلم طلبا میں رونما ہو گئی تھیں مدد دینے
کی غرض سے مجھے اولین ٹرین سے اپنے ساتھ علیگڑھ لے چلیں۔ صورت حالات نہایت
نازک تھی۔ اور مجھے شبہ تھا کہ ایسا نہو کہ مدد دینے کی بجائے الٹا میں ان کے کام میں [illegible]

پنڈت مدن موہن مالویہ

مولانا حسرت موہانی

کا باعث نہون۔ لیکن ان کے انتہائی انکار نے میرے شبہات کو مغلوب کر لیا انھون نے
مجھے کہا کہ " میری ساری زندگی کی توقعات اسی کالج سے وابستہ ہین۔ اگر اسے کوئی
آنچ آئی تو میری زندگی کا کام برباد ہو جائے گا " ان کے جذبات کی شدت سے بخوبی معلوم
ہو سکتا تھا کہ انھین اس مصیبت کا کسقدر گہرا احساس ہے چنانچہ مین ان کے ساتھ
گیا۔ اثنائے سفر مین مجھپر یہ بات نہایت واضح طور پر ظاہر ہو گئی کہ علیگڈھ کالج کے متعلق
ان کے اعتقادات اور خیالات کسقدر سنجیدہ اور جوش سے مملو تھے۔ وہ سید کے
کام کو برقرار رکھنے کے لیے ہر قسم کا ذاتی ایثار کرنے اور اسکی خاطر برا بھلا سننے کو بھی
تیار تھے۔ جب ہم علیگڈھ پہنچے تو ان دونون بوڑھے آدمیون نے پیدا شدہ اختلافات
کو دور کرنے کے لیے انتہائی جدوجہد کی۔ انہون نے طلبا سے منت وسماجت کرنے کا
بھی کوئی دقیقہ فروگذاشت نہین کیا۔ واپسی سفر مین انہون نے مجھسے کہا کہ " یہ کالج ہمارا
محبوب ہے اور ہماری آنکھون کی روشنی ہے۔ اگر اسپر کوئی مصیبت آئے اور ہم اسے
روکنے کے قابل ہون اور نہ روکین تو یقیناً " ہم اپنے تئین کبھی معاف نہ کرینگے "

منشی ذکاءاللہ کی طبیعت کا ایک نمایان اور دلچسپ پہلو ان کا وہ طرزِ عمل ہے جو
انہون نے ہندوستانی تعلیم کو جدید بنانے کے متعلق اختیار کیا۔ وہ ان معدودے چند
اشخاص مین سے تھے جنہون نے پوری دلچسپی کے ساتھ تعلیم کو بالخصوص سائنس کی تعلیم
کو جدید اصول پر لانے کی ضرورت کو محسوس کیا۔ لیکن ساتھ ہی ان کا اصرار یہ تھا کہ
ذریعۂ تعلیم یہ کہ مادری زبان ہو نہ کہ انگریزی۔ اگرچہ وہ خود اپنے ان اصولون کے مطابق
آخر وقت تک صرف اردو مدارس اور مصنف رہے۔ اور اپنے طلبا کو اردو کے ذریعہ
تعلیم دیتے ہے۔ تاہم انہون نے قدیم دہلی کالج مین اپنے ذاتی تعلیمی تجربات کی بنا پر
ابتدا ہی سے پورے طور پر یہ بات تسلیم کر لی تھی کہ جدید سائنس کے نتائج کو پورے طور پر
قبول کئے بغیر اور اسکے متعلق پوری معلومات حاصل کئے بغیر مشرق ہمیشہ مغرب سے پیچھے رہیگا
اور آیندہ تمام ترقی کے دروازے بند رہین گے۔ انھی اصولون کو پیش نظر رکھکر اور یہ بات
ان کے لیے نہایت قابل تعریف ہے کہ وہ شمالی ہندوستان مین ایسے زمانہ مین تعلیم نسوان

کے اولین رواج دینے والون مین سے تھے جبکہ عوام کے نزدیک محض اس کا خیال تک
لانا بھی غیر ملکی قرار پایا جاتا تھا اور اسے عجیب وغریب اور ناقابل عمل سمجھا جاتا تھا۔
یہ بات زیادہ واضح طریقہ سے نہین بیان کیجا سکتی کہ جو خصوصیت منشی ذکاءاللہ کو انیسوین
صدی کے دوسرے ماہران تعلیم سے ممتاز کرتی ہے وہ ان کا یہ پسندیدہ مطمح نظر تھا جسے
وہ مدت سے اپنے پیش نظر رکھتے تھے کہ اس جدید علم کو اردو کے ذریعہ پھیلائین یعنی
اس زبان کے ذریعہ جو شمالی ہندوستان مین کم سے کم دس کروڑ کی زبان تھی۔ جون جون
صدی گذرتی گئی وہ جاپان کو اس کامیابی کی نمایان مثال کے طور پر پیش کرتے تھے۔
جسے وہ اپنے الفاظ مین "مادری زبان کے ذریعہ طریقۂ تعلیم" کہا کرتے تھے۔ وہ فرمایا
کرتے تھے کہ " بچپن ہی سے زبان کا مسلسل استعمال کرنا تاکہ ہم اس مادری زبان کے
بجائے اسمین اظہار خیالات کرین۔ ہماری قومیت کو نقصان پہنچائیگا۔ اگر ہم مشرقی قوم
رہنا چاہتے ہین تو ہمین اس زبان کو نظر انداز نہ کرنا چاہیئے، جسے ہمنے ماں کی گود مین سیکھا
ہے۔ اور ہمین اپنی قوم کی نظرون مین اور بالخصوص اپنی ہی عورتون کے نزدیک غیر ملکی
نہ بنجانا چاہیئے۔ ہماری زبان ہی مین ہماری تمام مقدس یادداشتین اور روایات مضمر ہین
یہی پہلی زبان ہے جو ہم بچپن مین اپنی ماؤن سے بولتے وقت استعمال کرتے ہین اسے
فراموش کر دینا یا اسکے نفرت کی نظر سے دیکھنا ہماری خصائل کی نشوونما مین ایک نہایت
اہم پہلو کو ضائع کر دینے کے مترادف ہے"

وہ کہا کرتے تھے کہ "جہانتک ہم مسلمانون کا تعلق ہے اردو زبان ہمارے مذہب
کے ساتھ نہایت گہرے تعلقات رکھتی ہے اسکی طرز تحریر ہمین ہماری مقدس زبان عربی
کی یاد تازہ کر دیتی ہے۔ اسکے بہت سے الفاظ عربی سے مشتق ہین۔ اردو کو چھوڑ کر انگریزی
اختیار کرنا اپنے بچون کو اسطرح سے تربیت دینا کہ وہ اردو مین اچھی طرح لکھ پڑھ سکین
بلکہ وہ انگریزی مین لکھنے کو ترجیح دین درحقیقت مذہب اسلام سے غفلت برتنے کا
نہایت ہی یقینی ذریعہ ہے۔ اگر انگریزی مین ترقی حاصل کرنے کے انتہائی جذبہ مین اردو
کے مطالبہ کو نفرت کی نظر سے دیکھا جائیگا۔ تو شمالی ہندوستان مین سوائے چند

طلبا کے باقی کوئی شخص عربی کے مطالعہ سے محبت نہ رکھے گا جو ہمارے قرآن مجید کی مقدس زبان ہے"

اگرچہ منشی ذکاء اللہ اخیر وقت تک ان عقائد پر قائم رہے اور اصولاً وہ انہیں ناقابلِ جواب اور اٹل سمجھتے تھے تاہم اپنی طویل زندگی کے خاتمہ پر حسرت و افسوس کے ساتھ یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے تھے کہ وہ عملاً زمانہ کی ہوا کے رخ کے خلاف جا رہے ہیں۔ جب انہوں نے کھلی ہوئی آنکھوں سے یہ دیکھا اور محسوس کیا کہ خواہ وہ چاہیں یا نہ چاہیں انگریزی زبان کا مطالعہ اولین نہ کہ ثانوی زبان کے طور پر بالضرور رائج ہو کر رہے گا تو انہوں نے واقعات کے روبرو سر تسلیم خم کر دیا۔ وہ محض غیر جانبدار ہو کر ایک طرف کو کھڑے نہیں رہے۔ بلکہ جدید علوم کو ترقی دینے کی جنگ میں وہ صفِ اول میں تھے اور قدامت پسند اشخاص کا ساتھ دینے والوں میں سے نہ تھے۔

جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں وہ سر سید احمد خان اور تحریک علیگڈھ کے دلی مداح اور ممد و معاون تھے اگرچہ وہ ان کی ذاتی مرضی اور رضامندی کے بغیر انگریزی پر لگی تھی۔ انھوں نے مشرقی حصہ کو قائم و برقرار رکھنے اور خود کالج میں اردو علم ادب کے مقاصد کو ترقی دینے کے لیے حتی الامکان کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ اور اس میں وہ جزواً کامیاب ہوئے۔ لیکن جہاں تک بڑے اصول کا تعلق تھا وہ ناکام رہے۔

اگرچہ وہ بہت منکسر المزاج تھے۔ اور انھیں اپنی کمیوں اور پابندیوں کا پورا پورا احساس تھا اگرچہ وہ پہلے سے زیادہ اب یہ بات اچھی طرح جانتے تھے کہ وہ لیڈر ہونے کے بجائے ایک مقلد ہیں اور ایک ایسے شخص کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جو دوسرے کے خیالات کو تو عملی جامہ پہنا سکتا ہے مگر اپنے خیالات کو باوجود اپنی زبردست شخصیت کے عملی جامہ پہنانے سے قاصر ہے تاہم جب بالآخر ایک واقعہ ہو کر رہا تو انہوں نے رنج و افسوس کے ساتھ ہی سہی اسکے سامنے سر تسلیم خم کر دیا۔ وہ اپنے دل میں اس امر کے قائل تھے کہ انھوں نے بہترین راستہ اختیار کرنے کے بجائے دوسرے درجہ کا بہترین راستہ اختیار کیا ہے۔

بعض اوقات مابعد کے سالون مین مایوسی کے لمحات مین وہ مجھسے فرمایا کرتے کہ "مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مدارس کے لیے اُردو مین کتابین لکھنے اور ترجمہ کرنے کا جو کام مین زندگی بھر کرتا رہا ہون وہ سب کا سب اکارت گیا" وہ اپنے تئین مورد الزام سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ "اگر مجھ مین مولوی نذیر احمد کی سی اردو نثر لکھنے کی قابلیت ہوتی تو ممکن ہے! مین کامیاب ہو جاتا لیکن مین ناکام رہا ہون" اسکے بعد وہ اِن کتابون کی تعداد کی طرف اشارہ کرکے کہتے جو انھون نے لکھی تھین اور جو الماری مین یونہی بند پڑی تھین کہ ان کو کوئی نیچے اُتار کر پڑھنے والا موجود نہین ہے۔ وہ یہ کہا کرتے تھے کہ یہ کتابین رفتہ رفتہ خاک ہو جائنگی۔ اور میرا نام اور میری کوششین فراموش ہو جائینگی۔ زمانہ کا رخ میرے خلاف ہو گیا ہے"

جواب مین مین عرض کیا کرتا تھا کہ کسی تحریک کے بانیون مین سے ہونا زیادہ شریفانہ کام ہے۔ بہ نسبت اسکے کہ کسی ایسے کام کو ترقی دی جائے جو ذرا مقبول ہو چکا ہے اور یہ کہ آنے والی نسلین آپ کی شکرگزار ہونگی کہ آپ نے شمالی ہند مین جدید علوم کی ترویج کی تحریک دینے کے لیے کوئی قربانی اٹھا نہین رکھی اور یہ کہ آپ کی تمام کتب اُردو اسی مقصد کو پیش نظر رکھکر لکھی گئی ہین" اگر وہ لکھنے کی جانب بالکل متوجہ نہ ہوتے تو ممکن ہے کہ جدید علم کی ترویج و اشاعت غیر محدود زمانہ کے لیے التوا مین پڑ جاتی۔

اگرچہ یہ بات تام و کمال حقیقت پر مبنی تھی لیکن انھین درحقیقت اس سے تسلی و تشفی نہ ہوتی تھی۔ میرا خیال ہے کہ وہ محسوس کرتے تھے کہ اگر ابتدا مین ذرا زیادہ دن مقابلہ کیا جاتا تو شاید وہ اپنے پوائنٹ مین کامیاب ہو جاتے اگر انھین سرسید احمد خان یا اپنے عمر بھر کے دوست اور رفیق مولوی نذیر احمد کی آتش نشان شخصیت میسر ہوتی تو ممکن ہے کہ انھین اس کام مین فتح نصیب ہو جاتی جسے وہ اپنے دل مین صحیح سمجھتے تھے۔ انھین اپنی وفات سے قبل ان خرابیون کا اچھی طرح احساس تھا۔ جو جدید تعلیم کے نظام مین جسے اختیار کر لیا گیا تھا۔ پیدا ہوتی جا رہی تھین۔ اور بعض اوقات وہ تعجب کرتے تھے کہ آیا یہ تمام کوشش قبل از وقت تو نہین ہے اور یہ کہ آیا مکان تعمیر کرنے سے پیشتر

زیادہ یقینی اور استوار بنیادون کو قائم نہین کر لینا چاہیئے۔

اسطرح منشی ذکاءاللہ جہانتک ان کے تعلیمی کام کا تعلق ہے، ماضی اور حال کا حیرت انگیز مجموعہ پیش کرتے تھے۔ وہ ایسے شخص تھے کہ خود سوائے اُردو کے اور کسی زبان مین حتی الامکان گفتگو کرنے سے احتراز کرتے تھے۔ حالانکہ وہ انگریزی کی ادق سے ادق کتابون کو بلا تکلیف اور آسانی کے ساتھ پڑھ لیتے تھے اور فلسفہ اور سائنس اور معاشرتی سائنس پر جسقدر کتابین اردو زبان مین لکھی جاتی تھین ان سے وہ پوری واقفیت رکھتے تھے۔ اُنھین جدید یورپین تاریخ کا بھی علم تھا۔ اور وہ علم بہت صحیح معلومات پر مبنی تھا۔ وہ ایسے شخص تھے جو اپنی ہی زبان پر سختی کے ساتھ جمے رہے اور جہان تک ان کے حیطۂ امکان مین تھا۔ اسکو ترقی دینے کی کوشش کرتے رہے لیکن جب انھون نے یہ دیکھ لیا کہ رائے عامہ کی لہر ان کے خلاف جاری ہے تو انھون نے انگریزی زبان کو اسکول مین ذریعۂ تعلیم کے طور پر قبول کر لیا۔ وہ اسلام کے ماضی اور اسکی عربی و فارسی کی شاعری اور علمی روایات کا نہایت احترام کرتے تھے لیکن ساتھ ہی وہ سب سے پہلے اسلام کی ترقی کے لیۓ جدید علوم اور سائنس کی انتہائی ضرورت کو بھی تسلیم کرتے تھے۔ وہ ہندوستانی تہذیب کے بڑے بڑے کارنامون پر فخر کرتے تھے جسکا سلسلہ ویدون اور اپنشدون کے زمانہ سے شروع ہوتا ہے اور وہ اپنے وطن کی قدیم تاریخ کا مطالعہ بہت جوش کے ساتھ کرتے تھے لیکن ساتھ ہی وہ زوال اور انحطاط کو بھی تسلیم کرتے تھے جو وقوع پذیر ہو رہا تھا اور باہر سے تازہ ہوا کی آمد کی ضرورت کا احساس کرتے تھے جو "انگریزی امن" کے ساتھ آ رہی تھی۔ وہ اپنی طرز زندگی، اپنے مکان کے انتظام مین اپنے لباس۔ اپنی ظاہری روش مین انتہا درجہ کے قدامت پسند تھے تاہم وہ جدید ترین سائنٹفک دریافتون اور ایجادون پر بحث کرتے اور ان کے نتائج کو تسلیم کرنے کے بیحد شائق تھے۔

ان کی زندگی جس طور پر کہ وہ بسر ہوئی ان کے اپنے تعلیمی مطمح نظر کے عین مطابق تھی اسمین مخصوص وضع کی عظمت و شرافت پائی جاتی تھی جو ایک طرف تو انگریزی تعلیم یافتہ مسلمان سے اور دوسری طرف ایسے مسلمان سے جو جدید علوم کی دنیا سے بالکل الگ تھلگ

تھے بلحاظ لہجہ اور صفت مختلف تھی۔ اسمین اول الذکر کی وسعت خیالی اور موخر الذکر کی قدیمانہ تہذیب جلوہ گر تھی۔ مگر یہ دونون صفات ان کی زندگی مین ملکر ایک ہوگئی تھین جو شخص بھی کبھی ان سے ملا اسنے یہ محسوس کیا اور سمجھا کہ انھون نے اپنی روح کو قائم و برقرار رکھا ہے۔ وہ اپنی تہذیب مین پوری پوری تعلیم و تربیت حاصل کرنے سے پیشتر کسی دوسری تہذیب و تمدن پر عبور کرنے کی تصنع آمیز کوشش مین اسے ضائع نہین کرتے تھے۔

جو کچھ انھون نے اپنی زندگی مین پورا کیا اور جو کچھ انہون نے اپنے تجربہ سے حاصل کیا وہ اسے دوسرون تک پہنچانے کے بیحد فکرمند رہتے تھے۔ جن خطرات سے انھون نے اپنی زندگی مین رہائی حاصل کی تھی انہی خطرات سے دوسرون کو بچانے کے خواہشمند تھے مگر افسوس یہ ہے کہ اپنی دوسری خداداد قابلیتون کے ساتھ ساتھ ان مین سب سے بڑی صفت کی کمی تھی جو ایک تحریک کے بانی مین ہونی ضروری ہے یعنی شخصیت کی قوت جو دوسرون کے دلون مین یقین پیدا کر سکے اور انھین اسکی فوری و اہم ضرورت کا احساس پیدا کرا دے۔ ان مین ضروری "محبت و دردمندی" موجود تھی۔ مگر وہ رعد اندازی اور برق پاشی و شعلہ افشانی نہ تھی۔ ممکن ہے کہ اگر ان مین یہ صفات ہوتین تو ہم جو ان کو اچھی طرح سے جانتے اور محبت کرتے تھے، ان سے کم محبت کرتے۔ کیونکہ ان کی نیکی کی شرافت ہی ایسی چیز تھی جسنے ان مین عجیب و غریب دلکشی، دلفریبی پیدا کر دی تھی۔

ضیاء الدین احمد برنی

(مسٹر سی۔ آر۔ داس کی ساگر سانگیت کا ترجمہ)

نمبر ۷۶

اُف اتنی مدت تک عبادت اور سر توڑ کوشش کرنے کے بعد یہ دو پھول - ن
یعنی تیری آنکھین کھلی ہین - اور سجدہ نیاز مین ہر طرف تیرتی ہین - ان آنکھون مین آسما
سماگیا ہے اور اُچھلتی ہوئی لہرون پر دل کے یہ نئے نئے غنچے تیرے عشق سے سرمست
بھجنون سے بن نکلے ہین -

یہ لگاتار گہری اور متانت آمیز دھن سنکر آسمان پر ہیبت طاری ہوتی ہے اسوقت
اُسوقت کی طرح جب رقص عظیم ہو رہا تھا دنیا گھور گھور کر دیکھ رہی تھی -

وہ بگل بجا - اور خلا مین ارغنون باجون کی صدائین باہم دیگر ٹکرا رہی ہین دنیا
مین اس ساز کے ساتھ ایسا دلدوز ڈھول آجتک نہین بجا -

صبح کی آزاد ہوائین مستی مین رقص کرتی میری روح کے گرد گھومتی اور اسکو
اپنے ہاتھون سے چھیڑتی ہین - اور اس محویت کے عالم مین جو حمدیہ ترانے گاتے
جاتے ہین ان کی صدا میرے کاشانۂ روح مین نزول فرما ہوگئی ہے اور میری آرزون
کے پھول میری طرف سے خدا کی جانب منہ پھیر کر کھل رہے ہین -

آج میرا دل خدا کی تلاش مین دیوانہ ہو رہا ہے - میرے سرور قلب کی یہ کیفیت
ہے - تو اسکو چاہے پہچانے چاہے نہ پہچانے مجھے کچھ واسطہ نہین - تو [illegible] جایا سکر
رہ کچھ پروا نہین -

اے میری روح کے پیمانہ لبریز کرنے والے اے عبادت گذار تو ہمیشہ نئے نئے

[1] سلسلے کیلئے زمانہ بابت ماہ ستمبر ۱۹۲۵ء ملاحظہ ہو

ترانے اور نئے نئے گیت گانے جا اور عشقِ آلہی وخداراسی کی جدوجہد کیلئے ابھی اور قدحیات رہ۔

(نمبر ۷۷)

ہان آج اس سمت نور ہی نور چھایا ہوا ہے۔ اور تیرے اُس ساحلِ بعید پر تاریکی لنگر انداز ہے۔ میرا دل تیری پرشور موجوں مین بہتا ہوا وہان چلا جارہا ہے اُس دوردراز مقام پر کوئی چیز گرج پیدا کر رہی ہے۔ مجھے یہ خبر نہین ہے۔ آخر اسکے زیروبم سے کیا شروع ہورہا ہے۔

تیرے ساحل پر روشنی پاش زن ہے یا تاریکی محو ترنم؟ مین اسطرف جاکر اس بات کا پتہ لگاؤنگا۔ میری آنکھین دیکھین گی۔

میری روح اُس ساحل بعید پر نہایت مستعدی کے ساتھ روشنی کے گیت یا تاریکی کے راگ دونون مین سے کسی ایک کو سنے گی۔

اس سمت کے راگ تو سب مجھے معلوم ہین انکی ہر ایک دھُن میرے دل نے یاد کرلی ہے۔ اُس ساحل بعید پر جاکر مین اُن راگون کے یادگار ہار تیار کرون گا۔

اے بحرِ اعظم۔ تو مجھے اس درازِ منقسم اور شورش انگیز صدا کے اُس سمت لیجاکر پہنچا دے

(نمبر ۷۸)

اُس ساحل پر تیرا صوفیانہ چراغ جگمگا رہا ہے۔ مگر اس ساحل پر صبح یا شام کسی نے کبھی ایسا چراغ نہین روشن کیا۔

کیا وہان وہ لافانی۔ جادوانی راگ چھڑا ہوا ہے۔ جو دنیا کے کسی ساز سے نکلتا ہوا کبھی نہین سنا گیا۔

کیا اُس ساحل پر بھی میری طرح کوئی ایسی ذات جلوہ گر ہے جو اُن اثرات کی آمد مین کہ روح پر ایک نامعلوم طریقے سے پڑا کرتے ہین۔ بیقرار و بیتاب ہورہی ہو۔ کیا یہ نور میرے دل کا مقصد ہے۔ جسکی جگمگاہٹ پر کوئی اور تجلی فوقیت نہین پاسکتی مجھے تیری ذات طلسمی کی جستجو ہے۔ جو "نورِ اعلیٰ نور" اور "کل" ہے۔

اے قادر قوم۔ میری آرزو نہایت زبردست ہے۔ میرے دلمین ارمانون کا بڑا جوش ہے۔ مگر اُن ارمانون کی تشفی کا سامان ہنوز مہیا نہین ہوا۔

اُف تو اپنی گہری اور ناقابل اندازہ سکوت آمیز نیند مین میری ذات کو محو کر دے یا اُس سمت لیچل جدہر میرا ابھی تک گذر نہین ہوا۔

کیا وہان میری امید کا خواب مقصود میرے ہاتھ نہ آجائیگا۔ اور کیا میری مایوس اور پژمردہ روح بشاش و دولت مراد سے مالامال اور فراخ نہ ہو جائیگی۔

نمبر ۹

کہان یہ ساحل! اور کہان وہ ساحل! اُف مین تھک گیا۔ ہاتھ پانون چھوٹے جاتے ہین۔ یہ دونون ساحل بے جان ہو گئے۔ مجھے اس مقام سے نکال لے اور وہان لیچل جہان تیرا کوئی ساحل ہی نہین ہے۔ میری روح سراسیگی کی حالت مین ادہر اودہر منڈلا رہی ہے اور اُسکو تیری اُس کثرت مین سکون حاصل ہو سکتا ہے۔ جہان تو کسی پشتے سے محدود نہین ہے۔

میرے جزو ظاہری پر گہری تاریکی چھائی ہوئی ہے اور قلب جفاکش ایک وحدت خیز خاموشی کے زیر اثر ہے۔ زبان بند ہے منھ مین کیل دی ہوئی ہے۔

اور مین زار و قطار رو رہا ہون۔ مگر آنکھون سے ایسے آنسو نہین بہتے ہین جنسے انکی تسلی کا سامان مہیا ہو جائے۔

لے تاجدار عالم اسرار۔ مین تیری تلاش مین دیوانہ ہو رہا ہون۔ کیا مین نے تجھے کرورون چشمون مین تلاش نہین کیا۔ کیا اُن مقامات مین جہان صدائے مطربانہ خواب دیکھتی ہے۔ انوار حیرت خیز و تاریکی سکوت آمیز سے مسحور مین نے شب و روز تیری جستجو نہین کی۔

اے ناخدائے باقی۔ اے دوست نادیدہ تو مجھے آغوش مین لیکر اپنی ذات بے پایان مین وصل کر دے۔

بشیشور پرشاد منور لکھنوی

جناب عزیز لکھنوی

جناب عزیز لکھنوی، دور حاضرہ کے ایک زبردست شاعر اور لکھنؤ کے مشہور ادیب ہین، آپ کی شاعری اس درجہ پر پہونچ چکی ہے کہ اب کسی تنقید و تبصرہ کی محتاج نہین، آپ جملہ اصناف سخن مین کامل دستگاہ رکھتے ہین، لکھنؤ کے علاوہ اُن مقامات مین بھی آپ کی شاعرانہ کمالات کی دھوم ہے جہان اردو ادب کی قدر ہے، آپکے بعض مدّاح آپ کو دنیائے شاعری مین امامِ وقت کا درجہ دیتے ہین، لیکن بعض سخن سنج احباب آپکی شاعری پر معترض بھی ہین، اور اختلاف مذاق کی بنا پر مخالفت کرتے ہین، بعض حضرات کے نزدیک عزیز صاحب کی شاعری اسوجہ سے قابل التفات نہین کہ وہ لکھنؤ کے رہنے والے ہین، اور لکھنؤ کا مذاق شاعری نہایت پست ہے،

لکھنؤ اور دہلی کی بحث بظاہر امیر و داغ کے ساتھ ختم ہو چکی تھی لیکن اب دہلی شاعری کے اعتبار سے لکھنؤ کی حریف نہین رہی، لیکن کچھ لوگ ایسے ہین جو اب بھی وہی پُرانا گیت گائے جاتے ہین، چنانچہ دار المصنفین اعظم گڈھ سے آجتک جتنی کتابین شعر و سخن کے متعلق شائع ہوئی ہین ان سب مین اس ناگوار بحث کا سلسلہ موجود ہے۔

یہ ہمین بھی تسلیم ہے، کہ مذاق شاعری کے اعتبار سے لکھنؤ کی شان تغزل بہت ممتاز نہین لیکن اُسے ننگ ادب سمجھنا بھی زیادتی ہے۔ آتش کی شعلہ بیانیان قیامت تک دلونمین آگ لگاتی رہینگی، تعشق کے اکثر اشعار پر اردو شاعری حشر تک فخر کرتی رہیگی۔ ہان ناسخ اور انکے متبعین نے بندش مضامین و صحت زبان کے خیال مین مذاق شعری کا خون کردیا، اور سچ پوچھئے تو خرابی کی بنیاد یہین سے پڑی

دہلی مین بھی شاہ نصیر نے بدمذاقی کا سنگ بنیاد رکھا تھا لیکن ان کے شاگردون نے انکی

پیروی نہ کی۔ اور انکے معاصرین نے بھی بے التفاتی سے کام لیا ورنہ دہلی کی شاعری کا بڑا حصہ لفظوں کا طلسم بن کے رہجاتا، آخر بیجا لفاظی وقافیہ پیمائی کا یہ نتیجہ ہوا کہ شاہ نصیر کی شاعری نقش باطل کی طرح مٹ گئی اگر مولنا حسرت موہانی توجہ نہ فرماتے تو انکا دیوان طاق نسیان ہی پر دھرا رہتا،

لکھنؤ کے شاعرانہ مذاق پر ناسخ اور انکے متبعین کا اثر ضرور برا پڑا لیکن ابتذال مذاق کا سارا الزام انھین کے سر نہین رکھا جا سکتا بلکہ لکھنؤ کے عیش پرست فرمانرواؤن کا طرز عمل بھی اس جرم مین شریک تھا، بادشاہ وقت کی عیش پرستی دیکھکر رعایا بھی اسطرف جھک پڑی، شاعرانہ خیالات مین ہوا و ہوس کے جذبات شریک کئے گئے۔حسن وعشق کی معاملہ بندی کھلے کھلے الفاظ مین کیجانے لگی۔ مبتذل اور سوقیانہ خیالات تہذیب کا جزو اعظم قرار پائے۔ لیکن یہ بہار چندروزہ تھی، ثروت بدلتے ہی عیش وعشرت کا دور ختم ہوگیا۔ حالات بدل گئے البتہ خیالات برقرار تھا انکا وہی رنگ رہا، شعرا اسی زبان وبیان کو جان شاعری سمجھا کیے۔

غرض ناسخ پارٹی کی بدمذاقی اور فرمانروایان اودھ کی عشرت پرستیون کا اثر لکھنؤ کو ایسے اسنے پر لگا گیا کہ لکھنؤ کی شاعری ایک عجیب چیز بنکر رہگئی، تصنع تکلف اور لفظی رعایتون کی بھرمار ہوگئی، رفتہ رفتہ اگرچہ یہ اثر کم ہوتا گیا لیکن بالکل زائل نہ ہوسکا حتی کہ امیر جیسا صوفی مزاج شاعر بھی اس الزام سے اپنا دامن نہ بچا سکا۔

اس دور کے بعد وہ دور آیا جس کے دامن مین عزیز جیسا نامور شخص پیدا ہوا، اس دور مین لکھنؤ کا رنگ بدل رہا تھا بعض روشن خیال شعرا نے مذاق کی درستی پر توجہ مبذول کی، اور اس کا نتیجہ معیار پارٹی کی شکل مین ظاہر ہوا، اسکے بانی بقول جناب فرخ کانپوری، منشی آغا ابو مرحوم تھے۔عزیز صاحب اس پارٹی کے ایک رکن تھے، قدرت نے آپ کو ازل ہی من مذاق سلیم عنایت کیا تھا، اسلیے آپنے فن سخن مین ایسی غیر معمولی ترقی کی کہ آج انکی ذات لکھنؤ کیلیے سرمایۂ افتخار ہے۔

اسوقت رسالہ معیار کے پرچے پیش نظر نہین ورنہ مین دکھاتا کہ معیار کے شاعرانہ

مین عزیز صاحب کی نواسنجیان کیا درجہ رکھتی تھین، گو تقابل و تنقید میرا مقصد خاص نہین تاہم مین دو مطلعے پیش کرتا ہون جنمین سے ایک کسی اور صاحب کا ہے اور دوسرا عزیز صاحب کا انکے تقابل سے اندازہ ہو جائیگا کہ عزیز صاحب ابتدا ہی سے اپنی مشق کو کس طرف لیجا رہے تھے،

وہان زلفون مین شانہ ہو رہا ہر خم نکلتا ہو ۔۔۔ یہان رگ رگ سے کھنچ کھنچ کر ہمارا دم نکلتا ہے

عزیز ۔۔۔ کھڑے بالین پہ وہ ہنستے ہین اپنا دم نکلتا ہو ۔۔۔ بُرے وقت اے فلک کوئی کسی کا کم نکلتا ہے

دونون کی تخئیل ایک ہے، مگر انداز بیان نے ایک کو دوسرے سے بالکل الگ کر دیا ہو ایک نے تصنّع اور تکلف مین پڑ کر ایسی بال کی کھال کھینچی ہے، کہ تخئیل اپنا پورا رنگ نہ دکھا سکی لیکن دوسرے نے تصنع سے الگ ہوکر، ادائے مفہوم کے لیے، صاف و سادہ انداز بیان اختیار کیا ہے جو دل مین اُتر جاتا ہے، ایک نے ناسخ اور امانت کی کچھ کچھ لاج رکھی ہے مگر دوسرے نے میر کے دامن مین پناہ لی ہے، بہرحال باوجود ہمجنسی تخئیل کے دوسرا مطلع پہلے سے بدرجہا بہتر ہے، عزیز صاحب کی اس غزل کا دوسرا مطلع بھی ملاحظہ ہو،

تمنا وصل کی بھی جبکو سمجھے دم نکلتا ہے ۔۔۔ یہی ارمان ہے جو زندگی مین کم نکلتا ہے

یہ مضمون اس سے بہتر الفاظ مین ادا ہو نہین سکتا،

بزم معیار نے تبدیلیٔ مذاق کے لیے شعر مین سوز و گداز پیدا کرنیکی کوشش کی اور واقعی یہی ایک صورت تھی۔ جس سے موجودہ مذاق سخن کی خشکی اور بے اثری دور کیجا سکتی تھی، چنانچہ اس جماعت نے ہر طریقے سے کلام مین تاثیر پیدا کرنا شروع کی، لیکن افسوس مذاق کی خشکی دگ رگ مین سرایت کر چکی تھی، نتیجہ یہ ہوا کہ تصنع کا رنگ پیدا ہو گیا لیکن یہ طرز تصنع بھی پہلے طرز تصنع سے بدرجہا بہتر تھی۔

حقیقتاً دل مین درد ہوتا تو کلام مین سوز و گداز پیدا ہوتا مگر بیان تو دلمین ٹیس بھی نہ تھی آخر بیمار کی طرف نظر گئی، اور جانکنی کی کیفیات نظم ہونے لگین، اسمین شک نہین کہ یہ کیفیات پر اثر ہوتی ہین، لیکن سچ پوچھیے تو انمین روح نہین، یا یون سمجھیے کہ یہ کیفیات آپ بیتی سے تعلق نہین رکھتین، اسی لیے زیادہ موثر بھی نہین،

اس تاثیر انگیزی کی وبا ایسی پھیلی کہ ہر شاعر نے اسکی تقلید کی، ہر غزل مین بیمار غم کے

متعلق دو چار شعر کا ہونا لازمی قرار پاگیا اور ساری تاثیر آفرینی نزع، موت، جنازے ہی تک محدود ہوگئی،

اس عالمگیر خیال کا عزیز صاحب پر بھی اثر ہوا اور ہونا بھی چاہیئے تھا۔ اسلیئے کہ اسی سوسائٹی مین نشو و نما پا رہے تھے پھر اپنے ہمصفیرون کی آواز مین آواز نہ ملاتے تو سنتا کون، لیکن موصوف نے اس تاثیر آفرینی مین بھی اپنا کمال شاعری دکھا دیا اور بعض شعر ایسے لکھ دیے، کہ وہ اس صورت مین بھی غیر فانی ہین، مثلاً

صد شکر کہ مجھ پر کوئی الزام نہ آیا | یہ کہکے سرہانے سے وہ بیمار کے اوٹھے

اک جان ہے سو وہ بھی کہین ہو کہین نہین | کوئی مریض غم کا دم واپسین نہین

شاید یہ شعر بھی انھین کا ہے۔

اک طرف بیمار غم کچھ کہہ کے غافل ہوگیا | اک طرف کچھ سوچ کر رونے لگے تیمار دار

اردو کی بدقسمتی سے اس قسم کے مضامین، بہت پسند کیے جاتے ہین اور بخصوص مشاعرون مین تو ایسے ہی شعر خراج تحسین وصول کرنے مین کامیاب ہوتے ہین، ابھی دو مہینے کی بات ہے، اناؤ مین ایک مہتم بالشان مشاعرہ ہوا تھا، جسمین مجھے بھی شرکت کا موقع ملا، اس مشاعرے مین عزیز صاحب محشر صاحب وغیرہ بھی لکھنؤ سے تشریف لائے تھے، لکھنؤ کے بعض ایسے شعرا بھی شریک تھے جو قریب قریب شعر گوئی ترک کر چکے ہین، وہان مجھے اس قسم کے اکثر شعر سننے کا اتفاق ہوا، ہر شاعر کی کوشش ہوتی تھی کہ وہ تاثیر آفرینی کی دھن مین بیمار کے متعلق دو ایک شعر ضرور پڑھے، چنانچہ ایک صاحبزادے نے ایک پُر اثر مطلع پڑھا تھا، ملاحظہ فرمایئے۔

آ نیو اے جلد آ یہ آخری آواز ہے | نزع کی ہچکی مین پوشیدہ ابھی تک راز ہے

آخری آواز، پر بقول شخصے مشاعرہ جاگ اُٹھا اور چھتین اُڑنے لگین، لکھنؤ کے بعض ارباب سخن نے اسقدر پسند فرمایا کہ یہ مطلع پانچ سات مرتبہ پڑھوایا گیا، لیکن افسوس میرے دل پر اس آخری آواز کا کوئی اثر نہ ہوا۔ بہر حال لکھنؤ کے اور شعرا اسی تاثیر آفرینی مین مصروف رہے لیکن عزیز صاحب فلسفہ۔ الہیات۔ نفسیات۔ کی طرف متوجہ ہوئے اور ایسے ایسے

شعر نکالے کہ شور تحسین سے دنیا ادب گونج اٹھی لسان العصر جناب اکبر الٰہ آبادی مرحوم کا یہ شعر عزیز صاحب کی شاعری کے بے تعلئے امتیاز ہے۔

سخن میں اور تو اہل تمیز ہی ہیں فقط — شہید جلوۂ معنی عزیز ہی ہیں فقط

صلائے عام دہلی کے قابل فاضل اڈیٹر (جو ادب اردو میں بہت سخت گیر واقع ہوئے ہیں اور اپنے مقابلے میں بہت مشکل سے کسی کو ادب اردو کا ماہر سمجھتے ہیں) رسالہ صلائے عام کے کسی پرچہ میں عزیز صاحب کے اس شعر پر مختصر سا تبصرہ کیا ہے جسکا ایک مصرعہ مجھے یاد رگیا ہے

ہوش اُڑ گئے ہیں ایک سنہری لکیر سے

مدیر صلائے عام نے اس شعر کو بہت پسند فرمایا ہے، میں کہتا ہوں یہ تخیل نہیں اعجاز شاعری ہے، بجلی کو، سنہری لکیر سے تشبیہ دینا، بالکل نئی بات ہے، اور پھر واقعیت سے کسقدر رو دوش بدوش ہے

طور و موسیٰ کی داستان کو شعرا طرح طرح سے باندھتے چلے جاتے ہیں، مگر سچ یہ ہے کہ اس سے بہتر اسلوب بیان ممکن نہیں، افسوس کہ پورا شعر یاد نہیں، ورنہ ناظرین کو بھی وہ لطف آجاتا جو مجھے آرہا ہے۔

قدرت نے عزیز صاحب کو ایک ایسے گرٹے ہوئے مذاق کی اصلاح سپرد کی تھی جو شاعری کے لیے باعث ننگ ہو رہا تھا، اب تک انکی ساری ادبی کوششیں، اسی اصلاح و درستی میں صرف ہوری ہیں ورنہ دنیا میر و غالب کے حقیقی جانشین کو دیکھ لیتی، تاہم عزیز صاحب نے جہاں میر و غالب کی تقلید کی ہے، بہت زیادہ کامیاب ہوئے ہیں، ممدوح کا گلکدہ ملاحظہ فرمائیے، ہم یہاں صرف دو ایک شعر لکھتے ہیں،

شب فرقت اسی حسرت میں گذری — ہمیں بھی نیند آتی ہم بھی سوتے
عزیز اب ضبط سے بھی کام لے کچھ — ارے مر جائیگا کیسا روتے روتے

ظالم تری گلی میں مرے بعد جو گیا — وہ یاد کرکے وقت مرا مجکو رو گیا

شیشۂ دل کو یون نہ اُٹھا ؤ دیکھو ہاتھ سے چھوٹا ہوتا ہے

اللہ اللہ رے سلیقہ ترا اے شعلۂ طور کس طرح تو نے چھپایا ہے نمایاں ہونا

ہے ناشکیبیٔ دلِ مضطر کا کیا علاج ما نا وہ میرے حال سے غافل نہین رہا

با اینہمہ عزیز صاحب کی غزلون مین اُس مذاق کے شعر بھی نظر آتے ہین جنہین اُنھون نے نشو و نما پائی ہے مثلاً

دلمین کچھ سوچ کے اندازۂ تاثیر بہار پھینکدی لے کے مرے ہاتھ سے تصویر بہار

گرمیٔ حسن سے کھنچ آئی ہے تاثیر بہار یہ پسینہ ہے کہ ہے روغن تصویر بہار

اس مذاق کے شعر عزیز صاحب جیسے سخن سنج کے لیے باعث فخر نہین ہو سکتے، دنیاے ادب انکی زبان سے اُن الہامات شاعری کے سننے کی مشتاق رہتی ہے جنکو سُنکر مخالف بھی انکی شاعری پر ایمان لانے کے لیے طیار ہو جائین،

عزیز صاحب کی عمر اسوقت چوالیس برس کی ہے ان کی ابتدائی غزلون کا مجموعہ گلکدہ کے نام سے شایع ہو چکا ہے، جسکے شروع مین چودھری رحم علی ہاشمی نے موصوف کے حالات تحریر کیے ہین اُس کے بعد غزلونکا کوئی مجموعہ اب تک شائع نہین ہوا، اب جو مجموعہ شایع ہوگا یقیناً وہ گلکدہ سے بہتر ہوگا اور اسمین ہزارون تیر و نشتر ہونگے، اس غیر مطبوعہ مجموعے کا یہ شعر ملاحظہ ہو ایسے نشتر ہون تو کیون نہ دلمین جگہ دیجائے۔

ہاتھون سے مرے دامنِ رحمت چھڑانے والے ہان ہان یہ جانتا ہون کہ تقصیر ہو گئی

اعظمی کانپور

ہم ذیل مین عزیز صاحب کا وہ شعر درج کرتے جسکا ایک مصرع جناب اعظمی نے لکھا ہے، اڈیٹر،

دعویٰ تو تھا بہت اَرِنی گوئے طور کو ہوش اُڑ گئے ہین ایک سنہری لکیر سے

شادی

از لسان الہند مولانا عزیز لکھنوی

شادی کہ جسکے رنپہ مُت کا رنگ ہے شادی کہ جسکے دلمین طرب کا اُمنگ ہے
وہ مایۂ سرور چمن جس کا پُر بہار ساغر مین جسکے ہے مئے سرجوش خوشگوار
بتلا رہی ہے آدم و حوا کا ارتباط یہ فطرتی علاقہ ہے سرمایۂ نشاط
دامانِ سود مند ہے ہر درد کے لیے عورت ہے ایک حسن حصین مرد کیلیے
آراستہ کیا ہے جہانگیر نے جو باغ روشن کئے ہین نورجہان نے وہان چراغ
چھیڑا ہے اسکے سوز نے جب ساز کائنات اسکے پریم مین تھا نہان راز کائنات
راجہ ہریشچندر کا اور شیبیا کا میل ڈالی ہے جسنے رسم محبت کی داغ بیل
ہے اک اسی طلسم مسرت کا شبدا جسکا زبانِ خلق پر افسانہ رہ گیا
ل اور دمن مین جوشِ محبت یہی تو ہے سیتا مین اور رام مین الفت یہی تو ہے
ہے بزمِ انتخاب کا دفتر کھلا ہوا ایوان مین ہے اسکے سوئمبر رچا ہوا
جوشِ وفا مین راحت و آرام تج دیا سیتا نے کسکے شوق مین بن باس لے لیا
جذبِ کمال جوش محبت دکھا دیا وہ سوز تھا کہ پاربتی کو جلا دیا
ساوتری کے دوش محبت پہ ستوان دیکھے تو کوئی مہر و وفا کی یہ آن بان
جذبِ کرشن حوصلہ افزائے شوق ہے دل رُکمنی کا انجمن آرائے شوق ہے
ساغر مین اسکے گردش صد آفتاب ہے چہرہ پر اسکے غازۂ جوش شباب ہے
ایوان مین ہین اسکے گلستان کھلے ہوئے یہ جوشِ اتحاد کہ دل ہین ملے ہوئے
ساتون سنگار سے ادھر آراستہ کوئی دل آئینہ کئے ہوئے پیراستہ کوئی

لسان الہند مرزا محمد ہادی عزیز لکھنوی

عہدِ وفا پہ دونوں کمر ہیں کسے ہوئے　　گلہائے نو بنو سے ہیں بستر بسے ہوئے
نازو ادا و غمزہ میں دھوم اک مچی ہوئی　　آنکھوں میں سرمہ ہاتھوں میں مہندی رچی ہوئی
عفت رگوں میں جسکی شرافت کا خوں رواں　　گھونگھٹ حیا نے جس میں بسائی ہیں بستیاں
تاروں سے بجلیوں کے ردا ہے بنی ہوئی　　عارض میں چاند ماتھے پہ افشاں چنی ہوئی
آنکھوں میں رس ہے رس میں مہکتا ہوا شباب　　رخ پر عرق عرق میں چھلکتا ہوا شباب
بار حقوق ازل سے رکھا اسکے دوش پر　　پاکیزگی نسل کا سہرا ہے اسکے سر
قدرت نے اس لڑی میں ہزاروں گہر بھرے　　یہ وہ صدف ہے جس میں ہیں سچے گہر بھرے

ثابت ہوا اسی سے نجابت کا افتخار
ملتا ہے آج اسی سے شرافت کا افتخار

عزیز (لکھنوی)

سرس کے پھول

وہ بھینی بھینی مہک ہے سرس کے پھولوں میں　　نسیم صبح نکلتی ہے بس کے پھولوں میں
شباب موسم گرما کی جان ہیں یہ پھول　　انھیں نصیب ہے خوشبو سے رنگ حسن قبول
رخِ سپید پر ان کے نگاہ شیدا ہے　　کہ جن میں ہلکی سی سبزی کا رنگ پیدا ہے
یہ پھول کیا ہیں؟ سراپا ہیں دستۂ رگِ گل　　پئے نظارہ ہے درکار دیدۂ بلبل
یہ نرم نرم عروسِ بہار کے ہیں چنور　　جگہ ملی ہے جنھیں سبز سبز شاخوں پر
لطافت انہیں سمائی ہے رنگ و بو بنکر　　بسی ہے نازکی رگ رگ میں انکی خو بنکر
گہر فشانیٔ شبنم بھی ان کو ہے بار　　گراں ہے انکی نزاکت پہ موجِ بادِ بہار
بسانِ تارِ رگِ گل ہیں ڈنڈیاں ان کی　　جواب موئے حسیناں ہیں پتیاں ان کی

ضیا فروز نظر ان کا روئے صافی ہے
یہ گل نہیں ید قدرت کی موشگافی ہے

(بہاری)

میری شاعری

نہین کچھ بھی حصولِ گریۂ بے مدعا احسن — عبث دیتے ہین یہ الزام میرے ہمنشین مجکو
مجھے بھی تذکرہ منظور ہے عیش و مسرت کا — مگر فرصت بھی دے جب یہ دلِ اندوہگین مجکو
کہان سے لاؤن وہ مے جو نہین اب میرے شیشے مین — بڑی حسرت سے یاد آتا ہے دورِ اولین مجکو
حقیقت یہ کہ کیسی شاعری کیسی سخن سنجی — کیا کرتی ہے رسوا شورشِ قلبِ حزین مجکو
نہ نسبت ہے تکلف سے نہ ذوقِ بادہ آشامی — پھر اُس پر یہ ستم گانے کی بھی عادت نہین مجکو
اثر ہوتا ہے مجھپر حسن کا کھنچتا ہے دل میرا (ق) — پیامِ شوق دیتی ہے نگاہِ شرمگین مجکو
مگر فرضی محبت اور خیالی موہنی مورت — کسی صورت سے بھی بیتاب کر سکتی نہین مجکو
تکلف سے اثر پیدا کر دن یہ غیر ممکن ہے — ازل ہی مین ملی تخئیل تاثیر آفرین مجکو
خیالی وصل و فرقت کا اثر مجھپر نہین ہوتا — کبھی آتا نہین فرضی تصوف کا یقین مجکو
مجھے بیمارِ غم کی جان کا رونا نہین آتا — نہ کر سکتی ہین فرضی ہچکیان اندوہگین مجکو
نہ جام و مے کی فرضی داستان سے مجکو نسبت ہے — نہ کر سکتا ہے بیخود ساقیٔ ناز آفرین مجکو
مگر اظہار کرتا ہون مین اپنے دل کی کیفیت — نہ فکرِ عیب جو مجکو نہ خوفِ نکتہ چین مجکو
مین رو لیتا ہون جب جی چاہتا ہے میرا رونیکو — بناوٹ کی ہنسی بھولے سے بھی آتی نہین مجکو
ہنسی آتی ہے جب مجکو تو روکے سے نہین رکتی — رُلا سکتی نہین کوئی تمنائے حزین مجکو
غرض مین شاعری مین اپنے دلکا حال کہتا ہون — کہین جو چاہین ارباب معانی آفرین مجکو
یہ آنسو ہین جو مضمون بنکے نکلے ہین مرے دل سے — یہ نالے ہین جو کرتے رہتے ہین اندوہگین مجکو
مجھے معذور سمجھین اہل دانش فکر رنگین سے — دیا ہے سوزِ غم نے ذوقِ آہِ آتشین مجکو
سنبھالو اپنا اپنا دل کہ اب مین نالہ کرتا ہون — اجازت ضبط کی دیتا نہین قلبِ حزین مجکو

ستاتا ہے فلک مجکو مٹاتی ہے زمین مجکو
مگر پھر بھی نہین ہے اپنے مٹنے کا یقین مجکو

رشحات ریاض

از فکر تازہ لسان الملک حضرت ریاض

اب بادہ کس مین ہے، چشمک باہم ہوتی ہے — میری آنکھ مین آنسو ہے، تیری کان مین موتی ہے

شمع فسردہ بجھتی ہے، سونی محفل ہوتی ہے — حسرت بیٹھی قسمت کو اب جان کو بیٹھے روتی ہے

موتی سی وہ آب کہان آنسو کالا موتی ہے — شاید میری ہجر کی شب منہ کی سیاہی دھوتی ہے

میری آنکھ کا تارا ہے، آنسو میری قسمت کا — قسمت کو مین روتا ہون، قسمت مجکو روتی ہے

زخم جگر کی بخیہ گری اب ہے مژہ کی سوزن سے — حق مین ہمارے بڑھ بڑھ کر اور یہ کانٹے بوتی ہے

ساحل تہ سے دور ہوا، تہ ساحل سے دور ہوا — قسمت قعر سمندر مین کشتی آج ڈبوتی ہے

دل پر نقش مہر و وفا دو دن کی تو بات نہین — کوئی بھی ہو دل مین جگہ ہوتے ہوتے ہوتی ہے

کعبے سے آکر شیخ حرم نام نہ لے پھر جانے کا — آؤ بھگت میخانے مین زاہد اتنی ہوتی ہے

جان چھڑانا مشکل ہے ظالم آج قیامت کو — تیری چال کے فتنون نے کیسی آفت جوتی ہے

پی پی کر مین روتا ہون رو رو کر مین پیتا ہون — داغ جو کوئی پڑتا ہے تو بہ دامن دھوتی ہے

پرخم زلف کو سودا ہے، دل کم ہوتے جاتے ہین — سب کے دل لے لیکر کچھ اور گرہ سے کھوتی ہے

ہاتھ پر اپنے ہاتھ دھرے حشر کے دن چپ بیٹھا ہون — اشک ندامت منہ دھوتے ہین، توبہ دامن دھوتی ہے

حد سے بڑھی تاثیر جنون سر تا پا تصویر جنون
شکل ریاض اب دیکھیں کیا، دیکھ کے وحشت ہوتی ہے

عارفِ کامل

(شریمد بھگوت گیتا یعنی کرم یوگ شاستر کے دوسرے ادھیائے کے آخری ۱۹ اشلوک کا لفظی ترجمہ)

خواہشین دلسے مٹا کر جو ہوا خود آشنا ۔۔۔ عارفِ کامل جہان مین اوسکو کہنا ہے روا
جو دکھی دکھ سے نہو سکھ سے نہو جسکو خوشی ۔۔۔ جسنے چھوڑا۔ چاہ۔ غصہ۔ خوف۔ عارف ہے وہی
جسکو ساری باتین اچھی یا بری ہین ایک سی ۔۔۔ (ن) جو برائی یا بھلائی سے نہو نالان نہ شاد
جسکو حاصل ہوگئی اس دہر مین آنی سمجھ ۔۔۔ چاہیے کہنا اوسے یکسوئی سے ہے بامراد
جسطرح لیتا ہے کچھوا اپنے اعضا کو سکوڑ ۔۔۔ پھر یکسوئی یو ہین منہ نفس سے لیتے ہین موڑ
نفس مین کمزوری آتی ہے نہ کھانیکے سبب ۔۔۔ (ق) لیکن اوس سے غیر ممکن فکر نفسانی مٹے
ہوگیا پرماتما کا گیان جسکو دہر مین ۔۔۔ اوسکے فکر و نفس دونون خود ہی زائل ہوگئے
خواہشونکو زیر کرنیکی اگر کوشش کرین ۔۔۔ توبھی جبراً مضطرب کرتی ہین دلکو خواہشین
اسیلئے قابو مین رکھنا خواہشون کو لازمی ۔۔۔ ہوگئین گر خواہشین قابو مین یکسوئی ہوئی
خواہشونکی فکر کرنیسے بڑھین گی خواہشین ۔۔۔ (ق) پھر یہ خواہش ہوگی خواہش پوری ہونی چاہیئے
خواہشونکے پورے ہونے مین اگر آیا خلل ۔۔۔ اوس سے غصہ آئے گا شک کون اسمین کرسکے
غصہ جب آیا تمیز نیک و بد جاتی رہی ۔۔۔ اور پھر سارے حواس و ہوش پران ہوگئے
ہوش جب جاتا رہا۔ تو عقل زائل ہوگئی ۔۔۔ عقل جب زائل ہوئی انسانیت کیسے رہے
دل ہے قابو مین سے ہے اپنے نفس جسکی زیرِ ران ۔۔۔ نفس و دل کچھ بھی کرین۔ ہر حالمین ہے شادمان
شاد جو رہتا ہے اوسکو دکھ نہین ہوتا کبھی ۔۔۔ دل ہوا جب مطمئن۔ یکسوئی حاصل ہوگئی
جو کوئی مرقوم بالا یوگ کا عامل نہین ۔۔۔ اعتقاد و عقل مین کب پختگی آئے نظر
پختگی جبتک نہو۔ ہو خاک اطمینانِ قلب ۔۔۔ مطمئن جبتک نہو دل۔ خاک سکھ پائے بشر

عقل کو ٹھوکر کھلاتی ہین ہمیشہ خواہشین　　جسطرح کھاتی ہین چکر کشتیان گرداب مین
خواہش نفسانی سے جس شخص کا دل ہو بری　　اوسکو اے ارجن سمجھ یکسوئی حاصل ہو گئی
جبکہ سب سوئین یہ ہو عارف خواب سے نا آشنا　　جس گھڑی سب جاگتے ہین جاگتا ہے رات وہ
چار جانب سے چلے آتے ہین دریا بحر مین (ق)　　چاہے جتنا پانی ہو طغیانی ہوتی ہے کہین
ترک خواہش سے یوہین ملتا ہے اطمینان قلب　　نفس کے بندے کبھی ہون مطمئن ممکن نہین
حرص غصہ۔ آرزو سے ہو گیا ہے جو بری　　دہر مین ملتی ہے اے ارجن اوسی کو شانتی
ہے فنا فی اللہ اے ارجن اسی حالت کا نام　　جو رنگا رس رنگ مین ہر موہ مین پھنستا کبھی
وقت مردن بھی یہی حالت رہیگی بالیقین　　ہو کے واصل "ذات" مین پاے نجات دائمی

(ترجمہ)　　پنڈت پرتھوی پال مصر۔ عاشق لکھنوی

گیتا

گفت آن محرم اسرار نہان خانۂ دہر　　کاندرین عالم ایجاد بقا در عمل است
گر بمیدان عمل جان بدہی زندہ شوی　　زانکہ اثبات تو و نفی فنا در عمل است
بے عمل فکر حکیمانہ نفاق است و شقاق　　معدن گوہر اخلاص و صفا در عمل است
کار کن کار کہ فارغ شوی از کار جہان　　دولت عشرت جاوید دلا در عمل است
بے عمل زیست محال است ز روے فطرت　　راز سربستۂ تقویم شما در عمل است
قول ہادی ست بہر شیوہ دلیل رہ ما　　لیک سرچشمۂ انوار ہدے در عمل است

علم ہم گرچہ بود وصف بلند انسان
پیش ارباب خرد قرب خدا در عمل است

میر ولی اللہ

لسان الہند مولانا عزیز لکھنوی

(از جناب تسکین قریشی سوردنی)

ہر اہل دل ہے، دل و جان سے مدح خوانِ عزیز
زہے کلامِ عزیز و خہے بیانِ عزیز

حدیث سوزِ نہانی جو تمکو پڑھنا ہے!
تو پڑھ کے دیکھ لو دیوانِ دلستانِ عزیز

غم و الم کا مرقع اگر نہین دیکھا
تو دیکھ لیجیے اشعارِ غم نشانِ عزیز

گداز آگیا ہے جو دل پر سب اسمین لکھدی ہے
یہ گلکدہ ہے حقیقت مین داستانِ عزیز

جگر کے داغ جو تھے، گلکدہ وہ کہلائے
جو دل مین درد تھا وہ بن گیا زبانِ عزیز

چمن کے پھول تو اکبار مٹ بھی جائین مگر
سدا بہار گلون کا ہے گلستانِ عزیز

یہ باغ وہ ہے کہ جسمین خزان کا نام نہین
یہ وہ کلام ہے جسمین کوئی کلام نہین

غرض ہر ایک غزل ہے خزانۂ تاثیر
کہین بلاغت غالب کہین ہے سوزِ میر

مزا ہے ایک ہی آورد اور آمد مین
پھر اُسپہ لطف دکھاتی ہے جدّتِ تحریر

ہر ایک شعر ہے مطلع سے لیکے مقطع تک
بیانِ حُسن و محبّت کی دلنشین تصویر

نئے نئے ہین مضامین، نئے نئے ہین خیال
نرالا طرزِ بیان ہے، اچھوتی ہے تحریر

بجا ہے گر یہ کہو نہین بہ شکل کلکِ عزیز
حدیثِ درد سناتا ہے اِک دلِ دلگیر

یہ گلکدہ ہی ہے تسکین کہ دیکھکر جس کو
پکار اُٹھتے ہین بیساختہ صغیر و کبیر

درین زمانہ رفیقے کہ خالی از خلل است
صراحیِ مئے ناب و سفینۂ غزل است

تسکین قریشی (سوردنی)

بزمِ سخن

انتخابِ مشاعرہ اوناؤ

آخر ماہ نومبر سنہ ۱۹۲۵ء میں ہمارے حبیب مکرم جگت موہن لال صاحب رواں ایم اے ایل ایل بی وکیل اوناؤ کے اہتمام سے ایک بزم مشاعرہ منعقد ہوئی تھی جسکے صدر بابو برج کشور صاحب رئیس موہان ضلع اناؤ تھے، اس مشاعرے میں اوناؤ کانپور لکھنؤ کے مشہور شعرا شریک تھے۔ چند بہترین غزلوں کا مختصر انتخاب ہدیۂ ناظرین ہے۔

حضرت صفی لکھنوی

دل شکستہ درد میں ڈوبی ہوئی آواز ہے — میں ہوں اب کنجِ قفس ہے حسرتِ پرواز ہے

بزم عشرت کا وہ نغمہ جس پہ ان کو ناز ہے — غالباً ٹوٹے ہوئے دل کی مرے آواز ہے

طور پر جا کر صدائے لن ترانی سنی — آپ کی آواز سے ملتی ہوئی آواز ہے

حضرت عزیز لکھنوی

الحذر یہ دل اسی کا فرش پا انداز ہے — بجلیوں کی رو میں جو مستِ خرام ناز ہے

انتظار موت میں دن کاٹتا ہوں زیست کے — زندگی اب میرے مقصد میں خلل انداز ہے

انتہا دل کی رسائی کی کسے معلوم ہو — یہ بھی کیا روح القدس کی طاقتِ پرواز ہے

نزع میں ہلتے ہیں میرے ہونٹ سنئے غور سے — یہ مری آواز ہے یا آپ کی آواز ہے

حضرت محشر لکھنوی

ہر نفس حسنِ تغیر سے نیا انداز ہے — جسکو کہتے ہیں خدائی ان کی بزم ناز ہے

کھل کے کیا معنی بتائے کوئی اور سمجھیگا کون — روح کہتے ہیں جسے اہلِ فنا کا راز ہے

چھوڑ کر گلشن چلا جانا تو کچھ مشکل نہیں — کیا کہوں صیاد کیا شے مانعِ پرواز ہے

آئینے کو اپنی خلوت میں نہ رہنے دیجئے | دیکھئے کا صاف باطن ہے مگر غماز ہے

جناب وصل بلگرامی

یہ نفس کی آمد و شد اک طلسم راز ہے | اسکا آغاز انتہا ہے انتہا آغاز ہے
آہ میری ناتوانی میں مری دمساز ہے | خامشی کی خامشی آواز کی آواز ہے
جوشِ ناکامی تمنا، نامرادی، شوقِ مرگ | مختصر سی زندگی کا کس کس سے ساز ہے
اصل میں دار فنا کے بعد ہے عہد بقا | جسکو ہم انجام کہتے ہیں وہی آغاز ہے

جناب اثر لکھنوی

یوں تو جانِ صد تماشا ہر ادائے ناز ہے | خود نمائی اور پردہ یہ عجب انداز ہے
اے نسیم اے پیک گلشن عازم کوئے حبیب | میری مشتِ خاک کو بھی حسرتِ پرواز ہے
وہ صدائے روح پرور اور وہ صبح ازل | آجتک فطرت کی ہر شے گوش بر آواز ہے
ہر نفس کے ساتھ مرگِ نو کا آتا ہے پیام | اب مریضِ ہجر کے جینے کا یہ انداز ہے

جناب رواں

مضطرب ہے قلب انساں چشم حیرت باز ہے | راز تھی روزِ ازل دنیا ابھی تک راز ہے
نیم شب، دنیا کا سناٹا، یہ تاروں کا سکوت | جیسے بزم آرائے فطرت محوِ خواب ناز ہے
اقربا یہ کہکے مجکو تا بہ تربت تک پہنچا گئے | آگئے اب خلوت نشینوں کی حریم ناز ہے
اک فقط دھوکا ہی دھوکا حیات و موت کا | ورنہ کچھ انجام الفت ہے نہ کچھ آغاز ہے

حضرت احسن سنبھلی ناظم حلقۂ ادبیہ کانپور

سازِ ہستی کی بھی کتنی دلپسند آواز ہے | کون اس پردے میں یارب نغمہ پرداز ہے
ہر گرفتارِ قفس کا اک نیا انداز ہے | اتنی بیتابی ہے جتنی طاقتِ پرواز ہے
قیدِ ہستی سخت، دل افسردہ، میں بے بال و پر | طاقتِ پرواز کیسی، حسرتِ پرواز ہے

صاف گوئی یہ کہ دو حرفوں میں سب کچھ کہدیا
رازداری یہ کہ کہنے پر بھی سب کچھ راز ہے

رفتارِ زمانہ

ایک عرصے سے کرسمس کا ہفتہ ملک کا قومی ہفتہ بنگیا ہے۔ ہرسال ملکی رہنما اور قومی ترقی کے متعلق صدہا قسم کے جلسے انھین ایام مین منعقد ہوتے ہین۔ سب سے بڑا ملکی جلسہ کانگریس کا ہے جسکا چالیسوان اجلاس امسال کانپور مین مسنز سروجنی نائیڈو کے زیر صدارت منعقد ہوا اور ساتھ ہی خلافت کانفرنس ہندو مہاسبھا وآریہ کمار سمیلن۔ سناتن دھرم سبھا۔ اچھوت کانفرنس۔ مہتر کانفرنس۔ ٹیچرس کانفرنس۔ لائبریری کانفرنس۔ روحانی کانفرنس۔ لوکل بورڈ کانفرنس۔ راجپوت کانفرنس۔ کلوار کانفرنس۔ کھتری کانفرنس۔ میوزک کانفرنس وغیرہ وغیرہ بیسون کانفرنسین ہوئین ہفتے عشرے تک رات دن کانفرنسین ہی کانفرنسین ہوتی رہین اور اگر لکچرون اور تقریرون سے کسی ملک کی ترقی ہوسکتی تو ہندوستان کی ترقی مین کوئی کسر باقی نہ رہگئی ہوتی۔ ان کانفرنسون سے اس بات کی ضرور یاددہانی ہوجاتی ہے کہ ہمارے ملکی فلاح وبہبود کے مسائل کیسے اہم وسیع اور متعدد ہین۔

ملک کے بہترین رہنماؤن کا یکجا ہونا ہی ایک موَل خوش کن نظارہ ہے۔ ان قومی جلسون سے ملک کو بہت سے دیگر فوائد بھی حاصل ہوتے ہین۔ کانگریس اب بھی ملک کی سب سے بڑی سیاسی انجمن ہے اسکا پچھلا اجلاس غیر معمولی دھوم دھام سے ہوا۔ ڈیلی گیٹون کی تعداد وانتظامات کی وسعت کے لحاظ سے اسکی کامیابی مین کسیکو شک کی گنجائش نہین ہے پچھلے پانچ سال سے کانگریس کے سلسلے مین ہرسال ایک نیا شہر آباد کردیا جاتا ہے ظاہری دھوم دھام اور تزک واحتشام مین روزافزون ترقی نمایان ہے لیکن غائر نظر ڈالنے والون کے لیے کانگریس کا جلسہ ایک عظیم الشان قومی میلہ کی شکل اختیار کرتا جاتا ہے۔ جہان نمود ونمائش اور ظاہری رونق تو کافی رہتی ہے لیکن ذمہ داری کے احساس اور سنجیدگی کیساتھ غور وفکر مین بدیہی طور پر کمی ہورہی ہے۔ کانپور مین بھی جس انتظام کیساتھ کانگریس کیلئے تلک نگر بنایا گیا تھا۔ ڈیلی گیٹون کے آرام وآسایش کیلئے جو اہتمام کیا گیا تھا اسکے لیے ڈاکٹر مراری لال صاحب چیرمین استقبالیہ کمیٹی اور انکے رفقا رکی (جنمین شری جیت گنیش شنکر ودیارتھی۔ ڈاکٹر جواہر لال۔ لالہ لال۔ لالہ پھولچند وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہین) جس قدر تعریف کیجائے کم ہے۔ کانگریس کی صنعتی نمائش کھدّر ودیگر صنائع وبدائع ملکی کے علاوہ فن تصویر کی بھی ایک قابل قدر نمائش تھی۔ تلک نگر کے بازارون مین ہرقسم کی اشیاء کی بہترین دوکانین موجود تھین۔ اساطۂ کانگریس کے اندر وباہر

سیکڑون طرح کے کھیل تماشے موجود تھے۔ مگر سیاسی جوش کی کمی ہر جگہ محسوس ہو رہی تھی اور معلوم ہوتا تھا کہ زیادہ تر لوگ تفریح
مین مشغول ہین۔ ملکی مسائل کے مباحثون سے کچھ زیادہ دلچسپی ظاہر نہ ہوتی تھی اور نہ مباحثون مین حقیقت حال کی جھلک
ہی نمایان تھی۔ مقرر یکے بادیگرے پلیٹ فارم پر آتے اور اپنی اپنی تقریرین کر کے چلے جاتے تھے لیکن سامعین
پر انکا کچھ زیادہ اثر نہ ہوتا تھا۔ اسکا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ جلسہ وغیرہ مین بھی سامعین کو اکثر خلل ہی رہا۔ ابھی تک عموماً
بلند ترین ہی کیطرف عوام کا رحجان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا حسرت اور پنڈت مدن موہن مالویہ کی سچی باتین بے اثر رہین
خاص خاص رزولیوشن جو پاس ہوئے ان پر ٹھنڈے دل سے کوئی اظہار مسرت نہین ہو سکتا۔ کانگریس
پر قبضہ کرنیکے متعلق جو کارروائی سوراج پارٹی نے گیا کانگریس مین شروع کی تھی تین برس کے بعد کانپور مین اسکی قطعی
تکمیل ہو گئی۔ پہلے کانگریس والے اسکو اپنے ایک جزو کی حیثیت سے تسلیم کیا تھا لیکن اب من تو شدم تو من شدی کا معاملہ ہو گیا
مہاتما گاندھی فی الحال کانگریس سے کنارہ کش ہو گئے ہین اور کانگریس کی متنبری اب بالکل پنڈت موتی لال نہرو
کے ہاتھ مین آگئی ہے جو آیندہ کونسل انتخابات مین اپنی پارٹی کی فتح یقینی کرنے بنانے کے انتظامات
مین مصروف ہین۔ اس کا خیال نہین معلوم ہوتا کہ ملک مین چلنے والی بات کیا ہے اور کس پروگرام سے واقعی
زیادہ سے زیادہ آئینی اصلاحات ملنے کی توقع ہو سکتی ہے بلکہ زیادہ تر ووٹ حاصل کرنے کی تدبیرین ہو رہی ہین۔ یہی
وجہ ہے کہ سوراجی لیڈران سول نافرمانی کا تذکرہ کرتے جاتے ہین۔ حالانکہ پنڈت موتی لال بھی لالہ لاجپت رائے
صاحب کی طرح اس بات کے قائل ہین کہ ملک اسکے لیے بالکل تیار نہین ہے اور جلد تیار ہو جانے کے کوئی آثار
بھی نمایان نہین ہین۔ سوراج پارٹی عوام کے روبرو زور شور سے مسلسل مزاحمت کرنے کا وعدہ کئے جاتی ہے
حالانکہ پچھلے ڈیڑھ اسمبلی مین سال بھر سے متواتر اس کا عمل اس سے سراسر برعکس ہو رہا ہے۔ ایسی صورت مین ایمانداری
کی بات یہ تھی کہ عوام کے روبرو صحیح صحیح واقعات بیان کر دیئے جاتے اور ملکی جدوجہد کے طرز عمل مین ضروری
تبدیلیون کے متعلق کانگریس کی منظوری طلب کیجاتی۔ پنڈت مدن موہن مالویہ۔ مسٹر جیکار اور مسٹر کیلکار کا بس
چلتا تو ایسا ہی ہوتا۔ پنڈت موتی لال کے لیے موقعہ تھا کہ سوراج پارٹی کو چھوڑ کر ملک کا خیال فرماتے لیکن انھون نے
پارٹی فتوحات کا زیادہ خیال رکھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ملکی جدوجہد کے متعلق جو رزولیوشن پاس ہوا ہے اس سے کانگریس
کی وقعت مین کوئی اضافہ نہین ہوا۔ بلکہ سوراج پارٹی کے بعض بہترین ارکان اس سے علیحدہ ہو گئے۔
بہر نوع کانگریس نے اپنے سیاسی رعب وداب اور عام ہر دلعزیزی کا زیادہ لحاظ رکھا ورنہ مولانا حسرت و پنڈت
مالویہ کی باتون کا کسی کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ دونون صاحبون نے حق پسندی و راست بیانی کا حق
ادا کر دیا۔ لیکن انکی موجودہ ترمیمات پر کوئی دھیان نہین دیا گیا۔ سچ پوچھئے تو آیندہ [illegible]

کے بہترین کارنامے ثابت ہونگے۔ دونون اصحاب پُرانے محبان وطن ہین۔ دونون نے اہل ملک کے سامنے
سان صاف اور سچی سچی باتین بیان کر کے حب الوطنی کا حق ادا کر دیا لیکن جس پارٹی نے مسٹر چنتامنی اور
مسٹر کیلکار جیسے قابل و تجربہ کار اراکین کی پرواہ نکی وہ بے لوث بیرونی رہنماؤن کے مشورون کی کیا
قدر کر سکتی تھی بہرحال یہ رزولیوشن کونسل الیکشن کے زمانہ مین چاہے ملک کو ایکمرتبہ پھر مغالطہ مین ڈالدے
ورنہ عملی حیثیت سے اسکا کوئی اثر نہین ہوسکتا موجودہ حالت مین اس قسم کا رزولیوشن پاس کرنا یا ایسی
تقریرین کرنا جیسی کہ بعض مقررون نے کین محض فضول ہے۔ یہان پر ہم یہ لکھنے پر مجبور ہین کہ ہکو سب سے زیادہ
مایوسی لالا لاجپت رائے صاحب سے ہوئی۔ جنھون نے اپنے چھ ماہ کے مدلل تحریرات کے اثر کو آن واحد مین
زائل کر دیا۔ افسوس کہ ہر معاملہ پر صفائی سے غور کرنے کے باوجود فیصلے کے وقت آپنے ایکمرتبہ پھر صدائے
بلند آہنگ ہی کا ساتھ دیا۔ کاش وہ مالوی جی کی رائے سے متفق ہو سکتے کاش وہ مرہٹہ لیڈرون کی تائید کرتے
باہم کانگریس کے اندر بغاوت کا جھنڈا بلند ہو گیا ہے۔ مرہٹہ لیڈران نے جوابی تعاون کے پروگرام
کے متعلق اپنی جد و جہد شروع کر دی ہے اور اکثر اصحاب کونسلون سے مستعفی ہوگئے ہین۔ بمبئی کونسل کے سوراجسٹ
ممبران نے مسٹر جیکار کی تائید مین رزولیوشن پاس کیا ہے کونسل مین بھی اب وہ کھلے طور پر جوابی تعاون
کی پالیسی پر عملدرآمد کرین گے صوبہ برار کی سوراج پارٹی قریب قریب شکست ہوگئی ہے یہ سب آثار نیک ہین
ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ملک کے سیاسی حلقون مین حقیقت حال تسلیم کرنے کا رحجان پیدا ہو گیا ہے۔ پنڈت
مالوی جی بھی جوابی تعاون کے قائل ہین اور لبرل پارٹی کا بھی یہی عمل رہا ہے۔ گو الفاظ مین کچھ فرق ہو لیکن
لبرل پارٹی کے تعاون اور مرہٹہ پارٹی کے جوابی تعاون مین واقعی کوئی فرق نہین ہے۔ ایسی صورت مین ہم
اس بات کو ملک کی بدقسمتی سمجھتے ہین کہ یہ سب اجزائے پریشان یکدل نہین ہو جاتے ہین۔ ہماری اندرونی
نااتفاقی کا اغیار پورا فائدہ اُٹھا رہے ہین آہ افسوس۔

نیشنل کانگریس کے علاوہ ملک مین کئی اور سیاسی جلسے بھی کرسمس مین ہوئے ہین امسال مسلم لیگ
کا اجلاس علیگڈھ مین منعقد ہوا تھا اور سر عبدالرحیم صاحب سابق ممبر اگزیکٹیو کونسل بنگال اسکے صدر تھے
آپ کئی جلیل القدر عہدون پر ملک کی خدمت کر چکے ہین اور آپکو گورنمنٹ و ملک کا اندرونی تجربہ حاصل ہے پبلک
سروس کمیشن کے ممبر کی حیثیت سے آپنے جو اختلافی نوٹ تحریر کیا تھا اسکی تمام ملک مین تعریف ہوئی تھی لیکن
علیگڈھ مین آپکی صدارتی تقریر نے ملک مین ایک تہلکہ سا برپا کر دیا ہے شروع سے آخر تک آپنے اہل ہنود
ہندوان کے ساتھ انتہائی نا انصافی کی ہے۔ ہندو مہا سبھا کی تحریک کو آپنے اسلام کے لئے زبردست خطرناک

بتلایا اور فرمایا کہ اس وقت صلیبی جنگ کے زمانہ سے بھی زیادہ خطرناک حملہ اسلام پر ہندوؤں کی طرف سے
ہو رہا ہے۔ آپ کا مبالغہ یہیں پر ختم نہیں ہوا ہے آپ کا خیال ہے کہ ہر جگہ جہاں کہیں فساد ہوتا ہے زیادتی ہمیشہ
ایک ہی فریق کی ہوتی ہے۔ شدھی اور سنگھٹن سے آپ بہت چراغ پا ہوئے ہیں لیکن تبلیغ اور تنظیم کے متعلق آپ کو کسی
نکتہ چینی کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی آپ اس بات کو بھی بھول گئے کہ ہندوؤں کی محض جوابی اور مدافعتی تحریکیں
ہیں چنانچہ ہماسبھا کی بنیاد مسلم لیگ کے بعد ہوئی اور شدھی وغیرہ کا سلسلہ اسلام کی عملی تبلیغ کے بہت بعد شروع
ہوا۔ آپ نیابت جداگانہ سے بھی مطمئن نہیں ہیں بلکہ ہر ملکی و سیاسی جماعت میں آپ مسلمانوں کو اپنی ایک علیحدہ
پارٹی قائم کرنے کی صلاح دیتے ہیں۔

گر سر عبدالرحیم کا ایڈریس محض مبالغہ آمیز بیانات پر ختم نہیں ہوا آپنے غلط بیانی سے بھی کام لیا ہے آپ فرماتے ہیں کہ ممالک غیر میں
مسلمانان ہند کوئی غیریت یا اجنبیت محسوس نہیں کرتے ہیں بلکہ ہندوستان میں وہ ہر جگہ ہندو آبادی سے اپنے
کو مختلف اور علیحدہ پاتے ہیں سر عبدالرحیم اس بات کو بالکل فراموش کرتے ہیں کہ ہندوستان کے مسلمانوں کا بیشتر
حصہ اسی ملک کا ہے یہیں پیدا ہوا ہے اور یہیں مرنے کی تمنا رکھتا ہے اگر ایسا نہیں ہے تو بقول ہمعصر لیڈر
صدہا مہاجرین جو کئی سال ہوئے ہندوستان سے ناخوش ہو کر ملک چھوڑ کر چلے گئے تھے پھر کیوں اس ملک میں
واپس آگئے۔

بہرحال ہمکو یہی کہنا پڑتا ہے کہ سر عبدالرحیم کا ایڈریس قومی نقطۂ خیال سے ازحد افسوسناک
ہے۔ بہت ہی بری گھڑی تھی جب ایسے نفاق انگیز خیالات کی تلقین کیگئی ہمعصر اسٹیٹسمین کی رائے میں یہ تفرقہ
ہندوستان کی بدقسمتی کا ثبوت ہے ہمعصر قوم دہلی کو بھی اس سے مایوسی ہوئی ہے وہ لکھتا ہے کہ جس قدر جوش وخروش
سر عبدالرحیم نے ہندوؤں کے متعلق ظاہر کیا ہے کہ سے کم اتنا ہی جوش آپ حکومت پر نکتہ چینی کرنے میں دکھاتے
تو کوئی اطمینان کی صورت ہوتی مگر حکومت کے معاملہ میں نکتہ چینی کرتے وقت سر عبدالرحیم کا شوق کچھ بجھا ہوا نظر
آتا ہے۔ افسوس آپ اپنے ہموطنوں کو ہدف ملامت بنانا ضروری سمجھا۔

اس سلسلے میں سب سے زیادہ قابل اطمینان بات یہ ہے کہ اکثر مسلم اکابرین نے سر عبدالرحیم کے خیالات سے
علانیہ اختلاف رائے کا اظہار کیا ہے مسٹر جناح بھی انکی تقریر کو محض انکے ذاتی خیالات کا آئینہ قرار دیتے ہیں۔

گذشتہ دسمبر میں علیگڈھ میں سرسید کے مشہور و معروف درسگاہ کا پنجاہ سالہ جشن جوبلی تھا جس میں
اطراف ملک سے بہت سے نامور مسلمان رہنمایان قوم شریک ہوئے تھے بعض ہندو رہنما بھی تشریف لیگئے تھے
خوشی کی بات ہے کہ اکثر مہاراجگان ہند نے اس موقع پر بیش قرار چندے دیئے۔ مہاراجہ صاحب الور

بنفس نفیس شریک جشن ہوئے اور پینسٹھ ہزار روپیہ عطا فرمائے مہاراجہ صاحب میسور نے دس ہزار سے امداد فرمائی ان واقعات سے سر عبد الرحیم کے تنگ خیالیوں کا پورے طور سے بطلان ہوتا ہے ایک اور چھوٹے سے واقعہ سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا نوجوان طبقہ سر عبد الرحیم کا ہمخیال نہیں ہے علیگڈھ میں ایک معرکۃ الآرا مباحثہ ہوا تھا جسمیں ایکطرف فرقہ وارانہ تحریکوں کی حمایت کیگئی تھی اور دوسری جانب فرقہ وارانہ کوششوں کے خلاف عام حب الوطنی پر زور دیا گیا تھا۔ اکثر نامور اکابر قوم نے فرقہ دار کوششوں مثلاً نیابت جداگانہ وغیرہ کی حمایت کی لیکن نوجوانان علیگڈھ کا فیصلہ عام حب الوطنی ہی کی طرف رہا۔

اردو کانفرنس میں بھی جو علیگڈھ ہی میں انہیں دنوں منعقد ہوئی تھی نواب صدر یار جنگ صاحب نے ادبی خدمت میں اتحاد باہمی پر زور دیا۔ آپ نے لٹریچر کو محبت و اخوت کے تبلیغ کا آلہ بنانے کی سفارش کی۔ علیگڈھ یونیورسٹی کے جلسہ تقسیم اسناد میں شیخ عبد القادر صاحب نے اردو کو یونیورسٹی تعلیم کا ذریعہ بنانے پر بہت زور دیا۔ اور آپنے بہت سی ایسی باتوں پر توجہ دلائی جو واقعی مسلم یونیورسٹی کے ارباب حل وعقد کے غور وفکر کی مستحق ہیں۔

ملک میں اصلاح تمدن کی سست رفتاری پر سب ہی اہل الرائے اصحاب کو افسوس ہے لیکن بعض واقعات اندرونی حیثیت سے ملک کے رسم ورواج میں عظیم تبدیلی کے آثار نمایاں ہو جاتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ وقت جلد آنیوالا ہے جبکہ لہا سال کی سستی کی تلافی ہو جائیگی عام طور پر فوری اصلاح کی محتاج دو ہی باتیں ہیں عورتوں کی حالت نیچ اقوام کی پستی اور قیود ذات ان سب میں ظاہری جمود کے باوجود غیر معمولی تغیرات ہو رہے ہیں اسکا ثبوت پچھلے کرسمس کے قومی جلسوں کے موقع پر ملگیا کانگریس میں کئی سال سے ہزارہا مستورات بلا پردہ شریک ہونے لگی ہیں کانپور میں عام طور پر پردہ کا رواج ہے لیکن یہاں بھی ہزارہا مستورات کھلی ہوئی سواریوں میں بیٹھکر کانگریس اور نمایش وغیرہ میں شریک ہوئیں علیگڈھ میں بھی مستورات نے پردہ کے خلاف اہم کارروائی کی حالانکہ بعض زبدگان قوم بہت چیں بجبیں ہوئے لیکن عطیہ بیگم صاحبہ اور انکی ہمخیال خاتونوں نے مطلق پرواہ نہ کی اور ایجوکیشنل کانفرنس میں باوجود ممانعت شریک ہوئیں اور زیادہ تر حاضرین نے انکا ساتھ دیا۔ خواتین کے جلسہ میں لڑکیوں کی جبری تعلیم کی تجویز منظور ہوئی ہے کلکتہ میں سوشل کانفرنس کے اجلاس کی صدر مسز سرلا چودھرانی صاحبہ تھیں آپکا یہ قول آب زر سے لکھنے کے قابل ہے کہ ہماری قومی ترقی کی بنیاد تمدنی اصلاح ہی پر قائم ہو سکتی ہے اور تمدنی تنظیم ہمیشہ ملکی حقوق کا پیش خیمہ ثابت ہوئی ہے۔ اس کانفرنس میں کئی قابل خواتین نے حصہ لیا اور پردہ اور جہیز کی سخت مخالفت کی۔

علمی خبرین اور نوٹ

صوبہ متحدہ آگرہ و اودھ کے قانونی کونسل نے پنڈت یگ نرائن صاحب اپادھیائے ایم۔ ایل۔ سی کے تحریک پر ایک لاکھ روپیہ ہندی اردو لٹریچر کی توسیع و ترقی کے لیے منظور کیا ہے۔ اس رزولیوشن کے مباحثے سے واضح ہوتا ہے کہ ہمارے وزیر تعلیمات صوبہ راے راجیشور بلی صاحب بھی بعض ضروری کتابون کے ترجمے کے لیے صوبہ مین ایک بورڈ قائم کرنے کے فکر مین ہین اور انھون نے اس بارے مین بعض اہل الرائے اصحاب سے مشورہ بھی کیا ہے۔ ہم سمجھتے ہین کہ صوبے کی ادبی ترقی کے لیے ایک اکیڈمی قائم کرنے کی ازبس ضرورت ہے۔ بعض اصحاب کا خیال ہے کہ موجودہ یونیورسٹیان اس مدین بھی خاطر خواہ کام کرسکتی ہین لیکن ہمارا خیال ہے کہ کام کی اہمیت کے لحاظ سے یونیورسٹیون سے علیحدہ ایک اکیڈمی کی ضرورت ہے زمانہ کے گزشتہ نمبر مین اسپر تفصیل سے بحث کی جاچکی ہے۔ کسی آیندہ نمبر مین اس کے متعلق اور تجاویز پیش ہونگی اسوقت بہت بڑی خوشی کی بات یہ ہے کہ ہر طبقہ اور ہر جماعت مین دیسی زبانون کے ترقی کا خیال پیدا ہو رہا ہے۔

صوبہ متوسط کی قانونی کونسل مین بھی ٹھاکر چھیدی لال ایم۔ ایل۔ سی ایک رزولیوشن پیش کرنیوالے ہین کہ ایک محکمۂ ترجمہ مقرر کیا جائے جو سائنس اور آرٹ کی مستند کتابون سے دیسی زبان مین ترجمہ کرے اور اس کام پر ہر سال کم از کم پچاس ہزار روپیہ خرچ کیا جائے۔

علیگڈھ مین ایک اُردو کانفرنس نواب صدر یار جنگ بہادر کے صدارت مین منعقد

ہوئی تھی۔ اور کئی مفید رزولیوشن پاس ہوئے۔ نواب صاحب ممدوح اردو زبان کے مشہور انشا پرداز ہین۔ خود ایک بلند پایہ مصنف ہین اور خادمان ادب خادمان ادب کی قدردانی فرماتے رہتے ہین۔ آپ نے اپنے خطبۂ صدارت مین فرمایا کہ لٹریچر کی ترقی کے متعلق کانفرنسون اور جلسون کو بہت کم کامیابی نصیب ہوتی ہے بلکہ سعی مسلسل اور شغف کامل کی ضرورت ہے۔ آپ نے درستی مذاق پر زور دیا اور ادب کو سیاسیات سے الگ رکھنے کی ہدایت فرمائی۔ اردو کانفرنس کی طرف اعلیٰ حضرت شہریار دکن کا شکریہ ادا کیا گیا۔ کیونکہ آپ دور حاضرہ مین اردو کے بہت بڑے سرپرست اور مربی ہین۔ اسکے بعد ڈاکٹر سر تیج بہادر سپرو کی وہ تقریر بھی مستحق شکریہ قرار دیگئی جو آپ نے لکھنؤ یونیورسٹی مین تقسیم اسناد کے موقع پر کی تھی۔ ایک رزولیوشن مین ہندو حضرات کے متعلق تھا کہ وہ اُردو کو ہندوستان کی مشترکہ زبان تسلیم کرین۔ اور دوسرے رزولیوشن مین گورنمنٹ کو توجہ دلائی گئی کہ وہ اردو کو ہندوستان کی مشترکہ زبان قرار دے۔ ہمارا خیال ہے کہ مشترکہ زبان تسلیم کرنے کے لیے گورنمنٹ کے التفات سے زیادہ باہمی مفاہمت و صلح کوشی کی ضرورت ہے۔

انڈین نیشنل کانگرس کے پچھلے اجلاس مین بھی اکثر اصحاب نے ہندوستانی زبان مین تقریرون کی پر زور حمایت کی گو اس مباحثے مین یہ بات ثابت ہوگئی کہ ابھی تک ملک کی اگر مشترکہ سیاسی زبان ہوسکتی ہے۔ تو انگریزی ہی کو یہ درجہ حاصل ہو سکتا ہے۔ تاہم اسمین بھی شک نہین ہے کہ صوبہ کے تمام کاروبار سرکاری وغیر سرکاری مین آیندہ ہندی اُردو کو رفتہ رفتہ وہ درجہ حاصل ہورہا ہے جو ان کا حق ہے اور جس کی ان کو ضرورت ہے۔ صوبہ کی قانونی کونسل کی زبان بھی آہستہ آہستہ ہندوستانی ہورہی ہے۔ ملک کے لیے یہ سب آثار نیک ہین۔

امسال ہماری لوکل گورمنٹ کے سرپرستی مین موسیقی کانفرنس کا دوسرا اجلاس بھی لکھنؤ مین ہوا ہے۔ اسکے ساتھ فنون لطیفہ مصوری وغیرہ کی ایک نمائش بھی ہوئی ہے کیا اچھا ہو کہ اسی کے ساتھ صوبہ کے ادبی ترقی کیلئے بھی باقاعدہ کوشش شروع کردی جائیں۔

تصاویر

تصاویر۔ اس نمبر میں چند رنگین تصویر ہدیۂ ناظرین کی گئی ہے وہ فن مصوری کا ایک عمدہ نمونہ ہے نازک خیال مصور نے روز و شب کے فطری علاقہ و اتصال کا ایک دلکش مرقع تیار کیا ہے، کسی نے سچ کہا ہے کہ مصوری بھی خاموش شاعری ہے، ملاحظہ فرمائیے۔ یہ دونوں پرکیف مصرعے کس قدر دلچسپ و مربوط ہیں جنہیں مصور نے دو دلکش تصویروں کے پردے میں پیش کیا ہے۔ مہاتما بدھ کی تصویر میں لائق مصور نے آپکے روحانی جلال کا نقشہ پیش کیا ہے۔ آپ تعلیم و تلقین میں مصروف ہیں اور عقیدتمندوں کا مجمع فیض روحانی حاصل کر رہا ہے۔ روحانیت و معرفت کے دور چل رہے ہیں اور سب پر ایک سرور و محویت کا عالم طاری ہے اسی نمبر میں آنریبل راے بہادر پنڈت شیو نراین صاحب شمیم کا ایک مضمون بھی شایع ہو رہا ہے جس سے بدھ مذہب کی ہمہ گیری کا اندازہ ہو سکے گا۔

اس نمبر میں شریمان پنڈت مدنموہن مالوی اور مولانا حسرت موہانی کی تصاویر بھی ہدیۂ ناظرین ہے دونوں بزرگوں نے کانگریس میں حق و صداقت کا ساتھ دیا تھا گو اس سال انکی شنوائی نہیں ہوئی لیکن ہمکو یقین ہے کہ ایک روز آئے گا کہ جب انکی سچی سچی اور کھری کھری باتوں کی قدر کیجائیگی۔

معذرت ہمکو افسوس ہے کہ دسمبر نمبر کی ترتیب و اشاعت میں بعض ایسی دشواریاں سد راہ ہو گئیں جنکی وجہ سے اس میں کئی افسوسناک غلطیاں رہ گئیں۔ اکثر غلطیاں تو ایسی ہیں جنکی ذمہ داری کاتب پر عاید ہوتی ہے۔ کانگریس کیوجہ سے کام کی کثرت بھی کچھ ایسی رہی کہ پریس نے بھی غلطیوں کی اصلاح و درستی میں معمول سے زیادہ غفلت برتی۔ بعض ایسی غلطیاں بھی رہ گئی ہیں جن کی ذمہ داری ایڈیٹوریل اسٹاف پر ہے ہم ان سب کے لئے خواستگار معافی ہیں۔ اس مرتبہ کانپور میں کانگریس کا چالیسواں اجلاس تھا لیکن صدر کانگریس و چیرمین کمیٹی استقبالیہ کی تصویروں میں غلطی سے چاردہم اجلاس چھپ گیا ہندوستانی زبان کی ترقی کے متعلق مضمون کے صفحہ ۶۴ میں ہماری مراد مرحوم مالک مطبع منشی نولکشور منشی پراگ نراین بھارگو سے تھی ہمکو افسوس ہے کہ موصوف کے بجاے انکے صاحبزادہ منشی بشن نراین بھارگو موجودہ مالک مطبع منشی نولکشور کا نام نامی شایع ہو گیا اسیطرح ڈاکٹر سر محمد اقبال نائٹ کے نام کے ساتھ کے۔ سی۔ آئی۔ ای کا خطاب غلطی سے چھپ گیا۔ ہمکو ان سب غلطیوں کا دلی افسوس ہے۔ ہمکو امید ہے کہ ناظرین عالی فروگذاشتوں کیلئے ہمکو معاف فرمائینگے۔ گو ہم دل سے دست بدعا ہیں کہ ہمارے کرم ڈاکٹر محمد اقبال کے متعلق جو غلطی ہو گئی ہے گورنمنٹ انڈیا جلد سے جلد اس کی تلافی کر دے۔

Pe

اپنے بچے کے سینہ کی حفاظت کر دیجئے

دم بخود رہ گئے تھے اور کہا تھا کہ یہ مکان نہین دام اجل ہین۔

ریلون کی توسیع سے ایک طرف تو بدیشی مال گاؤن گاؤن مین پہنچگیا دوسری طرف اسامی سے کچا مال بندرگاہون تک پہنچگیا۔

چند ہندوستانیون کو نوکریان ملنے اور چند دلالون کو فائدہ پہونچنے کے علاوہ ریلون سے اور کیا نفع ہوا۔ جسکا احسان ہماری گردن پر ہے۔ گوکھلے آنجہانی اسبات پر اصرار کرتے رہے کہ بجائے ریلون کے نہرون مین روپیہ لگایا جائے۔

"تار اور ڈاکخانون سے کچھ سہولتین ضرور عوام کو ہوئی ہین۔ لیکن ملک کے عالمگیر افلاس کے موجودگی مین ان سے بھی پورا نفع ہم نہین اٹھا سکتے۔

یہی حال جائنٹ اسٹاک کمپنیون اور دیگر سوسائٹیون کا ہے کہ لاکھ مین مشکل سے دو ایک آدمی ان سے بہرہ اندوز ہونے کی قابلیت رکھتے ہین۔

ایسی ہی اور برکتون اور فیضون کی طول طویل مدح سرائی کے بعد مسٹر جے۔ آر۔ رائے اہل ہند کی اوسط آمدنی فی سال کی بحث پر آتے ہین اور دادا بھائی نوروجی آنجہانی سے لیکر مہاتما گاندھی تک اور سیاسی کارکنون اور مقررون کا ان کی اس بیان کی بنا پر کہ ہندوستانیون کی فی کس اوسط آمدنی سالانہ بہت ہی کم ہے ایک طرح سے مضحکہ اڑاتے ہین۔

ان لوگون کا گناہ عظیم یہ ہے کہ وہ اہل ہند کی آمدنی سالانہ بہت کم بتاتے ہین اور "کروڑون آدمیون کی نیم گرسنگی کا ڈھکوسلہ" تراشتے ہین۔

مین نے اس مضمون مین مسٹر جے، آر، رائے کے پیش کردہ اعداد کی صحت سے قطع نظر کرکے بحث کی ہے۔ غالبًا مسٹر جے آر، آر، رائے کے سارے اعداد سر الفریڈ واٹسن کی اس تقریر سے لیے گئے ہین جو انھون نے دارالعوام مین ہندوستانی معاملات کے مباحثے کے سلسلے مین کی تھی۔

مسٹر جے آر، رائے ہندوستانیون کی فی کس آمدنی کے بارے مین بہت آزردہ خاطر ہوکر فرماتے ہین کہ ۱۹۲۵ء مین ۱۸۶۹ء کے اعداد کو دوہرانا غلطی ہے ۱۸۶۹ء

مین ستر وررو پیہ اور بیس رو پیہ فی کس سالانہ آمدنی بتائی جاتی تھی اب یہ آمدنی ایک سو جودہ
روپیہ تک بتائی جاتی ہے۔ سرکار ہند کی طرف سے اقتصادی تحقیقات کے سوالات کے
ساتھ جو بیسون تخمینے سالانہ آمدنی کے دیئے گئے ہین ان سب کا اقتباس کرتے ہوے
مسٹر راے فرماتے ہین کہ ان سب اعداد کی بنا پر ہندوستان کے افلاس یا خوشحالی
کا نتیجہ نکالنا مغالطہ خیز ہے۔

مین بھی مسٹر موصوف کے اس بیان کو ملنے لیتا ہون کہ روزانہ آمدنی کے بارے
مین یہ اعداد مغالطہ خیز ہین لیکن اسکو کیا کیا جاے کہ لارڈ کرزن گورنر جنرل ہند
اور تمام دیگر اصحاب کو جنھون نے تخمینہ لگایا ہے ہندوستانیون کی اوسط آمدنی بہت قلیل
ہی نظر آتی ہے۔ لارڈ کرزن نے تیس روپیہ سالانہ آمدنی فی کس اوسط بتایا تھا
ایسی حالت مین لوگون کو یہ دلشکن اعداد بتا دیئے جاتے ہین تو کونسا جرم کیا جاتا ہے۔

لیکن اوسط آمدنی کے اعداد چاہے مغالطہ خیز ہون یا حقیقت نما۔ مسٹر راے نے
جن اعداد کی بنا پر ہند کی روز افزون خوشحالی کا افسانہ چھیڑا ہے وہ سراسر مغالطہ
خیز ہین۔

ترقی اور خوشحالی کے دو چار صاف صاف معیار ہین پونے دو سو برس کے اندر۔

(۱) ابھی تک پانچ فی صدی آدمی ہندوستان مین حرف شناس ہوئے ہین
برما مین حرف شناس اور خواندہ لوگون کی تعداد برطانوی حکومت کے بعد سے بہت
گھٹ گئی ہے اور ڈاکٹر اینی بیسنٹ کا بیان ہے کہ حرف شناس لوگون کی تعداد سارے
ہندی برطانوی حکومت کے انعقاد کے بعد سے گھٹ گئی ہے۔

(۲) پچاس فیصدی ہندوستانیون کو دودھ۔ دہی۔ گھی۔ شکر سبزی پیٹ بھر کھانے
کو غلہ نصیب نہین ہوتا۔

(۳) ہندوستانیون مین امراض بڑھتے جا رہے ہین۔ ہماری عمر کا اوسط صرف ۲۲ سال
ہے جو دنیا کے تمام ممالک کے لوگون کی اوسط سے کم ہے۔

(۴) کروڑون بھائی بہنون کو صاف اور کافی کپڑے میسر نہین۔

جلد ۴۶ فروری سنہ ۱۹۲۶ء نمبر ۲

ہندوستان مین زراعت کا مستقبل

(از چودھری نذیر احمد خان بی۔ ایس سی۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ وکیل منٹگمری)

ہم آج تک زراعت کے وسیع معنون کو پوری طرح نہین سمجھ سکے۔ اور نہ ہم مین سے اکثرون نے اسکو اس رنگ مین سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ میری رائے مین اسکی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ عام زمیندارون کی تعلیمی حالت اسقدر پست ہے کہ وہ بمقابلہ اپنے شہری بھائی کے ہمیشہ ترقی کی دوڑ مین سست رفتار رہا، ہندوستان کی پولیٹیکل تک و دو مغربی طرز عمل کا نمونہ رہی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اس تحریک مین خاصکر شہرون کو مرکز بنایا گیا ہے۔ اور دیہاتونکو پیچھے پھینکا جا رہا ہے۔ لیکن خود مغرب مین اب اس پالیسی کے نقص ظاہر ہو رہے ہین ہندوستان مین بھی اس بات کا احساس بڑھتا جاتا ہے کہ ہمارے ملک کی حقیقی ترقی اسی وقت ہو سکتی ہے جب ہم زراعت جیسے ضروری پیشہ کے لیے آیندہ ترقی کے وسائل مہیا کر دین اور ترقی کی دوڑ مین مثل زمانہ سابق دیہاتون کو مرکز قرار دیکر کاشتکارون کو رموز کاشتکاری سے کامل طور پر آگاہ کر دین

یہ کچھ ہندوستان کا ہی خاصہ نہین کہ گذشتہ صدی مین زراعت کی طرف بہت کم توجہ کی گئی

بلکہ موجودہ تہذیب کا شعار رہا ہے کہ صنعتی انقلاب کی وجہ سے اکثر ملکوں کی پالیسی دیہاتی ترقی کی معاون نہیں رہی۔ اور شہری اور دیہاتی میں اتنا بین فرق ظاہر ہو گیا۔ کہ دنیا کو اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ کاشتکار کی طرف بہ نسبت سابق زیادہ توجہ دے۔ اور عجیب بات ہے کہ جن ملکوں میں صنعتی ترقی انتہا کو پہنچی وہاں زراعی انقلاب کی بھی سب سے زیادہ ضرورت محسوس ہوئی۔ مثلاً امریکہ میں مسٹر روزولٹ صدر جمہوریہ نے کنٹری لائف کمیشن اور انگلستان کی پارلیمنٹ نے ایگریکلچرل بل اور پیڈیگری انیل بل جیسی مفید تجاویز ملک کے سامنے پیش کر کے اس بات کا خاطر خواہ ثبوت دے دیا کہ ان ممالک کی گورنمنٹ زراعتی ترقی کو قومی منزل کا پیش خیمہ سمجھتی ہے۔ ہندوستان جہاں زراعت ملک کا سب سے بڑا پیشہ اور ذریعہ معاش و آمدنی ہے ان اثرات سے خالی نہ رہ سکا۔ ہندوستان میں زمانہ قدیم سے ایک ایسی بات چلی آئی ہے جس کی وجہ سے ہندوستان میں زراعتی ترقی کی رفتار اور بھی تیز ہو سکتی ہے بشرطیکہ ہم آپ اور ہمارے کل زمیندار بھائی اسبات کا تہیہ کر لیں۔ کہ ہندوستانی زراعت کو دنیا میں افضل ترین بنا کر چھوڑینگے۔ حضرات ہندوستان کی وہ خاص چیز کیا ہے۔ وہ ہمارے گاؤں ہیں جن کی نظیر دنیا کے بہت کم ممالک میں ملتی ہے جو ہندوستان کی ہر طرز حکومت میں ہر ملکی تحریک کا ایک لازمی جزو ہوتے تھے۔ اور جس کو گذشتہ صدی میں کئی اسباب کی وجہ سے ہمنے غیر ضروری خیال کر لیا تھا۔ اگر آج ہم اپنے دیہات میں تعلیم، امداد باہمی، بہتر وسائل زراعت اور اسی قسم کی دیگر باتیں مہیا کریں تو ہم اپنے ملک کو اصلی معنوں میں ترقی دے سکتے ہیں۔

ہندوستان میں زرعی تحقیقات کے سلسلہ میں لارڈ کرزن صاحب نے نہایت بیش بہا کام کیا ہے۔ یہ ان کی دلچسپی کا ہی نتیجہ تھا۔ کہ زراعت کی طرف بیش از بیش توجہ کی جانے لگی۔ چنانچہ حال ہی میں لارڈ برکن ہیڈ وزیر ہند اور لارڈ ریڈنگ وائسرائے ہندوستان کی دو اہم تقریروں نے اس حقیقت کو اور بھی واضح کر دیا ہے کہ بالآخر گورنمنٹ ہند نے ہندوستان کے کاشتکار پیشہ آبادی کی فریاد سن لی۔ اور اب ان کا مستقبل بھی روشن ہو سکتا ہے لارڈ برکن ہیڈ نے پارلیمنٹ کے سامنے تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر ہندوستان کی

زراعت کی طرف پوری توجہ کی جاوے تو مین ہندوستان کا مالی مستقبل نہایت شاندار دیکھتا ہون - یہی وہ بدلی ہوئی پالیسی تھی جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ ریفارم اسکیم کے ماتحت ہر صوبہ مین زراعت کا وزیر علیحدہ مقرر کیا گیا - گویا کہ اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حکومت ہند زراعت مین مزید اضافے اور ترقیان کرنا چاہتی ہے وایسرائے بہادر کی تقریر تو بہت ہی دل خوش کن ہے لیکن حکومت کی ہر کوشش صرف اسوقت کارگر ہوسکتی ہے جب ہم سب اس معاملہ مین حکومت کو پوری پوری امداد دین -

ہم ہندوستان کی موجودہ حالت پر ایک نظر ڈالتے ہین - تاکہ ہمین معلوم ہو کہ کیا دقتین پیش آئین - انھون نے کس طرح اسکا سدباب کیا - اور ہم ان دیگر ممالک کے تجربہ سے کہان تک فائدہ اٹھا سکتے ہین -

عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ محکمۂ زراعت نے کچھ بھی نہین کیا -

گورنمنٹ کا کوئی محکمہ اسوقت تک کچھ نہین کر سکتا جب تک ہم خود ترقی کی کوشش نہ کرین محکمہ زراعت کو جاری ہوئے ابھی کل بارہ سال ہوئے ہین اور اسکے موجودہ عملہ کی تعداد اور اسکے وسائل مغربی ممالک کے نکتہ نگاہ سے بالکل ناکافی ہین اسپر طرہ یہ کہ ابھی تک خرچ بھی اسپر بہت تھوڑا کیا جاتا ہے - چنانچہ مقابلہ کے طور پر آپ ذرا اس تناسب اعداد پر غور فرما دین -

نام ممالک	سال	خرچ فی ہزار آبادی	خرچ فی ہزار مزروعہ ایکڑ زمین
۱ - انگلستان	۱۹۲۱	۹۶۰ روپیہ	۱۳۸۰ روپیہ
۲ - جرمنی	۱۹۱۰	۹۴۵	۹۰۵
۳ - امریکہ	۱۹۱۹ / ۱۹۲۰	۱۰۲۰	۲۱۰
۴ - پنجاب	۱۹۲۱ / ۱۹۲۲	۷۹	۵۶

حکومت نے صرف کیا اب آپ خود ہی خیال فرمائین کہ ہمارے زراعت کے وسائل کسطرح غیر ممالک سے مقابلہ کر سکتے ہین -

ایک اور بڑی دقت جو اسوقت تک محکمہ کے لئے درپیش ہے وہ یہ کہ موجودہ حالت مین

زیادہ کام بطور تجربہ کے ہو رہا ہے کیونکہ ہمارے حالات ایسے ہین کہ جب تک یہ بات ثابت نہ ہو جائے کہ باہر کی اشیا ہمارے واسطے پورے طور پر مفید ہین - یہ محکمہ ان کو عام استعمال کی اجازت نہین دے سکتا مثلاً ۴ ایف (F ۴) کپاس کو (جو ۱۹۰۸ء مین ہندوستان مین پہلی دفعہ لائی گئی اور دس گیارہ سال بعد سات لاکھ ایکڑ سے زیادہ رقبہ مین کاشت کیگئی جس سے ایک کروڑ بیس لاکھ کا اضافہ زمینداروں کی آمدنی مین ہو گیا) ۱۹۱۹ء مین ایک غیر معلوم بیماری نے تباہ کر دیا۔ اندازہ کردہ فصل سے .... گھٹریان کم نکلین۔ اگلے سال دیسی اور امریکن برابر رہین لیکن ۱۹۲۱ء مین بارش نہ ہونے کی وجہ سے پھر F ۴ کو بہت نقصان ہوا۔ لیکن ۱۹۲۲ء مین ۴ ایف نے اپنی کھوئی ہوئی شہرت پھر حاصل کر لی، اسکے ساتھ ہی ۲۸۵ F کا شہرہ ہوا - جو دیسی اور F ۴ دونون سے اچھی ثابت ہو رہی ہے۔ اسی طرح پر ۱۲ پوسا گندم پنجاب ۱۱ اور پنجاب ۸ گندم کے بھی ابھی تک تجربہ ہی ہو رہے ہین یہ علیحدہ بات ہے کہ وہ وسیع پیمانے پر ہین بات یہ ہے کہ بیرونی تخم کے واسطے ضروری ہے کہ وہ ملک کی آب و ہوا سے مانوس ہو جائے اور اتنے بڑے ملک کے واسطے جسکی آب و ہوا اور موسمون مین اسقدر اختلاف ہو اس بات کا فیصلہ کرنے کے واسطے وقت درکار ہے۔

یہی وقت نئے اور بہتر آلات کشاورزی کے استعمال مین پیش آرہی ہے۔ بعض کی تو قیمت اسقدر زیادہ ہے کہ موجودہ طرز زندگی مین عام کاشتکار اسے نہین خرید کر سکتا - دیسی ہل کے مقابلہ مین راجہ ہل کتنا ہی اچھا کیون نہ ہو لیکن ۴۵ روپے پر خریدنے کیواسطے اسے کتنے آدمی تیار ہونگے۔ اسی طرح پر اور آلات ہین جنکے استعمال مین نہ صرف قیمت کا سوال ہے۔ بلکہ بڑی حد تک ہماری قدامت پسندی اور لکیر کا فقیر بنے بیٹھے رہنا ہے۔

ہندوستان مین آج وہی ہل کام کر رہا ہے جو صدیون سے نہ صرف ہمارے ملک مین بلکہ کنعان اور شام جیسے پرانے ملکون مین رائج ہے۔ ضرورت اسبات کی ہے کہ زمیندارون کو یہ تعلیم دیجاوے کہ وہ اپنی آمدنی اور خرچ کو اسطرح استعمال کرین کہ اچھے آلات کی خرید کر سکین اور موجودہ وسائل کاشتکاری سے پورا فائدہ اٹھا سکین۔

ابھی تک تو ہندوستانی کاشتکار یہ سوچتا تھا کہ میرے باپ دادا نہ پڑھنا جانتے تھے

دکھانا ان کے پاس یہ نئے نئے بے ڈھنگ اوزار تھے لیکن پھر بھی مزے سے زندگی گذار گئے مجھے کیا مصیبت پڑی ہے کہ مین مزید درد سری مول لون - روٹی مل ہی جاتی ہے یہ وہ نصب العین ہے جو ہمارے کاشتکار بھائی اپنے سامنے رکھتے ہین - اسکی محنت اسبات پر صرف ہوتی ہے کہ پیٹ بھرنے کو کھانا اور تن ڈھانکنے کو کپڑا ملجاوے - لیکن اب یہ زمانہ آرہا ہے کہ جس فرقہ کا ایسا مطمح نظر ہو وہ کشاکش حیات یعنی زندگی کی دوڑ دھوپ مین کامیاب نہین ہوسکتا مغربی کاشتکار اس درجہ سے نکل چکا ہے وہ نہ صرف اپنے خاندان بلکہ اپنے ملک کی منڈیون اور غیر ملکی منڈیون کے واسطے پیدا کرتا ہے، خود کھاتا ہے ملک کو دولتمند بناتا ہے - اسکا مقصد زندگی ہمارے بھائیون سے بہت وسیع ہے - ہندوستان اس تنگ نظری سے اب نکلتا نظر آتا ہے - یہ خوش قسمتی کی بات ہے کہ ہم مین بھی یہ احساس پیدا ہوچلا ہے - خاصکر پنجاب کی نوآبادیون (لائل پور منٹگمری اور سرگودھا) مین لوگ اب اچھے بیج اچھے بھاؤ اور اچھی پیداوار کے اصولون کو سمجھنے لگے ہین، چنانچہ جب لڑائی کی وجہ سے کپاس کا بھاؤ یک لخت چڑھ گیا تو پنجاب کا لونیز مین اس کی کاشت پانچ گنا بڑھ گئی - اور جب بھاؤ گر گیا تو چھ لاکھ ایکڑ رقبہ ایک سال مین کم ہوگیا -

سنہ ۱۹۲۵ء مین رقبہ کاشت شدہ کپاس ۴۷۳-۱۹۳ ایکڑ تھا

سنہ ۳۰-۱۹۳۱ء " " " " " " ۱-۵۳۶-۱۳۹ " "

سنہ ۳۱-۱۹۳۲ء " " " " " " ۹۵۰-۹۰۶ " ہوگیا

گویا کہ کم از کم نوآبادیون مین اس بات کو کاشتکار تاڑ گیا کہ فصل اتنا پیدا کرنا چاہیئے کہ باہر کی مانگ کی وجہ سے علاوہ معمولی گھر کے اخراجات کے کچھ اندوختہ بھی مہیا کرسکے -

یہ حالات زراعت کی ترقی کے خواہشمند کے لیے حوصلہ افزا ہین لیکن اس کام کے راستہ مین مشکلین بھی کچھ کم نہین - کسی خطۂ زمین کی دیہاتی بہبودی کے لیے تین چیزین نہایت ضروری ہین -

زمین کی حالت سرمایہ، اور فروخت اجناس کی آسانی - آیئے ! ہم مثال کے طور پر اپنے ملک اور خاصکر صوبہ پنجاب کے حالات کا مطالعہ ان تین پہلوؤن سے کرین -

علاوہ نوآبادیات کے جہان ایک مالک کا کھاتہ عام طور پر ۱۲ ۱/۲ ایکڑ سے ۱۵۰ ایکڑ تک ہے۔ پنجاب کے اکثر اضلاع ایسے ہین جہان فی مالک مشکل سے ۱۵ ایکڑ زمین حصہ آتی ہے۔ ہوشیارپور کانگڑہ، جالندھر اور راولپنڈی مین تو پانچ ایکڑ سے بھی کم زمین کی مالک ہے، اسکے ساتھ ہی یہ بھی مد نظر رکھئے کہ نوآبادیات سے باہر ۵ ایکڑ کی ملکیت کتنے کھیتون اور ٹکڑون مین منقسم ہے، جو گاؤن کے ہر گوشہ مین بلا ترتیب پھیلے ہوئے ہین تو آپ کو کچھ اندازہ ہو سکے گا کہ وہ کیا بوجھ ہے جو ہمارے زمیندارون کو ابھرنے نہین دیتا مسٹر کیلورٹ جو اس مسئلہ کے مستند ماہر ہین اپنی مشہور کتاب مین لکھتے ہین کہ جالندھر کے ایک گاؤن کے ۸۰۰ ۱۱۲ ایکڑ ۶۳۰۰۰ کھیتون مین منتشر ہین۔ اب اگر کسی مالک کی زمین اکٹھا ہو تو ایک نظر مین ساری زمین کی نگرانی کر سکتا ہے لیکن بار بار گاؤن کے مختلف کونون مین چکر لگانا ذرا مشکل ہے۔ زیادہ وقت بقول مسٹر کیلورٹ یہ ہوتی ہے کہ کسی کھیت مین کچھ بویا ہوا ہے کہین فصل کی بیائی شروع ہے۔ کہین کٹائی کہین آبپاشی ہو رہی ہے اور کہین فصل برداشت ہو رہا ہے۔ گاؤن کے مویشی جو ایک کھیت کے ناندے کھا رہے ہین۔ دوسرے کھیت کی استادہ فصل کو خراب کر رہے ہین۔ اگر کوئی شخص اپنی زمین مین نیا کنوان بنانا چاہتا ہو تو نصف درجن سے زیادہ مالکون کی اجازت پہلے حاصل کرے، اور وسط پنجاب کے بعض کہیت تو اسقدر مضحکہ خیز طور پر چھوٹے ہین کہ وہان راجہ ہل یا اس قسم کے نئے آلات کام بھی نہین کر سکتے یہ حال تو پنجاب کا ہے۔ ڈاکٹر مین صاحب نے اندازہ لگایا ہے کہ صوبۂ بمبئی مین ۱۷۷۱ء مین ایک گاؤن کی اوسط افرادی ملکیت ۴۰/۱۱ ایکڑ تھی جو کم ہوتے ہوتے ۱۹۱۵ء مین ۷ ایکڑ فی کس رہ گئی تھی۔

کل کھاتون مین سے ۸۱ فی صدی کم از کم ۱۰ ایکڑ ہین، ۶۰ فی صدی کم از کم ۵ ایکڑ ہین اب ان کے بکھرنے انتشار پر غور کرتے ہوئے ہم دیکھتے ہین کہ یہ کھاتے ۷۲۹ مختلف ٹکڑون مین منقسم ہین۔ جن مین سے ۴۶۳ کم از کم ایک ایکڑ اور ۱۱۲ کم از نصف ایکڑ ہین اسی طور پر GR. SATER صاحب نے مدراس مین دیکھا کہ ۱۸۸۲ء مین ایک گاؤن کے ۱۲ قطعات زمین تھے جو ۱۹۱۶ء مین ۳۶۶ بن گئے تھے۔

بنگال میں پروفیسر گنگولی صاحب نے اندازہ لگایا ہے کہ فی مالک ۲½ ایکڑ زمین اوسطاً حصہ میں آتی ہے۔ گویا کہ یہ مرض ہندوستان میں عام ہے۔

ان حالات کے برے نتائج میں سے زیادہ نقص کی بات یہ ہے کہ کاشتکار یہ جانتے ہوئے کہ اس تھوڑی سی زمین میں کچھ بھی کرے کیا ترقی ہو سکے گی۔ پوری محنت نہیں کرتا۔ مسٹر کیلورٹ کا اندازہ ہے کہ پنجاب کے کاشتکاروں کی کام کرنے کی اوسط اگر سال کی نکالی جاوے تو معلوم ہو گا کہ وہ صرف ۱۱۲ دن پورے کام کرتا ہے باقی وقت ضائع کرتا ہے۔

اب ہم زراعتی ترقی کے دوسرے جزو سرمایہ کو دیکھتے ہیں۔ میرے خیال میں اخبار بین حضرات سے مخفی نہیں ہو گا کہ پنجابی کاشتکار کی آمدنی جیل کے قیدی پر سرکاری خرچ سے بھی تھوڑی ہے۔ جسکے بڑے اسباب میں سے ایک تو یہی زمین کی ناواجب تقسیم اور دوم صوبہ کی آب و ہوا میں بعض دفعہ میں اختلاف، مویشیان میں کثرت اموات اور خود زمینداروں کی فضول خرچ عادت اور شادی بیاہ پر گھر لٹانے کی رسوم۔ ان سب پر طرہ شاہ جی کی دوکان جو در اصل کاشتکار کے لیے سب سے بڑا خطرہ ہے۔ اور جسکو اسکی بربادی کا مستقل مرکز سمجھنا چاہیے۔ خان بہادر سید اکبر حسین خان اکبر الہ آبادی نے ہمارے کاشتکار کی حالت کیا اچھی بیان کی ہے۔

محتاج ور وکیل و مختار ہیں آپ ۔۔۔ سارے علوں کے ناز بردار ہیں آپ
دنیا میں ہیں آوارہ آپ مانند غبار ۔۔۔ معلوم ہوا مجھے کہ زمیندار ہیں آپ

زمینداروں کے افلاس کی حالت ایک تکلیف دہ کہانی ہے۔

پنجاب کے اکثر اضلاع کے حالات ناگفتہ بہ ہیں لائلپور میں کل ضلع کا رقبہ سالانہ سے ۲½ گنا زیادہ ہے، لیکن وسط پنجاب کے اضلاع میں ۲۴ گنا تک ہے، اور ۱۲ گنا تو اوسط ہے۔ زمینداروں کی زندگی ایک تکلیف دہ کشمکش ہو گئی ہے وہ ساہوکاروں کے قبضہ میں اس بری طرح جکڑے ہوئے ہیں کہ جس وقت وہ اپنے غلہ کو فروخت کرتے ہیں تو انکو بجائے فائدے کے الٹا نقصان ہوتا ہے۔ کلکتہ کے نزدیک ایک منڈی میں

جو مشاہدہ کیا گیا ہے۔ اس سے پایا جاتا ہے کہ رہن شدہ فصل کی قیمت اور بلا رہن فصل کی قیمت مین بین اختلاف ہے۔ گاؤن مین عام دستور ہو گیا ہے کہ ساہوکار اپنے قرضہ کی ادائگی مین استادہ فصل لے لیتا ہے۔ پھر جو اسکا بھاؤ کاٹتا ہے اس کا تناسب ذیل کے اعداد سے ظاہر ہو گا۔

رہن شدہ فصل، السی عہ/ سے ۱۲/
غلہ للعہ/ سے صہ/
سن صہ/ سے ے/

بلا رہن یعنی وہ فصل جسے کاشتکار اپنی مرضی سے فروخت کر سکتا ہے۔

السی ۱۲ سے عا/۱۴ تک
غلہ ۱۲/ سے معہ/ تک
سن ۱۰ سے لعہ/ تک

فروخت اجناس کی یہ دقت اور بھی واضع ہو تی ہے جب ہم یہ خیال کرین کہ منڈی مین غلہ لیجانے والے زمیندار کی کیا گت بنتی ہے۔ آپ خیال فرمائین کہ جو وقت آڑھتی کی تقرر کردہ قیمت سطے ہو جاتی ہے تو پہلے دلال صاحب آموجود ہوتے ہین۔ پورے بھرائی اتنے پیسے۔ تولے دار صاحب تولنے کے اتنے پیسے۔ چھاندار غلہ کو مٹی سے صاف کرنے کی اجرت لیتا ہے، پھر منڈی کے گئوشالہ یا مسجد کے واسطے دان یا خیرات بھی اگر دیجائے تو بڑے پن کا کام ہے، اور آڑھتی کے لانگری بہشتی کا بھی خیال رکھا جائے۔ اب اگر آپ آڑھتی کے تول سے واقف ہین تو آپ یقیناً میرے ساتھ اتفاق کرین گے کہ کاشتکار کی حالت قابل رحم ہے۔

حضرات دنیا مین زندگی کی جدوجہد اس زور سے جاری ہے کہ صرف بہترین ہستیان زندہ رہ سکتی ہین۔ باقی کے واسطے گنجائش نہین۔ یہی حال پیشون اور صنعتون کا ہے، اگر زراعت کا یہی حال رہا تو اپنے رقیب تجارت یا صنعت و حرفت کا کہان تک مقابلہ کر سکے گی۔

ہندوستانی کاشتکار کی بے علمی اُسے کئی اور تکالیف کا شکار بنا رہی ہے اگر پنجاب کی نوآبادیون کی پیداوار کو نظرانداز کردین تو آپ دیکھینگے کہ باقی پنجاب مین ترقی کی رفتار قریبًا مسدود ہے برعکس اسکے باقی ممالک کے حالات پر نظر ڈالین امریکہ مین ۱۸۸۵ء مین ایک لاکھ چھتیس ہزار گٹھر روئی کی تیار ہوئین سنہ ۱۹۱۰ء مین ایک کروڑ ۱۵ لاکھ سنہ ۱۸۴۰ء مین مکی کے ۲ کروڑ ۸۷ لاکھ فلوڑا تھے۔ سنہ ۱۹۲۱ء مین ۳۰ کروڑ ۴۶ لاکھ تھے۔ ۷۰ سال مین گندم ۸½ کروڑ فلواڑ سے ۷۶ کروڑ فلواڑ ہوگئی۔ اسی طرح دوسری اجناس مین۔ کیا ہم پر بیرونی ممالک کے یہ اعداد کوئی اثر نہین کرتے۔ کیا ہندوستان باقی دنیا سے اسقدر الگ تھلگ ہے کہ اسپر دنیا کی منڈیون کے نرخ کا اثر نہ پڑے گا۔ کیا وہ دن دور ہے جب مغرب کے ساتھ مقابلہ مین ہندوستان کی زراعت شکست فاش کھائے، امریکہ اور کنیڈا کے بجلی اور بھاپ سے چلنے والے ہل و ہانگی سائنٹفک کاشتکاری، اصول منڈی سے واقفیت مغربی زراعت کو ایسا بنا دین گی کہ ہندوستان کی اشیاء کی مانگ زیادہ رہے گی ہی نہین اور جبدن خدانخواستہ یہ حالات ظہور پذیر ہوگئے وہ دن ہندوستان کے لیے فال بد ہوگا۔ حضرات وسائل آمدورفت کی آسانی نے ساری دنیا کو ایک سلسلہ مین جکڑ دیا ہے مجھے یاد ہے کہ جب جنگ عظیم شروع ہوئی تو مین راجن پور مین تھا۔ جو ڈیرہ غازی خان سے ۸۰ میل کے فاصلہ پر ہے انگلستان کو لڑائی مین شامل ہوئے چار دن نہ گزرے تھے کہ راجن پور سے ۱۱ میل پرے مٹھن کوٹ کے سرکاری بنگلہ کا ٹھیکیدار مجھ سے دیاسلائی کے دو پیسے مانگنے لگا۔ اور میری دریافت پر کہا کہ لڑائی کی وجہ سے بھاؤ چڑھ گیا ہے۔ آپ منڈیون کے حالات دیکھین ساری دنیا کی منڈیون کی تار ہر روز آتی ہین، اور گھٹتے بڑھتے بھاؤ کا منٹ منٹ کے بعد پتہ لگتا ہے ان حالات سے سبق لیکر ہمکو یہ تہیہ کر لینا چاہیئے کہ ہندوستانی کاشتکار کو یہ سکھا دین کہ وہ اپنی ضروریات سے بالاتر ملک کی ضروریات اور اس سے بڑھکر بیرونی ممالک کی منڈیون کے مقابلہ کو مدنظر رکھکر کام کرے۔ تاکہ ہندوستان جیسے وسیع ملک کے وسائل سے پورا فائدہ اُٹھا کر ہم اپنے ملک کی زراعتی حالت ساری دنیا سے بہتر بنالین حضرات یہان ذرا کاشتکار کی جسمانی حالت اور صحت کا معاملہ بھی خالی از دلچسپی نہ ہوگا؛

ڈاکٹر گلور صاحب نے کئی ممالک کے مردوزن کاشتکارون کی اوسط کا ایک نقشہ تیار کیا ہے: جو مین بجنسہ درج کرتا ہون۔

نام ملک	وقت (یعنی سن)		بعمر ۲۰ سال	بعمر ۳۰ سال	بعمر ۴۰ سال
۱۔ ڈنمارک	سنہ ۱۹۰۱ء سے سنہ ۱۹۰۶ء	مرد	۴۶۔۰۲	۳۸۔۰۰	۲۹۔۷۰
		عورتین	۴۸۔۱۰	۴۰۔۱۰	۳۲۔۰۰
۲۔ انگلینڈ	سنہ ۱۹۰۱ تا ۱۰ء	مرد	۴۳۔۰۱	۳۴۔۷۶	۲۶۔۹۶
		عورتین	۴۵۔۷۷	۳۷۔۳۶	۲۹۔۳۷
۳۔ اٹلی	سنہ ۱۹۰۱ تا ۱۰ء	مرد	۴۲۔۲۷	۳۵۔۹۴	۲۸۔۲۳
		عورتین	۴۳۔۶۹	۳۶۔۵۸	۲۹۔۱۸
۴۔ جاپان	سنہ ۱۸۹۹ء تا ۱۹۰۳	مرد	۴۰۔۳۵	۳۳۔۴۴	۲۵۔۰۳
		عورتین	۴۱۔۰۶	۳۴۔۸۴	۲۸۔۱۹
۵۔ ہندوستان	سنہ ۱۹۰۱ تا ۱۰ء	مرد	۲۷۔۴۶	۲۲۔۴۴	۲۸۔۰۲
		عورتین	۲۷۔۹۶	۲۲۔۹۹	۱۸۔۴۹

میرے خیال مین ان اعداد و شمار پر کسی تقریظ کی ضرورت نہین۔

مضمون طویل ہوتا جارہا ہے لیکن مین خیال کرتا ہون کہ ابھی مجھے بہت کچھ کہنا ہے کمی وقت کا لحاظ رکھتے ہوئے مین مختصراً ان مایوس کن حالات کو اچھے حالات مین تبدیل کرنے کی چند تجاویز بیان کرونگا۔ تقسیم زمین، سرمایہ فروخت اجناس وغیرہ جتنی تکالیف ہین ان سب کا علاج۔ علاج نہین بلکہ اکسیر کواپرٹش ہے۔ زمینداروں کی ترقی کا راز لفظ "اتفاق" مین مضمر ہے یہ تحریک بھی زراعت کی طرح نئی ہے اور زراعت کے ساتھ وابستہ ہے۔ لیکن درحقیقت جو کام اس تحریک نے کیا ہے۔ اور ابھی جو کچھ آپ لوگون کی توجہ سے اور مفید کام کرسکتی ہے اسکا خیال بڑا ہی دل خوش کن ہے۔ مثلاً ۳ سال کے قلیل عرصہ مین ۱۳۳ سوسائٹیان صرف اس غرض سے بنی ہین کہ پانچ ہزار ممبرون کی مشترکہ زمین کے ۲۵۰۰۰ ٹکڑون کو تھوڑا کرین۔ چنانچہ اس قلیل عرصہ مین وہ ٹکڑے اب صرف ۴۵۰۰ رہ گئے ہین۔ اس کوشش کا

نتیجہ یہ ہوا کہ بعض اضلاع مین لگان ۲۵ فی صدی بڑھ گیا ہے۔ گذشتہ سال جالندھر مین ۷۰۹ کھیتون کو ۱۱۰۴ کھیت بنایا گیا۔ اور ان کا رقبہ فی کھیت جو نصف سے کم تھا ۳ ایکڑ بنایا گیا جالندھر کے ہی ایک گاؤن مین ایک مالک کی زمین ۲۰۰ ٹکڑون مین بکھری ہوئی تھی اب ایک سالم ٹکڑے کا مالک ہے۔ اس ضلع مین ۷۴ نئے کنوئین کھودے گئے ہین اور ۱۷۵۰ ایکڑ بنجر زمین کی قلبہ رانی ہوگئی ہے۔ اگر آپ صاحبان اس تجربہ کو وسیع طور پر استعمال فرمائین تو رفتہ رفتہ اس آفت کو بالکل رفع کر سکتے ہین۔

درحقیقت ہماری قومی بہبودی کا راز کواپریشن ہے۔ اس تحریک نے ہزارہا اجڑے ہوئے گھر آباد کرا دیے۔ لاکھون کو ساہوکار کے پنجہ سے نجات دی۔ لوگون مین امداد باہمی کا زرین اصول رائج کر دیا۔ اصلاح رسوم مین بڑی امداد دی۔ بالغون کی تعلیم کو اپنے انتظام مین لے لیا اور اس ضمن مین مین فخر کے ساتھ کہہ سکتا ہون کہ سارے ہندوستان مین اپنی طرز کی نئی انجمن کواپریٹو ایجوکیشنل ایسوسی ایشن منٹگمری قائم کرکے یہ ظاہر کر دیا کہ کواپریشن ہر شعبۂ زندگی کے واسطے لازمی طور پر مفید ہے۔

کواپریشن وہ حربہ ہے جس نے ڈنمارک۔ جرمنی، جاپان۔ اور خود انگلستان مین ایک انقلاب عظیم پیدا کر دیا ہے، جاپان ایک ایشیا کا ملک ہے۔ اسلئے مین اسکی مثال لیتا ہون۔ جاپان مین صرف ۱۵½ فی صدی زمین کاشت شدہ ہے۔ لیکن پھر بھی جاپان پنجاب سے کچھ بڑا ہے۔ پنجاب ۴۷ فی صدی کاشت شدہ ہے۔ لیکن پھر بھی جاپان کی آبادی پنجاب سے ۲½ گنا زیادہ ہے۔ اور اسکے باشندے نسبتاً آسودہ حال ہین وہان ہر گاؤن مین زراعتی انجمن ہے۔ کواپریٹو سوسائٹی ہے۔ ایک گاؤن مین ۳۲۲ کھاد جمع کرنے کی جگہین ہین۔ ایک ۲۰۰۰ کی آبادی والے گاؤن مین ۲ زمیندارہ بنک۔ ایک نوجوان لوگون کی انجمن، ایک عورتون کی مجلس، دو ہترفت انجمنین اور اسی قسم کی اور تحریکات ہین۔ جاپان کو بھی وہی تکالیف درپیش تھین جو مین اوپر بیان کر چکا ہون لیکن جاپان نے اعلےٰ درجہ کے زراعتی وسائل اور کواپریشن سے ان سب دقتون کو رفع کر دیا۔ جاپان نے یہ سمجھ لیا ہے کہ زندگی کی دوڑ مین ہر چیز کارآمد ہوسکتی ہے۔ ہر شہر سے صبح کو تیتے

گاڑیوں کی ایک لکیر نظر آتی ہے۔ جو مکڑی کے جالے کی طرح ہر طرف پھیلا ہوتا ہے۔ یہ ان بیشمار گاڑیوں کی لکیر ہے جن کے ذریعہ کھاد دور دراز کھیتوں پہنچایا جاتا ہے۔ یہ ان ہی کوششوں کا ظہور ہے کہ جاپان جہاں ۵-۵۶۱-۰۵۳ گھر زراعت کا کام کرتے ہیں۔ ۹۰۰-۰۰۰-۰۰۰ پونڈ کے مقروض ہیں۔ اور پنجاب جہاں صرف ۲-۶۳۶-۵۹۸ گھر زراعت پیشہ ہیں قرضہ ۶۰-۰۰۰-۰۰۰ پونڈ ہے۔

اگر جاپان نے اپنی ترقی اس حیرت انگیز رفتار سے کر لی ہے تو کیا ہندوستانی کاشتکار ایسا نہیں کر سکتا۔ اب پہلی تین دقتوں کو سطح کو اپریشن سے رفع کریں۔ پھر زمینداروں کو تعلیم دیں۔ انکو معلوم ہو کہ بیج کی پہچان کیا ہے۔ موسم کا کیا اثر پڑتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ غرضکہ سارے ملک میں زراعتی ترقی کی ایک لہر دوڑ جاوے۔ اور ساری دنیا اس بات کو تسلیم کرے کہ واقعی ہندوستان بھی جاگ اُٹھا ہے۔

ایک چینی فلاسفر کا قول ہے کہ کسی ملک کی بہبودی ایک درخت کی مانند ہے۔ زراعت اسکی جڑ ہے۔ صنعت و حرفت اسکی شاخیں۔ اور زندگی، اگر جڑ کو نقصان پہنچا تو شاخیں سوکھ جائیں گی اور درخت مرجائے گا۔

یہ آپ کا کام ہے کہ آپ اس جڑ کو کبھی کمزور نہ ہونے دیں۔ بلکہ اُسے روز بروز مضبوط بنائیں۔ تاکہ آپ کا ملک بھی روز بروز طاقتور ہوتا جائے۔

نذیر احمد خان

رسید کتب

منگل پربھات (ہندی) مصنفہ مسٹر چندی پرشاد بی۔ اے قیمت مجلد ۱۲/
دیو داس (ہندی) مصنفہ گنگا پرشاد سنگھ صاحب قیمت ۱۲/
گرہ کا پھیر (ہندی) مصنفہ بابو جوگندر ناتھ چودھری ایم۔ اے ۸/
منورنجک کہانیاں (ہندی) مصنفہ ظہور بخش جی ۶/
منوہر اتہاسک کہانیاں ۔ مولفہ ظہور بخش جی ۶/

ہماری چند قومی ضرورتین

اس مضمون کے پچھلے نمبر مین ہم نے اس بات پر زور دیا تھا کہ ہمارے لڑکون کے لیے علمی سائنس کی تعلیم نہایت ضروری ہے۔ بجائے اسکے کہ ہم اپنی ضرورت کی ہر ایک چیز غیر ملکون سے منگا دین۔ یہ بہتر ہے کہ ہم ہر قسم کا سامان اپنے ملک مین پیدا کر سکین معلوم نہین علمی سائنس وسیع پیمانہ پر ہمارے ملک مین کب جاری ہوگی۔ گورنمنٹ کی رفتار عمل تو اس میدان مین بہت سست ہے۔ ہندوستان کے امیر آدمی بھی اسطرف بہت کم متوجہ ہین۔ کیونکہ معمولی طور پر اتنا روپیہ خرچ ہو رہا ہے کہ سائنس کی تعلیم کے لیے روپیہ مہیا کرنا بہت مشکل معلوم ہوتا ہے۔ کاش ملک کے ہمارے راجے مہاراجے اپنی رعایا پر رحم کرین اور ان کی بہتری کے لیے علمی سائنس کی تعلیم اپنی ریاستون مین جاری کر دین جس سے انگریزی علاقہ کے باشندے بھی فائدہ اُٹھا سکین۔ اس کام کے لیئے روپیہ کی سخت ضرورت ہے۔ اور معمولی حیثیت کے آدمی اسقدر روپیہ بہم نہین پہنچا سکتے۔ اسلئے اس معاملہ مین بظاہر طور پر ہماری ترقی نہایت آہستہ ہوگی۔

گورنمنٹ نے بھی قریبًا ہر ایک صوبہ مین علمی سائنس کی تعلیم کسی نہ کسی شکل مین شروع کر دی ہے۔ لیکن ایک دوسرا معاملہ بھی ہمارے سامنے ہے۔ جسمین ہمین کسی راجہ مہاراجہ کی مدد کی ضرورت نہین۔

وہ یہ ہے کہ ہم سودیشی تحریک کو ترقی دین۔ راجاؤن مہاراجاؤن کی مدد کے بغیر بھی ایک خاص حد تک ملک مین طرح طرح کا سامان بنایا جا رہا ہے۔ افسوس اس بات کا ہے کہ ہم اُس سامان کی مناسب قدر نہین کرتے۔ انگریزون کی بدولت جہان ہمارے ملک مین چارون طرف چہل پہل ہو رہی ہے۔ ریلین چل رہی۔ ہوائی جہاز اور رہی ہین

موٹرین دوڑ رہی ہین۔ سکول اور کالج کھولے جارہے ہین ہزارون بی۔ اے۔ ایم۔ اے پاس ہوتے ہین بنک جاری ہوتے رہتے ہین۔ اخبارون کی تعداد دن بدن بڑھ رہی ہے کونسلون مین گورنمنٹ پر دل کھولکر نکتہ چینی ہوتی ہے اور کانگریس اور کانفرنسون مین ملک کی ترقی کے لیے تجویزین سوچی جاتی ہین۔ وہان یہ بھی ایک افسوسناک امر واقعہ ہے کہ ہم ہندوستانی اپنے مرکز سے الگ ہٹتے جاتے ہین۔

ہماری نظر مین کسی ہندوستانی چیز کی قدر نہین۔ ہماری تعلیم نے ہمکو نقلی انگریزی بنا دیا ہے۔ ہمکو انگریزون کی ہر ایک چیز پسند ہے۔ اور جیسا کہ کمزور قومون کا قاعدہ ہے اپنی چیزون کی محبت ہمارے دلمین بہت کم ہے۔

ہم انگریزون کی سخت شکایت کرتے ہین کہ انھون نے ہمارے ملک کو مفلس بنادیا ہماری صنعت وحرفت کو برباد کردیا وغیرہ وغیرہ مگر اپنے طرز عمل سے ہم انگریزون کے پرلے درجہ کے تعریف کنندگان ہین۔ ان کی پوشاک کو ہمنے پہن لیا۔ انکی طرح کھانا کھانا ہمنے اختیار کرلیا۔ ان کی زبان کے ایسے عاشق ہوگئے ہین کہ اپنی زبان کے دو لفظ بولتے ہین تو چار لفظ انگریزی کے بھی اسمین شامل کردیتے ہین۔ انگریزون کے ناٹک ہمکو بہت اچھے معلوم ہوتے ہین۔ سینما اور گراموفون نے ہمارے دل لبھا لئے ہین جو کھیل انگریز کھیلتے ہین وہی ہم بھی کھیلتے ہین۔ کرکٹ۔ ٹینس۔ فٹ بال۔ ہاکی وغیرہ ہمارے لڑکون کو اسکول اور کالج مین سکھایا جاتا ہے۔ یہ ہماری ظاہری ٹیپ ٹاپ ہے اس ظاہری بناوٹ سے دلکا حال بھی معلوم ہوتا ہے۔ اسمین شبہہ نہین کہ ہمارا دل بھی بدیشی ہوگیا ہے۔ جتنے بڑے بڑے ہندوستانی افسر ہین سب انگریزی ٹوپی استعمال کرتے ہین۔

لوگ چاہتے ہین کہ ہمارے آدمیون کو اعلےٰ عہدے ملین۔ مگر انکو جہان عہدے ملے وہ فوراً صاحب ہوگئے۔ بہت سے ہندوستانی صاحبان چھٹی کے ایام ولایت مین بسر کرتے ہین ایسی حالت مین ملک کو نقصان پہنچانے والے ہم ہین یا کوئی غیر۔ ایسے دل اور دماغ رکھنے والون کی یہ شکایت کہ ہمارے ملک کو غیر لوگ برباد کررہے

ہین سراسر بے معنی ہے۔ میرے ایک دوست فرماتے تھے کہ مسز سروجنی نائیڈو نے اپنے ایک لیکچر مین کہا تھا کہ لوگ اس امر کی شکایت کرتے ہین کہ مہاتما گاندھی نے ہمکو چھ ماہ یا ایک سال مین سوراج نہین دلوایا۔

انھون نے فرمایا کہ "مین ان شکایت کرنے والون سے یہ پوچھتی ہون کہ چھ ماہ یا ایک سال مین سوراج حاصل کرنے کے لیے تم نے مہاتما گاندھی کی کیا مدد کی۔ مہاتما گاندھی نے ادیش کیا کہ تم کھدر بناؤ اور پہنو۔ ہندوستان کے کتنے لوگون نے کھدر بنایا اور پہنا۔ مہاتما گاندھی نے ادیش کیا کہ تم شراب اور سگرٹ وغیرہ کو چھوڑ دو۔ باوجود ان کے ادیش کے کیا شراب اور سگرٹ کا استعمال کم ہو گیا ہے یا زیادہ۔

اے نکتہ چینو تم کس منھ سے یہ شکایت کرتے ہو کہ تمکو چھ ماہ مین سوراج نہین ملا۔ تم نے بیشمار شکایتین کین کہ جیلخانون مین تمہارے ساتھ اچھا سلوک نہین ہوا تم کو وہان اچھا کھانا نہین ملا۔ کیا تم جیلخانون مین اچھا کھانا کھانے کی امید پر گئے تھے۔ کیا تم اس خیال مین تھے۔ کہ اگر تم چھ ماہ یا ایک سال جیلخانہ مین رہ آؤ گے تو تم کو سوراج ملجائے گا۔ یہ خیال تمہارا غلط تھا۔ سوراج حاصل کرنے کی راہ بہت مشکل ہے۔

مہاتما گاندھی پاک اور صاف دل بزرگ ہین انکا خیال تھا کہ قوم صدق دل سے سوراج چاہتی ہے وہ سر توڑ کوشش کریگی۔ مگر ان کو تجربہ سے معلوم ہوا کہ کمزور ارادے والے لوگون سے زیادہ توقع کرنا غلطی تھی۔ استنے بڑے ملک مین ایک تھوڑی سی تعداد نے سخت تکلیف اُٹھائی۔ مگر وہ بھی تھک گئے۔ کیا تم آئرلینڈ کی مصیبتون کا حال جانتے ہو اپنی چھوٹی سی قربانی سے چھ ماہ یا سال بھر کے بعد سوراج حاصل کرنے کی اُمید کرنا تمہاری غلطی نہین تو کیا ہے"

ذی فہم لوگ سمجھ سکتے ہین کہ مسز نیڈو نے ہماری اخلاقی حالت کا پورا خاکہ کھینچا ہے یا نہین۔ مگر یہ ماننا چاہئے کہ کسی تجربہ کے بغیر لوگون نے مہاتما گاندھی کے حکم کی تعمیل ایک حد تک نہایت کامیابی کے ساتھ کی تھی۔ گو اس امر پر کہ ان کا طریق عمل درست تھا یا نہین مختلف طبیعتون مین اتفاق نہین۔ اسمین ذرا بھی شک نہین کہ ہمارے ارادے کمزور ہین

اور اگر ہم اپنے ارادون کو مضبوط بنالین تو ہمارا ملک بہت زیادہ ترقی کر سکتا ہے پولیٹیکل
حلقون مین کتنا وقت اس مباحثہ پر صرف ہوا ہے کہ کانگریس کے ممبران کو روزانہ سوت
کاتنا چاہیے یا نہین اور قومی جلسون کے موقع پر لازمی طور پر کھدر کے کپڑے پہننے چاہئیں
یا نہین۔ بات یون ہے کہ مہاتما گاندھی اپنے ملک کے سچے عاشق ہین۔ دوسرے
لوگ اس منزل تک نہین پہونچے۔ ورنہ کانگریس کے ممبران کو کھدر کے کپڑے پہننے
پر کیون اعتراض ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ سب لوگ کھدر استعمال کرتے ہین مگر انکو
جبریہ استعمال پر اعتراض ہے۔ لیکن جب وہ کھدر کے استعمال کو اچھا سمجھتے ہین تو اس
قاعدے کو کہ کانگریس والون کھدر ضرور پہننا چاہیے کیون پسند نہین کرتے۔

تعجب ہے کہ آپ ایک خاص فوج مین بھرتی ہوتے ہین۔ مگر اسکی وردی
پہننے کے قاعدے کو منسوخ کرنا چاہتے ہین۔ اگر آپ جیسے امیر آدمی ہر ایک موقع
پر کھدر پہنین گے تو آپ کو دیکھکر سینکڑون آدمی کھدر کو استعمال کرین گے اور جیسا کہ
مین اوپر بیان کر چکا ہون آپ کھدر ہمیشہ استعمال کرتے ہین پھر آپ کو اس قاعدے
پر کیون اعتراض ہے کہ کانگریس کے ممبران ہمیشہ کھدر پہنا کرین۔ ~~ہر ایک بڑے~~ بڑے
لیڈر نے اس معاملہ مین مہاتما گاندھی ~~سے اختلاف ظاہر کیا ہے۔ اور ان کو مجبوراً ترک~~
~~اوٹھانا پڑی ہے۔~~ خیر یہ معاملہ بڑے بڑے آدمیون کے فیصلہ کا ہے۔ ~~اسکی نسبت~~ مین نے
~~صرف اس وجہ سے لکھا ہے کہ سودیشی تحریک ہمارے ملک مین ابھی مضبوط نہین ہے~~
دوسری طرف مہاتما جی کا یہ اصرار کہ ہمکو مل کا بنا ہوا کپڑا استعمال نہین کرنا چاہیے۔
اسوقت درست معلوم نہین ہوتا۔ اگر کوئی شخص کھدر پہن سکے تو بہت اچھا ہے اگر وہ
ہاتھ کا کاتا ہوا اور بنا ہوا کھدر نہ پہنے مگر ہندوستانی مل کا بنایا ہوا کپڑا پہنے تو بھی
ایسا مجرم نہین کہ اُسکو ملک کا دشمن سمجھا جائے گو کانگریس کے ممبران کا فرض یہی
ہونا چاہیے کہ وہ ہاتھ کا کتا ہوا اور بنا ہوا کھدر استعمال کرین دوسرون کے سامنے
نیک مثال قائم کرنے کے لیے ان کے واسطے یہ پابندی نہایت ضروری ہے۔ مل والے
ایسا سوت کیون پیدا نہین کرتے۔ جو یورپ کے سوت کو مات کر دے۔ اسمین کچھ شک نہین

لوگون مین بمقابلہ پہلے کے سودیشی اشیا کے استعمال کی طرف زیادہ رغبت پیدا ہوگئی ہے
مگر یہ بمقابلہ ہمارے ملک کے وسعت اور آبادی کی دیسی اشیا کا استعمال بہت کم ہے مجھکو
کلکتہ کے روزانہ اخبار "فارورڈ" (مورخہ ۲۵ یا ۲۶ ستمبر ۱۹۲۵ء) مین یہ نوٹ پڑھکر بڑی تکلیف
ہوئی کہ آجکل وہایٹ وے لیڈلا کی دوکان پر مال بکفایت بک رہا ہے - جو لوگ
درگا پوجا کے دن اپنے عزیزون کو تحفے دینا چاہتے ہین - ان کو اچھا مال خریدنے کا
عمدہ موقع ہے" ایسی ہی تعریف اور تلقین لاہور کے روزانہ اخبار ٹریبون مین نکلی تھی -
فارورڈ کے پایہ کے اخبار جس کو مسٹر داس نے قومیت کا جھنڈا بلند کرنے کے لیے جاری
کیا تھا اس قسم کا نوٹ چھپنا نہایت نامناسب ہے بدیشی مال کی دوکانین ہمارے
لوگون کو ہر طرح کی رشوت دینے کو تیار ہین مگر جو لوگ قوم پر فدا ہونے والے ہین ان کو
اس رشوت سے پرہیز کرنا چاہیے - شراب اور سگریٹ وغیرہ کے اشتہارات کا ہندوستان
کے برگزیدہ اخبارون مین شائع ہونا ہمارے ملک کے لیے بالکل مضر ہے - آپ ایکطرف
ملک کے افلاس پر آنسو بہاتے ہین دوسری طرف تین چار ہزار روپیہ کا موٹر خرید لیتے ہین
جسکا پرزہ پرزہ امریکہ اور یورپ سے آتا ہے - آپ اس حرکت کو برا نہین سمجھتے مگر پانچ
دس روپیہ کا بدیشی کپڑا اگر کوئی شخص بحالت مجبوری خرید لے تو اسکو آپ ملک کا دشمن
سمجھتے ہین میرا خیال یہ ہے کہ آپ اُس شخص کے مقابلہ مین زیادہ مجرم ہین اگر وہ آپ کے
مقابلہ مین غریب آدمی ہے اور کفایت کے خیال سے اُسنے انگریزی کپڑا خرید لیا تو یہ اسکی
مفلسی کے مقابلہ مین کوئی بڑا جرم نہین کیا جب کہ آپ امیر ہین اور یورپ کی مدد سے
سامان عیش مہیا کرتے ہین -

سودیشی تحریک کے دوستون کیلئے راستہ صاف ہے - ملک مین سودیشی مال بکثرت پیدا
نہین ہوتا - تاہم امیر اور غریب آدمیون کے آرام اور استعمال کے لیے بہت
سودیشی مال ملتا ہے - جاڑے کا کپڑا کشمیر - رام پور - بوشہر - کلیو اور دیگر مقامات سے
بکثرت ملتا ہے بنگال - بمبئی اور مدراس مین زیادہ سردی نہین پڑتی - صرف پنجاب
اور صوبہ آگرہ و اودھ مین زیادہ سردی ہوتی ہے - ان کی ضرورت کے واسطے ہندوستان کا

بتا ہو اگرم مال کافی مل سکتا ہے۔ اُس سے زیادہ مال گرم موسم کے واسطے ملتا ہے۔ آپ کو اسبات کی ضرورت نہین کہ آپ وہانٹ دے۔ لیڈ لاسے مال خریدین ضرورت اس بات کی ہے۔ کہ ملک مین سرد اور گرم کپڑا زیادہ تیار کیا جاوئے۔

مادھو رام وکیل،

اگر تم بخیال خوشی کوئی اچھا کام کر رہے ہو لیکن اس سے تمہارے دل مین جذبات ہمدردی نہین پیدا ہوئے اور نہ مسرت کا جوش ہوتا ہے تو سمجھ لو کہ جو کام تم کر رہے ہو اچھا نہین ہے،

وہ زندگی کسقدر خوشگوار ہوگی جو ابدی، روح، ہمدردی، اور قادر مطلق سے پیوستہ ہے

ہم اپنی دولت کا ۹/۱۰ حصہ صرف ان اسباب کے مہیا کرنے پر صرف کرتے ہین جنسے ہمارے اور غریبون کے درمیان مین اجنبیت بڑھتی ہے۔ ہماری خوراک، لباس عادات، مکانات اور تعلیم ہمکو اُن سے علیحدہ رکھنے کے اسباب ہین۔

بعض مسرتین ایسی ہین جنکو انسان صرف اُسوقت محسوس کرسکتا ہے جبکہ وہ اپنی زندگی خدمت خلق کے لیے وقف کر چکا ہو۔ اور جب اُسکا مقصد حیات خودغرضی اور ذاتی خواہشات سے پاک ہو۔

رسید کتب

نشاط روح :۔ مجموعۂ کلام جناب اصغر حسین صاحب اصغر۔ مرتبہ احسان احمد بی۔ اے۔ ال ال بی مطبوعہ معارف پریس اعظمگڈھ۔

ہند اور انگلستان :۔ مترجم رائے بہادر پنڈت شیو نرائن شمیم صاحب ایڈوکیٹ لاہور۔

تذکرہ دہلی

(مصنفہ سی۔ ایف۔ اینڈریوز)

باب ہفتم

سیاسی خیالات

اپنی زندگی کے آخری سالون مین منشی ذکاءاللہ شہر دہلی کی سوسائٹی مین نہایت معزز ہستیون مین شمار کئے جاتے تھے۔ انھون نے کئی ایک کمیٹیون مین نہایت وفاداری اور باقاعدگی سے کام کیا اور جہان کہین اہالیان دہلی کے عمائدین کی نمایندگی ضروری ہوتی تھی وہان وہ ہر موقع پر پبلک مین اپنی جگہ پر موجود ہوتے تھے۔ ہندو اور مسلمان یکسان طور پر ان کی عزت کرتے تھے۔ ابتدائی ایام مین مسلمانون کے دلون مین جو ان کے مذہبی عقائد کے متعلق کسی قدر شکوک پیدا ہو گئے تھے وہ سب یک قلم جاتے رہے تھے اور دہلی کے مسلمان انھین اپنی قوم کے لیے باعث افتخار خیال کرتے تھے۔

اپنی آخری طویل بیماری کے زمانہ تک وہ پبلک لائبریری واقع ملکہ کے باغ مین ہر سہ پہر کو جدید ترین کتابین اور رسائل و اخبارات پڑھتے ہوئے نظر آتے تھے۔ جیسا کہ مین اس کتاب کی ابتدا مین کہین بیان کر آیا ہون، میری ان کی دوستی کی ابتدا یہین سے ہوئی تھی اور اسلیے میری ذات کے لیے دار المطالعہ کا تخیل ہمیشہ ان کی ذات سے وابستہ رہے گا۔ وہ موسم سرما مین ایک کھڑکی کے قریب جہین سے دھوپ آتی رہتی تھی۔ اپنی مخصوص کرسی پر بیٹھتے تھے اور موسم گرما مین وہ غروب آفتاب کے بعد آتے اور ٹھنڈک کی جگہ مین چھت پر بیٹھتے اور وہین ہم دونون مختلف مضامین پر تبادلہ خیالات کیا کرتے تھے۔

لائبریری مین جو بوڑھے آدمی ہر شام کو ان کے گرد و پیش جمع ہوتے تھے، ان کے

اجتماع سے زیادہ شاندار علمی حلقۂ شمالی ہندوستان مین مشکل سے ملسکتا تھا۔ ہر مذہب و ملت کے لوگ اُس صحبت مین شریک ہوتے تھے اور جب تک وہ علمی حلقہ قائم رہا اسوقت تک ہمیشہ اس امر کا امکان رہا کہ اگر کبھی کوئی مذہبی مباحثہ چھڑا یا عوام مین بدامنی کا خوف ہوا تو متنازعہ فیہ مسائل مین محبت آمیز تصفیہ پہنچا جا سکتا ہے۔

اوّل اوّل جس شے نے مجھے ان کی جانب راغب کیا اور مجھے اس حلقہ مین داخل ہونے پر آمادہ کیا وہ خود منشی ذکاءاللہ کی حیرت انگیز مہربانی اور تپاک آمیز سلوک تھا۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ ہندوستان کے دل کی حیثیت رکھتے ہین اور یہ کہ ان کی ذات اسکی گذشتہ روایات کو کافی طور پر ظاہر کرنے والی ہے۔ وہ محض اسلام کی بڑائی اور عظمت کے گرویدہ ہونے کا احساس نہ تھا اگرچہ ان کی موجودگی نے اس جانب بھی متوجہ ہونے پر مجھے بہت کچھ مدد دی۔ بلکہ وہ بحیثیت مجموعی سارے ہندوستان کے لیے ادب واحترام کا احساس تھا، اسکی شاندار تاریخ کے لیے اسکی شاعری اور رومان کے لیے اس کے ظاہری خدوخال اور اسکے ماحول کے لیے جو مغرب سے اسقدر مختلف ہے۔ بلاشبہ وہ مغرب (کی خوبیوں) کے معترف تھے اور یہی وہ مقام ہے جہان سب سے پہلے ہم دونون مین اتصال رائے ہوا۔ جہان تک ان کی ذات کا تعلق ہے انھون نے مغرب کے تہذیب و تمدن اور اسکی روحانیت کو نہ کبھی حقارت کی نظر سے دیکھا اور نہ اسکی وقعت کو کم کیا۔ بلکہ ساتھ کے ساتھ انھون نے اپنی ذات سے مجھے مشرق کے تہذیب و تمدن اور اسکی روحانیت کو سمجھنے کے قابل کر دیا اور اسکا سچا گرویدہ بنا دیا۔

کلکتہ اور دوسرے ہندوستانی شہرون مین مجھے بار بار اس قسم کے ماحول سے سابقہ پڑا ہے لیکن مین نے ہندوستانی قدیم دنیا کو جدید دنیا کے ساتھ ایسے پر اثر طریقہ سے اختلاط کرتے ہوئے کبھی نہین دیکھا جیسا کہ مین نے دہلی مین اپنے قدیم مسلمان دوست کے ساتھ گفتگو کرتے وقت محسوس کیا تھا۔ بعد مین جب ہندوستان کی قومی تحریک جس سے مجھے پوری پوری ہمدردی رہی شمال مین ترقی پذیر ہوتی گئی۔ مختلف رسائل اور اخبارات کے لیے انگریزی مین مضامین لکھنا میری عادت سی ہو گئی۔ جیسا کہ مین بیان کر چکا ہون۔ منشی ذکاءاللہ بیحد

پڑھنے کے عادی تھے اور جو دوستی ہم دونوں مین تھی اسکی وجہ سے وہ میرے ہر مضمون کو اسکے شائع ہونے پر خاص دلچسپی کے ساتھ پڑھتے تھے وہ نہایت شوق کیساتھ لائبریری مین میری خاطر ٹھہرے رہتے تاکہ مجھسے میرے مضمون پر بحث و مباحثہ کرین بالعموم وہ اعلیٰ آزادانہ صرف نکتہ چین واقع ہوئے تھے بلکہ قدامت پسند بھی۔ اور نتائج پر پہنچنے مین میری ہر بیبا بانہ جلد بازی پر تنبیہہ کرتے تھے۔ اسکے بعد وہ میرے لیے نئے مضامین کا خاکہ پیش کرتے اور مجھے اپنی بتائی ہوئی ہدایات کے مطابق ان پر خامہ فرسائی کرنے کے لئے فرماتے۔

منشی ذکاءاللہ کا دماغی توازن ان کی طول وطویل زندگی کے اخیر وقت تک حیرت انگیز طور پر قائم و برقرار رہا۔ جن مین مذہبی اور معاشرتی مسائل پر ہم بحث کرتے تھے ان کے متعلق ان کی وسعت معلومات اور ان کا آزادانہ نقطۂ خیال میرے لیے ہمیشہ باعث تعجب رہا۔ سب سے بڑھکر حیرت کی بات یہ ہے کہ ہماری انگریزی سیاسیات سے ان کو نہایت درجہ دلچسپی تھی اور بہت سی باتین جو ہم دونون مین ہوا کرتی تھین وہ میرے ملک اور اس کے زمانۂ حال کی تاریخی نشوونما سے تعلق رکھتی تھین اسکی کچھ وجہ تو یہ تھی کہ انھین انگریزی اور ہندوستانی تاریخ پر اردو مین کتب نصاب لکھنی پڑتی تھین۔ انگلستان کی انیسوین صدی کی تاریخ کا جو مطالعہ انھون نے کیا تھا۔ اسمین وہ کلیتہً مدغم ہو گئے تھے۔ ملکہ وکٹوریہ (آنجہانی) ان کی نگاہ مین بہترین شہنشاہ تھین اور مسٹر گلیڈاسٹون ان کے نزدیک قابل تقلید مدبر تھے۔ بہ حیثیت انسان وہ مسٹر گلیڈاسٹون کی خوبیون کے بیحد معترف تھے۔ ایک موقع پر جو مجھے بخوبی یاد ہے۔ انھون نے مجھسے فرمایا کہ "جب تمھین کسی شخص مین گہری مذہبیت اور زبردست ذہنیت متحد ملے اور ساتھ ہی اس مین اعلےٰ اخلاقی عدل کا جذبہ بھی پایا جائے اور پھر تم دیکھو کہ اس قسم کی صفات حسنہ کا آدمی کسی ملک کے وزیراعظم کے عہدہ پر فائز ہو جائے تو فی الحقیقت یہ بہترین عطیۂ الٰہی ہے جو وہ کسی قوم وملک کو عطا کرتا ہے سیاسیات بغیر مذہب کے مجسم برائی ہے"۔

انھین سوشلزم کے مطامح نظر کو معلوم کرنے مین ایک گونہ دقت ہوتی تھی اور

وہ مجھسے بسا اوقات ان کے متعلق سوالات بھی کرتے تھے لیکن جب کبھی مین ان کی تشریح کرنے کی کوشش کرنا وہ اپنا سر ہلاتے اور مجھسے کہتے کہ مین انھین بالکل نہین سمجھا۔ وہ اس امر پر متفق تھے کہ ہر ملک کو بادشاہ یا حاکم کی ضرورت ہے۔ کوئی ملک محض اپنے نظام حکومت کے بل پر خواہ وہ بلحاظ نظریہ کتنا ہی مکمل کیون نہ ہو ایک طویل مدت تک اپنے اوپر حکومت نہین کر سکتا۔ صحیح نظام کے مقابلہ مین شخصی حاکم کی ہمیشہ سے زیادہ ضرورت رہی ہے۔ جب کبھی سچا شخصی حاکم میسر آجائے اور لوگ اسکے شخصی احکام کی اطاعت کرنے لگجائین تو وہان اچھی حکومت خود بخود قائم ہو جائے گی ان کے خیال مین اچھی حکومت زبردست شخصی حاکم کے بغیر ناممکنات سے ہے۔

ان کے خیال مین سوشلزم مین سب سے بڑی کمی یہی ہے کہ وہ زندگی کے اس عمیق شخصی عنصر سے سرتاپا معرا ہے اور اسکی بجائے محض ایک نظام بنادینے پر قناعت کرتا ہے یہ نقطۂ نظر بظاہر دلچسپی سے مملو تھا لیکن مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ مسئلہ کو پورے طور پر سمجھنے سے قاصر رہتے ہین۔ اس لیے کہ انکا دماغ شہنشاہی عقیدتمندی سے کلیتہً متاثر ہو چکا تھا۔

اپنی زندگی کے آخری سالون مین انھین سب سے زیادہ لیبر پارٹی کی ترقی سے بہت دلچسپی رہی اور وہ اسکا تذکرہ کرنے سے کبھی نہین تھکتے تھے۔ انھین معلوم تھا کہ انگلستان کی لیبر پارٹی سے میرا بہت گہرا تعلق ہے اور اسوجہ سے انھین مزید دلچسپی ہوگئی تھی۔ وہ مجھسے فرماتے تھے کہ تم لوگ بھی عجیب وغریب ہو۔ تم اپنے ذلیل ترین آدمیون کو ابھارتے ہو اور پھر انھین شہزادگان کا رتبہ دے دیتے ہو اگر اس طریقہ سے تمہین اس امر کا یقین ہو سکتا ہے کہ ہمیشہ بہترین آدمی ہی برسر منصب ہونگے تو بلا شبہہ تمہاری سیاسیات کی دانشمندی ثابت ہو سکتی ہے۔ اگلے زمانہ مین ہمارے بادشاہ بھی اسی قسم کی کارروائی کیا کرتے تھے۔ جبکہ وہ سوسائٹی کے ادنےٰ ترین درجون اور نیز غلامون سے وزرائے اعظم منتخب کیا کرتے تھے۔ لیکن ساتھ ہی وہ انھین بہ یک جنبش لب معزول کر سکتے تھے تم کیا کروگے جب لیبر پارٹی برسر حکومت ہو کر اعلےٰ ذہنیت اور نسب کے اشخاص پر ظلم کرنا

شروع کر دیگی؟ تم انھین محض اپنی نگاہ کی حرکت سے بطرف نہین کر سکتے اور اس طرح سے وہ لامحدود شرارت مچا سکتے ہین۔"

جہان تک مجھسے ہو سکتا تھا مین ان سے بیان کرتا تھا کہ آجکل یعنی جب سے تعلیم جبریہ اور عام ہوئی ہے حالات زمانہ بالکل بدل گئے ہین تجربہ سے بسا اوقات یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ بہترین دماغی قابلیت اور نہایت سچی خاندانی شرافت و نسبی نجابت کے لوگ سوسائٹی کے ایسے ہی ادنےٰ ترین مدارج سے ایسے گھرانون مین پیدا ہوے ہین جن کے لیے قدیم ایام مین ترقی کرنے کا ذرہ برابر بھی امکان نہ تھا۔ ساتھ ہی مین ان کے سامنے یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کرتا تھا کہ لیبر پارٹی سیاسیات کو بہت اعلیٰ اخلاقی معیار پر لے آنے مین کامیاب ہو گئی ہے۔ وہ میرے دلائل کو بغور سنتے لیکن مستقبل کے بارے مین انھین بے انتہا شکوک تھے۔ بہر حال مجھے ان کی گفتگو سے جو بات سب سے زیادہ حیرت انگیز معلوم ہوئی وہ یہ تھی کہ انھین میرے ملک کا اتنا خیال تھا گویا کہ وہ انکا اپنا ملک ہے۔

ہندوستانی سیاسی معاملات مین وہ شدت سے قدامت پسند واقع ہوے تھے بلاغت قدامت پسندی انھین ورثہ مین ملی تھی۔ لیکن اپنی عقل و فہم کی بدولت ان کے خیالات ترقی کی جانب روان رہتے تھے۔ نہ صرف ان کی اصلی فطرت ہی اپنے مین قدامت پسندی کا جوہر لیے ہوئے تھی بلکہ غدر کے افسوسناک واقعات نے ان مین اسی قسم کا رجحان طبیعت پیدا کر دیا تھا۔ وہ انیسوین صدی کا نہایت تباہ کن واقعہ اپنی آنکھون سے دیکھ چکے تھے۔ وہ جانبین سے بہیمیت کا اظہار ہوتے دیکھ چکے تھے اور اس لئے ان کا دماغ مستقلاً ہر ایسے انقلاب کے خلاف ہو گیا تھا جسمین امن عامہ کے لیے خطرہ مضمر ہو۔

اسمین کچھ شبہہ نہین کہ وہ قومی تحریک مین بیحد دلچسپی لیتے تھے۔ اسلیے کہ وہ اپنے ملک کے سچے خیر خواہ تھے۔ لیکن وہ خوف و دہشت ت پیچھے ہٹ جاتے تھے جب کبھی وہ تشدد [illegible] کا مشاہدہ کرتے۔ وہ قتل و غارت کے بعض واقعات کے متعلق فرماتے کہ "کیا ایسے لوگ خدا پر یقین رکھ سکتے ہین؟ کیا وہ خدا کو بھول گئے ہین؟"

وہ از اول تا آخر تعلیم ہی کو تمام سیاسی اور معاشرتی ترقی کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ وہ اس

مضمون پر گفتگو کرتے ہوئے کبھی نہ تھکتے تھے۔ یہی خیال ہر وقت ان کے دماغ میں غالب رہتا تھا۔ اپنی قوم کی تعلیمی پستی ان کے لیے سخت تکلیف دہ تھی۔ وہ مجھسے فرماتے تھے کہ سچی تعلیم کے بغیر کوئی بنیاد قائم نہیں کی جاسکتی تم عمارت تعمیر کئے جاؤ لیکن وہ بالآخر گر کر کھنڈر بن جائیگی۔ کوئی جدید وہم باطلہ پیدا ہو جائیگا۔ کوئی نہ کوئی جدید آواز خلق پیدا ہو جائیگی اور پھر وہ تمام عمارت جو تم آہستہ آہستہ تعمیر کر رہے ہو۔ گر کر زمین کے برابر ہو جائیگی۔"

ایک مرتبہ انھون نے مجھے اچانک مگر نہایت رقت آمیز لہجہ مین فرمایا۔ "یاد رکھئے کہ ایام جوانی مین مجھے غدر سے دوچار ہونا پڑا تھا۔ اگر عام تعلیم رائج ہوتی تو کیا فی الحقیقت غدر کی مصیبت نازل ہوسکتی تھی؟ وہ کونسی قوت تھی جس نے باغیون کو بغاوت پر ابھارا تھا اور جس نے عوام یعنی ہندوؤن اور مسلمانون کو اتنے عرصہ تک متاثر رکھا؟ وہ قوت وہم باطل تھی اور محض وہم باطلہ۔ تھوڑا سا علم اسے دفع کرسکتا تھا لیکن وہ علم اسوقت وہان موجود نہ تھا۔ میرا خیال ہے کہ دہلی کالج کے طلبا مین سے بھی ایک بھی باغیون سے نہین ملا۔ وہ بغاوت کی حماقت کو اچھی طرح سے محسوس کرتے تھے اور ساتھ ہی انھین اس مصیبت کا اندازہ تھا جو ہر شخص پر اسکی بدولت نازل ہوتی۔"

ایک مسئلہ کے متعلق تو منشی ذکاء اللہ کی رائے نہایت سخت تھی۔ وہ اُن مسلمانون پر شدت سے اعتراض کرتے تھے جنکے باپ دادا پشتہا پشت سے ہندوستان مین رہتے آئے ہین اور جو ابھی تک اپنے تئین غیر ملکی قرار دیتے ہین اور بحیثیت مسلمان اپنے مفاد کو ہندوستان کے مفاد سے علیحدہ سمجھتے ہین انھون نے نہایت جوش کے ساتھ جس کی یاد ابھی تک میرے ذہن مین محفوظ ہے، مجھسے فرمایا تھا کہ ہندوستان ہمارا اپنا ملک ہے اور یہ وہ ملک ہے جہان ہم پیدا ہوئے ہین۔ ہمنے یہان اپنے گھر بنا لیے ہین۔ یہین ہماری شادیان رچی ہین۔ یہین ہمارے بچون نے جنم لیا ہے۔ اور ہندوستان کی اسی سرزمین مین ہمنے اپنے مقدس مردون کو سپرد خاک کیا ہے۔ لہذا دنیا کے کسی اور ملک کے مقابلہ مین ہمین ہندوستان ہی عزیز ہونا چاہیے۔ ہمارا فرض ہے کہ جس زمین مین ہمارے بزرگون کی مٹی ملی ہوئی ہو۔ اسے ہم دل سے عزیز رکھین۔ ایک ہزار سال تک ہمارا مذہب

اسلام بہت قریبی طور پر ہندوستان سے وابستہ رہا ہے اور ہندوستان میں اسلام کو اپنی مخصوص تہذیب کی بعض نہایت شاندار فتوحات حاصل ہوئی ہیں ہمیں اس کی تاریخ اور حکومت سے محبت رکھنی چاہیے جسے اکبر اعظم اور اسکے جانشینوں نے اسقدر خوبصورت بنا دیا ہے۔ میں اس بات کو برداشت نہیں کر سکتا کہ مسلمان اپنے حکم ہجوم کا ادب و احترام اور محبت کے جذبات سے معرا ہو کر ذکر کریں۔ اب یہ نیا فیشن سا ہو گیا ہے جو ہمارے ایام جوانی میں ناپید تھا۔ یہ طریقہ برا ہے اور اسکی ہمت افزائی نہیں کرنی چاہیے۔ بلاشبہ تم دوسرے ممالک کے مسلمانوں کے ساتھ محبت رکھو اور ان کے غموں اور خوشیوں میں شریک رہو لیکن ہمیں پورے دل کے ساتھ اپنے وطن سے محبت کرنی چاہیے۔ اور ہمیں ان لوگوں کی ترغیب و تحریص سے سروکار نہ رکھنا چاہیے جو ہمسے یہ کہنے کے عادی ہیں کہ ہم مسلمانوں کو ہمیشہ اپنی مذہبی امیدوں اور خیالات اور ان کی تکمیل کے لیے ہندوستان کے باہر توقعات رکھنی چاہیئیں"

بہت کم مسائل ایسے تھے جن پر شمس ذکاء اللہ اپنے بڑھاپے میں اس مسلہ سے زیادہ فصاحت کے ساتھ گفتگو کرتے ہوں اور ان کی تمام طول طویل زندگی میں اس مسلہ پر ان کی شدت رائے میں ذرا بھی کمی واقع نہیں ہوئی۔ ان کا دل ہندوستان سے پورے طور پر وابستہ ہو چکا تھا۔ اسی کی تاریخ تھی جسکا انھوں نے عاشق کی عقیدت مندی اور جوش کے ساتھ مطالعہ کیا تھا ان کی فطرت درخت کی مانند ہندوستان کی سرزمین میں جڑ پکڑ چکی تھی اور کوئی بیرونی طوفان یا آندھی کا جھونکا اسے ہلا نہ سکتا تھا۔

ان کے صاحبزادے عنایت اللہ نے مجھسے ایک مرتبہ بیان کیا کہ میں اپنے والد کے پاس تاریخ اسپین کا مطالعہ کرنے کی اجازت لینے کے لیے گیا تاکہ اس ملک میں اسلامی عہد حکومت کی عظمت کا حال معلوم کر سکوں۔ مگر انھوں نے جو جواب دیا وہ یہ تھا کہ "اپنے ملک کی تاریخ پر کامل عبور حاصل کرنے سے پیشتر تمکو اسپین کی تاریخ کا کیوں مطالعہ کرنا چاہیے؟ کیا ہندوستان میں اسلامی تہذیب بلحاظ عظمت تمہارے مطالعہ کے لیے کافی نہیں ہے؟ کیا دنیا کی تاریخ میں سلطنت مغلیہ سے بڑھکر اور کوئی زبردست سلطنت ہوئی ہے؟ پہلے اسکا مطالعہ کر لو اور

ملک کے ساتھ سچی اور پورے دل کے ساتھ محبت کرنا سیکھو۔ پھر کہین تم دوسرون کی بڑائی کی قدر کرنی سیکھ سکوگے "

ان کی نظرون مین ہندوستان کی تاریخ۔ ہندوستان کی شاعری، ہندوستان کا فن، ہندوستان کا علم موسیقی نہایت قیمتی چیزین تھین اور وہ اس امر مین کوئی فرق نہین کرتے تھے کہ کونسی چیز اسلامی ہے اور کونسی ہندوون کی ہے۔ وہ ان کے ہر حصہ پر فخر کرتے تھے اور اپنا سمجھکر اسکی یاد کو تازہ رکھتے تھے۔

اب مین اس پوائنٹ پر آتا ہون جہان خود میرے اپنے خیالات ان کے خیالات سے ذرا مختلف واقع ہوئے تھے مین اسے حتی الامکان سادہ طریقہ سے بیان کرونگا انھین پورا وثوق تھا کہ تعلیم کی اشاعت اور عوام کے روز افزون روشنی سے ہندو مسلمانون کے تعلقات بہت کچھ بہتر ہو جائین گے۔ ساتھ ہی انھین کسی ایسے زمانے کے آنے کی توقع نہ تھی (اور یہان پر مجھے ان سے اختلاف تھا) جبکہ تیسری اور غیر جانبدار عنصر مثلاً انگریزون کے سمجھوتہ کرانے والے اثر کی ضرورت نہ رہے گی۔ لہذا وہ ہندوستان مین انگریزون کے قیام کو عارضی نہین بلکہ مستقل سمجھتے تھے۔

اپنے اس نظریہ سے انھون نے کبھی روگردانی نہین کی کیونکہ کسی نہ کسی طرح وہ یہ خیال کرتے تھے کہ تاریخ ہند کا جو مطالعہ انھون نے کیا ہے۔ یہ نظریہ اس کا لازمی نتیجہ ہے جب کبھی مین اس مسلہ پر بحث کرتا کہ انگریزی راج محض عارضی ہے تو وہ نہایت سنجیدگی کے ساتھ مجھسے فرماتے " یقین کیجیے کہ مین ہندوستان کو اپنی شیر خوارگی سے اسطرح سے جانتا ہون کہ آپ کبھی بھی نہین جان سکتے کیونکہ مین یہین پیدا ہون اور یہین میری بود و باش رہی ہے۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے مجھے ہندوستان سے اتنی ہی محبت ہے جتنی ایک بیٹے کو اپنی مان سے ہوسکتی ہے۔ مین اپنے آدمیون سے بھی واقف ہون مین مسلمانون کی اپنی قوم سے واقفیت رکھتا ہون ساتھ ہی ہندوون مین میرے بہت سے دوست ہین اور مین انکا ہم ملکی کی حیثیت سے احترام کرتا ہون۔ لیکن مجھے اس بات کا یقین ہے اور جتنی زیادہ میری عمر ہوتی جاتی ہے اتنا ہی زیادہ مجھے اسکی صحت کا

مین ہوگیا ہے۔ ہندو مسلمانون کا باہمی اختلاف اسقدر شدید ہے کہ کوئی مستقل اتحاد نہین ہو سکتا۔ اور ہمین ایک غیر جانبدار کے توازن رکھنے والی قوت کی ہمیشہ ضرورت رہے گی "

مین نے جواب مین عرض کیا کہ " فرض کیجیے کہ تعلیم عام اور جبریہ ہو جائے اور دونون اقوام کو یکسان اسکولون مین تعلیم دیجائے اور یکسان کتابین پڑہائی جائین تو کیا اسوقت مذہبی اختلافات کے متعلق موجودہ اوہام باطلہ اور جہالت اِسطرح نایاب ہو جائیگی جسطرح سے کہ انگلستان مین رومن کیتھولک فرقہ اور پراٹسٹنٹ فرقہ کے باہمی اختلافات غائب ہوگئے ہین؟ ہمارے ملک مین کوئی درمیانی طاقت نہین ہے۔ کیا ہندوستان مین درمیانی طاقت کا وجود لڑائی کو اور زیادہ نہین بڑھا دیتا؟ کیا دونون قومون کا یہ فرض نہین ہے کہ وہ بیرونی طاقت کی مداخلت کے بغیر اپنے اختلافات آپس مین طے کرنا سیکھ لین؟"

گر بڑے میان اپنا سر ہلا کر مجھسے کہتے کہ " تم نوجوان اشخاص خواب دیکھا کرتے ہو شاید ہمنے بھی اپنے ایام جوانی مین خواب دیکھے ہون۔ لیکن تجربہ ایسا استاد ہے جو ہمین مشکل سے سکھاتا ہے جنھین ہم کبھی فراموش نہین کر سکتے۔ اور میرا تجربہ تو مجھے بتلاتا ہے کہ انگریزون کے لیے مستقل جگہ ہے۔ یہ ہمین ایک نوع کا مستقبل حاصل کرتا ہے۔ ہم مسلمانون کا مستقبل دوسری نوعیت کا ہے اور ہندون کا مستقبل ایک بالکل تیسری قسم کا ہے۔ ہندوستان ہم سب کے لیے کافی بڑا اور وسیع ہے۔ ہم تینون یہان موجود ہین اور یہان پر تینون کی ضرورت ہے "

مین نے پوچھا کہ مستقبل سے آپکی مراد کیا ہے؟

انھون نے جواب دیا کہ " ہمارے کام یکسان نہین ہین۔ ملک مین صرف اسی وقت امن ہو سکتا ہے جبکہ تینون سے فائدہ اٹھایا جائے۔ آپ جانتے ہین تاریخ میرا خاص مضمون رہا ہے سب سے پہلے ہندوستان مین صرف ہندو تھے اور ایک وقت معینہ تک وہان ان کی تہذیب حکمران رہی۔ لیکن اسکے بعد تباہی و تنزل کا دور آپہنچا۔ بعد ازان خدائے تعالے

نے مسلمانون کو بھیجا۔ ان کے آتے ہی کسی قدر خونریزی اور جنگ برپا ہوئی لیکن اس کے بعد امن و تہذیب کا بہت عرصہ تک دور دورہ رہا۔ اسکے بعد پھر تباہی و تنزل مسلط ہو گئے۔ بعد ازان خدا نے انگریزون کو بھیجا۔ پھر خونریزی اور جنگ برپا ہوئی اور پھر اپنی باری سے امن و تہذیب جلوہ گر ہوئے۔ یہ ممکن ہے کہ تمہاری طاقت بھی ایک دن تباہ و برباد ہو جائے لیکن پھر بھی ہندوستان مین تمہارا کام جاری رہے گا۔ اسلیئے کہ جسطرح سے ہم مسلمان ہندوستان کا جزو بن گئے ہین اسی طرح سے آپ بھی اس کے جزو بن سکتے ہین۔ یہ سب کچھ خدا تعالیٰ کی مرضی پر منحصر ہے، جیسا وہ چاہتا ہے ویسا کرتا ہے۔"

موجودہ امن و تہذیب کے لیے کون کون سے خطرات درپیش ہو سکتے ہین۔ یہ مین نے دریافت کیا۔

انھون نے جواب دیا کہ "سب سے پہلی بات یہ ہے کہ آپ لوگ جو انگریز ہین اپنے مفاد کو ہندوستان کے ساتھ منطبق کرنا بند کر دین۔ آپ ہندوستان کو محض خودغرضانہ اغراض کے لیے استعمال کرنا شروع کر دین اور اپنے دلمین کہین کہ "ہم جتنی شرارت چاہین مچا سکتے ہین" خدا ہمارے کامون کو نہین دیکھے گا" لیکن میری بات کا یقین کیجیے کہ آپ کی تباہی سب سے بدتر ہو گی۔ اس کے بعد دوسرا خطرہ یہ ہے کہ مسلمان اپنے دلمین یہ کہین کہ ہندوستان ہمارا ہے۔ ہم ہندؤن کو دوبارہ مطیع و فرمانبردار کرلین گے۔ جیسا کہ ہم نے ماضی مین کیا تھا۔ تیسرا اور سب سے آخری خطرہ یہ ہے کہ ہندو یہ کہنے لگ جائین کہ ہم لبحاظ تعداد و دولت اور علم زیادہ ہین۔ ہماری تعداد ریت کے ذرات سے بھی زیادہ ہے۔ آؤ مسلمانون اور عیسائیون کو نکال باہر کرین اور ملک کو اپنے قبضہ مین رکھین" ایسی تمام آوازین غرور و تمکنت کا نتیجہ ہین۔ وہ خدا کی مرضی کو نہین پہچانتین جو دنیا مین اپنے مقاصد کو پورا کرنا چاہتا ہے۔"

مین نے اپنے امکان کے موافق ان گفتگوؤن کو دوبارہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے ان کا اسوقت میرے دلپر خاص اثر ہوا تھا۔ لیکن یہ اثر ان کے انتہائی جوش اور خلوص کی وجہ سے تھا نہ اسوجہ سے کہ ان کے خیالات مین کسی قسم کی جدت یا ندرت پائی جاتی تھی۔

جب مین نے ایک دن ان سے یہ سوال کیا کہ آپ کے خیال مین ہندوستان مین آج کونسی ایسی چیز ہے جسکی نہایت ضرورت ہے تو انھون نے بیساختہ جواب دیا کہ مذہبی غیر جانبداری۔ یہ جواب بالکل غیر متوقع تھا اور اسکا میرے دل پر بہت اثر ہوا تھا۔ مین اس خیال مین تھا کہ وہ کہین گے کہ تعلیم سب سے زیادہ ضروری شے ہے۔ لیکن ان کا جواب اس سے زیادہ حیرت انگیز تھا۔

(ترجمہ) ضیاء الدین احمد برنی

کبیر جنم ساکھی اُردو۔ اس رسالہ مین منشی محمد خلیل صاحب انصاری نے، کبیر داس کی مختصر سوانح عمری بیان کی ہے۔ اور مختلف عنوانات کی تحت مین ان کے بعض بعض دوہون پر تبصرہ بھی کیا ہے۔ سلسلۂ کلام مین تلسی داس کے حالات بھی ہین، مثال کی طور پر اکثر اُردو فارسی کے اشعار اور بعض مستقل غزلین بھی درج کی ہین جس سے رسالہ کا حجم ۴۲ صفحہ ہو گیا ہے۔ کاغذ معمولی کتابت وطباعت عمدہ قیمت ٹائٹل پر تحریر نہین ملنے کا پتہ۔ دفتر اُردوے معلی شاہجہانی پریس دہلی۔

خدائی انکم ٹیکس نام کی جدت پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ خواجہ حسن نظامی کے سوا یہ جدت آفرینی کون کرسکتا ہے آپ نے زکوٰۃ کا دوسرا نام خدائی انکم ٹیکس رکھا ہے اور اس مختصر رسالے مین اسی قانون الٰہی کی شرح کی ہے، زبان وبیان پاکیزہ، کتابت وطباعت دیدہ زیب حجم ۱۶ صفحہ قیمت ۲ ر ملنے کا پتہ دفتر حلقۂ مشائخ بک ڈپو دہلی۔

نمازون کا بیان۔ اس مذہبی رسالہ مین خواجہ حسن نظامی صاحب نے نماز کے اُصول وقواعد بیان کئے ہین، اسکا مطالعہ اُردو خوان مسلمانون کے لیے بہت مفید ہوگا مخصوص عورتین اور بچے اس سے زیادہ مستفید ہو سکتے ہین۔ ٹائیٹل رنگین۔

حجم ۴۴ صفحہ قیمت ۲ ر ملنے کا پتہ

دفتر حلقہ مشائخ بک ڈپو دہلی

کیا ہندوستان خوشحال ہو رہا ہے

اکتوبر ۲۵ء کے زمانہ مین مسٹر جے آر. رائے کا ایک مضمون مسئلۂ افلاس و تمول کے عنوان سے شائع ہوا ہے قابل مضمون نگار نے پودہ صفحون کے مفصل اور طویل مضمون مین اِس بات کا ثبوت دینے کی کوشش کی ہے کہ پچھلے پچاس ساٹھ سال سے ہندوستان روز بروز خوشحال ہوتا جارہا ہے۔ اور تنزل کے بجائے ترقی کیطرف استقلال سے گام زن ہے۔ اوسط آمدنی جو ۱۸۶۰ء یا ۱۸۸۲ء یا ۱۹۱۱ء مین مرتب کیا گیا تھا مغالطہ خیز ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یہ خوب ثابت ہے کہ اقتصادیات ہند مین نمایان انقلاب پیدا ہوتا جاتا ہے۔ اور ترقی کے آثار ہرطرف ہویدا ہین اور ہر طبقۂ آبادی اس سے بہرہ اندوز ہو رہا ہے"

اس حیرت انگیز بیان کے ثبوت مین قابل مضمون نگار نے مندرجہ ذیل تبدیلیان جو گذشتہ نصف صدی مین ہندوستان کی تجارت، زراعت، صنعت و حرفت اور اقتصادیات مین ہوئی ہین پیش کی ہین۔

(۱) تجارت خارجی مین ترقی۔ (۲) صنعت و حرفت کے کارخانون کی توسیع۔ (۳) زراعت کی ترقی کے بیش بہا وسائل (۴) انہار کے سلسلہ کی مسلسل وسعت (۵) سلسلہ آمدورفت کی توسیع

نمبر ۱ یعنی تجارت خارجی مین وسعت کے ثبوت مین یہ بتایا گیا ہے کہ ۱۸۳۴-۳۵ء سے لیکر ۱۹۱۹-۲۰ء تک جو مال سونا اور چاندی ہندوستان مین غیر ملکون سے آیا ان کی قیمت چھ کروڑ سوا چودہ لاکھ روپیہ سے بڑھکر دو ارب ننانوے کروڑ۔ تراسی لاکھ۔ اٹھاسی ہزار ہوگئی جو مال اور سونا چاندی ہندوستان سے غیر ملکون مین گیا انکی قیمت ۱۸۳۴-۳۵ء سے لیکر ۱۹۱۹-۲۰ء تک آٹھ کروڑ پونے انیس لاکھ روپیہ سے بڑھکر تین ارب چھیالیس کروڑ پونے چوالیس لاکھ روپیہ

ہوگئی ان اعداد سے مسٹر جے۔ آر۔ رائے چاہتے ہین کہ لوگ یہ سمجھین کہ ۳۶-۱۸۳۵ء مین ہندوستان نے جو مال اور سونا چاندی خریدا اُس سے تقریباً دو کروڑ ساڑھے چار لاکھ روپیہ زیادہ کا مال اور سونا چاندی دوسرے ملکون کو بھیجا اور ۲۰-۱۹۱۹ء مین ہندوستان کی تجارت اسقدر بڑھ گئی کہ جو کچھ ہندوستان نے خریدا اس سے تقریباً انچاس کروڑ روپیہ زیادہ کا مال بیچا یعنی مسٹر جے، آر، رائے کے لفظون مین توازن تجارت مسلسل بحق ہندوستان چلا آتا ہے " اور سونے چاندی کی مقدار و مالیت ترقی کیطرف مائل چلی آتی ہے " اسی سلسلہ مین مسٹر جے۔ آر۔ رائے رقمطراز ہین کہ ماہرین اقتصادیات کی رائے مین غیر ملکی تجارت خوشحالی کی دلیل ہے ...... بین الاقوام خرید و فروخت مین ہندوستان لگاتار مستفید ہوتا چلا آتا ہے "

ان تمام امور پر اطمینان اور توجہ کے ساتھ غور کرنے کی ضرورت ہے۔ مین محقق نامہ نگار کے بیان کے چند پہلوؤن پر ناظرین کی توجہ دلانا چاہتا ہون۔

نمبر ۱۔ مسٹر جے۔ آر۔ رائے نے ۲۰-۱۹۱۹ء کی تجارت کا مقابلہ کرنے کے لیے ۳۶-۱۸۳۵ء کو خاص طور پر منتخب کیا ہے۔ ۱۸۳۵ء کے زمانہ سے پچاس ساٹھ سال پیچھے وہ کیون نہین گئے کیون ۱۸۳۵ء اور اسکے بعد کا زمانہ مقابلہ کے لیے خاص طور پر منتخب کیا گیا؟ اصلی واقعہ یہ ہے کہ ۱۸۳۵ء کا زمانہ وہ بری گھڑی ہے جب ایسٹ انڈیا کمپنی کی خود غرضی سے ہندوستان مین کپڑے کی تجارت مجروح اور بیدم ہو چکی تھی۔ نہ جانے کتنے کپڑے بننے والون نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے ظلم سے تنگ آکر اپنے انگوٹھے کاٹ ڈالے تھے چرخون کا رواج کم ہو چکا تھا۔ اور کئی کروڑ سالانہ کا جو کپڑا ہندوستان سے باہر جاتا تھا وہ بند ہو چکا تھا۔ اگر ۱۸۳۵ء کے بجائے ۱۷۷۰ء کے قریب کا زمانہ دیکھین تو جو مال ہندوستان خریدتا تھا اس سے بجائے دو کروڑ ساڑھے چار لاکھ کے سات آٹھ کروڑ زیادہ کا مال ہندوستان سے باہر جاتا تھا۔ سوچنے کی بات ہے کہ آج جب ہندوستان تقریباً ستر کروڑ کا کپڑا اور سوت باہر سے منگاتا ہے اور جب بیس کروڑ کے قریب شکر اور چینی باہر سے منگاتا ہے حالانکہ یہ دونون چیزین ہندوستان ہوتی تھین اور ہو سکتی ہین اور کئی کروڑ سالانہ کی ہندوستان سے باہر جایا کرتی تھین۔

تو اس دوران مین کون ایسا معجزہ خیز اور حیرت انگیز انقلاب ہندوستان مین ہوگیا کہ یہ دونون تجارتین مٹ بھی گیئن اور تقریباً ایک ارب روپیہ کا کپڑا اور شکر باہر سے آنے لگا اور ہندوستان پھر بھی منافع مین ہے۔

نمبر ۲۔ لیکن ہم ۱۹۳۵ء تک ہی اپنی حد نظر قایم کرتے ہین۔ اور مسٹر جے۔ آر۔ رائے کے پیش کردہ اعداد ہی کو لیتے ہین توازن تجارت کے لحاظ سے دو کروڑ ساڑھے چار لاکھ سے بڑھکر ہندوستان کا منافع انچاس کروڑ کے قریب ۱۹۲۱ء مین ہوگیا۔ اسکو ہم منافع ماننے کے لیے تیار ہوتے۔ اگر صرف مال یعنی مادی اشیاء اور سونا چاندی ہی کی قیمت ہمین دوسرے ملکون کو دینی پڑتی لیکن ہمین تو ان اشیا کے علاوہ بیسون کروڑ روپیہ سالانہ کی بدیشیون کی خدمتین خریدنی پڑتی ہین۔ انگریزی حکام اور فوجی افسران کی پنشن بھی تو ہندوستان سے باہر جاتی ہے۔ وزیر ہند کا محکمہ انگلستان مین قایم ہے جسکا سارا خرچہ ہندوستان کو دینا پڑتا ہے۔ کئی ارب روپیہ سرکار ہند نے ہندوستان کو نظر انداز کرکے انگلستان سے قرضہ لیا ہے۔ یہ قرضہ بھی کئی کروڑ روپیہ سالانہ سود دیکر ہمکو خریدنا پڑتا ہے۔ روِرس[1] کاونسلس کے ذریعہ سے بھی تو کروڑون روپیہ سال ہندوستان سے باہر جاتا ہے انگلستان جو آئے دن دوسرے ممالک سے لڑائیان کرتا رہتا ہے۔ ہندوستان کی حفاظت کے بہانے سے، اسکے لیے بھی تو کروڑون روپیہ دیکر ہم اپنی جان و مال کی حفاظت خریدتے ہین۔

توازن تجارت کی بحث مین مسٹر جے آر۔ رائے کی پیش کردہ اعداد کی ماہیت سمجھنے کے لیے ایک معمولی سی مثال ہم دیتے ہین فرض کیجئے کہ ایک زمیندار کی سالانہ آمدنی ایکہزار ہے۔ اور زمینداری کا سالانہ خرچ پانچ سو روپیہ ہے۔ وہ ایک نیا منیجر رکھتا ہے جو آمدنی بڑھاکر دوہزار کردیتا ہے اور اپنی تنخواہ چھوڑکر کل خرچ ایکہزار کردیتا ہے۔ اور آٹھ سو روپیہ سالانہ اپنی تنخواہ زبردستی وصول کرتا ہے۔ اگر اسکی تنخواہ سے قطع نظر کرکے دیکھا جائے تو منیجر کے آنے کے بعد سے زمیندار کا سراسر فائدہ نظر آتا ہے۔ اور بجائے پانچ سو کے ایک ہزار

[1] REVERSE COUNCILS

سالانہ منافع یا بچت ہوتی ہے۔ دو ہزار کا غلہ بکتا ہے اور بیل اور مزدوری۔ کھاد۔ بیج اور مالگزاری سب خرچہ اکہزار مین ادا ہو جاتا ہے۔ پہلے جب کوئی منیجر نہین تھا تو غلہ اکہزار کو بکتا تھا اور بقیہ کل خرچ پانچ سو ہوتا تھا۔ لیکن کیا کوئی بھولے سے بھولا آدمی بھی یہ نہین سمجھ سکتا کہ بیل مزدوری کھاد بیج اور مالگذاری کے علاوہ منیجر کی تنخواہ بھی زمینداری کا خرچ ہے اور زمینداری کے آمدنی سے منیجر کی تنخواہ کم کرکے منافع جوڑنا چاہیے بجنسہ یہی حال ہندوستان کا ہے بدیشی مال کے علاوہ بدیشیون کی خدمت کی پنشن جو ہندوستان سے باہر جاتی ہے اور بدیشی قرضہ کا سود اور بدیش مین "ہندوستانی" محکمون کا خرچ" حفاظت ہند کے لیے لڑایون کا خرچ یہ سب ہندوستان سے باہر جاتا ہے۔ اور جب اس خرچ کا پتہ چلے تب انچاس کروڑ روپیہ کے منافع اور بچت کی قلعی کھلے۔ چونکہ مسٹر جے، آر۔ راے اصطلاحات علم المعیشت کے خاص طور پر دلدادہ معلوم ہوتے ہین اسلئے ان کی خدمت مین گزارش ہے کہ ہندستان کی خرید و فروخت کے جو اعداد انھون نے پیش کئے ہین وہ توازن تجارت[1] کے اعداد نہین ہین بلکہ توازن حساب[2] کے اعداد ہین۔ اتنا کثیر مال ہندوستان سے اسلئے باہر نہین جاتا کہ نقد روپیہ یا مال باہر سے آئے بلکہ حساب کتاب برابر کرنے کے لیے جاتا ہے۔ چنانچہ ان اعداد کو پیش کرکے جو نتیجہ مسٹر جے۔ آر۔ راے نکالتے ہین وہ انھین کے لفظون مین "کسی طرح بھی اخلاقیات مین داخل نہین اسپر جو استدلال مبنی ہے وہ سراسر مغالطہ خیز ہے۔ اور کوئی آدمی جو عقل سلیم سے بہرہ ور ہو اس قسم کی خطرناک غلطی مین مبتلا نہین ہوگا"

نمبر ۳۔ جب یہ کہا جاتا ہے کہ ہندوستان اتنا مال خریدتا ہے اور اتنا فروخت کرتا ہے تو اس بیان کے جو معنی ہین اسپر غور کرنا چاہیے۔ روئی۔ غلہ۔ افیون۔ سن پٹو جوٹ اور ایسے ہی کچھ اور کچے مال ہندوستان سے باہر جاتے ہین۔ لیکن جو قیمت ان اشیاء کی ہوتی ہے اور جس قیمت کے اعداد دیے گئے ہین اسکا نصف سے کچھ ہی زیادہ حصہ

---

[1] BALANCE OF TRADE

[2] BALANCE OF ACCOUNT

ان چیزون کے پیدا کرنے والے ہندوستانیون کو ملتا ہے۔ رالی برادرس اور غیر ملکون کے دوسرے ایجنٹ ہندوستانیون سے یہ کچے مال خریدتے ہین اور سوائی ڈیوڑھی قیمت پر دوسرے ملکون کو بھیجدیتے ہین۔ اسلئے یہ کہنا سراسر غلط اور مغالطہ خیز ہے کہ یہ ساری قیمت ہندوستان کو ملتی ہے۔ یا ہندوستان مین رہتی ہے۔ اس قیمت مین ان بدیشیون کے کثیر منافعے بھی شامل ہین۔ جنھون نے بندرگاہون پر اپنے اڈے بنا رکھے ہین اور جن کے کارکن سارے ہندوستان مین کسانون کے افلاس سے ناجائز فائدہ اُٹھاکر یہ سب مال بہت سستا خرید لیتے ہین اور ریل سے بندرگاہون کو بھیجدیتے ہین جس سے ریل کی بدیشی کمپنیون کو کروڑون روپیہ سال کا فائدہ ہے اور ریل کا کرایہ بھی ان کچے مالون کی قیمت مین شامل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ایجنٹون کا منافع ریل کا خرچ بدیشیون کے روپیہ کا سود سب ان چیزون کی قیمت مین شامل ہین۔ جسکے اعداد اتنے تپاک اور کروفر اور اتنی بے تکلفی کے ساتھ مسٹر بے۔ آر۔ رائے پیش کرتے ہین۔

نمبر ۴۔ جو کچھ نمبر ۳ مین کہا گیا ہے اس سے واضح ہو گیا ہوگا کہ جب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ہندوستان اتنے کا مال بیچتا ہے تو اس کا مطلب یہ نہین ہوتا کہ ہندوستانی اتنے کا مال بیچتے ہین یا ان کی کل قیمت پاتے ہین۔ لیکن جب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ہندوستان اتنے کا مال خریدتا ہے تو بدنصیبی سے اسکا مطلب یہی ہے کہ خریدے شدہ مالون کی نو سو ننانوے فی ہزار قیمت ہندوستانی دیتے ہین اور جو چند بدیشی اس ملک مین قیام پذیر ہین وہ بہت کم حصہ مشکل سے ایک فی ہزار حصہ مال کا ہندوستان مین آئے ہوئے کل بدیشی خریدتے ہین۔ بلکہ یہین تک اکتفا نہین ہوتا بمبئی کلکتہ رنگون مدراس کراچی اور دیگر بندرگاہون اور بڑے بڑے شہرون مین کتنی ہی انگریزون اور دوسرے غیر ملک والون کی دوکانین ہین جب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ہندوستان اتنے کا مال خریدتا ہے تو اسکا مطلب یہ ہے کہ یہ کمپنیان اتنی قیمت غیر ملکون کو دیتی ہین اور سوائی ڈیوڑھا کرکے ہندوستانیون کے ہاتھ ان چیزون کو بیچتی ہین اور سارے ملک کے دوکاندارون کو دیتی ہین۔ کچھ ہندوستانی بھی بدیشی ملکون کی ایجنسی کا کام کرتے ہین لیکن بدیشی ایجنٹ بھی اس

ملک میں کم نہیں ہیں۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جتنی قیمت ہندوستان سے باہر جانے والی چیزون
کی بیان کی گئی ہے اسکا زیادہ سے زیادہ ۳/۴ حصہ ہندوستانیون کو ملتا ہے۔ اور جتنی
قیمت ہندوستان مین باہر سے آنے والی چیزون کی بتائی گئی ہے۔ اسکا سوایا ڈیوڑھا
ہندوستانیون کو دینا پڑتا ہے۔ یہ درمیانیون
کی وجہ سے ہے۔ ہماری تجارت پچھلے ستر اسی برسون مین دوسرے ملکون سے براہ راست
نہین رہ گئی ہے۔

نمبر ۵ - مین نے نمبر ۳ مین یہ صاف طور پر ظاہر کر دیا ہے کہ ہکو صرف مال
بدیشیون سے نہین خریدنا پڑتا بلکہ بدیشیون کی "خدمت" دیرینہ کا احسان بھی ماننا پڑتا
ہے۔ جس کی قیمت کروڑون روپیہ سالانہ پنشن کی صورت مین دینا ہوتی ہے۔ مسٹر
گوکھلے نے یہ بتلا کر لارڈ کرزن کی گورنمنٹ کو لاجواب کر دیا تھا کہ نادرشاہ نے زمانہ قدیم
کی دلی کو لوٹ کر اتنا روپیہ نہین پایا جتنا پنشنون بدلیش قرضہ کے سود۔ اکسچینج۔ انگلستان
کی مول لی ہوئی لڑائیون کی قیمت مین ہکو دینا پڑتا ہے۔ لیکن بدیشیون کی "خدمت" پارینہ
کے بدلے ہکو پنشن ہی نہین دینی پڑتی بلکہ ابھی تک انگریزی فوج اور انگریزی حاکم ہمارے
سینون پر سوار ہماری خدمت کرنے کو تیار ہین اور انگلستان کے متعدد وزرا، اور
مدبرون کی راے مین (بلکہ شاید سارے انگلستان کی راے مین) قیامت تک ہمکو
اس احسان سے سبکدوش نہین کیا جائیگا۔ اور ہندوستان سے انگریزی فوج اور
انگریزی افسرون کی بیش بہا خدمات سے ہکو زبردستی مستفید ہونا پڑیگا۔ ان خدمات
کی قیمت قریب قریب ایک ارب سالانہ ہکو ادا کرنی پڑتی ہے اور ان خدام ہند کی
عدیم المثال قربانی کا بار احسان ہماری گردنون پر رکھا جاتا ہے۔

اب مسٹر جے۔ آر۔ راے ہی بتائین کہ جو سونا چاندی اور دولت ہندوستان
مین آتی ہے اسکا کتنا بڑا حصہ خادمان ہند کی جیبون مین جاتا ہے۔ سونے اور چاندی کا
وہ معقول حصہ جو مضروب ہوتا ہے" اسکا کتنا بڑا حصہ انگلستان اور دیگر ممالک کی
ایک جیب سے نکلکر دوسری جیب مین چلا جاتا ہے۔

نمبر ۶۔ جب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اتنا سونا چاندی اور بیش قیمت دھاتیں ہندوستان مین آئین تو اسکا مطلب کیا ہے۔ وہ ہندوستان مین بھی آکر ہندوستان کی نہین ہوئین غیر ملکی کمپنیان ریل کی سڑکین نکال رہی ہین۔ جوٹ۔ چاے اور دوسری چیزون کے کارخانے کھول رہی ہین اور ان کے لیے ممالک غیر (یعنی اپنے وطن سے روپیہ لاکر لگاتی ہین۔ تو وہ روپیہ ہندوستان مین ضرور آیا لیکن ہندوستان کا ہوکر نہین آیا اور نہ ہندوستان کا ہوکر رہا۔

نمبر ۷۔ بہت کچھ حقیقت اور ماہیئت تو اس "توازن تجارت" اس انچاس کروڑ کی بچت کی جو کچھ اوپر کہا جا چکا اس سے ظاہر ہو گئی ہوگی اور حساب کتاب برابر ہی نہین ہوا بلکہ یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ انچاس کروڑ کی "بچت" ہوتے ہوئے بھی ہندوستان کو لینے کے دینے پڑ رہے ہین۔ ہم لٹتے بھی جاتے ہین اور ہماری "بچت" بھی ہوتی جاتی ہے۔ صرف ایک بات اور عرض کرنی ہے وہ یہ کہ ۱۸۳۵ء مین دو کروڑ ساڑھے چار لاکھ روپیہ کی بچت سنہ ۱۹۲۰ء کی انچاس کروڑ کی "بچت" سے شاید ہی کچھ کم ہو۔ ان اسی پچاسی برسون مین روپیہ کی قیمت دس گنی سے کم نہین گھٹی ہے۔ چنانچہ ہر طرح سے ثابت ہے کہ تجارت بین الاقوام مین ہندوستان لٹتا۔ مٹتا۔ اور برباد ہوتا چلا جا رہا ہے اور دن بدن مسٹر جے۔ آر۔ راے کے کروڑون ہموطنون کو بھوک اور فاقہ کشی کی جانکنی ستا رہی ہے۔

خارجی تجارت کی "وسعت" بیان کر کے مسٹر جے۔ آر۔ راے اپنی دوسری دلیل یعنی "صنعت و حرفت کے کارخانون کی توسیع" کو کچھ دیر کے لیے نظر انداز کر کے اپنی تیسری دلیل "زراعت کی ترقی کے بیش بہا وسائل" کے عنوان سے پیش کرتے ہین اور فرماتے ہین کہ "زراعت مین بھی بیحد ترقی عمل پذیر ہوئی ہے" اس تحت مین چار باتین کہی گئی ہین (۱) سنہ ۱۹۰۱ء سے لیکر سنہ ۱۹۲۰ء تک زیر کاشت رقبہ مین تقریباً ڈھائی کروڑ ایکڑ کا اضافہ ہو گیا ہے (۲) سنہ ۱۹۰۰ء سے لیکر سنہ ۱۹۲۰ء تک جتنے رقبے کی آبپاشی نہرون سے ہوتی تھی اسمین ایک کروڑ چھہتر لاکھ ایکڑ کا اضافہ ہوا۔ نہرون کے علاوہ اور ذرائع سے سیراب شدہ رقبہ مین سنہ ۱۹۰۱ء سے سنہ ۱۹۲۰ء تک سوا تین کروڑ ایکڑون کا اضافہ ہوا۔ (۳) زرعی اور

تجرباتی فارم اور زراعتی تعلیم کے کالج سنہ ۱۸۸۰ء مین یعنی انگریزی حکومت کے قایم ہونے کے قریب قریب سو برسون تک ہندوستان مین بالکل نہین تھے لیکن اب یہ نعمتین بھی دو چار کالجون اور تھوڑے فارمون کی صورت مین ہمکو میسر ہین اور جنکی بدولت کاشتکار مسٹر جے۔ آر۔ راے کے بقول "نئے نفع رسان طریقے اور آلات استعمال کر کے بیحد فائدہ اٹھا رہے ہین"۔ (۴) زرعی پیداوارون کی قیمت مین سنہ ۱۸۶۳ء سے سنہ ۱۹۲۰ء تک اکسٹھ کروڑ روپیہ کا اضافہ ہوا ہے۔

یہ چارون بیانات قابل غور ہین۔ انھین ایک ایک کر کے لیجئے۔

نمبر ۱۔ بیس سال کے اندر ڈھائی کروڑ ایکڑون کا زیر کاشت رقبون مین اضافہ ہوا ہے۔ مسٹر جے۔ آر۔ راے کے پیش کردہ اعداد کے مطابق سنہ ۱۹۰۰ء مین زیر کاشت انیس کروڑ اکہتر لاکھ ایکڑ تھا جو سنہ ۱۹۲۰ء مین بائیس کروڑ اٹھائیس لاکھ ایکڑ ہو گیا۔ اس تحت مین مندرجہ ذیل باتین قابل غور ہین۔

پچھلے پچیس تیس برس سے پیداوار فی ایکڑ گھٹی جا رہی ہے اور جہان سنہ ۱۹۰۰ء کے قریب چار من غلہ ہوتا تھا اتنے کھیت مین اب دو ڈھائی من سے زیادہ عموماً نہین ہوتا کیونکہ آبادی بڑھ جانے کی وجہ سے کھیتون کی تعداد قلیل ہو گئی ہے اور کھیت بیپر نہین چھوڑے جاتے۔ چراگاہ اور جنگل برابر آباد ہوتے اور کٹتے چلے جاتے ہین جن سے بارش کم ہوتی جاتی ہے۔ مویشی بھوکون مرتے ہین اور انگریزی فوج اور بڑے گوشت کو دوسرے ملکون مین بھیجنے کے لیے ایک لاکھ گائے بیل اور بچھڑے روزانہ ذبح ہوتے ہین چنانچہ کاشتکار اور زمیندار نہ اچھے مویشی پاتے ہین نہ ان کی داشت کا خرچہ برداشت کر سکتے ہین نتیجہ یہ ہے کہ اب کھاد بھی نہین ملتی بلکہ کمزور مویشی اچھی طرح کھیت جوت بھی نہین سکتے۔

پہلے ہر کسان کے گھر مین چرخہ چلتا تھا جس سے کپڑے کے لیے اسے صرف بنوائی دینی پڑتی تھی اور اگر روئی خود نہین بوئی تو روئی کی قیمت اور کروڑون کسانون کے گھرون کی عورتین پچیسون روپیہ سال کا سوت بیچ لیتی تہین کسانون کی یہ آمدنی

اب چھن گئی اور اوپر سے انھیں کپڑا خریدنا پڑتا ہے جس سے ان کے افلاس کی حالت نہایت پردرد ہوگئی ہے۔ افلاس اور دودھ دہی سے محروم ہو کر کسان نہایت کمزور مریض اور بے دل ہوگئے ہین مقدمہ بازی الگ ان کا گلا گھونٹتی ہے نتیجہ یہ ہوا ہے کہ کاشتکاری مین اتنی جانفشانی کی قابلیت بھی ان مین نہین رہی جتنی پہلے تھی ان تمام مصیبتون اور بربادیون کا مجموعی اثر یہ ہوا ہے کہ پیداوار فی ایکڑ بہت کم ہوگئی ہے۔ اور آبادی کی اضافہ کے ساتھ پیداوار کی کمی پر ہم غور کرین تو ڈھائی کروڑ ایکڑون کا اضافہ رقبۂ زیر کاشت مین کوئی ایسی بات نہین ہے جس پر ہم خوشی کے شادیانے بجائین۔

نمبر ۲ - نہرون کی توسیع سے جو فائدہ ہندوستانیون کو ہوا ہے اُسے ہم تسلیم کرتے ہین لیکن اوپر جن عظیم نقصانات کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ اور جس سے ہماری زراعت کو اتنا سخت صدمہ پہنچا ہے اسکی تلافی نہرون کی موجودہ توسیع سے نہین ہوئی اور نہ اس کا عام فیض ہندوستان کے تقریباً بائیس کروڑ کسانون کو پہنچا ہے۔ صرف پانی سے کھیتی نہین ہوتی۔ آجکل متواتر سیلاب اور خشک سالی سے ہمارے لاکھون ہموطن کسان ہر سال جان بحق تسلیم ہو جاتے ہین۔ جنکو نہرون کی توسیع سے پانی ملتا ہے انکی تعداد ان کے مقابلہ مین بہت کم ہے جو نہرون کا پانی نہین پاتے۔ ہان اگر کافی توسیع نہرون کی اور آبپاشی کے اور ذرائع کی ہو جائے تو ایک معمولی حد تک کاشتکارون اور زمیندارون کی تکلیف کم ہو جائیگی۔

نمبر ۳ - مسٹر جے۔ آر۔ رائے کی تیسری بات سب سے زیادہ پر لطف ہے۔ زرعی اور تجرباتی فارم اور زراعتی کالج جو ڈیڑھ اینٹ کی مسجد کی طرح کہنے کے لیے ہندوستان مین قائم کر دیے گئے ہین ان سے مسٹر جے۔ آر۔ رائے فرماتے ہین کہ کاشتکار "بیحد فائدہ" اٹھا رہے ہین ستم ظریفی کی حد ہوگئی غالباً مسٹر رائے مسٹر فرینٹل کے نام سے واقف ہونگے۔ ہندوستان مین ایسے آدمیون کی تعداد انگلیون پر گنی جا سکتی ہے جو اقتصادیات ہند اور خصوصاً ہند کی زرعی اقتصادیات RURAL ECONOMICS کے بارے مین مسٹر فرینٹل سے زیادہ تجربہ اور واقفیت رکھتے ہون۔ مسٹر فرینٹل صوبۂ متحدہ مین کمشنر اور دیگر اعلےٰ عہدون پر رہ چکے ہین انھون نے پچھلے الہ آباد یونیورسٹی کانووکیشن مین صاف صاف بتلا دیا ہے کہ ان

فارمون اور کالجون سے دیہاتون کو بہت ہی کم فائدہ پہنچا ہے۔ ان کی تعداد ہی سمندر مین قطرہ کی طرح ہے۔ پھر ان کا طرز عمل بھی بحالت موجودہ کسانون کے لیے کارآمد اور موزون نہین۔ ڈاکٹر ہیرلڈ مان پرنسپل پوسا اگریکلچرل کالج نے بھی ایک تقریر مین فرمایا ہے کہ ان کالجون سے کسانون کی حالت کچھ بھی سدھر نہین سکی ہے۔ ہان کچھ لوگون کو ملازمتین ضرور مل گئی ہین۔

ناظرین خود دیکھ سکتے ہین کہ ان بیانات کے سامنے مسٹر جے آر رائے کے اس بیان کی کہ ان کالجون سے بے حد فائدہ کسانون کا ہوا ہے کیا وقعت ہو سکتی ہے۔

نمبر ۴۔ زرعی پیداوارون کی قیمت مین جو ساٹھ سال کے اندر اکسٹھ کروڑ روپیہ کا اضافہ بتایا گیا ہے۔ اُسے پانچ چھ کروڑ سے زیادہ کا نہ سمجھنا چاہئے کیونکہ روپیہ کی قیمت تب سے اب دس بارہ گنا کم ہو گئی ہے اور اسی ساٹھ سال مین ہندوستان کی آبادی بھی بڑھ گئی ہے۔

رالی برادرس اور دیگر بدیشی تجار کے ایجنٹ قرض سے لدے ہوے فاقہ سے نیم جان کسانون کو پیشگی روپیہ دیکر سستی قیمت پر غلّہ خرید لیتے ہین اور چھاتی تک اونچی ہوئی فصل کسان بیچ دیتے ہین اور کھانے اور بیج بھر بھی نہین رکھ پاتے۔ یہ ایجنٹ کثیر منافع پر دیگر ممالک کو یہ غلّہ اور روئی اور دیگر کچا مال بھیجتے ہین اور جس قیمت پر یہ ایجنٹ ان پیداوارون کو بھیجتے ہین اسکی رو سے اکسٹھ کروڑ کا اضافہ قیمت مین بتایا گیا ہے۔ اس "اضافہ" کا جان لیوا نتیجہ فاقہ کشی امرچ فیجی چینی ڈاٹ اور چائے باغون کی بھرتی ہے۔

زرعی "خوشحالی" کی اس نغمہ سرائی کے بعد مسٹر جے۔ آر۔ رائے اپنی دوسری دلیل یعنی صنعت و حرفت کے کارخانون کی توسیع کی طرف ہماری توجہ مبذول کرتے ہین آپکا بیان ہے کہ

"تجارت اور زراعت نے گذشتہ چالیس پچاس سال مین جو قابل قدر ترقی کی ہے۔ صنعت و حرفت اس سے بیگانہ نہین رہی۔ کپڑون کے کارخانے۔ پٹ سن کے کارخانے اور ایسی چیزون کا ذکر کر کے آپ فرماتے ہین کہ عظیم الشان ترقی ہندوستان کی مالی حالت مین ان سے ہوئی اور ہو رہی ہے۔ اسکے بعد آپ نے جائنٹ اسٹاک

کمپنیون کی تعداد مین کثیر اضافہ بتایا ہے۔ پھر ریل اور تار اور ڈاکخانہ کی برکتون کا احسان اپنے ہموطنون کی گردن پر رکھا ہے۔

خوف طوالت سے مین اس عنوان پر تفصیلی بحث نہ کرون گا۔ صنعت و حرفت کی توسیع کے سلسلہ مین محض اس ناقابل انکار حقیقت کی طرف اشارہ کر دینا کافی ہے کہ صرف چرخہ اور کھدر اور شکر کے کارخانون کو برباد ہو جانے سے جتنا روپیہ سالانہ ہندوستان کو باہر بھیجنا پڑتا ہے اسکی چوتھائی قیمت کے برابر بھی ان کارخانون کی کمائی نہین ہے۔ جن کی توسیع کا بیان اتنی کاوش کے ساتھ مسٹر جے۔ آر۔ رائے نے کیا ہے۔ اسکے علاوہ قریب قریب چار کروڑ گھرانون کی آمدنی چرخہ اور کھدر اور شکر کے کامون کے مٹ جانے سے مستقل طور پر کم ہو گئی ہے۔ اوپر سے ان پر کپڑا خریدنے خرچ کا بار مستقل طور پر آگیا۔ بیسوان لاکھ جولاہون کی پندرہ روپیہ ماہانہ سے لیکر چالیس پچاس روپیہ ماہانہ آمدنی ماری گئی۔ کیا ان چار پانچ کروڑ گھرانون اور بیسون لاکھ جولاہون کی جو روٹیاں چھن گئین اسکا کوئی بدل ہندوستان کو صنعت و حرفت کی "توسیع" سے ملا؟ مشکل سے پندرہ لاکھ مزدور ہندوستان کے کارخانو مین کام کر رہے ہین اور کئی کارخانے انگریزی اور بدیشی ہین۔ کروڑون کی روٹیاں چھین کر پندرہ لاکھ کو ملون اور کارخانون مین مزدوری دیدینا کہین تلافی مین داخل ہے؟ اور کارخانون کی مزدوری بھی کیسی ہے! بمبئی مین بچون کو افیون سے بیہوش کر کے کارخانہ مین ہماری غریب بہنین مزدوری کرنے جاتی ہین اسی کا خوفناک نتیجہ یہ ہو رہا ہے کہ ہمارے ہزار بچون مین چھ سو چھیاسٹھ بچے مر جاتے ہین اور جو باقی بچ جاتے ہین ادھ مرے ہو کر جیتے ہین۔

صنعت و حرفت کی توسیع اسوقت فائدہ رسان ہو سکتی ہے جب ان سے لوگون کو روزگار ملے نہ کہ لوگون کا روزگار اور ذریعہ معاش کا ایک معقول حصہ مارا جائے کروڑون کو بیکار کر کے دس بن گئے تو اس سے کیا ہوتا ہے اور جن کو ان کارخانون مین روزگار ملے ہین وہ کن حالون مین ہین اُسے بھی جاننا ضروری ہے۔

بنگال کے کارخانون کے مزدورون کو جو مکانات رہنے کو ملے ہین انھین دیکھکر انگلستان کے پارلمنٹ کے دو ممبر جو مزدورون کی حالت کی تحقیقات کرنے آئے ہوئے ہین

(۵) نصف سے زیادہ ہندوستانی قرضوں سے لدے ہوئے ہین - اور پشتہا پشت تک اس سے انکی گلو خلاصی نہین ہوتی ہے۔

(۶) نصف سے زیادہ ہندوستانی ایسے مکانون مین رہتے ہین جن سے بہتر مکانات مین یورپ مین گھوڑے اور کتّے رہتے ہین۔

ہندوستان کے افلاس اور خوشحالی کا پتہ چلانے کے لیے اعداد کی ضرورت نہین ہے - ہڈی ہڈی بدن دائم المریض - جوان مرگی - گندے اور پھٹے کپڑے - اور اور اس جیسے - ہندوستان کی اصلی حالت کی سچی تصویرین ہین - اور اب اس پر در حقیقت پردہ نہین ڈالا جاسکتا -

رگھوپت سہائے - بی - اے

رسید کتب

روح تنقید، مصنفہ ابو الحسنات سید غلام محی الدین قادری بی اے - مطبوعہ شمس الاسلام پریس حیدرآباد قیمت عہ/ عثمانیہ

نشن حیات - مصنفہ سید جلیل الدین احمد قیس رضوی (اقبال منزل لودی کٹرہ پٹنہ) مطبوعہ سلیمانی پریس پٹنہ حجم ۱۶۴ صفحہ قیمت عہ/

بڑی جنتری ۱۹۲۶ء - مطبوعہ نامی پریس شہر کانپور -

تاریخ زوال روما - جلد اول مترجم سید مطلب حسین صاحب بی - اے - شائع کردہ دائرہ ادبیہ لکھنؤ - قیمت عہ/

مطالعہ فطرۃ - حصہ اول اتحاد مذہب و فلسفہ، مصنفہ محمد فاروق ایم - ایس - سی - علیگ مطبوعہ مطبع حکیم برہم گورکھپور -

یادگار انیس - مولفہ مولوی امیر احمد صاحب علوی، بی اے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ و جج نیمچ چھاؤنی قیمت عگر

ملک البم (ہندی و انگریزی) شائع کردہ پرکاش پستکالیہ کانپور قیمت عہ/

مصیبت زدہ نازنین

مین حسب معمول شام کو امین آباد کے چوراہے پر پہنچا۔ میری عادت تھی کہ شام کو روزانہ چراغ جلتے وقت امین آباد جاتا کچھ دیر گھومتا پھرتا۔ پھر اپنے گھر لوٹ آتا۔ آج کچھ دیر ہوگئی تھی۔ برقی لیمپ روشن تھے۔ اور لکھنؤ کا یہ دلنواز خطہ آدمیون سے کھچا کھچ بھرا نظر آرہا تھا۔ شام اودھ مشہور ہے اسلیے نہین کہ دوسرے مقامات کی شام سے زیادہ دلکش یا سہانی ہوتی ہے بلکہ اسلیے کہ اکثر باشندے بازار مین سیر و تفریح کی غرض سے جاتے ہین مین امین آباد پارک مین داخل ہونیوالا تھا کہ ایک عورت نے درد بھری آواز مین مجھسے بھیک مانگی۔ مین رک گیا اور جیب مین ہاتھ ڈالکر اسے ایک پیسہ دینے ہی والا تھا کہ دفعتاً میری نگاہ اسکے چہرے کی طرف اُٹھ گئی۔ مین ٹھٹک گیا، اسکا گول مرجھایا ہوا چہرہ اسکے پتلے خشک ہونٹھ، اسکی غزالی آنکھین۔ اسکا سفید رنگ اس بات کا ثبوت دے رہے تھے کہ کچھ عرصہ قبل یہ عورت حسن کی مورت رہی ہوگی۔ اسکی عمر اٹھارہ بیس سال کی معلوم ہوتی تھی۔ لیکن رنج نے قبل از وقت اسکے چہرہ پر شیب کا رنگ پیدا کر دیا تھا۔

مین نے جیب سے ہاتھ نکال لیا اور اسکے خوبصورت خط و خال کو دیکھنے لگا۔ اسنے نیچی نگاہین کرکے مہین آواز مین پھر بھیک مانگی۔ نہ معلوم کیون میرے دل مین یہ خیال پیدا ہوا کہ اسکا حال سنون اور اسکے ساتھ اظہار ہمدردی کرون اور اسکی دستگیری کرون مین نے اس سے سوال کے لیے لب کھولے ہی تھے کہ وہ کانپی اور تیورا کر گر پڑی۔ مین اسکو اٹھانے کو آگے بڑھا۔ لیکن جب جھک کر دیکھا تو وہ بیہوش ہوگئی تھی۔ مین نے کئی طریقون سے اسکو ہوش مین لانے کی کوشش کی لیکن سب بیکار آخر ش ایک تانگہ کو جو ادھر سے گذر رہا تھا روک کر تانگہ والے کی مدد سے اسکو اٹھایا اور بلرام پور ہسپتال مین لیگیا۔

ڈاکٹر نے اسکو غور سے دیکھکر کہا کہ فاقہ کشی کے باعث اسکی یہ حالت ہوگئی ہے۔ انھون نے لخلخہ سنگھایا ذرا دیر بعد اس مصیبت زدہ نازنین نے آنکھین کھولدین۔ ڈاکٹر نے اسکو ایک دوا پلائی جسکے اثر سے اسکے زرد رخسارون پر خفیف سی سرخی جھلکنے لگی۔
ڈاکٹر کے کہنے سے مین اسکو پاس کے کوارٹر مین اٹھوا لیگیا۔ اور اسپتال کے بستر پر لٹایا مہربان ڈاکٹر نے ایک نرس کا انتظام بھی کر دیا کیونکہ مین تمام اخراجات اٹھانے کو تیار ہوگیا تھا۔
لڑکی کو پھر غش آگیا تھا اور نرس نے لخلخہ سنگھاکر ایک عرق اسکے حلق مین ڈالا اسکے بستر کے پاس اپنی کرسی کہسکا کر مین بیٹھ گیا۔ اور پاس ہی نرس بھی بیٹھ گئی۔ مریضہ نے ذرا دیر بعد اپنی آنکھین کھولکر شکریہ کے انداز سے میری جانب دیکھا۔
کمزور آواز مین وہ بولی۔ مہاشے جو کوئی بھی آپ ہون۔ آپنے میرے ساتھ مہربانی کا سلوک کیا ہے۔ مین ایشور سے دعا مانگتی ہون کہ وہ آپ کو اسکا اجر دے۔ میرا دل کہہ رہا ہے کہ ایشور مرنے والی کی یہ استدعا ضرور قبول کریگا۔
مین نے تشفی آمیز لہجہ مین کہا۔ آپکو محض کمزوری ہے وہ جاتی رہے گی۔ آپ مرنے کا نام کیون لیتی ہین۔ ماشاءاللہ ابھی آپ کمسن ہین نقاہت بہت جلد جاتی رہیگی
اس نے غمگین مسکراہٹ سے جواب دیا۔ جناب مین جانتی ہون کہ میرا وقت قریب آگیا ہے۔ میری موت دور نہین ہے۔ آہ وہ انسان کہ جسکا دل ٹوٹ گیا ہو۔ کیا زیادہ عرصہ تک زندہ رہ سکتا ہے۔
اسکی گفتگو مین کتنا درد کتنا سوز نہان تھا۔ اسکی مسکراہٹ نے میرے دل کے ساتھ نوک سنان کا کام کیا۔ بیساختہ میری آنکھین اشکبار ہوگئین۔ مین نے اپنا منھ پھیرلیا تاکہ وہ میرے جوش کو نہ دیکھ سکے۔
کچھ بھرائی ہوئی آواز مین مین نے کہا۔ ابھی ان باتون کا موقع نہین ہے ان کو مت سوچو ہنسی خوشی اور رنج و غم تو دنیا مین سب ہی کے لیے ہین تم اپنا خیال ادھر سے ہٹالو۔ اپنی طبیعت کو بشاش کرو۔ سنو تمہاری حالت بہت جلد سنبھل جائے گی

وہ بولی - بابوجی اب طاقت کیا آئیگی ابتو بس چل چلاؤ ہے۔

نرس نے کہا - آپ ناحق پریشان ہوتی ہین - ابھی آپ کی کمزوری جاتی رہے گی یہ لیجیے تھوڑا دودھ پیجیے۔

اس نے گلاس کا دودھ پی لیا - اور پھر لیٹ گئی - مین نرس سے یہ کہکر کہ باتین کرنے سے انکو ضعف بڑھتا ہے کمرہ کے باہر نکلکر برآمدہ مین ٹہلنے لگا۔

(۲)

آسمان پر تارے چھٹکے ہوئے تھے - قندیل فلک کی نقرئی ضیا نے ہر چیز کو روشن کر دیا تھا - درودیوار پر چاندنی کی سفید چادر بچھی ہوئی تھی لیکن مجھے یہ منظر اچھا نہین معلوم ہوا - میری نگاہون کے سامنے تو اس بھولی بھالی غمزدہ نازنین کا پژمردہ چہرہ تھا - مین اپنے دلمین سوچ رہا تھا یہ جبین عشق کے لیے بنائی گئی تھی - نہ کہ غم کے لیے - آخر وہ کون تھی کیا تھی - کہان رہتی تھی - ان سب سوالون کا جواب وہی دے سکتی تھی - لیکن اس سے پوچھتا کیسے - ؟ اتنے مین نرس نے آکر کہا وہ آپ کو بلاتی ہین۔

مین کمرہ مین چلا گیا - اسنے انگلی کے اشارہ سے بیٹھنے کو کہا - پھر تکیون کے سہارے خود اٹھکر بیٹھ گئی۔

وہ بولی - بابوجی مین سوچ رہی تھی کہ آیا آپکو اپنی داستان غم سناؤن یا نہ سناؤن کیونکہ مجھے معلوم ہو رہا ہے کہ میرا وقت قریب آتا جاتا ہے - آپ حیران ہونگے کہ مین کون ہون میرے غم کا سبب کیا ہے ؟ مین -

مین نے قطع کلام کرکے کہا - تم پریشان مت ہو مجھے کچھ معلوم کرنے کی ضرورت نہین ہے - بہتر تو یہ ہے کہ تم کچھ دیر کے لیے سو جاؤ - اس سے تمہاری طبیعت ہلکی ہو جائیگی

اس نے کہا - مین عنقریب ایسی نیند مین سونے والی ہون جسکے بعد بیداری کا جھگڑا نہین - اسلیے کہتی ہون سنئے۔

"اگر آپ کو کبھی میرا خیال آئے تو میرے حق مین دعاء خیر کیجیے گا - میرا نام سونا ہے

مین اپنی ماں کے ساتھ دو گانوان مین رہتی ہون۔ کسی وقت مین میری ماں کسی گھر گرہست کی لڑکی تھی لیکن اب مجھے کہتے شرم آتی ہے۔ اسی کے باعث میری جوانی کی بہار خزان مین تبدیل ہوگئی۔ اور مین لب گور پہنچگئی۔

یہ کہکر وہ رک گئی۔ اسکی گفتگو مین تلخی تھی۔ اس کے چہرہ پر نفرت کے آثار تھے، پھر وہ کہنے لگی۔ میری ماں نے ایک شخص کے عشق مین گرفتار ہوکر گھر بار کو خیرباد کہا۔ لیکن اس ہوس پرست نے زیادہ عرصہ تک شرط وفا نہ نباہی۔ میری ماں سے جسطرح ہو سکا اپنا پیٹ پالتی رہی۔ اسے گھر چھوڑے دس برس ہوے ہونگے کہ مین پیدا ہوئی۔ رفتہ رفتہ اسکی جوانی کی شام ڈھل چلی اب اسکو چرخے چلانے مین سخت مشکل کا سامنا کرنا پڑا۔ میری عمر جب بارہ برس کی ہوئی تو اسنے مجھے سبق دینا شروع کیا اور روزانہ شام کو مجھے ہمراہ لیکر گھومنے نکلتی۔

وہ دم لینے کو ٹھہری۔ نرس نے تھوڑا دودھ اسکو پلا دیا۔

دودھ پیکر وہ کمزور آواز مین بولی۔ مین اگر اپنی ماں کے کہنے پر عمل نہ کرتی تو وہ میری خبر ڈنڈون سے لیتی تھی۔ میرے نازک جسم مین نیل پڑ پڑ جاتے مگر وہ بیرحم ناخدا ترس ماں باز نہ آتی تھی۔ آہ کیا سب مائین اسی طرح ہوتی ہین۔ مین اپنی ماں سے اس طرح ڈرتی تھی جسطرح قصائی سے گائے۔ خیر بظاہر مین ان کے کہنے پر چلنے لگی۔ دو تین برس اسی طرح گذر گئے۔ اب میری عمر پندرہ سال کی ہوئی۔ اور مین نے جوانی کی پہلی منزل مین قدم رکھا۔ آہ مین نہین جانتی تھی کہ ایک غریب لڑکی کے لئے جوانی خطرناک ہے نہین تو مین بچپن کو ہاتھ سے جانے نہ دیتی۔ اس دوران مین میری ماں نے مجھے بے حیا بنانے کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ لیکن اب میری فطرت ایسی تھی جس سے مین بے شرم نہ ہوئی۔

اب اس سے بولا نہ گیا اور وہ پلنگ پر آنکھین بند کرکے لیٹ گئی۔

(۳)

نرس نے اٹھکر اسکو شیشہ کے گلاس مین ایک دوا پلائی۔ دوا پی کر اسمین کچھ طاقت

آگئی۔ وہ بولنے والی تھی کہ نرس نے منع کیا۔

نرس اسکے بستر کے پاس جاکر بولی۔ آپ ذرا دیر آرام کرلیجئے۔ پھر گفتگو کرنا ورنہ کمزوری بڑھ جائیگی۔

وہ تلخی سے ہنسکر بولی۔ اگر کمزوری بڑھ جائیگی تو کیا۔ مجھے کسکے لیے زندہ رہنا ہے کیا گذشتہ زندگی کے خوفناک اور بے مزہ خوابون کی یاد کے لیے گھٹ گھٹ کر مرنا چاہتی ہون اور وہ وقت دور نہین کہ جب میری شمع حیات گل ہوجائے گی۔ جب یہ ناپاک جسم آگ مین پڑکر پاک ہوجائیگا۔ جب یہ دنیا مین تکلیف پائی ہوئی روح بہشت مین آرام پائے گی یا دوزخ مین کون جانے میری قسمت مین کیا لکھا ہے۔

پھر مجھے مخاطب ہوئی۔ ہان بابو جی سنئے۔ میری داستان نئی نہین ہے۔ ایسے واقعات آئے دن ہوا کرتے ہین۔ لیکن فرق اتنا ہے کہ مین حسن فروش نہین ہون۔ مین مجبور کی گئی۔ میری ماں کی دھمکیون نے۔ ار نے مجھے اسکے کہنے پر چلایا۔ جابر ماں کو روپیہ کی فکر تھی عیش کی تمنا۔ ظالم نے یہ نہ سوچا کہ جس راستہ پر وہ چلی تھی وہ کتنا گندہ تھا، کتنا خطرناک۔ کتنا تکلیف دہ! وہ اب بھی اپنے کو جوان تصور کرتی تھی۔ ابھی تک وہ خواب خرگوش سے نہین چونکی تھی۔ اسنے نہین سوچا کہ اسکی لڑکی کا کیا حشر ہوگا۔ اسنے نہین خیال کیا کہ میرا دل خون روئے گا۔ میرا ضمیر مجھے ملامت کریگا۔ آہ بے دردماں کی عقل پر پردہ پڑا ہوا تھا۔

وفور جوش سے وہ تھک گئی۔ مین نے اور نرس نے اسکو خاموش رکھنے کی بہت کوشش کی لیکن لاحاصل۔

ذرا دیر بعد وہ پھر بولی۔ بابو جی آپکو حیرت ہوگی کہ مین سب باتین آپ سے کیون کہہ رہی ہون۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ مین نہین چاہتی کہ میری طرف سے آپ بدگمان رکھین آپ نے میرے ساتھ مہربانی کی ہے۔ یہ خیال نہ معلوم آپ مجھے کیا سمجھین مجھے چین سے مرنے نہ دے گا۔ اسلیئے مین آپ سے سب کہنا چاہتی ہون۔ خیر سنئے۔ مین خود کو نفرین کرتی تھی۔ موت کی دعا مین مانگتی تھی لیکن موت کہان؟ میری عصمت کا موتی چلنا چور

ہوگیا۔ مین شرم کے مارے سر نہ اٹھاتی زمین مین گڑی جاتی تھی۔ لیکن میری ماں بہت خوش تھی۔ اب اسکو آسایش کی چیزین مہیا ہوگئی تھین۔ اب مرغن کھانے پکتے۔ شراب کے دور چلتے۔ دہلی ہوئی سفید دھوتی پہنکر نکلتی۔ بیلے کا قیمتی تیل اسکے بالون مین پڑتا اور شربتی کرتی پر نایاب عطر ملا جاتا۔ مجھکو بھی اسی طرح سنوار کر وہ شام کو مین آباد لیجاتی لیکن مجھے کوئی خاص لطف حاصل نہ ہوتا۔ میرا دل مردہ ہوگیا تھا۔ جوانی کی امنگین گویا سرد ہوگئی تھین۔ لیکن میرا حسن البتہ افزونی پر تھا۔ تنہائی مین مین گھنٹون روتی۔ سر دھنتی ہزارون طریقے سوچتی کہ جس سے یہ کمبخت حسن مفقود ہوجائے۔ لیکن کوئی ترکیب سمجھ مین نہ آتی۔ جب کبھی میری ماں مجھے روتے دیکھ لیتی میری خبر ڈنڈون سے لیتی۔ مجھے کوستی۔ صلواتین سناتی۔ لیکن مجھپر کچھ اثر نہ ہوتا اسی طرح تین چار سال گذر گئے آخر ش مجھے معلوم ہوا کہ مین خود ماں ہونے والی ہون۔ اس خیال نے مجھے کچھ گدگدایا مین نے اکثر عورتون کو لڑکے کھلاتے دیکھا تھا اور ہمیشہ خود میری تمنا بچہ کھلانے کی رہتی تھی۔ اس خیال سے کہ اب مین خود اپنا بچہ کھلاؤن گی۔ مجھے کچھ مسرت ہونے لگی لیکن مین نے اسکا ذکر کسی سے نہین کیا۔ کنجوس انسان کی طرح اس خیال سے تنہائی مین خوش ہوتی اب کمزوری بہت بڑھ گئی ہے۔

یہ کہکر وہ بستر پر لیٹ گئی۔ نرس نے جلدی سے دودھ مین برانڈی کے چند قطرہ ملاکر اسکو پلا دیے۔ برانڈی نے اسکو قوت بخشی اور وہ تکیہ کے سہارے پھر اٹھ بیٹھی۔

وہ بولی۔ مین نہین بیان کرسکتی کہ وہ خوشی کیسی تھی۔ لیکن سیہ بختی جب ساتھ چھوڑتی نہ معلوم کسطرح میری ماں کو پتہ چل گیا۔ اب پھر روز جھگڑے ہونے لگے۔ ایک دن وہ ایک دائی بلالائی اور کسی طرح میری خوشی میری امید مجھسے چھین لی گئی۔ مین بہت بیمار پڑگئی۔ لیکن سخت جان تھی کچھ دنون مین لوٹ پوٹ کر چنگی ہوگئی۔ پھر وہی مشغلہ جاری ہوا لیکن اب میری طبیعت دنیا سے متنفر ہوچکی تھی۔ مجھے وہ کراس ننھی سی جان کی یاد آتی تھی۔ آہ کاش میری ظالم ماں نے ایسا نہ کیا ہوتا۔ اگر وہ زندہ ہوتا تو میری تکالیف مین ایک گونہ کمی ہوجاتی۔ مجھے پھر جینے کی تمنا ہوجاتی۔ لیکن فلک کجرفتار کو یہ کب منظور تھا۔

رہ رہ کر مجھے اس ننھی سی جان کا خیال رہنے لگا۔
نقاہت نے اسے بولنے نہین دیا وہ بستر پر لیٹ گئی اور خستگی سے آنکھین بند کرلین
نرس نے پھر اسکو دودہ مین برانڈی ڈالکر پلائی اور مجھے باہر جانے کا اشارہ کیا۔

(۴)

ماہتاب کسی دوسری دنیا کو روشن کرتے چلا گیا تھا۔ رات کے بارہ بج گئے تھے۔ سوا پہرہ والون کی سیٹیون کے اور کسی قسم کی آواز سنائی نہین پڑتی تھی۔ مین اس دل خراش داستان کو سنکر اسقدر بیتاب ہو گیا تھا کہ برآمدہ مین آکر بے اختیار رو پڑا۔ رونے سے میری طبیعت کچھ ہلکی ہو گئی۔ مین نے رومال سے آنسو پونچھے۔ بار بار میرے جی مین آتا تھا کہ اس مصیبت زدہ سے اسکی ماں کا پتہ دریافت کرلون۔ اور اسی وقت جاکر اسکو برا بھلا کہون اگر وہ اسوقت میرے سامنے ہوتی تو ممکن تھا کہ مین اسکو قتل کر دیتا۔ میرا جوش دریا کے موجون کی طرح امڈا ہوا تھا۔ آج تک کبھی مین نے ایسی دل خراش داستان نہین سنی تھی۔ گو مین نوجوان نہین تھا۔ پھر بھی اسوقت جوانی کا خون میری رگون مین جوش مارنے لگا۔ مین نے ارادہ کرلیا کہ صبح ہوتے ہی اس غدار بڑھیا کو اسکا مزہ چکھاؤن گا۔ مجھے اس لڑکی سے ایسا انس ہو گیا تھا۔ گویا کہ وہ میری سگی بہن تھی۔ مین نے سوچا کہ کیا ایسی مائین بھی دنیا مین ہوتی ہین کہ جو اپنے عیش و آرام پر اپنی لڑکیون کی زندگی قربان کر دیتی ہین مجھے اس خیال سے ابتک گونہ تسکین ہو گئی۔ کہ ایسی مائین دنیا مین بہت کم ہین۔ مین خیالات مین غوطے کھا رہا تھا کہ نرس نے مجھے آواز دی۔

مین کمرہ مین گیا تو مریضہ کے چہرہ کی زردی دیکھکر چونک پڑا۔ مین فوراً سمجھ گیا کہ وہ فی الواقعی جانکنی سمری ہے۔ مین نے نرس کیطرف دیکھا اور اسنے بھی اشارون مین مجھسے کہہ دیا۔

مین نے نرس سے کہا۔ جاؤ ڈاکٹر کو فوراً بلالاؤ۔

نرس اٹھ کھڑی ہوئی۔ لیکن اس مہ جبین نے اسکو روک لیا۔

نازنین بولی۔ ایک ڈاکٹر کیا اگر لقمان بھی آئین تو مجکو فائدہ نہین پہنچا سکتے۔ میرا دل ٹوٹ گیا ہے۔ اور کوئی دوا مجھے اچھا نہین کرسکتی۔ آپ ناحق پریشان ہوتے ہین۔ مجھ جیسے گناہ گار

کا دنیا سے اُٹھ جانا ہی اچھا ہے۔ اب بقیہ داستان سُن لیجئے۔ مجھے اپنی ماں کی صورت سے نفرت ہو گئی۔ اور میں نے چاہا کہ خودکشی کروں لیکن میری ہمت نے جواب دے دیا۔ آخر پرسوں یہ ارادہ کر کے میں بھیک مانگ کر اپنا پیٹ پالوں گی۔ نکل پڑی۔ لیکن بدقسمتی نے یہاں بھی پیچھا نہ چھوڑا۔ جس شریف آدمی سے بھیک مانگتی۔ وہ یا تو انکار کر دیتا یا بری نظر سے دیکھتا نتیجہ یہ ہوا کہ فاقہ کشی کرتی رہی۔ آج شام کو آپ ہی صرف ایسے ملے کہ میری ہمدردی پر آمادہ ہو گئے۔ بابو جی مجھے اپنا نام بتا دیجئے۔ آہ دنیا میں کم از کم ایک نیک طینت، رحمدل اور فیاض انسان موجود ہے۔

میں نے کچھ محجوب ہو کر جواب دیا۔ سو نا میرا نام رامچرن ہے۔ لیکن میں بھی دوسروں کی طرح گنہگار ہوں۔ دنیا میں کون ایسا ہے کہ جسکے سر پر گناہوں کا ٹوکرا نہ ہو۔

اس نے نہایت دھیمی آواز میں کہا۔ کچھ بھی ہو۔ میرے لیے تو آپ خضرِ راہ ثابت ہوئے ہیں۔

میں نے رقت آمیز لہجہ میں کہا۔ کیا تم اپنی ماں کا پتہ بتاؤ گی؟

اس نے بہت کمزور آواز میں جواب دیا۔ نہیں یہ بہتر ہے کہ تم اسکی بابت زیادہ نہ جانو۔

آہ اب نہیں بولا جاتا۔ پانی۔ تھوڑا پانی۔

نرس نے لپک کر اسکو دودھ اور برانڈی دی۔

وہ پی کر بولی۔ بابو جی رخصت۔ ممکن ہے کہ ہم پھر ملیں۔ کون جانے۔ آہ۔ آہ۔ میری ننھے سے معصوم بچے میں بھی آتی ہوں تو روتا کیوں ہے؟

دیکھتے ہی دیکھتے اسکے چہرے پر مردنی چھا گئی۔ برانڈی اسکو تھوڑے عرصے تک قوت دیتی رہی ورنہ غم پہلے ہی اپنا کام کر چکا تھا۔

دفعتاً نازنین نے ایکبار چلا کر کہا۔ بچے۔ پیارے بچے میرا ہاتھ تھام لے میں آکر تجھے چھاتی سے لگاتی ہوں۔ بچے۔ بچے۔ میں آئی وہ ۔

اسکے بعد ایک ہچکی آئی اور وہ ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گئی۔

جی، پی۔ بھٹناگر بی۔ اے

جذبات داس

ناظرین زمانہ ساگر سا نگیت کے لطیف نظمون کا ترجمہ تو ہمارے دوست منوّر صاحب کے بدولت ملاحظہ فرما چکے ہین اب ہم "بحر ترنم" کے بعض دلکش نغمون کا منظوم ترجمہ ہدیۂ ناظرین کرتے ہین جو مکرمی مولانا وحید الدین صاحب سلیم کے زور قلم کا نتیجہ ہے جس فصاحت و بلاغت کیساتھ مولانا موصوف نے دیش بندھو داس بھگوان کے کلام معجز نظام کو اردو مین قلمبند کیا ہے وہ در اصل انہین کا حصّہ ہے۔

(۱)

مین ہون اے شوخ مصوّر اتری صنعت پہ نثار — تیری گلکاری پہ قربان، تیری ندرت پہ نثار

تو نے کیا بو قلمون رنگ ہین پھولون مین بھرے — پھول ہین۔ یا یہ مزین ہین حسینون کے پرے

بقعۂ نور ہے پھولون سے گلستان تیرا — آفتابون سے ہے لبریز شبستان تیرا

آنکھین ان حسن کے جلوون سے اگر لڑتی ہین — نظرین اٹھ نہین سکتی ہین جہان پڑتی ہین

مگر اب رنگ پہ مائل نہین فطرت میری — تیرے نغمون کی ہے مشتاق طبیعت میری

ہو چکا دل ترے نیرنگ تبسم پہ فدا — چاہتا اب ہون کہ ہون تیرے ترنم پہ فدا

چھیڑ دے ساز کو ناساز یہ ہستی ہے مری — نغمۂ تر کو ترے روح ترستی ہے مری

موجین اے بحر ترنم اتری جب ہونگی رواں — روح میری تری ہر موج پہ ہوگی رقصان

فرط لذت سے جھپک جائینگی آنکھین میری — بحر کی تہ مین ڈبو دینگی یہ موجین تیری

(۲)

ہے یہ کیا شے کہ نظر آتی ہے درخشان مجھکو — کر رہی ہے جو شب ماہ مین حیران مجھکو

کیا ہے؟ تھم تھم کے جو جلوا اپنی دکھا جاتی ہے — میرے سینہ کو جو آئینہ بنا جاتی ہے

اُسکے پر تو سے یہ ہستی مری نورانی ہے — نور مین اُسکے چھپی راحت لافانی ہے

جب [illegible] مرے دلمین اُتر جاتی ہے — برق کی رَو مری رگ رگ سے گزر جاتی ہے

عیش [illegible] کا تخیل یہ بھاتا ہے مجھے — یا مرا حسن عمل جلوہ دکھاتا ہے مجھے

[illegible] پہ ہے مری نور کا عالم طاری — قلب تاریک مین ہین نور کی لہرین جاری

عمرِ رفتہ کا جو عالم مجھے یاد آتا ہے
دل مرا رقص و ترنم پہ مچل جاتا ہے
واقعے عمرِ گذشتہ کے مسلسل ہو کر
تیرتے خواب کے دریا مین ہین شکل گل تر

(۳)

پھر گھٹا جھوم کے مشرق سے اُٹھی ہے اکبار
مطلعِ مہرجہان تاب ہے پھر تیرہ و تار
افقِ چرخ پہ ظلمت کا بکھرتا دیکھو
خوف سے چہرۂ عالم کا اُترنا دیکھو
وہ سمندر کو لگی چھیڑنے طوفان کی ہوا
موج پر موج اچھلتی ہے قیامت ہے بپا
شور کرتی ہے ہر اک موج کہ بیتاب ہون مین
غرق کرتی ہون جہازون کو۔ وہ گرداب ہون مین
چرخ پر غیظ مین بادل ہین گرجتے پیہم
لاکھون نقارے سمندر مین ہین بجتے پیہم
میرے پہلو سے بھی اک تند صدا آتی ہے
کپکپی جس سے مرے جسم پہ چھا جاتی ہے
مین اُسے نعرۂ شادی کہون یا نوحۂ غم
سُر ہین پنجم کے، مگر راگ ہے سارا مدھم
بیقراری کی ترنگ اس سے ٹپکتی ہے کہین
نبض وحشت کے طرارون کی لپکتی ہے کہین
آخر اے دل! ترے اس شور کا منشا کیا ہے؟
تو ہی بتلا - ترا مطلوب تمنا کیا ہے

وحید الدین سلیم (پانی پتی)

جذبات عزیز

کر چکے برباد دلکو فکر کیا انجام کی
اب ہمین دیدو یہ مٹی ہی ہماری کام کی
ڈوب دیدے بادۂ گلرنگ مین زاہد اگر
دیکھئے رنگینیان پھر جامۂ احرام کی
دل جلا ڈالا لہو پیکر نگاہِ ناز نے
بگینہ سوزی تو دیکھو برق ہون آشام کی
عکس ابر و دیکھتے ہین بادۂ سرجوش مین
عید ہے ساقی پرستون مین ہلال جام کی
ہو گئی بازیچۂ یاران بے ذوق و شعور
شاعری جو تھی مرادف معنیٔ الہام کی
پختگی سمجھے ہوئے ہین جو تناسب کو فقط
ہے اصلاح انکو اس خیال [illegible]
ہے یہ نازک فن جو شایان تھی عنبری نہیں
دور مجلس [illegible] ضرورت کیا ہے [illegible]
ہے عزیز آئینۂ لفظی مراعاۃ النظیر
حسن معنی جب نہین پھر شاعری کس کام کی

پھاگن کا پہلا دن

نیلگون ہے آسمان نکھرے ہوے ہین مرغزار
دلپہ چھائی جاتی ہی سرسون کے پھولونکی بہار
کھیت مین پھولی ہی السی یا روان ہے جوئبار
کِھل گیا ٹیسو تو جنگل ہوگیا لالہ نگار
حورِ جنت کی ہین آنکھین یا مٹر کے پھول ہین
جو تماشائے بہارِ ہند مین مشغول ہین

کس ادائے ناز سے رُک رُک کے چلتی ہی نسیم
ہر قدم پر کیا ہی شوخی سے مچلتی ہے نسیم
عطر مین بس کر گلستان سے نکلتی ہے نسیم
جاکے کھیتون مین نیا پہلو بدلتی ہے نسیم
لہلہاتے ہین اگر گل جھومتی ہین بالیان
پاس کے پھولون کو جُھک کر چومتی ہین بالیان

اُجلی اُجلی دھوپ سے کرتی ہین آنکھین کسبِ نور
کیا طرب افزا درختون مین ہے کلیون کا ظہور
چہچہاتے ناچتے پھرتے ہین شاخون پر طیور
کیف آگین ہے فضا موجِ ہوا موجِ سرور
ذرہ ذرہ جوششِ ہستی سے اُف معمور ہے
نشہ صہبائے دل سے مست ہے مخمور ہے

بور آیا آم مین کوئل بھی آئی لوٹ کر
پھر رہی ہے کوکتی اِس شاخ سے اُس شاخ پر
"پی کہان" کہکر پپیہے نے وہ پھیلایا اثر
شوق سے بیتاب ہین کیا آدمی کیا جانور
پیکرِ فریاد بنکر بولتا ہے کاگ یہ
یا فضا مین چھڑ گیا ہے دردِ دل کا راگ یہ

شیام موہن لال "جگر" (بریلوی)

"تہار"

(یعنی)

جنگ کا دیوتا

مین ہون خداجنگ کا "تہار" میرا نام ہے　　جسکو قضا کہتے ہین وہ میرا پیغام ہے
شرق سے لے غرب تک سب پہ حکومت مری　　جنگ میرا مشغلہ صبح سے تا شام ہے
دہاک وہ میری بندھی قومین ہین تابع مری　　لطف مرا خاص ہے قہر میرا عام ہے
دہر مین کوئی نہین میرا حریف نبرد　　آب میرے خوف سے زہرۂ ضرغام ہے

گرز میرا "جولسنر" دیو کا سر توڑ دے
گاوِ زمین ضرب سے جس کی جگہ چھوڑ دے

(۲)

پنجۂ فولاد سے گرزِ گران تہام کر　　پھینکتا ہون دور مین دیکھے تکانِ گردسر
ہے کمر پیچ وہ جس سے ہو طاقت دوچند　　ہے یہ وہ چار آئینہ جس پہ ٹھہرے نظر
جسکے علم ہوتے ہی آگ برسنے لگے　　تیغ وہ خارا شگاف [illegible] بکمر
کوندا لپکتا نہین چرخ پہ یہ بار بار　　جمع ہوئے ہین وہان اسکے ہی اُڑکر شرر

دوش ہوا پر جنہین ملکہ بہشت لے گئی
تاکہ نہ امین رہے میرے غضب سے کوئی

(۳)

جو "میرا بھائی" ہے آنکھین مری بجلیان　　قہر سے دیکھا جدہر اُٹھنے لگا [illegible] دہوان
پہیے مری گاڑی کے گھومتے ہین بادل مین جب　　ہوتی ہے پیدا گرج کانپتے ہین [illegible]
مین جو رجز خوان ہوا زلزلے آتے رہے　　کوہ و زمین [illegible] ہوئے پھٹ پڑے [illegible]

ہوس کسی کو نہین کوئی کسبِ کیا نہین
کتنے مکین بے مکان کتنے مکان بے مکین

(۴)

اب بھی جہان مین ہے دور زور کا اور تیغ کا
ہوگا وہ آئندہ بھی جیسا سلف مین ہوا

حلم جسے کہتے ہین ضعف کی ہے وہ دلیل
دیکھ لو ہر عہد مین غلبۂ طاقت رہا

علم و ہنر ہیچ ہین گر نہین بازو قوی
کوڑیون کے مول بھی کوئی نہین پوچھتا

شور زمانے مین ہے تیغ شرربار کا
حلقہ بگوش اک جہان آج بھی ہے "نثار" کا

مرزا جعفر علیخان اثر لکھنوی

جذباتِ اثر

چمن چمن ہی شوریدہ سر پکار آئے
شباب یار سے ملتی ہوئی بہار آئے

کسی کے کام نہ آئین نہ کوئی کار آئے
جہان مین کسلئے ہم تیرہ روزگار آئے

نگاہ لطف کے چتون کچھ اور ادا کچھ اور
تمہین بتاؤ کہ اب کسکا اعتبار آئے

جئے وہ آپ کے ایفائے عہد تک کیونکر
کہ غش پہ غش جسے ہنگام انتظار آئے

جو نیم کشتہ ہو قاتل کی کم نگاہی کا
قرار آئے تو کیونکر اُسے قرار آئے

وہ تشنہ کام ہون دیکھون جو سوئے مینا
بجائے نشہ ہر اک آنکھ مین خمار آئے

مثال شعلہ تصویر سرد تھا دوزخ
گناہگار جو محشر مین شرمسار آئے

بہار آئینہ رنگ شکست آئینہ
کہان سے روز نیا اک دل فگار آئے

ریاض عشق کا لٹے بوالہوس پتہ یہ ہے
جہان لہو مین نہائی ہوئی بہار آئے

یہ پڑا ہے جینے سے مرنا ہی کیا برا ہے اثر
کہ سانس آئے تو پر خون و پر شرار آئے

دنیا مین جنّت میرا وطن ہے

باغون نے پہنا — پھولون کا گہنا
نہرون کا بہنا — خوش خوش رہنا
دنیا مین جنت میرا وطن ہے

بھوری گھٹائین — لائی ہوائین
باغون مین جائین — دل بہلائین
دنیا مین جنت میرا وطن ہے

اک جھونپڑی ہے — سب کچھ یہی ہے
کیا سادگی ہے — کیا زندگی ہے
دنیا مین جنت میرا وطن ہے

کرشن کنہیا — رادھا کا رسیا
تھا اس زمین کا — روشن ستارا
دنیا مین جنت میرا وطن ہے

وہ ترک آئے — بھارت پہ چھائے
جھنڈے اُڑائے — قرآن لائے
دنیا مین جنت میرا وطن ہے

چشتی نے بخشا — دل کو سہارا
ہمدرد ایسا — ہم کو ملا تھا
دنیا مین جنت میرا وطن ہے

گوتم کا گھر ہے　　جنّت کا دَر ہے
افسر کدھر ہے　　کیا بے خبر ہے
دنیا مین جنّت میرا وطن ہے

حامد اللہ افسر (میرٹھی)

ماہیِ بے آب

تڑپ تڑپ کے جو گرتی ہے خاک پر ہر سو　　ذرا بتا تو سہی کیون تجھے قرار نہین
وطن کی یاد مین شاید کہ بیقرار ہے تو　　مگر یہان سے تو بہتر ترا دیار نہین
کہان وہ آب کثیف اور کجا یہ رنگ و بو　　تجھے تمیز بد و نیک زینہار نہین
یہ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائین، یہ رنگ جوش نمو　　وہ کون چیز ہے جو آج خوشگوار نہین
بہجت شام، نمود شفق، کنارۂ جو　　پسند کیا یہ تجھے عالمِ بہار نہین

رہی مدام جو گہرائیون مین پانی کی،
ذرا ہوئی نہ تجھے قدر زندگانی کی

یہین تجھی کو مبارک یہ عیش کے سامان　　کہ بوند بوند کو میری زبان ترستی ہے
حباب و موجۂ گرداب و قعرِ آبِ روان　　انہین سے میری مئے زندگی کی مستی ہے
مین آفریدۂ قبلی ہون اور تو انسان　　میرے لیے تری دنیا عدم کی بستی ہے
بہار تو جسے کہتا ہے، وہ مجھے ہے خزان　　تجھے جو اوج ہے، میرے لئے وہ پستی ہے
بہار آئینۂ [illegible] آب جسے میری جان　　الگ الگ یونہی دونون کی قید ہستی ہے
ریاضِ عشق کا ملنے بوا آیا ہے زیست ہویدا ہے میری صورت سے
چھڑے [illegible] گذرنا حدودِ فطرت سے
کر سانس آئے

تسکین قریشی

پنڈت برج نرائن صاحب چکبست مرحوم

افسوس ... لکھنؤ سے ایک ایسی ہستی اُٹھ گئی جسکی قادر الکلامی اور معجز بیانی کا ایک عالم شیدائی
[illegible] پنڈت برج نرائن چکبست
تھا اور جس کے اخلاق اور اوصاف کا ایک زمانہ [illegible]
مرحوم کی یکایک وفات سے جو صدمہ ادبی دنیا کو پہونچا ہے وہ محتاج بیان نہین چکبست مرحوم
اُن چند اہل کمال مین سے تھے جنھون نے زبان اُردو کی شاعری اور انشاپردازی مین ایک
عظیم الشان تغیر پیدا کر دیا ہے اور جو دور جدید کے اُن سچّے اور وفادار رہنماؤن مین سے تھے
جنھون نے پُرانے تنگ اور دشوار راستون کو ترک کر کے ایک ایسا نیا اور پُر فضا میدان پیش نظر
کر دیا ہے جسکی سیر مین اہل نظر کو رنگینیٔ قدرت کا لطف حاصل ہوتا ہے۔ چکبست ایک خاص
رنگِ سخن کے موجد تھے اور غزل مین فلسفیانہ اور اخلاقی خیالات کا ادا کرنا اُن کی جدت طبع کا
بہترین اور قابل قدر کارنامہ ہے اسمین شک نہین کہ ان کا کلام نئے خیالات [illegible] اور ان کی زبان
عام جذبات کی ترجمان ہے مگر لطف کی بات یہ ہے کہ نئے خیالات اور فطری جذبات کے ادا کرنے
پر بھی ان کے کلام مین شاعرانہ صناعی اور الفاظ کی بندش اور زبان کی پاکیزگی [illegible] شاعری
کے جوہر بھی موجود ہین اور یہ ایسی بات ہے جسنے ان کے کلام کا لطف دو بالا کر دیا ہے اور
اُردو شاعری مین ایک روح تازہ پھونکدی ہے۔ شاعری کا معیار گلزار نسیم کے [illegible]
مین خود یون بیان فرماتے ہین۔

" یاد رہے کہ محض عبارت سادہ نظم کرنا شاعری نہین ہے شاعری کی [illegible] یہ ہے
کہ نثر سے زیادہ دلکش اور پُر تاثیر ہو۔ نثر کا انداز یہ ہے کہ جو مضمون بیان کیا جائے وہ
نہایت وضاحت کے ساتھ بیان کیا جائے اور الفاظ کی [illegible] اس حالت کی
معنی صاف طور پر پیدا ہون بر خلاف اسکے شاعری مین یہ اصول مد نظر رہتا ہے [illegible]

باندھا جائے اختصار کے ساتھ باندھا جائے اور محض ایک حالت کا اشارہ کرے ترکیب الفاظ ایسی ہو کہ اس حالت کی نسبت مختلف نقشے پڑھنے والے کی آنکھون کے سامنے گذر جائین"

نظر غور سے دیکھئے تو چکبست کا کلام ان کے قول کی پوری تصدیق کرتا ہے۔

پنڈت برج نراین چکبست ۱۸۸۲ء مین بمقام فیض آباد پیدا ہوئے تھے لیکن چندہی سال کے بعد لکھنؤ جوان کا آبائی وطن تھا چلے آئے اور یہین نشو و نما پائی۔ ۱۹۰۵ء مین بی اے کی ڈگری کیننگ کالج سے حاصل کی اور [illegible] مین ایل ایل بی کا امتحان پاس کیا اور لکھنؤ ہی مین وکالت شروع کی۔ پیشۂ وکالت مین بھی بہت جلد کامیابی حاصل کی اور تھوڑے ہی عرصہ مین ان کی قانونی قابلیت اور حسن تقریر کا اثر پبلک پر نمایان ہونے لگا۔ چکبست مرحوم کا جو وقار اپنے ہم پیشہ لوگون اور حکام کی نظرون مین تھا اُس کا اندازہ ان تقریرون سے ہوتا ہے جو مسٹر جسٹس اسٹورٹ چیف جج عدالت العالیہ چیف کورٹ اودھ و مسٹر کنڈل ڈسٹرکٹ جج لکھنؤ نے مرحوم کی وفات کے بعد وکلا کی جماعت کے سامنے کین اور جس کے بعد مرحوم کے اظہار غم مین تمام عدالتین بند ہوگئین۔

چکبست کو اوائل عمر ہی سے شعر کہنے کا شوق تھا اور پہلی غزل نو برس کی عمر مین کہی تھی چندہی سال مین ان کی خلقی ذہانت اور طبیعت داری نے ایسا رنگ دکھلایا کہ ہر طرف سے تحسین کے نعرے بلند ہونے لگے اور اہل سخن نے انکو اپنی محفلون مین قدر و اعزاز کے ساتھ جگہ دی۔ چکبست مرحوم کو ابتدا ہی سے اساتذہ کے کلام پڑھنے کا شوق تھا۔ آتش غالب انیس وغیرہ کے کلام کے شیدائی تھے۔ چنانچہ ان کے مسدس مین انیس اور غزل مین آتش کی تقلید کا اثر نمایان ہے۔ ان کا کلام اور انکے مضامین کشمیر درپن "خدنگ نظر" "ادیب" اور "زمانہ" وغیرہ مین وقتاً فوقتاً چھپتے رہتے تھے اور نہایت دلچسپی سے پڑھے جاتے تھے۔ افسوس کہ ان [illegible] مین سے بہتون کا اب وجود ہی باقی نہ رہا۔ صرف زمانہ ہی ایک ایسا [illegible] ہے جو کہ انقلاب زمانہ کے ساتھ طرح طرح کی سختیان جھیلتا ہوا اور باد مخالف کے تند جھونکون کو برداشت کرتا ہوا ثابت قدمی سے اپنی وضع پر قائم ہے۔ جو خدمات زمانہ نے زبان اردو اور

اور علم ادب کی کین ہین اور کر رہا ہے وہ ایسی ہین جنکی یاد اہل نظر کے دلون مین ہمیشہ تازہ رہے گی اور اور آیندہ اگر زبان اردو کی تاریخ لکھی جائیگی تو زمانہ کا ذکر سنہرے حرفون سے لکھا جائے گا۔

چکبست مرحوم نے خود اپنی زیرادارت ایک رسالہ "صبح اُمید" کے نام سے لکھنؤ سے نکالنا شروع کیا تھا گر وہ بھی کچھ عرصہ کے بعد بند ہو گیا۔

یون تو پنڈت برج نرائن چکبست کی زندگی مین سیکڑون واقعات ایسے ہوئے ہونگے جنمین انکی علمی قابلیت اور جدت طبع کی آزمایش کا موقع ہوا ہوگا۔ لیکن جو معرکہ آرائیان گلزار نسیم کے مباحثہ کے متعلق ۱۹۰۵ء مین ہوئی تھین اور جنمین چکبست نے سب سے بڑا حصہ کیا تھا وہ زبان اُردو کی تاریخ مین ایک پُر لطف اور یادگار سرگزشت ہے۔ اس مباحثہ کا بالتفصیل ذکر کرنے کی ضرورت نہین کیونکہ اُسکے حالات ابتدا سے انتہا تک مرزا محمد شفیع شیرازی صاحب لکھنوی نے اپنے بے نظیر مجموعہ مین جو مباحثہ گلزار نسیم معروف بہ معرکہ چکبست و شرر" کے نام سے شایع ہوا ہے نہایت خوبی سے بیان کر دیئے ہین چکبست کی عمر اسوقت تقریبًا بیس سال کی تھی اور طالبعلمی کا زمانہ تھا گر مولانا شرر کے جوابات جس قابلیت اور خوبی سے اُنھون نے دیئے ہین وہ اُن کے مذاق سلیم کا بہترین نمونہ ہے اور اُسکا اثر یہ ہوا تھا کہ تمام اہلِ کمال نے اُسوقت چکبست کا ساتھ دیا اور انھین کو حق بجانب ٹھہرایا۔ مولانا حسرت موہانی فرماتے ہین۔

"مسٹر چکبست نے جو جواب کہ اُردوئے معلےٰ مین دیا ہے وہ بھی دیکھنے کے قابل ہے خصوصًا سند کے اشعار بہم پہنچانے مین انکی تلاش حیرت انگیز ہے"

دوسری جگہہ فرماتے ہین۔

غالبًا مسٹر چکبست کے مضمون (جواب) دیکھنے سے پہلے بہت سے لوگون کا یہ خیال ہوگا کہ ان کا کوئی جواب ہو ہی نہین سکتا۔ لیکن مسٹر چکبست [illegible] اور [illegible] تلاش کے ساتھ اساتذہ کے اشعار سے مثالین اور [illegible] حریفون کو بھی دینا پڑیگی اور اگر انصاف سے کام لیا جائے تو [illegible]

نسیم کو مجبوراً بری کرنا پڑیگا۔"

چکبست کی شاعری زیادہ تر پولیٹیکل شاعری ہے جسمین حب الوطنی اور جذبات قومی کے اعلیٰ نمونے موجود ہین خود کہتے ہین۔

دل کئے تسخیر بخشا فیضِ روحانی مجھے		حُبِّ قومی ہو گیا نقشِ سلیمانی مجھے

ایک موقع پر اور کہا ہے۔

روشن دلِ ویران ہے محبت سے وطن کی		یا جلوۂ مہتاب ہے اُجڑے ہوئے گھر مین

ان کا قول تھا کہ جس انسان مین ایثار اور وطن پرستی کا مادہ نہین وہ درجہ انسانیت سے گرا ہوا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہین۔

مٹا جو نام تو دولت کی جستجو کیا ہے		نثار ہو نہ وطن پر تو آبرو کیا ہے

لگا دے آگ نہ دل مین تو آرزو کیا ہے		نہ جوش کھائے جو غیرت سے وہ لہو کیا ہے

فدا وطن پہ جو ہو آدمی دلیر ہے وہ ؛

جو یہ نہین تو فقط ہڈیون کا ڈھیر ہے وہ ؛

ہوم رول کی اہمیت و ضرورت کو یون ظاہر کرتے ہین۔

زبان کو بند کیا ہے یہ غافلون کو ہے ناز		ذرا رگون مین لہو کا بھی دیکھ لین انداز

رہیگا جان کے ہمراہ دل کا سوز و گداز		چتا سے آئیگی مرنے کے بعد یہ آواز

طلب فضول ہے کانٹے کی پھول کے بدلے

نہ لین بہشت بھی ہم ہوم رول کے بدلے

مسز بیسنٹ کے ملکی خدمات کا اثر جو مرحوم کے دل پر تھا وہ اس نظم سے جو انھون نے مسز بیسنٹ کے قید ہونے [illegible] پر لکھی ہے نمایان ہے۔ ذیل کے بند مین انکی دلی جذبات کے ساتھ الفاظ کی بندش اور زبان کی روانی کو ملاحظہ کیجیے۔

ہند بیدار ہوا یون تری بیماری سے		جیسے برسون کا مریض اُٹھتا ہے بیماری سے

قوم [illegible] ہوئی تیری گرفتاری سے		چاندنی پھیلگئی حسن وفاداری سے

نظر بند ہے جلوہ ترا ہر گھر مین		شمع فانوس مین ہے نور ہے محفل بھر مین

گذشتہ جنگ عظیم مین جسوقت ہندوستانی سپاہی فرانس کو جارہے تھے چکبست نے ایک نہایت پرجوش مسدس کہا تھا جو کسی زبان کی شاعری کے لیے مایۂ ناز ہو سکتا ہے چند بند بطور نمونہ کے ہدیۂ ناظرین ہین۔

ساحلِ ہند سے جرارِ وطن جاتے ہین کجکلہِ شان سے جانبازِ کہن جاتے ہین
رن مین باندھے ہوے شمشیر و کفن جاتے ہین تیغ زن برق فگن قلعہ شکن جاتے ہین

سامنے ان کے ظفر برہنہ پا رہتی ہے
ان کے تلوار کے سایہ مین قضا رہتی ہے

ہندوستانی سورما اُن کی شجاعت کا انداز دیکھیے۔

ان کی رگ رگ مین ہین پیوست شجاعت کے چلن رن کا میدان ہے انکے لیے مان کا دامن
عرصۂ جنگ کی موت انکو ہے اک شب کی دُلہن مرکے تلوار سے حاصل ہو تو خلعت ہے کفن

جوش ان مین جو ہے اس جوش کا اب دور نہین
ساٹھ پشتون کے سپاہی ہین کوئی اور نہین

تناسب لفظی اور بندش کلام کو دیکھیے۔

ہان دلیرانِ وطن وہاک بٹھا کر آنا طنطنۂ قیصرِ جرمن کا مٹا کر آنا
قیصری تخت کی بنیاد ہلا کر آنا ندیان خون کی برلن مین بہا کر آنا

ناؤ تلوار کی ہے پار لگانے کے لیے
یہی گنگا ہے سپاہی کے نہانے کے لیے

بنارس یونیورسٹی کا ڈیپوٹیشن جس وقت لکھنؤ مین آیا تھا [illegible] بارہ دری مین ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا تھا اُس جلسہ مین پرنج نرائن چکبست نے پرجوش مسدس پڑھا تھا وہ ایک وطن پرست شاعر کے دلی جذبات کا سچا [illegible] ہے۔ جو اثر اُس نظم کا سامعین کے دلون پر ہوا اسکا اندازہ وہی لوگ کرسکتے ہین جو اُس [illegible] صرف اسقدر کہنا کافی ہے کہ اس چھوٹی سی نظم نے وہ جادو کا اثر دکھلایا کہ جو طول وطویل تقریرون [illegible] کہا جاتا ہے کہ جب وہ ڈیپوٹیشن دیگر مقامات پر گیا تھا تو وہان کے لوگ یہ کہتے [illegible]

بس چکبست کی نظم سنا دیجئے وہی ہمارے دلوں کو متاثر کرنے کے لیے کافی ہے۔ ایک بند ملاحظہ ہو۔

آئی کون فرشتے ہیں یہ گدائے وطن	صفائے قلب سے جنکے یہ بزم ہے روشن
جھکی ہوئی ہیں بھونکی لحاظ سے گردن	ہر اک زبان پہ ہیں تعظیم اور ادب کے فن
صفیں کھڑی ہیں جوانوں کی اور پیروں کی
خدا کی شان یہ پھیری ہے کن فقیروں کی

حاضرین کی طرف مخاطب ہو کر فرماتے ہیں۔

گناہ قوم کے دھو ڈالیں اب وہ کام کرو	مٹے کلنک کا ٹیکا وہ فیض عام کرو
نفاق و جہل کو بس دور سے سلام کرو	کچھ اپنی قوم کے بچوں کا انتظام کرو
یہ کام ہو کے رہے چاہے جان رہے نہ رہے
زمین رہے نہ رہے آسمان رہے نہ رہے

آخری بند ملاحظہ ہو۔

یہ کار خیر وہ ہو نام چار سو رہ جائے	تمہاری بات زمانے کے روبرو رہ جائے
جو غیر ہیں انھیں ہنسنے کی آرزو رہ جائے	غریب قوم کی دنیا میں آبرو رہ جائے
ذرا حمیت و غیرت کا حق ادا کر دو
فقیر قوم کے آئے ہیں جھولیاں بھر دو

چکبست کے کلام میں ایسی پر جوش مثالیں بہت موجود ہیں لیکن اس موقع پر ان کے بیان کرنے کی نہ ضرورت ہے اور نہ گنجایش ہے۔ یقین ہے کہ انکے کلام کا مجموعہ بہت جلد شائع ہو جائے گا اور شائقین کو اُن کے کلام سے خاطر خواہ محظوظ ہونے کا موقع ملیگا۔

علاوہ قومی مضامین کے چکبست کے کلام میں خصوصاً غزلیات میں فلسفیانہ اور اخلاقی خیالات کے بہترین نمونہ موجود ہیں اور یہ طرزِ کلام اُنھیں کا حصّہ ہے دیکھئے زندگی اور موت کے مسئلہ کو کس خوبی سے کہا ہے۔

فنا کا ہوش آنا زندگی کا دردِ سر جانا   اجل کیا ہے خمار بادۂ ہستی اُتر جانا

انسان کو اپنی زندگی اسقدر عزیز ہے کہ وہ طرح طرح کی مصیبتیں اُٹھاتا ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔

وہ سودا زندگی کا ہے کہ غم انسان سہتا ہے   نہیں تو ہے بہت آسان اس جینے سے مرجانا

پھر کہتے ہیں۔

اِک ہستیٔ بیدار کے دونوں ہیں کرشمے   موجوں میں روانی ہے جوانی ہے بشر میں

ذیل کے مشہور شعر میں جو کہ زبان زد عام ہو گیا ہے اور جو اردو شاعری کا ایک بیش قیمت جواہر ہے کس خوبی سے حیات و مرگ کا راز بیان کیا ہے۔

زندگی کیا ہے عناصر میں ظہور ترتیب   موت کیا ہے انھیں اجزا کا پریشان ہونا

دیکھئے مصائب روزگار کو رامائن کے اُس سین میں جب رامچندر جی اپنے والدین سے جدا ہو کر بن باس کو جاتے ہیں کن حسرت ناک الفاظ میں ادا کیا ہے۔

دیکھے ہیں اس سے بڑھ کے زمانے نے انقلاب   جس سے کہ بیگناہوں کی عمریں ہوئیں خراب
سوزِ درون سے قلب و جگر ہو گئے کباب   پیری مٹی کسی کی کسی کا مٹا شباب
کچھ بن نہیں پڑا جو نصیبے بگڑ گئے
وہ بجلیاں گریں کہ بھرے گھر اُجڑ گئے

اپنی بیخودی کا اظہار کس خوبی سے کیا ہے۔

درد ہے دل کے لیے اور دل انسان کیلئے   تازگی برگ و ثمر کی چمنستان کے لیے
سازِ آہنگ جنون تار رگ جان کے لیے   بیخودی شوق کی بے بر و سامان کیلئے
کیا کہوں کون ہوا سر میں بھری رہتی ہے
بے پیے آٹھ پہر بے خبری رہتی ہے

چکبست کی شاعری میں ایک خاص بات یہ ہے کہ وہ اپنے کلام میں زیادہ تر ایسے مناظر پیش کرتے ہیں جو ہندوستان ہی سے تعلق رکھتے ہیں ان کے استعارات تشبیہات میں عموماً ان فطرتی مناظر اور تواریخی واقعات کا ذکر آتا ہے جن کو ہندوستان

کا بچہ بچہ جانتا ہے اور اسکی وجہ ان کے کلام مین ایک خاص اثر پیدا ہو جاتا ہے چنانچہ ان کے کلام مین کوہ ہمالیہ دریائے گنگ ارجن اکبر اور رانا وغیرہ کے حالات کا ذکر کثرت سے ملے گا۔ پہاڑون سے ابر اُٹھنا ہندوستان کا ایک خاص نظارہ ہے۔ فرماتے ہین۔

یہ خاک ہند مین پیدا ہین جوش کے آثار ہمالیہ سے اُٹھے جیسے ابر دریا بار
لہو رگون مین دکھاتا ہے برق کی رفتار ہوئی ہین خاک کے پردہ مین ہڈیان بیدار

ہندوستانی مظلومون کی حالت بیان کرتے ہوئے کیا خوب کہا ہے۔

پڑی ناز تو اُجڑے گھرون کے صحرا مین اگر نہائے تو اپنی لہو کی گنگا مین

"خاک ہند" مین فرماتے ہین۔

گوتم نے آبرو دی اس معبد کہن کو سرمد نے اس زمین پر صدقے کیا وطن کو
اکبر نے جام الفت بخشا اس انجمن کو سینچا لہو سے اپنے راناؔ نے اس چمن کو

سب سور بیر اپنے اس خاک مین نہان ہین
ٹوٹے ہوئے کھنڈر ہین یا ان کی ہڈیان ہین

چکبست مرحوم نہ صرف ایک باکمال شاعر ہی تھے بلکہ وہ ایک اعلےٰ درجہ کے نثار بھی تھے ان کے مضامین جو وقتاً فوقتاً اُردو رسالون مین شائع ہوتے رہے ہین ان کی دلچسپ یادگار ہین "صبح امید" کے اوراق نوٹ مضمون نگاری کے جواہر ہین۔ یہ امر تسلیم کرنا پڑیگا کہ ہندوستان مین فن تنقید اُس درجہ کمال کو نہین پہنچا ہے جیسا کہ مغربی زبانون مین پایا جاتا ہے مگر ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ماننا پڑیگا کہ چکبست مرحوم نے تنقید کی بنا زبان اُردو مین ڈالی اور اسکو اس درجہ کمال تک پہونچا دیا ہے جو اُسے پیشتر کبھی میسر نہ تھا۔ خوبی یہ ہے کہ ان کی تنقید تعصبانہ خیالات اور ذاتی حملون سے بری اور پاک ہے اور وہ باوجود نکتہ چینی کرنے کے جادۂ اعتدال سے کبھی قدم باہر نہین رکھتے ہین۔ ایک مضمون کے شروع مین کہتے ہین۔

اُلجھ پڑون کسی دامن سے مین وہ خار نہین
وہ پھول ہون جو کسی کے گلے کا ہار نہین

اپنا اُصول تنقید گلزار نسیم کے مباحثہ مین ایک مضمون مین جو "اودھ پنچ" مین شائع ہوا خود بیان فرماتے ہین۔

"جہان تک میری ذات سے تعلق ہے میرے قلم سے ایک فقرہ بھی ایسا نہ نکلے گا جس سے کسی بندہ خدا کی توہین مقصود ہو۔"

ادب آموز ہے ہر ایک ذرّہ اپنی وادی کا — نہین ممکن کہ گرد اُڑ کر پڑے رہرو کے دامن پر

اپنا اُصول تو یہ ہے۔

محبت سے بنا لیتے ہین اپنا دوست دشمن کو — جھکاتی ہے ہماری عاجزی سرکش کی گردن کو

مثنوی گلزار نسیم کا دیباچہ جس نے ادبی دنیا مین ایک حشر برپا کر دیا تھا چکبست مرحوم کے مضمون نگاری کی اعلیٰ ترین مثال ہے اور اسمین فن تنقید کی پوری شان نمایان ہے۔ مرزا محمد شفیع شیرازی جن کا ذکر اوپر آچکا ہے اپنی یادگار تصنیف "مباحثہ" گلزار نسیم مین فرماتے ہین۔

"انصاف ہمین یہ کہنے پر مجبور کرتا ہے کہ جناب چکبست کے قلم سے جو مضامین جناب شرر کے اعتراضات کے جواب مین شائع ہوئے ہین ان مین پوری شان تنقید قائم ہے اور اپنے مخالفین کی شان مین ایک لفظ بھی ایسا استعمال نہین کیا ہے جو مذاق سلیم کے پایہ سے گرا ہوا ہو"

چکبست کی زندگی اور ان کے خیالات اور عقائد پر پنڈت بشن نرائن در مرحوم کا بہت بڑا اثر تھا اسمین شک نہین کہ چکبست مین قومی ہمدردی کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ اس صدی مین کوئی تحریک ایسی نہین ہوتی تھی جسمین وہ حصہ نہ لیتے ہون اور دامے درمے سخنے قدمے مدد نہ کرتے ہون، اعتدال پسندی اور صلح کل ان کے خمیر مین تھا۔ ہرچند لوگون کو ان سے پولٹیکل اُصول اور ذاتی عقائد سے اختلاف ہو مگر اسمین ذرا بھی شبہ نہین کہ ان کی وطن پرستی اور صدق دلی اور پاک نفسی کا ہر شخص معتقد تھا سوشل ریفارم کے وہ حامی تھے مگر مغربی شان اور نمائش کو وہ ترقی نہین سمجھتے تھے ان کا اصول تھا کہ ریفارم صدق دلی اور سادگی کے ساتھ باطنی اصلاح اور اخلاقی درستی سے ہوتا ہے نہ کہ ظاہر داری اور نمائش سے۔ ان کے خیالات کا اندازہ اُس بے مثل نظم سے جو "پھول مالا" کے نام سے شائع ہوئی ہے ہو سکتا ہے چند شعر

ملاحظہ ہوان ۔

تام رکھا ہے نمائش کا ترقی و ریفارم — تم اس انداز کے دھوکے مین نہ آنا ہرگز
رنگ ہے جسمین مگر بوئے وفا کچھ بھی نہین — ایسے پھولون سے نہ گھر اپنا سجانا ہرگز
نقل یورپ کی مناسب ہے مگر یاد رہے — خاک مین غیرتِ قومی نہ ملانا ہرگز
رخ سے پردہ کو اٹھایا تو بہت خوب کیا — پردۂ شرم کو دل سے نہ اٹھانا ہرگز
ہم تمہین بھول گئے اسکی سزا پاتے ہین — تم مگر اپنے تئین بھول نہ جانا ہرگز

علمی قابلیت اور قومی ہمدردی کے علاوہ چکبست مرحوم کے ذاتی صفات ایسے تھے جنہون نے ان کے احباب کے دلونکو تسخیر کرلیا تھا۔ انکا اخلاق انکے مزاج کی سادگی ان کی مروت یہ باتین ایسی ہین جو ان کے ملنے والون پر جادو کا اثر رکھتی تھین خود فرماتے ہین ۔

دل احباب مین گھر ہے شگفتہ رہتی ہے خاطر — یہی جنت ہے میری اور یہی باغِ ارم میرا

افسوس ! کہ ایسی قابل فخر ہستی یکایک ہماری نگاہون سے اوجھل ہوگئی ! مگر جو احسانات چکبست مرحوم نے زبان اور قوم پر کئے ہین ان کی یاد جب تک زبان اُردو مین خیالات اور جذبات کے تحریر و تقریر مین ادا کرنے کی تاثیر ہے اور جب تک شاعری اور علم ادب انسانی تہذیب کے جزو اعظم ہین برابر قائم رہین گے اور ان کا پُرجوش کلام ہمیشہ دلون کو متاثر کرتا رہے گا۔ مرحوم کا ارادہ تھا کہ بنگالی زبان کے بہترین خیالات و جذبات کو زبان اُردو مین نظم کرین مگر افسوس ان کی قبل از وقت وفات نے انکے ارادون کا خون کیا اور ان کی یہ آرزو پوری نہو سکی۔ ۱۲ فروری ۱۹۲۶ء کو بمقام رائے بریلی جہان وہ ایک مقدمہ کے سلسلہ مین گئے تھے۔ یکایک ریل پر عارضہ فالج مبتلا ہوگئے اور چند گھنٹون کے بعد اس دار فانی سے رحلت کی حضرت محشر لکھنوی نے انھین کے مشہور مصرع سے تاریخ وفات نکالی ہے ۔

کیسی بے وقت اجل آگئی محشر افسوس — روح رخصت ہوئی اک لفظ کہا اور نہ سنا
اُن کے ہی مصرع سے تاریخ ہے محشر اوجزا — موت کیا ہے انھین اجزا کا پریشان ہونا ۔
۱۳۴۴ھ

بلرام کرشن ماتھر (لکھنوی)

جلد چہل و پنجم از جولائی سنہ ۱۹۲۵ء تا دسمبر سنہ ۱۹۲۵ء

تصاویر۔ شہزادہ سلیم کی بزم طرب[۱] (رنگین)، مہاراجہ صاحب گوالیار[۲]۔ نغمۂ محبت[۳] (رنگین)، سر[۴] سریندر ناتھ بنرجی۔ دربار راجہ جے چند[۵]۔ خوابگاہ راون[۶]۔ قدیم راجپوتوں کا طرز آرائش[۷] (رنگین)، مرزا جعفر علیخان اثر لکھنوی[۸]۔ قفس زرین یا بابا کا جال[۹]۔ صبح نوروز[۱۰] (رنگین)، کثرت میں وحدت[۱۱]۔ مہاتما گاندھی[۱۲]۔ شریمتی سروجنی نیڈو[۱۳]۔ ڈاکٹر مراری لال چیرمین کمیٹی استقبالیہ[۱۴]۔ سر سید احمد خان[۱۵]۔ اراکین علیگڈہ کالج[۱۶]۔ عمارات کانپور[۱۷]

حصۂ نظم

مشکل سے جانیوالی کھانسی۔ سردی۔ زکام اور سینہ اور پھیپھڑے
کے امراض پیپس سے جلد اچھے ہو جاتے ہیں۔
پیپس کی ٹکیاں جب منہ میں گھلتی ہیں تو ان سے سانس
کے ذریعے اندر جانیوالے نہایت مقوی ابخرات نکلتے ہیں۔ یہ
ابخرات سینہ اور پھیپھڑے کے اندرونی حصوں میں صحت تندرستی
و طاقت کی برکات پہنچاتے ہیں۔ اور ان سے جلن۔ سوزش
گلے اور سانس کی نلیوں کی بلغم اور دوسری کھانسی پیدا کرنے
والی گندہ مادہ کی صفائی کر دیتے ہیں۔

دوا جو سانس کے ذریعہ فائدہ پہنچاتی ہے

ہر ایک شیشہ کی بوتلوں میں ایک روپیہ قیمت میں سب انگریزی
دوا فروشوں سے دستیاب ہوسکتی ہے یا براہ راست ہمارے
ایجنٹ مسرز اسمتھ اسٹینسٹریٹ اینڈ کمپنی لمیٹڈ اندائی کلکتہ سے منگا لیجیے

سناٹوجن ہے

SANATOGEN

CHRIST

Laksimi Art, Bombay, 8

جلد ۴۶ — مارچ سنہ ۱۹۲۶ء — نمبر ۳

خاقانی ہند ذوق مرحوم

شیخ محمد ابراہیم ذوق المخاطب بخاقانی ہند زبان اُردو کے مستند اساتذہ مین سے ہین۔ انکی پیدائش ۱۱ ذی الحجہ سنہ ۱۲۰۴ھ کو ہوئی۔ ان کے باپ شیخ محمد رمضان شاعر تو نہ تھے مگر صحبت یافتہ جہاندیدہ آدمی تھے۔ انھون نے ذوق کی تعلیم و تربیت زمانے کی روش کے مطابق اور ضرورت وقت کے لحاظ سے ایسی کی کہ سن بلوغ سے پہلے ہی ذوق کو کہن سال مشاق شعرا کی صف اول مین جگہ ملگئی۔ گو بعض کوتاہ اندیش حسد سے نکتہ چینیان اور حرف گیریان کرتے رہے مگر اُن کی سینہ زوریان کام نہ آئین اور اُس زمانے کے محققین ریختہ نے تسلیم کر لیا کہ ذوق سا قادر الکلام شاعر دہلی مین دوسرا نہین۔ مرزا غالب مرحوم کہا کرتے تھے کہ ذوق قصائد خوب کہتے ہین اسلئے پورے شاعر ہین۔ نواب مصطفے خان شیفتہ مولف تذکرہ گلشن بیخار جو اپنے زمانے کے قابل شاعر اور محقق گذرے ہین تحریر فرماتے ہین۔

"قوت مشقے کہ او راست دیگرے را دیدہ نشدہ معہذا رطب و یابس کہ شیوۂ بسیار گویانست در کلامش کمتر و بر جمیع اصناف سخن قدرت تمام دارد۔ بالجملہ از شعرائے مسلم است۔"

اور میاں باطن صاحب تذکرۂ نغمۂ عندلیب میں لکھتے ہیں "جمہور شعرا میں مرتا کسی کا کیا لب و لہجہ جو بمقابلہ کلام فصاحت نظام اُس اُستادِ زمان کی کرے زبان دراز"

اور میر انیس مرحوم نے ارشاد فرمایا ہے کہ "بعد خواجہ میر درد کے دلی میں کون ایسا ہوا ہے" ایک یہی ایسے شاعر ہیں جن کے بچپن کا کلام بے پس و پیش معتمر اساتذہ کے سامنے سند میں پیش کیا جاتا ہے اور وہ بے چون و چرا اُسکو تسلیم کرلیتے ہیں اس موقع پر کچھ بیجا نہ ہوگا اگر ایک مشاعرے کا حال لکھدیا جائے۔ غدر ۱۸۵۷ء کے دو سال بعد جب عفو تقصیر کا اعلان سرکار انگریزی کی طرف سے ہو چکا اور دہلی والوں کو کچھ امن کی صورت نظر آئی تو پرانا مشغلہ شعر و شاعری بھی یاد آیا۔ طرح ہوئی۔

لکھتے ہیں ہلئے دو چشمی سے محبت خط میں

قافیہ ربط۔ شط وغیرہ۔

میر مہدی مجروح بھی موجود تھے اُنھوں نے ہائے دو چشمی پر اعتراض کیا مگر جب ذوق کا یہ مصرع پیش کیا گیا

لکھتے ہیں ہائے دو چشمی سے کتابت والے

تو اُنھوں نے اپنا اعتراض واپس لیا حالانکہ جس غزل کا یہ مصرع ہے وہ ذوق نے بچپن میں کہی ہے۔ جیسا صاحب تذکرہ باب فصاحت تحریر فرماتے ہیں۔ نیز امیر مینائی مرحوم کے "انتخاب یادگار" سے بھی مترشح ہوتا ہے۔ اسی طرح لفظ "عیدی" پر باضافت فارسی ایک مشاعرے میں اعتراض ہوا مگر جب ذوق کا یہ شعر سند میں پڑھا گیا۔

میں وہ مجنوں ہوں کہ میرا کاغذ تصویر بھی
مثل عیدی باعث خوشنودی اطفال ہے

تو معترض ساکت ہو گئے۔ لکھنؤ میں اسیر مرحوم کی موجودگی میں "اذن عام" پر اعتراض ہوا۔ اذن عام اصطلاح میں اُس اجازت کو کہتے ہیں جو بعد نماز جنازہ لوگوں کو صاحب ماتم کی طرف سے اپنے اپنے گھروں کو واپس جانے کے واسطے ملتی ہے شعر جس پر اعتراض ہوا یہ تھا۔

اگر نماز نہ پڑھئے جنازہ پر وہ بتایئے
کیا آئے آپ آئے اگر اذنِ عام میں

اسیر مرحوم نے ذوق کا یہ شعر فوراً پڑھ دیا۔

وہ جنازے پہ مرے کس وقت آئے دیکھنا جبکہ اذنِ عام میرے اقربا کہنے کو ہین

حسن ظن کا یہ عالم ہے کہ تکرار لفظی جو اس شعر مین ہے اُس سے بھی تعرض نہین ہوا اُس سے بڑھکر ذوق کے اُستاد مسلّم ہونے کا کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔ مولوی محمد حسین آزاد مرحوم آبِ حیات مین لکھتے ہین۔

"ہنوز علوم رسمی کے حاصل کرنے سے فراغت نہ ہوئی تھی کہ شاعری کا شوق دوسرون کی دیکھا دیکھی ان کے دل مین بھی پیدا ہو گیا"

وہ زمانہ کچھ ایسا تھا کہ دلی کے بچے بچے شاعری کا دم بھرنے تھے پھر بھلا کیونکر ممکن تھا کہ انکا ساذکی الطبع ذہین اسطرف توجہ نہ کرتا یہ بھی تو اُسی مردم خیز خطے مین نشو ونما پاتے تھے جہان سے میر تقی میر اور میرزا رفیع السودا نے کوسِ لمن الملک بجایا تھا۔ انکی شہرت سے ایسی اُمنگ پیدا ہوئی کہ ایک شاعر مہول کے پاس جا کے انھون نے بھی شاعری کی اقرا پڑھی اور ڈرتے ڈرتے مشاعرون مین جانے لگے مگر طبیعت تھی سلیم مشاعرون مین جو اکثر مباحثے ہو جایا کرتے تھے ان سے سمجھ لیا کہ بغیر تحصیل علوم ضروری شاعری محال ہے لہذا اکثر اساتذہ فارسی وارددو کے دیوان زبانی یاد کر ڈالے۔ اُسوقت شاہ نصیر بہت مشہور ہو رہے تھے ان کے پاس ایک دوست کے ہمراہ جا کے شاگرد ہوئے اور اُسی دن سے اُس شاعری کی ابتدا ہوئی جسکے ذریعہ سے خاقانی ہند کا خطاب حاصل کیا۔ قسمت کی رسائی یا اتفاق وقت سے ولیعہد بادشاہ کو ان کی طرف توجہ ہوگئی اور وہ اپنا کلام ان کو دکھانے لگے۔ ذوق کے جو لوگ پہلے مخالف تھے انھین کے وسیلے سے اب میان ذوق قلعے معلے مین آنے جانے لگے۔ پھر تو ایسے ایسے قصیدے سکے اور بادشاہ کے سامنے پڑھے کہ ان کے اُستاد شاہ نصیر کو بھی رشک آنے لگا۔ خود وہ اپنی قوت فکر و زور طبع پر بے حد ناز کرتے تھے اکثر یہ شعر وردِ زبان ہوتا تھا۔

یون پھرین اہل کمال آشفتہ حال افسوس ہے اے کمال افسوس ہے تجھپر کمال افسوس ہے

اور بے قدری کا گلہ کیا کرتے تھے۔ اسمین کوئی شک نہین کہ زمانے نے ان کے کمال کی

قدر صرف واہ واہ کی مگر کوئی صلہ گرانقدر و بیش بہا نہ دیا۔ ولی عہد مرزا ابوظفر بہادر جب بادشاہ ہوگئے بہادر شاہ ہوئے اسوقت بھی ان کی تنخواہ مین کوئی معتد بہ اضافہ نہ ہوا اور یہ ہمیشہ عسرت اور زمانے کے شاکی رہے بادشاہ کے جلوس کے چند روز بعد جب انھون نے دیکھا کہ زبانی تحسین و آفرین اور ظاہری تعظیم و تکریم کے علاوہ بادشاہ سے کچھ ملتا ملاتا نہین اور خالی باتون سے پیٹ بھی بھرنے والا نہین تو بسبیل شکایت یہ برجستہ و حسب حال مطلع پڑھ کر سنایا۔ ؎

مرتے ہین ترے پیار سے ہم اور زیادہ　　　تو لطف مین کرتا ہے ستم اور زیادہ

اتفاق سے اسی زمانہ مین بارش کے سبب سے ذوق کو مکان کی سخت تکلیف تھی جسکی خبر بادشاہ کو بھی ہو چکی تھی لہذا حسن طلب سے متاثر ہو کے دو شاہی مکان شہر مین عنایت ہوئے مگر کچھ دنون کے بعد عورتون کے اصرار سے ذوق پھر اپنے آبائی مکان مین اٹھ آئے اور معذرت مین اپنا یہ لاجواب مطلع بادشاہ کو سنایا۔

کل جہان سے اٹھا لائے تھے احباب مجھے　　　لیچلا آج وہین پھر دل بیتاب مجھے

کل[1] تذکرہ نویس جنھون نے انکو دیکھا ہے اس بات پر متفق ہین کہ وہ نہایت پرہیزگار متقی اور نیک نفس تھے۔ بغض و حسد و کینہ سے ان کا دل بالکل صاف تھا۔ نہ کسی کی غیبت کبھی کی اور نہ بیجا تعریف و توصیف سے کیسکو کبھی دھوکے مین ڈالا۔ مذہب شیعہ[2] تھا مگر سنی بادشاہ کے درباری تھے اسوجہ سے مذہب چھپاتے تھے۔

آزاد مرحوم نے بھی جو ان کے شاگرد رشید اور خلوت و جلوت کے رفیق تھے آب حیات مین مذہب کا معاملہ صاف نہین کیا۔ ان کی خاموشی سے یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ کسی خاص وجہ سے مذہب چھپایا گیا ہے ورنہ نہین تو کوئی سبب ظاہر ایسا نہین کہ مذہب پردۂ خفا مین رکھا جاتا۔ بہادر شاہ کے زمانے مین شیعہ بہت بری نگاہ سے دیکھے جاتے تھے اور درباریون کو تقیہ کے سوا چارہ نہ تھا۔ شاہد حال مرزا غالب کا یہ واقعہ ہے جو یادگار غالب مولفہ حالی مرحوم کے صفحہ ۶۷ سے نقل کیا جاتا ہے۔

---

[1] منقول از حیات ذوق صفحہ ۱۳ مولفہ احمد حسین خان لاہوری

ایک بار مرحوم بہادر شاہ نے دربار مین یہ کہا کہ ہمنے سنا ہے کہ مرزا اسد اللہ غالب شیعی المذہب ہین۔ مرزا کو بھی معلوم ہوگیا چند رباعیان لکھکر حضور کو سنائین جن مین تشیع اور رفض سے تحاشی کی تھی ان مین سے ایک رباعی جو نہایت لطیف ہے........ یہان لکھی جاتی ہے "

جن لوگون کو مجھسے ہے عداوت گہری　　کہتے ہین مجھے وہ رافضی اور دہری

دہری کیونکر ہو جو کہ ہووے صوفی　　شیعی کیونکر ہو ماوراء النہری

اس واقعے سے غرض یہ نہین کہ مرزا غالب شیعہ ثابت کئے جائین بلکہ یہ دکھانا مقصود ہے کہ اگر شیعہ نفرت کی نگاہ سے نہین دیکھے جاتے تھے تو بادشاہ نے دربار مین اسکا تذکرہ کیون کیا۔ علاوہ اسکے مرزا عالی قدر وغیرہ شیعہ شاہزادگان دہلی کا باضطرار دہلی سے لکھنو چلا آنا اور وہین مستقل قیام کرلینا دربار کا تعصب مذہبی ظاہر و ثابت کرتا ہے واللہ اعلم بالصواب۔ (تاریخ اودھ مولفہ کمال الدین حیدر صفحہ ۷۳)

اخیر وقت مین دیوان چندو لال نے ذوق کو حیدرآباد مین بلایا مگر انھون نے جواب مین یہ شعر لکھ بھیجا۔

ان دنون گرچہ دکن مین ہے بڑی قدر سخن　　کون جائے ذوق پر دلی کی گلیان چھوڑ کر

انکا انتقال ۱۲۷۱ھ مین ہوا اور ایک ریختی گو کا یہ مصرعۂ تاریخ نہایت مقبول ہوا

میان ذوق کو مین بوا آپ روئی
۱۲۷۱ھ

شیخ محمد ابراہیم ذوق یون تو جمیع اصناف سخن پر قدرت کاملہ رکھتے تھے مگر غزل اور قصیدون کے لحاظ سے بہت مشہور ہوے ہین۔ محاورات و ضرب المثل خوب نظم کرتے تھے جیسا ذیل کے اشعار سے ثابت ہوتا ہے۔

کہے ہے خنجر قاتل سے یہ گلو میرا　　کمی جو مجھسے کرے تو بہے لہو میرا

تو جان ہے ہماری اور جان ہے تو سب کچھ　　ایمان کی کہینگے ایمان ہے تو سب کچھ

ستم کو ہم کرم سمجھے جفا کو ہم وفا سمجھے　　اور اسپر بھی نہ سمجھے وہ تو اس بت سے خدا سمجھے

وہ کون ہے جو مجھپہ تاسف نہین کرتا　　پر میرا جگر دیکھ کے مین اُف نہین کرتا

مین وہ نہین کہ تم ہو کہین اور کہین ہو نہین مین ہون تمہارا سایہ جہان تم وہین ہون مین

مین ہجر سے مرنے کے قرین ہو ہی چکا تھا تم وقت پر آ پہونچے نہین ہو ہی چکا تھا

آدمیت اور شے ہے علم ہے کچھ اور چیز کتنا طوطے کو پڑھایا ہے پر وہ حیوان ہی رہا

مجھ مین کیا باقی ہے جو دیکھنے گا وان کے پاس بدگمان وہم کی دارو نہین لقمان کے پاس

زخم دل پر کیون مرے مرہم کا استعمال ہے مشک اگر مہنگا ہے تو کیا اون کا بھی کال ہے

حساب اصلا نہ پوچھے مجھ سے میرے دل کے زخمون کا حساب دوستان در دل اگر دہ دلربا سمجھے

دل اُس نگہ کے زخم رسیدون مین ملگیا یہ بھی لہو لگا کے شہیدون مین ملگیا

عربی فقرے بھی نہایت برجستہ نظم کئے ہین۔ فرماتے ہین۔

وہ اپنے سینے مین ہے آہ آتشین اے ذوق کہ برق دیکھے تو فی النار والسقر ہو جائے

ہم تو سنتے تھے سدا کُل حموض بارد ذوق ہوتا ہے وہ کیون ہو کے ترش اپر گرم

وہ کے صل علا یہ کہے سبحان اللہ دیکھین مکھڑے پہ جو تیرے مہ و اختر سہرا

کبھی مرزا صائب کا رنگ اختیار کرکے استعارات و تشبیہات کی داد اسطرح دیتے ہین۔

موذیون کو حق نہ دے آنکھین کہ تا او دین بلا عین حکمت تھی کہ معدوم البصر عقرب بنے

پھرتا ہے سیل حوادث سے کہین مردون کا منہ شیر سیدھا تیرتا ہے وقت رفتن آب مین

دولت کی رکھہ دارِ سر گنج سے اُمید موذی وہ دیگا کیا کہ جو دولت پرست ہے

مگر خدا جانے اس کوشش مین یہ خیال کیون نہین رکھتے کہ غزل کی محدود زمین قصیدے کا وسیع میدان نہین۔ اور ایسی تخیل سے شان تغزل رخصت ہو جاتی ہے اس سے بڑھ کر یہ امر ہے کہ اصول فن کی پابندی ایسی سختی سے کرتے ہین کہ کبھی کبھی شعر بے لطف

ہوجاتا ہے۔ مثلاً کہتے ہیں۔

لکھئے اسے خط میں کہ ستم اٹھ نہیں سکتا　　　پر ضعف سے ہاتھوں میں قلم اٹھ نہیں سکتا

اس شعر میں اول تو "ہاتھوں" کے بعد "سے" ہونا چاہئے مگر تکرار لفظی کے خیال سے ہاتھوں کے بعد "میں" رکھا۔ پھر قلم دونوں ہاتھوں سے نہیں اُٹھایا جاتا اگر یہ کہا جائے کہ قلم دونوں ہاتھوں میں کسی ایک سے بھی نہیں اُٹھ سکتا تو ایسا الفاظ سے نہیں پایا جاتا۔

دیوان میں ان کا ایک قطعہ ہے جسکے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ صنعت طباق و مراعاۃ النظیر کی طرف خاص توجہ رکھتے تھے اور ان صنعتوں کو ملحوظ رکھکے جو کچھ کہتے تھے۔ خوب کہتے تھے قطعہ کے چند شعر لکھے جاتے ہیں۔

کہوں اے ذوق کیا حال شب ہجر　　　کہ تھی اک اک گھڑی سو سو مہینے
نہ تھی شب ڈال رکھا تھا اک اندھیر　　　مرے بخت سیہ کی تیرگی نے
شب غم شمع ساں ہوتی نہ تھی کم　　　اور آتے تھے پسینوں پر پسینے
یہی کہتا تھا گھبرا کر فلک سے　　　کہ او بے مہر بد اختر کمینے
کہاں ہیں اور کہاں ہیں شب گر تھے　　　مری جانب سے تیرے دل میں کینے
سو اس ظلمت کے پردے میں کئے ظلم　　　ارے ظالم تری کینہ وری نے
مری سینہ زنی کا شور سنکر　　　پھٹے جاتے ہیں ہمسایوں کے سینے
اُٹھایا گاہ اور گاہے بٹھایا　　　مجھے بیتابی و بے طاقتی نے
عوض کس بادہ نوشی کے مجھے آج　　　پڑے یہ زہر کے سے گھونٹ پینے
حواس ہشیار جو مجھ سے قرین تھے　　　قرینے سے ہوئے سب بے قرینے
کہا جی نے مجھے یہ ہجر کی رات　　　یقیں ہے صبح تک دیگی نہ جینے
مگر دن عمر کے تھوڑے سے باقی　　　لگا رکھے تھے میری زندگی نے
کہ اتنے میں قریب خانہ میرے　　　اذاں مسجد میں دی بارے کسی نے
ہوا ایسا میں خوش اللہ اکبر　　　کہ خوش ہو کر کہا یہ خود خوشی نے

موذن مرحبا بر وقت بولا تری آواز مکے اور مدینے

قصائد:- یہ تو سب ہی جانتے ہین کہ غزل اور قصیدے مین زمین و آسمان کا فرق ہے۔ غزل کی خوبی یہ ہے کہ الفاظ سلیس ہون مضمون برجستہ اور لطیف ہو۔ تخیل سادہ و شگفتہ ہو۔ شعر

لاؤ تو قتل نامہ ذرا مین بھی دیکھ لون کس کس کی مہر ہے سر محضر لگی ہوئی

اسکے خلاف قصائد کے الفاظ مین شان و شکوہ، مضامین مین بلندی و تکلف اور تخیل مین وقت اور جودت ایسی ہوتی ہے جو طبع سلیم کو مرغوب اور اصول فن کے بالکل مطابق ہو مدح و قدح غرض ہوتی ہے جسمین شعرانے خلاف قیاس مبالغے جائز کر رکھے ہین گو اس زمانہ مین یہ فعل تعلیم یافتہ لوگون کے نزدیک غیر مستحسن سمجھا جاتا ہے مگر ان شعرائے عرب جاہلیت سے لیکے آج تک جنہون نے پرانی روش کی تقلید کی ہے اپنے کو ایسے مبالغون سے بچا نہین سکتے شاہد حال فرزدق خاقانی اور مرزا سودا کے قصائد ہین جن کی مثالین لکھنے کی چندان ضرورت نہین اس صنف شاعری مین ذوق نے مرزا سودا کا تتبع کیا ہے اور خوب کیا ہے مگر اسمین شک نہین کہ وہ روانی اور شستگی ذوق کے یہان نہین پائی جاتی جو سودا کے یہان ہے۔ یہان بھی مرزا صاحب کا رنگ غالب ہوگیا ہے مثلاً۔

زہے نشاط کہ گر کیجئے اُسے تحریر عیان ہو خامہ سے تحریر نغمہ جائے صریر

ہوا پہ دوڑتا ہے سطح سے ابر سیاہ کہ جیسے جائے کوئی فیل مست بے زنجیر

مگر ان کے بعد دو شعر سودا کے رنگ مین خوب ہین۔

ہوا ہے مدرسہ بھی درسگاہ عیش و نشاط کہ شمس بازغہ کی جا پڑھے ہین بدر منیر

اگر پیالہ ہے صغری تو ہے سبو کبری نتیجہ یہ ہے کہ سرشار ہین صغیر و کبیر

اس موقع پر عرفی کا وہ بے مثل شعر جس سے ذوق کو ان مضامین کے پیدا کرنے کا غالبًا خیال ہوا ہے قابل تحریر ہے۔

محبت درس معنی گو بدا افلاطون مطلب کو کہ صغری اخند و کبری فرو گرید بیر دانش

اور حافظ کا یہ شعر بھی قابل لحاظ ہے۔

مے دو سالہ و محبوب چار دہ سالہ همی بس است مرا صحبت صغیر و کبیر

مثنوی کے متعلق مولوی محمد حسین آزاد نے جو رائے اپنی ظاہر کی ہے وہ اُس وقت یقیناً قابل تسلیم ہوتی جب ان کی کوئی معتبر مثنوی دست برد سے بچ گئی ہوتی۔ جس مثنوی کے چند اشعار باقی رہ گئے ہین اُسکو کسی طرح مثنوی نہین کہہ سکتے کیونکہ نہ تو اُسمین تسلسل ہے (جسکے لیے ہم ذوق کو الزام نہین دے سکتے کیونکہ غدر کے زمانہ مین ان کا سارا کلام ضائع ہوگیا ہے) اور نہ وہ سلاست ہے جو میر حسن مرحوم کی مثنوی بدر منیر یا نواب مرزا شوق کی مثنوی بہار عشق مین پائی جاتی ہے اور اس کا روزمرہ بھی ایسا نہین کہ کم سے کم "طلسم الفت" کے برابر بھی جاسکے۔ ممکن ہے کہ اعلےٰ درجہ کی مثنویان اُنھون نے لکھی ہون اور وہ تلف ہوگئی ہون

س۔ م۔ ح

"جواہرات"

اِس مختصر سے رسالے مین بچون کے لیے چار دلچسپ دلکش کہانیان درج ہین بچے عموماً کہانیون کے شائق ہوتے ہین اور اس پردے مین انھین جو کچھ ذہن نشین کرا دیا جاتا ہے۔ وہ دلنقش ہوجاتا ہے ضرورت ہے کہ اس قسم کی بہت سی کتابین لکھی جائین جنھین بچے ذوق و شوق سے پڑھین لیکن کہانیون کا نتیجہ خیز ہونا ضروری ہے، فرضی و بے نتیجہ افسانے بچون کو خوش تو کر سکتے ہین لیکن انھین کوئی فائدہ نہین پہنچا سکتے۔

بہرحال یہ ننھا سا رسالہ دلچسپ ہے جسے بچے بہت پسند کرینگے۔ بچون کی مناسبت سے تقطیع بھی چھوٹی رکھی گئی ہے

کاغذ عمدہ کتابت و طباعت دیدہ زیب حجم ۱۶ صفحہ قیمت ۵؍

ملنے کا پتہ۔ شیخ غلام علی تاجر کتب کشمیری بازار لاہور۔

سلیمان جاہ

ابو النصر قطب الدین سلیمان جاہ نوشیروان زمان حضرت شاہ نصیر الدین حیدر بادشاہ غازی عرف مرزا علی حیدر ۲۲ جمادی الاوّل سنہ ۱۲۱۲ھ کو صبح دولت المخاطب بہ نواب ممتاز محل سے پیدا ہوئے ان کے پیدا ہونے کی نہایت خوشی ہوئی اسلیے کہ نواب خاص محل بادشاہ بیگم کے بطن سے کوئی نرینہ اولاد نہ تھی فقط ایک بیٹی نواب پوتی بیگم تھین۔ جن کی شادی نواب محمد علیخان خلف نواب مقرب الدولہ سے ہوئی نواب پوتی بیگم کے ایک صاحبزادے نواب محسن الدولہ بہادر پیدا ہوئے تھے اور دو لڑکیان کہ نواب پوتی بیگم کا انتقال ہوگیا نواب غازی الدین حیدر کو ان کے انتقال کا بہت صدمہ ہوا ان کا مقبرہ جہانگیر باغ مین اب تک موجود ہے۔ اس سبب سے کہ والی سلطنت پیدا ہوگیا نواب نصیر الدین حیدر کے جشن کا جلسہ نہایت تزک و احتشام سے ہوا۔ مگر لوگ کہتے ہین کہ غازی الدین حیدر کو اسقدر اولاد کی تمنا تھی انکا خیال تھا کہ یہ ایک غلطی ہے۔ جب ہم نہ ہوئے تو مالک سلطنت کوئی ہو۔ ہمکو اس رنج بیجا سے کیا حاصل تمام اہل عملہ نے بادشاہ کو مبارکباد دی اور خلعت و انعام حاصل کئے۔ نواب نصیر الدین حیدر ابھی کم سن تھے کہ نواب ممتاز محل نے انتقال فرمایا اور جہانگیر باغ مین دفن ہوئین۔

نواب غازی الدین حیدر کے پانچ محل تھے نواب بادشاہ بیگم۔ نواب مبشر الدولہ منجم بادشاہ دہلی کی بیٹی تھین۔ نواب مبارک محل کرنیل عیش کی بیٹی۔ نواب سلطان مریم بیگم ڈاکٹر شارٹ کی بیٹی۔ نواب سرفراز محل۔ نواب ممتاز محل۔ نواب ممتاز محل کے انتقال کے بعد سب نے اس بات کی خواہش کی ہم نواب نصیر الدین حیدر کی پرورش کرین کیونکہ کسی کی اولاد نہ تھی لیکن نواب پوتی بیگم کے انتقال کے بعد نواب بادشاہ محل نہایت مغموم رہتی تھین اسسبب سے بادشاہ نے نواب بادشاہ محل کی درخواست کو منظور کر لیا۔

واب نصیر الدین حیدر کی کھلائی فیض النسا تھی جسے نواب ممتاز محل مرتے وقت اپنے بچے
سونپ گئی تھیں اسنے نواب کو بہت محبت سے پالا فقط نگرانی ان کی نواب بادشاہ محل کرتے
سیر دیکھی لوگ کہتے ہیں کہ سن شعور کو پہنچکر نواب نصیر الدین بہت شجاع اور بہت مائل تھے۔
اسلیے نواب بادشاہ محل کو ان سے بہت محبت تھی۔ اور مثل اپنی اولاد کے ان سے محبت
رکھتی تھیں۔

نواب نصیر الدین حیدر جب جوان ہوئے تو ان کی شادی نواب سلطان بہو صاحبہ
خاص محل دختر مرزا سلیمان شکوہ شہزادہ دہلی سے ہوئی تھیں یہ بے اولاد رہیں اور آخر وقت
میں کربلائے معلیٰ تشریف لے گئیں اور وہیں انتقال فرمایا۔

زمانۂ ولی عہدی میں بادشاہ نے ان کو خطاب ابوالنصر امتیاز الدولہ سلیمان جاہ صاحب
عالم ولی عہد مرزا نصیر الدین حیدر بہادر عطا فرمایا تھا اور انگریزی۔ فارسی۔ عربی۔ ترکی زبان اور
علم سیکھنے کے لیے جُدا جُدا معلم مقرر کئے تھے۔

غازی الدین حیدر بادشاہ اسہال کبدی میں مبتلا ہوئے بادشاہ بیگم عیادت کو گئیں بات
تک نہ کر سکے اور دو شانے سے منھ ڈھانک لیا موتی محل کی کوٹھی میں پچھلی رات شب شنبہ کو مطابق
۱۲۴۳ھ ستائیس ماہ ربیع الثانی عین دیوالی کے روز ۵۶ برس کی عمر میں انتقال فرمایا نصیر الدین
حیدر بادشاہ اسوقت پچیس برس کے تھے۔

ادھر نواب غازی الدین حیدر نے انتقال فرمایا۔ ابھی جنازہ موتی محل سے اُٹھنے نہ پایا
تھا کہ صاحب رزیڈنٹ بہادر نے حسب اتفاق رائے ارکین سلطنت نواب نصیر الدین کی
سلطنت منظور فرمائی جناب بادشاہ بیگم اور دیگر ارکین نے اس واقعہ کی خبر نواب نصیر الدین
حیدر کو دی صاحب عالم چیخ مار کر رونے لگے تمام علما نے کہا حضور ہمیشہ سے یونہیں ہوتا
آیا ہے بادشاہ بیگم نے سمجھا بجھا کر اپنے ساتھ پینس میں سوار کیا اور چینی بازار شیر دروازے سے
نکلکر کوٹھی فرح بخش میں داخل ہوئے رزیڈنٹ بہادر انگریزی پلٹن واسطے انتظام کے لیکر
در دولت پر حاضر ہوئے اور پکار کے کہا کہ صاحب عالم اپنے موروثی تخت پر جلوس فرماتے ہیں
بادشاہ نے خیمۂ سبز میں پہلے دو رکعت نماز ادا کی پھر عبائے خاص کندھے پر رکھکر تخت پر آئے

کو زینت بخشی۔

معتمد الدولہ پائے وزارت پر کھڑے ہوئے صاحب رزیڈنٹ بہادر کرسی زرنگار پر رونق افروز ہوئے۔ صمصام الدولہ دہنی طرف مگس رانی مین مشغول ہوئے مہاراجہ میوہ رام نے بائین طرف چنور ہلانا شروع کیا۔

مجتہد العصر نے تاج شاہی فرق مبارک پر رکھا قاری نے قبلہ رو کھڑے ہوکر آواز بلند اذان دی ارکان دولت نے نذر دی سلامی کی توپ سر ہوئی مبارک سلامت ہوئی مرزا سیتا بیگ کوتوال شہر نے اس بات کی منادی کرائی کہ مسند نشینی کے تیسرے روز پہلی تاریخ ربیع الثانی مطابق ۲۱ اکتوبر ۱۸۲۷ء جشن جلوس بادشاہ سلیمان جاہ قرار پایا ہے۔

جشن کے پہلے روز بادشاہ لباس فاخرہ پہن کر تاج مرصع سر پر رکھکر موتیون کا مالا جسمین یاقوت و نیلم اور زمرد بھی تھے گلے مین ڈالکر تخت شاہی پر جلوہ افروز ہوئے۔

شہر کے نامی گرامی طائفے عمدہ لباس اور زیور سے آراستہ ہوکر مجرا کرنے لگے ہر قسم کے ساز رباب عود پکھاوج وغیرہ موجود تھے۔ معتمد الدولہ نے چند اشرفیان بادشاہ کے نام کے سکہ کی نذر کین۔

اور بہت کچھ اشرفیان روپے اور سات قسم کے جواہرات تصدق ہوئے فریدون بخت منا جان کو منصب ولیعہدی مرحمت ہوا اور سونے کی کرسی پر بیٹھنے کا حکم ملا معززین ارکین کو خلعت ملے۔

رزیڈنٹ بہادر انگریز افسرون کو لباس فاخرہ کی کشتیان جواہر کے خوان گوٹے کے ہار عطر کے کنٹر عطا ہوئے دوسرے دن سردارون امیرون کو خلعت تیسرے دن اہلکارون کو خلعت چوتھے روز افسران فوج کو خلعت عطا ہوئے۔ پانچوین روز اہلکاران رزیڈنسی کو خلعت اور انعام سے سرفراز کیا چھٹے روز رزیڈنٹ بہادر شرف اندوز نہ تھے مگر جشن کروفر سے رہا ساتوین روز بازار کے تمام پیشہ ورون صناعون اور فرقے فرقے کو انعام تقسیم ہوئے۔

نواب بادشاہ بیگم زوجہ بادشاہ غازی الدین حیدر کو مریم مکانی بیگم کا خطاب عطا فرمایا۔

اور قدیم جاگیر کے سوا چھ لاکھ پچیس ہزار کی جاگیر اپنے عہد کی اضافہ کی ۔
ممالک محروسہ مین فرمان امن جاری ہوا ۔
نوچندی جمعرات کے جلوس شاہی حضرت عباس کی درگاہ کو روانہ ہوا رعایا نے چوک کو
بہت آراستہ دکانون کو منقش رنگین کیا کوٹھون پر ما بجا نوبت رکھی گئی ۔
فقرا کو روپیہ مٹھی بھربھر کے پھینکا جاتا تھا ۔ راستہ مین جنھنے عرضی پیش کی لے لی ۔ نواب
معتمدالدولہ خواصی مین تھے ۔ جب درگاہ مین بادشاہ حاضر ہوے حاضری کا پُرتکلف دسترخوان
بچھا نذر ہوئی پھر وہان سے سوار ہوکر داخل فرح بخش ہوے ۔
ابتدائے سلطنت مین دردولت عدالت نوشیروانی کا نمونہ بن گیا خود اجلاس
فرماتے روبکاری سنکر ایسا حکم جاری کرتے کہ فریقین راضی ہو جاتے مگر رفتہ رفتہ اہلکارون نے بادشاہ
کو خوشامد سے عیش مین ڈالدیا ۔ نوجوان تھے اس دام مین آگئے ایک سو کئی طائفے ارباب نشاط
کے ملازم ہوے اسی زمانے مین لارڈ کمبرمیر شہر لکھنو مین تشریف لائے حسب دستور پہلے نواب
معتمدالدولہ مع اشاف رحمت گنج تک استقبال کو تشریف لائے
دوسرے دن سویرے داروغہ اور اہل خدمت کو حکم شاہی پہنچا کہ پانچ گھڑی دن چڑھے
ابد ولت لاٹ صاحب کے استقبال کو سوار ہون گے ۔
سویرے بادشاہ نے حمام فرمایا پوشاک بدلی لباس شاہی زیب تن کیا تاج مرصع سر پر
رکھا موتیون کا ہار گلے مین ڈالا جڑاؤ نورتن بازو پر باندھے انگوٹھیان زیب انگشت کین ۔ شمشیر
اصفہانی مکلل کمر سے لگائی ۔ طلائی عماری مین بیٹھکر فرح بخش سے برآمد ہوے بازار کے دوکاندار
اپنی اپنی دکانین سجے ہوے نہایت مکلف پوشاک مین بیٹھے تھے محلے کے لوگ کرسیان
بچھائے ہوے جلوس کے منتظر تھے مہاجن اپنی اپنی دکان کھولے ہوے نہایت زرق
برق پوشاک زیب جسم کیے ہوے چشم براہ تھے بزازون نے اپنی دکانون کو کمخواب زربفت
سے منڈھا تھا ۔ راستے مین آدمیون کی اتنی کثرت تھی کہ گھر سے نکلنا دشوار تھا اب جلوس
آنے لگا اور دور سے نشان کا ہاتھی دکھائی دیا ۔ نشان کے ہاتھی کے پیچھے پیچھے کچھ ہاتھیون
پر ماہی مراتب کا نشان تھا ۔ دوسری صف مین ہاتھیون اور اونٹون پر نقارے بج رہے تھے ۔

ن کے پیچھے پیچھے شتر سواروں کا رسالہ سرخ بانات کی وردیاں پہنے ہوئے اور طلائی ستارے لگائے ہوئے تھے۔

چوتھی صف مین شکاری کوہ پیکر قوی دندان ہاتھی جنپر زربفت اور بانات کی جھولین پڑی ہوئی تھین اور ایک فیلبان ہاتھون مین آنکس لیے بیٹھا تھا پانچوین صف تین سو سوارون کی تھی رسالدار اور تندار جمعدار اونی رنگین وردی پہنے اور قیمتی اسلحہ سے مسلح تھے۔

چھٹی صف مین دو سو ترکی سوار سیاہ بانات کی وردیان پہنے ہوئے اور ننگی کرچین ہاتھ مین لیے ہوئے تھے۔

ساتوین صف مین دو سو خاص بردار زرین مندلین پہنے ہوئے چقماقی بندوقین لیے ہوئے جن پر بانات کے غلاف چڑھے ہوئے تھے۔

آٹھوین صف مین سو آدمی شاہی نشان لئے ہوئے۔

نوین صف مین سو آدمی چاندی کی برچھیان لیے ہوئے۔

دسوین صف مین نقیب اور چوبدار گنگا جمنی عصا ہاتھ مین لیے ہوئے "سواری ہے سلطان عالم کی نگاہ روبرو" کہتے ہوئے ساتھ تھے۔ اسکے بعد بادشاہ کی داہنی طرف دوسرے ہاتھی پر رزیڈنٹ بہادر بائین طرف رزیڈنٹ بہادر کا نائب ایک ہاتھی پر بیچ مین بادشاہ زرین عماری مین اپنے ہاتھی پر فروکش تھے خواصی مین نواب معتمد الدولہ بہادر وزیر اعظم اور پیچھے پیچھے تمام رشتہ داران شاہ اور ارکین سلطنت ہاتھیون پر سوار تھے اور جلوس دو سو ترک سوارون کا رسالہ تھا ادھر سے لارڈ کیمبر ہاتھی پر سوار جلوس فوجی رسالہ بادشاہ کے استقبال کو چلے عالم نگر کی سڑک پر بادشاہ اور لارڈ کیمبر میر کے ہاتھی قریب قریب ہوئے۔ بادشاہ نے ہاتھ لاکر اپنے ہاتھی پر ان کو بٹھالیا۔ اور اس ملاقات کی خوشی پر اشرفیان اور روپیہ بہت کچھ لٹایا گیا۔ شاہی سپاہ اور فوج جو لاٹ صاحب کی سلامی کے واسطے کھڑی تھی سلامی لی اسکے بعد بادشاہ کے ساتھ ساتھ کوٹھی فرح بخش مین تشریف لائے جب حاضری کی میز پر فروکش ہوئے تو اکیس فیر کی سلامی ہوئی۔ حاضری سے فراغت ہوئی تو گانا ہوتا رہا اور شوقیہ بات چیت ہوئی

رخصت کے وقت بادشاہ کی طرف سے تحائف کی کشتیاں اور جواہر کے صندوقچے پیش ہوئے اور لاٹ صاحب کے تمام عملہ کو تحائف اور عطر کے کنٹر اور گوٹے کے ہار عطا ہوئے۔

دوسرے دن بادشاہ لاٹ صاحب کی فرودگاہ پر نہایت تزک و احتشام سے بازدید کو تشریف لے گئے۔ انھوں نے نہایت گرمجوشی سے استقبال کیا اور صدر مین بادشاہ کو بٹھایا دیر تک محبت کی باتین فی مابین رہین اور تحایف کی کشتیاں بادشاہ کے حضور مین پیش کین اور گوٹے کے ہار تمام امرائے دربار کو تقسیم ہوئے اور اس تشریف آوری کا بہت بہت شکریہ ادا فرمایا۔ رخصت کے وقت لاٹ صاحب نے مقام استقبال تک مشایعت کی۔

تیسرے دن بادشاہ نے بڑی دعوت دی جسمین بہت سی آتشبازی چھوٹی اور روشنی ہوئی دیر تک محبت آمیز گفتگو رہی - اس ملاقات کے اثر سے شاہان اودھ مین سب سے پہلے نصیر الدین حیدر نے انگریزی لباس زیب جسم کیا اور ولایت کی لیڈیان خاص تراش نوکر کمین تاج مع کلغی زیب سر کیا سیاہ کوٹ اسپر شاہی عبا پتلون پاؤن مین بوٹ دبلے پتلے چھریرا بدن سیہ چشم عضہ ور تھے۔ کسی خطا پر نواب معتمد الدولہ موقوف ہوکر خارج البلد ہوئے۔ راجہ امرت لال عرض بیگی کو کسی غبن کی خطا پر قید سخت کی سزا دی گئی۔ راجہ درشن سنگھ غالب جنگ کی نگرانی مین رہے۔ لیکن ملا طائف جیل کے محافظون کو زرخطیر دیکر شب کو اپنے گھر بھاگ آئے اور تلوار سے اپنا گلا کاٹ کر جان دیدی۔

سہ پہر کو چمن بندی گل اور فوارون کی ہوتی رہی - دوسو طائفون کا مجرا ہوتا تھا جسمین پچیس طائفے ایک رنگ کے جوڑے پہنے ہوئے ایک ساتھ ناچتے اور گاتے تھے۔ بجان متی چونے والیان ڈومنیان قوال مین کار ربابیئے - ریچھ والے قلندر بکری اور بندر لیئے ہوئے اپنے اپنے کرتب دکھاتے تھے۔

خاص کمرے مین تمام سامان عیش موجود تھا، انگریزی میز ارغوانی کنٹر گزک کا سامان تشتریون پر پستے اور بادام رکھے ہوئے تھے اور دوسرے کمرے مین پلاؤ، سفیدہ، دوپیازہ مربہ اچار عمدہ پکوان، خستہ کچوریان سہال دال موٹ سب سامان موجود رہتا تھا۔

ادھر خود بدولت تشریف لائے اور ادھر انگریزی باجے بجنے لگے۔ طائفے ناچنے لگے

خود بدولت اکل و شرب مین مصروف ہوئے ایک ایک دن مین پانچ پانچ سو جوڑے اور جواہر نگار
کڑے انعام مین تقسیم ہوئے۔

نواب ملکہ زمانیہ سے زمانہ موافق تھا ایک روز محل مین تشریف لائے ایک رقعہ ہاتھ
مین تھا ملکہ نے ایک خاص انداز سے پوچھا مرزا ہاتھ مین کیا ہے۔ پچاس لاکھ روپیہ فیض آباد
سے آیا ہے یہ کہکر نہایت بے پروائی سے ان کی طرف پھینکدیا۔

نواب قدسیہ محل کے واسطے جاڑون مین سوا لاکھ روپیہ ماہوار کے خرچ سے ہر مہینے
دو رزا ئیان تیار ہوا کرتی تھین گرمیون مین ملازمین کو تقسیم ہو جاتی تھین۔

دھنیا مہری اور ڈلومی کہاری کا اسقدر عروج تھا کہ بڑی شان و شوکت سے ان کی
سواریان نکلتی تھین دھنیا مہری نے مسجدین کنوئین باغات اور پل تیار کئے۔ جنمین کی بعض
عمارتین اب تک موجود ہین۔

مکا درزی اسی سرکار سے متعلق تھا جسنے مکا باغ مکا مسجد مکا گنج اور اپنے وطن خیرآباد
مین بہت سی عمارتین بنوائین، مشہور ہے کہ اسکے زمانے مین ایک سوداگر نفیس عطر لیکر آیا
اور بہت کوشش کی کہ سرکاری دربار مین رسائی ہو، قسمت نے یاوری نہ کی مایوس ہوکر
مکا درزی کے در دولت پر حاضر ہوا اور سلطنت کی شکایت کی کہ ہم دور و دراز مقام سے امید
لگا کر آئے تھے باوجود کوشش کے بادشاہ کے دیدار سے محروم رہے کوئی پوچھنے والا نہین
اب مایوس ہوکر واپس جاتے ہین۔ مکا نے سب عطر کے کنستر منگواکر دیکھے اور پوچھا کہ سب مال
کتنے کا ہے، اس نے کہا پچاس ہزار روپیہ کا ہے: ناک بھون چڑھا کر کہا اسی مال پر تمکو ناز تھا۔ اس
سے اچھا تو ہمارے بادشاہ کے اصطبل مین چھڑکا جاتا ہے کہ گھوڑون کے پیشاب اور لید کی بو نہ آئے
پھر حکم دیا کہ یہ سب عطر ہمارے اصطبل مین چھڑک دو اور قیمت اسی وقت دیدی، وہ سوداگر ہزارون
دعائین دیتا ہوا اپنے وطن کو واپس گیا۔

بادشاہ کی خاص پوشاک مکا کی معرفت تیار ہوتی تھی وہ روشن چوکی بجواتا ہوا پوشاک لیکر
در دولت پر حاضر ہوتا تھا۔ روز نئی پوشاک بدلی جاتی تھی اور دوسرے روز کی پوشاک تقسیم
ہو جاتی تھی۔

سب سے پہلے اسی بادشاہ نے انگریزی چھاپہ کی کل ولایت سے منگوائی اس سے پہلے دیسی چھاپہ کی کل لکڑی کی ہندوستانی بنی ہوئی موجود تھی۔
ایک محتاج خانہ اشرف آباد کے سامنے سڑک پر بنوایا جسمین اندھے لنگڑے لولے اپاہج ضعیف العمر عورت مرد رکھے جاتے تھے ہزار روپیہ ماہوار کا خرچ وثیقہ سے مقرر ہوا۔
انگریزی تعلیم کا اسکول سب سے پہلے انھین کے وقت مین قائم ہوا انگریزی اسپتال کی بنیاد ان کے عہد مین ہوئی۔ چوک مین شفاخانہ یونانی اسی عہد مین قائم ہوا کان پور سے لکھنؤ تک گنگا دریا سے نہر نکلوائی۔
بادشاہ شجاعت مین مشہور عالم تھے ایک مرتبہ فیلخانہ سے سفید ہاتھی مست ہوکر شہر مین نکل آیا لوگون کا بہت نقصان ہوا راستے بند ہو گئے لوگون نے خوف سے دروازے بند کیے فیلبان جان کے خوف سے سامنے نہین جا سکتے تھے بادشاہ کو خبر ہوئی فوراً ہوجہ پر سوار ہوکر چوک مین آئے ہاتھی کو آواز دیکر پکارا وہ سر جھکائے ہوے سامنے آیا۔ ارشاد ہوا بھوکا ہے اسے دودھ جلیبی کھلاؤ جب خوب سیر ہوکر کھا چکا تو بادشاہ فوراً اسپر سوار ہوکر فیلخانہ مین لے آئے اور ہاتھی بندھوا دیا۔
شیر بہت سے پالے تھے اور اکثر ان کے سر پر اپنا ہاتھ پھیرتے تھے۔
چھتر منزل کے قریب ایک امام باڑہ بنوایا جسمین نا کتخدا لڑکیان سیدانیان اچھی قوم کے نام سے رکھی گئین اور ائمہ معصومین سے انکا عقد کیا گیا۔ بیش بہا تنخواہین مقرر ہوئین نفیس پوشاک عمدہ مطلا مرصع کار عطا ہوئی۔ مگر ان کو غیر مرد سے بات کرنے کا حکم نہ تھا۔ اگر کوئی بات خلاف حکم صادر ہوتی فوراً دیوار مین چنوا کر تیر اندازی کی جاتی۔
ان کے عہد حکومت مین غلہ کی نہایت ارزانی تھی رعایا خوش اور آباد تھی۔
شہر کی نامی طوائف کرم بخش محل مین داخل ہوئی ظفر الدولہ کپتان فتح علیخان کے بیٹے کو اعتماد الدولہ کا خطاب ملا اور خلعت جرنیلی فوج کا عطا ہوا۔
منشی غلام مرتضیٰ روضہ خوان جنت آرامگاہ غازی الدین حیدر بادشاہ کے مقبرہ پر قرآن خوانون مین ملازم تھے۔ آدمی ظریف تھے آداب مصاحبت سے واقف تھے اقبال الدولہ

کے دربار مین داخل ہوئے اور چند روزہ ملازمت مین محلہ رستم نگر مین عالیشان عمارتین بنوالین امرا مین شمار ہونے لگے۔

آغامرزا نصیر الدین حیدر کا کو کا ایسا خود سر تھا کہ تمام اراکین سلطنت اسکی نظر مین ہیچ تھے۔ کوتوال شہر کو اس کے کارنامون مین دخل دینے کا منصب نہ تھا۔ عدالت اس سے بازپرس نہ کرتی تھی۔

ایک دن سلیمان جاہ کی سواری حضرت عباس کی درگاہ جارہی تھی آغامرزا بھی ہمرکاب تھے۔

غلام مرتضیٰ کا مکان سڑک پر تھا اتفاق سے اس وقت باشاہ کے سلام کو نہ آسکے۔ آغامرزا کے حکم سے ان کا برآمدہ کھدوا دیا گیا۔

روشن الدولہ کے بھائی شرف الدولہ شرابی کو کانٹا لگ گیا اور وہ دفعۃً مرگئے اس خبر سے بادشاہ کو ایسی عبرت ہوئی کہ اس دن سے شغل شراب یک قلم موقوف کردیا۔

عمارات عالیہ کا شوق ہوا تو چھتر منزل واسطے سکونت محلات شاہی کے تیار ہوئی جسمین آجکل کچہری ہے۔

ولایتی باغ بنوایا اور اسمین ولایت سے منگوا کر درخت لگائے جسمین محلات بھی واسطے تفریح کے جاتے تھے۔

تاروالی کوٹھی موافق مشورہ کرنل ڈلکوس صاحب منجم تیار کرائی گئی جسمین آلات نجوم کے سجے گئے۔ کوٹھی گلستان بھی انھین کے عہد مین تیار ہوئی جسمین باغ اور بارہ دری تھی ورشن بلاس بھی اسی عہد مبارک مین تیار ہوا۔ کربلائے معلےٰ گومتی پار بنوائی جسمین باشاہ کی قبر بھی ہے۔

شاعری کا بہت شوق تھا بہت سے شاعر دربار مین نوکر تھے فارسی مین اچھی استعداد تھی اور فارسی مین بھی شعر کہتے تھے اور بادشاہ تخلص فرماتے تھے کبھی کبھی دردولت پر مشاعرہ ہوتا تھا شعراء کو انعام تقسیم ہوتے تھے ایک غزل آپکی بہت مشہور ہے آپ کا دیوان نہایت خوشخط لکھا ہوا بتن جی جوہری کے پاس موجود تھا۔

غزل

یہ کس مست کے آنے کی آرزو ہے — کہ ساقی لیئے ساغر مشکبو ہے

سمایا ہے جب سے تو نظر و نین میری — جدہر دیکھتا ہون ادہر تو ہی تو ہے

چلو قبر فرہاد پر فاتحہ کو — مگر آب شیرین سے لازم وضو ہے

نکلجائے دم تیرے قدمون کے نیچے — یہی دلکی حسرت یہی آرزو ہے

گلستان مین جاکر ہر اک گل کو دیکھا — نہ تیری سی رنگت نہ تیری سی بو ہے

سنا یا ہے ناحق ہمین تو نے ظالم — یہ انصاف اللہ کے روبرو ہے

کیا چاک وحشت نے ایسا گریبان — نہ بخیے کی قابل نہ جائے رفو ہے

شفق بنکے ہوتا ہے گردونپہ ظاہر — یہ کس کشتۂ بیگنہ کا لہو ہے

اگر ابکے بولا شب وصل جانان — چھری اور مرغ سحر کا گلو ہے

رہے سایہ پنجتن بادشہ پر
خداوند عالم نگہبان تو ہے

ولہ

بلبل شید نے پوچھا گل سے یون روز بہار — اے گل رعنا ترے دامن سے کیون لپٹے ہین خار

ہے نزاکت سے ان سرمہ بھی چشم یار کو — یار کا گل سے کمر کیونکر نہ لچکے بار بار

تیغ ابرو دیکھکر آئی ندا اے بادشہ
لا فتیٰ الا علی لا سیف الا ذوالفقار

کلام فارسی

مرحبا اے سندی عالم علم وہبی — ماہ برج عجمی شاہ سریر عربی

چون نسایند جبین بر در تو جن و ملک — سر در جملہ رسولی و شہ جملہ نبی

بوئے لطفے برسان بادشہم را ز فراغ
اے گل تازہ رنگین چمن مطلبی

معتمد الدولہ آغا میر کے مشاعرون کو اکثر زینت بخشتے تھے اور شعرا کو انعام عطا فرماتی

تھے ناسخ کو صرف ایک شعر پر تین لاکھ روپیہ عطا فرمایا خوش قسمتی سے جس شاعر کی دربار تک رسائی ہوگئی انعام واکرام تنخواہ سے ممتاز فرمایا گیا۔

سخن شناس حد درجے کے تھے قصائد جو مدح مین گزرتے تھے ان پر انعام ملتا تھا مزاج مین سادگی اسقدر تھی کہ ایک چوبدار نے عرض کیا حضور غلام زادے کی شادی ہے اگر مرحمت خسروانہ سے سرکار چند منٹ کے واسطے قدم رنجہ فرما ئین تو فقیر کی آبرو چشمون مین بڑھ جائے گی۔ یہ جملہ سنکر بادشاہ خاموش ہوگئے۔ اسے یقین ہوا کہ بادشاہ کو شرکت منظور نہین ہے آبدیدہ ہوکر عرض کیا سرکار غریب آدمی کا دل تھوڑا ہوتا ہے یہی ایک نام رہ جائے کہ بادشاہ عالم پناہ نے اپنے غلام کو عزت دی یہ کہکر قدمون پر گر پڑا آپ نے اسکی عاجزی نظر کرکے فرمایا اچھا تم مغموم نہو ہمکو تمہاری خاطر منظور ہے مابدولت مع عملہ شاہی کے ورود فرمائین گے۔ اس نوید و مسرت سے وہ پھوٹ کر رونے لگا اور دعا دیکر عرض کیا الٰہی جبتک دنیا تک یہ سلطنت قائم رہے اور حضور کے جملہ مطالب دلی بر آئین جیسی حضور نے عاجز نوازی کی ہے دربار کے بڑے بڑے لوگون سے فرش فروش آئینہ کرسیان قالین روشنی کا سامان منگوا کر نہایت تزک و احتشام سے بارہ دری سجی شہر کے نامی طائفے بلوائے۔

رات کو مع اراکین سلطنت حضور تشریف لائے اور چند منٹ طلائی کرسی پر بیٹھکر ارکان سلطنت کو حکم دیا کہ تم لوگ رات بھر اس جلسہ مین شریک رہو اور آپ چوبدار سے کہا اب تمہاری خوشی ہوگئی۔

اسنے ہاتھ باندھ سر جھکا کر نہایت ادب سے تشریف آوری کا شکریہ ادا کیا اور کہا خدا حضور کو مع اولاد قائم دائم رکھے مجھ بینوا گدا کو سوا حضور کے کون پوچھنے والا تھا جی چاہتا ہے کہ قدمون پر آنکھین بچھا دون آج جو عزت فقیر کو آپ نے دی ہے میرا دل جانتا ہے جبقدر دل سے دعائین نکلتی ہین زبان ادا نہین کرسکتی۔

اسکے بعد حکم دیا کہ ایک لاکھ روپیہ اسے دیا جائے شیخ محمد جان شاد پیر و مرحوم نے اس واقع کی تاریخ کہی

چو کتخدا پسر چوبدار شاہ نمود ؎		شریک شادی او شد وزیر ظل الہ

سنین شادی آن زادۂ عصا بردار　　نقیب بانگ نقابت زدند پیش نگاہ
۱۲ - ۴ ھ

ایسے ایسے مرحمت خسروانہ کے کارنامے نصیر الدین حیدر بادشاہ کی ذات سے بہت سے صادر ہوئے سیر چشمی کی انتہا یہ تھی کہ کوئی شخص شہر میں غریب مفلس دن رات میں برستا تھا کسیکو فکر معاش نہ تھی۔

اب نہ وہ سلطنت ہے نہ دہ سخاوت نہ وہ بادشاہ ایک خواب تھا جو آنکھوں نے دیکھا اور ایک قصہ تھا جو کانوں نے سُنا۔

انھیں فیاضیوں سے لکھنؤ آباد تھا جسکے پرانے کھنڈر اب تک اسکی عظمت و اقتدار کی گواہی دے رہے ہیں اگرچہ تین حصے شہر کھُد چکا ہے۔ لیکن جو باقی ہے اسکی ایک ایک اینٹ پرانے کارناموں کے افسانے سنا رہی ہے

خواجہ محمد عبد الرؤف عشرت لکھنوی

"بدھا اور اسکا مت"

اس کتاب کو پنڈت شیو نرائن صاحب شمیم (ایڈوکیٹ، لاہور نے انگریزی سے سلیس اور با محاورہ اُردو میں ترجمہ کیا ہے، اس کے مصنف ایک امریکن بدھسٹ مسٹر سٹراسن ہیں جن کے خیالات پر بدھ تعلیمات کے اثرات غالب ہیں۔

اس کتاب میں مہاتما بدھ کے حالات و روحانی تعلیمات کا ذکر ہے، کتاب کے آخر میں مترجم نے ایک ضروری ضمیمہ بھی شامل کر دیا ہے۔

یہ کتاب چھوٹی تقطیع کے ۱۴۴ صفحوں پر نہایت دیدہ زیب طریقے پر شائع ہوئی ہے کاغذ عمدہ جلد خوبصورت و نفیس شائقین مترجم موصوف سے مفت طلب فرما کر مطالعہ فرمائیں۔

تذکرۂ دہلی

(از سی - ایف - اینڈریوز - ایم - اے)

باب ہشتم

بڑھاپا

جس ایک مبحث پر ہم دونوں میں ہمیشہ گفتگو رہا کرتی تھی اور جس سے منشی ذکاءاللہ کے کیرکٹر کی ایک نمایاں خصوصیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے، وہ ان کی لاانتہا تعریف و توصیف تھی جو وہ عورت اور ملک کی حیثیت سے ملکہ معظمہ آنجہانی کی کیا کرتے تھے۔ اسوقت مجھے سوائے اسکے اور کچھ نہیں معلوم ہوتا تھا کہ شاہی خاندان سے ان کی محبت وعقیدت دنیائے قدیم کی سی محبت تھی جو انگریزی تاریخ میں تو خاندان استوارٹ کے ساتھ اور فرانس میں خاندان بوربن کے ساتھ وابستہ رہ چکی ہے۔ لیکن ہندوستان میں مجھے یہ دیکھکر تعجب ہوتا تھا کہ یہاں غیر ملکی شہنشاہ سے جس نے ہندوستان کی کبھی سیاحت بھی نہیں کی اور جسے قدرتاً منشی ذکاءاللہ نے کبھی دیکھا بھی نہ تھا اس قسم کی وفاداری ظاہر کیجا رہی ہے۔ جوں جوں میں ان سے زیادہ واقف ہوتا گیا میں نے محسوس کیا کہ روایتاً اور وراثتاً جسکا سلسلہ جیساکہ وہ خود کہا کرتے تھے، سترپشت تک پہنچتا تھا، بادشاہ کی ذات سے وفاداری ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی ہے۔ یہ وفاداری کسی مصلحت یا ذاتی فائدہ کی مرہون منت نہ تھی بلکہ ان کی فطرت کا تقاضا ہی تھا اور اس سے انسانی زندگی کی جانب ان کے رجحان طبیعت کا اندازہ ہو سکتا تھا۔ بادشاہ کی ذات سے وفاداری وعقیدت ان کے کیرکٹر کی غذا تھی میرے لیے یہ امر نہایت درجہ دلچسپ تھا کہ میں اس عجیب واقعہ اور جدید نوع کی وفاداری کا مطالعہ کروں جو اپنی نئی زمین میں ایسی صحت و خوبی کے ساتھ نشوونما پا رہا تھا۔

وہ مجھ سے فرمایا کرتے تھے کہ مین تو ملکہ معظمہ کے شاہی گھرانے کے متعلق یہ عقیدہ رکھتا ہون کہ وہ خاندان تیموریہ کی روایات اور شان و شوکت کو جاری اور برقرار رکھنے والا ہے۔ گذشتہ کئی نسلون سے ان کے خاندان کو جو وفاداری خاندان تیموریہ کے بادشاہو سے تھی وہ اب ملکہ معظمہ کی جانب منتقل ہوگئی تھی۔ مجھ سے وہ اس واقعہ کو اسی طرح بیان کیا کرتے تھے اور مین نے حتی الامکان ان کے مفہوم کو انھین کے الفاظ مین ادا کر دیا ہے

وہ مجھ سے یہ بھی کہا کرتے تھے کہ مغلیہ دربار باوجود اپنے جاہ و جلال کے دن بدن قعر مذلت مین گرا جا رہا تھا۔ ان سے بڑھکر اور کوئی شخص یہ نہین جان سکتا تھا کہ وہ زوال کس حد تک پہنچ چکا ہے کیونکہ وہ اپنی جوانی کا زمانہ وہین رہ کر بسر کر چکے تھے اسلیے ایک ایسے خاندان کی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی جو حکومت کی زیادہ اہلیت رکھتا ہو۔ یہ خاندان ان مختلف صفات سے متصف تھا جو روشنی کے اس جدید دور کے لیے جسکا آغاز ہندوستان مین انیسوین صدی مین ہو چکا تھا، لازمی و لابدی تھین۔ حکمران خاندان کی تبدیلی تاریخ ہند مین ایک ضروری کارروائی تھی اور وہ خدا تعالے کے یہان سے اسی طرح مقدر و مقرر ہو چکی تھی جس طرح سے کہ وہ خاندان جس کی بنیاد بابر و اکبر نے ڈالی تھی۔

دو وجوہ تھے جیسا کہ مین ان کے ساتھ طویل گفتگو کے دوران مین معلوم کر سکا جنھون نے ایک خاندان سے دوسرے خاندان کی جانب انتقال وفاداری کو اسقدر آسان اور قدرتی امر بنا دیا۔ اول الذکر کیجانب مین ابھی اشارہ کر چکا ہون۔ وہ اس بات کو تاریخی طور پر یقینی تصور کرتے تھے کہ انکا ملک دور جدید مین داخل ہو رہا ہے۔ انھون نے اس روشنی کو جو سمت مغرب سے آئی تھی۔ قبول کر لیا تھا اور اسکا تپاک آمیز استقبال کیا تھا۔ انھون نے اپنے ظاہری اطوار اور عادات مین کوئی تبدیلی پیدا نہ کی بلکہ صورت و پوشاک کے اعتبار سے وہ دہلی کے نہایت قدامت پسند شخص معلوم ہوتے تھے۔ ان کا لباس، انکے عادات، ان کی خانگی زندگی۔ ان کے مذہبی زندگی نیز ہر وہ چیز جسے وہ قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے، سراپا مشرقی ہی رہی۔ "مغربیت" قبول کرنے پر ان کی طبیعت کبھی مائل نہ ہوئی۔ لیکن ایک بات مین بلا شبہ تبدیلی واقع ہو گئی تھی اور وہ ان کا دماغ تھا۔ انھون نے کشادہ دلی

سے مغربی سائنس اور مغربی خیالات کو قبول کر لیا تھا۔ انھون نے تسلیم کر لیا تھا کہ
دور جدید یعنی دور مغرب آن پہنچا ہے لیکن جب ہندوستان کی ذہنیت میں یہ عجیب
غریب وسیع انقلاب برپا ہو رہا تھا اس وقت انہون نے تسلیم کر لیا تھا کہ مردہ مغلیہ دربار
اس دور کا کامیاب حامل نہیں بن سکتا۔ اسلیے حکمران خاندان کی تبدیلی ضروری تھی اور
یہ کہ جدید خاندان مغرب سے آنا چاہیے۔

لیکن جب مین ان کے دماغی رجحان کو اور زیادہ گہرائی کے ساتھ سمجھنے کے قابل
ہوا تو اسوقت مجھے ایک دوسری وجہ بھی معلوم ہوئی جو ان کے نزدیک پہلی کی طرح نہایت
اہم تھی۔ یعنی ملکہ معظمہ آنجہانی کی سیرت اس سیرت کے وہ بیحد مداح و معترف تھے اور
ان کی اس تعریف مین بہادرانہ رنگ جلوہ گر تھا۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ گورون نے تسخیر دہلی
کے بعد جو دراز دستیان کی تھین ان کا ان کے دماغ پر ایسا زبردست اثر پڑا تھا کہ انسانی
الفاظ اسکے بیان کے متحمل نہین ہو سکتے۔ اس انتقام کا نشانہ زیادہ تر بے گناہ مخلوق
تھی اور وہ انتقام اسقدر ظالمانہ تھا کہ الفاظ مین نہین بیان کیا جا سکتا۔ جو اعتقاد انہین
ذاتی طور پر مغرب سے آنے والی روشنی و تہذیب پر تھا وہ کچھ عرصہ کے لئے متزلزل ہو گیا
تھا۔ ان کے خاندان کو نہایت سخت سزا بھگتنی پڑی تھی حالانکہ اس نے کشمکش بغاوت
مین کوئی حصہ نہین لیا تھا۔ سب سے بڑھکر یہ بات تھی کہ ایک بے گناہ معمر شخص (مولوی
امام بخش)، جو ابتدائی زندگی مین ان کے استاد رہ چکے تھے، قتل کر دیے گئے تھے۔
انتقام کے اُن ایام مین جبکہ گورے ہر قسم کی نگرانی سے آزاد تھے اور جبکہ ہر جگہ انہین نے
لیے خطرہ ہی خطرہ نظر آتا تھا۔ تباہی و بربادی ان کے دروازے تک آ پہنچی تھی اور ان
کے قریبی اعزا اور اقربا اسکا شکار ہو گئے تھے، اور کچھ عرصہ تک تو ان کے دماغ پر بہت
ہی زیادہ صدمہ رہا۔ وہ شاذ و نادر ہی غدر کی تباہی کا ذکر کرتے تھے اور جس انداز سے وہ
اس مضمون پر گفتگو کرنے سے احتراز کرتے تھے۔ جس کے ذکر سے خوف و تباہی کی تصویر
ان کی آنکھون کے سامنے آ جاتی ہو الفاظ مین بیان نہین ہو سکتا۔

لیکن ملکہ معظمہ آنجہانی اس نازک وقت مین آڑے آئین۔ یہی ان کے لیے وجہ تسلی

هر ایکسلینسی لیڈی اروِن

ہز ایکسلینسی لارڈ اروِن
وایسرائے و گورنر جنرل ہند

تھی۔ انھون نے اپنے حکم خسروانہ سے اُن خوفناک انتقامی کارروائیون کا خاتمہ کر دیا تھا۔
اور اپنے دستخط مبارک سے مذہبی آزادی اور قومی مساوات کے اعلان پر دستخط ثبت
فرمادیے تھے جو ان کے نزدیک ہندوستانی آزادی کا "میگنا کارٹا" اور دور جدید کا آغاز
تھا۔

لہٰذا اگرچہ ان کی روح نہایت غمدیدہ تھی لیکن یہ غم اسقدر گہرا نہ تھا کہ کبھی مندمل ہی نہ
ہوسکتا ہو۔ زخم ملکۂ معظمہ کے قانون خسروانہ سے مندمل ہوگیا تھا۔ اور منجملہ دیگر وجوہ کے یہ
خاص وجہ ملکہ سے ان کی ذاتی وفاداری کی بہت گہرائی تھی۔ یہ وفاداری ان کے نزدیک
نہایت ذہنی معقولیت پر مبنی تھی۔ اور اندھی تقلیدی وفاداری اسے کوئی تعلق نہ تھا اور نہ
اسمین غلامانہ جذبات کی جھلک پائی جاتی تھی۔

مزید برآن ایک اور وجہ بھی تھی جس کے متعلق انھون نے جذبات سے بھرے ہوے
لہجہ مین فرمایا۔

"ایک زمانہ مین مین نہایت مفلس وقلاش ہوگیا تھا۔ ہمارا خاندان بھی تباہی کے قریب
آن لگا تھا۔ یہان تک کہ میری والدہ کو میرے کالج کے نصاب کی کتابین خریدنے کے
لیے زیورات تک فروخت کر دینے پڑے۔ دربار مغلیہ کی حالت سخت زبون تھی اور میرا خاندان
جس نے کئی نسلون سے اسقدر جان نثاری اور وفاداری سے اسکی خدمت کی تھی۔ تباہی
و ادبار مین مبتلا ہوگیا تھا۔ لیکن اب اُس امداد کی بدولت جو مجھے جدید مغربی علوم کے ذریعہ
حاصل ہوئی اور جو ملازمت مجھے بعد مین محکمۂ تعلیم مین ملی اسکی وجہ سے ہمارا خاندان پھر متمول
اور عزت دار ہوگیا۔ ضیاوی سامان ہمارے پاس ضرورت سے زیادہ ہے اور ہم اس قابل
ہین کہ اس مین سے دوسرون کو کچھ دے دین جنھین اسکی ہم سے زیادہ احتیاج ہے۔ ملکہ
کے خاندان ہی نے میرے خاندان کو عزت ومرتبہ کی سابقہ شان وشوکت پر پہنچا دیا ہے
پھر مین کیونکر ان کی اس مہربانی کا شکریہ ادا کرون؟"

ان کا یہ بیان سادگی سے مملو تھا۔ کیونکہ انھون نے مجھے یہ بات پورے طور پر ذہن نشین
کرادی تھی کہ جو کچھ وہ سمجھتے تھے کہ مجھے اس قسم کا یقین دلانے کی ضرورت ہے کیونکہ مین نے

بسا اوقات اُن سے اُن خرابیوں کا تذکرہ کیا تھا۔ جو غیر ملکی حکومت مین فطرتاً موجود ہوتی ہین اور مین نے ان کے روبرو یہ خیال نہایت زوردار الفاظ مین پیش کر دیا تھا کہ ہندوستان کو چاہیے کہ حکومت کی باگ اپنے ہاتھ مین لے اور زیادہ عرصہ تک خود کو ایسے نظام حکومت سے وابستہ نہ رکھے جو ہزارہا میل کا بُعد رکھتا ہو۔ مجھے انگریزی طرز حکومت کا یہ معمہ نہایت ہی عجیب وغریب معلوم ہوتا تھا۔ اور منشی ذکاء اللہ سے جو میرے گہرے تعلقات ہو گئے تھے اسکی وجہ سے مین نہایت آزادی کے ساتھ اپنے خیالات کو ان کے روبرو پیش کر دیا کرتا تھا۔ بالاشبہہ ہم دونون مین کامل صفائی تھی جسے وہ بہت عزیز سمجھتے تھے۔ لیکن مین انھین یقین دلانے مین کامیاب نہ ہو سکا۔ وہ نظریہ کے طور پر میرے دلائل کو قوی سمجھتے تھے۔ مگر کہتے تھے کہ عملاً ان کی صداقت ثابت کرنی باقی ہے۔ امن وامان قائم رکھنے کے لیے ابھی تک انگریزون کی سخت ضرورت موجود ہے۔

مین اکثر اوقات بڑے میان سے قدرتاً ان کی قوم کے متعلق تبادلۂ خیالات کیا کرتا تھا اور یہ وہ مضمون تھا جو انھین دل سے عزیز تھا۔ ہندوستان سے جو گہری محبت انھین تھی اسکی وجہ سے مذہب کی جانب ان کے اعتنا مین کوئی کمی پیدا نہین ہوئی بلکہ ایک گونہ زیادتی ہی ہوئی۔ دن رات وہ اسکی بہبودی کے لیے کام کرتے۔ مطالعہ کرتے اور خیال کرتے۔ ہندوستان مین اسکی ترقی کا خیال ہی ان کی تمام محنت شاقہ کا محرک ہوا کرتا تھا اور کسی دوسرے خیال کے مقابلہ مین اسی کا اثر ان کی تمام زندگی پر پڑا۔ ان کی محنت وجانفشانی کا سلسلہ تقریباً ساٹھ سال تک جاری رہا اور اس عرصہ مین وہ اپنی اردو زبان کے ذریعہ علوم جدیدہ کی ترویج کرتے رہے جس پر ان کے اعتقاد کے مطابق ان کی قوم کی ترقی کا دارومدار تھا اور جس کی طرف مسلمانون نے اسقدر دیر سے اور بددلی کے ساتھ توجہ کی۔

وہ مجھ سے فرماتے تھے کہ غدر کے ابتدائی واقعات سے انھین خوفناک صدمہ پہنچا انھین اسکا مطلق خیال نہ تھا اور نہ انھین اسکی آمد کی پہلے سے خبر تھی اور یہی وجہ ہے کہ جب غدر ہوا ہے تو انھین نہایت تعجب تھا۔ اور جب اسکی مصیبت سر پر آ پہونچی تو انہون نے دیکھا کہ ان کے ہموطن بہ حالت۔ تعصب اور مذہبی تنگدلی کی بدولت نیک وبد کی شناخت کرنے

مین بری طرح سے ناکام رہے۔ انھون نے ایسی کارروائیان کین جو ایک حد تک وحشیانہ اور ظالمانہ تھین۔ ان تمام باتون نے ان کے دل مین مایوسی کی لہر پیدا کر دی تھی اور وہ نہین جانتے تھے کہ کیا کرین۔

لیکن اسکے بعد اور زیادہ بہیمانہ کارروائیان عمل مین آئین جنکا انگریزی کتب تاریخ مین تو نہایت بے پروائی سے مذکور ہوتا ہے لیکن جنہین ہندوستان کبھی فراموش نہین کر سکتے اسلئے کہ غدر کے آخری واقعات نہایت خوفناک اور وحشیانہ تھے۔ انھون نے مجھ سے فرمایا کہ

”اس وقت تک میرا خیال تھا کہ انگریز فرشتے ہین۔ لیکن ان خوفناک ایام مین تسخیر دہلی کے کچھ عرصہ بعد تک میری تقریباً یہ رائے ہوگئی تھی کہ وہ شیاطین ہین کیونکہ بے انتہا بھیانک واقعات وقوع مین آچکے تھے۔“

انتقامی کارروائیون کا مشاہدہ کرنے کے بعد وہ کچھ عرصہ تک تو بالکل حالت مایوسی مین رہے۔ اصلی واقعات سے دوچار ہونے کے بعد جن کے باعث ان کے ترقی پرور خیالات کو اسقدر سخت صدمہ پہنچا تھا۔ وہ اپنے ہم ملکیون یا انگریزون کو پہلی سی روشنی مین نہین دیکھ سکتے تھے۔ ان کی آنکھون سے غلط خیالی کا حجاب اُٹھ گیا تھا اور وہ غدر کے بعد بنی نوع انسان کے متعلق زیادہ گہری واقفیت کے ساتھ اپنے روزمرہ کے کام مین مشغول ہو گئے۔ انھون نے معلوم کر لیا۔ کہ اب تک وہ محض انگریزون کی مفروضہ رواداری اور نام نہاد فیاضی پر تکیہ کئے بیٹھے تھے اور خود اعتمادی اور آپ اپنی امداد کے اصول کو بالکل فراموش کر چکے تھے۔

اس کے بعد ان کے دل مین وہی خیال آیا جو سر سیّد احمد خان کے دلمین پیدا ہوا تھا یعنی یہ کہ مسلمانون کو اب زیادہ مدت تک پنشن خوارون کی حیثیت سے نہ رہنا چاہیے بلکہ انھین بیدار ہونا اور کچھ کام کرنا چاہیے۔ دوسرون کے بھروسہ پر زندگی بسر کرنا خطرہ سے لبریز ہے اور ساتھ ہی ایسا طرز عمل قومی وقار اور شان کے بھی خلاف ہے۔ تعصب، جہالت اور تنگدلی کا خاتمہ کرنے کی سخت ضرورت ہے۔ مگر یہ کام مسلمانون

ہی کو انجام دینا چاہئیے۔

غدر جیسا کہ منشی ذکاء اللہ نے مجھ سے فرمایا ایک ایسی مصیبت تھی جس کی نظیر ہندوستانی مسلمانون کے روبرو نہین ہے برطانوی حکومت کی شکوک کا نشانہ زیادہ تر مسلمان ہی تھے اور شمالی ہندوستان کا تو ہر مسلمان مصیبت و خوف کے ماتحت اپنی زندگی بسر کرنے پر مجبور تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ جدید علوم کی تحصیل مین تقریبًا ایک نسل پیچھے رہ گئے۔ حالانکہ وہ زمانہ تھا کہ ان کے لیے آگے بڑھنا نہایت ہی ضروری تھا۔ مگر وہ پست قوم بن گئے جہان وہ ایک طرف وہ جاہل ناخواندہ اور کندۂ ناتراش رہ گئے وہان دوسری طرف وہ تعصب اور شبہہ کے قعر مین ڈوب گئے۔

ان تمام باتون کا یہ نتیجہ نکلا کہ شمالی ہندوستان کے مسلمانون مین ایک گونہ مایوسی رونما ہوگئی جس نے انھین کہین کا نہ رکھا۔ ایک زمانہ تو ان پر ایسا آگیا تھا کہ مایوسی ہی انکے لیے سب سے بڑا خطرہ سمجھا جاتا تھا وہ اُس شک و شبہہ کو جس کے ماتحت ان کی زندگی بسر ہو رہی تھی نہایت نفرت کی نظر سے دیکھتے تھے اور یہی جوش نفرت بالآخر ان کی مصائب مین مزید اضافہ کا باعث ہوا انھون نے انگریزون اور انگریزی طریقون سے نفرت کرنی شروع کر دی۔ بہت سے اشخاص جو قبل ازین عہد مغلیہ مین نہایت باثروت خاندانون سے تعلق رکھتے تھے اور حکومت کے اعلےٰ عہدون پر فائز تھے۔ فقر و فاقہ اور مصیبت و تباہی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوگئے۔ کساد بازاری کے زمانہ مین ان کی جائدادین تباہ کن قیمتون پر فروخت ہوگئین اور بعد مین جب صورت حالات مین ذرا تغیر ہوا اور ملک کی خوشحالی پھر لوٹنے لگی تو اسوقت بھی ان کی خوابیدہ قسمتین اس دور کے ساتھ بیدار نہ ہوئین۔ انھون نے دیکھا کہ جو لوگ ان کے نوکر رہ چکے تھے انھون نے اب ان کے آقا کی حیثیت اختیار کرلی ہے۔ قسمت ہی ان کے خلاف معلوم ہوتی تھی اور انھین بیس رہی تھی۔ کوئی ہاتھ انکی دستگیری کے لیے نہین اُٹھتا تھا۔ شریف مسلمانون کے لڑکے حالت بیکاری مین بعض اپنا وقت مکان ہی کے اندر لوٹ لگانے مین صرف کر دیتے تھے۔ وہ جاہل تھے، گندے تھے، بعض اوقات پھٹے پرانے کپڑے زیب تن کرتے تھے۔ ترقی کی تمام اسپرٹ ان تنتن

مفقود ہو چکی تھی۔ جس قعر ذلت مین وہ گر گئے تھے اسکی صحیح حالت کا اگر نقشہ کھینچا جائے
تو بہت کم یقین آئے گا۔ وہ مرد اور عورتین جن کی رگون مین شاہی خون تھا نہین۔ خود
شاہی گھرانے کے افراد فاقہ کشی کی مصیبت سے بچنے کے لیئے ادنی درجہ کی ملازمتین اختیار
کرنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ تمام شمالی ہندوستان مین یہ تباہ شدہ خاندان پھیل گیا تھا۔

اسمین کچھ شک نہین کہ شمالی ہندوستان کے مسلمانون کی اسپرٹ اور دلیری لوٹ
کر تو آئی مگر نہایت سست رفتاری کے ساتھ لوٹی۔ جو لوگ تعلیم یافتہ اور روشن خیال
تھے اور امداد کرنے کے خیال سے درحقیقت آگے نکل آئے تھے۔ ابتدا مین شک و شبہ
اور بد اعتمادی کے ساتھ دیکھے جاتے تھے۔ ان کے خلاف تعصبات پیدا کر دیئے گئے تھے۔
اور مذہبی منافرت کے شعلون کو خوب بھڑکا دیا گیا تھا۔ جو واحد علاج ان پیش روؤن نے
تجویز کیا تھا۔ یعنی علوم جدیدہ کی تحصیل اسے تنگ نظر اشخاص نے مذہب اسلام کے منافی قرار
دیکر ہر چہار طرف سے مطعون کیا۔ کافر، نیچری، دہریہ کی صدائین مسلسل بلند کی گئین اور
بد عقیدون کے خلاف تاریکی اور اوہام باطلہ کی تمام قوتون کو جمع کر دیا گیا۔

مگر خدا کا فرستادہ لیڈر پیدا ہو چکا تھا۔ سر سید احمد خان جو خواہ وہ کسی ملک مین اور تاریخ
کے کسی دور مین پیدا ہوتے نمایان شخصیت رکھنے والے ہوتے اور بنی نوع انسان کے
پیدائشی لیڈر بنتے۔ اس نازک وقت میدان جنگ مین اُتر آئے اور اوہام تعصب اور تاریکی
کے خلاف جنگ مین رہنمائی کی۔ جنگ جیت لی گئی اور لوگ بالآخر سر سید احمد خان
سے نفرت کی بجائے محبت سے پیش آنے لگ گئے۔ جدید تعلیم کی نوعیت کو حق بجانب
قرار دیا گیا اور مسلمانون کے ساتھ انگریزون کے طرز عمل مین بھی بہتری پیدا ہو گئی، جو الزامات
ان رہنماؤن کے خلاف بکثرت سننے مین آتے تھے۔ یعنی یہ کہ وہ شورش پسند اور باغی
ہین وہ رفتہ رفتہ کم ہوتے گئے اور بعض صورتون مین تو شمالی ہندوستان کے انگریزی
اور مسلمان شرفا مین اس کے بجائے باہمی دوستی و موانست پیدا ہو گئی۔

اس سارے کام کی تکمیل مین تقریباً نصف صدی بیت گئی اور یہ سخت تکلیف دہ
اور مسلسل کشمکشون کا زمانہ تھا جسکا موجودہ نسل مشکل سے اندازہ یا اس کا قرار واقعی احساس

کرسکتی ہے۔ منشی ذکاءاللہ مجھ سے کہا کرتے تھے کہ یہ بات ابھی تک صادق آتی ہے کہ جو
کمی ہمین پوری کرنی باقی ہے۔ یا جو راستہ ہمین طے کرنا رہ گیا ہے وہ بہت ہے۔ مغربی
علوم مین ہندؤن کے تعلیمی معیار کا اگر مسلمانون کے ساتھ مقابلہ کیا جائے تو یہ بات کہ مسلمانون
کی تعلیمی ابتدا ہوچکی ہے، مشکل سے کہی جائیگی، قوم بہ حیثیت مجموعی قعر جہالت مین گری
ہوئی تھی۔ لیکن تیس چالیس سال قبل جو مایوسی کا لہجہ ان کا تھا اب وہ باقی نہین رہا تھا۔
وہ اپنی قوم سے اچھی طرح سے واقف تھے۔ وہ اسکی قوت سے بھی آگاہ تھے۔ وہ جانتے
تھے کہ طاقت کے کون کون سے ذخیرے ابھی ان مین پوشیدہ ہین جن سے امداد لی جاسکتی
ہے۔ انھین اس بات کا پورا یقین تھا کہ بالآخر مسلمانون کی خلقی طاقت ایکبار پھر ابھریگی
جن مشکلات سے ہم دوچار ہو چکے ہین وہ آنیوالی مشکلات سے کہین زیادہ سخت اور سنجیدہ تھین۔

ایک دن مین نے ان سے پوچھا کہ آپ اپنی قوم کے لیے کس شے پر سب سے زیادہ
انحصار رکھتے ہین اسکا جواب انھون نے فی الفور یہ دیا کہ سب سے اول خدا پر۔ ہمین ہر کام
مین ہمیشہ اسی کی طرف اپنی توجہ رکھنی چاہیے اور اسکی رضا کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے
اسکی رہنمائی کے بغیر ہماری تمام کوششین اکارت ہین لیکن انسانی معاملات مین مین
تعلیم پر زیادہ اعتماد رکھتا ہون۔ میری ساری عمر تعلیمی کام مین صرف ہوئی ہے اور مین دن
بدن اسی کو بہترین علاج قرار دیتا ہون۔ جب مین نے سخت اور کٹھن کام کرنے کے بعد
پنشن لی تو پھر مین اسکے بجائے مسلسل کام کرتا اور لکھتا رہا۔ کیون؟ اسلئے کہ مین پورے
دل کے ساتھ یہ یقین رکھتا ہون کہ تعلیم ہی میری قوم کی اور نیز تمام ہندوستان کی ہر دلعزیز
مصیبت اور تکلیف کا واحد علاج ہے۔ تعلیم ہی وہ ذریعہ ہے جس سے آج ہندوستان
مین رہ کر تمام دنیائے اسلام کو بیدار کیا جاسکتا ہے۔ اگر خدائے تعالےٰ نے مجھے دوبارہ
طاقت عطا فرمائی تو مین پھر ایک مرتبہ اپنی بیماری سے اٹھکر اپنے کام کو جاری رکھونگا
آخری بیماری کے جو بالآخر مہلک ثابت ہوئی۔ شروع ہونے سے چند دن قبل
مین نے جسارت کرکے ان سے سوال کیا کہ "کیا آج بھی آپ کا تعلیم پر عقیدہ ایسا ہی مضبوط
ہے جیسا پہلے تھا؟ تو انھون نے پہلے تو غور سے میری طرف دیکھا اور ان کی معمر آنکھون

مین ایک چمک سی نظر آئی) اور پھر فرمایا۔

"نہین، بلکہ وہ عقیدہ آج ہزار گنا مضبوط ہوگیا ہے۔ اگر مجھے اپنی زندگی ایک مرتبہ

اور ملجائے تو مین اسے تمام وکمال تعلیم ہی کی نذر کردون گا"

زندگی کے آخری ایام مین جبکہ انکی جسمانی کمزوری بہت بڑھ گئی تھی اور ان کی تکالیف بسا اوقات سخت ہوتی تھین ان کا دماغ زیادہ تر خدا اور بندون کے ساتھ اسکے تعلقات پر غور کرتا رہتا تھا۔ انھون نے مذہب اسلام کے متعلق مجھ سے بہت سی باتین بیان کین جنہین وہ بخیال خود اسکا اصل اصول سمجھتے تھے اور مجھے بتایا کہ لفظ اسلام جسکا مفہوم رضائے الٰہی کے سامنے سر جھکا دینے کے ہین۔ بالکل جامع اصطلاح ہے۔ وہ یقین رکھتے تھے کہ خدائی نیکیاں تمام بنی نوع انسان پر یکسان نازل ہوتی ہین اور انسان کا فرض صرف اس قدر ہے کہ وہ ان نیکیون کے روبرو سر تسلیم خم کردے۔ انھین ہمیشہ محبت بھرے الفاظ مین مجھ سے اس خدائی نیکی کا ذکر کرنے مین لطف آتا تھا۔ جسکا انھین ذاتی طور پر مشاہدہ تھا یعنی شریف والدین جنہین خدا تعالےٰ نے انہین عطا کیا تھا۔ ان کے دادا جوان کے لیے سب کچھ تھے۔ ہدایت جس کی وجہ سے وہ بے داغ رہ کر اپنی جوانی بسر کرنے کے قابل ہوئے اعلےٰ تعلیم جسے وہ کسی قسم کا صرفہ کئے بغیر حاصل کر سکے، غدر کے خوفناک ایام مین ان کا گھر والون سمیت زندہ رہنا، وہ لاثانی صحت جو انھین ودیعت کی گئی تھی۔ اور جس کی وجہ سے وہ زندگی کے لطفون سے بہرہ اندوز ہو سکے۔ بچے اور بیوی جو انھین عطا کی گئی تھی۔ ملازمین جو ان کے اسقدر وفادار رہے اور دوست جو انھین اسقدر محبوب تھے۔ وہ بار بار مجھ سے خدائی برکتون کا ذکر فرماتے جو خدا تعالیٰ نے ان پر نازل کی تھین۔ وہ مجھ سے کہتے تھے کہ۔

"کیا وہ حقیقی معنون مین رحیم و کریم نہین ہے؟ خدا کی یہی صفت ایسی ہے جسپر مین سب سے زیادہ غور کرنا پسند کرتا ہون"

بعض اوقات وہ مجھ سے مذہب کے متعلق اپنے سیدھے سادے فلسفہ کا ذکر کرتے۔ وہ فرماتے کہ بعض عقلا اور فضلا نے خدا کے وجود کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہر

لیکن واحد ثبوت تجربہ ہے اندھے آدمی کے روبرو نظارون وغیرہ کا اور بہرے کے سامنے موسیقی کا ذکر کرنے سے کیا فائدہ کیونکہ انھون نے کچھ دیکھا یا سنا نہین ہے۔ اسی طرح جن لوگون نے خدا کا تجربہ کیا ہے وہ ایک حقیقت ہے جس سے انکار نہین کیا جاسکتا اعتقاد کا تعلق دماغ کے مقابلہ مین دل سے زیادہ ہے۔ تمام بنی نوع انسان کو محبت کرنی کے لیے دل دیا گیا ہے۔ صرف چند ایک کو ہوشیاری اور عقلمندی دی گئی ہے اگر خدا اور حیات ابدی کا اعتقاد صرف انسانی ہوشیاری و عقل پر ہوتا تو اس صورت مین انسانی نسل کے اکثر افراد کے لیے عقیدہ سربمہر کتاب کے مصداق ٹھہرتی لیکن خدا نے اسکا انحصار نیکی پر رکھا ہے نہ کہ عقل و ہوشیاری پر۔ یہی وجہ ہے کہ غربا ہی اکثر خدا تعالے کو بہترین طریقہ سے جاننے والون مین تھے۔ وہ ہی اسکو اچھی طرح سے سمجھتے تھے۔

دہلی مین لائبریری کے کمرہ مین اس حالت مین بیٹھے ہوئے دیکھکر کہ وہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے ہوئے ہین اور ان کی آنکھین بڑھاپے کی وجہ سے دھندلی سی پڑگئی ہین جس سے غور و فکر ٹپک رہا ہے میری چشم تخیل کے سامنے قدیم رشی کی تصویر کھینچ جاتی تھی اور زبان پر ٹینی سن کے حسب ذیل اشعار جاری ہوجاتے تھے۔

"اے میرے فرزند! تو اس بے نام ہستی کو ثابت نہین کرسکتا"

"اور نہ تو اس دنیا کو ثابت کرسکتا ہے۔ جسمین تو نقل و حرکت کر رہا ہے"

"تو یہ ثابت نہین کرسکتا کہ تو صرف جسم ہی ہے۔

"اور نہ تو یہ ثابت کرسکتا ہے کہ تو صرف روح ہی ہے۔

"اور نہ تو یہ ثابت کرسکتا ہے کہ دونون تجھ ایک مین موجود ہین۔۔۔۔۔۔

"کیونکہ کوئی بات جو ثابت کرنے کے قابل ہو ثابت نہین کی جاسکتی۔

"تو ہمیشہ شک کے روشن پہلو سے چمٹا رہ

"اس ہستی پر اعتقاد رکھ جو عقیدہ کے تمام ظاہری رسوم سے بالاتر ہے"

اپنی زندگی کے آخری ایام مین اور بلاشبہہ اپنی وفات سے کئی ماہ قبل ان جسمانی کمزوری انتہائی حد کو پہنچ چکی تھی۔ جس شخص نے لکھنے پڑھنے مین ایسی عملی، باقاعدہ اور مخنتی

زندگی بسر کی ہو اسکے لئے یہ بہت بڑا امتحان تھا کہ وہ ہر قسم کی جدوجہد کو ترک کر دے اور اپنے تیمارداروں کے اشارہ پر ادھر سے ادھر منتقل ہوتا پھرے۔ وہ پڑھ نہین سکتے تھے لکھنا تو بالکل خارج از بحث تھا اور بعض دن تو انھین بات چیت کرنے سے بھی سخت درد محسوس ہوتا تھا۔ ایسی حالت مین بھی جب مین ان سے روزانہ درگاہ بگاہ ایک سے زیادہ مرتبہ ملنے کے لئے جاتا تو وہ بہت خوش ہوتے تھے۔ وہ میری آمد کے منتظر رہتے تھے۔ اور اپنے مخصوص باقاعدہ انداز مین میرے آنے کا وقت پہلے سے مقرر کر دیتے تھے۔ پھر میرا فرض ہو جاتا تھا کہ ذرا سی دیر نہ ہونے پائے کیونکہ اس سے انھین سخت پریشانی ہوتی تھی اور وہ یہ خیال کرنے لگتے تھے کہ مجھپر کیون مصیبت نازل ہوئی ہے۔

ایک دفعہ تو انھین اپنی ذاتی جسمانی تکلیف کی طرف سے جسکا خاتمہ دیر یا سویر صرف موت کی صورت مین ممکن تھا۔ سخت پریشانی لاحق ہوگئی تھی۔ وہ ہر بات کی وجہ دریافت کرنا چاہتے تھے وہ پہلے تو فرماتے کہ میرا اس طرح سے گھل گھل کر مرنے سے کیا فائدہ جبکہ میرا کام ختم ہو چکا ہے؟" پھر خود ہی اپنے سوال کا جواب دیتے اور یون گویا ہوتے۔

"آپ جانتے ہین کہ مین اپنی طول طویل زندگی مین اب تک کس قدر کم بیمار پڑا ہون اور یہی وجہ ہے کہ خدا تعالےٰ نے آخر مین مجھے دکھ دیا تاکہ مین اس کے زیادہ قریب ہو جاؤن اور اپنے تئین سچے معنون مین اسکی رضا کے تابع کرون یہی واحد خیال ہے جو مجھے راحت پہنچاتا ہے۔ جبکہ مین رات کی لمبی گھڑیون مین بیدار پڑا رہتا ہون اور بالکل سو نہین سکتا اور پھر اسکے بعد مجھے یہ خیال آتا ہے کہ دنیا مین کس قدر دکھ ہے اور یہ نہ صرف بوڑھے آدمیون کو پہنچ رہا ہے جو اپنی زندگی کے پورے دن گذار چکے ہین اور لطف زندگی سے متمتع ہو چکے ہین اور اس لئے مرنے سے پیشتر تھوڑی سی تکلیف برداشت کر لینی چاہیئے، بلکہ خدا کی لاتعداد بے گناہ مخلوق کو پہنچ رہا ہے جو تقریباً تکلیف و مصیبت کی حالت مین اس

دنیا مین جنم لیتی ہے۔ گونگے۔ حیوان۔ غریب پرندے بیوائین۔ یتامی، بچے
جو مصیبت کی گود مین پرورش پاتے ہین۔ آخر ان سب کی تکلیف سے کیا
مطلب ہے؟ یقیناً مین کبھی اس مسئلہ پر غور نہ کرتا اور نہ ان غریب جاندارون کے ساتھ
جو خدا کی مخلوق ہین، اظہار ہمدردی نہ کرتا اگر مرنے سے پیشتر مین خود تکلیف نہ
اُٹھا لیتا۔"

اس موقع پر انھین اس مضمون سے خاص دلچسپی ہو گئی تھی اور وہ بار بار اسپر گفتگو کرتے تھے لیکن ان کے دلائل اس سے آگے نہین جاتے تھے جسے مین نے اوپر بیان کر دیا ہے ایک مرتبہ مین نے ان سے یہ سوال کرنے کی جرأت کی کہ کیا دنیا کے وسیع دکھ نے جو پاداش گناہ کے طور پر نہین بلکہ پاپ کے بغیر انسانون اور حیوانون کو بھگتنا پڑ رہا ہے۔ خدا کی عام نیکی پر ان کے اعتقاد مین کوئی کمی پیدا کر دی ہے یا نہین انھون نے فوراً جواب دیا کہ

"میرا عقیدہ اس قسم کے شکوک کی حد سے تجاوز کر گیا ہے۔ ہم سب بچے ہین۔
ننھے ننھے بچے ہین جو خدائی نیکی اور خدائی عقل کی الف ب ت کو بھی سمجھنے
سے قاصر ہین۔ یہ کافی ہے کہ ہمنے اپنے پہلے حروف تہجی کا تلفظ صحیح طریقے سے ادا کر لیا
ہے باقی سبق خدا ہمین موت کے بعد سکھا دے گا۔"

انھین موت کا ذرا سا بھی ڈر نہ تھا بلکہ برخلاف اسکے ان کی آخری خواہش یہ تھی کہ موت کسی نہ کسی طرح جلد آ جائے ان کی ذاتی پریشانی دوسرون کی خاطر تھی اور وہ ان کا ہمیشہ خیال رکھتے تھے۔ بالخصوص اپنے بیٹون کا جو موجود نہ تھے۔

وفات سے قبل جب کبھی انکی جسمانی بیچارگی حد سے بڑھ جاتی تھی تو وہ جیسا کہ ان کی عادت تھی بشاش رہنے کی بجائے افسردہ ہو جاتے تھے۔ کئی دنون کے بعد انھون نے اپنی اس افسردگی کا ایک بڑا سبب مجھپر ظاہر کیا۔ انھین اندیشہ تھا کہ کہین مسلسل بدخوابی اور پریشانی کے باعث جو کسی طرح کم ہونے مین نہ آتی تھی ان کی عقل نہ جاتی رہے۔ انھون نے مجھ سے اکثر کار فرمایا کہ

"میرا دماغ اب تک نہایت صحیح رہا ہے اور اگر مرنے سے پیشتر میں حواس بالکل کھو بیٹھا تو یقیناً بہت بڑی مصیبت ہوگی۔"

ان مواقع پر میں جو کچھ انھیں ڈھارس دینے کے لیے کہتا اسکا اثر تھوڑی دیر کے بعد زائل ہو جاتا تھا۔ خوف ابر باران کے دل پر مستولی ہو جاتا تھا۔

یہ سب کچھ از ابتدا تا انتہا توہم دماغی کا نتیجہ تھا جو بڑھاپے کے باعث پیدا ہو گیا تھا۔ اسلیے کہ ان کا دماغ حیرت انگیز طریقے سے اخیر وقت تک نہایت صحیح رہا تھا۔ سوائے کمزوری کے چند لمحات کے جبکہ وہ اپنے تخیل پر قابو پانے سے قاصر رہتے تھے وہ مجھ سے فرماتے تھے کہ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میرے بچوں میں سے ہر ایک موت کے قریب آن پہنچا ہے۔ اور پھر یقین کر لیتے کہ ان پر کوئی نہ کوئی مصیبت پڑی ہے۔ اس قسم کے تکلیف دہ خواب وہ دن میں دیکھا کرتے تھے۔ اور جب کبھی یہ توحش آمیز خیالات ان کے دل میں آتے تو وہ فوراً ان سے ملنے کی آرزو کرتے۔ مگر اس قسم کی مایوسی اور پریشانی کے لمحے صرف گاہ بگاہ ان پر طاری ہوتے تھے۔ باقی اوقات میں وہ پھر بشاش ہو جاتے اور ایسے طریقے سے مجھ سے اہم مسائل پر گفتگو کرتے جس سے مجھے بہت زیادہ استعجاب ہوتا۔ میں انکی انتہائی جسمانی کمزوری کا خیال کرتا اور مجھے ایسا معلوم ہوتا کہ ان کا کام کرنے والا دماغ ان کے کمزور و نحیف جسم میں سے اپنی روشنی کی آخری کرن ڈال رہا ہے اور اس کی کمزوری کی ذرہ برابر پروا نہیں کرتا۔

تمام ایام گرما میں وہ دن رات اپنے بچوں کے خیال میں منہمک رہتے تھے جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں۔ ان کی مصائب کا سب سے بڑا سبب ان کی جسمانی کمزوری تھی اور اسی وجہ سے وہ ان کے متعلق اپنے خیالات پر قابو نہ رکھ سکتے تھے۔ سوتے جاگتے یہ خدشات ان کا پیچھا نہیں چھوڑتے تھے۔ ان مواقع پر جو چیز سب سے زیادہ ان کی نظروں میں اہم تھیں وہ میری ملاقاتیں تھیں کیونکہ وہ مجھ سے ان کا تذکرہ کر لیتے تھے اور میں انہیں ڈھارس دیتا جس سے انھیں تھوڑی دیر کے لیے تسکین ہو جاتی۔ ان خدشات سے اس امر کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ انہیں اپنے بچوں سے کس قدر محبت تھی اور یہ کہ اپنی ذات کے متعلق انہیں

کسقدر کم فکر تھا۔ بالآخران کے صاحبزادے اپنے اپنے فرائض منصبی سے چھٹی لے سکے اور وفات سے چند ہفتے قبل ان کے پاس آ گئے۔ تو انہین بیحد تسکین ہو گئی۔ آخری ایام مین انہین اسوقت تک بھی اطمینان نہ ہوتا جب تک کہ ان مین سے کوئی ان کے پاس نہ ہوتا مین بھی ان کی بیماری کے آخری ایام مین ان کے ساتھ تھا اور اس لیے جو کچھ گذرا اسے مین معرض تحریر مین لا سکتا ہون۔ اس دنیا مین ان کی زندگی کے آخری ایام نیم بیہوشی کی حالت مین گذرے تھے۔ ایک دن شام کے وقت جب کہ مین انہین عملاً بیہوشی کی حالت مین چھوڑ کر آ گیا تھا۔ مجھے میرے ایک مسلمان شاگرد کے ذریعہ بلایا گیا جو ان کے قریب ہی رہتا تھا۔ طالب علم نے مجھ سے آکر کہا کہ منشی صاحب حالت نزع مین ہین۔ جب مین اس کمرہ مین پہنچا جہان وہ لیٹے ہوئے تھے تو مین نے انہین وہ دعائین پڑھتے ہوئے سنا جو مسلمان بالعموم مرتے وقت پڑھتے ہین۔ اسکے بعد ان پر کامل غفلت طاری ہو گئی جو ان کے انتقال تک بدستور جاری رہی۔

اُن کے آخری الفاظ جو ہوش مین ادا کئے گئے تھے۔ دعائین تھین اور انسانی محبت کا ایک لفظ "بیٹا۔ بیٹا" تھا۔ یہ وہ آخری لفظ ہے جو مین نے انکی زبان سے سنا۔

(ترجمہ) ضیاءالدین احمد برنی

گرہ چکتسا یعنی حصہ اوّل

ادب الکاتب

مندرجۂ بالا عنوان زمانہ بابت جنوری ۱۹۲۶ء مین جناب حیدر یار جنگ مولانا الطباطبائی کا ایک مضمون شائع ہوا ہے جسمین مولانا نے کالجون کے تعلیم یافتہ حضرات کی اردو پر لعن وطعن کی ہے۔ اردو غریب کی جان عجب کشمکش ہے۔ ایک طرف تو ایک گروہ بدقسمتی سے ایسا پیدا ہوگیا ہے جو باوجود عربی اور فارسی سے نابلد ہونے کے ثقیل سے ثقیل تر عربی اور فارسی الفاظ کی غلط در غلط ترکیبون سے اُردو کی جان پر ستم توڑ رہا ہے اور اپنا کمال اسی مین سمجھتا ہے کہ جہان تک ہوسکے جدید طرز تحریر اختیار کرے اور اگر بس چلے تو ایک بھی ایسا لفظ استعمال نہ کرے جو اس سے پہلے کسی نے استعمال کیا ہو، دوسری طرف وہ لوگ ہین جو بے انتہا قدامت پسند ہین اور یہ چاہتے ہین کہ جو الفاظ اور محاورے اُردو مین اب سے سو برس پہلے استعمال ہوتے تھے۔ بالکل وہی الفاظ اور محاورے بالکل اسی طرح اب بھی استعمال ہون اور اگر کسی نے ایک سر مو اس سے تجاوز کیا تو وہ قابل دار ہے اور ان کے نزدیک اُردو نہین جانتا اس افراط وتفریط کا نتیجہ یہ ہوا کہ اردو کی خدمت گذار کبھی کے ساتھ اپنی عزیز زبان کی ترقی اور بہبود کے لیے کوشش نہین کرسکتے اور جسکا جس طرف کو منھ اُٹھا سیدھا ہو لیتا ہے۔

مگر خدا کا احسان ہے کہ کالجون کے تعلیم یافتہ حضرات عموماً اس کشمکش سے علیحدہ ہین، اور خاموشی اور استقلال کے ساتھ اپنی مادری زبان کی خدمت کر رہے ہین۔ اور سچ یہ ہے کہ انھین لوگون نے اُردو کو دنیا کی ترقی یافتہ علمی زبانون کے پہلو بہ پہلو جگہ دے دی ہے۔

مولانا طباطبائی صاحب اُن حضرات مین سے ہین جو اُردو مین نئے الفاظ اور محاورات کے داخل ہونے کو اچھی نظر سے نہین دیکھتے، معلوم ہوتا ہے کہ اردو الفاظ اور محاورات کے متعلق مولانا ابھی تک لکھنؤ اور دلّی کے پھیر مین ہین اور خبر نہین کہ اب زمانہ بدل گیا اور اب اردو چار دانگ ہند مین پھیل گئی ہے۔ میری رائے مین تو اب اسوقت لاہور اردو کا سب سے بڑا مرکز ہے اور دلی اور لکھنؤ کو اسکا اتباع کرنا چاہیئے۔ مین جانتا ہون کہ میری اس رائے پر مولانا چونکین گے۔ مگر اسمین کسی کا کیا بس ہے۔ زبان کسی کی جاگیر نہین جو کرے گا سو پائے گا۔ لکھنؤ اور دلی خواب غفلت مین سو رہے ہین۔ پنجابی میدان عمل مین گامزن ہین۔

مولانا طباطبائی صاحب نے اپنے اس مضمون مین کالجون کے تعلیم یافتہ حضرات کی تحریرون سے چند الفاظ اور ترکیبین منتخب کی ہین جنہین وہ غلط قرار دیتے ہین اور فرماتے ہین کہ ان سے اردو کو ضرر پہنچ رہا ہے،

مولانا کہتے ہین کہ مثلاً محمود، احمد، اور خالد آئے اول الذکر نے یہ کیا ثانی الذکر نے یہ اور آخر الذکر نے یہ اول الذکر اور آخر الذکر بالکل غلط ترکیبین ہین۔ کیا یہ کافی نہین کہ زید اور عمرو آئے۔ اس نے یہ کیا۔ اُس نے وہ۔ یا زید نے یہ کام کیا عمرو نے وہ"

اس اور اُس سے مفہوم اس طرح اور اضح نہین ہوتا جس طرح اول الذکر اور آخر الذکر سے ہوتا ہے۔ اور پھر اس اور اُسکے استعمال مین مولانا "ثانی الذکر" کو بھول گئے۔ اسکے لیے آپ کیا کہین گے۔ دوسرے اس اور اُس سے الجھن پیدا ہونا بھی ممکن ہے میری سمجھ مین نہین آیا کہ مولانا اول الذکر اور آخر الذکر کو کیون غلط قرار دیتے ہین۔ محض آپ کے یہ فرما دینے سے کہ یہ ترکیبین غلط ہین وہ غلط نہ ہوجائینگی۔ دونون ترکیبین بالکل صحیح ہین اور میرے نزدیک جس طرح یہ مطلب کو واضح کر دیتی ہین ان کی جگہ اور کوئی لفظ یا ترکیب کام نہ دے سکے گی۔

دوسری مثال مولانا نے یہ دی ہے "دو اشخاص دو امور اور دو کتب"

یہ ترکیبیں خدا جانے مولانا ممدوح نے کس تحریر سے لی ہیں ممکن ہے اسکا مصنف کوئی نو آموز اور بے خبر شخص ہو۔ کوئی تعلیم یافتہ آدمی اسطرح نہیں لکھتا

"جان توڑ" "ان تھک" پر بھی مولانا کو اعتراض ہے۔ یہ دونون ٹکسالی اُردو کے لفظ ہیں اور اُردو کے مستند مصنفون نے انہیں استعمال کیا ہے۔ فارسی کی خوبندی کے انکان لفظون مین "جاری" نہیں ہے بلکہ اُردو مین صدہا لفظ اس قسم کے مستعمل ہین اور مرد ہبیٹ اردو ہین لاحظہ فرمائیے۔ ان بن۔ ان گھڑ۔ ان مل۔ ان مول۔ ان ہونی۔ ان گنت ان پڑھ۔ نچلا۔ نچنت۔ نڈھال۔ نڈر۔ نکھٹو۔ نکما۔ نگوڑا۔ نرا سا۔ نرمل۔ جان توڑ۔ جان لیوا وغیرہ شاید مولانا سب کو اُردو سے خارج کردینے کی رائے دینگے۔

ناقابل برداشت کو بھی مولانا غلط قرار دیتے ہین۔ پھر خدا جانے ناکردہ گناہ۔ ناآزمودہ کار۔ ناپیدا کنار۔ ناکردہ کار۔ نادیدہ گرد، اور ناشکر گزار کی نسبت مولانا کی کیا رائے ہے۔ کیا ان سب کو بھی اُردو کے دائرہ سے خارج کردیا جائے۔

"مادری زبان" پر بھی مولانا کو اعتراض ہے۔ فرماتے ہین کہ "مدر ٹنگ" مین لفظ "مدر" اور ہی معنی رکھتا ہے۔ اور یہ نہین بتاتے کہ کیا معنی رکھتا ہے۔ مولانائے محترم! مادری زبان کا اُردو مین بالکل وہی مفہوم ہے جو انگریزی مین "مدر ٹنگ" کا ہے خدا جانے آپ کو اس ترکیب کے متعلق کیا غلط فہمی پیدا ہوگئی۔ مادری زبان پر آپکو ایک اعتراض یہ ہے آخر باپ دادا کی تمام بزرگون کی تمام خاندان کی وہی زبان ہے۔ پھر مادری کہنا کیا معنی۔ یہ اعتراض تو مدر ٹنگ پر بھی ہو سکتا ہے اور اسکا جواب بھی آسانی سے دیا جا سکتا ہے۔ یعنی وہ زبان جو مان کے ورثہ مین ملی ہو۔ یا جو مان کی زبان ہو۔ مادری زبان ہے۔ بچہ کو جو مان سے تعلق ہوتا ہے وہ اور کسی عزیز سے نہین ہوتا۔ بسر اوقات پر بھی آپکو اعتراض ہے مگر صرف یہی فرمایا ہے کہ یہ لفظ غلط ہے۔ اگر کچھ تصریح ہوتی تو جواب دیا جاتا۔

آگے چلکر مولانا فرماتے ہین، "احمد نے محمود کے خلاف جنگ کی، ہرگز یہ اُردو نہین" آخر کیون؟ مین نے مانا کہ اس مفہوم کو اور طرح بھی ادا کر سکتے ہین۔ احمد نے محمود سے

لڑا برسرپیکار ہوا - نبرد آزما ہوا مگر " محمود کے خلاف جنگ کی " مین بھی کوئی خامی نہین ہے اسی طرح " اُسنے نفی مین جواب دیا " کو بھی مولانا غلط قرار دیتے ہین - " اثبات " اور " نفی " دونون لفظ نہایت جامعیت کے ساتھ اپنا مفہوم ادا کرتے ہین اور اس قدر اختصار اور خوبی کے ساتھ کوئی لفظ یہ مفہوم ادا نہین کر سکتا -

یہ دونون لفظ انہین الفاظ اور محاورون مین سے ہین جو انگریزی سے ترجمہ ہوکر اُردو مین داخل ہو گئے ہین اور کثرت استعمال سے اب بالکل اُردو بن گئے ہین اُردو حقیقت مین مجموعہ ہے مختلف زبانون کے الفاظ اور محاورات کا - ہر زبان کے الفاظ اس مین کھپ جاتے ہین اور اس طرح کھپ جاتے ہین کہ ذرا اجنبی نہین معلوم ہوتے اور یہ بات دنیا کی اور کسی زبان مین نہین ہے - اس امر کی ضرورت تھی کہ انگریزی کے اچھے محاورے اور الفاظ استعارات اور تشبیہات اُردو مین ترجمہ ہون - چنانچہ رفتہ رفتہ یہ ضرورت پوری ہو رہی ہے - اور زبان کا دائرہ روز بروز وسیع ہوتا جاتا ہے -

" اُس حال پر روشنی ڈالی " بھی مولانا کو بُرا معلوم ہوتا ہے - فرماتے ہین روشن کر دیا کہنا چاہیئے اور یہ نہین سمجھتے کہ روشن کر دیا مین وہ مفہوم نہین ہے - جو روشنی ڈالی مین ہے -

اس بات کو زور سے کہا " اور " اس بات پر زور دیا " مین فرق ہے دوسرا فقرہ جسکو مولانا صحیح قرار دیتے ہین - انگریزی محاورے کا ترجمہ ہے " عملی دلچسپی لی " اور " سرگرمی " یا " مستعدی کی " سے بھی مطلق ایک مفہوم ادا نہین ہوتا " عملی دلچسپی لینا بہت اچھا جملہ ہے - اور اُردو مین برقرار رہنا چاہیئے - اور رہے گا - اسی طرح عملی جامہ پہنایا " بھی بہت اچھا استعارہ ہے -

ملکی پیچینی " مالی امداد " جنگ مین حصہ لیا " کافی بدنام ہوا " یہ سب اُردو مین اور ان کے استعمال سے زبان مین اضافہ ہوا ہے -

" حیات و موت کا سوال " اسکی جگہ مولانا جان جوکھون کا معاملہ ان دونون

مین فرق ہے اور اگر مولانا اجازت دین تو مین عرض کرون کہ "کافی فرق ہے۔"
دوران ملاقات کی نسبت ارشاد ہوتا ہے کہ یہ لفظ (دوران) اپنے محل سے سرکا ہوا ہے حالانکہ یہ لفظ یہان بالکل اسی طرح استعمال ہوا ہے جیسے "دوران گفتگو مین" "مستقبل تاریک ہے" اور "نہ جانے کیا ہوگا" کا محل استعمال بھی الگ نہین ہے جیساکہ مولانا نے سمجھ لیا ہے۔ "مستقبل تاریک ہے" یہ استعارہ اسقدر پاکیزہ ہے کہ جس شخص نے اُسے اُردو مین رائج کیا ہے اُسے بے اختیار داد دینے کو جی چاہتا ہے۔
نئی علمی اصطلاحات کے متعلق بھی مولانا نے دبی زبان سے کچھ خفگی کا اظہار کیا ہے۔
کاش مولانا یہ سمجھ سکتے کہ انگریزی الفاظ اور محاورات کا ترجمہ اُردو کو مالامال کر رہا ہے اور کالجون کے تعلیم یافتہ نوجوان ہی اب اُردو کے سچے ہمدرد اور بہی خواہ ہین خدا ان کی ہمتین بلند کرے اور ان کے ارادون مین ثبات و قیام عطا فرمائے۔
کیا اچھا ہوتا کہ بجائے "کالجون کے تعلیم یافتہ حضرات پر لعن وطعن کرنے کے مولانا ان لوگون کو روکنے کی کوشش کرتے جو حقیقت مین اُردو کو خراب کر رہے ہین یہ لوگ کالجون کے تعلیم یافتہ نہین ہین بلکہ عربی دانی اور فارسی دانی کے دعویدار ہین۔ اور اپنی تحریرون مین جو اکثر اخلاق سوز ہوتی ہین۔ عربی اور فارسی کے نہایت غیر مانوس الفاظ اور ان الفاظ کی غلط اور بے معنی ترکیبون کی بھرمار کر رہے ہین۔ انھون نے یہ بانگِ دہل اعلان کیا ہے کہ ہم اُردو کو بے شرمی اور بے حیائی سے بھر دینگے۔ یہ لوگ نہ عربی جانتے ہین نہ فارسی اور نہ اُردو نہ صرف و نحو سے واقف ہین اور نہ علم قوافی و عروض سے اسلیے ان کی تحریرین بےمعنی اور غلط الفاظ کا مجموعہ ہوتی ہین۔ عبارتین کی عبارتین ایسی لکھ جاتے ہین جنسے مطلق کوئی مفہوم پیدا نہین ہوتا شاعرون کی تحسین ناشناس نے انہین مغالطے مین ڈالدیا ہے، یہ اُردو کو دن دھاڑے برباد کر رہے ہین اور کوئی پوچھنے والا نہین۔ اس قسم کے دشمنون سے غریب اُردو کو بچانے کی ضرورت ہے اگر مولانا کو اردو کے ساتھ سچی محبت ہے تو مجھے اُمید ہے کہ میری یہ عرض بہرے کانون کی نامعلوم گہرائیون مین غرق نہ ہوجائے گی۔

حامد اللہ افسر (میرٹھی)

پژمردہ کلیان

وہ اپنے چھتے پر کھڑی محو نظارہ تھی اور مین اپنی کھڑکی سے اُسے دیکھ رہا تھا۔ ہمارے درمیان صرف ایک دو گز چوڑی گلی تھی اور دونون کوٹھون کے نیچے دوکاندارون اور آنے جانے والون کا مجمع گو اسکے کوٹھے کے سامنے چلمن پڑی تھی لیکن وہ اسکے بوٹے سے قد چھریرے بدن اور آفتابی چہرے کو مجھ سے نہ چھپا سکی۔ اس نازک اندام کے جسم پر فالسی ساری چست ہلکا گلابی شلوکہ اور پیرون مین سیاہ بوٹ تھا اور اس پیکر رعنائی مین ایک عجیب خداداد جذب تھا جو میرے جیسے خشک آدمی کو اپنی طرف کھینچ رہا تھا۔

دفعتاً اُس نے میری جانب مڑکر دیکھا اُسکے نیکھڑیون سے ہونٹ کھلے۔ ایک ہلکی سی آواز اوئی کی سنائی دی اُس نے جھجھک کر اپنے دونون ہاتھون سے اپنا چہرہ چھپا لیا اور گھبرا کر وہین بیٹھ گئی۔ اسکا جسم غصے خوف اور شرم سے کانپنے لگا مین نے غیرت سے منھ پھیر لیا اور جب پلٹ کر دیکھا تو وہ وہان موجود نہ تھی!

جذب متقاضی تھا کہ مین وہین کھڑا رہون۔ حمیت کا اصرار تھا کہ یہان سے کھسک چلو۔ جنگ سخت تھی لیکن غیرت و شرافت کی جیت رہی اور مین اپنے کمرے مین چلا آیا تھوڑی دیر ادھر اودھر ٹہلتا رہا، بالآخر علم النفس کی کتاب کھولی، تخئیل و حیات کا باب کھلا۔ دو چار سطرین پڑھی ہونگی کہ جذبات کا بیان نکالا اور غور سے پڑھنے لگا۔

محبت کے وجوہ اور اسکے اسباب پر نظر کی فلاسفرون کی بحثین دیکھین اس جملے کو بار بار پڑھکر سوچنے لگا "ہر شخص اپنی معشوقہ کی ایک ذہنی تصویر اپنے دماغ مین رکھتا ہے اور جب اس سے ملتا جلتا ہوا چہرہ دکھائی دیتا ہے تو وہ فطرتاً پہلی ہی نظر مین اسکی طرف کھنچ جاتا ہے۔" مین نے

دل سے پوچھا" کیا میری معشوقہ سنہرے چہرے کی غزالی آنکھون والی ہے ؟"
دل بولا" مجھے اسوقت فلسفہ یاد نہین !"

مین نے علم النفس کی کتاب پھینکی اور یونان کی تاریخ اُٹھائی پہلے ہی" اینٹیونی" اور کلوپٹرا، کے قصے پر نظر پڑی اور مین نے دیکھا کہ جس نیل کے سانپ نے جولیس سیزر سے فاتح کو ڈسکر بیہوش بنا دیا تھا، وہ بعد مین اینٹیونی کے گلے کا ہار ہوا۔ میرے جذبات سے مملو دلپر چوٹ سی لگی، اور مین نے کتاب دور پھینکدی۔ اور "ملٹن کی پیریڈائز لوسٹ" اُٹھائی اب جو دیکھتا ہون تو ساری انسانی کمزوریون کے ذمہ دار حضرت آدم حوا ایک دوسرے کی محبت مین سرشار گلے مین باہین ڈالے گیہون کے درخت کی طرف جارہے ہین! مین نے اسے بھی غصہ سے بند کرکے میز پر رکھدیا۔

چونکہ میری الجھن بڑھتی جاتی تھی اس کے رفع کرنے کے لیے مین نے قلم دوات وکاغذ اپنی طرف کھینچا اور اپنے دوست محمود صاحب کو خط لکھنے لگا ابھی پانچ سطرین بھی نہ لکھی ہونگی کہ بجائے اسکے کہ یہ لکھون کہ "علامہ" اقبال کا "پیام مشرق" بھیجدینا۔ "فالسی ساری گلابی شلوکہ" لکھ گیا۔ مین نے گھبراکر خط کو دیکھا۔ پھر اپنے ہاتھون کو اور پھر اس حصے کو جہان مین تھوڑی دیر پہلے محو تماشا تھا، اور ایک ٹھنڈی سانس لیکر خط چاک کرکے پھینک دیا۔"

کرسی سے اُٹھا اور ایک عجیب طرح کی گھبراہٹ سے کمرے مین ٹہلنے لگا۔ پانچ منٹ اس حالت مین نہ گزرے تھے کہ میرے پیرون نے پھر مجھے اسی گوشے مین لاکر کھڑا کردیا جہان سے وہ چلمن نظر آتی تھی مین کھڑا کھڑا چلمن کی تیلیان گننے لگا بارہا کوشش کی لیکن دس بارہ سے آگے نہ بڑھ سکا۔ جب دو چار گن لیتا میری قوت تخیل چلمن کے پیچھے ایک بوٹا سا قد فالسی ساری اور گلابی شلوکہ پہنے لاکر کھڑا کردیتی اور مین تیلیون کی تعداد بھول جاتا پھر شروع کرتا اور پھر ایک سنہرے چہرے پر سامنے کے دو چار لمبے پتلے سیاہ چمکدار بال ہوا مین اُڑتے اور کانون کے دونون گوشوارے آہستہ آہستہ گالون کی طرف بڑھتے اور جھکتے دکھائی دیتے اور مجھے دس کے بعد گیارہ نہ یاد آتا اور مین پھر انگلیون پر گننا شروع کرتا۔

تھوڑی دیر اسی حماقت مین گذری تھی کہ دفعتًا غیرت و شرم کے ایک چھینٹے نے مجھے

چونکا دیا. کمرے مین لوٹکر مین نے لنگی باندھی اور کپڑے اُتار کر نل کے نیچے بیٹھ گیا. سر پر پانی جیسے جیسے پڑجاتا تھا میرے حواس بجا ہوتے جاتے تھے گویا پانی میرے احساسات، توہمات اور جذبات سب کو دھو کا دیا! تھوڑی دیر مین مجھے اتنا ہوش آیا کہ مین نے ملازم کو آواز دی اور اُس سے تولیہ اور دوسری لنگی مانگی اور کپڑے نکالنے کو کہا کپڑے پہنکر مین نے نماز پڑھی اور امین آباد کیطرف تفریح کے لیے روانہ ہو گیا۔

امین آباد سے واپسی پر مین نے دوسرے دن کے سبق کی تیاری کے لیے پڑھنا شروع کیا لیکن کتابون مین کسیطرح بھی نہ لگا ہر دس منٹ کے بعد کھڑکی کا طواف کر آتا لیکن جب امید بر نہ آئی تو ناکامی نے غیرت کو پھر اُبھارا اور مین دل پر جبر کر کے پلنگ پر پڑ رہا۔ دوسرے دن سہ پہر تک میری یہی حالت رہی لیکن پانچ بجتے ہی میری جھجھک دفعتاً رفع ہو گئی اور مین پھر اپنی کھڑکی پر کھڑا تھا!

سامنے کی چلمن قدرے دونون جانب سے ہٹی ہوئی تھی اور دو پریوشین اپنے چاند سے چہرے نکالے نیچے کیطرف جھانک رہی تھین۔ بیچ مین وہی فالسی ساری والی ہلکی گلابی ساری زیب بدن کئے کھڑی ہنس ہنس کر دونون کو منع کر رہی تھی کہ "ارے کوئی دیکھ لیگا!" کہ اتنے مین نظر اوپر اٹھی اور میرے چہرہ پر پڑی اور اُس نے جلدی سے آنچل کو کھونگھٹ نما چہرے پر ڈال لیا۔ مین آڑ مین چلا آیا۔ اب دونون سہیلیون کو کھینچکر بولی "اے تو جو کوئی ایسا ہو جائے! وہ ذرا سامنے تو دیکھو!"

داہنے جانب والی سہیلی منہ بنا کر بولی، اے ہٹو بہن کوئی موا ہو گا۔ وہ اپنی آنکھین خود پھوڑتا ہے۔ ہمین کیا؟" اور پھر نیچے سڑک کی جانب دیکھنے لگین۔

مین یہ جملہ سنکر خواہ مخواہ مسکرایا اور مین نے ڈرتے ڈرتے پھر اسکی طرف دیکھا۔ وہ مجھے کنکھیون سے دیکھ رہی تھی لیکن آنکھون کا ملنا تھا کہ اس نے منہ پھیر لیا اور وہ مین اپنے سہیلیون کے پیچھے سمٹ کر بیٹھ رہی چہرے کا جو حصّہ مجھے دکھائی دیتا تھا اسکی سُرخی غصّہ کا پتہ دیتی تھی آنکھون مین شرم۔ خوف و استعجاب سب کی تھوڑی تھوڑی جھلک موجود تھی۔ مین نے

دیکھا کہ دفعتاً ایک چھوٹے سے خوبصورت رومال سے چہرہ پونچھا گیا۔ اس ادا نے میری دل پر نشتر کا کام کیا۔ اللہ میرے دیکھنے سے عرق شرم آگیا! مین نے اسلئے کھڑکی بند کر لی اور وہان سے چلا آیا۔

کمرے کے قریب آکر کھڑا ہو گیا۔ تھوڑی دیر تک سوچتا رہا کہ کیا کرون پھر چاقو اٹھایا اس میز پر کھٹکھٹایا کیا اور دل سے لڑا کیا بالآخر ایک سگریٹ جلائی اور وہین میز اوپر سر لٹکا کر بیٹھ گیا۔ جسم کی تشنجی کیفیت شاید پیر مین سمٹ آئی تھی اسلئے کہ وہ خود بخود ہلنے لگے۔ مین نے گھبرا کر سگریٹ کے پانچ سات کش پیئے لیکن دم گھٹنے لگا اسلئے سگریٹ تو مین نے جھلا کر پھینکی اور پھر سیدھا کھڑکی پر پہنچا۔ تھوڑی دیر یون ہی چپکا کھڑا رہا بالآخر نہ برداشت کر سکا اور چپکے سے کھڑکی کھولی۔ دیکھا کہ دونون حوروشین اسے بھی کھینچ رہی ہین کہ صابرہ اک ذرا تم بھی جھانک کر دیکھ لو لیکن وہ بچا بچا کر رہ جاتی ہے آخر استعجاب نے جو زنانی فطرت مین کوٹ کوٹ کر بھرا ہے اسے مجبور کر دیا کہ وہ بھی دونون کے ساتھ جھک کر نیچے کو دیکھنے لگی۔

اب تینون مہوشین وہین کمرے کے فرش پر بیٹھی ہوئی تھین اور آنچل کا نچلا حصہ انکی پیٹھ پر پڑا تھا۔ صابرہ ان کے بیچ مین بالکل اسطرح تھی جیسے ستارون کے جھرمٹ مین چاند۔ وہ اپنی دونون کہنیان چھتے کے فرش پر ٹیکے دونون ہتھیلیون پر اپنا پیارا رخسارہ رکھے نیچے دیکھ رہی تھی اسکی صراحی دار گردن کا وہ جھکاؤ اور اسکے سیاہ بالون کی وہ چمک سے اسوقت ڈوبتے ہوئے آفتاب کی زرد زرد شعاعین اور بھی چمکا رہی تھین ایک محشر خیز منظر تھا۔ میری حریص آنکھین اسکے اعضا کے تناسب اور جسمانی خوبیون کو دیکھنے لگین کہ فطرتی کشش نے اسے میری موجودگی کی خبر دی اور اسنے آنکھ اٹھا کر دیکھا۔ اور مجھے پھر سامنے پایا۔

مین نے دیکھا کہ اسکی آنکھون کا رنگ متغیر ہو گیا اور ان سے شعاعین نکلنے لگین۔ مین خوف سے کانپ کر پیچھے ہٹا تھا ہی کہ دفعتاً اسکے ہونٹون کے کونے ہلنے لگے اور چہرے پر کچھ مسکراہٹ سی ظاہر ہوئی اور اسنے پھر میری جانب دیکھا۔ آنکھون نے پوچھا "کیا تم نہ مانوگے؟ کیا مین تماشا نہ دیکھون؟" مین نے آنکھون سے لجاجت سے پوچھا۔ کیا مین چلا جاؤن؟ پھر ہونٹون پر ہلکی سی مسکراہٹ دکھلائی دی اور سہیلیون کا شانہ پکڑ کر ہلایا پھر دونون بولین "کیا ہے؟"

انگلی سے میری جانب اشارہ کیا گیا۔ دونون ایک اجنبی کو یون سامنے دیکھکر جھجکین جلمن چھوٹ گئی اور سب کی سب کھڑی ہوگئین۔

ا بئین جانب والی سہیلی دفعتاً پلٹ پڑی اور میری طرف رخ کرکے بولی "کیا نوجوان شریفون کا اب یہی دستور ہے کہ پرائی بہو بیٹیون کو گھورین؟ مین شرم سے عرق عرق ہوگیا اور میرے ہاتھ کھڑکی کے پٹ کی طرف بڑھے اور میرے قدم پیچھے ہٹے لیکن قبل اسکے کہ مین بند کرسکون داہنے والی شوخ نے مجھے جھک کر سلام کیا اور مسکرا کر بولی" لیجئے ہم لوگ جاتے ہیں اب تو آپ کے دلکی مراد پوری ہوئی!" مین نے جلدی سے کھڑکی بند کرلی —— اور سامنے والے کوٹھے سے سریلی اور پُر ترنم آوازون مین ایک ہلکے سے قہقہے کی آواز سنائی دی!

کمرے مین واپس پہنچکر بہت دیر تک اس مسئلہ پر غور کرتا رہا کہ قدرت نے ایک صورت میں جو مجموعہ ہے تھوڑے سے بال کچھ ہڈی۔ کچھ گوشت اور چند عدد ناخن کی اور جو فلسفہ مشرقین کے نزدیک محض مٹی پانی۔ ہوا اور آگ سے بنائی گئی ہے اسمین اس بلا کی دلآویزی کیونکر ودیعت کردی ہے نہ تو دائرے درست ہین۔ نہ سطح برابر ہے، نہ خطوط متوازی ہین اور نہ مستقیم اور پھر اتنی دلفریبی جتنا ہی مین انسانی اعضا۔ انکی ساخت ان کی اقلیدسی شکلون پر غور کرتا تھا اتنی ہی میری حیرت بڑھتی جاتی تھی،

مین نے تحقیق کے لیے علم التشریح کی ایک کتاب اٹھائی اور آنکھون کا بیان پڑھنا شروع کردیا مصنف نے آنکھون کے پردے انکی رگون کی باریکیان اور نزاکتین سب کے متعلق بہت ہی تحقیق کی تھی لیکن اسنے کہین نہ لکھا تھا کہ غصے مین ان سے شعلے کیون نکلتے ہین رنج مین انکی آب وتاب کہان چلی جاتی ہے، اور محبت مین انکی سیاہی اور گہرائی کیون بڑھ جاتی ہے۔ انکے اشارے دشنہ وخنجر اور انکی غلط انداز نگاہین تیر نیمکش، کیون نبھاتی ہین؟ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ محقق فلسفہ جذبات سے تو بالکل نابلد تو تھا ہی اسکے ساتھ ہی اسنے سوائے کتابون اور سوکھے مردونکے کبھی کسی جیتی جاگتی تو بہ شکن عورت سے محبت نہین کی تھی!

مین نے اسکی مدلل مگر بے نمک تحریر سے تھک کر کتاب رکھدی اور پھر ایک نئی سوچ مین

اُفتار ہوگیا۔ قابل غور یہ امر تھا کہ کیا مجھے اُس صورت سے جو چلمن کی پشت سے جلوہ نمائی کرتی ہے محبت ہے؟ مجھے اس خیال پر ہنسی آئی مین نہ تو ایسا چھچھورا تھا اور نہ اتنا بیوقوف کہ حسن کی دیوی کو بھی دو بار دیکھنے کے بعد یہ خیال کرنے لگون کہ اس سے محبت ہوگئی۔ لیکن اگر ایسا نہ تھا تو پھر بے چینی کا ہیکی تھی؟ مجھے کل سے نہ تو اپنے کھانے کا خیال تھا اور نہ اپنے پڑھنے کا دن مین کالج تو گیا تھا لیکن پروفیسرون کے لکچر کے درمیان اکثر یہ خیال ہوتا تھا جیسے کوئی فالسئی ساری پہنے مُنھ چھپائے بیٹھا ہے اور میرے ذہن سے کتاب کے معانی و مطالب سب معدوم ہو جاتے تھے میرے ساتھی ہنس ہنس کر باتین کرتے تھے اور درمیان گفتگو مین ایک سریلی پیاری آواز مین "اوئی" کا لفظ سنائی دیتا تھا اور میری آنکھون سے مسرت غائب ہو جاتی تھی۔

کالج سے آکر مین شیروانی اُتارنے لگا تو مجھے شبہہ گزرا کہ میری قمیض کا رنگ بھی فالسئی ہے شک رفع کرنے کے لیے مین نے ملازم سے پوچھا وہ گھبرا گیا اور جلدی سے شربت کا ایک گلاس برف ڈالکر لے آیا مین نے پوچھا کہ "یہ کیا بات ہے؟" وہ کہنے لگا "میان آپ ابھی دھوپ سے چلے آتے ہین اسوجہ سے ذرا اسے پی لیجیے۔ پھر آنکھون کا چکا چوند باقی رہےگی" مین نے ایک حسرت بھری مسکراہٹ سے اُسے دیکھا اور چپکا شربت پینے لگا۔ اگر شاید مین اس سے یہ کہہ دیتا کہ شربت کا رنگ بھی فالسئی ہے تو وہ ڈاکٹر کو بلا لاتا اور میری اصلاح دماغ کی فکر کیے بغیر نہ رہتا اسلیئے مین نے سکوت کیا اور دل مین اکی اور اپنی حماقت پر زہرخندہ کرتا رہا۔

اپنی حالت پر مجھکو اُردو کی ایک مثل یاد آئی "ساون کے اندھے کو ہری ہی ہری سوجھتی ہے" اور مین بہت دیر تک ہنسا کیا۔ مین نے اپنی پوری قوت ارادی سے کام لیکر ان خیالات کو اپنے دل سے نکالا اور نیند بلانے کے لیئے تارے گننے لگا۔ دفعتاً زہرہ پر نظر پڑی نام یاد آتے ہی صابرہ کی آنکھین یاد آگئین اور زہرہ کا رنگ پھیکا پڑ گیا اسکی چمک دمک اسکی خنکی اور قوت خیرگی سب جاتی رہی۔ مین نے اپنی کمزوری پر لاحول بھیجی اور کروٹ لیلی۔ مجھے اپنے پر سخت غصہ تھا بلکہ اسکے ساتھ ہی ساتھ اپنے اِس نئے رنگ سے نفرت سی ہو چلی تھی۔ مین اس خبط پر خفا ہی ہو رہا تھا کہ کھڑکی کی طرف سے ایک پُرترنم قہقہے کی آواز آئی۔ سارا فلسفہ ہوا ہو گیا۔ ساری خودداری جاتی رہی اور کھڑکی کے پاس پہنچ گیا۔

اسوقت چلمن اٹھی ہوئی تھی۔ کمرے مین قالین پر ایک سپید دستر خوان بچھا ہوا تھا اور اس پر طرح طرح کی نعمتین چنی ہوئی تھین۔ دستر خوان کے دونون پہلوؤن پر دونون سہیلیان اور بیچ مین صابرہ بیٹھی تھی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے یہ قہقہہ میرے بلانے کے لیے تھا۔ اسلئے کہ میرے آتے ہی تینون نگاہین ایک ساتھ اٹھین دو بجلیون نے مجھے دو جانب سے گھیر کر بس کر دیا اور تیسری بجلی دل برماتی ہوئی جگر کے پار ہو گئی۔"

سہ پہر والی شوخ نے ایک نیم خندہ سے دستر خوان کی طرف اشارہ کیا اور بولی۔ کھانا حاضر ہے، مین بلاتکان بول اٹھا۔ آپ کے پوچھنے کا شکریہ لیکن مین تو خون جگر کھاتا ہون وہ یہان موجود نہین!" دوسری بولی "اے نوج یہ بھی بھلا کوئی کھانیکی چیز ہے" صابرہ کے چہرے پر سرخی جھلک آئی اور اس نے کنکھیون سے مجھے دیکھا اور پھر نگاہین نیچی کرلین۔

چونکہ تینون میرے جواب کی منتظر معلوم ہوتی تھین اسلئے مین نے کہا جی اسکا مزہ کچھ کھانے والے ہی جانتے ہین نہایت ہی تلخ اور نہایت ہی شیرین!"

پہلی شوخ نے چمک کر کہا۔ جی ہم لوگون کو تو معاف رکھیے، خدا آپ ہی کو مبارک کرے!"

مین نے عرض کیا کہ میری تو دعا یہی ہے کہ آپ لوگون کو خدا اس نعمت سے محروم ہی رکھے!"

دوسری صاحبہ بول اٹھین۔ یہ آپ کی محبت ہے! جواب میرے لبون تک آچکا تھا کہ صابرہ نے میرے مخاطب کے اس زور سے چٹکی لی کہ وہ بیچینی سے اُف کہکر پلٹ پڑی اور صابرہ نے معلوم کیا چپکے سے کہا کہ تینون نے ایک قہقہہ لگایا اور میری طرف دیکھتی جاتی تھین۔ اور ہنسی بڑھتی جاتی تھی مین اپنی جھینپ مٹانے کے لیے کچھ کہنے والا تھا ہی کہ ایک ماما کی جھلک دکھائی دی اور مین اپنی کھڑکی کے سامنے سے کھسک آیا۔ تھوڑی دیر مین وہ اندر واپس چلی گئی اور مین کھڑکی پر پھر آموجود ہوا۔"

مجھے دیکھتے ہی ایک شوخ بول اٹھی۔ اجی میان ہمسائے آپ بڑے بھولے معلوم ہوتے ہین

مین نے کہا "جی ہان طالب علم ہون اسیر گدائے حسن!"

وہ بولی "جی ہان جب ہی تو آپ کسیکو نگاہون مین کھائے جاتے ہین" صابرہ نے پھر ایک چٹکی لی اور دونون کھل کھلا کر ہنسے

ہز ہائنس مہاراجہ یشونت راؤ ہلکر والی اندور

پیدائش - سنہ ۱۹۰۸ع

تخت نشینی - ۱۱ مارچ سنہ ۱۹۲۶ع

مین نے جواب دیا کہ "آپ کا فرمانا بالکل بجا ہے لیکن فرق صرف اتنا ہے کہ پیٹ نہین بھرتا۔ دل بھرا آتا ہے!"

صابرہ نے میری طرف شرماتے ہوئے دیکھا نگاہون مین ندامت و غیرت بھری تھی اور مجھ سے کہہ رہی تھین کہ "اللہ اب یہان سے چلے جاؤ۔ کیون میری رسوائی کرتے ہو!"

مین دل پر جبر کیا۔ متانت سے سر جھکایا آنکھون سے کہا "جیسا حکم!" اور کھڑکی بند کر کے چلا آیا۔

کئی ہفتہ اسیطرح کے نظارے اور مکالمے مین گذرے اور بیچینی و اضطراب مین روز بروز زیادتی ہی ہوتی گئی۔ بالآخر ایک دن صبح کو مین نے دو جوڑے کپڑے اور کچھ کتابین "بینڈ بیگ" مین رکھین اور بارہ بنکی اپنے دوست رضا علی صاحب کے یہان چلا آیا۔ لکھنؤ سے آنا محض اُنسے ملنے کی غرض سے نہ تھا اور نہ بارہ بنکی مین کوئی ضروری کام تھا یہ صرف تقاضائے شرافت تھا یا یون کہیئے کہ عقل بے بھاگی تھی۔ یا یون سمجھئے کہ حضرت دل کی نذر کا معاوضہ لینا منظور نہ تھا۔

مین رضا علی صاحب کے یہان تین روز تک مقیم رہا اور جہانتک ہوسکا مین نے دل بہلانے اور دُنیا کے بہترین رنگ کے بھولجانے کی کوشش کی۔ چوتھے روز بارہ بنکی سے پھر لوٹا۔ جب اپنے محلے کی گلی مین پہونچا تو مین نے دیکھا کہ معمول سے زیادہ ہجوم ہے اور کچھ باجون کے بجنے کی آواز آرہی ہے۔ مین نے اسوقت جلدی مین اس پر دھیان نہین دیا۔ اور ملازم کو آواز دیتا ہوا سیدھا اپنے کمرے مین پہونچا۔ نہا دھوکر جب ذرا سفر کی تکان رفع ہوئی اور مین آدمی بنا تو مجھے محسوس ہوا کہ مجھے کوئی خاص قوت کھڑکی کی جانب کھینچ رہی ہے اور مین اپنی حماقت پر افسوس کرتا۔ تاب و پیچ کھاتا لیکن بے بس کھڑکی پر آیا۔

سامنے چلمن پر آج پھولون کے ہار پڑے تھے۔ اور کمرے مین ہر طرف پھول ہی پھول دکھلائی دیتے تھے۔ گلدستے گلدانون مین بڑے بڑے ہار دیوارون پر گملون مین بیلین جوڑون مین گلابون کے پھول! غرض ہر طرف بہار ہی بہار تھی۔ میری نگاہین صابرہ کو

ڈھونڈھ رہی تھیں کہ دفعتاً ایک چمکتی سی چیز نظر پڑی۔ غور سے دیکھا تو صابرہ زرد چمکتے ہوئے کپڑے پہنے ہے اسکے ہاتھوں میں نئی طرحکے گوٹے کے کنگنے ہیں اور وہ پھولوں سے لدی سمٹی سمائی بیٹھی ہے۔

اُف! بلا کی دلربائیت تھی۔ اسکے گورے گورے رنگ پر وہ زرد چمکتا ہوا جوڑہ! اس پر اسکی شرمائی ہوئی بھولی صورت! میری آنکھیں خیرہ ہونے لگیں۔ اور میں ایسا محو نظارہ ہوا کہ یہ بھی نہ سمجھ سکا کہ اس طرحکی خوشی اور ایسے جوڑے کے کیا معنی ہو سکتے ہیں، اتفاقاً مجھے میری مہربان شوخ نے دیکھ لیا۔ نہ معلوم اس غریب کو میری صورت دیکھکر کیا یاد آیا کہ اُسنے سب اجنبی چھوکریوں کو وہاں سے مختلف بہانوں سے نکال دیا۔ اب صرف وہ اور صابرہ رہگئیں۔ تنہائی ہوتے ہی اُسنے نہایت دعوے سے پوچھا "کیوں سعید صاحب یہ آپ تین دن کہاں غائب رہے؟"

مجھے اصلی سبب بتاتے کچھ شرم آئی لیکن میں نے جھینپتے جھینپتے کہہ ڈالا کہ "اپنے خیالات سے بھاگ کر بارہ بنکی چلا گیا تھا!"

صابرہ نے مجھے ایک ایسی نگاہ سے دیکھا جس سے خجالت اور ہمدردی ظاہر ہوتی تھی لیکن ایک نئی طرحکی جھلک بھی تھی، نمعلوم وہ درد تھا یا غم .... یا .... یا محبت تھی! .....

اور چپکے سے بولی "بہن نورجہاں جانے بھی دو۔ کیوں بیچارے کو خواہ مخواہ ستاتی ہو!"

نورجہاں نے اسے ہنسکر دیکھا اور آواز سے بولی "جی ہاں۔ میں بھی یہ قابل رحم! بہن ایسے مردوں کی یہی سزا ہے!"

میں نے لجاجت سے پوچھا "آخر میں نے کیا قصور کیا ہے؟"

نورجہاں بولی "آنکھ ہوتے اندھے بنے۔ دہکتے ہوئے انگارو نہیں پھاندے۔ اب جلو!"

میں نے کہا کہ "ہائے یہ تو ازل ہی سے مقدر تھا۔ اس معاملے میں تو میں اتنا ہی قصوروار ہوں جتنا پروانہ! لیکن آپ اطمینان رکھیں میں شکایت نہیں کرونگا۔ بشمع کہ جان گدازم دوم برینم و رم بہ"

یہ میں نے کچھ ایسے درد بھرے لہجے میں کہا کہ ان کافروں کا بھی دل پسیج گیا۔ صابرہ

نے مجھے اسطرح دیکھا کہ جیسے وہ معذرت مانگ رہی ہو۔ اور نورجہان سے لب کھولے مگر کچھ کہا نہیں۔ بلکہ صابرہ کا شانہ پکڑ کر زبردستی اور باصرار کھڑکی پر لاکر کھڑا کر دیا۔ ہم دونون نے ایک دوسرے کو دیکھا اور اچھی طرح دیکھا۔ اسطرح دیکھا کہ نورجہان ہمارے چہرے دیکھکر آبدیدہ ہوگئی!

تھوڑی دیر دونون جانب عجیب طرح کا سکوت رہا اسکے بعد مین نے بات ٹالنے کیلئے پوچھا "آج یہ ماشاءاللہ چہل پہل کا ہیکی ہے اور کمرہ چمن کیون بنایا گیا ہے؟" نورجہان نے منہ پھیر لیا اور صابرہ کانپکر بیٹھ گئی۔ میرا استعجاب اور زیادہ ہوا اور مین نے پوچھا کہ "کیا مین نے کوئی بےموقع بات پوچھدی؟"

نورجہان کے ہونٹ ہلنے لگے اور چہرے پر رنج کے آثار صاف نمایان ہوگئے۔ صابرہ نے دونون ہاتھون سے منھ چھپا لیا اور اسکے شانے ہلنے لگے۔ مین گھبرا گیا اور مین نے نورجہان سے کہا "نورجہان بہن للہ کچھ بولیے۔ مجھے خلجان ہو رہا ہے"!

نورجہان کے سینے پر پڑا ہوا آنچل کا پلو اور بھی متحرک ہوا اور اس نے اسکے ایک کونے سے اپنی آنکھیں پونچھین۔ مین نے کانپکر پوچھا "کیا میرے صبر وتحمل کا امتحان منظور ہے۔؟ آخر آپ دونون صاحبونکی میرے سوال پر یہ حالت کیون ہوئی؟ نورجہان دفعتاً پلٹ پڑی اور رُک رُک کر خجالت بھری آواز مین بولی "آپکی...... صابرہ...... کی...... شادی...ہے"

مین نے یہ تو ضرور دیکھا کہ صابرہ کے شانے کو اور زیادہ حرکت ہونے لگی لیکن جو کچھ نورجہان نے کہا مین اسے مطلقاً نہ سمجھا۔ اسلیے مین نے پھر پوچھا کہ "کیا؟"

نورجہان نے مجھے گھبرا کر دیکھا۔ اسکی آنکھونسے ہمدردی اور حسرت ٹپکی پڑتی تھی۔ پھر ہاتھ بڑھا کر صابرہ کا کاندھا آہستہ سے تھپک کر بولی "انکے سہرے کے پھول کھلے ہین...... اور یہ...... پروان چڑھنے والی ہین!"

میری زبان سے نکلا "انکی...... شادی...... ہے؟" اور نورجہان کے گردن ہلا دینے پر ایک تیر کلیجے سے پار ہوگیا۔ کچھ چکر سا آیا اور مین دونون ہاتھون سے سر کپڑ کر وہین بیٹھ گیا۔ اور اندھون کی طرح اِدھر اُدھر ٹٹولتا رہا۔ ہاتھ مین کھڑکی کی چوکھٹ آگئی اور مین نے اُسے

اتنی زور سے پکڑا کہ لکڑی کی تھیلی میں چبھ گئی۔ ایک منٹ ..... یا ایک ہزار برس ..... بعد میں نے سر اُٹھا کر دیکھا کہ صابرہ اور نورجہان دونوں میری تکلیف پر حد درجہ مضطرب ہیں اور صابرہ کا چہرہ بالکل زرد ہو گیا ہے اور آنکھوں سے آنسوؤں کے تار جاری ہیں۔ مجھے اس اضطراب نے باحواس بنا دیا۔ میں دیوار کے سہارے سے اُٹھ کھڑا ہوا اور میں نے صابرہ سے پوچھا "کیا یہ سچ ہے ؟"

اس نے اپنے کپڑوں کی طرف اشارہ کر دیا..... میں نے نورجہان سے پوچھا "عقد کب ہے؟"

وہ بولی "پرسوں شب کو!"

میں بیساختہ کہہ اُٹھا "ہائے اتنی جلدی!"

پھر دونوں جانب تھوڑی دیر سکوت رہا..... دفعتاً مجھے اپنی قسمت پر غصہ آیا اور میری کمزوریاں رفع ہونے لگیں۔ میں نے کوشش کر کے مسکرا کر پوچھا "یہ خوش نصیب صاحب کون ہیں؟"

صابرہ کے چہرے پر پسینے کے ننھے ننھے قطرے جھلکنے لگے اور وہ کچھ پیچھے ہٹی۔ مجھے اسکے انداز سے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ وہاں سے چلی جانا چاہتی ہے۔ میں نے ہاتھ کے اشارے سے اُسے روکا اور نورجہان کی طرف پھر سوالیہ انداز سے دیکھا۔

وہ بولی "ایک نواب صاحب پاٹے نالے پر رہتے ہیں"

مجھ سے صبر نہو سکا بیساختہ بول اُٹھا "اور ماشاءاللہ اسی رنگ میں گرفتار ہونگے! چانڈو افیون بٹیر اور مرغ!"

نورجہان نے روکنے کے لیے مجھے غصہ سے دیکھا۔ اس نظر نے تازیانہ کا کام دیا۔ میں نے زہرخندہ کر کے کہا "آپکا غصہ بیکار ہے۔ میں سچ عرض کرتا ہوں۔ اگر جوان ہونگے تو ان شوقوں کے علاوہ اور بھی اشغال ہونگے۔ مثلاً چوک کا جانا۔ غزلیں گانا۔ ماماؤں کو گھور گھور کر ٹھنڈی سانسیں بھرنا! اور اگر عمر ڈھل چلی ہے تو پانچ چار بچے ہونگے اور اس سے زائد محل!"

نورجہان سے صبر نہو سکا بول اُٹھی "آخر ہم لوگوں کے بھی رنج کا کچھ خیال ہے یا بس دنیا میں آپ ہی کو تکلیف ہوئی؟"

میں نے کہا جی ہاں آپکو بڑا رنج ہوگا! آپ ابھی ہمجولیوں میں پہونچتے ہی ڈھول لیکر بیٹھ جائینگی گانے گائینگی، پھبتیاں کسینگی اور ڈھول دھپا کرینگی! آپ اور رنج۔ لاحول ولا.....!"

نورجہان نے بات کاٹ کر کہا "ارے مین اپنے کو نہین کہتی۔ صابرہ پر تو رحم کرو!" مین نے جواب دیا "جی... وہ قابل رحم ہین ۔ کل شادی ہوگی، پرسون رنگ رلیان منائینگی (صابرہ کی آنکھین غصہ سے سرخ ہوگیئن اور اسنے اپنے چہرہ سے ہاتھ ہٹالیے) ایک سوکھے مولوی طالبعلم کے رنج سے ۔ اسکی آرزؤن کے خون ہونے اور اسکی زندگی کے ملیامیٹ ہونے سے انھین کیا مطلب! یہ ہونگی اور پھولونکی سیج! مخملی گیھے اور نواب صاحب کا پہلو!" میرا غصہ بڑھتا ہی جاتا تھا۔ مجھے صابرہ کے اُترتے ہوئے چہرہ پر بھی رحم نہیں آیا۔ مجھے جا بیجا الفاظ کے استعمال مین تفریق کا بالکل خیال نہ تھا میرے مُنھ میں جو کچھ آتا تھا بکے چلا جاتا تھا۔ نمعلوم ابھی اور کیا کچھ کہتا کہ نورجہان نے صابرہ سے کہا "آؤ بہن چلو۔ یہ اسوقت اپنے حواس مین نہین، نہ جانے کیا کیا بک رہے ہین!" مین نے بھی کہا "جی ہاں یہی بہتر ہے۔ خدا حافظ!" اور کھڑکی بند کر کے اپنے پلنگ پر آ کر پڑرہا۔

گو رات بھر بےچینی اور تکلیف سے نیند نہین آئی لیکن صبح تک غصہ رفع ہوگیا اور مجھے اپنی بیجا جھلاہٹ پر بیحد ندامت تھی۔ عقل نے صابرہ کی بےبسی دکھلا کر ہندوستانی شرافت کے معنے ریت ورسم کی پابندی بتلا کر بہت کچھ تسکین دی اور سچ پوچھو تو عزت و شرافت نے بڑا ساتھ دیا، ورنہ دل نے مجھے کہیں کا نہ رکھا ہوتا۔ جذبات کا طوفان حسرتون اور نااُمیدیون کا سیلاب حمیت کے مستحکم قلعہ کو جنبش نہ دیسکا۔ اسلیے کہ اسکا قول تھا کہ عشق ناکام عشق کامل ہے۔ وصل عارضی ہے لطف دم بھر کا ہے عیش و عشرت فانی ہے۔ ہان اگر کسی چیز کو بقا ہے تو وہ درد ہے۔ ملیس ہو یا ہوک یہ بوالہوسی کی علامتیں ہیں اور چشم زدن کی باتین لیکن درد۔ دل کا درد یہ زندگی کے ساتھ ہے بلکہ انسان کو ابدی البقا بنانے والا ہے!...... صبر و تحمل مرد کے جوہر ہین، اگر اس وادی میں پیر ڈگا تو پھر اسمین مردانگی نہین! غیرت نہین! شرافت نہین!

مین نے ایک موقع پر نورجہان سے کہا تھا کہ "شمعم کہ جان گدازم و دم بر نیاورم لتقاضائے شرافت یہی تھا کہ جو کچھ کہا ہے اسے نباہو۔ جو کچھ منھ سے نکلگیا تھا اُسے کر کے دکھا دو۔ اس اصرار نے میرے کمزور دل و دماغ میں جان ڈالدی اور میں صبح کی نماز سے فارغ ہو کر یہ

سے کر کے کھڑکی کے پاس آیا کہ صابرہ سے اپنی رنجدہ باتون کی معافی مانگ لون اور اسے ایک نظر جی بھر کر دیکھ لون ۔ کھڑکی کھولی تو تنہا نورجہان جانماز پر دکھائی دی ۔ مین نے اشارہ سے اُسے قریب بُلایا اور کہا "نورجہان بہن ۔ میں نے جو کچھ رات غصہ مین اُسے کہا وہ ۔ مین اپنے حواس مین نہ تھا ۔"

وہ شوخ مسکرا کر بولی " یہ تو مشتے بعد از جنگ ہے !"

مین نے کہا " جی ہان ۔ اسیلئے تو اپنے کو موت سے زیادہ سخت سزا دے رہا ہون"

وہ بولی " ہائے رے بھولا پن ! ارے نادان مین اپنے کو نہین کہتی ۔ تم نے میرا کیا بگاڑا ہے مین تو اسکو کہہ رہی ہون جسکے دل پر رات چھریان چلین جسکے ہرے زخم پر نمک چھڑکے گئے !"

مین نے لجاجت سے کہا " اچھی بہن آتنی اور عنایت کرو کہ اُنکو ایک مرتبہ اور یہان لے آؤ ! شاید مین زخموں کے بھرنے اور اُنکے اندمال کی بھی صورت کر سکون !"

وہ شوخ سر ہلاتی اندر چلی گئی اور تھوڑی دیر بعد .... صابرہ شرماتی ہوئی آئی ..... لیکن تنہا ! .... مین ساکت کھڑا اُسے دیکھتا رہا اور وہ نظرین نیچی کیے سر جھکائے اسطرح کھڑی رہی جیسے کوئی کنیز اپنے آقا کے حکم کی منتظر ہو ...... اُف !!!

مین نے بمشکل اُچھلتے ہوئے دل پر قابو حاصل کیا اور حلق و تالو کی خشکی ہونٹ چاٹکر رفع کی اور کہا صابرہ ! مین نے رات .. تمکو معلوم کتنا دُکھ دیا ۔ مین اسوقت اسیلئے آیا ہون کہ تم .. مجھے جو سخت سے سخت سزا دیسکو ..... مین اسکا اپنے کو مستحق ثابت کر دون !"

اُسنے مجھے ایک غم آلود نگاہ سے دیکھا اور بولی " ہم اور آپ دونون مجبور ہین ۔ ہماری زندگیان دوسرے کے ہاتھون مین ..... لیکن جو کچھ رات آپنے کہا آپکو اسکا حق تھا اور مین اسکی مستحق تھی !"

اس انکسار پر میرا دم گھٹنے لگا ۔ مین نے منھ پھیر لیا اور یون کہہ چلا ۔ " صابرہ ! صابرہ !! .... ہائے کتنا پیارا نام ہے ...... ہان تو خواہ تم مانو .... لیکن مین نے رات بہت کچھ ناسزا باتین کین ...... مین تم سے نہایت عاجزی سے معافی مانگتا ہون ۔ ان باتون کو

بھول جاؤ۔ وہ ایک سودائی کی بک جھک تھی! لیکن ہائے جب سے مین نے تمکو دیکھا ہے میرے
دل مین نہ جانے کیسے کیسے خیال آئے۔ مین نے لاتعداد حسین و خوشنما خیالی محل بنائے اور تمکو
اُنمین ملکہ کیطرح بٹھایا...... دیکھو مین پھر بہک چلا..... ہان تو مین تم سے یہ کہنا چاہتا ہون
کہ..... یہ میری اور تمھاری آخری ملاقات ہے..... کل سے تم کسی اور کی..... ہو جاؤ گی
اور میرے لیے صرف بہن! ..... لیکن اسکا یقین رکھو کہ مین دُکھ مین رہون یا سُکھ مین......
تمھارے لیے ہر وقت یہی دعا کرتا رہونگا کہ تم رنج سے اتنی ہی دور رہو جتنی کہ آفتاب سے سیاہی!
خدا تمھین طرح طرح کی خوشیان دے اور تمھارے دن ہمیشہ عیش و آرام مین کٹین!"
صابرہ کی آنکھون سے موتی سے آنسو اسکے پھول سے گالون پر ڈھلک آئے۔ مین نے کہا کہ
" خدا تمھارے لیے پھر یہ دن نہ لائے کہ تمھاری آنکھو مین آنسو چھلکین!"

صابرہ نے روتے ہوئے مسکرا کر پوچھا" یہ سب تو میرے لیے ہے اور آپ!"
مین نے کہا کہ" مین؟ میری زندگی تمھاری خوشی! میرا چین تمھین سُکھ مین دیکھنا ہے! میری سب سے
بڑی تمنا یہی ہے کہ خدا کرے تم مجھے بھول جاؤ! نہ کبھی تمھین یہ میری منحوس صورت یاد آئے اور
نہ کبھی آج اور کل کی باتین!" صابرہ نے مجھے ایک ایسی نگاہ سے دیکھا کہ مین لاجواب ہو کر ساکت
ہو گیا..... پھر میرے دل مین ایک آواز پیدا ہوئی اور بیساختہ میرے مُنھ سے نکل پڑی: صابرہ
میری تمنا ہے کہ مین تمھین وہی فالسئی ساری پہنے ایک بار اور دیکھ لون..... گو یہ مقتضائے شرافت
نہین۔ لیکن شاید یہ میری آخر خواہش ہوگی!" صابرہ نے پوچھا" آخری کیون"
مین نے کہا" اسلیے کہ پھر کل سے ایسی خواہش تم سے نہین کیجا سکتی!"

صابرہ چپکی تھوڑی دیر مجھے..... پیارسے؟..... دیکھا کی اور اسکے بعد اندر چلی گئی۔ پانچ
سات منٹ بعد وہی فالسئی ساری اور گلابی شلوکہ پہنے پھر آکر کھڑی ہو گئی۔ مین بڑی دیر تک اسے
دیکھا رہا۔ اور اس تصویر کو دل پر نقش کر کے۔ کانپتے ہاتھون سے اسے سلام کر کے بولا" صابرہ!
..... جان و دل سے عزیز صابرہ! رخصت!..... ہمیشہ کے لیے رخصت..... جاؤ!......
دنیا جہان کی خوشیاں اور نعمات آلٰہی تمھین ہمیشہ گھیرے رہین!"
صابرہ مبہوت بنی۔ چشم پر آب سے ٹکٹکی باندھے مجھے دیکھا کی۔ مین اس تصویر کا خزانہ دل مین لیے

کمرے کیطرف پلٹا لیکن تھوڑی ہی دور چلا ہونگا کہ پلٹ پڑا اور صابرہ سے بولا:۔ مجھے اپنی یاد کا ایک پھول دیدو۔ مین اسے حرزِ جان بناؤنگا!"

صابرہ میری آواز سنکر چونکی اور ایک ٹھنڈی سانس لیکر اس نے بدھی اُتارنی چاہی۔ پھر کہا "نہین۔ صرف ایک مرجھایا ہوا پھول!"

اُسنے ایک مرجھایا ہوا پھول بدھی سے نکالا لیکن میری طرف کچھ عجیب طرح دیکھنے لگی اور اسکی ایک ایک پتی نوچ کر پھینکتی گئی پھر اُس نے ایک مرجھائی کلی نکالی اور ایک کاغذ پر کچھ لکھ کر اور کلی اُسمین لپیٹ میری جانب پھینکدی۔ مین نے کاغذ کھولا تو اسمین لکھا تھا "صابرہ کا بن کھلا غنچۂ دل"! مین نے کاغذ اور کلی دونوں کو سمیٹ کر ہاتھ میں دبالیا اور اسی ہاتھ سے اپنا پاش پاش دل تھام اور اس سے کہا "خیر! زندہ رہو!..... لیکن خدا نہ کرے تمہارا غنچۂ دل یون مرجھائے!

اچھا صابرہ خدا حافظ.....جاؤ!...... میرے سامنے یہان سے چلی جاؤ!

صابرہ نے مجھے ایک منٹ تک بغور دیکھا.....اس ایک نظر مین ماضی و حال و استقبال کے احساسات و واقعات سبکی ایک جھلک موجود تھی!..... دفعتاً اسکی آنکھون سے آنسو جاری ہوگئے اور وہ لڑکھڑاتی ہوئی مڑ مڑ کر مجھے دیکھتی ہوئی اندر چلی گئی۔!

مین نے صابرہ کی مرجھائی بن کھلی کلی کو آنکھون سے لگایا۔ ڈرتے ڈرتے پیار کیا۔ پھر دیر تک اسکی خوشبو سونگھتا رہا..... اسی حالت مین کھڑکی بندکی.... چکر سا آیا...... اور وہین فرش پر بیہوش ہوکر گر پڑا۔

صابرہ کے عقد کو آج پانچ برس ہوچکے ہین ہمارے ہان ریت و رسم کی پابندیان ابھی اسیطرح قائم ہین ہندستانی معیارِ شرافت ایک زنجیرِ پا ہے۔ اسلیئے اُس دن کے بعد سے پھر مین نے اُسے نہین دیکھا لیکن دلون کے ناسور اور زخم کی گہرائی کی کیفیت کا اسی سے اندازہ کیجئے کہ ہر سال عقد کی تاریخ پر میرے پاس کھڑکی کیطرف سے کاغذ مین لپیٹی ہوئی ایک مرجھائی بن کھلی کلی پھینکدی جاتی ہے اور مین اُسے اسکی ہمجنسون کے ساتھ صندوقچہ مین بند کرتا جاتا ہون۔ دوست احباب نے اگر دیکھ لیا اور پوچھا کہ "بھئی یہ کلیان کیسی ہین؟" تو مین اُنسے یہ کہدیتا ہون کہ یہ تابوت کے پھ

لیکن انمین سے کسیکو یہ نہین معلوم کہ یہ تابوت میری زندگی بھر کی تمناؤن اور امیدونکا ہے اور یہ پھول وہی چڑھاتا ہے جس نے ہماری معاشرت کا آلۂ کار بنکر انکا خون کیا ..... عجب نہین کہ غنچونکا یہ ڈھیر قبر مین میرے ساتھ ہو اور محشر کے دن جب یہ کلیان پھولین اور انمین بہار کی تازگی پھر آجائے تو مین انکا ہار گلے مین ڈالے سنون کی طرح جھومتا کسی کو تلاش کرتا پھرون ..... لیکن

منحصر مرنے پہ ہو جسکی اُمید
نااُمیدی اسکی دیکھا چاہیئے

علی عباس حسینی - ایم اے

ترجمہ راماین اُردو منظوم

یہ فصیح و بامحاورہ ترجمہ منشی سورج پرشاد صاحب تصور سابق ہیڈ مولوی گورنمنٹ اسکول کان پور کے ذہن رسا و طبع سلیم کے سعی مشکور کا نتیجہ ہے، آپ فطرتاً ایک صوفی منش اوصاف باطن بزرگ ہین، مزاج و خیال مین شاعرانہ لطافتین موجود ہین۔ آپکو تلسی کرت راماین کے مطالعہ سے ایک روحانی نسبت ہے کیونکہ راماین مین شاعری و فلسفہ کی علاوہ صوفیانہ خیالات کا بھی ایک عظیم الشان ذخیرہ موجود ہے۔

ذوق مطالعہ کا تقاضا صرف مطالعہ تک محدود تھا لیکن ذوق سخن سنجی نے ترجمہ منظوم پر آمادہ کردیا۔ اسی آمادگی کا نتیجہ ہے کہ آج بال کانڈ کا ترجمہ زیور طبع سے آراستہ ہوکر اُردو مین تلسی داس جی کے شاعرانہ کمالات کا اظہار کر رہا ہے۔

اس ترجمہ کی خصوصیت یہ ہے کہ اصل چوپائی اور دوہے کی تحریر ہندی ہے لیکن اسکے نیچے منظوم ترجمہ اُردو مین درج ہے۔ ترجمہ عام طور پر لفظی ہے، ہان بعض جگہ لطافت مضمون کو واضح کرنے کے لئے کوئی شعر زیادہ بھی ہے۔ نظم کا ترجمہ نظم مین مشکل ہوتا ہے اور پھر جب یہ خیال ہو کہ ترجمہ اصل کا آئینہ ہو تو مشکل اور بھی بڑھجاتی ہے بہرحال منشی صاحب موصوف کی یہ کوشش قابل صد تحسین و آفرین ہے۔ ہندو حضرات کو خصوصیت سے اس ترجمے کی ایک ایک جلد خریدنا چاہیئے تاکہ مترجم موصوف کو دوسرے حصونکی اشاعت مین آسانی ہو۔

کاغذ عمدہ کتابت و طباعت دیدہ زیب حجم ۳۱۴ صفحہ قیمت عہ

ملنے کا پتہ۔ منشی سورج پرشاد صاحب تصور دلیل پوروہ کان پور

نوحہ چکبست

(از مولانا صفی لکھنوی)

اس قدر ہمنے اُٹھائے غم احباب کے داغ
دل مین طاقت نہ رہی آہ و بکا کی افسوس

شمع بزم شعرا، برج نراین چکبست
بے وفا عمر نے تم سے نہ وفا کی افسوس

داغِ فرقت سے تمہارے ادب اُردو پر
دہر سفاک نے اِک تازہ جفا کی افسوس

شور ماتم ہے بپا حلقۂ احباب مین آج
شان اس بزم مین ہے بزم عزا کی افسوس

ہائے بیتابی دل اور وہ بے تابی دل
جب زبان بند ہوا اک نکتہ سرا کی افسوس

چارہ جویون کے دلون مین بھی یہ حسرت ہی رہی
ملی مہلت نہ دوا کی نہ دعا کی افسوس

سفر مختصر اے دوست تمہارا کیا تھا[1]
ابتدا تھی سفر ملک قضا کی افسوس

قطع کی یکہ و تنہا رہ پر خوف عدم
کشمکش ہوکے رفاقت سے عصا[2] کی افسوس

اے گل سر سبد گلشن کشمیر تجھے
راس آئی نہ ہوا وادیٔ فنا کی افسوس

موت نے خاک کے پردے مین چھپایا اسکو
ایک تصویر جو تھی ذہن و ذکا کی افسوس

موت آنے کو تو آئی سر بالین لیکن
ہاتھ ملتی رہی ۔ تا دیر کیا کی افسوس

کھل رہا تھا جو گل اس گل کو خزان نے لوٹا
نثر مین سطے نہ ہوئین نشو و نما کی افسوس

ہے سیہ پوش جماعت وکلا کی صد حیف
تیرہ تر ہے محفل شعرا کی افسوس

دل احباب شکستہ ہے کمر بھائی کی
تم نے کس عمر مین چکبست قضا کی افسوس

لکھنے بیٹھا جو صفی واقعۂ درد انگیز
تھا زبان پر قلم تلخ نوا کی افسوس

صفی

[1] جس روز مرحوم کا انتقال ہوا وہ ایک مقدمہ مین رائے بریلی گئے ہوئے تھے۔

[2] جس وقت ریل مین غش آگیا تو چھڑی آپکے ہاتھ سے گر گئی۔ اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

جذبات بیخود

(از حضرت بیخود دہلوی جانشین حضرت داغ مرحوم)

ن کا ہو کہین منظر کہین اللہ کا گھر ہو
کوئی آنکھون مین پھرتا ہو تو کوئی دل کے اندر ہو

ارنے کے عادی ہو ستم ڈھانے کے خوگر ہو
کہ تم کھنچنے مین خنجر ہو بگڑنے مین مقدر ہو

ں سے بوجھ اُٹھے یہ گوارا ہمکو کیونکر ہو
گلا کٹوا ئین اپنی جان دین احسان سر پر ہو

بسی بیخودی ہے دیکھکر تصویر دشمن کی
خبر بھی ہے تمہین بیٹھے ہوئے میرے برابر ہو

اکا حال الفت کا بیان اللہ رے حیرانی
کہا تم نے سنا مین نے کسی کا فر کو باور ہو

ا کاتبین رازِ جدائی سے نہین واقف
مری نیکی بدی لکھنے کو اک عاشق مقرر ہو

ئی ہے زندگی ساری مری زہد ریائی مین
میری تربت پہ رکھنے کو بتون کے در کا پتھر ہو

ین دنیا مین پریان قاف مین حور جنت مین
مگر تم سب سے اچھے سب سے بڑھکر سب سے بہتر ہو

ارنے داغ کھائے دل نے غم اسکا یہ مطلب ہے
کہ یارون کو کھلا دیتے ہین ہم جو کچھ میسر ہو

بازواز عشق و حسن کی تصویر کھنچتی ہے
ہمارے ہاتھ پر دل ہو تمہارا ہاتھ دلبر ہو

ے اُٹھے ہوئے ہاتھون کے صدقے تجھسے ملنا ہے
بتا دے کو سننے والے دعا مقبول کیونکر ہو

ابھی مانگتا ہون صبر آ جائے محبت مین
دعا کے بعد کہہ دیتا ہون یہ بھی صبر کیونکر ہو

ہان گردن اٹھائی آنکھ اونچی کی تمہین دیکھا
اسے جنت سے کیا مطلب جسے یہ دن میسر ہو

تری قسمت کی کوتاہی سے اکدن بڑھ گیا بیخود
ہماری تو دعا یہ تھی میسر حج کعبہ ہو

بیخود (دہلوی)

تجلّیات

سحر کو مطلع مشرق سے جب سورج نکلتا ہے
افق سے نور بے پایان کا اک چشمہ اُبلتا ہے
چمن مین سبزۂ خوابیدہ بھی کروٹ بدلتا ہے
ہر اک غنچہ چٹکنے کے لیے پیہم سنبھلتا ہے
ترے جلوون کی نیرنگی سے میرا دل مچلتا ہے

جمال شام جب رنگِ شفق بنکر نکھرتا ہے
نئے انداز سے ہر منظرِ فطرت سنورتا ہے
قمر سطح فلک پر ناز سے پھر رقص کرتا ہے
ستارہ ڈوبتا ہے کوئی تو کوئی ابھرتا ہے
مرا ذوقِ نظر کیا کیا ترا نظّارہ کرتا ہے

گھٹا اُٹھتی ہے جب مشرق سے بادل گھر کے آتے ہین
تصادم ان مین ہوتا ہے تو وہ بجلی گراتے ہین
ترے جلوون کو اپنے دامنون مین بھر کے لاتے ہین
ترے حُسن نظر افروز کا جلوہ دکھاتے ہین
ترے یہ جلوہائے ناز میرے ہوش اُڑاتے ہین

فقط روشن نہین تنہا مرے دل کا سیہ خانہ
چراغِ حسن کا تیرے ہر اہلِ دل ہے پروانہ
تری الفت نے دنیا کو بنا رکھا ہے دیوانہ
نظر مین تیرا جلوہ ہے زبان پر تیرا افسانہ
ترے انوار سے معمور ہے دنیا کا ویرانہ

محیط جزو کل ہے الغرض تیرا ہی اک جلوا
کہین ظاہر کہین مخفی، کہین پنہان کہین پیدا
یہ سب کچھ ہے مگر پھر بھی ہے تو یکتا و بی ہمتا
عیان ہے کثرت انوار مین بھی رنگ وحدت کا
ہوا ثابت دو عالم مین کوئی ثانی نہین تیرا

راز چاندپوری

شفق شام

جوشِ گُل دامن فلک پر ہے اُڑ رہی یا شراب احمر ہے
واہ! کیا دلفریب منظر ہے شفقِ شام جلوہ گستر ہے

یا اُڑاتا ہے چرخ شعبدہ کار
یا غبار زمین سے رنگِ بہار

یہ نمائش ہے لالہ زارون کی یا کہ بستی ہے شعلہ کارون کی
بزم ہے کوئی گلعذارون کی انجمن یا ہے نو بہارون کی

کسی قاتل کا ہے یہ دامن سرخ
کسی بسمل کا یا ہے مدفن سُرخ

دیدنی ہے یہ منظر رنگین دلربائی مین دلبر رنگین
شاہد شام، پیکر رنگین زیر دامانِ چادر رنگین

دشمن ہوش ہے یہ رنگینی
گو نہین رنگِ مے یہ رنگینی

قدسیون نے رچائی ہے ہولی رنگ اُڑتا ہے آئی ہے ہولی
آسمان نے منائی ہے ہولی واہ! کیا رنگ لائی ہے ہولی

یہ سن اور یہ قبائے رنگ آلود
مسخرا بن گیا ہے چرخ کبود

آتشِ گل ہو لاکھ شعلہ فگن یہ بھڑک کب دکھا سکے گلشن
نظر آتا ہے جلوۂ گلخن لمبی چوڑی ہے اک چتا روشن

صورتِ پرمنی کوئی اُس پر
شان جوہر دکھاتی ہے جل کر

کلام فراق

لیئے بیٹھے رہو تم خضر اپنے آبِ حیوان کو
وہ موجین خون دلکی ہین جو انسان کر دین انسانکو

یہ سامانِ جنون لیکر چلا ہے کوئی زندان کو
کلیجے مین گلستان کو لگا ہو نمین بیابان کو

ابھی تو کچھ کھٹک سی ہو رہی ہے چند کانٹون سے
انہین چھالو نمین اکدن جذب کر لونگا بیابان کو

اشارے ہین جنون کے زہے دیوانون سے زندانمین
حب ابھرین دلکی چوٹین یاد کر لینا گلستان کو

فریب حسن کھانا بھی نہین ہر اک کی قسمت مین
کوئی کرتا ہے یاد اتبک کسی کے عہد و پیمان کو

کسیکا پوچھتے دنیا سے اُٹھنا۔ ہان یہ ہونا تھا
کن آنکھون سے کوئی کل دیکھتا تھا شام ہجران کو

شبستان بھی یہی ہے اور یہی شمع شبستان بھی
غنیمت جانو اے ہجران نصیبو قلب سوزان کو

تو ہے جہان کا شاید مین بھی وہان رہا ہون
مدت ہوئی ہے بچھڑے کچھ بھول سا گیا ہون

کچھ ہون بھی یا نہین ہون یہ بھی خبر نہین ہے
یہ حال ہو تو ہمدم مین کیا بتاؤن کیا ہون

محشر مین مرا دامن اب چھوڑتی نہین ہین
اللہ یہ وہی ہین جن کو ترس گیا ہون

کیا رات تھی الٰہی آنکھون مین کٹ گئی جو
پچھلے پہر کی دنیا حسرت سے دیکھتا ہون

ہان اے فراق یون ہی کچھ جی مین آگئی تھی
یہ رازِ دل تھے جن کو باتون مین کہہ گیا ہون

رگھوپت سہا فراق

بزم سخن

مولانا وحید الدین صاحب سلیم پانی پتی

تماشائے جمالِ یار کا جب عزم کرتا ہوں — نہیں معلوم اپنی دھن میں کیا کیا گل کترتا ہوں
مسیحا تم کہیں اور زندہ ہو کر میں اٹھوں توبہ — یہی تو وہ ادا میری ہے میں خود جس پہ مرتا ہوں
تحائف چند ملفوف بھیجے ہیں حسن والوں کو — تمناؤں کی تصویروں میں بیجا رنگ بھرتا ہوں
مبادا دیکھ کر اُسکو مچل جائیں مرے ارمان — میں افسوں پڑھ کے دم اپنی نظر پر آپ کرتا ہوں
عجب انداز استغنا سے وہ کہتا ہے انسان سے — کبھی میں عرش پر چڑھتا کبھی دل میں اُترتا ہوں
سمجھ کر ناخدا دامن خودی کا ہوں پکڑ لیتا — کبھی گر خود فراموشی کے دریا سے اُبھرتا ہوں
تماشا دیکھنے کو اپنے حسن ہمہ آسا کا — شعاعیں بنکے جولانگاہ ہستی میں بکھرتا ہوں
خدا ہے اجب، تو ہو اپنی خودی کا کیوں یقین مجکو — میں اک سایہ ہوں اور سورج کے آگے سے گزرتا ہوں
ورق یہ صحیفۂ گل کے بکھر جائیں نہ مٹی پر — نسیم صبح جب کرتی ہے شوخی دل میں ڈرتا ہوں
حقیقت کے حرم تک گر رسائی ہو تو کیونکر ہو — طواف اپنے بت پندار کا ہر لحظہ کرتا ہوں

نہیں اس ہستی پر آرزو کو میری حسین اکرم
سنور کر میں بگڑتا ہوں بگڑ کر میں سنورتا ہوں

خواجہ عشرت لکھنوی

تاریک سب ہے گھر میں آئے قرار کیا — کرتے ہو روشنی سرِ لوحِ مزار کیا
آتی نہیں ہے باغ سے سوئے قفس کبھی — ہم سے خفا ہوئی ہے نسیمِ بہار کیا
عبرت فزا ہے بزمِ تمنا کی بھی سحر — روزِ سیاہ لائی شبِ ہجرِ یار کیا
جرم و گناہ ہیں مرے بیحد و بے حساب — دو کاتبوں سے ہو گا عمل کا شمار کیا
آغازِ عشق میں یہ ستم آسمان کے ہیں — اب دیکھئے کہ ہوتا ہے انجامِ کار کیا

سرچشمۂ حیات سمجھتے ہین ہم اسے
ٹوٹے شبِ فراق مین اشکون نے کار کیا

پہلو مین آکے بیٹھئے ہنگام نزع ہے
دنیا سے جاکے آئینگے ہم بار بار کیا

مجموعۂ حواس کا شیرازۂ دل بنا
یہ مصلحت تھی اے مرے پروردگار کیا

افسردگیٔ دل نے سب اُمیدین قطع کین
مجکو شبِ فراق مین آئے قرار کیا

خود بھی جلین گے دیکے گواہی گناہ کی
اعضا مرے کرینگے مجھے شرمسار کیا

اِک اک گھڑی زیادہ ہے اِک ایک سال سے
عشرت ہے روزِ حشر شبِ ہجرِ یار کیا

مرزا جعفر علیخان صاحب اثر لکھنوی

سہل نہین ہے دیکھنا اُس رُخ لاجواب کا
غیرتِ مہرِ نیمروز عکس ہے جب نقاب کا

عشق کی محویت بڑھی پردی ہزار پڑ گئے
مست کیا خطاب نے ہوش کسے جواب کا

حشر کا کب تک انتظار جلوہ نما ہو ایک بار
رازِ نہان ہو آشکار ٹوٹے طلسم خواب کا

ضبط کیا تو کیا ہوا رنگِ شکستہ نے کہا
قصۂ غم فراق کا حال دلِ خراب کا

ذرۂ دلِ بیقرار سے درد بھرا ہے اس قدر
برق کو ایک آہ سرد درس ہے اضطراب کا

عقل کی بحث چھوڑ دے مکتبِ دل مین لے سبق
دفترِ روزگار بھی نقطہ ہے اِس کتاب کا

راہ ثواب اور ہے مسلکِ عشق اور ہے
خوف وہان عذاب کا شوق یہان عتاب کا

قطرہ کنار بحر مین محو نمود و بود ہے
دیکھئے کیا نتیجہ ہو سرکشیٔ حباب کا

سُنتے ہین وہ صنم پرست کہتے تھے سب جسے اثر
خاکِ رہ نجف ہوا بندہ تھا بو تراب کا!

شاکی میرٹھی

جسطرح خضر پھرتے ہین صحرا کے فضا مین
میری بھی گزر جائے یونہین راہِ فنا مین

بخشے گی اثر مجکو ضرور آب لبِ تار کا
تم زہر ملا دوگے اگر میری دوا مین

کہتا ہے یہ اُٹھ اُٹھ کے مرا پنجۂ وحشت
چھوڑون گا نہ اک تار گریبان قبا مین

بے کار ہے واللہ حسینون کی شکایت
شاکی نہ سنی جائے گی درگاہِ خدا مین

جلد ۴۶ مئی ۱۹۲۶ء نمبر ۵
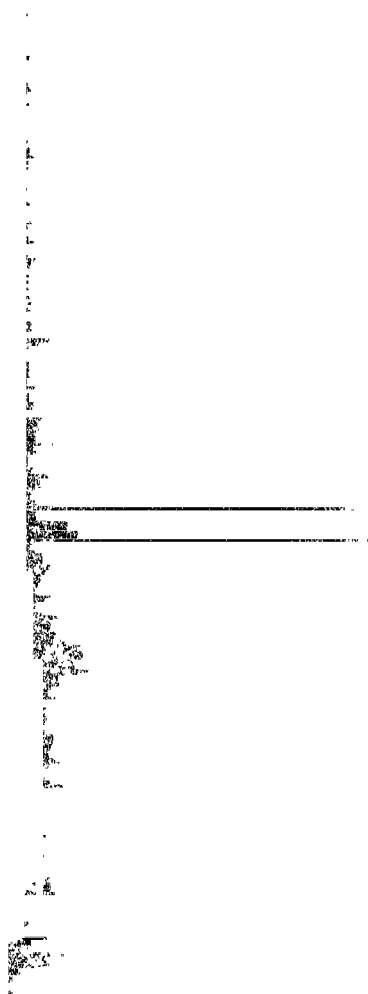
دیوان تعشق کا ایک قلمی نسخہ

(از جناب مرزا جعفر علیخاں صاحب اثر بی۔ اے لکھنوی)

میرے ایک محترم بزرگ نے دیوان تعشق کا ایک قلمی نسخہ مجھے مرحمت فرمایا ہے جو خود تعشق مرحوم کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ کاغذ نہایت خراب اور بوداہے مگر یہ نسخہ کئی لحاظ سے دلچسپ اور قابل قدر ہے۔

اسکی ترتیب ردیف وار نہین ہے جس سے یقین ہوتا ہے کہ اُسی سلسلے سے غزلین کہی گیئن جسطرح درج ہین۔

متعدد اشعار مین ردو بدل کی گئی ہے اور اکثر جگہ صاف پڑھا جاتا ہے کہ پہلے کیا کہا تھا اور پھر کیا ترمیم کی۔

متعدد اشعار قلمزد ہین۔ ان کو پڑھنے سے معلوم ہوا کہ وہ بندش یا تخیل کے لحاظ سے سُست تھے اور اس لئے خارج کیے گئے۔ اس سے تعشق مرحوم کی سلامتیٔ مذاق کا پتا چلتا ہے۔

(دیکھ آکے عجب حال ہے) اے یار کسی کا — دم توڑ رہا ہے دل بیمار کسی کا

قوسین کے اندر جو الفاظ ہیں ان کی جگہ پہلے یہ الفاظ تھے۔ "نالہ ہے سوز جو" انکو بدل دیا۔

پاتا نہیں آرام دل زار کسی کا — پیرو ہے مگر چرخ جفا کار کسی کا
میں باغ میں ہوں طالب دیدار کسی کا — گل پر ہے نظر دھیان میں رخسار کسی کا
ہوتا ہے پرائے دل مجھے ہوتا ہے یہ دھوکا — پردہ سے نمودار ہے رخسار کسی کا

پہلا مصرعہ یوں تھا۔ ع

دھوکا ہے مجھے چاند پہ ہر بار کسی کا

اسے بدل دیا

اٹھواتے ہو تم لاش مری اپنی گلی سے — ایسی نہ سزا پائے گنہگار کسی کا
تم صاحب الفت نہ کہو دوستو ہمکو — اتنا ہی تو بندہ ہے گنہگار کسی کا
گھٹ گھٹ کے رلاتا ہے مجھے عہد جوانی — ڈھلتا تھا یونہیں سایۂ دیوار کسی کا
۴ گھبراتے ہیں وہ سرخ جب آجاتی ہے آندھی — دیتا ہے ہوا زخم دل زار کسی کا
۴ کہتے ہو قیامت کی ہوا بند ہوئی ہے — دم آج رکا ہے مگر اے یار کسی کا
(قیامت بطور محاورہ استعمال ہوا ہے۔ غضب کی گھٹن ہے یا بہت حبس ہے)
۴ لب تک کبھی آنے نہ دیا حرف شکایت — دل ہے مرے پہلو میں طرفدار کسی کا
تم دامن نظارہ سے دو خلعت آخر — محتاج کفن کو ہے دل زار کسی کا
یہ بے ادبی خاک کیا دل کو جلا کر — تھا یہ محل انس، آہ مشرر بار کسی کا
۴ کہتے ہو کہ آج آنکھ پڑ گئی ہے ہماری — بتیاب بہت ہے دل بیمار کسی کا
مثل رگ گل سرخ ہوا کرتے ہیں ڈورے — آنکھوں میں کھٹکتا ہے دل زار کسی کا
شب ہوگئی تلوار کے سیدھاتے ہیں تمکو — رکھا ہے کفن صبح سے تیار کسی کا
۲ ہے ایک زبان اور حسینوں کی زبان میں — انکار ہے خالی نہیں اقرار کسی کا

بعض اشعار قلمزد نہین ہین مگر نظری کی علامت بنی ہوئی ہے جس سے خیال ہوتا ہے
کہ نظر ثانی کے وقت خارج کئے گئے تھے۔ لیکن مطبوعہ دیوان مین داخل کر دیئے
گئے۔
اکثر اشعار پر صاد بنا ہوا ہے اور اکثر خالی ہین جن پر صاد ہے وہ دراصل غزل کی جان
ہین مگر افسوس یہ التزام پورے دیوان مین نہین ہے۔
بعض جگہ صرف ایک مصرعہ درج ہے۔ زیادہ تر مصرعۂ ثانی اور خال خال مصرعۂ
اولی دوسرے مصرعہ کی جگہ خالی چھوڑ دیگئی ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ عام شاعرون
کی طرح تعشق مرحوم اسکے پابند نہین تھے کہ پہلے دوسرا مصرعہ کہا جائے اور پھر پہلا
بخلاف مطبوعہ دیوان کے جسمین سہو کاتب اور دخل درمعقولات کی افسوسناک
مثالین موجود ہین یہ قلمی نسخہ صحیح ہے۔ البتہ کہین کہین کوئی لفظ چھوٹ گیا ہے مگر بہ
آسانی دریافت ہو جاتا ہے۔
خط بہت اچھا نہین مگر صاف اور روشن ہے۔
اس نسخہ مین دو غزلین ایسی ہین جو مطبوعہ دیوان مین نہین ہین۔
مطبوعہ دیوان مین دو غزلین ایسی ہین جو اس قلمی نسخہ مین نہین ہین۔ ان کے
مطلع یہ ہین۔

اُنس ہے خانہ صیاد سے گلشن کیسا
ناز پرورد قفس ہون مین نشیمن کیسا

خلخال اُن کے پاؤن کی زرگر بنائینگے
طوق گلو ئے فتنۂ محشر بنائین گے

اکثر اشعار قلمی نسخہ مین ایسے ہین جو مطبوعہ دیوان مین نہین ہین بعض نہایت
عمدہ ہین۔
ناظرین کی دلچسپی کے لئے قلمی نسخہ سے ایک غزل نقل کیجاتی ہے۔ جو اشعار قلمزد ہین
اس لحاظ سے درج نہین کئے جاتے کہ غالبًا مصنف مرحوم کا منشا نہین تھا کہ انکی
اشاعت ہو۔ غزل کے تیرہ اشعار پر صاد بنا ہے باقی خالی ہین۔

یون گھر مین پھرو نالہ دہکیا ڈن کی پہونچے مدفن ہے مری جان پس دیوار کسی کا

نالون نے کیا سینۂ صد چاک قفس کو دل ہونہ کہین مرغ گرفتار کسی کا

(مرغ گرفتار کو دل سے اور اُس کے قفس کو سینۂ صد چاک سے تشبیہہ دی ہے نالہ وجہ شبہہ ہے۔ دوسرے مصرعہ مین تعقید ہے۔ اس کی نثر یون ہوگی۔ مرغ گرفتار کہین کسی کا دل نہو۔)

رہتی ہے شفق کی جو قبا غرق لہو مین دامن مین نہو دیدۂ خونبار کسی کا

سمجھا دل وحشی جو قیامت ہوئی برپا اُٹھا کوئی دیوانۂ رفتار کسی کا

اے باد صبا جا کے یہ کہہ صحبت گل مین دم بھرتے ہین مرغان گرفتار کسی کا

(بیت الغزل ہے)

۴ بالکل ہے سیہ زنگ سے پیراہن جوہر خنجر بھی تمہارا ہے عزادار کسی کا

۴ دیکھہ آؤ کہ بیمار تمہارا تو یہین ہے رکھا ہے جنازہ سر بازار کسی کا

شیدائے ملاحت ہے، مگر اُف نہین کرتا آخر دل زخمی ہے نمک خوار کسی کا

۴ چل بیٹھے دل بیچنے والون مین تعشق
سنتے ہین کہ گھر ہے سر بازار کسی کا

دونون غیر مطبوعہ غزلین یہ ہین جس کی ردیف "مین" ہے وہ پہلے درج ہے۔ اور جس کی ردیف "سے ہم" ہے وہ اُسکے بعد۔

(۱)

نہین ہے سرمہ کا دنبالہ چشم دلبر مین کھلی ہے فتح کی بیرق غمزہ کے لشکر مین

(بیرق ۔ جھنڈی) (یہ شعر لکھنؤ کے متوسط رنگ کا نمونہ ہے)

یقین ہے کہ ہو بخشش کا طور محشر مین تری ہے اشک ندامت کی دامن تر مین

مُوا ہون اُلفت دندان ماہ پیکر مین حباب قبر کا ڈولا ہے آب گوہر مین

(لکھنؤ کا نامطبوع رنگ)

مجھے سنبھال مین ہوتا ہون ساقیا بیہوش وہ چشم مست نظر آرہی ہے ساغر مین

دل حزیں پہ خدا جانے کیا بلا آئی عجیب درد سے روتا ہے کوئے دلبر میں

(لکھنؤ کا بہترین رنگ)

وہ چشم مست ہے ایسی خمار آلودہ بھری ہو جیسے لبالب شراب ساغر میں

(لکھنؤ کا اچھا رنگ)

گئیں نہ موسم سرما میں گرمیاں اُن کی کہ عاشقوں کے دلوں کی ہے آگ مجمر میں

(لکھنؤ کا بدترین رنگ)

صدا جو ہے مرے سینہ میں دل دھڑکنے کی تو پوچھتے ہیں کہ ماتم ہے آج کس گھر میں

(لکھنؤ کا بہترین رنگ)

بتاؤں لطف شب وصل کس طرح بھولوں کہ آج تک وہی گرمی ہے میرے بستر میں

(لکھنؤ کا بہترین رنگ)

تصور رخ جاناں میں سیر عالم کی تمام منزلیں طے کی ہیں میں نے دم بھر میں

(لکھنؤ کا بہترین رنگ)

یہ کون درد رسیدہ ہوا ہے آج شہید چمک ہے زخم جگر کی تمہارے خنجر میں

(لکھنؤ کا بہترین رنگ)

کفن دیا ہے مجھے میری بیقراری نے کہ رہ گیا تن لاغر لپٹ کے بستر میں

(لکھنؤ کا متوسط رنگ)

لحد میں جا کے نقش نہ کوئی دوست پھرا

(لکھنؤ کا قابل رشک رنگ)

عجب کی جا ہے کہ جی لگ گیا نئے گھر میں

(۲)

تھے عجب صید سبک ضعف کی تاثیر سے ہم کہ گرے چند قدم بڑھ کے تری تیر سے ہم

(لکھنؤ کا بہترین رنگ)

جا ہیں مقتل سے نہ خالی کسی تدبیر سے ہم چند خوں کے ہیں سائل تری شمشیر سے ہم

کہتے ہیں خون جگر پی کے یہ نالے ہیہم | دلمیں رکھتے ہیں گرہ زلف گرہگیر سے ہم
دل جگر اُس قدرِ انداز کو دیتے ہیں صدا | نہ ابھی کھینچ کہ پلٹے ہیں ترے تیر سے ہم
اسطرف سے نہ گزرنا کہیں اے بادِ صبا | پلٹے ہیں صورت یہ زلف گرہگیر سے ہم
ضعف میں سینہ خراشی کے ہیں خواہان قاتل | کہہ دو چاہتے ہیں ناخنِ شمشیر سے ہم
یاد آتی ہے ستمگر تری پلکون کی جھپک | غش ہوئے جاتے ہیں آواز پر تیر سے ہم

(لکھنؤ کا بے مثل رنگ)

مجھسے کہتے ہیں یہ اُنکے عرق افشاں ابرو | غسل دینگے تجھے آب دمِ شمشیر سے ہم
ہونیوالا ہے کوئی دم میں لہو پانی ایک | سرخرو ہوتے ہیں آب دمِ شمشیر سے ہم
رات کو الفتِ گیسو میں جو دم رکتا ہے | دلکو دیتے ہیں ہوا نالہ شبگیر سے ہم
کیوں جوانوں کی مٹاتا ہے جوانی ظالم | غم سے فرصت ہو تو پوچھیں فلک پیر سے ہم
آئینہ بھی نہ وہ حیرت زدگان کو سمجھا | ہوئے لائق صحبت کسی تدبیر سے ہم

(لکھنؤ کا بہترین رنگ)

دوستو ہیں نگہ ناز کے روزن دل میں | ورنہ برچھی سے ہیں زخمی نہ کسی تیر سے ہم

ہائے افسوس تعشق نہوا بھر جانا
ایسی ساعت سے چھٹے روضۂ شبیر سے ہم

ذیل میں چند اشعار بطور نمونہ ایسے درج کئے جاتے ہیں جن سے قلمی و مطبوعہ نسخوں کا فرق ظاہر ہوگا۔

قلمی	مطبوعہ
وہ تڑپنا دیکھتا ہے کسطرح بسمل ہو سرد	دیکھتا ہے وہ تڑپ کر کسطرح بسمل ہو سرد
رشتۂ نظارۂ قاتل رگِ جان ہو گیا	رشتۂ نظارۂ قاتل رگِ جان ہو گیا

مطبوعہ دیوان میں پہلا مصرعہ اس قدر اُلجھا ہوا ہے کہ شعر کا مطلب خبط ہوگیا۔ قلمی نسخہ میں پہلے مصرع کی بندش چست ہے اور بآسانی سمجھ میں آتا ہے کہ کسطرح معنی کیونکر ہے۔ اب یہ شعر نازک خیالی کی ایک عمدہ مثال ہوگیا۔

جھک گئی آخر لڑائی مین وہ شرم آگین نظر   جھک گئی آنکھین لڑانے مین وہ شرم آگین نظر

سرنگون گویا نشان فوج مژگان ہوگیا   سرنگون گویا نشان فوج مژگان ہو گیا

شرم آگین نظر کو لڑائی سے کیا کام آنکھین لڑانا محاورہ ہے اب ایک عجیب و دلکش تصویر کھینچی۔ عاشق و معشوق نے آنکھین لڑائین کہ دیکھین کسکی آنکھ پہلے جھپکتی ہے یہ ایک عام کھیل ہے پہلے تو معشوق دھوکا کھاکر آنکھین لڑانے پر راضی ہوگیا مگر قدرتی شرم و حیا نے اور عاشق مدعا تاڑ کر اُسنے نظرین نیچی کرلین۔

مطبوعہ   قلمی

چھپکے جانے کو اگر محجوب جانی سے کہون   چھپکے جاتے ہین، اگر محبوب جاتے ہین کہین

دلمین آنے کو نگاہون سے وہ پنہان ہوگیا   دلمین آنے کو نگاہون سے وہ پنہان ہوگیا

مطبوعہ دیوان مین ایک لاجواب شعر مسخ ہوکر رہ گیا تھا اب پڑھئے اور مزے لیجئے

پھرے رفتگان خاک اوڑاتے ہوئے   پئے رفتگان پھرتے ہین خاک اُڑاتے

گیا قافلہ سوئے منزل ہمارا   گیا قافلہ سوئے منزل ہمارا

رفتگان بغیر عطف یا اضافت متاخرین مین متروک ہے۔ ہوئے نہ صرف بیکار تھا بلکہ اسے محاورہ کا لطف مٹا دیا تھا۔ اب شعر کا پورا لطف اُٹھائیے۔

ہم اس چمن مین وہ بلبل تھے صاحب الفت ⎫   موسم کی جگہ لفظ رخصت ہے اور ظاہر ہے کہ

وداع تن سے ہوئی موسم بہار مین روح ⎭   اس سے شعر کسقدر بلند ہوگیا۔

نظر آتی ہین رنگین جسم کھلے ہین ایسے ⎫   دل ہے کی جگہ "گل ہین" پڑھئے۔

دل ہے لے رشک چمن عاشق زار عارض ⎭   اب شعر کا پورا حسن ظاہر ہوا۔

مندرجۂ ذیل شعر جو اپنے رنگ مین بہت اچھا ہے مطبوعہ دیوان مین نہین ہے

روے آتش ناک و خط سبز نے مارا مجھے   قبر پر رکھ دیجیو فانوس مینا رنگ شمع

دیوان کے ایک مطلع مین لفظ وضع اسطرح درج ہے کہ (ض) متحرک ٹھہر جاتا ہے۔ حالانکہ ساکن چاہیے۔ یہ شعر دراصل یون ہے۔ ؎

خوشنادل منعکس ہے جبین صورت عرش انور کی   مرے گھر سے صفا معلوم ہوتی ہے ترے گھر کی

اب یہ مطلع بلندی تخیل وخوبی بندش مین اپنا جواب نہین رکھتا۔

ایک اور غزل کے متعلق لکھکر اس مضمون کو ختم کرتا ہون

نقش مرحوم کی یہ غزل (آرزو تیری جستجو تیری) بڑے معرکہ کی ہے۔ اسی زمین مین آتش کی بھی غزل ہے جسکا یہ شعر بہت مشہور ہے۔

پڑھا ہے ہمنے بھی قرآن قسم ہے قرآن کی ——— جواب ہی نہین رکھتی ہے گفتگو تیری

نقش نے بھی یہ قافیہ کیا خوب کہا ہے بلکہ آتش کے شعر سے زیادہ موثر ہے ؎

پڑھا جو نزع مین قرآن رہی نہ جسم مین روح ——— زبان بند ہوئی سُن کے گفتگو تیری

مطبوعہ دیوان مین جو آخری شعر ہے اسکا پہلا مصرعہ غلط اور ناموزون ہے۔ قلمی نسخہ مین یہ شعر اس طرح درج ہے ؎

مری لحد کو نہین احتیاج چادر گل ——— دماغ جان مین ابھی تک بسی ہے بو تیری

مطبوعہ دیوان مین مقطع غائب ہے۔ مجھے بیحد خوشی ہوئی جب قلمی نسخہ مین مقطع بھی اس غزل کے پایہ کا ملا اُسکے علاوہ ایک اور شعر بھی اچھا ہے جو مطبوعہ نسخہ مین نہین ہے۔ مقطع اور وہ شعر یہ ہین۔

بنا دیا چمنستان غریب خانہ کو ——— رہے یہ رنگ ہمیشہ ترا یہ خو تیری

یہ کسنے وعدہ کیا ہے نقش آنے کا ——— ہر ایک وقت جو آنکھین ہین چار سو تیری

آشر (لکھنوی)

پرنس کراپٹکن کے حالات زندگی۔ یہ کتاب ہندی زبان مین پرتاب پریس کانپور سے شائع ہوئی ہے سریت پیارے موہن صاحب چترویدی نے اس مشہور و معروف روسی شہزادہ کے خود نوشتہ سوانحعمری کا ہندی ترجمہ کیا ہے۔ مترجم نے کتاب کے ختم مین ایک باب خود بھی لکھا ہے جسمین کچھ واقعات اور ایسے حالات کا ذکر ہے جنکا پرنس نے ذکر نہین کیا ہے۔ سرورق پر پرنس مذکور کی عکسی تصویر ہے۔

اس کتاب مین زمانہ حال کے روس کی حالت عام خیالات اور آزادی کی جد و جہد کا نقشہ بہت واضح طور کھینچا ہے ہندی اُردو زبان مین اس قسم کی کتابین بھی کم ہین۔ شکر ہے کہ اب ایسی کتابونکے ترجمے ہونے لگے ہین +

[illegible]

شیخ علی حزین

شیخ علی المتخلص بہ حزین بہ تاریخ بست ہفتم ربیع الآخر سنہ ۱۱۰۳ھ دارالسلطنت اصفہان نصف جہان مین پیدا ہوئے باپ کا نام شیخ ابوطالب اور دادا کا نام عبداللہ تھا ان کے خاندان کا سلسلہ شیخ زاہد جیلانی تک پہنچتا ہے۔ یہ سب صوبہ گیلان کے رہنے والے تھے۔ شیخ اور شیخ کے جملہ آباؤ اجداد شیعہ اثنا عشری تھے۔ اس زمانے مین باوجودیکہ سلطنت صفویہ ضعیف ہو چکی تھی مگر شاہان وقت کی قدرشناسی و قدرافزائی کے باعث سے اصفہان مین ہر علم و فن کے اساتذہ دس بیس نہین بلکہ ہزارون موجود تھے۔ شیخ علی حزین نے ابتدا مین ملا شاہ محمد شیرازی سے الف۔ بے کا سبق لیا جب نوشت و خواند مین مہارت حاصل ہو گئی علوم متداولہ کی تحصیل شروع کی صرف و نحو۔ منطق و فلسفہ ہیئت و ریاضی اوقات مختلف مین حاصل کرتے رہے۔ حافظے کا یہ حال تھا کہ زمانہ رضاعت کے واقعات اکثر یاد تھے چنانچہ ایک جگہ خود لکھتے ہین "چیزے از احوال ایام رضاع بیاد ماندہ" چار برس کی عمر مین پڑھنا شروع کیا۔ آٹھ سال کی عمر مین قرآن مجید ملا حسین قاری اصفہانی کی خدمت مین حاضر رہ کر حفظ کر لیا۔

جب تحصیل علوم رسمیہ سے فراغ حاصل ہوا تہذیب اخلاق اور تکمیل نفسِ ناطقہ کی فکر دامنگیر حال ہوئی۔ باپ کے حکم سے شیخ خلیل اللہ طالقانی علیہ الرحمۃ سے ارادت حاصل کرتے رہے۔ شیخ اپنی سوانحعمری مین لکھتے ہین کہ مین نے انہین کے ارشاد سے حزین تخلص اختیار کیا ہے۔ انکو ذوق شاعری فطری تھا۔ زمانۂ طالب علمی مین بھی فکر سخن کرتے رہتے تھے۔ مگر باپ اور اُستاد شاہ محمد شیرازی کے خوف سے اظہار نہ کرتے تھے۔ ایک دن

حسن اتفاق سے جب شیخ علی حزین اپنے باپ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے چند شعرا آئے اور کسی نے ملا محتشم کاشی کا یہ مطلع پڑھا۔

اے قامت بلند قدان در کمند تو رعنائی آفریدۂ قد بلند تو

حاضرین بزم نے بہت تعریف کی مگر شیخ ابوطالب نے کہا کہ اس مطلع مین وہ لطف نہین جسکو دل ڈھونڈھتا ہے علاوہ ازین قامت بلند کا کمند مین گرفتار ہونا بدنما معلوم ہوتا ہے۔ یہ کہکر اپنے فرزند سعادت مند کی طرف دیکھا اور فرمایا مین جانتا ہون کہ تم اوقات فرصت مین شعر کہتے رہتے ہو اچھا ملا محتشم کی اس غزل پر جسکا مطلع تمنے ابھی سنا غزل لکھو وہ اس حکم کے منتظر تھے فی البدیہہ یہ مطلع پڑھا۔

صید از حرم کشد خم جعد بلند تو فریاد از تطاول مشکین کمند تو

سب نے بہت پسند کیا مگر ابوطالب نے تعریف نہ کی خاموش سنتے رہے۔ اس عرصے مین انھون نے یہ دوسرا شعر پڑھا۔

شد رشک طور ز آمدنت کوئے عاشقان بنشیں کہ باد خرمن جانہا سپند تو

اس شعر پر یہ بھی وجد کرنے لگے۔ اسی طرح اس وقت آٹھ نو شعر کی غزل نظم کی اور اس حسن لیاقت کے صلے مین ایک قلمدان گران ارز اور شعرگوئی کی اجازت حاصل کی۔

بہار کا موسم تھا اور عنفوان شباب کا زمانہ یاران ہم عمر کے ہمراہ کوہ و صحرا کی سیر کو گھر سے نکلے۔ اثنائے راہ مین گھوڑا بھڑکا اور یہ اس طرح بے ترکیب گرے کہ داہنے ہاتھ کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ سال بھر تک یہ ہاتھ بیکار رہا جو لکھنا ہوتا تھا وہ بائین ہاتھ سے لکھتے تھے۔ اسی عالم مین ایک مثنوی تالیف کی جسکا افتتاح ان دو شعرون سے کیا گیا ہے۔

خدایا تو ئی آگہ راز راز دیس بہشت از تو دارند پاکان ہوس

من و مستی و کنج ویرانۂ بہ آزادیم خط پیمانہ

شیخ کا بیان ہے کہ اس مثنوی کے تمام ہوتے ہی میرا ہاتھ بخوبی کام دینے لگا اور درد بالکل جاتا رہا۔

شیخ علی حزین کو تحقیق مذاہب عالم کا بہت شوق تھا۔ شاہان صفویہ کی بے تعصبی کی وجہ سے علمائے یہود و نصاریٰ کا ایک مجمع کثیر اصفہان میں موجود تھا۔ یہ ان علمائے دین موسوی اور دانایان ملت عیسوی سے برابر ملتے رہتے تھے خلیفہ آوانوس نصرانی سے انجیل کا سبق لیا اور شعیب یہودی سے توریت تمام و کمال پڑھی پھر خود ان دونوں کتابوں کا فارسی میں ترجمہ کیا۔ ملا رستم زردشتی سے جو ہیئت و نجوم و ریاضی کا عالم تھا یزد جا کر ملے اور فن رصد بندی کو مرتبہ کمال تک پہنچایا۔

تمتع زہر گوشۂ یافتم   زہر خرمنے توشۂ یافتم

شیخ علی حزین وارستہ مزاج اور درویش مشرب تھے سیر و سیاحت کا شوق بہت تھا آپ کی زندگی میں اکثر بلاد ایران و ترکستان کی سیر کی ایک مرتبہ اصفہان سے بہ قصد حج نکلے بہزار دشواری جزیرہ کبحرین تک پہنچے مگر قلت زاد راہ سے مجبور ہو کر شیراز چلے آئے قصد تھا کہ یہیں آزادانہ زندگی بسر کر دیں مگر باپ نے یہ رباعی بھیجکر اصفہان بلا لیا۔

در دل ز فراق خنگیہا دارم   در کار ز چرخ لنگیہا دارم
با این ہمہ غم تو نیز پیمان وفا   مشکن کہ جز این شکستگیہا دارم

۱۱۲۷ھ میں جب ان کی عمر ۲۴ سال کی تھی۔ شیخ ابو طالب کے انتقال نے ایسا افسردہ کر دیا کہ کسی طرح اصفہان میں دل نہ لگا گھبرا کر کسی طرف نکلگئے۔ جب زمانہ دراز کے بعد واپس آئے دیکھا کہ شاہان صفویہ کی سلطنت کے زوال کا زمانہ آگیا اہل کمال یکے بعد دیگرے دنیا سے رخصت ہونے لگے۔ جہاں یاران بے تکلف اور دوستان یک دل و یکجہت کا مجمع رہتا تھا وہاں حسنت و سنگ کا انبار ہے۔ اس سامان وحشت انگیز نے شیخ کو ایران چھوڑنے پر مجبور کیا پہلے سورت میں قیام کیا پھر یہیں سے حج بیت اللہ کے واسطے مکہ معظمہ پہنچے۔ اتفاق تضاد قدر سے یہاں بھی نہ رہ سکے چار و ناچار بندر عباس تک آئے۔ اس عرصہ میں اصفہان تباہ ہو چکا تھا۔ امیر ویس و محمود افغان کا عہد تھا۔ شیخ کے اسباب دلچسپی سب برباد ہو چکے تھے ایران آکر کیا کرتے یہاں سے ملتان و لاہور ہوتے ہوئے دلی پہنچے۔ جب دلی میں حسب دلخواہ قدردان نہ پائے بادشتر خیہ کی طرف روانہ ہوئے

اور بنارس مین پہنچکر ۱۱۸۰ھ مین نقد جان مالک ارواح کے سپرد کیا اور وہین اپنی بنائی ہوئی قبر مین دفن ہو گئے۔ شعر

حزین از پائے رہ پیما بسے فرسودگی دیدم سر شوریدہ بر بالین آسائش رسید اینجا

امیر خسرو اور ملا جامی کی طرح حزین نے بھی اوقات مختلفہ مین چار دیوان تالیف کئے تھے۔ پہلے دیوان مین چار ہزار اشعار تھے۔ دوسرے مین دس ہزار تیسرے دیوان کے شعرون کی تعداد چار ہزار بیان کی جاتی ہے۔ چوتھا دیوان فتنہ افاغنہ کے زمانے مین زیر ترتیب تھا جو غالبًا تلف ہو گیا مگر خبر نہین کہ جو کلیات منشی نولکشور نے طبع کروایا ہے وہ انہین دواوین چہارگانہ کا مجموعہ ہے یا بعد کی تالیف ہے۔ بہر حال جو کچھ اسوقت موجود ہے اُس سے شیخ کی بلند خیالی کا ثبوت ملتا ہے۔

چونکہ کلیاتِ حزین کے ابتدا قصائد سے ہوئی ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے کسی قصیدے کے چند شعر جابجا سے یہان نقل کئے جائین پھر چند ابیات مثنوی و غزل وغیرہ کے لکھکر دم لون۔

غیر نفی غیرتِ یکتائے بے ہمتاستے نقش لا در چشم وحدت بین من إلّا ستے

یکتائے بے ہمتا خدائے واحد بے مثل و بے نظیر کہتا ہے کہ غیر کو خدائے واحد حقیقی کے سوا موجود سمجھنا غیرت الٰہی کے خلاف عملدرآمد کرنا ہے اسی وجہ سے میری آنکھ مین جس کو ایک خدا کے سوا اور کچھ نظر نہین آتا موجودات عالم اپنی جگہ معدوم محض ہوتے ہین اور سوا ایک موجودِ حقیقی کے اور کچھ دکھائی نہین دیتا

قرۃ العین اشراقیان وزمرۂ مشائیان غوطہ در حیرت زدند این چشمہ حیرت زاستے

غوص این دریا۔ وسے از خود فرو رفتن بود سر بر آری گر ز خود قطرہ نۂ دریاستے

خلاصہ مدعا یہ کہ اپنے کو سوچ کہ تو کون ہے جب یہ مطلب سمجھ مین آجائے گا پھر تو خود سمجھ لیگا کہ تو قطرہ نہین ہے بلکہ دریا ہے۔

نقشہائے بوالعجب در زیر چون پیدا شدی گر نہ نقاشِ زبردستے درین بالاستے

ہشا بالا صفِ آن عالم کہ نبود امتداد انبساط از نسبت الاسکنت روح افزاستے

عاطلے باشد کہ عقل و جان از آن آمد بپا — نے غلط گفتم کہ دائم عقل و جان آنجاستے
مولوی گفت از ازل حال اید معلوم بود — آنچہ ما داریم نہان پیش او پیداستے
چون زنا خیر فعل زشت این جا نیامد در وجود — از وجود این قالب جان را چرا پیراستے
گفت عاقل قابل جان بود قالب رجہان — نخل دور از فضل فیاض جہان آراستے

شیخ علیہ الرحمۃ کے کلام مین جو درجہ غزل کو حاصل ہوا ہے وہ اور کسی صنف سخن کو حاصل نہین ہوا۔ زبان کی گھلاوٹ بیان کی برجستگی۔ بندش کی چستی غرض یہ کہ ہر لحاظ سے ان کی غزل ہمارے خیال مین نظیری نیشاپوری اور حافظ شیرازی کے رنگ کی جامع ہے۔ قصائد و مثنوی مین وہ بات نہین ملتی جس کو دل ڈھونڈھتا ہے

گران افتاد لنگر کوہ درد سینہ فرسا را — خدا صبرے دہد دلہائے از جا رفتہ ما را
دلم را بیقراری در بغل آرام میگردد — گران لنگر کند تمکین من موج سبکپا را

از رفتن دل نیست خبر اہل وفا را — آنکس کہ ترا دید نداند سر و پا را
در کوئے تو دیگر بہ سرافرازی ما کیست — گر عشق کند خاک براہت سر ما را

از خویش میرویم سبکتر ز بوئے گل — بر طرف دامنے ننشیند غبار ما

بہر آشفتہ مغزے بر میفشان عنبرین کاکل — دماغ بو شناسان می شناسد نکہت مو را

حزین از لاف وا ردیانے من ہمسری بلبل — خدا اجر دہد ما را و انصافے دہد او را
بلا شد گوشۂ چشم ترحم بیگناہان را — نگہ تیغ سیہ تابست این مژگان سیاہ را
ندارد بت پرستی عیب دعار خود پرستیدن — خدا توفیق کیش کفر بخشد دین پناہان را
من نقش قدم در کوئے او زادیم ہم طالع — سراپا یک جبین سجدہ دام خاک نیازش را

دل گواہ است کہ در پردۂ دل آرائے ہست — ہستی قطرہ دلیلست کہ دریائے ہست

آنہ حجاب حس [illegible] بیگانگی کشد — ما و آن زمان کہ ما و توئی در میان نبود

کہتا ہے کہ مجھے وہ زمانہ یاد آتا ہے جب مین وحدت الوجود کا قائل تھا اور اپنے محبوب مین مجھے کوئی فرق نظر نہ آتا تھا۔ مگر انجام کار حسن نے بیگانگی اختیار کی یعنی وہ یقین اتحاد کا دل سے جاتا رہا جو پیشتر تھا اس شعر مین حسن سے مراد وہ ذات اقدس ہے جس تک عقل و فہم کی رسائی نہین ہوسکتی۔ حجاب۔ بیگانگی ان دونون لفظون کا مزا وجدانی ہے۔

غفلت علاج تفرقۂ روزگار بود　　مژگان اگر بخوابِ پریشان فرد غنیم

پریشان خاطرم از ہمنشینان عزلتے دارم　　خموشی صحبت خاصیت با خود خلوتے دارم

در دیدۂ دل از دل و از دیدہ جدائی　　بے جائی و چون می نگرم در ہمہ جائی
در خلد اشارات تو ہم مائی و ہم من　　در محوِ اضافات بردن از من و مائی

شیخ کی ایک مثنوی کے چند شعر جس کا نام فرہنگ نامہ ہے یہان لکھتا ہون یہ اصفہان کی تعریف مین نظم کئے گئے ہین۔ کہتا ہے۔

گرامی ترین عضو انسان دلست　　سواد جہان را سپاہان[۱] دلست
معنبر زمینش بمینو زند　　اساسش بہ افلاک پہلو زند
یکے از دل افتادگانش حرم　　ز گلخن نشینانِ کویش ارم
ز خاکش نہ خیزد غبار خطے　　کہ از سبزہ دارد بہار خطے
دران بارہ[۲] نظارہ ماند ز تک　　فرازش سماک و نشیبش سمک
حصارے بود در حصارش سپہر　　یکے ذرہ در عرصہ اش ماہ و مہر
طب خیز خاکش روان پرورد　　ہوایش مسیحا دمان پرورد
ز خاک رہش سرمۂ مردمک　　بر دیدۂ روشنستان[۳] فلک
تماشائے ہر قصرِ عالیجناب　　فگندہ کلاہ از سر آفتاب
بکنجے کہ سر ردش شود جلوہ گر　　ز بالا بلندان بپوشد نظر

---

[۱] اصفہان [۲] قلعہ [۳] کنایہ از انجم

گلشن چون بہار تماشا شود | تا شاہد صد شیوہ شیدا شود
خارش کہ چون صوفیانست مست | نشاندہ بکونین از وجد دست
ز زمزمہ ہائے لطافت سرشت | بیا غش توان یافت کام از بہشت
شکوہش شگفت سنجیدہ را | کند خیرہ چشم جہاندیدہ را

رباعیات

شاخ گل من نظر بخارے نکند | رحمے بدل سینہ فگارے نکند
ترسم نہ برد دل از خروشیدن سود | ما خوار شدیم و نالہ کارے نکند

با شعلۂ آہ چشم گریان چہ کند | با آتش برق آب باران چہ کند
ہستند ز فیض اہل صورت محروم | با غنچۂ تصویر بہاران چہ کند

پیش کرمت دست تہی آوردم | نزد تو کمی و کوتہی آوردم
بیاری ہجر داشتم، جام وصال | نوشیدم و دردے بہی آوردم

خاقان حسین عارف

رسالہ رہنمائے تعلیم لاہور

یہ تعلیمی رسالہ میں برس سے ماہوار شائع ہوتا ہے۔ اسمین ادبی علمی اخلاقی تاریخی ہر قسم کے مضامین شائع ہوتے رہتے ہین لیکن اکثر مضامین تعلیم و تعلم سے متعلق ہوتے ہین مارچ کا پرچہ ہمارے سامنے ہے جو نہایت آب و تاب سے بڑی تقطیع کے ۸۰ صفحات پر شائع ہوا ہے۔ سالانہ چندہ ۱للعہ ملنے کا پتہ منیجر رسالہ رہنمائے تعلیم لاہور۔

ارتقاء حیوانی

ماہرین طبقات ارضی کرۂ زمین کے مختلف حصص کھود کر اُس سے مختلف حیوانات کی ہڈیوں کے ڈھانچے برآمد کر رہے ہین۔ ان کی غرض وغایت ان اُمور کی تحقیقات کرنا ہے کہ کِن کِن اقسام کے حیوانات کن کن زمانون مین روے زمین پر موجود تھے۔ سائنس کے ماہر زمانہ ماقبل تاریخ کے حیوانات کے استخوانی ڈھانچے تلاش کر کے ان کی شکل وشباہت کا سراغ نکال رہے ہین اور ان کا انسان سے تعلق دریافت کر رہے ہین۔

امریکہ کے عجائب خانہ مین اس قسم کے بہت سے حیوانات کے مصنوعی جسم رکھے ہوئے ہین۔ لیکن یہ امر باعث تاسف ہے کہ اہل علم انسانی ڈھانچے کی تحقیقات مین زیادہ کامیاب نہین ہوئے۔ چنانچہ جس کثرت کے ساتھ حیوانات کے ڈھانچے برآمد ہوئے ہین ان کے مقابلے مین انسانی ڈھانچے بہت ہی کم ملے ہین اس کا سبب یہ ہے کہ تا حال یہ بات تحقیق نہین ہوئی کہ کونسا ملک کھودنے سے انسان کے استخوانی ڈھانچے برآمد ہو سکین گے۔

سائنس دانون کا خیال ہے کہ انسان یا اسکے بزرگ زمانہ ماقبل تاریخ مین بالعموم صحرا مین رہنا پسند کرتے تھے اگر وہ بن باسی نہ ہوتے یعنی میدانون یا لب دریا ماند و بود رکھتے تو ان کے استخوانی ڈھانچے بکثرت دستیاب ہوتے۔ لیکن ماہرین علم الحیوانات بہت کچھ غور وخوض کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے ہین کہ زمانۂ قدیم کے انسان پانی سے دور رہنا سہنا پسند کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر قسم کے حیوانات گویا خلقی طور پر ہی تیراکی کے ماہر ہوتے ہین یعنی پیدا ہوتے ہی تیرنے لگتے ہین برخلاف انسان کے کہ اسے تیرنا بہ صعوبت و تکلیف سیکھنا پڑتا ہے۔

ہزہائی نس نواب حمیداللہ خانصاحب
والی بھوپال

بیگم صاحبہ بھوپال اور اُنکی پوتی

عبیدہ سلطان بیگم صاحبہ

جو حیوانات پانی کے نزدیک رہتے ہین۔ ان کے ڈھانچے سمندر یا دریا کے کنارے زمین کھودنے سے ملجاتے ہین۔ مگر جو صحرائی ہین ان کی موت بھی روئے زمین پر ہوتی ہے۔ اسلئے ان کے ڈھانچے دستبرد زمانہ سے محفوظ نہین رہتے۔ ان کا گوشت دوسرے حیوانات کھا جاتے ہین یا ان کے اوپر نباتات آپڑتی اور حرارت آفتاب نیز شبنم ان پر اپنا عمل جاری رکھتی ہے اور اسی طرح ان کی ہڈیان تک صحیح وسلامت نہین رہتین۔

یہی سبب ہے کہ انسانی ڈھانچے بہت کم ملتے ہین۔ تاہم اس سلسلہ مین اب تک جو کچھ تحقیقات اور تلاشس کی گئی اور نسل انسانی کی جو کچھ تاریخ تا حال معلوم ہوئی ہے اس کا تذکرہ دلچسپی سے خالی نہین ہے۔

سائنس دان کہتے ہین کہ آج سے پچاس ہزار سال پیشتر جس نسل کے انسان روئے زمین پر آباد تھے ان کا ڈھانچہ ملنا محال ہے لیکن زمانہ مابعد کے ڈھانچے دستیاب ہو چکے ہین۔ مختلف نشانات اور شہادات سے ثابت ہوا ہے کہ نین ڈیرتھل NEANDERTHAL اور کرومیگنن CRO MAGNON. نسل کے انسانون نے کسی زمانے مین شدت موسم سرما سے تنگ آکر فرانس اسپین اور جرمنی کے کوہستانی غارون مین پناہ لی تھی۔ چنانچہ ان ملکون کے غارون سے اس زمانے کے انسانون کے ڈھانچے نکلے ہین۔ غارون کے اندر جانے کی وجہ سردی سے بچنے کے علاوہ گوشت خور درندون سے محفوظ رہنا بھی تھی۔

معلوم کیا گیا ہے کہ وہ لوگ اپنے غارون کے دروازون پر آگ روشن رکھتے تھے اس مین دو فائدے مضمر تھے۔ اول درندون سے حفاظت دوم اسمین گوشت بھون کر کھانا۔

اس زمانہ کے انسانون کی بہت سی استعمالی چیزین اور سامان غارون سے ملا ہے۔ ان مین پتھر کے ٹکڑے۔ اور شکار شدہ حیوانات کے چمڑے بالعموم دستیاب ہوئے ہین۔

ان اشیاء کو بغور معائنہ کر کے اس زمانے کے انسانون کی خوراک شکار، اوقات تعطیل گزارنے کے طریقے۔ طریق ماند و بود۔ اور دیگر معاشرتی حالات قلبند کئے گئے ہین۔ تاہم، سائنٹسٹ یہ بات آج تک نہین بتا سکے کہ اُن انسانون کا مورث اعلےٰ کون حیوان تھا۔ البتہ انہون نے قدیم زمانے کے ڈھانچے دیکھکر ایک نطقی رائے قائم کی ہے۔ یعنی یہ کہ انسان اور بندر کے بزرگ ایک ہی قسم کے حیوانات تھے۔ لیکن وہ زمانہ مقرر کرنا دشوار ہے۔ جسمین انسان اور بندر کے بزرگ حیوان نے یہ ارتقائی منزل ختم کی۔ تاہم کہا جاتا ہے کہ حیوانی جسم مین تبدیلی تقریباً ڈیڑھ کرور برس مین ہوئی اس زمانہ مین کمی ناممکن اور زیادتی کا امکان ہے۔

ایک نہایت قدیم زمانے مین روئے زمین پر کوئی چوپایہ جاندار موجود نہ تھا۔ اہل علم نے اس زمانے کو کریٹس اوس پیریڈ CRETACEOUS PERIOD. کا خطاب دیا ہے وہ زمانہ آج سے پچاس لاکھ برس پیشتر تھا سائنٹسٹ اس نتیجہ پر نہایت قدیم زمانے کے عظیم الجثہ اور قوی ہیکل حیوانات کے ڈھانچے دیکھکر پہنچے ہین جو پانی کے اندر رہتے سہتے تھے۔

ایوسین EOCENE یعنی صبح ازل ہی مین چھاتی سے دودھ پلانے والے حیوانات کی تعداد بڑھنے لگی۔ ان کی بہت سی اقسام بن گئین۔ وہ مختلف جماعات مین تقسیم ہو گئے۔ چنانچہ اسی زمانے مین کل روئے زمین پر یہی قابض تھے۔

ان سب مین مقابلتاً بندر ہوشیار تھے۔ اس وقت انسان نما بندر یا بندر نما انسان بھی موجود تھے۔ اورنگ۔ اوٹنگ، شمپنجی اور گوریلا وغیرہ حیوانات بندر ہی کی نسل سے ہین۔

ڈارون کے خلاف زمانۂ حال کے عالمان علم الانسان کی رائے ہے کہ انسان بندر کی ارتقائی شکل نہین ہے۔ بلکہ بندر اور انسان۔ ایک اور حیوان کی اولاد ہین گویا انسان بندر کا چچازاد بھائی ہے۔ اسی طرح سے کتے بلی وغیرہ انسان کے دور کے

رشتے کے بھائی ہیں۔ لیکن کیا مہذب انسان اس رشتے ناطے کو اپنی توہین تو نہیں سمجھے گا؟

قلیل التعداد عالمان علم الحیوانات کی تحقیقات کا نتیجہ یہ ہے کہ مذکورہ بالا چھاتی سے دودھ پلانے والے جانور بھی آہستہ آہستہ ارتقائی منزلیں طے کرکے بالآخر گھوڑے کتے یا بلی وغیرہ چارپائے بن گئے۔ اور پھر بھی ارتقار پاکر بندر یا آدمی بن گئے۔

چھاتی سے دودھ پینے والے حیوانات نے مائی اوسین Miocene (زمانہ وسطیٰ) کے آغاز میں ارتقائی جامہ پہن لیا تھا۔ اُس دور کے آغاز کو تقریباً بیس لاکھ برس گذر گئے۔ اس زمانے میں چھاتی سے دودھ پینے والے حیوانات نے خوب ترقی کی انہوں نے ایوسین یا صبح ازل کے دور میں مستقل شکل اختیار کرلی تھی۔ ہندوستان کی زمین سے اس زمانے کے ایک بندر نما حیوان کی ہڈی برآمد ہوئی ہے۔ اس کا نام سیواپتھکس Swa pitlecus ہے اسکا ڈھانچہ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حیوان کے جسم میں انسانی جسم کے علامات موجود ہیں مگر اُسے باایں ہمہ انسان نہیں بلکہ بندر بھی کہا جاسکتا ہے۔

سائنسدانوں کی تحقیقات کے مطابق آج سے بیس لاکھ برس پہلے انسان اور بندر کے بزرگ مشترک تھے لیکن یہ امر واقعہ ہے کہ انسان کا رشتہ بندر سے آج سے دس لاکھ برس پہلے منقطع ہوگیا۔

ارتقاء انسانی کے بارہ میں کوئی بات تحقیق طریق سے نہیں کی جاسکتی۔ اسلئے کہ تعین زمانہ نہایت دشوار ہے بالخصوص ایسی حالت میں کہ اس امر کے تمام ثبوت نہیں مل سکے۔ تاہم عالمان۔ علم الانسان نے سراغ نکالا ہے کہ پلی اوسینی PLAISLOCENE. زمانہ ہی میں۔ ابتدائی انسان کا ظہور ہوا تھا جزیرہ جاوا کے طبقات ارض کھودنے سے جو انسانی ڈھانچے نکلے ہیں سائنسدان انھیں DITHECANTHROPED پیرہٹا یا بندر نما انسان کہتے ہیں تاہم وہ آدمی ہی ہیں۔ اور ان کی کھوپڑی اسبات کی شہادت دیتی ہے کہ ان کے پیشانی موجود تھی۔ ہڈیاں تلاش کرکے ڈھانچے بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ گریہ

کہنا دشوار ہے کہ کیا اُس زمانے کے انسانون کی جسمانی ساخت موجودہ انسان کے بالکل مطابق تھی۔

اُس زمانہ کے انسانون کی معاشرت کے حالات بالکل نہین معلوم ہوسے۔ تاہم اس بات کا سراغ نکل آیا ہے کہ وہ آج سے پانچ لاکھ برس پیشتر کس سرزمین پر آباد تھے اور وہ کن کن چیزون کا استعمال جانتے تھے۔ اُس زمانے کے آدمیون کے ڈھانچ جزیرہ جاوہ سے ملے ہین اوران کے قریب ہی سے پتھر کے کچھ ٹکڑے بھی دستیاب ہوئے ہین جن کا یہی نام زیادہ موزون ہے۔ کیونکہ وہ آلات نہین ہین۔ اور یہ معلوم کرنا محال ہے کہ اس زمانے کے انسان ان پتھرون سے بادام وغیرہ سخت چیزین توڑتے تھے یا چھوٹے جانورون کا شکار کرکے شکم پری کرتے تھے۔

جاوہ سے دستیاب شدہ ایک کھوپری کی ہڈی کے ٹکڑے پر غور کرکے سائنٹفن نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ وہان کے انسان کسی قدر سیدھے ہوکر چلتے تھے اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ سامنے کے پاؤن بہت استعمال کئے جاتے تھے۔

اگر چارپاے اگلے پاؤن سے متواتر کام لیتے رہین تو کچھ عرصہ بعد وہ پاؤن ہاتھ بنجاتے ہین۔ یعنی وہ حسب ضرورت اشیاء اٹھانے کے عادی ہوجاتے ہین۔ اور اس سے قوت فکر بڑھنے لگتی ہے نیز دماغ رفتہ رفتہ کام کرنے لگتا کوئی چیز ہاتھ سے اٹھاکر امتحان کرتے رہنے سے دماغی قوت بڑھ جاتی ہے اسی طرح سے ہاتھ آنکھ اور سر کو کام مین لانے سے قوت فکر ترقی کرجاتی ہے ریچھ بندر وغیرہ کے افعال سے جنھین ہندوستان کے مداری سدھالیتے ہین ان تمام باتون کی تصدیق ہوتی ہے۔ حالانکہ ان کے صحرائی بھائی بندون مین یہ قابلیت اور طاقت بالکل نہین ہوتی۔

سائنٹسٹ کہتے ہین کہ انہین اصول کے ماتحت معمولی حیوان ارتقائی منازل طے کرکے انسان بن گیا۔ یہ ممکن ہے کہ آدمی کسی فوری سبب سے خسل مشین کے کام کرنے لگا ہو اور اسکے بعد کسی چیز کو انگلیون سے باربار پکڑتے رہنے اور پھر انگوٹھے کے اسمین شامل ہوجانے سے انہین مستقل طریق سے طاقت گرفت اور قوت تحریک پیدا ہوگئی ہو۔

اگر یہ اصول صحیح ہے تو موجودہ انسان اب بھی باؤں کو ہاتھ بنا سکتا ہے۔

اہل علم بعد تحقیقات کامل اس نتیجہ پر پہنچے ہین کہ انسان کے پہلے پہل ارتقار زمانۂ برف مین ہوا۔ ممکن ہے کہ یہ زمانہ چار لاکھ برس پہلے رہ گیا ہو۔

اسکے بعد موجودہ دور کا آغاز آج سے تیس ہزار برس پیشتر ہوا۔

حیوانات نے زمانۂ برف PLAISLECENE. مین ترقی کرتے کرتے جامۂ انسانی زیب تن کر لیا۔ یہ دور سات مختلف حصص مین تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

زمین برفانی طوفانون سے چار بار دب گئی۔ مگر برف حرارت کے اثر سے گھلتا رہا۔ سائنسٹ باقی ادوار کو زمانۂ مابعد برف کہتے ہین یعنی اسکا کوئی خاص نام نہین رکھتے۔

ہشت ادوار کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱(الف) زمانہ برف - ۲۵ ہزار برس (ب) اسکے بعد کا گرم زمانہ ۲۵ ہزار برس۔

۲-(الف) برف - ۲۵ ہزار برس (ب) اسکے بعد کا گرم زمانہ ۲ لاکھ برس۔

۳-(الف) برف ۲۵ ہزار برس (ب) اسکے بعد کا گرم زمانہ ایک لاکھ برس۔

۴-(الف) زمانہ برف ۲۵ ہزار برس (ب) اسکے بعد کا گرم زمانہ تیس ہزار برس۔

عالمان علم الانسان انھین آٹھ ادوار پر غور کر کے تاریخ انسان مرتب کر رہے ہین اور اس کی بنیاد انھون نے اُن استخوانی ڈھانچون پر رکھی ہے جو زمانۂ برف اور اسکے مابعد ادوار کی یادگار ہین۔ لہذا مذکورہ بالا تقسیم خاص اہمیت رکھتی ہے۔

گو زمانۂ مابعد برف طویل عرصہ تک رہتا تھا۔ مگر برفی طوفان وسط یورپ کی سرحد تک نہین پہنچتا تھا اور اسطرح سے مختلف مقامات کے آدمیون کو ترقی کرنے کے مواقع حاصل ہوجاتے تھے۔

آج سے دو لاکھ برس پیشتر کے آدمی بولتے چالتے تھے۔ مگر ان کے الفاظ بے معنی ہوتے تھے جہان سے ان کے استخوانی ڈھانچے ملے ہین وہین سے کچھ سنگین آلات بھی دستیاب ہوئے ہین مگر یہ اس قدر وزنی ہین کہ ہمارے زمانے کے آدمی ان کو استعمال نہین کرسکتے! اس سے معلوم ہوا کہ اس دور کے آدمی نہایت مضبوط تھے اور ان کے بازؤن مین ہمسے بہت زیادہ طاقت تھی۔

جس نسل کے آدمی آج سے دو لاکھ برس پیشتر ہنڈل برگ مین بود و باش رکھتے تھے۔ نین ڈرتھل NERNDERTHAL ان کی یادگارین ہین

وہ لوگ غارون کے اندر رہتے تھے۔ اس نسل کے آدمیون نے سردی برسات اور دیگر موسمی شدت سے تنگ آکر یورپ کے پہاڑی غارون مین پناہ لی تھی وہ نسل اس زمانے سے لیکر آخری برفی زمانہ تک کوہستانی غارون مین پناہ گزین رہی۔

ممکن ہے کہ وہ لوگ اسوقت ہرن یا اور چھوٹے چھوٹے جانورون کے گوشت اور شکار پر اوقات بسر کرتے ہون، قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ شکار کا جسم اپنے غارون مین رکھتے اور ان کی چربی سے شکم پوری کرتے تھے مگر وہ باوجود انسان ہونے کے ہم ایسے انسان نہین تھے۔

آجکل روئے زمین پر جن جن نسلون کے انسان پائے جاتے ہین۔ وہ لوگ ان سب سے قوائے دماغی مین کمزور تھے۔ مگر انکا سر موجودہ زمانے کے کسی انسان سے چھوٹا نہ تھا۔ ان کا جسم ہمارے زمانے کے پہلوانون ایسا مضبوط تھا۔

اس نسل کے آدمیون کے ڈھانچے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ اپنا سر اونچا سیدھا یعنی اسکو اٹھا ہوا نہین رکھتے تھے۔ بلکہ ذرا آگے کو جھکائے

رہتے تھے۔ ان کی پیشانی چپٹی۔ ابرو بلند اور زنخدان بڑی تھی مگر اُن کی آنکھیں
گویا زمین میں گڑی رہتی تھیں۔ ناک خوب بڑی تھی مگر آج سے پچیس ہزار سال
پیشتر بھی اس نسل کے انسان دنیا سے ہمیشہ کے لیے عدم آباد چلے گئے۔

۱۹۱۱ء میں ایک خاص نسل کے آدمی کا ڈھانچ انگلستان سے ملا جسے
سائنسٹ، پلٹ ڈون PILT DOWN یا صبح ازل
کی یادگار بتاتے ہیں ایک لاکھ پچیس ہزار برس گزرے کہ اس نسل کے انسان روئے
زمین پر پائے جاتے تھے مگر اس میمون نما انسان کا ڈھانچ ایک سے زیادہ نہیں ملا۔

اہل علم کا خیال ہے کہ اُس زمانے کے بعد فوراً کالے اور زرد انسانوں
کی بہت سی شاخیں ہوگئیں۔ مگر ان کے درمیان اس عقیدے میں اختلاف ہے۔
اسلیے کسی خاص نتیجہ پر پہنچنا دشوار ہے۔

تاہم یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کہ اُس دور میں جس طرح سفید چہرے والی نسل
ترقی کر رہی تھی۔ اسی طرح سیاہ اور زرد نسلیں بھی ارتقائی منزلیں طے کر رہی تھیں
آخر میں روئے زمین پر کرومیگنن نسل کے انسانوں کا ظہور ہوا جن کے متعلق
بہت سی باتیں معلوم ہو چکی ہیں ان کا موجودہ نسل سے قریبی تعلق اور کامل
مشابہت ہے۔

اِس نسل کے انسانوں نے یورپ کی آب وہوا میں نشوونما پائی اور کہتے
ہیں کہ انہوں نے اسی وجہ سے نئنڈرتھل Neanderthal
نسل کے آدمیوں کے علاقوں پر قبضہ کرلیا۔ اِس سے معلوم ہوا کہ گوری اقوام کا
یہ خاصہ ازلی ہے۔

کرومیگنن نسل کے انسان رفتہ رفتہ شائستہ اور مہذب ہوتے گئے اور
مختلف علاقوں میں آباد ہوئے مگر تاریخ سے یہ بات نہیں معلوم ہوئی کہ شائستگی کا
آغاز کہاں سے اور کس طرح سے ہوا

اس مسئلہ کو کوئی سائنسٹ حل نہیں کر سکا۔ تاہم ان کا ڈھانچ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے

کہ اس نسل کے انسانوں کا قد ۶ فٹ ۴ انچ ہوتا تھا۔ ان کے جسم پر حیوانی علامت کوئی نہیں تھی اور وہ طویل القامت اور قوی ہوتے تھے۔

معرض تحریر میں آچکا ہے کہ کرومیگنن نسل کے آدمی نینڈرتھل کو ان کے غاروں سے نکال کر ان کی جائداد پر قابض ہو گئے تھے۔

اس نسل کے آدمیوں کے ڈھیر۔ فرانس۔ اسپین اور جرمنی کے علاقوں سے برآمد ہوئے ہیں ان کے غاروں سے ہڈی اور پتھر کی بنی ہوئی استعمالی چیزیں برآمد ہوئی ہیں۔

ان اشیار کو بہ غور دیکھکر اس زمانے کے انسانوں کی معاشرت کا پتہ لگایا گیا ہے وہ ہرن وغیرہ حیوانات کو شکار کرتے اور ان کے گوشت سے اپنی شکم پوری کرتے تھے وہ صنعت کاری جانتے تھے۔ چنانچہ ایسی ہڈیاں دستیاب ہوئی ہیں جن پر حیوانات کی تصاویر بنی ہوئی ہیں۔

ان کے بعض غاروں کے دروازوں پر خوبصورت تصاویر دیکھی گئیں۔ یہ سب کی سب حیوانات کی ہیں۔ مگر ان کو تصاویر کہنا اس صنعت کی توہین کرنا ہے۔ باینہمہ وہ اس بات کی شہادت دیتی ہیں کہ اس زمانہ کے انسان صنعت کاری سے ضرور واقف تھے خواہ وہ کتنے ہی ادنےٰ قسم کی کیوں نہ ہو۔

سائنٹسٹ، زمانۂ حال کے یورپین نسلوں کے بزرگوں کا سراغ نکالنے میں کامیاب نہیں ہوئے تاہم ان کا قیاس ہے کہ وہ لوگ جنوبی ایشیا سے آکر یورپ میں آباد ہو گئے تھے۔

شاید ایشیا کی زمین کھودنے سے یہ معمہ حل ہو سکے اور اس پر غور کیا جا رہا ہے مگر سوال یہ ہے کہ ایشیا ایسے وسیع براعظم کا کونسا ملک کھودا جائے کہ اس نسل کے انسانوں کے ڈھیر وہاں سے برآمد ہوں۔ تاہم اُمید ہے کہ یہ مشکل جلد حل ہو جائے گی۔

یہ تفصیل مذکور ہوئی کہ انسان حیوانات کی ارتقار کا نتیجہ ہے لیکن سوال کیا جا سکتا ہے کیا راہ ارتقا مسدود ہو گئی؟ اگر اسکا جواب نفی میں نہیں ہے تو اس

سبب بتانا لازمی ہوگا۔

کہتے ہین کہ انسان اور خدا کے درمیان فرشتے وغیرہ چند کڑیان ہین ہندوستان کے نلاسفر کرشن جی نے گیتا مین نہ صرف یہ لکھا ہے کہ "مین خدا ہون" بلکہ یہ لکھا ہے کہ ہر انسان خدا بن سکتا ہے۔ منصور کا عقیدہ بھی دنیا کو معلوم ہے۔

اسمین شک نہین کہ انسان مین انسان ہونے کے باوجود ابھی بہت کچھ حیوانیت موجود ہے۔ خود غرضیان۔ جنگ و جدال، اسکا ثبوت ہین۔ تاہم یہ بھی نیک حقیقت ہے کہ ادہان انسانیت مین بھی ترقی کر رہا ہے۔ بہت سے انسان عالمگیر مساوات عالمگیر اتحاد اور عالمگیر محبّت کی اشاعت اور کوشش کر رہے ہین جبکا مستقبل نہایت خوشگوار معلوم ہوتا ہے۔ لیکن کون جانتا ہے کہ اس ارتقا مین کسقدر زمانہ صرف ہوگا اور اسکی انتہا کیا ہوگی۔

انسان کا قد و قامت روز بروز کم ہو رہا ہے۔ اور اسے افسوسناک امر بتایا جاتا ہے لیکن تاریخ ارتقا پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ زوال نہین بلکہ عروج ہے اور بہت ممکن ہے کہ اس عروج کی انتہا اجسام کے خاتمہ پر ہو۔ یعنی انسان آخر منزل مین صرف روح مجرد رہ جائے۔ اور پھر آتما اور پرماتما کی تمیز اُٹھ جائے!

مگر کیا یہ سب کچھ ممکن ہے؟

اور کچھ کہتی ہین اظہر ارتقائی منزلین
کیا یہ مشت خاک بالآخر خدا ہو جائے گا؟

حکیم مظفر حسین اظہر دہلوی

رسید کتب

دیوان انشا۔ مرتبہ نظامی بدایونی۔ مطبوعہ نظامی پریس بدایون

دیوان درد۔ (اردو) حضرت خواجہ میر درد کا کلام

دیوان غالب اردو۔ پاکٹ اڈیشن مجلد مع شرح نظامی۔ مطبوعہ نظامی پریس بدایون

قومیت یا وطنیت

ہمارے بین الاقوامی ساز سیاست سے ابتک جو گوناگون نغمے نکل نکل کر ہندوستان کی معاشری ہواؤن مین پرورش پاتے رہے ہین ان مین سب سے زیادہ شوخ اور بلند آہنگ نغمہ "قومیت" ہے!

کانگریس، مسلم لیگ، اور ملک کی دوسری انجمنون کا ابتدائی نظام عمل اور مختلف الخیال رہنماؤن کا اولین مقصد ہمیشہ قومیت کے ایک ایسے دلاویز تخیل کا اظہار رہا ہے جو ہر سننے والے کے دلکو ایک غیر متمدانہ جذبہ سے لبریز کردے!

مقررین کی دلکش تقریرون کا پہلا جملہ، اور ملکی مجلسون کے نظر فریب علانون کا پہلا عنوان قومیت کے سوا کچھ نہین۔ اخبارات کے ادارتی مضامین جس سطر سے شروع ہوتے ہین وہ فلسفہ قومیت سے معمور ہوتی ہے، اور سیاسی مضمون نگارون کی عقیدت مندیون کی جس آخری لفظ پر تان ٹوٹتی ہے۔ وہ بھی "قومیت" ہے۔!

الغرض ہمارے "سیاست ساز" اور ادارت نواز دوستون کے ہاتھون مین "قومیت" ایک ایسا دلفریب کھلونہ بنی رہی ہے جس سے کھیلتے کھیلتے وہ بچہ سے جوان اور جوان سے بوڑھے ہوگئے مگر ان کا یہ رنگین کھیل اپنی تمام دلچسپ عمومیتون کے ساتھ بدستور جاری ہے۔!"

قومیت کا یہ سنہرا خواب بہتون نے دیکھا اور اب بھی دیکھ رہے ہین لیکن افسوس ہے اسکی تعبیر کوئی نہین جانتا! شاندار حرفون کے اِس طلسم کی طرف بہتون نے اشارہ کیا مگر اس کی حقیقت ان کے لیے ایک ناقابل حل معما ہی بنی رہی! اور ہندوستان

کے محترم غمخوار، آئے دن، قومیت کا رسیلا راگ الاپنے کے باوجود قومیت کے اصلی معنی و مفہوم سے بیگانہ، اور اس لفظ کے صحیح محل استعمال سے بیخبر ہیں ۔!

اگر ہمارے محبان وطن کا یہ خیال ہے کہ لفظ "قومیت" کو بار بار دہرانے سے وہ ہندوستانیوں کے دلون مین وہی قومی جذبات پیدا کرنا چاہتے ہین، جو مختلف زبانون مین اکثر رہنماؤن نے اپنے اپنی قوم کے سینے مین پیدا کرکے ان کے حال و استقبال مین عظیم الشان اصلاحی انقلاب برپا کر دیئے تھے، تو یہ ان کی ایک ایسی مہلک غلطی ہے جسے موجودہ ہندوستان کی سیاسی تاریخ کبھی معاف نہین کر سکتی ۔!

حقیقت یہ ہے کہ جسطرح ملکون اور قومون کے جسمانی دماغی اور معاشری حالات مین اختلاف ہوتا ہے اسی طرح بعض ایسی عالمگیر اصطلاحون کے اصل مفہوم اور محل استعمال مین بھی فرق ہوتا ہے جو ہر جگہ اور ہر عہد مین اپنے معنی و مفہوم کو علی صورت مین پیش کرتی رہتی ہین۔

قومیت بھی ایک ایسی ہی اصطلاح ہے جس کے محل استعمال کا ہر ملک و قوم کے نزدیک یکسان ہونا ضروری نہین ہے۔! ممکن ہے ایران مین قومیت کا وہی مفہوم ہو جو ایک انگریز کے نزدیک بھی صحیح ہو سکتا ہے! فرانس مین اسکے وہی معنی لیے جاتے ہین جنھین اہل جرمنی بھی درست سمجھتے ہون! اگر یہ ایک حقیقت ہے کہ ہمارے یہان کے پرستاران ملک و ملت کے پیش نظر قومیت کا وہ مفہوم کبھی نہ تھا جسے عوام نے سمجھا یا یون کہیے کہ عوام کے نزدیک قومیت کا جو تخیل ہے وہ اُن معانی سے قطعاً آشنا ہے جو ان کے رہنماؤن کے دماغون مین سما رہے ہین ۔!

اسی کے ساتھ اس مسلمہ حقیقت کو بھی فراموش نہین کرنا چاہیے کہ بعض ممالک کے حالات یا واقعات یا خیالات صرف انھین ممالک اور ممالک کے باشندون کے لیے مخصوص ہوتے ہین اور ان کے سوا کسی اور جگہ کبھی نظر نہین آسکتے الغرض رسم و رواج کی اُن حالتون کی طرح جو مشرق و مغرب کو زمین و آسمان کے مانند جدا اور ان کے درمیان فرق و اختلاف کی ایک ناقابل عبور وسیع خلیج حائل کر دیتی ہین۔ ہندوستان کی تخیلی اور [illegible]

کبھی برداشت نہین کرسکتین!

یہان اس بحث کی کوئی خاص ضرورت نظر نہین آتی کہ قوم کا لفظ کہان سے نکلا ہے. کہان کہان سے ہوتا آیا ہے؟ اور کس کس جگہ اسکے معنی و مفہوم مین کیا کیا تبدیلیان ہوئین؟ ہمین صرف یہ دیکھنا ہے کہ اُردو مین، یا اس سے زیادہ صحیح یہ کہ ہندوستان مین قوم کا مفہوم کیا لیا گیا ہے؟ اسکے لیے کسی کتاب کی ورق گردانی کی ضرورت نہین ایک سرسری نظر ڈالنے پر ہماری شبانہ روز کی معاشری کیفیات مین اس امر کی بیسیون شہادتین ملجائینگی کہ ہمارے ابنائے وطن کے نزدیک قوم ایک ایسی ہم مذہب جماعت کا نام ہے جسکا اطلاق مختلف مذہب والے افراد کے مشترکہ جماعت پر کبھی نہین ہوسکتا اور قومیت صرف اُسی اجتماعیت سے مراد ہے جو اپنے نصب العین مین اختلاف مذہب کو کسی حال مین جائز نہین سمجھتی. یہی نہین بلکہ ہم مذہبی کے باوجود معمولی عقائد کے ذراسے اختلاف کی بنا پر ایک قوم مختلف قومون کی شکل مین منقسم ہو جاتی ہے. الغرض جس ملک کے باشندون کے نزدیک قوم کا اعلیٰ ترین تخیل یہ ہو کہ اس کے لیے ہم مذہب ہونا ضروری ہے اور جہان بچہ بچہ کو ابتدا ہی سے یہ سکھایا جاتا ہو کہ قوم کے لیے ایک نسل ہونا لازمی ہے اُس ملک کے تمام مختلف مذہب باشندون کے سامنے قوم اور قومیت کا وعظ اگر بیگانۂ مفہوم اور خلاف مصالح نہین تو کیا ہے؟

ہندوستان مین مختلف مذہب رکھنے والے اس قدر گروہ آباد ہین کہ دنیا کے کسی اور خطہ مین اس کی نظیر ملنی ناممکن ہے. اور اس ملک کے تمدنی حالات کچھ ایسے واقع ہوئے ہیں کہ یہان کی اجتماعیت کو ایک وسیع قومیت سمجھنا، بدترین غلطی سے کم نہین.

واقعہ یہ ہے کہ غریب ہندوستانی جنکے دماغون مین قومیت کا روشن ترین خاکہ ایک مذہبیت یا نسلیت کی صورت مین جلوہ فروز ہے. ایسی تقریرون، اور تحریرون سے کبھی متاثر نہین ہو سکتے. جن مین "قوم" لکھکر تمام اہل وطن سے مراد لی گئی ہو. اور اگر ابنائے وطن کی دماغی کمزوری کا یہ مسئلہ صحیح ہے تو مین نہین سمجھتا ہندوستان مین

ہر ہندوستان کے رہنماؤں کا اِس بے معنی لفظ قومیت سے کیا مقصد ہے؟
کم از کم یہ لفظ اور اسکا ہندوستان زا تخیل اور مفہوم میری سماعت اور دماغ کے لیے تو اتنا ہی ناخوشگوار ہے۔ جتنا ہندوستان کے کسی بہترین رہنما کے لئے اہلِ وطن کی کشیدگی کا خیال ہو سکتا ہے۔ کیونکہ یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ جہاں کہین قوم اور قومیت کا لفظ آتا ہے ہندو اسے اسلام اور اسلامی اجتماعیت کے مفہوم کی روشنی مین دیکھتے ہین اور مسلمان سمجھتے ہین کہ اس سے ہندو اور ہندو مذہب مراد ہے۔ اہندوستان کی ملکی و اجتماعی تحریکات کی ناکامیون اور موجودہ اختلافات کی المناک کیفیتون کے اصلی اسباب وعلل کا آئینہ دار بھی یہی لفظ ہے جو ہمیشہ اس "شاہ بیگانہ پسند" ملک مین قسم قسم کی غلط فہمیان پیدا کرتا اور اس سرے سے لیکر اس سرے تک پھیلاتا رہا ہے۔
خالص ادبی نقطۂ نظر سے دیکھئے تو ہمارے دنیائے ادب مین کوئی ایک نظم و نثر تحریر ایسی نہین نکلے گی جسے ہندوستان کی مشترکہ اجتماعیت قومی کہہ سکے اور اسکا سبب صرف یہ ہے کہ جب سرے سے سارے ہندوستانی ایک قوم نہ کہلا سکین اور ان کی اجتماعیت ایک مکمل قومیت کا نام نہ پا سکے تو پھر قومی لٹریچر کیونکر پیدا ہو سکتا ہے؟
ان تمام گذارشون سے مقصود یہ ہے کہ ہندوستان مین ہندوستانیون کے "معیار سخن فہمی" کے مطابق کوئی قومیت نہین اور نہ ہو سکتی ہے! اور جب واقعہ یہ ہے تو ہمین یہ سوچنا ہے کہ متحدہ ملک کا آخر وہ ایسا کونسا جذبہ ہے جو اہلِ ملک کو تمام ظاہری و باطنی اختلافات سے نکالکر ایک ہموار سطح پر اسطرح جمع کر سکتا ہے جسطرح ایک ہم مذہب قوم اپنی باہمی، مجنونانہ ہمدردی کے جوش مین کسی ایک نظام مقصد کی شہ نشین پر نظر آتی ہے۔
اس کا ایک اور صرف ایک ہی جواب ہے کہ اگر کوئی تخیل سارے ہندو مسلمان سکھ۔ عیسائیون کو برابر متاثر کر سکتا ہے۔ اگر کوئی تاثر بتیس کروڑ ہندوستانیون کو

یکسان بیقرار کر سکتا ہے اور اگر کوئی عقیدہ تمام مختلف مذاہب رکھنے والی جماعتون کو کسی ایک میدان مین دوش بدوش کھڑا کر سکتا ہے تو اسکا موزون اور مناسب نام "قومیت" نہین "وطنیت" ہے!!

ہندوستان کی سیاسی تاریخ پر کئی دور گزر چکے ہین اور یہ دور تین حالتون سے خالی نہ تھے، یا ہندو قومیت کے مظہر تھے یا مسلم قومیت کے یا ایک مشترک اجتماعیت سے لبریز تھے مثلاً خلافت کے متعلق ہندوستان مین جو بے چینی پیدا ہوئی وہ مخصوص طور پر مسلم قومیت سے تعلق رکھتی ہے۔ گاؤکشی کے انسداد مین بجا طور پر ہندو قومیت کا مظاہرہ نظر آسکتا ہے اور آزادی ہند کی مساعی مین اہل ہند کی مختلف قومیتون اور اجتماعیتون کی متفقہ آواز سنی جا سکتی ہے۔

اب اگر ان تمام تحریکات خفی وجلی کا استقصا کیا جائے جو آغاز حکومت انگلشیہ سے اب تک وقتاً فوقتاً پیدا ہو ہو کر مٹتی رہی ہین تو معلوم ہوگا کہ ان مین زیادہ تر حصہ اس عام حالت کا تھا جو ہندوستان کی تمام اقوام وملل اور ادیان و مذاہب کے مشترک مفاد سے یکسان اور مساوی تعلق رکھتی ہے اور مین نہین سمجھتا کہ وطنیت کے بجائے اسے قومیت کہکر مختلف قومون کو ایک مہلک غلط فہمی اور اس کے ہاتھون ایک ناگوار بے اثری مین کیون مبتلا کیا جاتا ہے؟

ظاہر ہے کہ ہندوستانی قومون کی سلامتی اسی مین ہے کہ وہ اپنے ملکی مفاد کی حفاظت مین مل جلکر رہین ؎

تمہارا اتحاد اس ملک کی پہلی سیاست ہے
یہ ابجد بھول جاؤگے تو سب کچھ بھول جاؤگے

پھر اس "ابجد" کو جو ہندوستان مین عالمگیر حیثیت کی حامل ہو، وطنیت کی جگہ قومیت کہنا کون سے استدلال کی رو سے صحیح ہو سکتا ہے؟ در انحالیکہ وطنیت مین وہ تمام معانی ومطالب بھی پوشیدہ ہین جو ہمیشہ حکومتون اور سلطنتون مین مفید انقلاب اور قومون اور طبقون مین بہترین تغیر پیدا کرنے پر مشتمل ہین۔

ہرچند اس خاکسار کا ذاتی عقیدہ قوم اور وطن کی سطحی محبتون سے کہین زیادہ بلند اور بنی نوع انسان کی اخوت اور ایک عالمگیر انسانی اتحاد کی صداقت ریز نگیون کا حامل ہے (جسکے اظہار کے لیے یہ موقع کچھ زیادہ موزون نہین ہے) تاہم چونکہ ہندوستان کی قومیت اور وطنیت کا سوال ہندوستان کے باشندون سے تعلق رکھتا ہے اسلیے مین مجبور ہون کہ اسپر کچھ "زمانہ" مین گفتگو کرون۔

قومیت اور وطنیت کے فرق کی مثالین تلاش کرنے کے لیے کسی طویل زحمت کی ضرورت نہین اس کی شہادتین صرف اخبارات کے ان خاص نمبرون مین آسانی سے مل سکتی ہین جو مختلف قومون کے مذہبی اور قومی خیالات سے لبریز ہوکر ملک کے ہر گوشے مین وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہتے ہین۔ یا ان بے شمار مضامین نظم ونثر مین جو مختلف مذہب کے شاعرون اور مضمون نگارون کے محدود قومی خیالات کا نتیجہ ہوتے ہین اور جن کی ایک بین خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ ان مین جہان ایک طرف کرشن جی۔ شوجی۔ سد اا۔ اور سری رامچندر جی کو ایک بے پایان فدائیت سے یاد کرکے ملک موجودہ حالت کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے۔ دوسری طرف مسلم اسلاف کی یاد مین چشم خامہ سے آنسو بہائے جاتے ہین۔ قومیت اور وطنیت کے فرق کی بہترین مثالین ہمارے یہان کے ایک ہی شاعر کے کلام مین کچھ اس انداز سے مجتمع ہوگئی ہین کہ ان کی طرف اشارہ کیے بغیر نہین رہا جاتا۔ پنجاب کے مشہور شاعر ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب کے وہ دونون ترانے ضرور ملاحظہ سے گزرے ہونگے جن مین سے پہلے کا مطلع ہے ؎

چین و عرب ہمارا ہندوستان ہمارا
مسلم ہین ہم، وطن ہے سارا جہان ہمارا

اور دوسرے کا مطلع ہے ؎

سارے جہان سے اچھا ہندوستان ہمارا
ہم بلبلین ہین اُسکی وہ گلستان ہمارا

مکمل ترانے کی نقل کرنے کی ضرورت نہین ان دو ابتدائی شعرون ہی سے اچھی طرح

اندازہ ہو سکے گا کہ پہلے شعر مین ایک محدود قومیت جھلک رہی ہے اور دوسرا ایک وسیع وطنیت کے رنگ مین ڈوبا ہے یا یون کہئے کہ پہلا صرف مسلمانون سے تعلق رکھتا ہے، اور دوسرا متحدہ ہندوستان کے خیالات کا ترجمان ہے۔ پہلا شعر سنکر ملک کی صرف ایک جماعت متاثر ہو سکتی ہے، برخلاف اسکے دوسرا شعر ملک کی تمام جماعتون سے خراج تحسین وصول کر سکتا ہے! اب اسکا فیصلہ ارباب سیاست کی توجہ کا محتاج ہے کہ متحدہ ہندوستان کے اجتماعی معتقدات پہلے شعر کو پسند کر سکتے ہین۔ یا دوسرے شعر کو؟ اور اپنے خیال مین قومیت کا مفہوم "عام اجتماعیت" لیکر اہل ملک کے مفہوم و قومیت کو پس پشت چھوڑ دینا ملکی تحریکات کے لیے مضرت رسان ہے یا نفع بخش؟

قصہ مختصر اگر آپ کو فرقہ بندی اور قوم پسندی کی سطحی ارادتون کے تنگ گوشہ سے منفعۃ ہندوستان کی خدمت کرنا ہے اگر آپ کسی ایک ہم مذہب جماعت کے مذہبی اثرات سے بچکر ایک متحدہ اجتماعیت سے ہمدردی کرنا چاہتے ہین!! اور اگر آپکے دل و دماغ کو ایک محدود قومی عصبیت کی زنجیرون سے آزاد ہوکر۔ سارے ملک کی محبت؛ اور اس کی بدولت ایک زندہ ملک کی حیات حقیقی کی لذتون سے بہرہ مند ہونے کی آرزو ہے تو اپنی زندگی، اپنی معاشرت اور اپنے خیالات کو قومی رنگ مین کم از کم اس وقت تو نہ پیش کیجیے جبکہ اسکی ضرورت نہ ہو۔ یا دوسرے الفاظ مین جبکہ آپ کا خطاب جملہ اہلِ وطن سے ہو۔ بلکہ اپنے افکار و خیالات کو ملکی یا وطنی لباس پہنائیے۔ جس سے ملک مین اس سرے سے لیکر اُس سرے تک ایک متحدہ اجتماعیت کی آگ لگائی جا سکتی ہے جس کے شعلے تمام قومی اختلافات، اور نسلی مناقشات کو ایک اشارہ مین جلا دے سکتے ہین۔

اہل ملک کو ہمیشہ ایک دائرہ مین رہ کر اپنی دنیا الگ نہین بنانا چاہیے ورنہ ہماس مفاد کی تباہی جس کا تعلق تمام ملک سے یکسان ہے، ایک ایسی حقیقت ہے جو بالکل سامنے بے حجاب نظر آرہی ہے۔ اور اگر نتیجہ (یساری) کچھ [illegible] سے معلوم

ہورہا ہے تو اسکی ذمہ داری صرف آپکی محدود قومیت پر عائد ہوگی۔

میرا یہ مدعا نہین کہ مین وطنیت کی اس تحریک سے ہندوستان کی مختلف قومیتون کو ان صورتون اور حالتون پر اعتراض کرون جو اپنے تہذیبی خصوصیتون کے اعتبار سے ہر قوم کا قومی حق ہے، نہین بلکہ میری راے مین قومون کے لیے اپنی اندرونی حالتون مین اپنی اپنی محدود اور مخصوص معاشری اور مذہبی قومیتون کا محفوظ رکھنا ضروری ہے، کیونکہ صدیون کے مذہبی اور نسلی اثرات نہ صرف یہ کہ بھلائے، اور مٹائے نہین جا سکتے بلکہ ان کی شکستگی مین قومون کی ہلاکتین بھی چھپی ہوئی ہین یہی وجہ ہے کہ ہم مین بہت کم ایسے نکلین گے جو مذہب کو وطن پر ترجیح دے سکتے ہون۔ کم از کم ایک گروہ کے اعتقادات کا تو مجھے علم ہے جو "پہلے مذہب اور بعد مین وطن" کی اہمیت سمجھنے کا عادی ہے اور اسی لیے مین سمجھتا ہون کہ ان کے محدود قومی اور مذہبی دائرون کے اپنی اپنی جگہ قائم ہونے کے خلاف میرا کچھ لکھنا مطلقاً ناروا ہوگا تاہم میری یہ تمنا ضرور ہے کہ ان حالات مین جبکہ کسی تحریک کا اثر تمام اہل وطن سے برابر کا تعلق رکھتا ہو۔ اس تحریک کو قومی کہکر بھولے بھالے ہندوستانیون کے ذاتی معتقدات کو بیدار کرکے انھین ایک غلط فہمی مین مبتلا کرنے کی غیر مصلحت اندیشانہ کوشش نہین کرنی چاہیے اور نہ ایسی تحریکات کی بے اثری ظاہر ہے اور نتیجہ کی ناکامی معلوم۔!

ان سرسری اشارات کے بعد مین اس فیصلہ کا انحصار آپ کے اجتماعی افکار پر چھوڑتا ہون کہ اُس جذبہ کا نام جو مشترکہ ہندوستان کی خیر و سلامتی اور سود و بہبود کے لیے یکسان موثر اور مفید ہو سکتا ہے کیا ہے؟

قومیت یا وطنیت؟

اختر شیرانی

تذکرہ دہلی

(از سی ایف اینڈریوز)

باب نہم
ذاتی خصوصیات

منشی ذکاءاللہ کے ایک دور و دراز رشتہ دار کو جو اپنے بُرے اطوار کی وجہ سے کسی جرم میں ماخوذ ہو کر مجرم قرار پا گیا تھا طول طویل مدت کے لیے سزائے قید ہوئی جب وہ رہا ہو کر واپس آیا تو اسوقت اس کے اعزا نے شرم وغیرت سے اس سے ملنا جلنا ترک کر دیا یہان تک کہ وہ ان کے گھرون مین بھی نہین آ جا سکتا تھا۔ اسکی وجہ سے وہ بہت سخت تکلیف مین پڑ گیا۔ لیکن جب ذکاءاللہ کو ان سب باتون کا علم ہوا تو وہ یہ سمجھکر اسے اپنے جرمون کی کافی سے زیادہ سزا مل چکی ہے اور اسپر رحم کھا کر اسے اپنے یہان لے آئے اور خود اس کے مصارف کے کفیل ہو گئے اور اس کے زمانۂ انتقال تک اسے اپنے یہان رکھا۔

ان کے بہترین دوستون مین بہت سے ہندو بھی تھے نہ صرف دہلی مین بلکہ الہ آباد مین بھی جبکہ وہ میو سنٹرل کالج مین بحیثیت پروفیسر درس دیا کرتے تھے ہر ممکن طریقہ سے لفظاً اور اپنی مثال پیش کر کے وہ ہر دو اقوام کے باہمی اختلافات کو طے کرنے کی کوشش کیا کرتے تھے مجھے ذاتی طور پر بہت سے ایسے ہندوؤن کا علم ہے جنھون نے مجھ سے منشی ذکاءاللہ کی مہربانی اعلیٰ اخلاق اور مروّت اور رواداری کا ذکر نہایت اچھے الفاظ مین کیا ہے بعض محبت آمیز چٹھیان جو ان کے متعلق مجھے موصول

ہوئی ہین - ہندؤن ہی کی ہین ، اس موقع پر مین ان کے صاحبزادے عنایت اللہ کے الفاظ نقل کر دینا چاہتا ہون - اس لیئے کہ میرا خیال ہے کہ وہ میرے الفاظ کے مقابلہ مین اپنے والد کی اس خصوصیت کو زیادہ اچھی طرح سے واضح کرتے ہین وہ رقمطراز ہین -

" پنڈت تلسی رام کے بیٹے نے مجھ سے بیان کیا ہے کہ ہر شام کو جب ان کے گھر کے آدمی اپنے آبائی مکان مین بطور عبادت اپنے چراغون کو روشن کرتے تھے تو وہ اُس دعا مین جو اس وقت بالعموم پڑھی جاتی ہے - اپنے عزیزون کے نامون کے ساتھ میرے والد ذکاء اللہ کا نام بھی شامل کر لیتے تھے "

کل جب مجھ سے کاشی ناتھ ملنے کے لئے آئے اور مجھے آپ (مصنف کتاب) کے نام خط لکھتے ہوئے دیکھا تو یہ کہا کہ میری طرف سے بھی اتنا لکھدو کہ یہ میرا پختہ عقیدہ ہے کہ ہندوستان کا کوئی مسلمان ایسا نہین جو تمہارے باپ سے زیادہ ہندون کا سچا دوست ہوا ور یہ کہ ہر ہندو ان سے محبت رکھتا تھا "

آٹھ نو سال کا ذکر ہے کہ ایک ہندو مصنف مجھ سے ملنے کے لیے آئے اور مجھ سے کہا کہ مین تمہین اپنا بھائی سمجھتا ہون اسلئے کہ تمہارے والد منشی ذکاء اللہ نے مجھے ہمیشہ اپنے بچون کا سا برتاؤ کیا اور مین ان کی مہربانیون کو کبھی بھول نہین سکونگا "

میرے والد ہندؤن کے کفایت شعارانہ طریقون - ان کی جزرسی کی عادتون انکے کاروباری خصائل ، ان کی جفاکشی اور اعلےٰ ذہانت ، ان کے فلسفہ اور علم ادب اور موسیقی کے بیحد مداح تھے ، وہ ہندون کی ذہنی قابلیتون کے بھی حد درجہ معترف تھے کیونکہ محکمۂ تعلیم مین انہین ان کے ساتھ کام کرنے کا سابقہ ہو چکا تھا ، میرے والد کی طرح بہت کم لوگ ہندون کی زندگی کے طریقون - ان کی رسمون ، تہوارون ، مذہبی خیالات اور علم الاصنام سے واقف ہونگے ایک مرتبہ انہون نے خط مین مجھے نصیحت کی اور اسمین سنسکرت ضرب المثل بیان کرتے ہوئے اس کے مفہوم پر روشنی ڈالی وہ اپنے بیٹون مین سے کسی ایک کے منھ سے ہندؤن

کے خلاف کوئی بات سننے کے روادار نہ تھے۔ اور اگر کبھی ذرا سا بھی توہین آمیز حوالہ کیا گیا تو وہ انہیں سرزنش کرتے اور غلطی کا ازالہ کر دیتے تھے۔

منشی ذکاءاللہ کی مذہبی آزادی کے بارے مین گذشتہ صفحات مین تفصیل کے ساتھ لکھ چکا ہون اور مجھے مزید کچھ اور لکھنے کی ضرورت پیش نہ آتی اگر ان کی پوزیشن کے متعلق کسی قدر غلط فہمی موجود نہ ہوتی سب سے پہلی بات یہ ہے جیسا کہ ڈاکٹر نذیر احمد نے اپنے دیباچہ مین بیان کیا ہے کہ ان کی ابتدائی زندگی مین اس قسم کی افواہین بہت کچھ مشہور تھین کہ ذکاءاللہ، رامچندر چمن لال اور دوسرے اشخاص کی پیروی مین عیسائی رہنا چاہتے ہین ڈاکٹر نذیر احمد کی طرح مین بھی ان افواہون کو قطعاً بے بنیاد قرار دیتا ہون۔ وہ بلاشبہ مذہب عیسوی کے مداح تھے اور "پہاڑ کے وعظ" کی تعریف مین تو بہت رطب اللسان تھے جسے وہ خالصتاً ہندوستانی خیالات کا مرقع سمجھتے تھے لیکن جہان تک مین ان کے قدیم ترین دوستون سے معلوم کر سکا ہون یا اپنے علم اور تجربہ کی بنا پر کہہ سکتا ہون ان کی زندگی مین کوئی بات ایسی نہ تھی جس سے دور از کار طور پر ہی سہی، کسی نوع اس افواہ کی تصدیق ہو سکتی ہو یعنی یہ کہ وہ اپنا مذہب تبدیل کرنا چاہتے تھے دوسرے وجوہ سے قطع نظر کر کے ان کی فطری قدامت پسندی اسے غیر اغلب بنا دیتی اگرچہ اس قسم کے خرق عادات واقعات انسانی تجربہ مین آ چکے ہین۔ لیکن جہان تک ان کی ذات کا تعلق ہے یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ انہین اسکی مطلق خواہش نہ تھی جو شخص اپنے خصائل مین ایسا بے خوف ہو اور دل کا ایسا پاک ہو اور جس کی زندگی اسقدر سادہ ہو محض تکالیف کے خطرہ کا احساس انکو باز نہین رکھتا بشرطیکہ انہین ایک مرتبہ بھی تبدیل مذہب کی ضرورت محسوس ہو جاتی، لیکن انہین یہ ضرورت کبھی محسوس نہین ہوئی۔

علاوہ ازین مین نے دہلی مین متعدد بار یہ سنا ہے اور اسے بُرے طریقہ کے ساتھ دوہرایا بھی گیا ہے کہ وہ "آزاد خیال" تھے بعض اوقات مین نے یہ بات ان لوگون سے سنی ہے جنہین ان کے حالات زیادہ اچھے طریقہ سے معلوم ہونے چاہیے تھے۔ کہ وہ ہستی باری تعالےٰ کے قائل نہ تھے۔ موخر الذکر الزام کی مین غصہ کے ساتھ تردید

کرتا ہون اور اسے سرتاپا جھوٹ قرار دیتا ہون کیونکہ اگر وہ خدا کی ہستی کے قائل نہ ہوتے تو وہ کبھی مجھ جیسے بے تکلف دوست سے بار بار خدا کے متعلق باتین نہ کرتے۔ کوئی شخص اپنی روزمرہ کی زندگی مین خدا کو حاضر و ناظر نہین جان سکتا اور نہ اپنی آخری طویل بیماری مین اس کی ذات سے استقامت اور امداد کا خواہان ہوتا اگر اسے اس کی ذات پر اعتماد اور یقین نہ ہوتا۔ اس سے پہلے کہ خود میرے ان سے دوستانہ تعلقات کی ابتدا ہوئی مین نے ان اشخاص سے جو ان کو اچھی طرح جانتے تھے صحیح واقعات کی تحقیقات کر لی ہے اور مجھے یقین دلایا گیا ہے کہ ان کی زندگی مین کبھی کوئی وقت ایسا نہین آیا جبکہ خدا کی ذات پر ان کے اعتقاد اور بھروسہ مین تزلزل پیدا ہوا ہو۔ اس مقام پر بھی ان کی فطری قدامت پسندی اور مذہبی حس جو انہین اپنے بزرگون سے ورثہ مین ملی تھی۔ اس خرق عادت کو حیرت انگیز طریقہ سے ناممکن بنا دیتی۔ جس کی جانب مین ادھر اشارہ کر چکا ہون۔ خدا پر ان کا عقیدہ اس قدر بدیہی تھا کہ وہ ان کی زندگی کا اسی طرح سے جزو ہو گیا تھا جس طرح سے کہ ہوا جسمین ہم سانس لیتے ہین اور یہ وہ چیز ہے جس کے ذکر کی بھی ضرورت نہین اس لیے کہ وہ لازمی اور فوری تھی۔ اور ساتھ ہی یقینی اور سچی۔

برخلاف اس کے ان کے "آزاد خیال" ہونے کے متعلق مین یہ کہونگا کہ اگر لفظ "آزاد خیال" سے یہ مراد ہے کہ وہ آزادی سچائی کے ساتھ اور مذہب کے معاملہ مین ہر قسم کے اثرات سے آزاد ہو کر غور و فکر کرنے کے عادی تھے اور یہ کہ الفاظ کی بجائے وہ مذہب کے معانی کو زیادہ اہم سمجھتے تھے تو حقیقت یہ ہے کہ اس لفظ کا اطلاق صحیح معنون مین مسٹر ذکاء اللہ پر ہوتا ہے اور وہ اس لقب کے بہت زیادہ مستحق بھی ہین اسلئے کہ ان سے بڑھ کر زیادہ آزاد خیال۔ زیادہ بے تعصب اور زیادہ وسیع خیال اور زیادہ متحمل شخص کا ڈھونڈھنا مشکل ہے۔ یہی وہ بات ہے جسنے انہین اپنی ساری طویل زندگی مین ہندوؤن کا دوست بنائے رکھا تھا۔ یہی وہ بات تھی جسنے شروع ہی سے مجھے ان کا گرویدہ بنا دیا تھا۔

لیکن برخلاف اس کے اگر "آزاد خیال" سے مراد ایسا شخص ہے جو مذہب کا مذاق

چھوڑا تا ہو یا جو مذہبی اعتقادات کا ذکر توہین آمیز طریقہ سے کرتا ہو، تو واقعہ یہ ہے کہ یہ الزام بالکل اور کلیتہً غلط ہے۔ مذہب کے بارے مین ان کا طرزِ عمل ہمیشہ ادب احترام کا رہا اور وہ خود بھی نہایت گہرے اور سچے اور مذہبی آدمی تھے۔

ساتھ ہی مین اس بات کو دوہرا دینا چاہتا ہون کہ وہ ظاہری مذہبی رسوم کے پابند تھے وہ الفاظ کی بجائے مذہبی اسپرٹ کے زیادہ قائل تھے اپنے والد اور دادا کی طرح وہ بلاشبہ ان لوگون کا کھلم کھلا ادب احترام کرتے تھے جو مذہبی رسوم کو جو صاف طور پر مذہبی زندگی کے قیام کیلئے ممد و معاون ثابت ہوتی ہین زندہ عقیقت سمجھتے ہین۔ وہ مجھ سے محبت، تعریف اور فخر کے ساتھ اپنے دادا کا ذکر کیا کرتے تھے جن کی پنجوقتہ نماز ۲۰ برس تک جامع مسجد مین کبھی ناغہ نہین ہوئی خود اپنی گاڑھی کمائی کے روپے سے انہون نے اپنے والدین کو حج کے لیے حجاز بھیجا جسے اسلام اپنی ظاہری رسوم کے سلسلہ مین فرض مقرر کر رکھا ہے اور وہ ان کے اس مذہبی جوش کو دیکھکر خوش ہوا کرتے تھے۔ انہون نے کئی برس تک اپنی شادی کو محض اس وجہ سے ملتوی رکھا کہ ان کے والدین اپنے مذہبی فرائض کی ادائیگی کے ذریعہ روحانی مسرت حاصل کر سکین۔

لیکن اس بارے مین خود انکی فطرت کس قدر مختلف واقع ہوئی تھی۔ وہ سادگی اور فقر مین اپنی سادگی بسر کرتے تھے مگر خدا کی موجودگی کا انہین ہر وقت احساس رہتا تھا انہون نے زندگی کے بڑے حصہ مین مذہب اسلام کی ظاہری رسوم و ارکان کو کلیتہً چھوڑ رکھا تھا۔ لیکن میری موجودگی مین ان کے منہ سے کبھی ایک لفظ بھی ایسا نہین نکلا اور ہم آزادانہ اور بے تکلف ہوکر ان تمام باتون کے متعلق تبادلۂ خیالات کیا کرتے تھے جس سے مین یہ معلوم کر سکتا کہ وہ سچے مسلمان نہین ہین۔ مذہب کے متعلق جو لفظ بھی انہون نے مجھ سے کہا اس سے ان کی اسلامیت ٹپکتی تھی اور جیسا کہ مین کہہ چکا ہون انہون نے ہی مجھے اسلام کا ادب کرنا سکھایا اور انہون نے ہی اسکی معنوی عظمت کا نقش میرے دلمین ایسے طریقہ سے بٹھایا کہ میری زندگی مین اس سے پیشتر کبھی ایسا واقعہ وقوع مین نہ آیا تھا۔ مجھے یقین ہے کہ مین نے جو کچھ یہان لکھا ہے اس سے ان بعض غلط خیالات کا ازالہ ہو جائے گا۔

ایسے بعض اشخاص کے دلون مین جاگزین ہین جو انہین نہین جانتے اور جنہون نے
ن افواہون پر یقین کر لیا ہے۔ میری طرح بہت کم لوگ یہ یقین دلاسکتے ہین کہ
ہ تمام خیالات قطعاً غلط تھے۔

ذکاء اللہ نہایت بیباکی کے ساتھ ہر اس ظلم کے متعلق اظہار خیالات کرنے کے
ادی تھے جو ان کے مشاہدہ مین آجاتا۔ مثلاً انہون نے نہایت جرأت کے ساتھ ان
ظلم و ستم کے بارے مین اپنے خیالات بیان کئے ہین جو غدر کے بعد جبکہ جذبات
قل بے قابو ہو گئے تھے وقوع مین آئے تھے وہ خوشامدی نہ تھے اور نہ ابن الوقت
تھے۔ انہون نے خطاب حاصل کرنے کے لئے کبھی انگلی تک بھی نہین اٹھائی اور جب
ہین خان بہادر کا خطاب دیا گیا تو وہ بیحد متعجب ہوئے تھے یہ خطاب جس کی نہ تو انہین
وقع تھی اور نہ خواہش، ان کے لیے وبال جان تھا لیکن وہ ایمانداری کے ساتھ
انگریزی امن کی برکات پر یقین رکھتے تھے اور اس امر کے متعلق جب کبھی ان کی رائے
ضرورت ہوتی تو وہ اس وقت نہایت زوردار لہجہ مین ان کا ذکر کرتے۔ اپنے خاندان
ن اپنے حلقۂ احباب مین اور اپنی تحریرات مین انہون نے انگریزی امن پر
با اعتقاد ظاہر کیا ہے اور نیز اس مذہبی غیر جانبداری پر جسے انگریزی سلطنت اپنے
اتھ لائی تھی۔

ایک صاحب جو سید احمد خان اور منشی ذکاء اللہ دونون سے اچھی طرح
سے واقف تھے اور جنہون نے ان دونون کو ایک ساتھ اور علیحدہ علیحدہ کام کرتے ہوئے
ا دیکھا ہے۔ حسب ذیل الفاظ مین اس اثر کو بیان کرتے ہین جو ان کی مختلف
بائع نے ان پر ڈالا تھا۔ وہو ہذا:۔

"سید احمد خان مین مین نے بڑے آدمی کی سی شان و شوکت شیر جیسی طاقت
د خیالات اور اولوالعزمانہ جوش پایا۔ جتنے مسلمانون کو مین جانتا ہون ان مین سے
ا ایک مین مین نے ”سر سید“ جیسی سیرت کی قوت و عظمت اور نمایان ذہنی قابلیت
ین دیکھی جہان کہین وہ گئے وہان قدرتاً رہنمائی کرنے کا کام انہی کے حصہ مین آیا۔

ان کی شخصیت کا تقاضا یہی تھا اور لوگ قدرتی طور سے اور طبعًا ان کی پیروی کرتے تھے ان کی موجودگی اور ظاہری شکل وصورت بہت بارعب تھی وہ لوگوں کے پیدائشی لیڈر تھے

برخلاف ان کے منشی ذکاءاللہ میں جو سرسید کے سچے ساتھی اور مرید کی حیثیت رکھتے تھے۔ مین نے انسانی فطرت کو اسکی نہایت نرم صورت مین مشاہدہ کیا۔ سادگی سچائی اور نرمی۔ یہ تین رنگ نمایاں تھے۔ ان کی آنکھوں سے نیکی ہویدا تھی اور ساتھ ہی اوس سے نہ صرف اعلی مطمح نظر کے لیے بلکہ قائداعظم کی شخصیت کی محبت جلوہ گر تھی وہ دوستوں سے نہایت تپاک سے پیش آتے تھے اور اس محبت کا ذخیرہ کبھی ختم نہ ہوتا تھا۔ اپنے سے اعلیٰ رتبہ اور عہدہ والوں کے سامنے یا جب کبھی وہ اپنے سے بڑوں مین بیٹھتے تھے اسوقت وہ بہت شرمیلے اور منکسر المزاج نظر آتے تھے وہ ہر پبلک پوزیشن اور تقریب سے کنارہ کش رہتے تھے اور ہمیشہ علم وتجربہ حاصل کرنے کی ٹوہ مین لگے رہتے تھے۔ اور جو کچھ وہ حاصل کرتے اسے بنی نوع انسان کی ترقی کے کام مین لاتے تسلی تو مین ادنے واعلیٰ انکی اعلیٰ طینت، ان کے عمیق علم اور ان کی مفید محنت کی زندگی کا مداح تھا جسے وہ اپنے ملک کی ذہنی بہبودی کے لیے کرتے تھے۔"

مجھے یقین ہے کہ یہ اندازہ بالکل صحیح ہے۔ ذکاءاللہ پیش پیش رہنے کے بجائے ہمیشہ پیچھے رہتے تھے کیونکہ انہین علم تھا کہ وہ حکم دینے کے لیے پیدا نہین کیے گئے ہین ان کے صاحبزادوں کی یادداشتوں سے جو فقرہ مین نے خود ان کے متعلق درج کیا ہے وہ حیرت انگیز طریقہ سے صحیح ہے۔ انہوں نے اپنے صاحبزادے سے کہدیا تھا کہ "ہم صرف اس قابل ہین کہ دوسرے درجہ کی جگہ کو پر کریں اور اپنے آقاؤں کی وفاداری اور عقیدت مندی سے خدمت کریں" وہ غیر معمولی درجہ کی نمایاں ذہنیت کے رکھنے والوں مین سے نہ تھے مگر ان کی تحریر کے ہر صفحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بہت محنتی تھے اور اعلےٰ ذہنی قابلیت رکھتے تھے جن لوگوں کا وہ ادب واحترام کرتے تھے انکے ساتھ انکی وفاداری بے پایان تھی۔

اگر میں اپنی ذاتی یادداشتوں کی بنا پر کوئی مقابلہ کروں تو وہ قدرتاً ان دو دوستوں کے درمیان ہوگا جو مجھے مساوی طور سے عزیز تھے لیکن مختلف حیثیات سے یعنی مولوی نذیر احمد اور منشی ذکاءاللہ اوّل الذکر چٹان کیطرح کھردرے تھے اور ان کی قوت اور عزم بھی چٹان کی مانند تھا۔ وہ خدوخال کے اعتبار سے بھی بھدے تھے اور ان کی سختی مزاج قائم رہتی تھی سوائے اسوقت کے جبکہ سورج کی کرن کی طرح مذاق یا محبت کی لہر سے متاثر ہو جاتے ہوں۔ مولوی نذیر احمد کے سامنے مجھپر ہمیشہ ان کا رعب قائم رہتا تھا۔ ذاتی طور پر مجھے ڈرنے ورنے کی ضرورت نہ تھی اس لیے کہ وہ مجھ سے ہمیشہ محبت کے ساتھ پیش آتے تھے اور سختی کا ایک لفظ بھی کبھی میرے متعلق ان کی زبان سے نہیں نکلا۔ برخلاف اس کے منشی ذکاءاللہ کا جو اثر مجھپر پڑا وہ اس کے بالکل خلاف ہے ان کی شرافت بدلہ میں صرف شرافت ہی کی طالب تھی اور ان کی آنکھیں جن سے دوربینی ٹپکتی تھی ہمیشہ امن و اماں کا پیغام دیتی تھیں۔ مولوی نذیر احمد سے گفتگو کرنا درحقیقت اس امر سے واقف ہونا تھا کہ انسان ایسی آتش فشاں فطرت سے دوچار ہوتا ہے جو ایک لفظ سے مشتعل ہو سکتی ہے اور ہیجان یا طوفان میں منتقل ہو سکتی ہے۔ میں نے ان طوفانوں کا بچشم خود مشاہدہ کیا ہے اور یہ بھی دیکھا ہے کہ طوفان ختم ہو جانے کے بعد سکون رونما ہوگیا ہے مولوی نذیر احمد جو کچھ کہتے اسمیں ہمیشہ اعلیٰ ذہانت کی کچھ نہ کچھ جھلک ضرور پائی جاتی تھی اور وہ جھلک ہمیشہ عامیانہ مذاق سے مختلف ہوتی اور جدت کا پہلو لیے ہوئے ہوتی تھی۔ اگر میں ادبی مماثلت کا ذکر کروں تو یہ کہنا مناسب ہے کہ ان کو دیکھکر کارلائل کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔ ان کی حالت کم و بیش اس حالت سے ملتی جلتی تھی جو چیلسیا میں بڑھاپے کے عالم میں کارلائل کی ہوگی اور وہ عام رائے کی بالکل پروا نہ کرتے تھے اور اپنی اس نفرت کا اظہار کرنے سے باز نہ رہتے تھے۔ وہ احمقوں کی باتوں کو خوشی سے برداشت کرنے کے عادی نہ تھے۔ اسلئے ان کی صحبت میں میں ہمیشہ یہ محسوس کرتا تھا کہ میں نہایت بارعب اور اعلیٰ درجہ کی ذہین شخصیت کے قرب میں ہوں ایسے شخص کے قرب میں جو آتش فشاں پہاڑ کی سی فطرت رکھتا ہے اور

جسے کانشہ قابو میں نہیں لایا گیا ہے۔ لیکن ساتھ ہی مجھے یہ محسوس ہوتا ہے کہ میں نے ان کے دل کے ایک نہایت زبردست جذبہ یعنی ان کی محبت اور نیکی کا کچھ ذکر نہیں کیا۔ ناممکن تھا کہ مولوی نذیر احمد کی غیر محدود محبت کا تجربہ نہ کیا جائے اور اب بھی ان کی محبت کا خیال کر کے میرا دل بھر آتا ہے۔ جہاں میں نے ان کے رعب کا ذکر کیا ہے وہاں میں یہ بھی چاہتا ہوں ان کے متعلق میرے الفاظ سے غلط رائے قائم نہ کی جائے۔ جو محبت مجھے ان سے تھی وہ ان کے خوف سے کہیں زیادہ تھی لیکن خوف ہمیشہ رہتا تھا۔

لیکن منشی ذکاء اللہ کی ذات کا جہاں تک تعلق ہے معاملہ بالکل برعکس تھا مجھے ان کا ذرا بھی خوف نہ تھا بلکہ میں انکی نیکی اور منکسر المزاجی سے مرعوب تھا وہ مولوی صاحب کی طرح کسی بارعب شخصیت کے مالک نہ تھے اور نہ ان میں اُن کی سی اعلیٰ ذہانت تھی البتہ سادگی کی خوبصورتی ان میں بدرجۂ اتم موجود تھی۔ وہ تو تقلید کرنے کے لیے پیدا ہوئے تھے نہ کہ رہنمائی کرنے کے لیے۔ خدمت کرنے کے لیے نہ کہ حکم دینے کے لیے، ملائمت سے بازی لیجانے کے لیے نہ کہ طاقت کے ذریعہ۔ ان کی فطرت میں آتش فشانی مطلق نہ تھی بلکہ ان میں اپریل کی ترشح کے ساتھ ساتھ تلطف آمیز حرارت کی فضا تھی۔ ان کی فطرت کا عمیق ترین پہلو ان کی جذبی طبیعت تھی۔ وہ اتنے وفادار تھے کہ جان دینے سے بھی دریغ نہ کرتے تھے۔ وہ آخر وقت تک دوست رہ سکتے تھے۔ وہ سچائی کی روح رواں تھے۔

ایک شریف انگریز نے جو بہت عرصہ تک دہلی میں سکونت پذیر رہے تھے۔ اور جو منشی ذکاء اللہ سے بہت گہرے تو نہیں لیکن مجھ سے مقابلتہً بہت زیادہ عرصہ تک ان سے واقفیت رکھتے تھے۔ ان کے متعلق مجھ سے جو اظہار رائے کیا اسے میں نے لکھ لیا تھا۔

میں نے ان سے پوچھا تھا کہ منشی ذکاء اللہ کی وہ نمایاں خصوصیت کیا ہے جو آپ کو مرغوب تھی۔ تو انھوں نے بلا تامل جواب دیا کہ "ان کے کیرکٹر کی صیانت۔ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ انھوں نے کبھی کوئی وعدہ شکنی کی ہو۔ یا کسی اقرار کو پورا کرنے سے انکار کیا ہو۔ وہ اپنے وعدہ کے پکے تھے اور ان کا وعدہ تحریری اقرارنامہ کی طرح قوی تھا۔ ان کی

خاموش فیاضی کا مجھ پر بہت اثر ہوا۔ وہ کوئی امیر آدمی نہ تھے بلکہ صورت حالات اس کے برعکس تھی۔ لیکن جب کبھی میں نے قحط کے لیے امدادی رقوم جمع کیں یا کسی اور مفاد عامہ کے کام کیلئے روپیہ کی فراہمی کی تو مجھے ان کی فیاضی دیکھکر ہمیشہ تعجب ہوا وہ بغیر کسی دباؤ کے یا کسی مقصد کو پیش نظر رکھے بغیر میری امداد کیا کرتے تھے۔ وہ اپنا عطیہ دیتے وقت بتاکید مجھ سے کہدیا کرتے کہ نام ظاہر نہ کیا جائے اور خود وہ اسے ہمیشہ گمنام ہی رکھنے کی کوشش کرتے وہ جتنا وعدہ کرتے اسے فوراً ادا کر دیتے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں ان سے زیادہ گہرے تعلقات قائم نہ کر سکا"

آخری الفاظ جو میں لکھنا چاہتا ہوں یہ ہیں۔ انہیں سب جانتے پہچانتے تھے اور جو لوگ خصوصیت کیساتھ ان سے گہرے مراسم رکھتے تھے وہ سب کے سب ان کی بے حد کی بے لوث زندگی کے معترف تھے۔ انقلاب کے زمانہ میں جبکہ اکثر اشخاص کے اخلاق میں ضعف آگیا تھا انہوں نے ہمیشہ اپنے تمام خانگی معاملات میں اعلیٰ درجہ کی پاکیزگی ملحوظ رکھی ان کی اخلاقی پاکیزگی ان کے چہرہ سے عیاں تھی۔ نوجوانوں کی غلطیاں ان کے لیے کوئی کشش نہ رکھتی تھیں۔ اور انھوں نے ہمیشہ اپنے آپ کو ملوث ہونے سے بچایا۔ مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ ان کے کسی دوست نے ان کے متعلق لفظ "فرشتہ" استعمال کیا تھا اور مجھے محسوس ہوتا تھا کہ گویا وہ ان کی اخلاقی زندگی پر تبصرہ کر رہے ہیں وہ مجھ سے اکثر فرمایا کرتے تھے کہ بڑی مصیبت یہ ہے کہ لوگ خدا سے نہیں ڈرتے۔ یہی وہ خوف خدا تھا جسنے ان کی زندگی کو پاک صاف رکھا"

اس تذکرہ کے ذریعہ میں نے ان کی زندگی کے کاموں کا نامکمل خاکہ کھینچنے کی کوشش کی ہے جب کبھی میں ان کا خیال کرتا ہوں تو میری مذہبی کتاب "انجیل" کی دو آیات خود بخود میرے ذہن میں آجاتی ہیں جن میں سے پہلی یہ ہے کہ "مبارک ہیں امن پھیلانے والے کیونکہ وہ خدا کے بچے کہلائیں گے" اور دوسری جو سب سے زیادہ مقدس ہے۔ یہ ہے کہ "مبارک ہیں وہ لوگ جو دل کے پاک ہیں کیونکہ وہ خدا تعالےٰ کو دیکھیں گے۔

(ترجمہ) ضیاءالدین احمد برنی

قریۂ ویران

یہ نظم گولڈ اسمتھ کی اس مشہور و معروف نظم کا ترجمہ ہے جسمین اس نے ایک گانون کی تباہی کا نقشہ اس انداز سے کھینچا ہے۔ کہ ہر شعر ایک تصویر ہے اور ہر تصویر ایک مرقع جس کے دامن مین واقعات ماضی کی کوئی نہ کوئی حسرت بھری کہانی پنہان ہے۔

قریہ ویران مین بھی کم و بیش وہی لطافتین موجود ہین جو اصل نظم مین پائی جاتی ہین بلکہ بعض مقام پر اُردو کی نغمہ سنج فطرت نے ایسی روح تاثیر پھونکدی ہے کہ شعر سوز و اثر کا مجسمہ بنگیا ہے اور مغربی و مشرقی ترانون پر خوش آہنگی مین بہت کم فرق باقی رہ گیا ہے۔

میرے نزدیک الفاظ کی ترجمانی خیالات کی ترجمانی سے زیادہ مشکل ہے۔ یہ ممکن ہے کہ کسی غیر ملکی شاعر کے خیالات اپنے الفاظ مین ادا کر دیئے جائین، لیکن خیالات کی ترجمانی کے ساتھ لفظی ترجمانی کی پابندی آسان نہین کیونکہ ہر زبان کے محاورات و طرز ادا مین کچھ نہ کچھ فرق ہوتا ہے اور اکثر یہ فرق ایسا ہوتا ہے کہ کسی غیر زبان کے محاورہ کا ٹھیک ٹھیک ترجمہ ہو ہی نہین سکتا۔ اور ہو بھی تو وہ لطافت باقی نہین رہتی جو اصل مین پائی جاتی ہے؛

لیکن مولوی سید راحت حسین بی۔ اے نے لفظی ترجمے مین اصل نظم کی لطافت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور اس کوشش مین بڑی حد تک کامیاب ہوگئے ہین اس مختصر مضمون مین گنجائش نہین کہ اصل اور ترجمے کا تقابل کیا جاسکے اسلیئے یہ فرض انگریزی دا

باب خود انجام دے لین ؛

قریۂ ویران کا مقدمہ جناب مترجم کا ایک ادبی کارنامہ ہے - آپ نے چھوٹی تقطیع کی ۷۵ صفحون مین اُردو زبان کی مفصل و مشرح سرگذشت دلکش انداز مین بیان کی ہے اُردو شاعری کی ابتدا کے متعلق فرماتے ہین -

" محققین کی رائے ہے کہ آج سے ۴۴۳ سال ہوئے کہ اُردو شاعری کی ابتدا (۱۴۹۵ء) مین ہوئی - اسمین شک نہین کہ اس سے قبل گیارہوین صدی (بعد مسیح) کے آخر مین مسعود بن سعد ایک شاعر تھا جو ریختی لکھا کرتا تھا اور بعد اسکے تیرہوین صدی کے آخر مین سعدی دکنی اور امیر خسرو نے چیستان دوہرے اور دوسری نظمین لکھین "

جناب مترجم کے نزدیک اُردو کا پہلا شاعر مسعود بن سعد ہے لیکن اور تذکرون سے اسکی تصدیق نہین ہوتی اور سعدی دکنی سے کچھ پہلے دکن مین وجدی گزرا ہے جس کو بعض لوگون نے بہ لحاظ تقدم پہلا شاعر مانا ہے - اسکی شاعری کا نمونہ یہ ہے -

پڑیا عکس اس نور کا جن رُخن
جھلکنے لگا آرسی کے منن

وجدی کی دو مثنویان مشہور ہین - تحفۂ عاشقان اور پنچھی نامہ ، غزلون کا پتہ نہین چلتا ممکن ہے کہ اس نے غزلین بھی کہی ہون اور وہ زمانہ کے ہاتھون پامال و برباد ہو گئی ہون - یا اسوقت اُردو مین غزلگوئی کا رواج ہی نہ ہو لیکن قریۂ ویران کے مقدمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وجدی سے ڈیڑھ یا دو صدی پہلے مسعود بن سعد نے ریختی لکھی -

ریختی سے عموماً غزل مراد ہوتی ہے بلکہ آجکل تو ریختی اس غزل کو کہتے ہین جو عورتون کی زبان مین لکھی جائے - زمانۂ قدیم مین اُردو کو ریختہ کہتے تھے - اس لیے کہ اسمین ہندی فارسی - عربی کے الفاظ بکھرے ہوئے پڑے ہین - پھر رفتہ رفتہ اُردو غزل کو ریختہ کہنے لگے - اس تشریح سے یہ قیاس ہو سکتا ہے کہ مسعود نے اردو مین ریختی یعنی غزلین کہین ، جو وجدی سے صدیون پہلے گزرا ہے - حالانکہ وجدی کے کلام سے

قیاس ہوتا ہے کہ اس زمانہ تک اُردو مین مثنوی لکھنے کا رواج تھا۔ بغرض محال یہ تاویل غلط بھی مانی جاے جب بھی گیارہوین صدی عیسوی کے آخر مین کسی اُردو شاعر کا وجود بغیر ثبوت کے تسلیم نہین کیا جا سکتا۔ فاضل مترجم کو اُس تذکرے کا حوالہ ضرور دینا چاہیے تھا۔ جسمین مسعود بن سعد کے حالات درج ہین۔

بایں ہمہ قریۂ ویران کا مقدمہ بحیثیت مجموعی اُردو زبان کی ایک مختصر مگر دلچسپ اور جامع تاریخ ہے۔

مقدمہ کے بعد جناب مترجم نے رودادِ نظم اور گولڈ اسمتھ کی سوانح عمری لکھی ہے یہ حصہ بھی معلومات کے لحاظ سے قابل قدر ہے۔ اسکے بعد قریہ ویران کے عنوان سے حصۂ نظم شروع ہوتا ہے۔ ترجمہ کے متعلق مترجم کا دعوی ہے کہ یہ لفظی ترجمہ ہے لیکن باوجود اس پابندی کے انداز بیان نہایت دلکش ہے بلکہ بعض شعر پر تو گمان ہی نہین ہوتا کہ یہ کسی انگریزی نظم کا ترجمہ ہوگا۔ مثلاً۔

محو یاکر اکہتی ہے دل کی پشیمانی کہ بس
شادمانی کیا اسی کا نام ہے آکبو الہوس

فاضل مترجم نے جہان کہین اپنی طرف سے الفاظ بڑھاے ہین انھین خطوط وحدانی مین لکھدیا ہے تاکہ اصل ترجمے سے الگ رہین اور ناظرین بہ آسانی اصل سے مطابقت کر سکین۔ اس نظم کے بعض حصے رسالہ زمانہ مین شایع ہو چکے ہین۔ ایک بند رسالہ آفتاب مین بھی شائع ہوا تھا۔ جسکو جناب مترجم نے قریۂ ویران کے شروع مین شایع کیا ہے۔

بہرحال اس نظم مین نظم کی پوری شان موجود ہے۔ ہان بعض بعض جگہ زبان کی خامیان نظر آجاتی ہین لیکن انھین الشاذ کالمعدوم سمجھنا چاہیے۔ مثلاً۔

ظاہری زیبائشون سے پیارا ہے مجھے

زیادہ بروزن ارادہ بہ یاے مشترک فصیح وصحیح ہے۔
حضرت داغ فرماتے ہین۔

دل سیلکے نہ کچھ مانگ صنم اور زیادہ　　　مقدور نہین تیری قسم اور زیادہ

صفحہ ۵۶ پر اسی قسم کی ایک اور فروگذاشت نظر آتی ہے۔

اے پیاری شاعری اے میری حور لقا

قدیم شعرا کے یہان پیاری کا استعمال یائے فارسی مکسور و یائے متحرک مفتوح کے ساتھ نظر آتا ہے لیکن اب یہ بالکل غیر فصیح و ناجائز ہے۔ کسی شاعر کا شعر ہے۔

یہ پیاری پیاری چڑیان پھرتی ہین جو چہکتی
قدرت نے تیری ان کو تسبیح خوان بنا یا!

اہل نظر جانتے ہین کہ اسی قسم کی چند معمولی فروگذاشتون سے نظم کی خوبیون پر کوئی حرف نہین آسکتا نظم کی خوبیان اپنی جگہ پر مسلم رہین گی اور ہمیشہ ارباب ذوق سے خراج تحسین وصول کرتی رہین گی۔ میرا خیال ہے کہ جناب مترجم اس نظم کی تالیف و اشاعت پر دنیا ادب سے مبارکباد کے مستحق ہین۔

کاغذ نفیس کتابت و طباعت دیدہ زیب قیمت ۸ ملنے کا پتہ مرغوب ایجنسی لاہور۔

"تحفظ ہند"

تحفظ ہند ایک چھوٹی سی کتاب ہے، جو چھوٹی تقطیع کے ۴۴ صفحون پر جہانگیر علوی پریس بلاسس روڈ بمبئی پوسٹ نمبر ۸ مین چھپکر شائع ہوئی ہے۔ اسکے مصنف مرزا ضیاء الدین اکمل (سابق پروفیسر لنگوسٹک انسٹیٹیوٹ آف بدایسٹ) ہین اسین مختلف عنوانات پر مفید اور دلکش نظمین درج ہین اور ہر نظم کوئی نہ کوئی ایسی خصوصیت رکھتی ہے کہ پڑھنے والے پر خاص اثر ہوتا ہے تخیل کی خوبیون کے ساتھ انداز بیان بھی دلکش ہے لیکن بعض بعض جگہ ایسی فاش غلطیان بھی موجود ہین کہ دیکھکر تعجب ہوتا ہے۔ مثلاً

ہوس چھوڑ دی اور پایا عبث کو
بدل کرکے سونا وہ لائے ہین خس کو

خس و عبث کا قافیہ ملاحظہ ہو دوسرے مصرعے مین "کرکے"، خاص طور پر قابل توجہ ہے

دوسرا شعر سنئے۔

اُنھین پیرون نے سبق ہمکو دیا ہے — کہ ذی جان کی جان لینا بُرا ہے

سبق کے ہجے کیجئے اور دوسرے مصرعے کی فصاحت ملاحظہ فرمائیے۔

آپ نے اکثر "کر" کے ساتھ "کے" کا بے محل استعمال کیا ہے۔ اور تذکیر و تانیث کے جھگڑون سے بالکل الگ ہوکر شعر موزون کئے ہین۔ ٹائیٹل کے دوسرے صفحے والی سطرین۔ مراجنت برین اور پیار جبین لگنا۔ بہرحال آپنے مسدس، غزل، قطعہ کی صورت مین متعدد۔ اصلاحی۔ سیاسی۔ قومی نظمین لکھی ہین۔ ایک مختصر سی نظم مین حالی کی نوحہ خوانی کا جواب لکھا ہے۔ فرماتے ہین۔

بہت دیر حالی نے کی نوحہ خوانی

چوتھا مصرع یہ ہے۔

یہ ہے مختلف سب سے میری کہانی

گویا آپ نے مولانا حالی کی کمزوری کو محسوس کر لیا ہے۔ اور اپنی نظم مین اسکی تلافی کرنا چاہتے ہین۔

پروفیسر صاحب موصوف قافیہ وغیرہ کی پابندیون کو بھی شاید غیر ضروری سمجھتے ہین جسکو ناظرین نے "عبث" اور "خس" کی مثال سے خود محسوس کر لیا ہوگا ایک جگہ فرماتے ہین۔

مصیبت جو ہے انکو دن رات دیکھو — مکان ان کے ہین کیسے واہیات دیکھو

ایک جگہ بھارت ماتا کی زبان سے فرماتے ہین۔

ہزار ماناکہ بسوا ہون بے سوا ہون مین — نہ بھول جاؤ کہ آخر تمہاری ماں ہون مین

بسوا اور مان کا قافیہ ملاحظہ فرمائیے اسکے علاوہ اس موقع پر بسوا کا استعمال مذاق سلیم کی کھلی ہوئی توہین ہے۔

باایںہمہ نفس مضمون کے لحاظ سے کتاب خوب ہے، اور بعض نظمین اور قطعات قابل دید ہین قیمت ۶ر ملنے کا پتہ درج نہین غالبًا اسی مطبع سے ملسکتی ہے جسمین طبع ہوئی ہے۔

"اعظمی"

ادبیات انگلیشہ کا احسان اُردو پر

کیا اُردو انگریزی ادبیات کی احسان مند ہے ؟ اسی نازک اور پیچیدہ مسئلہ کا جواب تحقیق بہم پہنچانے کی جناب سید عبد اللطیف صاحب پروفیسر ادبیات انگلیشہ عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد دکن نے قابل قدر مساعی حسنہ فرمائی ہے جسکا سرٹ انگیز انجام انفلوئنس آف انگلش لٹریچر آن اُردو لٹریچر' ہے۔

یہ ڈیڑھ سو صفحہ کی تصنیف ہے کہ جو پروفیسر صاحب ممدوح نے لندن یونیورسٹی سے ڈاکٹر آف فلاسفی کی ڈگری حاصل کرنے کے مقصد سے مرتب کر کے پیش کی تھی۔ اس تصنیف پر جامع ریویو لکھنا دشوار ہے۔ لیکن یہ گزارش کرنا ضروری ہے اور اس قسم کی تصنیفات کی یہ خصوصیت لازمی ہے کہ سید صاحب موصوف نے جدید طریقۂ تحقیقات کی مدد سے اُردو ادبیات کی ایک جامع تاریخ مرتب فرمائی ہے۔ سب سے پہلے اُردو کی حالت پر جو انگریزون کے اس ملک مین حکومت قائم کرنے سے پہلے تھی۔ تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ حصّہ اوّل اسی کی نذر ہے۔ ہندوؤن کی بدولت ادبیات اُردو مین کس قدر ترقی ہوئی تھی ؟ اور مسلمانون کی مساعی حسنہ سے اردو ادبیات کی کیسی پرورش ہوئی۔ اسکا مفصل تذکرہ ہے۔ حصّہ دوم مین انگریزی ادبیات کے اثر کا ذکر خیر پایا جاتا ہے۔ اسی ذیل مین مغربی نظام تعلیم اور مذہبی سوشیل اور پولیٹکل تحریکین اور اخبارات و مطابع قابل ذکر ہین جن کی بدولت اردو پر بہت گہرا اثر پڑا ہے۔ دور جدید مین تخیلات ادبی تہ و بالا ہو گئے۔ نثر اور نظم دونون انگریزی رنگ مین ڈوب گئے ہین سر سید احمد خان نئی طرز تحریر کے بانی تھے۔ دور اولین اور دور ثانی کے طرز تحریر مین بہت نمایان فرق پیدا ہو گیا ہے۔ پروفیسر صاحب کا دعوےٰ ہے کہ انگریزی ادبیات کے رواج اور اثر سے پہلے اُردو نثر عنقا تھی۔ آخری فصل مین جدید خیالات کا ذکر ہے جن سے اہل قلم تحریک حاصل کر کے مضمون نگاری اور تصنیف و تالیف پر آمادہ ہوتے ہین۔ اسی سلسلے مین بہت سے حامیان اُردو کا ذکر (جسکے بغیر اُردو کی موجودہ ترقی کا کوئی تذکرہ مکمل نہین کہا جا سکتا ہے) قلم انداز ہو گیا ہے۔ پنڈت برج نرائن چکبست۔ پنڈت منوہر لال زتشی اور منشی

ویانرائن نگم کی خدمات کا ذکر ضروری تھا۔ اُردو رسائل مین زمانہ جیسے قدیم خادم ادب کا نام نظرانداز ہونا ایک اہم فرو گذاشت ہے۔ اِسطرح اور بھی بہت سی خامیان اس باب مین ہین۔ ہمکو امید ہے کہ قابل مصنف آئندہ اڈیشن مین ان خامیون کو دور کرنے کی کوشش فرمائینگے۔

کتاب کی قیمت پانچ روپیہ طلبا کے اڈیشن کی ہے جو لکشمی نارائن اینڈ کمپنی رزیڈنسی حیدرآباد سے مل سکتی ہے۔

اسرار فری میسن

اس کتاب کا نام اگرچہ اسرار فری میسن ہے لیکن جو کچھ اسمین لکھا گیا ہے اس ست فری میسن کے کسی راز کا پتہ نہین چلتا۔ اس کے مصنف نے سب سے بڑی ستم ظریفی جو کی ہے وہ یہ ہے کہ کتاب کے نام کے خلاف ویدون کی تعلیمات سے بحث کی ہے آخر مین فری میسن مین داخل ہونے کے کچھ قواعد بھی لکھدیے ہین۔

حجم ۴۲ صفحات کاغذ و کتابت معمولی قیمت ۲ر مصنف منشی نرائن پرشاد بیل منڈی آگرہ سے مل سکتی ہے۔

مقتل فریب مغربی معمل خانے

یہ کتاب جناب طالب الہ آبادی کی تالیف ہے۔ اسمین مغربی معمل خانون کی ترقی یافتہ حالت دکھائی گئی ہے۔ ان مغربی معمل خانون مین غریب جانورون کے ساتھ جو سلوک کیا جاتا ہے وہ قابل احتجاج ہے۔ زبان اگرچہ کہین کہین غلط ہے مگر مجموعی حیثیت سے یہ کتاب ایک مذاق کی چیز ضرور ہے اگر طالب صاحب اس کتاب کا نام صرف مغربی معمل خانے رکھتے تو زیادہ بہتر ہوتا۔ مقتل فریب کا اضافہ فضول ہے۔ حجم ۵۸ صفحہ قیمت ۴ر ملنے کا پتہ الناظر بک ایجنسی لکھنو۔

تاریخ دریاباد

یہ کتاب منشی برج بھوکن لال صاحب محتب شاگرد حضرت نظیر لکھنوی کی مورخانہ کاوشون کا نتیجہ ہے۔ آپ نے دریاباد جیسے چھوٹے قصبہ کی تاریخ اور اس کے گزشتہ و موجودہ

وگون کے حالات زندگی نہایت شرح وبسط سے لکھے ہین وہ حضرات جنھین تاریخی اور ذاتی حالات معلوم کرنے کا شوق ہو وہ اس مفید کتاب سے فائدہ اُٹھا سکتے ہین کتابت طباعت عمدہ حجم ۲۳۲ صفحات قیمت ہے ملنے کا پتہ منشی گمن بہاری لال صاحب آنریری سکریٹری گوشالہ دریاباد ضلع بارہ بنکی۔

چند ہندی کتابین[1]

منورنجک کہانیان (ہندی) یہ ۱۷ کہانیون کا مجموعہ شری ادھیاپک ظہور بخش جی کی کاوشون کا نتیجہ ہے۔ یہ چھوٹی چھوٹی سبق آموز کہانیان بچون کے لئے خاص طور پر لکھی گئین ہین۔ زبان نہایت سادہ وبلیس ہے جسکو کہ چھوٹے بچے بآسانی سمجھ سکتے ہین قصہ کے پیرایہ مین جابجا نصیحتین بھی کی گئی ہین۔ قابل مصنف نے دیباچہ مین لکھا ہے کہ چھوٹے بچے کہانیون کو بڑے چاؤ سے سنتے ہین بچے ہی کیون مرد وعورت سبھی کہانیون کے بڑے شائق ہوتے ہین۔ کہانیون سے نصیحت بھی حاصل ہوتی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ وہ دلچسپ بھی ہوتی ہین "

کتاب نہایت دلچسپ ومفید ہے۔ ایسی کتاب کی ہر زبان مین ضرورت ہے' قیمت صرف ۸/

منوہر اتہاسک کہانیان (ہندی) یہ تاریخی کہانیان بھی چھوٹے بچون کے لیے لکھی گئی ہین۔ شری ادھیاپک ظہور بخش جی نے کئی زبانون سے اخذ کرکے ۱۵ کہانیون کا یہ مجموعہ فراہم کیا ہے کہانیان نصیحت آمیز ہین اور سادہ زبان مین لکھی گئی ہین قیمت ۱۲/

دیوداس (ہندی) بنگلہ کے مشہور مصنف شرت بابو کے اس ناول کا ترجمہ شری بیت گنگا پرشاد سنگھ وشارد نے ہندی زبان مین کیا ہے۔ بنگلہ لٹریچر مین شرت بابو کا درجہ بہت اونچا ہے۔ ان کا شمار وہان کے بڑے اہل کمال مین ہے۔ جو درجہ اردو مین منشی پریم چند کو حاصل ہے۔ وہی رتبہ بنگلہ زبان مین شرت بابو کا ہے ان کے ناول

[1] یہ سب کتابین منیجر صاحب چاند کاریالیہ الہ آباد سے دستیاب ہوسکتی ہین۔

بڑی دلچسپی سے پڑھے جاتے ہین اسوقت ہمارے ملک مین بنگلہ لٹریچر نے جسقدر حیرت انگیز ترقی کی ہے اتنی کسی اور زبان کو نصیب نہین ہوئی - ہمارے وطن کے بہترین شاعر ڈرامیٹسٹ اور ناول نویس سب ہی بنگالی ہین - ربندرا ناتھ جیسا شاعر - دوجیندرلال جیسا ڈراماٹسٹ - پنچکوڑی دے کی طرح جاسوسی فسانہ نگار - شرت کمار کا سا ناولسٹ اُدیر بھات کما ر و سرلا دیوی کی طرح چھوٹے چھوٹے قصّے لکھنے والے آج ہندوستان کی دوسری زبان کو نصیب نہین . اگر کسی زبان مین اچھے مصنفین موجود ہون تو اس سے بڑھکر اور کیا ہوسکتا ہے لیکن اگر یہ نہو تو کسی دوسری زبان کی بہترین کتابون کا ترجمہ بھی اس زبان کو مالامال کر دینے کے لیے کافی ہے - آجکل بنگلہ کی کتابون کا ہندی مین بکثرت ترجمہ ہو رہا ہے - اس ناول مین قابل مصنف نے بنگال کی روزمرہ زندگی کا نہایت خوب نقشہ کھینچا ہے قیمت عہ

گرہ کا چھیمہ - یہ بھی ایک بنگالی ناول کا ترجمہ ہے - جسکے اصل مصنف شری یوگندرا ناتھ چودھری - ایم - اے اور مترجم شری شیام سندر دویدی ہین پلاٹ اچھا ہے - ہر باب کے آغاز مین چند انگریزی کے شعر بطور اقتباس درج کیے گئے ہین بہتر ہوتا اگر ان کا ترجمہ ہندی مین بھی کر دیا جاتا - تاہم کتاب دلچسپ اور قابل قدر ہے - قیمت ۸ر

منگل پربھات یہ ۷۲۵ صفحہ کا ضخیم ناول شری چنڈی پرشاد ہردیش کے زورِ قلم کا نتیجہ ہے - ہندوؤن کی سوشل حالت سے خاص تعلق رکھتا ہے اسمین حب الوطنی کا بھی رنگ نمایان طور پر ظاہر ہے پلاٹ عمدہ ہے - لیکن سوال یہ ہے کہ آجکل کے زمانہ مین جبکہ عدیم الفرصتی کی عام شکایت ہے اور علم بسیار و وقت کوتاہ کا مضمون ہے اتنے ضخیم ناول پڑھنے کا وقت بہت کم لوگون کو مل سکتا ہے نئی زمانہ اگر چھوٹی کہانیان یا ایسے ناول جو چار پانچ گھنٹے کی ایک نشست مین ختم ہو جائین لکھی جائین تو بہتر ہو - پھر بھی مصنف کی کوشش قابلِ داد ہے - اسکی جلد بھی نہایت خوبصورت بنی ہوئی ہے قیمت صر

بچپن کی یاد

نہین باقی ہے اب طاقت جگر مین شور و شیون کی
الٰہی پھر یہ کیون رہ رہ کے یاد آتی ہے بچپن کی

وہ لذت جبکو مان کا دودھ کہتے ہین کہان پاؤن
پیا اک گھونٹ تلخی مٹ گئی سب شور و شیون کی

ہمک کر آہ وہ آغوش مادر سے نکلجانا
کہان ہے اے دل مردہ کشش وہ شمع روشن کی

بڑھا کر ہاتھ وہ خوش خوش بلانا پھر مچل جانا
اُڑی کیون نہین اب دلمین کرنین ماہ روشن کی

زمین پر کھیلتے ہی کھیلتے اکبار سو جانا
وہ راحت اب اگر پہنچا ئیگی تو نیند مدفن کی

چمن مین تیلیون کے شوق مین وہ دوڑتے پھرنا
اُلجھکر خار سے جب دھجیان اُڑتی تھین دامن کی

وہ بہہ رونا محو ہو کر کھیلنا کاغذ کی ناؤون سے
بہا دیتی تھین نالے جب گھٹا ئین آکے ساون کی

شب تاریک مین جب کوئی جگنو دیکھ لیتا ہون
جگر مین ہوک بنجاتی ہے حالت دل کی الجھن کی

نہ جانا تھا باغ دہر مین کانٹے بھی ہوتے ہین
نہ ہونے پائی تھی تمیز ہی کچھ دوست دشمن کی

فریب ذوق آگاہی نہ کھایا تھا طبیعت نے
نہ کچھ غم آستین کا تھا نہ تھی کچھ فکر دامن کی

اُجالا ہی اُجالا تھا بسیرے کا شانۂ دل مین
سحر کی روشنی مین کچھ عجب رونق بھی گلشن کی

وہ معصومی وہ بے فکری وہ ہنستے کھیلتے رہنا
تڑپ اُٹھتا ہون جبدم یاد آجاتی ہے بچپن کی

اگر پھر ایک دن ملجائے مجھکو اُس زمانے کا
رہے شکوہ نہ کوئی دلمین باقی غم اُٹھانے کا

نہ وہ گل ہین نہ وہ رنگ بہار بوستان باقی
فقط اب رہ گئی نیرنگی دور خزان باقی

مین بھولا حرف بے معنی سے مطلب کو ادا کرنا
تڑپنے کو دہن مین رہ گئی ہے اب زبان باقی

جہان ہنگامۂ عشرت تھا اب غم کی گھٹائین ہین
جہان تھا کاروان اب ہے غبار کاروان باقی

ہین شکلین ارمان گھٹ کر رہ گئے دلمین — کھلے تھے گل جہان دو چار کانٹے ہین وہان باقی
ابھی کی آنکھون مین اب وہ بھی کھٹکتے ہین — جو کانٹے رہ گئے ہین یادگارِ بوستان باقی
یم رفتہ بھی [illegible]دان غنیمت ہے — سرشکِ خون سے آنکھو مین ہین کچھ رنگینیان باقی
ریان حاصل ہستی یقین وہ ممکن نہین ملتا — تو کیون رہجائے دلمین یاد بھی پھران کی ہان باقی
بنے، مٹادے اسکو بھی اے گردش دوران — قیامت ہے، رہا گر امتیازِ این و آن باقی
پر بھی کیون چھائی نہین ظلمت مرے غم کی — نہین وہ مین تو پھر کیون ہے وہی رنگ جہان باقی

بیا تا گل برافشانیم و مے در ساغر اندازیم
فلک را سقف بشگافیم و طرح دیگر اندازیم

جگر (بریلوی)

ترجمۂ منظوم

(لے آف دی لاسٹ منسٹرل کے چند اشعار کا ترجمہ)

کیا ہے کوئی شخص اتنا مردہ دل زندہ کہین — دہر مین جسکی زبان سے یہ کبھی نکلا نہین
یہ ہے میری جنم بھومی - یہ مرا پیارا وطن — سوز الفت قلب مین جسکے نہ ہو پیدا کبھی
ختم کر کر وہ سیاحت اپنی ملکِ غیر کی — لوٹے جب گھر کیطرف سہکر بہت رنج و محن
گر کوئی ایسا ہو - جاؤ غور سے دیکھو اسے — اسکا دل پاؤگے خالی مطربون کے جوش سے
گو اسے حاصل گرامی نام ہے اعزاز ہے — گنج بے پایان گو اسکا نتہائے آز ہے
باوجود ثروت و جاہ و خطابات کثیر — چونکہ وہ کمبخت ہے خودکام اور تیرہ ضمیر
نیک نامی سے رہے گا عمر بھر محروم وہ — اور مرے گا بالیقین درحالت مذموم وہ
قبر پہنچائے گا جسمِ وہ پھر ناپاک دہول — کوئی روئے گا دُکا نہ یگانہ ڈالے گا دو پھول

سید عبدالرؤف شاہ عاصی

بہارِ تخیل

زندگی میری باندازۂ ایام نہین — میرا آغاز رہینِ غمِ انجام نہین
ذوق اعجازِ عمل سے ہے مری گرمیٔ دل — مین فسون خوردۂ سحرِ ہوسِ خام نہین
بادۂ ناب خمستانِ ازل پیتا ہون — یعنی مستی مری محتاجِ مے و جام نہین
بیقراری ہے مرے واسطے سامانِ قرار — جسکو تم کہتے ہو آرام وہ آرام نہین
ہمنشین تجھکو نہین میری حقیقت معلوم — گوہرِ کان ہون سنگِ گزرِ عام نہین
کون ہے جسکو نہو ذکرِ خدا راحتِ روح — اسپہ بھی کون ہے جو بندۂ اصنام نہین
رہرو راہِ محبت کے ہین اوقات عجیب — جنمین دن رات نہین صبح نہین شام نہین
ہو سکے بادۂ گلگونِ طرب افزا کیونکر — رونقِ بزم اگر وہ بتِ گلفام نہین
مرغِ دل دانۂ اغیار کے نزدیک نہ جا — ہے کہان دانہ کہ پوشیدہ وہان دام نہین

ہمکو رسم و رہ پارسی سے سروکار ہے کیا
جامِ جم درخورِ رندانِ خُم آشام نہین

بیکس

جذباتِ شاکی

جسطرح خضر پھرتے ہین صحرائے رضا مین — میری بھی گذر جائیگی یونہین راہِ وفا مین
بخشےگی اثر مجکو ضرور آبِ بقا کا — تم زہر ملا دوگے اگر میری دوا مین
کہتا ہے یہ اُٹھا اٹھکے مرا پنجۂ وحشت — چھوڑونگا نہ اک تار گریبان قبا مین

بیکار ہے واللہ حسینون کی شکایت
شاکی نہ سنی جائیگی درگاہ خدا مین

بیکسی (رضا جہان پوری)

تقاضائے بہار

تم ہو صحنِ باغ مین جب زینتِ افزائے بہار
کیون بہار لالہ و گل پر نہ آ جائے بہار

داغہائے دل نے دکھلایا جو گلشن کا سمان
ہم یہ سمجھے آگئی فصلِ طرب زائے بہار۔

آہ! گل بوٹے تمناؤن کے سب پامال ہین
باغِ عالم مین اب آئے یا چلی جائے بہار

وہ تھے محوِ سیرِ گل، اپنی نظر گلچینِ حسن
ہمتو جب مانین کہ پھر ویسی کبھی آئے بہار

مرگیا اک نوبہارِ ناز کی فرقت مین دل
ہوگیا بیگانۂ لطفِ تماشائے بہار

پاس ہے تیرے علاجِ خاطرِ افسردہ بھی؟
اے نسیمِ موسمِ گل! اے مسیحائے بہار

ہائے وہ تیری فضائین نغمہ زارِ عاشقی!
یاد پھر مجھکو دلاتی ہین نواہائے بہار

ہو مبارک تجھکو یہ دورِ طرب اے عندلیب
ہم بھی تھے تیری طرح سرمستِ صہبائے بہار

آشنائے حسنِ گل تھا دل ہمارا بھی کبھی
تھی نگاہِ شوق اپنی بھی شناسائے بہار

چاک سینے ہوگئے غنچون کے یکسر باغ مین
کب بہ آسانی بر آتی ہے تمنائے بہار

فصلِ گل مین کچھ نہ کچھ محروم کہہ لیتے ہین ہم
ہر برس در پردہ ہوتا ہے تقاضائے بہار

تلوک چند محروم

کلام فراق

سر پٹکنے کی جنون مین کوئی تدبیر رہے
مین رہون اور مری پھوٹی ہوئی تقدیر رہے

کب تک اے ضبط محبت کوئی دلگیر رہے
دل سے اِک آہ اُٹھے آہ مین تاثیر رہے

نوک مژگان کا ہے اے چشم فسونگر جب لطف
دلمین بھی ڈوب کے چٹکی مین تری تیر رہے

یہ کرامت تو اسی چشم فسون ساز مین ہے
کہ خموشی مین نہان شوخیٔ تقریر رہے

شورش جوشِ جنون کم نہ ہو جا کر تہِ خاک
وحشیو! پانون مین ہلتی ہوئی زنجیر رہے

کوئی کس دلسے کہے ایسی تباہی کو بُرا
جسمین کچھ شائبۂ خوبیٔ تقدیر رہے

بے نیازی نے تری دلکو کیا گرویدہ
آہ اب کس لیے منت کش تاثیر رہے

دیکھتے تجھکو جو اے دوست تو ہم کیا ہوتے
شوقِ دیدار مین ہم عالمِ تصویر رہے

کسطرف سے آرہی ہے آج پیہم بوئے دوست
اے صبا بکھرے ہین کس انداز سے گیسوئے دوست

نکہت برباد زلف دوست ہم تک بھی ذرا
ہم بھی بیٹھے ہین اِسی رخ اے ہوا کوئے دوست

شبنستان نے لیا ہے مہر کو آغوش مین
میری چشم تر مین ہے حسن و جمالِ روئے دوست

اور کچھ دن اے جنون شامِ غریبان دیکھ لین
کھینچ ہی لے گی کبھی ہمکو زمینِ کوئے دوست

چڑھ گئی تھین تیوریان میری اُداسی پر فراق
یاد آتے ہین مجھے وہ بل پڑے ابروئے دوست

رگھوپت سہائے فراق

از لسان الہند حضرت عزیز لکھنوی

شامِ فراق ذکر جوانی مین کٹ گئی　　کیا رات تھی کہ ایک کہانی مین کٹ گئی
اب انتظار کیا ہے مجھے اے حریص عیش　　پیری بھی انتظار جوانی مین کٹ گئی
دلچسپ دلفریب ہے کیا عیش بے ثبات　　دنیا کی عمر ایک کہانی مین کٹ گئی

آنکھون کو شغل گریہ ہمیشہ رہا عزیز
دریا کی ساری عمر روانی مین کٹ گئی

حضرت محشر لکھنوی

کہتے ہین آزاد بلبل سے اسیرانِ قفس　　آشیان تیار کرنا اب توہم شانِ قفس
ظلم ہو صیاد کا یا رحم ہو کیا فائدہ　　اور ہین کچھ روز کے مہمان مہمانِ قفس
اے زہے طول اسیری قدر دانی تو ہوئی　　اب مرا صیاد کہتا ہے مجھے جانِ قفس
بدلے آزادی کے بر آئے کہین یہ آرزو　　اے خدا وہ دن دکھا دے ہین ہون قربانِ قفس
قوت پرواز کی طول اسیری نے فنا　　چھوٹ کر اٹھیگا کیونکر مجھسے احسانِ قفس
آشیانہ کیا گلستان بھی نظر مین خاک ہے　　قسمت اس بلبل کی جو ٹھہرا ہو شایانِ قفس
قید ہون نظرین مگر گلگشت کو آزاد ہین　　کیا بگاڑے گی مرا تنگیٔ زندانِ قفس
زندگی کیا زندگی تھی جب کبھی آزاد تھے　　قابلِ عبرت ہے اب حالِ اسیرانِ قفس

محشر اُس بلبل سے کیون پوچھو کہ ہے کیا چیز باغ
پرورش پائی ہو جسنے زیرِ دامانِ قفس

از جناب چودھری جگت موہن لال رواں ایم اے ایل ایل بی

منھ سے کچھ کہتا تو بیشک قابل الزام تھا ۔۔۔ سانس لینا تھا کہ رازِ عشق طشت از بام تھا
ہمسے پوچھو لذتِ تکلیف و دردِ انتظار ۔۔۔ ہر نفس اک مرگِ شیرین کا نیا پیغام تھا
رکھدیا ہمت نے بڑھکر حدِ منزل پر قدم ۔۔۔ مین ابھی شکوہ طرازِ گردشِ ایام تھا
آفرین اُسکو کہ جسنے زندگی کی نذرِ دوست ۔۔۔ ورنہ خالی جان دیدینا بھی کوئی کام تھا
ناخنِ ہمت شکستہ اور گرہ صبر آزما ۔۔۔ زندگی کیا چیز تھی اور موت کسکا نام تھا
اب چمن مین رہ کے بھی لطفِ چمن حاصل نہین ۔۔۔ ہان مگر جبتک قفس مین تھے قفس بدنام تھا
تیرے مطلب کے تصدق تیرے مقصد کے نثار ۔۔۔ حکمِ نظمِ آفرینش اذنِ قتلِ عام تھا
یہ شگوفہ دیکھکر ہنستے تھے کل گلشن مین پھول ۔۔۔ صید تھے آزاد اور صیاد اسیرِ دام تھا
آرزوے زندگی تھی باعثِ تکلیفِ جان ۔۔۔ یہ خلش مٹتی تو پھر آرام ہی آرام تھا
جنبشِ برگِ شجر سے تا بہ طوفانِ حیات ۔۔۔ ایک ہی پیغامبر تھا ایک ہی پیغام تھا

اب یہ ممکن ہے کہ ہو جائے رواں مقبولِ دوست
آج وہ بھی مٹگیا جینے کا جو الزام تھا

از حضرت صفدر مرزا پوری

تونے تو آئینے مین صنعتِ قدرت دیکھی ۔۔۔ مگر آئینے نے پہرون تری صورت دیکھی
اشک کمبخت کچھ آنکھون مین بھر آئے ایسے ۔۔۔ آنکھ بھر کر بھی نہ صورت دمِ رخصت دیکھی
جلوۂ طور مبارک رہے موسے تمکو ۔۔۔ ہمنے آنکھون سے اُن آنکھون کی شرارت دیکھی
قبرِ اغیار پہ بیٹھے ہین وہ کھولے ہوئے بال ۔۔۔ یہ نئی گورِ غریبان مین قیامت دیکھی
واکیا باب قفس پر بھی مرے کھول دیئے ۔۔۔ جب نہ صیاد نے پرواز کی طاقت دیکھی
منھ نہ کھلوائین نکیرین پڑا رہنے دین ۔۔۔ خاک مین ملگئے تب قبر کی صورت دیکھی
کیسے مشتاق تہِ خاک گئے تھے لیکن ۔۔۔ نہ یہ جلسے نظر آئے نہ یہ صحبت دیکھی

غیر کو دیکھ کے صفدر کو نہ دیکھا سرِ بزم
بیمروت تری آنکھون کی مروت دیکھی

علمی خبرین اور نوٹ

شکر ہے کہ ایک مدت کے بعد ہمارے صوبے کی گورنمنٹ نے اُردو ہندی ادبیات کے ترقی کیطرف توجہ کی ہے۔ چنانچہ نوراللغات کی اشاعت کے لیے گورنمنٹ نے دو ہزار روپیے عنایت فرمائے ہین رسالہ زمانہ مین ہم بارہا مصنفین اور مولفین کی امداد و اعانت کے متعلق رؤسا ملک اور حکام گورنمنٹ کی توجہ مبذول کر چکے ہین۔ کارکنان رسالہ نے صوبے کی ادبی ضروریات کے متعلق اعلےٰ ترین حکام سے زبانی عرض و معروض بھی کیا ہے۔ خوشی کی بات ہے کہ اب یہ عرضداشتین بار آور ہو رہی ہین۔

گذشتہ دسمبر کے قومی نمبر زمانہ مین صوبہ متحدہ کی دیسی زبانون کے توسیع و ترقی کے متعلق ایک ایڈیٹوریل مضمون کے دوران مین ہندوستانی اکیڈمی کے قیام کی ضرورت بیان کی گئی تھی۔ نجی طور سے اس اسکیم کی تفصیلات بھی بعض بلند پایہ اصحاب کی خدمت مین پیش کی گئی تھین۔ ہماری رائے مین یہ عظیم الشان کام حکومت وقت کے سرپرستی کے بغیر انجام نہین پا سکتا ہے۔ اور ہندوستان خاص کی علمی ترقی کیلئے مشرق و مغرب کی بہترین قوتون کا اتحاد عمل تعاون باہمی کا بہترین کارنامہ ہوگا۔ برطانوی گورنمنٹ نے اُردو پر احسانات عظیم کئے ہین۔ مگر جو کچھ ہو چکا ہے اس سے بہت زیادہ کام کرنا باقی ہے۔ ہم لکھ چکے ہین کہ ہندی اُردو دونون زبانون کی ترقی ہونا چاہیئے۔ ہماری رائے مین ادبی تعصب بدترین تعصب ہوتا ہے اور اس سے تنگ خیالی اور پست ہمتی کی ترقی کے سوا اور کوئی نتیجہ نہین نکل سکتا ہے۔ بہرحال گورنمنٹ کی امداد و سرپرستی صرف ایسی اسکیم کے شامل حال ہو سکتی ہے جسمین صوبے کی دونون زبانون کے ترقی کا انتظام موجود ہو۔

ہندوستانی اکیڈمی کے اغراض و مقاصد حسب ذیل ہونا چاہیے۔

(۱) بیش قرار انعامات کے ذریعہ مختلف شعبون کی بہترین تصانیف کی حوصلہ افزائی کرنا۔
(۲) دوسری زبانون کی بہترین کتابون کے اُردو ہندی زبانون مین ترجمے کرانا۔
(۳) قدیم مصنفین کے نادر و نایاب تصانیف کے مشرح اڈیشن شائع کرنا۔
(۴) لغات انسائیکوپیڈیا۔ ڈکشنری اور سائنٹفک اصطلاحات کی گلاسریان مرتب کرنا۔
(۵) مندرجہ بالا اقسام کی کتابون کے اشاعت کا انتظام کرنا اس اکیڈمی کا ایک ضمنی فرض یہ بھی ہوگا کہ وہ اُردو ہندی کے ذریعہ اعلےٰ ترین تعلیم دلانے کا بھی بندوبست کرے۔ اس سلسلے مین ہر شعبہ مین اعلےٰ ترین تصانیف وتراجم کا انتظام کرنا ہوگا۔

اس اکیڈمی کے بدولت قابل نوجوانان ملک کے لیے ادبی خدمت کو بطور پیشہ اختیار کرنے کی بھی گنجایش نکل آسے گی۔

اکیڈمی کے انتظام واہتمام کیلئے ساٹھ ستر معززین کی ایک جنرل کونسل قائم کرنا ہوگی جس کے سرپرست ہز ایکسیلنسی گورنر صوبہ ہون اور صدر آنربل وزیر تعلیمات۔ ممبر سرکاری حکام وغیر سرکاری معززین دونون طبقون کے منتخب اصحاب ہون مثلاً الہ آباد۔ بنارس۔ لکھنو وعلیگڈھ یونیورسٹیون کے وائس چانسلر صاحبان۔ ڈائرکٹر صاحب سررشتہ تعلیمات۔ یونیورسٹیون کے شعبہ اُردو وہندی کے پروفیسران صاحب سکریٹری بورڈ آف انٹرمیڈیٹ و ہائی اسکول ایجوکیشن وغیرہ کو بہ اعتبار عہدہ اس کونسل کا ممبر ہونا چاہیے۔ بقیہ ممبران کے نامزد کرنے کا اختیار آنربل وزیر صاحب تعلیمات کو دینا چاہیے اور چونکہ وزیر تعلیمات کا ہمیشہ ہمارے ہی منتخب قائمقام ہوتے ہین اسلئے امید ہے کہ وہ ہر طبقہ کے مفید اور قابل لوگون ہی کو اس اکیڈمی کے ممبری کیلئے نامزد فرمائین گے۔ یہ توقع بھی بیجا نہ ہوگی کہ اس اکیڈمی کونسل کے ممبران مین کی غالب تعداد غیر سرکاری اصحاب ہی کی ہوگی اور صوبہ کے بہترین انشا پرداز اور خاص خاص خادمان ادب اسمین شامل کر لیے جائین گے۔

اکیڈمی کے لیے گرانقدر عطیات دینے والے سرپرستان ادب بھی جنرل کونسل کے رکن ہونگے۔

جنرل کونسل کے علاوہ کئی اور کمیٹیان بھی قائم کرنا ہونگی مثلاً گیارہ منتخب ممبران کی ایک مختصر جماعت انتظامیہ کمیٹی کے نام سے قائم ہوگی جسکے ذمے اکیڈمی کے مالی انتظامات ہونگے۔ اور پندرہ

سولہ اصحاب کی ایک ادبی کمیٹی مقرر کرنا ہوگی جسکے ذمہ جدید تصانیف کے لئے مضامین کا انتخاب الفاظ کا مقرر کرنا۔ ترجمہ کے لئے کتابون کا انتخاب اور تمام تصانیف وتراجم کی نظر ثانی کیلئے قابل ترین ججون کا تقرر کرنا ہوگا۔

ظاہر کہ اس قدر کام ایک مستقل عملہ کے بغیر نہین ہوسکتا ہے۔ ہماری راے مین اکیڈمی کا ایک تنخواہ دار سکرٹری ہونا چاہئے اور اس کی امداد کے لئے ضروری اہلکارون کا ایک مختصر عملہ رکھنا ہوگا

فی الحال دو لاکھ روپیہ کی سرکاری گرانٹ سے یہ اکیڈمی اپنا کام بخوبی شروع کرسکتی ہے

اکیڈمی کے وجود مین آنے سے ملک کی اور بہت سی ادبی ضروریات بھی پوری ہوسکتی ہین مثلاً اکیڈمی خاص خاص مستحقین کو جنہون نے اپنی عمر ملک کی ادبی خدمت مین گزار دی ہو ادبی وظایف عطا کرسکتی ہے۔ اکیڈمی ایک اعلیٰ پیمانہ پر اپنا پریس بھی قایم کرسکتی ہے اور اس پریس کے ذریعہ اردو مین ٹائپ کے رواج کو ترقی دی جاسکتی ہے کتابون کی اشاعت کیلئے مختلف مقامات پر بکڈپو قایم کئے جاسکتے ہین وغیرہ وغیرہ

یہ صرف ایک خاکہ ہے جسکو ہم علم دوست حکام اور رؤساء ملک کے روبرو پیش کررہے ہین ہم چاہتے ہین کہ اس اسکیم کے حسن وقبح پر آزادانہ غور کیا جاے اور جس شق مین ترمیم کی ضرورت ہو مناسب ترمیمات پیش کی جائین۔

ابتک جن مقتدر اصحاب سے اس اسکیم کے بارے مین تبادلہ خیال کیا گیا اُنہون نے عام طور پر اکیڈمی کے قیام تجویز کو بہت پسند فرمایا ہے۔ ہمکو اسکے متعلق خصوصاً گورنر صوبہ و آنریبل وزیر تعلیمات و ممبران قانونی کونسل سے بڑی امیدین ہین اور خوشی کی بات ہے کہ ہماری امیدین بے بنیاد نہین ہین آنریبل راے راجیشور بلی صاحب وزیر تعلیمات صوبہ متحدہ اردو ہندی کے شیدائی ہین اور ہز اکسیلنسی سر ولیم میرس ایک زبردست انشاپرداز ہونیکے ساتھ ہی تمام علوم وفنون لطیفہ کے قدردان و سرپرست ہین۔ آپ کے عہد مبارک مین صوبہ متحدہ مین موسیقی کانفرنس اور فن مصوری کی نمائشین ہوچکی ہین اور اب لکھنؤ مین ایک موسیقی کالج اور تصویرخانہ قایم کرنیکی کوشش بلیغ ہورہی ہے کیا اچھا ہو کہ ان مفید تحریکون کے ساتھ ساتھ ہندوستانی اکیڈمی بھی آپ ہی کے عہد معدلت مہد مین قایم ہوجائے۔

صوبہ کی قانونی کونسل دیسی زبانون کی ترقی کی زبردست حامی ہے۔ مارچ سن گذشتہ کے اجلاس کونسل مین ہمارے معزز و محترم دوست خان بہادر حافظ ہدایت حسین صاحب نے ہندوستانی اکیڈمی کی اسکیم کو کونسل کے روبرو پیش کر کے ملک و قوم کی ایک قابلِ یادگار خدمت کی ہے اور قدردانانِ ادب یہ سنکر خوش ہونگے کہ صاحب وزیر تعلیمات نے اس تجویز کا نہایت ہمدردی کیساتھ استقبال کیا اور ممبران کونسل نے بھی عام طور پر اس کو پسند فرمایا ہے۔

آنریبل وزیر صاحب نے اس سال بجٹ مین پچیس ہزار روپیہ کی رقم اردو ہندی کی حوصلہ افزائی کیلئے علیحدہ کی ہے۔ ہمکو معلوم ہوا ہے کہ آپ اس مد مین فی الحال لاکھ روپیہ تک صرف کرنے کے لیے تیار ہین۔ ایسی صورت مین کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ اکتوبر یا نومبر آئندہ مین لکھنؤ یا الہ آباد مین معززین صوبہ کا جن کو اردو ہندی کی ترقی سے دلچسپی ہو ایک جلسۂ عام منعقد کیا جائے اور اسی جلسے مین اس علمی انجمن کی بنیاد رکھی جائے اور خدا کا نام لیکر کام کی شروعات کردی جائے۔

سطور بالا مین مستحق اہلِ قلم کی مالی امداد کا ہمنے ذکر کیا ہے۔ ہمکو یہ معلوم ہو کر نہایت خوشی ہوئی کہ آسام گورنمنٹ نے حال مین اپنے صوبہ کے ایک مشہور مصنف کو پچیس روپیہ ماہوار کا وظیفہ دینا منظور کیا ہے۔ صوبۂ آسام مین اس سے پہلے سے ایک اور انشا پرداز کو بھی اسطرح کی امداد مل رہی ہے۔

انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد دکن کی تازہ ترین تالیف لغت اصطلاحات علمیہ شائع ہو گئی۔ یہ لغت جسمین جملہ اہم علوم کی اصطلاحون کا ترجمہ ہے کئی سال کی مسلسل محنت اور مختلف ماہرین و ماہرین لسان کی کاوش و کوشش کا نتیجہ ہے۔ حجم ۵۳۰ صفحات اور قیمت ... شائقین دفتر انجمن سے طلب فرمائین۔

۳۰ سال کے اندر رسالہ زمانہ کو جیسے کاتبون سے سابقہ پڑا ہے [illegible] خوشنویسی کے کاملین تھے۔ فن کی حیثیت سے موجودہ زمانہ خوشنویسی کے انحطاط و تنزل کا زمانہ ہے۔

زمانہ کے اولین کاتبون مین سید الطاف حسین مرحوم کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے جو لکھنؤ کے نامور خوشنویس منشی شمس الدین صاحب اعجاز رقم کے شاگرد رشید تھے۔ کئی سال تک زمانہ کی کتابت انھین کے سپرد رہی۔ ان کی وفات کے بعد مارہرہ کے منشی اشتیاق حسن صاحب کاتب دفتر زمانہ مین ملازم ہوے اور چند ہی سال مین فن کتابت مین غیر معمولی ترقی کی۔ اس زمانہ مین آپکی شادی بھی کانپور مین ہوئی اور خوشنویس خاوند کو بیوی بھی خوشنویس ہی ملی چنانچہ زمانہ بابت ۱۹۱۲ء وغیرہ کے بعض مضامین منشی اشتیاق حسن صاحب کی اہلیہ کے لکھے ہوے ہین۔ چند سال کے بعد آپ دوادہ کی کشش منشی صاحب کو اعظمگڈھ لیگئی اور آپ کارکنان زمانہ سے اجازت حاصل کر کے دار المصنفین مین کام کرنے لگے مگر یہان میان بیوی دونون کو آخر کار تپ دق نے گھیر لیا۔ اور چھ ماہ کے بعد دونون اس عالم فانی سے رہگرائے عالم جاودانی ہوگئے۔ منشی اشتیاق حسن کی عمر مشکل سے چالیس سال کی ہوگی۔ مگر موت کا کوئی وقت مقرر نہین ہے اور آپ ۲۷ مئی کو اپنے احباب و اعزا کو داغ مفارقت دیگئے۔ بجز ان کتابون کے جو آپکے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہین آپنے اپنی کوئی یادگار نہین چھوڑی ہان دو بھائی آپکے موجود ہین۔ جن مین سے ایک منشی محبوب حسن وارث آپ کی جگہ پر دفتر زمانہ مین کام کر رہے ہین۔ پیشہ ور کاتبون کی حالت عموماً ناگفتہ بہ ہوتی ہے مگر منشی اشتیاق حسن کا شمار مستثنیات مین تھا۔ آپ نیک شریف متدین۔ نیک نفس۔ خوش اخلاق اور خیر خواہ کارکن تھے اور کارپردازان زمانہ کے دلون مین ہمیشہ انکی یادگار باقی رہے گی۔ انکی بیوقت وفات سے فن کتابت کو نقصان عظیم پہنچا ہے۔ خداوند تعالے مرحوم کو غریق رحمت کرے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

اس ماہ کی رنگین تصویر "بلبل اسیر" بنگال اسکول آف آرٹس کے ایک مشہور مصور کے کمال فن کا نتیجہ ہے

بیگم صاحبہ بھوپال کی مراد بر آئی ہے اور گورنمنٹ ہند نے انکے شہزادہ نواب حمید اللہ خان کو انکا جانشین تسلیم کرلیا ہے۔ بیگم صاحبہ نے نواب موصوف کے لئے بھوپال کا تخت خالی کردیا ہے اور نواب محتشم الیہ نے ۹ جون سے عنان حکومت اپنے ہاتھ مین لے لی ہے جسپر ہم اہل بھوپال کو مبارکباد دیتے ہین۔ نواب صاحب انکی والدہ ماجدہ اور انکی دختر نیک اختر کی تصویرین اس تقریب کے اعزاز مین ہدیہ ناظرین ہین۔

زمانہ

جلد ۴۶ جولائی سنہ ۱۹۲۶ء نمبر ۱

کربلا

پہلا ایکٹ

(پہلا سین)

(راتکے ۹ بجے ہین یزید۔ ضحاک۔ شمس اور کئی اہل دربار بیٹھے ہوئے ہین شراب کی صراحی اور پیالہ رکھا ہوا ہے)

یزید۔ شہر مین میری خلافت کی منادی کر دی گئی؟

ضحاک۔ کوئی گلی کوچہ ناکہ۔ سڑک۔ مسجد۔ بازار۔ اور خانقاہ ایسی نہین ہے جہان اِس منادی کی آواز نہ پہنچی ہو۔ یہ آواز فضائے ہوا کو سطے کرتی ہوئی تمام حجاز۔ یمن۔ عراق۔ مکہ اور مدینہ مین پہنچ گئی ہے۔ اور اسے سنکر دشمنون کے دل ہل گئے ہین۔

یزید۔ نقارچی کو خلعت دیا جائے۔

ضحاک۔ بہت خوب امیر!

یزید۔ میری بیعت لینے کے لیے سب کو حکم دے دیا گیا؟

ضحاک۔ امیر کے حکم دینے کی ضرورت نہ تھی۔ کل قبل طلوع آفتاب تمام شہر بیعت کے لیے حاضر ہو جائے گا۔

یزید۔ (شراب کا پیالہ پی کر) نبی نے شراب کو حرام کہا ہے۔ اس آبِ حیات کے ساتھ کتنا بڑا ظلم ہے۔ یہ اُس وقت کے لیے بلا شبہ مناسب تھا۔ کیونکہ ان دنوں کسی کو اس نعمت سے بہرہ ور ہونے کا موقع ہی نہ تھا لیکن اب وہ حالت نہیں ہے۔ تخت پر بیٹھنے والے خلیفہ کے لیے ایسی نعمت کو حرام کر دینے سے تو یہی اچھا ہے کہ وہ خلیفہ ہی نہ رہے۔ کیوں ضحاک کوئی قاصد مدینہ بھیجا گیا؟

ضحاک۔ امیر کے حکم کا انتظار تھا۔

یزید۔ ضحاک۔ قسم خدا کی میں اس تساہل کو کبھی معاف نہیں کر سکتا فوراً قاصد بھیجو اور ولید کو سخت تاکید لکھو کہ وہ حسینؑ سے میرے نام پر بیعت لے۔ اگر وہ انکار کریں تو انھیں قتل کر دے اسمیں ذرا بھی توقف نہ ہونا چاہیے۔

ضحاک۔ یا مولا۔ میں تو یہی عرض کروں گا کہ اگر حسینؑ بیعت قبول بھی کر لیں تو بھی ان کا زندہ رہنا خاندان ابوسفیان کے لیے ہمیشہ مضر ہی ثابت ہوگا۔ حسینؑ ایک ایک روز فرور دغا کریں گے۔

یزید۔ ضحاک کیا تم خیال کرتے ہو کہ حسینؑ میری بیعت قبول کر لیں گے۔ یہ محال ہے۔ حسینؑ کبھی میری بیعت نہ کرینگے۔ چاہے ان کے ٹکڑے ٹکڑے اوڑا دیئے جائیں اور نعش کو گھوڑوں سے پامال کیا جائے۔ اگر تقدیر پلٹ سکتی ہے۔ دریا کی روانی تھم سکتی ہے۔ زمانہ کی رفتار رک سکتی ہے۔ تو حسین بھی میری بیعت کر سکتے ہیں مگر بیعت کرنے کے بعد پھر چاہے تقدیر پلٹ جائے۔ دریا کی روانی تھم جائے۔ زمانہ کی رفتار رک جائے مگر حسین دغا نہیں کر سکتے ان سے بیعت لینے کا مطلب ہی یہ ہے کہ اُنھیں اس دنیا سے رخصت کر دیا جائے۔ حسینؑ ہی میرے دشمن ہیں۔ مجھے اور کسی کا خوف نہیں ہے۔ میں تمام دنیا کی فوجوں سے نہیں ڈرتا۔ میں ڈرتا ہوں تو اسی نہتے حسینؑ سے (پیالہ بھر کر پی جاتا ہے) حسینؑ نے میرا خواب وخور حرام کر رکھا ہے۔ ابوسفیان کی اولاد بنی ہاشم کے سامنے سر نہ جھکائے گی۔ خلافت کو اُن کے ہاتھ میں پھر نہ جانے دے گی۔ انھوں نے دونے والے کی متینر اُٹھا دی۔ ہر ایک فاقہ کش سمجھتا ہے کہ میں مسند خلافت کے

لائق ہون اور امیرون تک کے دسترخوان پر کھانے کا مجھکو حق ہے۔ میرے والد مرحوم نے اِس خلعت کو بہت کچھ سنایا آج خلیفہ شان و شوکت مین دنیا کے کسی تاجدار سے شرمندہ نہین ہوسکتا جو ٹاٹ بنکنے والے اور سوکھی روٹی کھاکر خدا کا شکر ادا کرنے والے خلیفون کے دن گئے

ضحاک۔ خدا نہ کرے کہ وہ دن پھر آئین۔

عبدالشمس۔ ہمین ہاشمیون سے ہمین عثمان کے خون کا بدلہ لینا ہے۔

یزید۔ خزانہ کھولدو اور رعایا کے دلون کو اپنی مٹھی مین کرلو روپیہ خدا کے خوف کو دل سے دور کر دیتا ہے۔ تمام شہر کی دعوت کرو۔ اگر خزانہ خالی ہو جائے تو کوئی مضائقہ نہین۔ ہر ایک سپاہی کو نہال کردو۔ لیکن اگر ان رعایتون کے باوجود تم سے کوئی منحرف ہو تو اسے قتل کر ڈالو۔ مجھے اس وقت زر کی طاقت سے مذہب اعتقاد اور وفاداری پر فتح حاصل کرنی ہے۔

(ہندہ آتی ہے)

یزید۔ ہندہ تمنے اسوقت کیسے تکلیف کی؟

ہندہ۔ یا امیر مین آپ کی خدمت مین صرف اسلئے حاضر ہوئی ہون کہ آپ کو اس ارادہ سے باز رکھون۔ آپ کو امیر معاویہ کی قسم۔ اپنے دین و ایمان کو اور اپنی نجات کو یون خراب نہ کیجئے۔ جس نبیؐ سے آپ نے اسلام کی روشنی پائی۔ جس کی ذات سے آپ کو رتبہ ملا جسنے آپ کی روحانیت کو اپنے پند و نصائح سے بیدار کیا۔ جسنے آپ کو جہالت کے تاریک گڑھے سے نکالکر آفتاب کے پہلو مین بٹھایا اُس خدا کے بھیجے ہوئے بزرگ کے نواسے کا خون بہانے کے لیئے آپ آمادہ ہین؟

یزید۔ ہندہ خاموش رہ۔

ہندہ۔ کیسے خاموش رہون۔ آپ کو اپنی آنکھون سے جہنم کے غار مین گرتے دیکھکر خاموش نہین رہ سکتی آپ کو معلوم نہین کہ روح رسول بہشت مین بیٹھی ہوئی آپ کی اس ناانصافی کو دیکھکر آپ کے اوپر کتنی لعنت کرتی ہوگی۔ آپ قیامت کے دن اپنا منہ انھین نہ دکھا سکینگے

کیا آپ نہین جانتے کہ آپ اپنے نجات کا دروازہ بند کر رہے ہین؟
یزید۔ ہندہ یہ مذہب کی باتین مذہب کے لیئے ہین۔ دنیا کے لیے نہین ہین۔ میرے دادا نے اسلام اسلیے قبول کیا تھا کہ انھین اس سے دولت و عزت نصیب ہو نجات کے لیے وہ اسلام پر ایمان نہین لائے تھے اور نہ آج مین اسلام کو نجات کا ذریعہ سمجھتا ہون۔
ہندہ۔ امیر خدا کے واسطے ایسے مکروہ الفاظ منھ سے نہ نکالیے۔ آپ کو معلوم ہے کہ اسلام نے عرب کی لامذہبیت کو کتنی آسانی سے دور کر دیا۔ صرف ایک ذات واحد نے کفر کا نشان تک مٹا دیا۔ کیا خدا کی مرضی کے بغیر یہ امر ممکن تھا! کبھی نہین ہو سکتا۔ آپ کو معلوم ہے کہ رسول حسینؑ کو کتنا پیار کرتے تھے۔ حسینؑ کو وہ کندھون پر بٹھاتے تھے۔ اور اپنی زلفون کو ان کے دست نازک کے لیے وقف کر دیتے تھے جس پیشانی کو آپ اپنے پیرون پر جھکانا چاہتے ہین وہ رسولؐ کی بوسہ گاہ تھی۔ حسینؑ سے دشمنی کرکے آپ اپنے حق مین کانٹے بو رہے ہین۔ خلافت اسکی ہے جسے اکابر قبول کرین یہ کسی کی میراث نہین ہے آپ خود مدینہ جائیے اور دیکھیے قوم کس پر خلافت کا بار رکھتی ہے اسکے ہاتھ پر بیعت کیجیے اگر قوم آپ کو اس رتبہ پر بٹھا دے تو مدینہ مین رہ کر شوق سے اسلام کی خدمت کیجیے مگر خدا کے واسطے یہ ہنگامہ برپا نہ کیجیے
(جاتی ہے)

یزید۔ سرجون رومی کو بلاؤ۔

(سرجون آکر آداب بجا لاتا ہے)

یزید۔ جس وفاداری کے ساتھ آپ نے والد مرحوم کی خدمت کی ہے۔ اسکے لیے مین آپ کا شکرگزار ہون مگر اسوقت مجھے آپ کی پہلے سے کہین زیادہ ضرورت ہے بصرہ کی صوبہ داری کے لیئے آپ کسے تجویز کرتے ہین؟
رومی۔ خدا امیر کو سلامت رکھے۔ میرے خیال مین عبداللہ بن زیاد سے زیادہ لائق آدمی آپکو مشکل سے ملے گا۔ زیاد نے امیر معاویہؓ کی جو خدمت کی اسکی یادگار

بداللہ اسی باپ کا بیٹا ہے۔ اس خاندان کا وہ تمہارا سچا غلام ہے۔ اسکے
س فوراً قاصد بھیجیے۔
ید۔ مجھے زیاد کے بیٹے سے شکایت ہے کہ اس نے بصرے والوں کی مجھے اطلاع
ین دی مجھے خوف ہے کہ بصرے والے مجھ سے بغاوت کر جائیں گے۔
دمی۔ زیاد پر آپ کا شک بیجا ہے۔ آپ کے مددگار آپ کے پاس خودبخود نہ
ئیں گے وہ تلاش کرنے سے منت و رعایت کرنے سے آئیں گے۔ آپ ہی آپ
ہ لوگ آئیں گے جو آپ کی ذات سے خود فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں اس منصب کے
لیے زیاد سے بہتر آدمی آپ کو نہ ملیگا۔
یزید۔ سوچونگا۔ (شراب کا پیالہ اٹھا کر پیتا ہوا۔)
ضحاک کوئی نغمۂ دلنواز سناؤ۔ جسکا مزہ اس فکر کو مٹا دے جو اس وقت
میرے دل و جگر پر سنگ گران کی طرح بار ہو رہی ہے۔
ضحاک۔ جیسا ارشاد (دف بجا کر گاتا ہے)

(پردہ گرتا ہے)

دوسرا سین

(رات کا وقت ہے۔ مدینہ کا گورنر ولید اپنے دربار میں بیٹھا ہوا ہے)

ولید۔ (خودبخود) مروان کتنا خودغرض آدمی ہے۔ میرا ماتحت ہو کر بھی مجھپر
رعب جماتا ہے اسکی مرضی پر چلتا تو آج سارا مدینہ میرا دشمن ہو جاتا اس نے رسول کے
خاندان سے ہمیشہ دشمنی کی ہے۔

(قاصد آتا ہے)

قاصد۔ یا امیر یہ خلیفہ یزید کا خط ہے۔
ولید۔ (گھبرا کر) خلیفہ یزید! امیر معاویہ کو کیا ہوا؟
قاصد۔ آپکو پوری کیفیت اس خط سے معلوم ہوگی۔
(خط ولید کے ہاتھ میں دیتا ہے)

ولید (خط پڑھ کر) امیر معاویہ کی روح کو خدا جنت نصیب کرے۔ سمجھ مین نہین آتا کہ یزید کیونکر خلیفہ ہو گیا۔ اثنا، قوم کی کوئی مجلس نہین ہوئی اور کسی نے ان کے ہاتھ پر بیعت نہین کی۔ مدینہ مین یہ خبر پھیلے گی تو غضب ہو جائے گا۔ حسینؑ یزید کو کبھی خلیفہ نہ مانین گے۔

قاصد (دوسرا خط دیکر) حضور اسے بھی دیکھ لین۔

(ولید خط کھولکر پڑھتا ہے)

"حاکم مدینہ کو تاکید کی جاتی ہے کہ اس خط کو دیکھتے ہی حسین (علیہ السلام) سے میرے نام پر بیعت لے۔ انکار کرنے پر انھین قتل کر کے ان کا سر میرے پاس بھیجدے" (ولید آہ سرد بھر کر سر جھکا لیتا ہے)

قاصد۔ مجھے کیا حکم ہوتا ہے؟

ولید۔ تم جاکر باہر ٹھہرو (دل مین) خدا وہ دن نہ لائے کہ مجھے رسول کے نواسے کے ساتھ یہ نفرت انگیز عمل کرنا پڑے۔ ولید اتنا لا مذہب نہین ہے۔ خدا و رسول کو اتنا نہین بھولا ہے۔ یا خدا اس سے پہلے کہ میری تلوار حسینؑ کی گردن پر چلے میرے ہاتھ ہی ٹوٹ جایئن کاش مجھے معلوم ہوتا کہ امیر معاویہ کی موت اتنی نزدیک ہے اور انکی آنکھین بند ہوتے ہی مصیبتون کا پہاڑ ٹوٹ پڑے گا تو پہلے ہی سے استعفا دیکر چلا جاتا مروان کی صورت دیکھنے کو جی نہین چاہتا۔ مگر اسوقت اسکی مرضی کے خلاف کام کرنا اپنی موت کو بلانا ہے۔ وہ ذرا ذرا سی خبر بن یزید کے پاس بھیجے گا۔ اس کے سامنے میری کچھ بھی سماعت نہ ہوگی۔ ایسا افسر جو ماتحتون سے ڈرے۔ ماتحت سے بھی بدتر ہے۔ جس وزیر کا غلام بادشاہ کا معتمد ہو اسکے لیے مسند وزارت پر بیٹھنے کی بہ نسبت جنگل مین اونٹ چرانا ہزار درجہ بہتر ہے۔

(غلام کو بلاتا ہے)

غلام۔ امیر کیا حکم فرماتے ہین؟

ولید جاکر مروان کو بلا لا۔

غلام ۔ جو حکم (جاتا ہے)
ید ۔ (دل میں) حسینؑ کیسے نیک آدمی ہیں ۔ ان کی زبان سے کبھی کسیکی برائی نہیں سنی انھون نے کبھی کسیکو نقصان نہیں پہنچایا ۔ ان سے مین کیونکر یزید سے فاسق کی بیعت لے سکونگا ۔

(مروان آتا ہے)

مروان ۔ اتنی رات گئے مجھے آپ نہ بلایا کرین میری جان اتنی ارزان نہین ہے کہ ان باغیون کو چھپکر حملہ کرنے کا موقع دون
ولید ۔ تمہارا برتاؤ ہی کیون ایسا ہو کہ تمہارے اوپر کسی قاتل کی تلوار اُٹھے ابھی ابھی قاصد معاویہ کی موت کی خبر لایا ہے اور یزید کا ایک خط بھی آیا ہے ۔ مجھے تم سے اسکی بابت مشورہ کرنا ہے ۔ (مروان کو خط دیتا ہے)
مروان ۔ (خط پڑھکر) آہ معاویہ تم نے بے وقت وفات پائی تمہارا نام تاریخ مین ہمیشہ روشن رہے گا ۔ تمہاری طرز عمل کو یاد کرکے لوگ بہت دن تک روئین گے ۔ یزید نے خلافت اپنے ہاتھ مین لے لی ۔ یہ بہت مناسب ہوا میرے خیال مین حسینؑ کو اسی وقت بلانا چاہیے ۔
ولید ۔ تمہارے خیال مین حسینؑ بیعت کرلین گے ؟
مروان ۔ غیر ممکن ان سے بیعت لینا انھین قتل کرنے کو کہنا ہے ۔ مگر ابھی معاویہ کے مرنے کی خبر مشہور نہ ہونی چاہیے ۔
ولید ۔ اس معاملہ پر غور کرو ۔
مروان ۔ غور کی ضرورت نہین ۔ مین آپ کی جگہ ہوتا تو بیعت کا ذکر ہی نہ کرتا ۔ فوراً قتل کر ڈالتا ۔ حسین (علیہ السلام) کے زندہ رہتے ہوئے یزید کو کبھی اطمینان نہین ہوسکتا یہ بھی یاد رکھئے کہ امیر معاویہ کے مرنے کی خبر پھیل گئی تو ہماری جان سلامت نہ رہے گی ۔ نہ آپ کی ۔ حسینؑ سے آپ کا کتنا ہی دوستانہ ہو لیکن حسینؑ آپ کے جانی دشمن ہوجائینگے ۔

ولید- تمہین امید ہے کہ وہ اسوقت یہان چلے آئین گے ؟ اُنھین شبہہ ہو جائے
مروان - اگر حسین کو آپ کے اوپر بھروسہ ہے تو وہ اسوقت بھی چلے آئینگے - مگر آپ
کی تلوار تیز اور خون گرم رہنا چاہیئے - یہی کارگزاری کا موقع ہے - اگر آپ لوگون نے اس موقع پر
یزید کی مدد کی تو کوئی شک نہین کہ ہمارے اقبال کا ستارہ روشن ہو جائے گا -

ولید - مروان مین یزید کا غلام نہین خلیفہ کا نوکر ہون اور خلیفہ وہی ہے جسے قوم چن کر
مسند خلافت پر بٹھا دے مین اپنے دین و ایمان کا خون کرنے سے یہ کہین بہتر سمجھتا ہون کہ
قرآن پاک کی کتابت سے زندگی بسر کرون -

مروان - یا امیر مین آپ کو یزید کے غصہ سے ہوشیار کئے دیتا ہون میری اور آپ کی
بھلائی اسی مین ہے کہ یزید کا حکم بجالائین - ہمارا کام ان کی اطاعت کرنا ہے آپ تذبذب
مین نہ پڑین اسی وقت حسین کو بلا بھیجین - (غلام کو پکارتا ہے)

غلام - یا امیر کیا حکم ہے -

مروان - جا کر حسین ابن علی کو بلا لا - دوڑتے جائیو - کیونکہ امیر آپ کے انتظار مین بیٹھے
ہین - (غلام چلا جاتا ہے)

تیسرا سین

(رات کا وقت حضرت امام حسین اور حضرت عباس مسجد مین بیٹھے ہوئے باتین کر رہے ہین ایک چراغ جل رہا ہے)

حسین - مین جب خیال کرتا ہون کہ نانا مرحوم نے تنہا ایسے ایسے سرکش بادشاہون کو پست
کر دیا اور خدا کی وحدانیت دنیا سے منوائی تو مجھے یقین ہو جاتا ہے کہ اُن پر خدا کا سایہ تھا -
بیشک امداد غیبی ان کے ساتھ تھی - خدا کی مدد کے بغیر کوئی انسان یہ کام نہین کر سکتا سکندر
کی بادشاہت تھوڑے دنون تک قائم رہی - ان پر خدا کا سایہ نہ تھا - وہ اپنی ہوس کی دھن
مین قومون کو فتح کرتے تھے - نانا نے توحید کا نعرہ بلند کیا - تو اسی سے دنیا گونج اٹھی - اور
ہر طرف سے صدائے بازگشت کی طرح اشہد ان لا الہ الا اللہ کی صدا سنائی دینے لگی -

عباس - اسمین کسکو شک ہو سکتا ہے کہ وہ پیغمبر خدا تھے - خدا کی پناہ جو وقت حضرت نے اسلام

ی صدا بلند کی تھی اس ملک مین جہالت کی کتنی سخت تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ وہ خدا ہی
کی آواز تھی جو آپ کے دل سے بلند ہوتی تھی۔ جو کانون مین پڑتے ہی دلون مین
اتر جاتی تھی۔ دوسرے مذہب والے کہتے ہین کہ اسلام نے تلوار کے زور سے اپنا
سکہ جمایا۔ کاش انھون نے حضرتؐ کی آواز سنی ہوتی میرا تو دعوےٰ ہے کہ قرآن پاک
مین ایک آیت بھی ایسی نہین ہے جسکا منشا تلوار سے اسلام پھیلانا ہو۔

حسینؑ۔ مگر کتنے افسوس کی بات ہے کہ ابھی سے قوم نے ان کی نصیحتون کو فراموش
کرنا شروع کر دیا اور وہ ناپاک وجود جو حضور کی مسند پر بیٹھا ہوا ہے آج کھلے بندون شراب
پیتا ہے۔

(غلام آتا ہے)

غلام۔ آل نبی پر خدا کی رحمت ہو۔ امیر نے آپ کو کسی ضروری کام کے لیے
بلایا ہے۔

عباسؑ۔ یہ وقت ولید کے دربار کا نہین ہے۔

غلام۔ حضور کوئی خاص کام ہے۔

حسینؑ۔ اچھا تو جا ہم گھر جاتے وقت اُدھر سے ہوتے جائین گے۔

(غلام چلا جاتا ہے)

عباسؑ۔ بھائی جان! مجھے تو اس بے وقت کی طلبی سے کچھ اندیشہ ہو رہا ہے یہ وقت
دربار کا نہین مجھے دال مین کچھ کالا سا نظر آتا ہے کیا آپ کچھ قیاس فرما سکتے ہین کہ کس لیے
بلایا ہے؟

حسینؑ۔ میرا دل تو گواہی دیتا ہے کہ معاویہ نے وفات پائی۔

عباسؑ۔ تو ولید نے آپ کو اسلیے بلایا ہوگا کہ آپ سے یزید کی بیعت لے۔

حسینؑ۔ مین یزید کی بیعت کیونکر کرنے لگا۔ معاویہ نے بھائی امام حسنؑ سے شرط کی تھی
کہ وہ اپنے مرنے کے بعد اپنی اولاد مین سے کسی کو خلیفہ نہ بنائے گا۔ امام حسنؑ کے بعد
خلافت پر میرا حق ہے اگر معاویہ مر گیا ہے اور یزید کو خلیفہ بنا گیا ہے تو اُس نے میرے
ساتھ اور اسلام کے ساتھ دغا کی ہے۔ یزید شرابی ہے۔ بدکار ہے۔ جھوٹا اور دغاباز

کتون کو گود مین لیکر بیٹھتا ہے۔ چاہے مجھے جان سے ہاتھ دھونا پڑے لیکن مین اکی بیعت نہ کرونگا۔

عباسؓ۔ معاملہ نازک ہے۔ یزید کی ذات سے کوئی بات بعید نہین۔ کاش ہمین معاویہ کی بیماری اور موت کی خبر پہلے ہی ملگئی ہوتی۔ (غلام پھر آتا ہے)

غلام۔ حضور تشریف نہین لائے۔ امیر آپ کے انتظار مین بیٹھے ہوئے ہین۔

حسینؑ۔ تعجب ہے تجھپر تو وہان گیا بھی کہ راستے ہی سے لوٹ آیا؟ چل مین ابھی آتا ہون اب پھر نہ آنا۔

غلام۔ حضور! امیر جب مین نے جاکر کہاکہ وہ ابھی آتے ہین تو وہ چپ ہو گئے مگر مروان نے کہاکہ وہ کبھی نہ آئینگے۔ آپ دغا کرینگے۔ امیر امیر اُن سے بہت ناراض ہوے اور کہا حسینؑ صادق القول ہین جو کہتے ہین اُسے پورا کرتے ہین۔

حسینؑ۔ ولید نہایت شریف آدمی ہے۔ تم جاؤ۔ ہم ابھی آتے ہین۔

(غلام چلا جاتا ہے)

عباسؓ۔ آپ جائینگے؟

حسینؑ۔ جبتک کوئی سبب نہ ہو کسی کی نیت پر شک کرنا مناسب نہین۔

عباسؓ۔ بھیا میری جان آپ پر فدا ہو۔ مجھے خوف ہے کہ کہین وہ آپ کو قید نہ کرے

حسینؑ۔ ولید پر مجھے اعتبار ہے ابوسفیان کی اولاد ہونے پر بھی وہ شریف اور نیک خیال ہے۔

عباسؓ۔ آپ اسپر اعتبار کرین مگر مین تو آپ کو وہان جانے کی ہرگز صلاح نہ دونگا اِس سناٹے مین اگر اسنے کوئی دغا کی تو کوئی فریاد سننے والا بھی نہ ہوگا۔ آپ کو معلوم ہے کہ مروان کتنا دغاباز اور حرام کار ہے۔ مین اُسکے سایہ سے بھی دور رہتا ہون جب تک آپ مجھے یہ اطمینان نہ دلا دیجیئے گا۔ کہ دشمن آپ کا بال تک بیکا نہ کرسکین گے۔ مین آپ کا دامن نہ چھوڑونگا۔

حسینؑ۔ عباسؓ میری طرف سے بےفکر رہو مجھے حق پر اتنا یقین ہے اور حق کی اتنی طاقت مجھ مین ہے کہ مروان اور ولید تو کیا۔ یزید کی ساری فوج بھی

مجھے کچھ نقصان نہین پہنچا سکتی۔ مجھے یقین ہے کہ میری ایک آواز پر ہزارون
بندگان خدا و جانثاران رسول دوڑ پڑین گے اور اگر کوئی میری آواز بھی
نہ سنے تو بھی میرے بازؤن مین اتنی قوت ہے کہ مین تن تنہا ان مین سے سیکڑون
کو زمین پر سلا سکتا ہون۔ حیدر کا شیر ایسے گیدڑون سے نہین ڈرتا۔ آؤ ذرا نانا کی
قبر کی زیارت کرلین (دونون حضرت رسول خدا کی قبر کے سامنے کھڑے ہوجاتے ہین
اور ہاتھ اٹھا کر دعا پڑھتے ہین اور مسجد سے نکلکر گھر کی طرف چلتے ہین۔)

چوتھا سین

(ولید کا دربار۔ ولید اور مروان بیٹھے ہوئے ہین رات کا وقت ہے)

مروان۔ دیکھئے۔ ابتک نہین آئے۔ مین نے آپ سے کہا تھا وہ ہرگز نہ آئینگے۔

ولید۔ آئین گے اور ضرور آئین گے مجھے ان کے قول پر پورا اعتماد ہے۔

مروان۔ کہین ایسا تو نہین کہ انھین امیر کے وفات کی خبر ہوگئی ہو اور وہ اپنے
ساتھیون کو جمع کر کے ہمسے جنگ کرنے آرہے ہین۔

(حسینؑ آتے ہین ولید تعظیماً کھڑا ہوجاتا ہے اور دروازے پر آکر مصافحہ کرتا ہے مروان اپنی جگہ پر بیٹھا
رہتا ہے)

حسینؑ۔ خدا کی تم پر رحمت ہو (مروان کو بیٹھے دیکھکر) اتحاد عناد سے اور محبت عداوت
سے بہتر ہے۔ اسوقت مجھے کیون یاد کیا ہے۔

ولید۔ اس تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہون آپ کو یہ سنکر افسوس ہوگا کہ
امیر معاویہ نے وفات پائی۔

مروان۔ اور خلیفہ یزید نے حکم دیا ہے کہ آپسے ان کے نام کی بیعت لی جائے۔

حسینؑ۔ یہ مناسب نہین کہ مجھ جیسا آدمی پوشیدہ بیعت کرلے۔ یہ نہ میرے لیے
مناسب ہے اور نہ یزید کے شایان شان۔ بہتر ہے کہ ایک جلسہ عام منعقد ہو اور شہر کے
روسا و علما کو بلاکر یزید کی بیعت کا سوال پیش کیا جائے۔ مین بھی ان لوگون کے ساتھ

رہونگا اور اسوقت سب سے پہلے مین ہی جواب دونگا۔

ولید۔ مجھے آپ کی یہ صلاح مناسب معلوم ہوتی ہے۔ بیشک آپ کے بیعت کرنے سے وہ نتیجہ نہ نکلے گا جو یزید کا منشا ہے کوئی کہے گا کہ آپ نے بیعت کی اور کوئی کہے گا نہین کی۔ اسکی تصدیق کرنے مین بہت وقت صرف ہوگا اس سے یہی بہتر ہے کہ جلسہ عام طلب کر لیا جائے۔

مروان۔ امیر مین آپ کو خبردار کئے دیتا ہون کہ ان باتون مین نہ آیئے بغیر بیعت لیے ان کو یہان سے جانے نہ دیجئے ورنہ آپ ان سے اسوقت تک بیعت نہ لے سکینگے جب تک خون کی ندیان نہ بہ جائین یہ چنگاری کی طرح اڑکر ساری خلافت مین آگ لگا دین گے۔

ولید۔ مروان خدا کے واسطے چپ رہو۔

مروان۔ حسینؑ مین خدا کو گواہ کر کے کہتا ہون کہ مین آپ کا دشمن نہین ہون۔ میری دوستانہ صلاح یہ ہے کہ آپ یزید کی بیعت منظور کر لیجئے تاکہ آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ آپس کا فساد مٹ جائے اور خدا کے ہزارون بندون کی جانین بچ جائین۔ خلیفہ آپ کی بیعت کی خبر سنکر بہت خوش ہونگے اور آپ کے ساتھ ایسے سلوک کرینگے کہ خلافت مین کوئی آدمی آپ کی ہمسری نہ کر سکے گا۔ مین آپ کو یقین دلاتا ہون کہ آپ کی جاگیر اور وظیفے دوچند کرا دون گا۔ اور آپ مدینے مین عزت و احترام رسول کے قدمون سے لگے دین و دنیا مین سرخ رو رہ کر زندگی بسر کر سکین گے۔

حسینؑ۔ بس خاموش رہو مروان! مین تمہاری دوستانہ صلاح سننے کے لیے نہین آیا ہون تم نے کبھی اپنی دوستی کا ثبوت نہین دیا اور اگر اس موقع پر مین تمہاری صلاح کو دوستانہ نہ سمجھون تو میرا دل اور میرا خدا مجھسے ناخوش نہ ہوگا۔ کیا آج اسلام اتنا کمزور ہو گیا ہے کہ رسول کا نواسہ یزید کی بیعت کرنے کے لیے مجبور کیا جائے؟

مروان۔ ان کی بیعت سے آپ کو کیون اعتراض ہے۔

حسینؑ۔ اسلئے کہ وہ شرابی۔ جھوٹا۔ دغاباز۔ حرام کار اور ظالم ہے۔ وہ علما

شائع کی توہین کرتا ہے۔ جہاں جاتا ہے وہاں ایک گدھے پر ایک بندر کو عالموں کا کپڑا پہناکر ساتھ لے جاتا ہے۔ میں ایسے آدمی کی بیعت اختیار نہیں کر سکتا۔

مروان۔ یا امیر آپ اُن سے بیعت لینگے یا نہیں؟

حسینؑ۔ میری بیعت کسی کے اختیار میں نہیں ہے۔

مروان۔ قسم خدا کی آپ بیعت قبول کئے بغیر نہیں جا سکتے۔ میں آپ کو یہیں قتل کر ڈالونگا۔ (تلوار کھینچکر بڑھتا ہے)

حسینؑ (ڈپٹ کر) ظالم تو اور مجھے قتل کرے گا۔ اچھا میں اتنی ہمت نہیں ہے۔ دو ڑ ایک قدم بھی آگے رکھا تو تیرا ناپاک سر زمین پر ہوگا۔

(حضرت عباس تیس مسلح آدمیوں کے ساتھ تلوار کھینچے ہوئے گھس آتے ہیں)

عباسؓ (مروان کیطرف جھپٹ کر) ملعون تیرے لیے دوزخ کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔

حسینؑ۔ (مروان کے سامنے کھڑے ہوکر) عباسؓ تلوار نیام میں رکھو میری لڑائی مروان سے نہیں ہے۔ یزید سے ہے۔ مجھے اعتراض نہیں اگر یہ اپنے آقا کا وفادار خادم ہے۔

عباسؓ۔ اس ملعون کی اتنی ہمت کہ آپکے جسم مبارک پر ہاتھ اُٹھائے۔ کیا اپنی ناپاک اصل کو بھول گیا۔

حسینؑ۔ بھیا! غصہ نہو ہم کبھی ابتدا نہیں کرتے۔

ولید۔ (حسینؑ سے) میں سخت نادم ہوں کہ میرے سامنے آپ کی یہ توہین ہوئی خدا اسکا عذاب مجھے دے۔

حسینؑ۔ ولید میری تقدیر میں ابھی بڑی بڑی سختیاں جھیلنی لکھی ہیں یہ اُس معرکہ کی تمہید ہے۔ جو پیش آنے والا ہے۔ ہم اور تم شاید پھر نہ ملیں۔ اسلئے رخصت ہیں تمہاری مروت اخلاق کو کبھی نہ بھولونگا۔ تمسے میری صرف یہ التجا ہے کہ میرے یہاں جانے میں معترض نہ ہونا۔

(دونوں گلے ملکر رخصت ہوتے ہیں عباسؓ اور تینوں آدمی باہر چلے جاتے ہیں)

مروان۔ ولید تمہاری بدولت مجھے یہ ذلت ہوئی۔

ولید ۔ تم ناشکرے ہو ۔ میری بدولت تمہاری جان بچگئی ورنہ تمہاری لاش عرش پر تڑپتی نظر آتی ۔

مروان ۔ تم نے یزید کی خلافت یزید سے چھین کر حسینؑ کو دیدی ۔ تم نے ابوسفیان کی اولاد ہوکر اسی خاندان سے دشمنی کی تم خدا کی درگاہ مین اس قتل و خونریزی کے ذمہ وار ہوگے ۔ جو آج کی غفلت کی وجہ سے ہوگی ۔ (مروان چلا جاتا ہے)

پریم چند

فرقہ وارانہ کشیدگی سوسائٹی کی قدرتی حالت کا اظہار نہین ہے بلکہ یہ ایک قلبی یا ملکی بیماری ہے جو سوسائٹی کا ایک عارضی عارضہ ہے جیسے انسان کی بیماری کی میعاد عموماً چند دنون یا چند مہینون تک رہتی ہے اور اسکے بعد مریض یا تو لقمۂ اجل ہو جاتا ہے یا صحت حاصل کر لیتا ہے اسیطرح سوسائٹی کی خانہ جنگی اور کشیدگی کی بھی ایک حد ہوتی ہے جسکے پہنچنے پر لوگ روزانہ لڑائی جھگڑون سے تنگ آکر ان سے متنفر ہو جاتے ہین

یا خود بخود ایسے اسباب پیدا ہو جاتے ہین جنسے فریقین اپنے تنازعات مصالحت سے طے کرنیکے لیے رضامند ہو جاتے ہین ۔ اسوقت ہندوستان کے آسمان پر فرقہ وارانہ جنگجوئی اور کشیدگی کے جو بادل دکھلائی دیتے ہین اور ہندو مسلم عناد کدورت کا جو طوفان جو سارے ملک کو تباہ اور برباد کر رہا ہے اسکی بھی آخر کوئی حد ہے ۔ دنیا کی تاریخ مین مختلف اقوام و مذاہب کی باہمی کشمکش اور تعصب کوئی نئی بات نہین ہے دو سو سال سے کم عرصہ ہوا ہے کہ مہذب یورپ کے ملک فرانس نیدرلینڈ، انگلینڈ وغیرہ مین رومن کیتھلک اور پروٹسٹنٹ ایک دوسرے کے ساتھ برسر پیکار رہتے چند سال پیشتر آئرلینڈ مین السٹر کا فتنہ فساد اور سین فین کی بغاوت ایسی شکل اختیار کئے ہوئے تھی کہ اسکے مقابل ہندو مسلم کشیدگی کوئی وقعت نہین رکھتی لیکن آج ان تمام ممالک کے باشندے خلوص و محبت سے زندگی بسر کر رہے ہین ہندوستان کے دن بھی ضرور بدلین گے ۔ ۱۱ر جولائی کو دہلی مین دیش بندھو داس کی سالگرہ کے سلسلے مین ایک جلسہ ہوا جسمین ڈاکٹر انصاری صاحب نے اعلان کیا کہ آج سے وہ آنجہانی مسٹر داس کے نقش قدم پر چلکر کسی فرقہ وارانہ کمیٹی مثلاً مسلم لیگ خلافت کمیٹی کے ممبر نہین رہین گے ۔ آپنے فرمایا کہ میرا مذہب سوراج ہے اور لوگون سے التجا کی کہ ہندوستان کی نجات کیلئے سب لوگ ساتھ ملکر کام کرین اگر ہر ایک صوبے سے ایک ایک مین ایسو سرگرم محب وطن میدان عمل مین نکل آئین جو اپنے قول و فعل سے عوام پر ثابت کر دین کہ ملک کی نجات فقط محبت باہمی اور ایک دوسرے کی خاطر قربانی و نفس کشی مین ہے تو یقیناً چند ماہ کے اندر تمام ملک کی فضا بدل جائے گی ۔

پریم پرچارک

ہماری چند قومی ضرورتین

(۶)

پچھلے مضمون مین مین نے خیر خواہان قوم کی خدمت مین یہ عرض کی تھی کہ جسمانی کمزوری دور کرنے کے لیے ورزش نہایت ضروری ہے۔ آرام طلب۔ کمزور اور کم ہمت آدمی اپنی زندگی کے کاروبار مین کبھی کامیاب نہین ہو سکتے۔ اسلیے ہم سب لوگون کو جسمانی ورزش کی سخت ضرورت ہے۔ امید ہے کہ خیر خواہان قوم اس ضروری امر کی طرف خاص توجہ دینگے شہر مین بلحاظ پیشہ مختلف طبقے اور فرقے ہوتے ہین۔ پس ورزش کے لیے ان سب کا جُدا جدا کلب ہونا چاہیے۔

ہماری عورتین نہ اچھی خوراک کھاتی ہین اور نہ ورزش کرتی ہین۔ اسلیے وہ چھوٹی عمر مین بوڑھے ہو جاتی ہین۔ اس کے علاوہ اب لڑکیون کی تعلیم شروع ہو گئی ہے۔ جو بذات خود اچھی چیز ہے اور ملک کی ترقی کے لیے نہایت ضروری ہے مگر انکی تعلیم اس قسم کی نہین ہونا چاہیے جیسی کہ لڑکون کو دی جاتی ہے میری رائے مین ان کو انگریزی تعلیم دینے کی قطعی ضرورت نہین بلکہ ہندوستانی زبانون کے ذریعہ سے۔ ان کی تعلیم ہونا چاہیے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ ہندوستانی زبانون مین ابھی کافی علم موجود نہین اور انگریزی تعلیم لڑکیون کے لیے ضروری ہے۔ میرے خیال مین اسوقت قریبًا ہندوستان کی ہر دیسی زبان مین مختلف علوم و فنون پر کتابین موجود ہین اور آہستہ آہستہ زیادہ کتابین مہیا ہو رہی ہین اسلیے یہ اعتراض درست نہین۔

سچ تو یہ ہے کہ ہم لوگ انگریزی زبان کے عاشق ہو رہے ہین اُسمین بات چیت کرنا

خط وکتابت کرنا اور کتابین پڑھنا ضروری سمجھتے ہین۔ اِسی وجہ سے ہمارے تعلیم یافتہ لوگ اِس دُھن مین ہین کہ ہماری عورتین بھی مردون کی طرح انگریزی مین لکھنا پڑھنا اور بولنا سیکھ لین۔ حقیقت یہ ہے کہ جن لوگون نے انگریزی تعلیم حاصل کی ہے وہ پولٹیکل معاملات مین تو آزادی کی پکار بلند کر رہے ہین مگر سوشل معاملات مین وہ مغربی تعلیم کے غلام ہین۔ جن انگریزی مدبران نے ۱۸۵۴ء مین یہ فیصلہ کیا تھا کہ ہندوستان مین تعلیم انگریزی زبان کے ذریعہ سے دیجائے ان کا بھی یہی منشا تھا کہ تعلیم یافتہ ہندوستانی صرف رنگ مین انگریزی سے مختلف ہون مگر اپنے خیالات وطریق رہایش مین انگریزون کی طرح ہون یورپ اور امریکہ مین لڑکیان خود مختاری کا سبق سیکھتی ہین۔ اپنے ماں باپ سے علیحدہ ہوکر رہتی ہین اپنی شادی کا خود انتظام کرتی ہین۔ اور اس معاملہ مین ماں باپ کے اعتراضات کی بہت کم پروا کرتی ہین۔ اخبار نویس۔ جاسوس۔ دوکاندار۔ ڈاکٹر وکیل۔ مسٹرس وغیرہ وغیرہ بنکر اپنا گذارہ کرتی ہین۔ لیکن ہم اہل ہند اس پر غور نہین کرتے کہ ہکو اپنی لڑکیون سے کیا کام کرانا ہے۔ اور بلا تامل لڑکیون کو انگریزی پڑھا رہے ہین۔ انگریز لڑکیون کے لیے انگریزی پڑھنا آسان کام ہے۔ لیکن ہندوستانی لڑکیون کے لیے انگریزی پڑھنا نہایت مشکل۔ انگریزی پڑھکر ان کے خیالات مین فرق آجاتا ہے اور وہ جسمانی کمزوری کا شکار ہو جاتی ہین۔ بہت تھوڑی تعلیم یافتہ عورتین کئی کئی بچے جن سکتی ہین۔ دوسرے ہم لوگ اس بات کو بھی بھول جاتے ہین کہ ہمارے نظام تمدن مین عورتون کو دنیا کی جدوجہد سے علیحدہ رکھا گیا ہے۔ یہ جدوجہد مردون کے لیے مخصوص رکھی گئی ہے۔ عورتون کے لیے انتظام خانہ داری اور بچون کی پرورش وتعلیم وتربیت کا کام مخصوص کیا گیا ہے۔

اگر لڑکیون کو ہندوستانی زبانون مین تعلیم دیجائے تو وہ اس کام کو اچھی طرح کر سکتی ہین اور اپنے قومی خیالات پر قائم رہ سکتی ہین مگر آجکل شاید بعض اصحاب کسی اور دُھن مین ہین۔ وہ لڑکیون کو ضرور انگریزی پڑھائینگے۔ چاہے نتیجہ کچھ بھی ہو۔ حالانکہ ملک کو سخت ضرورت اس بات کی ہے کہ ہندوستانی زبانون کی ترقی کیجائے اور ان کی

ترقی اسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ ان زبانوں میں لڑکے لڑکیوں کو تعلیم دیجائے اور ان میں نئی نئی کتابیں ہر ایک مضمون پر لکھی جائیں۔ انگلستان میں بھی ایک زمانہ میں لاطینی اور یونانی زبانوں کا بڑا زور تھا۔ انھیں زبانوں کے ذریعہ سے تعلیم ہوتی تھی۔ مگر انگریزوں نے کئی صدیوں سے اپنی قومی زبان انگریزی کی طرف توجہ کی ہے اور اسے ترقی حاصل کرکے یہ صورت اختیار کی ہے۔ کہ سب لوگ اسکو لکھ پڑھ کر خوش ہوتے ہیں ہمارا فرض یہ ہے کہ ہم ہندوستانی زبانوں کو ترقی دیں۔ خوشی کا مقام ہے کہ انگریزی زبان کے کثرتِ استعمال کے باوجود بنگالی۔ اُردو۔ ہندی۔ گجراتی اور دیگر ہندوستانی زبانیں بہت ترقی کر رہی ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ ان کی خوب ترقی ہو۔ قومی زبان قومیت کی جان ہوتی ہے قوم کی ٹھیک ترقی قومی زبان کے ذریعہ سے ہی ہو سکتی ہے رامائن اور مہابھارت کی کتھائیں۔ طرح طرح کے سوانگ اور رام لیلا دیسی زبان کے ذریعہ سے ہوتی ہیں اور لوگ اس سے خوش ہوتے ہیں۔ انگریزی تعلیم یافتہ ہندوستانی جو انگریزی تھیٹر اور سنیما سے اپنا دل خوش کر لیتے ہیں۔

دیہات کے رہنے والوں کی تفریح کا کیا انتظام کر سکتے ہیں وہ اس بات کو نظرانداز کر رہے ہیں کہ قومیت کی بنیاد اور ترقی کا دارومدار قومی زبانوں کی ترقی پر ہے۔

ہندوستانی زبانوں کی ترقی ایک اور معاملہ میں بھی مفید ثابت ہوگی۔ آجکل اہل ملک اپنے گھر اور باہر کی صفائی سے بڑے بے پرواہ ہو گئے ہیں۔ گلیوں اور بازاروں میں جس جگہ چاہتے ہیں پیشاب کرنے بیٹھ جاتے ہیں۔ آپ صبح اُٹھکر سیر کو جائیں آپکو چاروں طرف نجاست دکھائی دے گی۔ حلوائیوں کی دوکانیں نان بائیوں کی دوکانیں عموماً صاف ستھری نہیں ہوتیں۔ قصائیوں کا تو ذکر ہی نہ کیجئے۔ دوکان کے آگے جک یا پردہ نہیں لگاتے۔ چاروں طرف مکھیاں بھنبھناتی ہیں کتے پاس کھڑے رہتے ہیں۔ کتے دوکان کے اردگرد منڈلاتے رہتے ہیں۔ کوئی شخص اعتراض نہیں کرتا کہ یہ دوکانیں کیوں گندہ رکھی جاتی ہیں۔ ڈاکٹروں کے قول کے بموجب مکھی ایک منٹ میں ہزاروں انڈے دیتی ہے اور صحت کے لئے سخت مضر ثابت ہوتی ہے۔ مگر گوشت کے خریدار ذرا پروا

نہین کرتے۔ افسوس تو اس بات کا ہے کہ گو ہم اپنی میونسپل کمیٹیون کے لیے غیر سرکاری چیرمن حاصل کر چکے ہین لیکن صفائی کی ویسی ہی حالت ہے جیسی کہ پہلے تھی شاید پہلے بہتر تھی کیونکہ ہندوستانی ملازمان انگریز افسر کے رعب و داب سے زیادہ متاثر ہوتے ہین ہندوستانی افسرون کے حکم کی تعمیل مین کوتاہی اور بے پروائی کرتے ہین ہندوستانی افسران کمیٹی بھی صفائی کے عاشق نہین۔ جب چیرمین صاحب . . اپنے مکان کی صفائی کی پروا نہین کرتے تو وہ دوسرون کے گھرون اور گلی کوچون کی صفائی کی کیا پروا کرینگے۔ آپ شملہ جائیے جہان جہان انگریزون کا گذر ہے وہان صفائی رہتی ہے اور بازار مین ہندوستانیون کا گذر ہے وہان صفائی سے بے پروائی برتی جاتی ہے وجہ یہ ہے کہ نہ ہندوستانی رعایا کو صفائی کا خیال ہے۔ نہ ہندوستانی صفائی کے دلدادہ ہین چھاونیون مین جائیے۔ وہان کیا مجال کوئی آدمی بازار مین پیشاب کرنے بیٹھ جائے کینٹونمنٹ کمیٹی جسمین انگریزون کی کافی تعداد ہوتی ہے۔ صفائی کی تاکید کرتی ہے اور جو لوگ اپنے گھرون کو گندہ رکھتے ہین ان کو معقول سزا دلواتی ہے۔ ہمارے شہرون مین جہان میونسپل کمیٹیون کے ہندوستانی پریسیڈنٹ ہین یہ حالت نہین ہوتی۔ بات یہ ہے کہ عام طور پر ہندوستانیون مین صفائی کا حسن بہت کم مدہ ہوگیا ہے۔ وہ چھاونیون مین حکام کے ڈر کی وجہ سے صفائی کی طرف توجہ کرتے ہین ورنہ جہان خود مختاری ہے وہان صفائی سے غافل ہین۔ ریل کے اسٹیشنون پر جو ہندوستانیون کے لیے پاخانے اور پیشاب گاہین ہین وہان نہ مسافر صفائی کی پروا کرتے ہین نہ ہندوستانی بھنگی ان کی پروا کرتا ہے۔ جہان انگریزون کی جگہ ہے وہان ریل کے بابو اور ریل کے بھنگی بڑے خبردار رہتے ہین۔ ریل کی گاڑی مین مسافر صفائی کی ذرا پروا نہین کرتے۔ اندر ہی تھوکتے ہین رنگترا ہو یا کیلا جو کچھ کھاتے ہین اسکے چھلکے اندر ہی ڈال دیتے ہین۔ تمباکو نوش آگ بناتے ہین دوسرے مسافرون کا بیٹھنا مشکل کر دیتے ہین آپ اعتراض کرین تو وہ ناراض ہوتے ہین۔ اب وقت آرہا ہے کہ ہمکو اپنی اور اپنی اولاد کی صحت کے لیے صفائی کیطرف توجہ کرنا چاہیے۔

ایک انگریزی رسالہ مین امریکہ کے ایک چھوٹے شہر کا حال لکھا تھا جسکی آبادی صرف سولہ ہزار تھی اس مضمون کا لکھنے والا ایک ہندوستانی پروفیسر تھا اُس نے لکھا ہے کہ اس چھوٹے سے شہر کو میونسپل کمیٹی نے بہشت بنا دیا ہے شہر کے اندر پارک اور باغات ہین پبلک لائبریری ہے۔ کرکٹ اور فٹ بال کے لیے میدان ہین۔ ہسپتال اور مدرسے ہین مگر سب جگہ صفائی ایسی ہے کہ ہر ایک چیز کو دیکھکر انسان کی طبیعت خوش ہو جاتی ہے رات کو بجلی سے تمام شہر جگ مگ جگ مگ کرتا ہے۔ کاش ہم لوگ جو دوسرون پر ہمیشہ نکتہ چینی کرتے رہتے ہین اپنے گریبان مین منھ ڈالکر دیکھین کہ ہم پر بھی نکتہ چینی ہو سکتی ہے یا نہین اب ہمارا تمام دنیا سے تعلق ہو رہا ہے۔ ریل اور تار۔ دریائی جہاز اور ہوائی جہاز نے دنیا کے تمام حصون کو آپس مین ملا دیا ہے۔ ہم بڑے بڑے حقوق مانگتے ہین۔ جو ہمکو ضرور ملنے چاہئین مگر ان حقوق کے واسطے ہمکو لائق بھی بننا چاہیے۔ ہمارے شاسترون اور دیگر مذہبی کتابون مین جسمانی صفائی پر زور دیا گیا ہے۔ ہم زبان سے ان کتابون اور شاسترون کی عزت کرتے ہین مگر ان کی ہدایت پر عمل نہین کرتے امید ہے کہ ہمارے لیڈر عوام کو صفائی کی تاکید کرینگے خصوصاً جبکہ آئے دن پلیگ اور چیچک دوسری بیماریون سے لاکھون کی تعداد مین اہل ہند مرتے رہتے ہین۔ صفائی کی تعلیم مدرسون اور کالجون مین ہونا چاہیے۔ اور دیہات اور شہرون مین پڑھے لکھے لوگون کو لکچرون اور اشتہارون کے ذریعہ سے صفائی کی ضرورت بیان کرنا چاہیے۔

قومی ہمدردی میرا آخری مضمون ہے۔ آپ کالکا کے اسٹیشن پر میرے ساتھ اُس وقت چلئے جبکہ وہان شملہ سے ریل آئی ہے۔ انگریزی مسافر ایک انگریز یا انگریزی ریلوے ملازم کے پاس جاتا ہے وہ فوراً اسکو اسباب اٹھانے لیجانے مین مدد دیتا ہے اُسکو گاڑی مین سوار کراتا ہے۔ آپ ہندوستانی ہین ریلوے بابو آپ کے ساتھ سیدھے منھ سے بات نہین کرتے۔ پولیس مین ہندوستانیون کی بہت بڑی تعداد ہے وہ ہندوستانیون کی کیا مدد کرتے ہین۔ ہر شخص اُن سے دور رہنا چاہتا ہے آپ شملہ کے تھیٹر یا سینما کے باہر کھڑے ہون آپ دیکھین گے کہ ہندوستانی کانسٹبل اور سارجنٹ انگریزون کے واسطے

دکانداروں کو کسطرح منہ زور بنا تے ہین

... غیر ملک کے بازارون مین سپاہیون کا پہرہ رہتا ہے۔ وہان وہ کیسے چوکنے کھڑے ہوتے ہین۔ آنے جانے والون کو ہدایت کرتے ہین۔ اوپر کو چلو۔ ادہر کو چلو۔ یہی شخص جب لوٹ بازار مین کھڑا ہوتا ہے تو اس بات سے بے پرواہ ہوتا ہے کہ کون کدھر کو جاتا ہے۔ حقیقت حال یہ ہے کہ ایک ہندوستانی کے دل مین دوسرے ہندوستانی کی ذرا سی قدر نہین۔ جدھر دیکھو ہندوستانی لوگ اپنے ہم قوم کی خدمت کرکے کم خوش ہوتے ہین۔ انگریزون سے ملکر اور ان کی خدمت کرکے زیادہ خوش ہوتے ہین۔

من از بیگانگان ہرگز نہ نالم
کہ بامن آنچہ کرد این آشنا کرد

یہ مضمون بہت تکلیف دہ ہے۔ سوراج ہمارے ہاتھ مین ہے چارون طرف ہر ایک محکمہ مین ہندوستانیون کی کافی تعداد ہے۔ مگر ان مین قومی ہمدردی کم ہے۔

مہاتما گاندھی نے سودیشی بھگت بنانے کی بڑی کوشش کی مگر ہمارے گناہون کے بوجھ نے ہماری قومی ترقی کو روک رکھا ہے۔ ہم آپسمین لڑتے جھگڑتے بہت ہین لیڈر بننا چاہتے ہین مگر ایک دوسرے کی خدمت کرنے سے گریز کرتے ہین۔ گورنمنٹ ہمارے اصلی حالات سے واقف ہے۔ چونکہ ہمارا آپسمین اتفاق نہین اسلئے ہملوگون کو سارا زور پولیٹیکل کام پر ہی نہین لگانا چاہئے۔ کچھ لوگ اس کام مین لگے رہین۔ باقی لوگون کو قوم کی تعلیمی اور اخلاقی حالت سدھارنے کیطرف توجہ کرنا چاہئے۔ ہمارے اخلاقی سدھار کا گورنمنٹ پر بھی اچھا اثر ہوگا۔ اور عوام پر بھی اچھا اثر پڑے گا۔

مادھو رام وکیل (انبالہ)

موت کا خوف

بچون کو موت کا ڈر بہت کم ہوتا ہے۔ جوانون کو ان سے زیادہ اور بوڑھون کو بہت زیادہ گو لذا سمتہ کی راے یہ ہین جون جون انسان بوڑھا ہوتا جاتا ہے اُسے زندگی سے پیار اور موت سے نفرت ہوتی جاتی ہے۔ اسکے بہت سے وجوہ اُسنے بیان کئے ہین مگر ان سب کا لب لباب یہی ہے کہ بڑھاپے مین ہم اُن حالات اور اسباب سے جنکا ہمین تجربہ کرتے ہوے ایک عرصہ گذر جاتا ہے کچھ ایسے مانوس ہو جاتے ہین کہ پھر ان سے علیحدہ ہونے کو جی نہین چاہتا جہان بچپن اور جوانی مین ہمین نئے نئے تجربات حاصل کرنے اور دنیا کے تغیرات و تبدل کے نظارے کا شوق دامنگیر رہتا ہے۔ وہان بڑھاپے مین اپنے پرانے خیالات اور تجربات کو از سر نو دہرانے اور انھین مین محو اور مستغرق رہنے کا کام ہماری ضعیف اور افسردہ طاقتون کے لیے کافی دلچسپی پیدا کرنے کا باعث بنجاتا ہے۔ ہمارے دماغ کو اپنے ہی تصورات اور توہمات سے کچھ ایسا لگاؤ ہو جاتا ہے کہ انھین چھوڑ کر کسی نئی بات کی طرف توجہ کرنا یا نئے حالات اور تجربات سے گذرنا ناخوشگوار اور دشوار معلوم ہونے لگتا ہے۔ موت کی مثالین جو روزمرہ دیکھنے اور سننے مین آتی رہتی ہین دل مین ایک حیرت انگیز تجربہ کی تمنا پیدا کرنے کے بجاے ایک لاپرواہی سے دیکھنے یا سننے کی باتین رہ جاتی ہین اور جب ہم خود اپنی موت کو کسی وجہ سے اپنے قریب آتے دیکھتے ہین تو دنیاوی علائق سے علیحدہ ہو جانے کا خیال ہمارے دل کو مشوش اور خوفزدہ بنا دیتا ہے۔ اگرچہ ہم سب جانتے ہین کہ موت ایک نہ ایک دن ضرور آنے والی ہے۔ مگر چونکہ اُسکے ظاہری اسباب بالکل یقینی نہین ہوتے اور ان کی موجودگی مین بھی مرنے وقت تک ہمیشہ شک و شبہہ ہی رہتا ہے اسلیے ہم ہمیشہ دھوکے ہی مین مر جاتے ہین۔ اور بسا اوقات وہ کام جنھین ہم موت سے پیشتر کرنا چاہتے تھے برسون کے تون ہی رہجاتے

کرتے ہیں علاوہ ازیں جیتے رہنے کی امید موت کے خوف پر ہمیشہ غالب رہتی ہے جسکا بدیہی ثبوت یہ ہے کہ ہم یہ جانتے ہوئے کہ فنا برحق ہے کچھ اس طور پر اپنی زندگی بسر کرینگے عادی رہتے ہیں کہ گویا ہمارے تعلقات ہمیشہ بدستور ایسے ہی قائم رہنے ہیں گویا ہمارے تعلقات ہمیشہ ایسے ہی بنے رہیں گے تمدن کی بنا پر ہمیں ایسے انتظام سیاست اور امور سلطنت کی بنیاد ڈالنے کی فکر دامنگیر رہتی ہے جو ایک خاص ڈھنگ اور ترتیب سے (جسے ہم بہترین سمجھتے ہیں) ہمیشہ قائم و برقرار رہ سکیں اگر ہمیں اپنی زندگی کے زیادہ عرصہ تک قائم رہنے کی امید نہ ہوتی تو ہمارا قدم دنیا کے عیش و عشرت کیطرف سستی سے اٹھتا۔ تاہم یہ سب کچھ کرتے ہوئے بھی ہم موت کے خوف سے آزاد نہیں رہ سکتے۔

موت کیا شے ہے اور ہم اس سے کیوں خائف ہیں۔ یہ سوال بھی بہت تھوڑے انسانوں کے دلوں میں پیدا ہوتا ہے۔ اسے ہم ایک مجبوری سمجھکر ہمیشہ نظر انداز ہی کرتے رہتے ہیں۔ یہ مجبوری ضرور ہے مگر اس حد تک نہیں جیسا کہ بادی النظر میں اسکی بابت خیال کیا جاتا ہے کم از کم ہمیں موت کے خوف سے آزاد ہونے کا موقع حاصل ہو سکتا ہے جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں ہم اپنے کچھ اپنے تجربات اور موجودہ علائق سے جدا ہونا پسند نہیں کرتے اور چونکہ موت ہمیں ان سے جدا کر دینے والی معلوم ہوتی ہے۔ اسلئے ہمیں موت سے خوف لگتا ہے۔ پس اگر ہم ایسی کوشش کریں کہ علائق دنیوی کی اہمیت کا خیال دل سے جدا کر دیں تو یہ بات ایک حد تک ممکن ہو جائے۔ اور ان کے چھوٹ جانے یا خود بخود چھوڑ دینے پر ہمیں کوئی خوف باقی نہ رہے لیکن ان علائق کے ساتھ ہماری تمنائیں اس درجہ وابستہ ہیں کہ مرتے دم تک انکا چھوٹنا محال ہے۔ اس بات کا تصور تک پیدا ہونا کہ ہمارا جسم ہمارا نہیں بلکہ اربع عناصر کی ایک خاص ترکیب اور تحلیل ہی اسکی پیدائش و فنا کا موجب ہے۔ اور جب یہ بات ہے تو اسکے تعلقات سے لاپروائی کا دم بھرنا محض ایک خیال باطل ہی رہ جاتا ہے۔ اس سے بھی زیادہ خواہشات اور امیدوں کے تعلقات ہیں۔ جنکا ہر کیف احترام کرنا ہماری زندگی کا مقصد ہو گیا ہے۔ اگر ہم زندگی میں ہی ان کے چھوڑنے کی امیدیں کرنے لگیں تو ایک عمر تک یاس و حسرت زندگی سے کبھی علیحدگی نہیں ہو سکتی ایسی صورتوں کے تھوڑی دیر کیلیے رد نما ہوتے ہی زندگی

بال جان ہو جاتی ہے تاہم ہمین اپنی بہت سی خواہشات اور بے سروپا امیدون ور فتہ رفتہ کم کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے کہ ہم ایک سادہ اور وسیع الخیال زندگی بسر کرنے کے عادی بننے کی کوشش کرین دنیا مین انسان ہمیشہ کسی نہ کسی کام مین مشغول رہنا چاہتا ہے یہ کام خواہش سے پیدا ہوتے ہین اور کچھ امیدین بھی ان کے ساتھ ضروری اور لازمی طور پر وابستہ پائی جاتی ہین۔ یہ سلسلہ کہین ختم ہوتا نظر نہین آتا۔ اگر ہم ضروریات زندگی کو سادہ بنانا چاہتے ہین تو کام رہ جاتا ہے اور کام کو بدستور جاری رکھنا چاہتے ہین تو خواہشات اور امیدین بڑھنے لگتی ہین۔ ایسی صورتین پیدا ہونا کہ جنھین مشغلہ تو ہو مگر خواہشات اور امیدون کا دائرہ چھوٹا رہ جائے ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔ سوچنے سمجھنے والے دماغون نے اس پیچیدگی کو حل کرنے کے لیے خلق اللہ کی بہتری مین اپنا وقت صرف کرنے کا مسئلہ ایجاد کیا تھا مگر آج کل یہ بات بھی ناممکن ہی نظر آتی ہے۔ اسکے لیے کافی معلومات۔ عقل اور اسباب کی ضرورت ہے۔ اہل ہند اس گتھی کے سلجھانے مین ایک خاص حد تک کامیاب ہوئے تھے۔ اُنھون نے انسانی زندگی کو چار مدارج مین تقسیم کر لیا تھا جنھین وہ آشرم کے نام سے پکارتے تھے پہلا آشرم یعنی برہمچریہ جس مین وہ اپنا سارا وقت تحصیل علم مین گزارتے تھے۔ اسکی میعاد کم از کم پچیس سال رکھی گئی تھی پچاس سال کی عمر تک وہ ایک مستعد اور مفید گرہستی کی زندگی بسر کیا کرتے تھے۔ پچاس سے پچھتر تک تزکیہ نفس اور قوائے ذہنی کو ترقی دینا ان کا خاص کام تھا۔ ازان بعد وہ اپنی زندگی کو محض دوسرون کی تعلیم و تلقین اور عوام کی بھلائی اور بہبودی مین صرف کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ اس حالت مین انھین موت کا کوئی ڈر نہ رہتا تھا وہ جا بجا گھومتے ہوئے لوگون کو انکے اپنے اپنے کامون اور مشغلون مین سادگی اور راست روی کی ہدایت و تلقین کیا کرتے تھے۔ خود ان کی جسمانی ضروریات نہایت سادہ اور بقدر ضرورت ہوتی تھین اور انھین انکے پورا کرنے مین کوئی دقت یا آیندہ امیدون کا تار پود پھیلانے کی ضرورت لاحق نہ ہوتی تھی۔ وہ زندگی اور موت دونون سے آزاد ہو جاتے تھے اس طور پر موت کے خوف پر قابو حاصل کر لیتے تھے

کہ جب ضعیفی اور کمزوری کے باعث انسان دنیوی علائق میں زیادہ سے زیادہ جکڑ جاتا ہے ان کے لیے نہایت سہل اور خوشگوار ہوجاتا تھا۔ کاش کہ ہم اب بھی اُسی طرح کی زندگی بسر کرنے کی کوشش کریں ورنہ دنیا میں موت کے خوف سے چھٹکارا پانا محال ہے۔

دوارکا پرشاد

رسید کتب

وعظ جنگ (یعنی بھگوت گیتا) مترجمہ سر برج اندر کنوار لکونٹنٹ پنجاب مطبوعہ ریفاہ پریس میرٹھ۔

دیوان جان صاحب (مع فرہنگ مفید) مرتبہ نظامی بدایونی مطبوعہ نظامی پریس بدایون۔ قیمت فی جلد ۱۲؍

سالومی۔ مصنفہ آسکر وائلڈ مترجمہ مجنون گورکھپوری۔ قیمت ۱۲؍

جوانی دیوانی۔ مرتبہ ملک مظفر حسین (حکیم حاذق) مطبوعہ مفید سٹیم پریس لاہور قیمت ۱۲؍ محصول ڈاک۔

سلسلہ "پبلک ریڈنگ" کی پہلی کتاب مصنفہ حافظ فیاض احمد انصاری (علیگ) مطبوعہ قیصر ہند پریس دہلی قیمت فی جلد ۶؍

انقلاب فرانس۔ یعنی ناول "نور کا فرات" کا ترجمہ مترجمہ جناب مولوی عبدالرزاق سابق اڈیٹر الجامعہ کلکتہ پبلشر صدیق بک ڈپو لکھنؤ قیمت فی جلد ۱۲؍

قاموس المشاہیر جلد اول مرتبہ نظامی بدایونی مطبوعہ نظامی پریس بدایون۔

سنکلپ شکتی (ہندی) مصنفہ شریمتی ادوے بھان بھابی سب پوسٹ ماسٹر کشن گڑھ پبلشر جین پتکالیہ اجمیر قیمت ۶؍

دیوان غالب اُردو مع غالب کی خودنوشتہ سوانح عمری اور فرہنگ مطبوعہ نظامی پریس بدایون۔

اودھ کے شاہی میلے

مرزا یحییٰ عرف مرزا امانی نواب آصف الدولہ بہادر کا زمانہ سلطنت لکھنؤ کے لیے باعث رحمت تھا لکھنؤ ان کے قدمون سے آباد ہوا ورنہ ایک بہیڑ مقام تھا نواب نے پہلے تو محکمۂ تعمیرات کو فیض آباد سے لکھنؤ منتقل کیا اور شہر کا نقشہ بلحاظ فرحت خوشگوار زمین پر قائم کیا۔ عمارات عالیہ کی بنیاد پڑی۔ چار باغ کی بنیاد نقش اول کہی جاتی ہے۔ اسمین آم کے درخت بکثرت تھے اور اسکی حد کئی کوس کے رقبہ مین تھی کئی کوٹھیان اسمین تعمیر ہوئی تھین جو اب ریلوے کے نذر ہو گئین اور اسی کا نام چار باغ اسٹیشن ہو گیا۔ دولت خانہ بیباپور کی کوٹھی ایسی نفیس بنی تھی کہ بیان سے باہر ہے۔ جھنٹ کی کوٹھی بڑی عالیشان تھی اب ان سب کا نام ہی نام باقی ہے عمارتون کے نشانات زمین پر موجود ہین یا یون کہئے کہ لکھنؤ کے آثار قدیمہ نہایت بیدردی سے پامال کئے گئے۔ ایک آصف الدولہ کا امام باڑہ تو باقی ہے اور بہت سی عمارتون کا پتہ ہی نہین ملتا۔

عیش باغ کی حالت دیکھئے کیسا پامال ہوا ہے یہ بھی آصف الدولہ بہادر کی فیاضی کا ممنون ہے۔ گو اب مکین ہے نہ مکان میلون کی شان و شوکت اگرچہ اب نہین رہی مگر جس طرح عمارتون کے ٹیلون کے نشان ملتے ہین اسی طرح ان کا بھی کہین کہین وجود قائم رہ گیا ہے۔

معتبر ذریعہ سے معلوم ہوا کہ عیش باغ کا رقبہ شہر کانپور کے رقبہ کے برابر تھا نواب آصف الدولہ کو اس باغ کی تعمیر پر بڑا ناز تھا۔ علی الصباح گھوڑے پر سوار ہو کر اسی باغ مین ہوا خوری کو آتے تھے۔ اور کوٹھی حور بہشت مین رونق افروز ہو کر سبز فرمانے

-یحییٰ گنج کے خاتمہ پر آکی محلہ ہے قلی کا باغ ہے اسی کے پاس عیش باغ کا شکستہ پھاٹک اب بھی موجود ہے -
پھاٹک کے پچھم طرف اسی کوٹھی کے شکستہ درو دیوار نظر آتے ہین -واٹر ورکس کا تمام محکمہ کنوین -تالاب عمارتین سب اسی کوٹھی کے رقبہ مین ہین -اور پورب کیطرف کئی عمارتین تھین جنمین بعد غدر کچھ ہندو فقرا مسکن گزین تھے - وہ عمارتین بھی نیست و نابود ہوگئین اور وہان اب مذبح خانہ تعمیر ہوگیا -اور بہت سے مکان بن گئے -
جس کوٹھی مین نواب آصف الدولہ رونق افروز ہوتے تھے اسی مین بعد غدر جب مارشل لا قائم ہوا ہے تو ہزارون آدمی وہین قتل کئے گئے اور غدر کے بعد سے لوگ اسکو خونی کوٹھی کہتے تھے اور اہل شہر اسے دیکھکر خون کے آنسو روتے تھے عہد نواب آصف الدولہ مین عیش باغ کی تمام کوٹھیان رشک ارم بنی ہوئی تھین جھاڑ کنول فانوس اور فرش فروش سے آراستہ مسند گاؤتکیے قرینے سے لگے ہوئے -
اسی باغ کی خدمت کے لیے ایک ہزار سات سو مالی مقرر تھا - جو دن رات وہین رہتا تھا - مالیون کے رہنے کے لیے جا بجا گمزیان بنی ہوئی تھین جا بجا فوارے چھوٹ رہے تھے - کنوین سب سنگ مرمر کے بنے ہوئے تھے ہوتی جھیل نام وسط باغ مین ایک جھیل تھی جسمین ہمیشہ صاف اور شیرین پانی لبریز رہتا تھا اکثر پیراک وہان پیرنے آتے تھے - عالیشان مسجد اور پل کے دوسری طرف جدھا یہ بھی ایک جھیل تھی جسکے قریب تمام میوون کے درخت تھے اور اس سے کچھ فاصلے پر کہوا یہ بھی ایک جھیل کا نام ہے جسمین اب تک تھوڑا بہت پانی رہتا ہے -اس جھیل کی تمام زمین کالی مٹی کی ہے اور یہان کی مٹی برتنون کے کام مین آتی ہے -
اسکے علاوہ بہت سی غدیرین تھین جو گرمی مین خشک ہوجاتی تھین آصف الدولہ کے زمانے کا حال تو ملتا نہین کہ اس باغ پر کیا جوبن تھا - سترا سی برس تک کا نقشہ لوگ اپنی آنکھون سے دیکھ چکے ہین سنی سنائی کہتے ہین کہ آصف الدولہ بہادر کے زمانے مین یہ باغ گرمی کے موسم مین بھی رشک کشمیر تھا - جو کوئی سفید پوش ہوا کھانے آتا تھا -

سردی سے کانپنے لگتا تھا۔ اگر کوئی مسافر کسی درخت کے سایہ مین دوپہر کو سوجاتا تو شام تک اسکی نیند نہ بھرتی۔ بندر سب سے سیانا حیوان ہے اس نے ایسا آرام پایا کہ اسی باغ مین ڈیرا لگایا۔

مالیون نے شکایت کی کہ یون تو ہم پرندون کے واسطے کھٹکے لگا دیتے ہین۔ تو پرندون کے ہاتھ سے پھل محفوظ رہتے ہین مگر کچھ دنون سے بندر گھس آئے ہین اور وہ کسی صورت سے باغ سے باہر نہین جاتے سرکار سے بندوقین ملین تو ان کو ڈراکر نکالدین حکم ہوا وہ باغ کی پناہ مین آئے ہین۔ انھین نکالو نہین ان کے لیے ہماری سرکار سے بھیگے ہوئے چنے مقرر ہو جائین گے۔ اُس روز سے بندرون کو چنے ملنے لگے تو بھی وہ پھلون کا بہت نقصان کرتے تھے کوئی پھل اور کوئی پھول ایسا نہ تھا جو اس باغ مین نہ ہو۔ ہر درخت تروتازہ اور شاداب تھا۔ سب کے تھالون مین پانی بھرا رہتا تھا آم کے تمام درخت ایک طرف تھے باغ کے وسط مین ایک پختہ سڑک تھی جسے جمنیا سڑک کہتے تھے سڑک کے دونون طرف چھوٹی جامن جو فالسے کے برابر تھی اسکے درختون کی قطار لگی ہوئی تھی یہ جامن نہایت شیرین ہوتی تھی اب تک اسکے دس پانچ درخت باقی رہ گئے ہین۔

نواب ملکہ جہان کی کربلا بھی عیش باغ کی زمین پر بنائی گئی تھی۔ جواب برباد ہورہی ہے اور کوئی مرمت نہین کیجاتی۔

غدر کے بعد اہل ہنود اپنی اپنی توفیق کے موافق کچھ چنے بندرون کو دیتے تھے مگر ان سے ان غریبون کا پیٹ نہ بھرتا تو شہر مین چلے جاتے تھے رفتہ رفتہ کچھ شاہ نجف اور موتی محل کے پل پر رہنے لگے۔

ابھی سوا سو برس کی بات ہے کہ نواب مرزا وزیر علی خلف نواب آصف الدولہ کی شادی جو نہایت تزک و احتشام سے ہوئی تھی جسکی روشنی مین صرف تین لاکھ روپیہ کا تیل صرف ہوا تھا۔ اور جس کی بارات کا جلوس دولتخانہ سے چار باغ تک یعنی چار کوس کے فاصلے مین تھا اور سارا شہر دو طرفہ پولیہ اور برج سے آراستہ کیا گیا تھا اور یہ جشن سات روز تک

رہا اس شادی کا جشن عام عیش باغ مین منعقد ہوا تھا اور عیش باغ کی بارہ دری دلھن کی طرح سجی ہوئی تھی اور اسی طرح عیش باغ کی تمام کوٹھیاں آراستہ و پیراستہ تھین اور ان مین محفل رقص و سرود سات دن تک برابر رہی۔ اس باغ مین اتنی وسعت تھی کہ سب براتیون کو اپنے سایہ مین لے لیا کہتے ہین کہ تمام درخت بادلے اور مقیش سے منڈھے ہوئے تھے۔ اس شادی مین کئی کرور روپیہ صرف ہوا تمام شہر اور اطراف شہر کے لوگ سات دن تک شاہی دسترخوان پر مہمان رہے۔

عیش باغ مین ایک میلہ دن مین ہوتا تھا۔ اسکی بنیاد نواب آصف الدولہ بہادر نے ڈالی تھی لوگ ساون کے چار جمعہ تک جمع ہو کر میلا کرتے تھے۔ کچھ زمانے کے بعد جمعہ کے ساتھ ہفتہ بھی شریک ہو گیا۔ میلا نہایت دھوم دھام سے ہوتا تھا۔

ایک طرف سے امرا، اور وسا پیدل سوار مع رفیقون اور خدمت گارون کے ہوتے تھے۔ بڑے بڑے مہاجن مالدار بگھیون پر بیٹھے ہوئے بقال بنئے۔ کنجڑے قصائی۔ دھوبی۔ دُھنیے جلاہے جمع ہوتے تھے۔

دوکاندار دکان لگائے۔ دال موٹھ لونگ چڑے۔ پھلکیان دہی بڑے۔ کھیر کی ہانڈیان۔ پونڈے کی گنڈیریان۔ رنگترے۔ کولے۔ نارنگیان مٹھائی۔ پیڑا۔ برفی گلاب جامن۔ جلیبی۔ امرتی۔ بالوشاہی۔ ہر چیز قرینے سے لگائے بیٹھے تھے کچھ جوان کچھ لڑکے جھولا درختون مین ڈالے ساون گاتے تھے۔ مداری سانپ کی لڑائی دکھاتے ریچھ والے ریچھ لڑاتے تھے بندر والے بندر سے عجیب عجیب کرتب دکھاتے تھے۔ نٹ اپنا تماشہ کرتے تھے۔ نان بائی اپنی دکانون مین پلاؤ قلیہ قورمہ روٹی لیے بیٹھے تھے۔ افیونی اپنے دوست احباب کے ساتھ جمع ہو کر چسکی گھول رہے تھے۔ گنّے چھیلے جاتے اور داستان سناتے جاتے تھے۔ کھلونے والون کی دکانون پر لڑکون کا ہجوم ہوتا تھا۔ تنبولنین پری پیکر پان لگا کر خریدارون کو کھلا رہی تھین۔ ساقنین بھاری بھاری جوڑے پہنے بناؤ سنگار کیے دھوان دھار حقے پلا رہی تھین جنگیر نین گانجہ چرس کی چلمین بھر بھر کے دے رہی تھین رنڈیان گاڑیون پر سوار اپنی بہار دکھاتی تھین۔

جا بجا لوگ فرش بچھائے حقہ منہ سے لگائے یار دوستون مین بیٹھے نظر آتے تھے۔

ہمین خوب یاد ہے کہ منشی شیو پرشاد وہبی تلمیذ رشید آفتاب الدولہ قلق مینپوری دورا خیر ساون کے آخری ہفتہ مین اسی میلے کے وسط میدان مین ایک مختصر مشاعرہ اپنے دوست احباب کا کرتے تھے مہینہ بھر پیشتر سے مشاعرے کی طرح کے کارڈ خود اپنے ہاتھ سے ہر ایک دوست کو دیتے تھے اور نہایت اصرار سے وعدہ لیتے تھے ایکدن پیشتر سے اچھی جگہ پر چاندنی فرش وغیرہ بچھواتے تھے حقے منگواتے تھے قنات تانی جاتی تھی اور جھولا پڑتا تھا۔ پان حقہ پانی وغیرہ کا کافی انتظام ہوتا تھا۔ دال موٹ پکوان سے بھی خاطر مدارات کرتے تھے اور نہایت خوش ہوتے تھے۔ جو لوگ کسی وجہ سے شریک مشاعرہ نہوتے تھے سال بھر تک شکایت کیا کرتے تھے اور دوسرے سال اُن کو آنے پر مجبور کرتے تھے۔

گڑیون کا میلہ ساون سدی تیج کو گنگنی شکل کے تالاب پر گڑیون کا میلہ ہوتا تھا۔ پہلوان اپنی کسرت دکھاتے تھے۔ کشتیان لڑتے تھے ہندو لوگ اسی زمانے مین اپنی اپنی لڑکیون کو سسرال سے بلوا کر کچھ نقد روپیہ اور کچھ لباس پوشاک بنوا دیتے ہین اور قصبون مین رسم ہے کہ لڑکیان کپڑے کی گڑیان بنا کر شام کے وقت اپنے کوٹھے کے نیچے پھینکتی ہین اور چھوٹے لڑکے ان کو رنگین لکڑی سے پیٹتے ہین اس میلہ کا کچھ نمونہ لکھنؤ مین اب بھی باقی ہے۔

ساون سدی پورنماشی کو سلونو کا میلہ ہوتا ہے۔ برہمن لوگ حسب دستور پوجا کرتے دریا جاتے ہین اور ایک ڈورا جسے راکھی کہتے ہین اشنان کرنے والون کے ہاتھ مین باندھکر اور آشیرباد دے کر کچھ پیسے حاصل کرتے ہین اور سہ پہر کو سنیاسی فقیر جمع ہو کر سال حال کی پیشینگوئی کرتے ہین۔

ساون اصل مین شراون ہے سنسکرت مین سنیاسی فقیر کو کہتے ہین۔ ان کو دس فرقے ہوتے ہین۔

آٹھون کا میلہ اول ماہ چیت کی اسمٹی کو راجہ ٹکیت رائے کے تالاب پر لوگ جمع ہوتے ہین دو کاندار دکانین لگاتے ہین۔ جرخ پوجا۔ تگیرے لگائے جاتے ہین۔ اسی کے

قریب سیتلا دیوی کا مندر ہے لوگ چیچک کو سیتلا کہتے ہین اور اعتقاد رکھتے ہین کہ کل
اس بیماری کا اس مندر کی پوجا سے شدائد مرض کم کرتا ہے اور ستیل سنسکرت مین سرد
کو کہتے ہین۔ پس روحانی سیتلا جو چیچک کی حرارت اور التہاب کو ٹھنڈا کرتی ہے۔ اسی سے
مراد ہے لوگ مندر مین نذر اور بلبتیٹ چڑھاتے ہین۔

علی گنج کا میلا۔ علی گنج لکھنو کا ایک محلہ ہے اور دریا کے پار شروع جیٹھ کے مہینے مین
پیر کے روز ہنومان جی کا میلہ ہوتا ہے مراد پانے والے بیکرمان کرتے ہوئے یعنی زمین
کو اپنے قد سے ناپتے ہوئے اپنے گھر سے مندر تک زمین پر لیٹتے ہوئے اور اُٹھتے ہوئے
(لال لنگوٹے والے کی جے) پکارتے ہوئے آتے ہین اور حسب توفیق نذر چڑھاتے ہین۔

چھڑیون کا میلہ۔ ساون کے مہینے مین خاص بازار مین ظاہر پیر کا میلہ ہوتا ہے۔ اِسی کو
چھڑیون کا میلہ کہتے ہین یہ خاکروبون کا میلا کہلاتا ہے۔ وہ بڑی بڑی چھڑین اُٹھاتے
ہین ان پر سرخ رنگ کا کپڑا لپٹا ہوتا ہے اور دوسرے پر کچھ بال لپٹے ہوتے ہین اور دو چار
ناریل بھی لٹکے ہوتے ہین۔ اسے میلے مین لاکر زمین پر گاڑتے ہین اسکے بعد گرداگرد جھکر
کچھ گاتے ہین اور ظاہر پیر کے فضائل کے گیت گاتے ہین۔ جو ہری لوگ اسکی پوجا کرتے ہین
منت مانتے ہین اور نذرین چڑھاتے ہین ان کی مرادین بر آتی ہین۔ اب یہ میلہ نئے چوک
مین ہوتا ہے۔ نہایت شاندار میلا ہوتا ہے ہر قسم کے لوگ جمع ہوتے ہین نئے نئے تماشے
کئے جاتے ہین۔

اوسے کا میلہ۔ یہ میلہ ابتدا مین نکارم نگر ایک محلہ ہے وہان ہوتا تھا اب کچھ دنون سے عہد
واجد علیشاہ بادشاہ مین وزیر گنج مین ہونے لگا تھا اب پھر نکارم نگر مین ہوتا ہے۔

اسمین ہجڑے زنانے مخنث جمع ہوتے ہین گاتے ہین ناچتے ہین اور دو فریق ہوکر
ایک دوسرے سے جنگ کرتے ہین ہاتھ مٹکاتے ہین تالیان بجاتے ہین گالیان بکتے ہین
ضلع جگت چھانٹتے ہین۔ ننگے ہوجاتے ہین۔ ڈھولک پر گیت گاتے ہین۔

درکٹوا کا میلہ۔ علاقہ اسلام آباد عرف ہرآمہ قریب دریا آباد متصل رودولی نہایت دھوم دھام
سے میلہ ہوتا ہے۔

جگجیون داس فقیر کے سمادھ کا میلہ ہے۔ یہ ایک مقدس نیک مزاج عقلمند
مگر بےعلم درویش بڑے پایہ کا قوم کا راجپوت تھا۔ اسکے متعلق بہت سی کرامتین مشہور
ہین کسی مداری فقیر سے تصوف حاصل کیا تھا اور اسی کا مرید تھا۔

اسکے نیک مزاج ہونے کے سبب سے ہر فرقہ کے لوگ کثرت سے
اس کے مرید ہونے لگے۔ اسنے ایک نیا مذہب ایجاد کیا اور ان کے تمام مریدون نے ایک
کتاب ان کے اقوال کی جمع کرلی۔ اس کتاب کا نہایت احترام کرتے تھے۔ اس کتاب
کے تمام اقوال کبیر داس اور گرو نانک کے اقوال سے ملتے ہین۔

ان کے مریدون کی پہچان یہ ہے کہ ان کے ہاتھ مین سیاہ گنڈا ہوتا ہے باقی تمام
امور دنیا کے اپنی قوم کے رواج کے موافق کرتے ہین اور ان کے نزدیک گنگا کا پانی
اور گومتی کا پانی ایک ہے۔ اس میلے مین دور دور سے ہر قوم کے لوگ آتے
ہین مجمع کثیر ہوتا ہے۔

سورج کنڈ کا میلہ بھادون کی جیٹھ سدی کو یہ میلہ ہوتا ہے مطلب یہ ہے کہ آفتاب
کی گرمی اس زمانہ مین زیادہ ہوجاتی ہے۔ سورج کنڈ ایک تالاب ہے جسے آفتاب
سے منسوب کرتے ہین یہ کاکوری کے قریب ایک جھیل ہے۔ ھندؤن نے اس کا نام
سورج کنڈ رکھا ہے۔ اسی تاریخ کو جمع ہوکر اس جھیل مین غسل کرتے ہین اور اس میلے
کی سیر مین ہاتھی کی سواری جزو اعظم ہے اکثر لوگ ہاتھی پر سوار ہوکر آتے ہین۔

قلعہ کا میلہ قلعہ جلال آباد جو کہ لکھنو کے ناکہ سے تین کوس جانب جنوب ہے کنس
ولد اوگرسین راجہ کے قتل کے یادگار مین یہ میلہ قائم کیا گیا تھا۔ کنس راجہ اوگرسین
والی متھرا کا بیٹا تھا اور اپنے پیارے بھانجے سری کرشن کے ہاتھ سے قتل کیا گیا تھا۔
لوگ کثرت سے جمع ہوتے ہین اور ایک رات وہین بسر کرتے ہین۔

سترکھ کا میلہ ماہ جیٹھ کے پہلے ہفتے مین میلا سالار کا ہوتا ہے۔ اسمین لوگ کثرت
سے آتے ہین۔

لودھے سُر کا میلہ رام نگر موضع لدھورا مین۔ ایک مندر مین مہادیو جی کی مورت ہے اسے

نام بودھے شہر ہے۔

رامچندر مہاراج کے بیٹے کا نام ہے اس جگہ ہر شخص کی مراد بر آتی ہے اور دعا بہت جلد قبول ہوتی ہے۔

پوجا کا دن ماہ پھاگن کی چودھوین تاریخ ہے۔

دیبی پاٹن کا میلہ یہ میلہ اساڑھ کے مہینے مین بلرام پور مین ہوتا ہے یہان ہندون کا ایک پرانا مندر ہے۔ اسکی پوجا ہوتی ہے۔ آخر ماہ چیت اور کنوار مین بھی لوگ یہان جمع ہوتے ہین خدا کی قدرت سے عجیب عجیب امور اس مقام سے ظاہر ہوتے ہین۔ اور یہان پجاری مدتون قیام کرتے ہین اور اپنی اپنی مراد پاتے ہین۔

دیبی پھاٹن کا میلہ درگا گنج ضلع نواب گنج جسکو نواب امین الدولہ بہادر نے آباد کیا تھا۔ چیت سدی چودس کو یہان ایک نہایت شاندار میلہ ہوتا ہے۔ یہ مقام قدیم سے عبادتگاہ ہنود ہے اور اس مبارک مندر کا نام کلشنیھو ہے۔ عام لوگ کسھری کہتے ہین اور کسھری کے میلے کے نام سے مشہور ہے۔ اس میلے مین صرف لکھنو کے لوگ جمع ہوتے ہین اور چار روز تک وہان قیام کرتے ہین اچھے اچھے تماشے ہوتے ہین۔

مہاجن بچے نوجوان ہتھیار بند آتے ہین۔ بکری کے بچے جو بھینٹ چڑھانے کے لیے آتے ہین اسپر زور آوری اور شمشیر زنی کرکے اظہار شجاعت کرتے ہین جگہ جگہ گانے کی محفل قرار پاتی ہے شہر کی رنڈیان جاتی ہین۔ شراب کباب کا شغل کثرت سے ہوتا ہے۔ سب لوگ بشاش نظر آتے ہین۔

چھٹہ کا میلہ بیساکھ سدی چھٹہ کو ہندو لوگ ایک میلہ قدیم سے کرتے ہین۔

اجودھیا کا میلہ اودھ تخت گاہ راجہ رامچندر ہے۔ چیت سدی نومی تاریخ ولادت راجہ رامچندر ہے اس خوشی مین قدیم سے دور دراز کے لوگ جمع ہوتے ہین اور ہزارون راجہ اور زمیندار واسطے پرستش کے آتے ہین فیض حاصل کرتے ہین اور نفع پاتے ہین۔ کسی شاعر نے اسکی تعریف مین چند شعر کہے ہین۔

اجودھیا آبروئے ہفت کشور ‌ ‌ ‌ ‌ نگہ از دیدن او تازہ و تر

بود نشو و نما اینجا روان را — بہار دیگر است این بوستان را
فضائے شام را این جا بہ نام — چہ نسبت صبح صادق راست با شام
خزان را در گلستانش چہ کار است — ملاحت خانہ زاد این دیار است
گرفتہ سروش از آزادگان باج — رساند سرفرازی را بمعراج
مشو گستاخ سیر جانکی باغ — کہ مہ را بیشتر باشد ازان داغ

خواجہ محمد عبد الرؤف عشرت

۱۔ گناہ کی مزدوری موت ہے۔ نیکی کا اجر ہمیشہ کی زندگی۔

۲۔ گناہ کا ردعمل شرمساری و ندامت اور بعض اوقات خودکشی ہوتی ہے۔

۳۔ گناہ کی لذت نہایت عارضی اور تکلیف دائمی ہے۔

۴۔ نیکی ممکن ہے ابتدا میں تلخ معلوم ہو مگر اسکی حلاوت غیر فانی ہے۔

۵۔ نیکی پائدار ہے اُسکو کوئی فنا نہیں۔ موت کے بعد اُسکی آب و تاب میں چار چاند لگ جاتے ہیں۔

۶۔ گناہ مستقبل کو تاریک کر دیتا ہے۔ اور نیکی ماضی و حال و مستقبل سب کو درخشان۔

۷۔ گناہ پر پردہ ڈالنے کے لیے جھوٹ لازمی ہے۔ اور جھوٹ انسان کو بزدل بناتا ہے۔ اسلئے ہر گنہگار بزدل اور نیکوکار دلیر ہوتا ہے۔

۸۔ ارتکاب گناہ کے بعد ضمیر کی لعن و طعن جیتے جی دنیا میں دوزخ پیدا کر دیتی ہے۔

۹۔ گناہ کبھی بخشا نہیں جاتا اسکے مسموم اثرات روح اور جسم پر ہمیشہ باقی رہتے ہیں۔

(ماخوذ از جاپان) — عاشق بٹالوی

جزیرہ جاوا

از رائے بہادر پنڈت شیو نرائن شمیم ایڈوکیٹ

یہ جزیرہ ۶۰۰ میل طول مین اور ۶۰ سے ۱۰۰ میل عرض مین ہے یعنی انگلینڈ کے رقبہ کے تقریباً برابر ہے اسمین ۳۸ آتش فشان پہاڑ ہین۔

وسط امریکہ سے جو کھنڈرات نکلے ہین ان سے بھی زیادہ تعداد مین اسی جزیرہ سے کھنڈرات نکلے ہین ہین پہلے ہندو۔ بعد اسکے بودھی پھر اسلام کے حملہ آورون کا تسلط رہا ہے۔ ۱۷۵۵ء آخر الذکر حکومت کے زمانہ مین دار الخلافہ مایا بہت تباہ ہوا۔ ہندوؤن اور مسلمانون مین یہان جھگڑے جاری تھے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے اسپر قبضہ کرلیا پھر یہ جزیرہ ہالینڈ کو ۱۸۰۰ مین دیدیا گیا۔ انگلینڈ کو پھر ملا اور اسکا تسلط صرف سات سال رہا تھا۔ کہ پھر ہالینڈ کو دیدیا گیا۔ ۱۸۱۶ء سے ابتک وہان حکومت ڈچ قوم کی ہے۔ پرانے حکمران ابتک وہی منزلت اور منصب رکھتے ہین لیکن ڈچ گورنر کے ماتحت ہین۔ ہندو مسلمان۔ اصلی باشندے چینی۔ دوغلے۔ یورپین بستے ہین جن کی مردم شماری ۳ کروڑ اور ۴۰ لاکھ ہے۔ والسرائے کے مکانات ۹۰ ایکڑ زمین کے احاطہ مین واقع ہین۔ اسکو بیس ہزار پونڈ تنخواہ ملتی ہے۔ اسکے علاوہ اسکو ضیافتی الاؤنس بارہ ہزار پونڈ کا ملتا ہے صدر کی حکومت تو برائے نام ہے وائسرائے ہی دراصل با اختیار ہے۔

ایک ہندو قوم اب بھی موجود ہے جو ٹنگرز کہلاتی ہے۔ جو مسلمانون کی یورش سے ادھر ادھر روپوش ہوگئی تھی اور اسلامی حکومت ختم ہونے پر نمودار ہوگئی۔

۱۸۱۴ء مین انگریزی گورنر سر سٹمفورڈ ریفلس نے بورو بودور مندر جو مدفون تھا زمین کھدوا کر برآمد کیا۔ یہ بودھی مندر ہے جسے ڈچ گورنمنٹ نے حال مین احتیاط سے مرمت کرایا ہے۔ اسمین دھیانی بودھ کا سروپ ہے۔ اور کئی مورتیان بودھون کی اسمین ہین

ی کوئی بہت ہی بڑی ہین اور چھوٹی چھوٹی مورتیون کا تو کوئی شمار نہین۔
دو جکیا اور سولو (یہ شہرون کے نام ہین) کے درمیان ڈیڑھ سو سے زیادہ مندرون
کے کھنڈر موجود ہین بعض ان مین صنعت عمارت کے نمونے ہین۔
ایک مقام پر جسے برم نام سے کہتے ہین آٹھ مندرون کے کھنڈر موجود ہین وہان
گنیش جی ۔ شیو جی ۔ نندی اور تین دیویون کی مورتیان ہین اسی جگہ کئی پتھر کی
سلون پر رامائن کے واقعات کندہ ہین۔
ایک اور مقام پر جسے ڈینگ بولتے ہین چار سو سے زیادہ مندرون کے کھنڈر
موجود ہین ۔ اگر ہندو اپنا دھرم دنیا مین پھیلانے والے نہ ہوتے تو بودھون سے پہلے
اس جزیرہ مین کیون جاتے اگر وہ اولوالعزم نہ ہوتے اور کشتیون کا چلانا نہ جانتے تو
یہان کیسے پہنچتے ۔ بودھون کا تو تمام دنیا مین جانا اور پرچار کرنا مسلم امر ہے کیا یہ امکان
مین نہین کہ پست ہمتی دور ہو جاوے اور پھر یہ دونون مذہبون کے لوگ پرچار تازہ کرین
کھنڈرون کو آراستہ کرین ۔ اب تو آزادی کا زمانہ ہے ۔ کوئی مذہبی رکاوٹین نہین۔
راستے بھی بہ نسبت سابق آسان تر ہین ۔ اپنی کاہلی مانع نہ ہو اور خواہش پرچار
ضعیف نہ ہو تو موقعے بہت اچھے ہین۔

شیونراین شمیم

(ماخوذ از سفرنامہ مسز ریٹری)

رسید کتب

بدھ اور اسکامت ۔ از رائے بہادر پنڈت شیونرائن شمیم ایڈوکیٹ پنجاب ہائیکورٹ لاہور

نقش ارژنگ ۔ از ابو الخیال چودھری جلال الدین اکبر پبلشر محمد اسمعیل نعیم صاحب
مالک رسالہ ہزار داستان لاہور قیمت ۱۲؍

قاصد برقی ۔ از رائے برج لال بھاٹیہ صاحب بی۔اے انسپکٹر جنرل رجسٹری صوبہ متحدہ
قیمت ۲؍ رچارگو اسکول بک ڈپو امین آباد لکھنؤ۔

براداری کا حکم

(۱)

تین سو سال ہوئے کہ صوبہ بنگال پر نوابی حکومت تھی بہار و اوڑیسہ مین سیاسی سازشین زورون پر تھین - جان و مال کی امان نہ تھی - لوگون کو ہر وقت محتاط رہنا پڑتا تھا - قوانین کی پابندیان محض دار الخلافہ کے چار دیواری تک ہی محدود تھین -

دار الخلافہ مرشد آباد کے مضافات مین ایک نہایت ہی سیراب اور شاداب بستی آباد تھی یہ بستی شہرون سے بھی کہین زیادہ دلکش تھی - جسکی گذشتہ عظمت کی گواہ اسکی ویران عمارتین تھین بستی کے مرکز مین ایک عظیم الشان عمارت تھی - جس کی تعمیر نے بستی مین چار چاند لگادیے تھے اسکے نیچے گنگا بہتی تھی -

اس عمارت کا مالک جو ساری بستی مین امیر اور صاحب اثر شخص تھا - ایک پندرہ سالہ لڑکا شیام چھوڑکر مر چکا تھا - لڑکا حسین اور کشادہ پیشانی تھی فیاض اور متقی ہونے کے سبب جلد مقبول انام ہوگیا - اس مین خاندان کی تمام صفات محمودہ اور عادات صالحہ موجود تھین -

وہ غریبون اور یتیمون کی مدد کرنا اپنا فرض سمجھتا تھا - اُس نے باپ کی وفات کے بعد اپنے حسن سلوک اور حسنِ انتظام کی وجہ سے خاندانی جائداد کو بہت جلد سنبھال لیا -

(۲)

موسم سرما کی ایک شام تھی آفتاب کی حرارت کا اثر کم ہو چلا تھا - سورج شعاع واپسین کے ساتھ آہستہ آہستہ افق مغرب مین غروب ہو رہا تھا - معلوم ہوتا تھا کہ نیچے جُھک کر

سجدۂ نیاز میں مشغول ہے سورج کی آخری کرنین موجون کے ساتھ رقصاں ولرزاں تھین کسان
اپنے اپنے ہل دوش پر اُٹھائے تھکے ماندے پاؤن کے ساتھ گھرون کو واپس جارہے تھے۔
ان کے ترنم ریز نغمے اور گیت فضائے بسیط مین گونج رہے تھے۔
ظلمت شب آفاق پر چھا چکی تھی۔ شام کے ستارے ملکہ شب کے تاج پر ایک بڑے ہیرے
کی طرح چمکنے لگے۔ چاند اپنے معصوم جلوؤن کے ساتھ سطح فلک پر جلوہ گر ہونے لگا۔ شیام
گھر سے باہر سیر شام نظرت کی صباحتون کا لطف اُٹھانے کے لیے اپنی کشتی مین بیٹھا ہوا دریا کی
سیر کر رہا تھا۔ ساحل پر دور سے اُسے شب کی تاریکی مین کوئی چیز نظر آئی وہ اُترا اور متجسس
نگاہون کے ساتھ آگے بڑھا۔ تھوڑے فاصلہ پر اسے خوف وہراس کا ایک مجسمہ نظر آیا
یہ ایک مسلمان لڑکی تھی جو اس تاریک کنج تنہائی مین اپنی نصیبون کو رو رہی تھی۔

شیام نے تحیر کے ساتھ پوچھا "تم کون ہو"؟

"مین ایک غریب مسلمان لڑکی ہون"

"تمہارا نام"

"فاطمہ"

"یہان کیسے آئی ہو"

"مین خانمان برباد ہون نواب کے آدمیون نے مجھے لوٹ لیا ہے"۔

"نواب کے آدمیون نے! تمہارا گھر کہان ہے"

"راج محل"

"وہان جانا چاہتی ہو"

"نہین! اب کس کے پاس جاونگی"

غریب لڑکی کی آنکھون سے آنسو جاری ہوگئے۔ شیام کا دل پسیجا۔ تسکین بخش لہجہ
مین کہا۔

"اپنی مصیبت مفصل بیان کرو"

ظالم نواب کے آدمیون کی آنکھ مجھ پر تھی۔ مجھے لیجانا چاہتے تھے۔ جب میرے بھائی نے

میرے دینے سے انکار کیا، تو اسے قتل کر دیا۔"
بعدہٗ مجھے ڈولی مین سوار کرکے واپس روانہ ہو گئے۔ جنگل مین جب وہ آرام لینے کے لیے ٹھہرے تو مین آہستہ ڈولی سے نکلکر جنگل مین چھپ گئی۔"
"اب تم راج محل جانا چاہتی ہو؟"
"نہین! نواب کے ظالم آدمی پھر مجھے......."
"کیا پھر تم میرے پاس رہنا پسند کرو گی؟"
لڑکی نے شیام کو اُمید بھری نظرون سے سرتاپا دیکھا اور نرم لہجہ مین کہا!
"آپ ہندو ہین! مجھے اپنے ساتھ رکھنا کسطرح پسند کرینگے؟"
"بڑی خوشی سے! تم مدد کی خواہان ہو مین تمکو پناہ دونگا!"
اتنا کہکر اُسے کشتی مین سوار کر دیا۔ ملاح مشکوک نگاہون کے ساتھ دل ہی دلمین ہنسے۔
شیام لڑکی کو لیکر بستی مین پہنچا۔ آناً فاناً یہ خبر بجلی کی طرح تمام بستی مین دوڑ گئی، کہ شیام مرشدآباد سے ایک مسلمان لڑکی لے آیا ہے۔
بستی کے کئی آدمی تحقیقات کے لیے آئے کہ کیا معاملہ ہے؟
شیام نے تمام واقعات سنا دیئے وہ ہنسے اور اعتبار نہ کیا۔
شیام غصے سے آگ بگولہ ہو گیا۔
ایکدن اُسکے تمام اہل برادری نے ملکر کہا کہ اگر تم مسلمان لڑکی کو اپنے گھر سے نہ نکالد گے تو ہم تمکو برادری سے خارج کر دینگے۔"
شیام نے ان کی یہ ناجائز دھمکی ایک کان سے سنی دوسرے کان سے اُڑا دی اور سب کو یہی جواب دیا کہ "میرے مذہب سے بعید ہے کہ مین ایک پناہ گزین کو گھر سے نکالدون۔"
شیام کی اس بے التفاتی پر بستی والون نے اُسے برادری سے خارج کر دیا۔
لیکن مسلمان لڑکی یہ فیصلہ سُنکر دنیائے تخیلات مین کھو گئی کیونکہ وہ صحیح طور پر محسوس کرنے لگی تھی کہ شیام کی اس مصیبت کی ذمہ دار مین ہی ہون۔

اُس نے ارادہ کیا کہ وہ اس کا گھر چھوڑ دے ممکن ہے کہ اسطرح اُسکے محسن کی مصیبت کا خاتمہ ہو جائے۔ ایک صبح شیام سے جانے کی رخصت مانگی، وہ متحیر رہ گیا۔

"کیون فاطمہ! میرے گھر مین تمہین کوئی تکلیف پہنچی ہے"

"نہین!! اے بے غرض محسن! مین آپ کی بزم نشاط مین ایک شمع مزار ہون"

"فاطمہ تمہارے لفظ تاریک اور تیز ہین۔ آخر معاملہ کیا ہے؟"

لڑکی کی آنکھون مین آنسو ڈبڈبا آئے "مین آپ کو زیادہ تکلیف دینا پسند نہین کرتی"

شیام نے متانت سے جواب دیا "کیا واقعی تو مجھے چھوڑ دیگی؟ کیا وفا اسی کو کہتے ہین؟"

لڑکی پرنم آنکھون کے ساتھ اپنے کمرے مین واپس چلی گئی۔ گویا یہ تجدید پیمانِ محبت تھا۔

واقعہ یہ ہے کہ فاطمہ نے اپنا سرِ نیاز شیام کے سامنے جھکا دیا"

اُسے شیام سے محبت تھی۔ اِس نے اس کی شیرین بیانی سے عشق کا سبق پڑھا تھا اور اس کے پُرجوش فقرون مین پیار کے نغمے سُن چکی تھی۔ وہ خود شیام کی نگاہون مین محبت کے جذبات کو کروٹین بدلتے دیکھ چکی تھی۔ پاک اور معصوم محبت نے انھین اپنی سنہری زنجیر مین باندھ لیا تھا۔

(۳)

آخر یہ خبر نواب کے کانون تک پہنچی۔ اس نے شیام اور فاطمہ کی گرفتاری کے لئے آدمی بھیجدیئے۔ نواب کے آدمی بستی مین پہنچے تو شیام گھر مین موجود نہ تھا۔ لوگ جمع ہو گئے اور وہ بغیر مزاحمت کے دروازے توڑنے لگے۔

لڑکی نے دوسرے کمرے مین خودکشی کر لی! نواب کے آدمی اندر داخل ہوئے تو یہ حیرت وحسرت کا مجسمہ ہمیشہ کے لیے بے حس وحرکت ہو چکا تھا۔

نواب کے آدمی مایوسی کے ساتھ واپس چلے گئے شیام نے یہ دردناک کہانی سُنی اور

دل مسوس کر رہ گیا۔

ادھر برادری کا غصہ دُور ہو چکا تھا۔ انھوں نے اُسے پھر برادری میں شامل کر لیا۔ لیکن شیام کا آبگینۂ دل اس ٹھیس سے چکنا چُور ہو چکا تھا۔ اس نے دنیا ترک کر دی اور فاطمہ کی قبر پر معتکف ہو گیا"

اسکی قبر پر ایک مرمریں کتبہ آویزاں کر دیا گیا۔ جسپر کھدا تھا۔

"اے مہربان مسافر ٹھہر جا! میری لحد پر ایک آنسو گرا دے۔ جسے میں زندگی میں حاصل نہ کر سکی"

(ماخوذ) حاجی محمد صادق ایوبی (ڈیرہ غازیخان)

موجِ شمیم

نشاطِ زندگی غافل سمجھلے مے پرستی ہے اجل سے خوف کیوں کھاتا ہے یہ تو خواب ہستی ہے
مشاہدہ ہستی فانی اگر کچھ ذوقِ ہستی ہے دلِ غمدیدہ تجھ پہ ساری دنیا آج ہنستی ہے
دو روزہ دولتِ دنیا پہ مست غرور ہو غافل بلندی کا نشان مٹی کے تلے اوجِ پستی ہے
شمیم آ کر مری تربت پہ وہ حیرت سے کہتے ہیں
یہ کس کی قبر ہے کیسی یہاں حسرت برستی ہے

مظفر حسین شمیم

بچوں کا قاعدہ - مرتبہ سجاد مرزا صاحب ایم اے صدر مہتمم تعلیمات صوبہ گلبرگہ دکن -
چمن - مرتبہ ناظم صاحب شرکت ادبیہ علیگڈھ -

تنقید کتب

روح تنقید

حال مین جامع عثمانیہ حیدرآباد سے، فن تنقید کے متعلق ایک کارآمد کتاب شائع ہوئی ہے جو اُردو مین اپنے رنگ کی بالکل جدید کتاب ہے۔ اس کتاب کا نام روح تنقید ہے دنیائے ادب کو ابوالحسنات سید غلام محی الدین قادری زور کا ممنون ہونا چاہیے جنکو ایسے مفید موضوع پر تصنیف کا خیال آیا۔

بلاشبہ ادبی ترقی کے لیے تنقید ایک ضروری چیز ہے۔ بلکہ یون کہیے کہ اگر تنقید سے کام نہ لیا جائے تو کوئی زبان ترقی ہی نہین کرسکتی۔ زبان ہی پر منحصر نہین کوئی فن بھی بغیر تنقید کے ارتقائی مدارج طے نہین کرسکتا۔ دنیا آج جس تمدن اور معاشرت کے دامن مین کھیل رہی ہے وہ سب تنقید ہی کے طفیل دنیا والون کو نصیب ہوئے ہین۔ سائنس نے جتنی ایجادین کی ہین ان کا آغاز اتنا شاندار نہ تھا جیسی وہ آج ہمین نظر آرہی ہین۔ شروع شروع مین وہ سب بچون کا کھیل معلوم ہوتی تھین۔ تنقید ہی کی بدولت وہ آگے بڑھین اور بڑھتے بڑھتے اس درجہ پر پہنچ گئین۔ ترقی دینے والون نے غور و فکر سے کام لیا۔ غور و فکر نے تنقید کی صورت اختیار کی اور تنقید نے اصلاح و ارتقا کی روح پھونکدی۔

آج ہم جن شعرائے نازک خیال کے اشعار پر سر دھنتے ہین۔ سب اسی راستے سے گذر کر اس مرتبہ پر فائز ہوئے ہین ان کے ابتدائی کلام کا مطالعہ کیجیے تو شاید آپ دو چار شعر سے زیادہ پڑھنا بھی پسند نہ کرین گے۔ واقعہ یہ ہے کہ موجودہ دلکشی ایسی تنقید کا نتیجہ ہے۔ جو اُستادون نے ان کے کلام پر کی تھی۔ اُستاد اور نقاد مین صرف اتنا فرق ہے کہ نقاد کسی چیز کو پرکھ کر کھوٹا کھرا بتادیتا ہے۔ لیکن اُستاد پرکھنے کے بعد کھوٹے کو کھرا

بناتا ہے۔

غالب کی شاعری اردو زبان کے لیے سرمایۂ ناز سمجھی جاتی ہے لیکن سچ پوچھیے تو تنقید ہی نے ان کے کلام میں تاثیر پیدا کی، شروع میں وہ اُردو شاعری کو بھی بیدل کی روش پر لیے جاتے تھے۔ لیکن ہمعصر شعرا نے اس روش کی داد نہ دی سرِ مشاعرہ آوازے کسے گئے دوستوں نے ادق نگاری کی شکایت کی آخر غالب نے بھی اسے محسوس کر لیا۔ فرماتے ہیں۔

مشکل ہے زبس کلام میرا اے دل سُن سُن کے اسے سخنورانِ کامل

آسان کہنے کی کرتے ہیں فرمائش گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل

اسی احساس نے غالب کو غالب بنا دیا صاف و شستہ شعر کہنے کی طرف طبیعت آگئی اور ایسے ایسے شعر کہے کہ قیامت تک ان کا جواب ممکن نہیں۔ ان کا مختصر اور دلچسپ دیوان اسی تنقید کے بدولت اتنا مقبول ہے ان کے مخلص دوستوں نے نظرِ انتخاب سے کام لیا اور اُلجھے ہوئے شعروں کو دیوان سے خارج کر دیا۔

موجودہ شعرا میں جناب شاد عظیم آبادی ایک کہنہ مشق اور نازک خیال شاعر ہیں ان کا قول ہے کہ مخالفوں کی تنقیدوں نے مجھے آگے بڑھایا اور میں نے اپنی اصلاح میں آپ کوشش کی۔ فرماتے ہیں۔

بتا دیا مجھے بیچ بیچ کے راستہ چلنا
خدا بھلا کرے اے شاد نکتہ چینوں کا

غرض تنقید ایک مفید چیز ہے۔ خصوصاً ترقی زبان کے لیے اس کا وجود نہایت ضروری ہے۔

روحِ تنقید کے مصنف نے فنِ تنقید پر ایک مبسوط تبصرہ کیا ہے اور یورپین تنقید نگاروں کے حوالے سے تنقید کی اہمیت ثابت کی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ ان نقادان خود پرست کا بھی ذکر کیا ہے جن کی تحریروں سے خود پرستی و خود غرضی کی بو آتی ہے۔ اسی سلسلے میں ہندوستان کے بعض مشہور تنقید نگاروں کا بھی ذکر آگیا ہے۔

روح تنقید کے مصنف کا یہ خیال بالکل صحیح ہے کہ "تنقید نگارون کا اولین فرض
ہے کہ وہ ہمیشہ غیر جانبدار رہے۔ کسی تصنیف پر تنقید کرنے سے پہلے اپنے دامن کو
نی تعلقات اور ذاتی خیالات کے گرد سے بالکل پاک کرکے اور اپنی لوح دل سے
نی کے ثبت شدہ نقوش دھوڈالے، لیکن مین میتھیو آرنلڈ کے اس خیال سے متفق نہین کہ

> جب تک دنیا کی ہر قوم اور ملک کی ادبیات اور شہ پارون کی کم از کم نوعیت
> یا محاسن سے واقفیت نہ پیدا کرلی جائے۔ تنقید نگاری ہرگز نہین شروع
> کرنی چاہیئے۔

تعجب ہے کہ صاحب روح تنقید نے بھی اس خیال کی تائید کی ہے۔ اگر اس کلیے
صحیح مان لین تو یقیناً حالی شبلی تو کیا یورپ کے بڑے بڑے تنقید نگار بھی کامیاب
قید نگار نہین مانے جا سکتے کیونکہ ان کو دنیا کی ہر زبان پر عبور حاصل نہ تھا۔ دوسری
ہ خود مصنف روح تنقید اس خیال کی ان لفظون مین تردید کرتے ہین "ان
ام امور کے لیے ضروری نہین کہ نقاد ایک خاص نجومی۔ جید مورخ عملی نقاش یا سربرآوردہ
اعر بن جائے۔ ادب فلسفہ اور تاریخ یا کسی اور علم کی مخصوص تصنیفون سے نقاد کا درجہ
لکل جداگانہ ہوتا ہے اسکی کوئی ضرورت نہین کہ ایک مخصوص فاضل ہی دیگر فاضلین
کے کلام پر تنقید کرسکتا ہے"۔ اس تحریر سے مذکورۂ بالا خیال کی تردید ہوتی ہے۔ یعنی
قاد کے لیے ہر فن (اور ہر زبان مین) عبور حاصل کرنے کی ضرورت نہین، ضمناً یہ بات
ی اخذ ہوتی ہے کہ معمولی قابلیت رکھنا بھی نقاد کے لیے کافی ہے،

لیکن میرے نزدیک کوئی شخص اسوقت تک کامیاب تنقید نگار
نہین ہو سکتا۔ جب تک زیر تنقید فن پر اسے کافی عبور نہ حاصل ہو۔ ممکن نہین کہ بلاغت
تاب پر وہ شخص تنقید کرسکے۔ جو اس فن کو اچھی طرح نہ جانتا ہو۔ فرض کیجیے ایک
خص نقاش نہین پھر وہ کیونکر ایک نقاش کی نقاشی پر حقیقی تنقید کرسکتا ہے تنقید نگار
صرف یہی کام نہین کہ وہ اپنے مذاق کے مطابق کسی چیز کو اچھا یا برا کہہ دے۔ بلکہ اسکا
رض ہے کہ، اسکے اچھے یا برے ہونے کے متعلق اسباب وعلل بھی بیان کرے۔ اور اگر
رورت ہو تو اس کی اصلاح بھی پیش کرے۔ لیکن اگر وہ اپنی صداقت مین دلائل

پیش کرنے سے قاصر ہے تو اسے تنقید کرنے کا کوئی حق نہین ورنہ اہل نظر اسکی رائے کو قبول کر سکتے ہین۔ کیا وہ شخص میر و غالب کے کلام پر تنقید کی جرات کرسکتا ہے جس کو فن شعر سے کامل واقفیت نہ ہو بہر تقدیر مین نہ میتھیو آرنلڈ کے خیال سے متفق ہون۔ نہ صاحب روح تنقید کی رائے کا موئد، میری رائے ان دونون متضاد خیالات کے بین بین ہے۔ یا یون سمجھیے کہ بالکل الگ،

روح تنقید مین جا بجا جناب مصنف نے تنقید و تنقیص کی مثالین پیش کی ہین لیکن تبصرے کا کہین ذکر نہین کیا حالانکہ تنقید اور تبصرے مین چولی دامن کی مناسبت ہے۔ ایک جگہ تحریر فرماتے ہین کہ" اسکاٹ لینڈ کا مشہور نقاد اڈنبرا ریویو کا متعصب نامہ نگار جیفری بقول اسٹیفن مرتے دم تک اس بات کا معتقد تھا کہ کیٹس۔ شیلی اور ورڈسورتھ بہت جلد ہمارے تخیلات کی فضا سے معدوم ہونے والی شخصیتین ہین اور جن کی ہستیان کبھی فنا نہ ہونگی وہ راجرس اور کیمپ بل ہین۔

اس تصویر کے دو رخ ہین پہلے رخ مین عداوت کی جھلک ہے۔ اور دوسرے مین محبت کی۔ اس موقع پر مصنف نے صرف پہلے رخ کو پیش نظر رکھکر مثال پیش کی ہے اور دوسرے رخ سے قطعاً چشم پوشی کی ہے۔ حالانکہ دونون پہلو صاف صاف نمایان ہین شاید حضرت مصنف ہر قسم کی تحریرون کو جنمین کسی مصنف یا کتاب کی تعریف یا مذمت ہو تنقید سمجھتے ہین حالانکہ تنقیدی تحریرین عموماً تین طرح کی ہوتی ہین۔

(۱) پہلی قسم مین وہ تحریرین شامل ہوتی ہین۔ جن مین مصنف کے ذاتی تعصب یا محبت کا شائبہ بھی نہین ہوتا اور وہ غیر جانبدارانہ طور پر لکھی جاتی ہین۔ ان مین نہایت صفائی سے تصنیف کے محاسن و معائب یعنی دونون پہلوؤن پر نقادانہ نظر کیجاتی ہے۔

(۲) دوسری قسم مین وہ تحریرین شمار کی جاسکتی ہین جن سے کسی کے متعلق نفرت و حقارت ظاہر ہو اور کسی کتاب یا مصنف پر جا و بیجا اعتراضات کیے جائین۔

(۳) تیسری قسم ان تحریرون کی ہے۔ جو بالکل آئینۂ محبت ہوتی ہین اور ان مین

بائے بسم اللہ سے لیکر تائے تمت تک کسی کتاب یا مصنف کی مدح سرائی کی جاتی ہے۔

اگر یہ تمام تحریرین ایک ہی ذیل مین رکھی جایئن اور سب تنقید کے نام سے موسوم کی جایئن تو یقیناً سخت غلطی ہوگی مصنف روح تنقید کا فرض تھا کہ وہ تنقید کے ان شعبون پر گہری نظر ڈالکر اجتہاد سے کام لیتے۔ اور بحیثیت مصنف روح تنقید ان کے نام تجویز فرماتے۔ اب مین اس ناگوار فرض کو ادا کرتا ہون اور تشریح بالا کے مطابق علی الترتیب نام تجویز کرتا ہون، تنقید، تنقیص (یا تعریض) تبصرہ (یا تقریظ)

ممکن ہے کہ جناب مصنف یا کوئی اور صاحب میری اس تنقیدی جراءت کو پسند نہ کرین اور اس تقسیم سے اختلاف ظاہر کرین اس کے متعلق مین ابھی سے یہ عرض کئے دیتا ہون کہ صرف ناپسندیدگی کا اظہار کافی نہ ہوگا۔ بلکہ مذکورۂ بالا تقسیم کی تردید مین پُرزور دلائل کے ساتھ دوسرے شعبے اور نام تجویز کرنے ہونگے تاکہ بحث نتیجہ خیز ثابت ہو۔

اُردو مین بھی آجکل تنقید نگاری کا شوق پیدا ہوگیا ہے لیکن معدودے چند تنقیدون کے سوا باقی سب معنوی لحاظ سے یا تو تنقیص ہین یا تبصرہ حقیقی تنقید کی روح ان مین بہت کم شامل ہے۔ یہ بھی اُردو ادب کی بدقسمتی ہے کہ اسکے چاہنے والون مین جیفری اور والٹیر تو بہت ہین لیکن شبلی اور حالی جیسے غیر جانبدار نقاد بہت کم ہین۔

شاید مین نے تبصرہ کے تعین مین غلطی کی ہو اور معناً یہ لفظ مدح سرائی یا قصیدہ خوانی کا قائم مقام نہ کہا جا سکے۔ لیکن اب اسکا استعمال مدح سرائی کے معنون مین عام ہے۔ آج کل کسی کے کلام پر تبصرہ کرنے کا یہ مفہوم ہے کہ صاحب کلام کی مدح سرائی کی گئی ہے۔

اگر یہ میرا مفہوم صحیح مان لیا جائے تو خود جناب مصنف باوجود ادعائے تنقید

[1] وہ متعصب تنقید نگار گزرے ہین روح تنقید مین ان کا ذکر موجود ہے۔

تبصرے کے حدود سے باہر نہیں جا سکے ہیں یعنی مثنوی میر حسن کی تنقید تنقید نہیں ہے بلکہ تبصرہ
ہیں نے مانا کہ مثنوی میر حسن بلحاظ، بلندی تخیل و محاکات، بینظیر مثنوی ہے
اور اس میں صوری و معنوی تمام خوبیاں موجود ہیں۔ لیکن تنقید نگار کے فرائض
بھی محدود نہیں اسکی نظر تخیل کے علاوہ زبان و بیان کیطرف بھی ہونی چاہئے۔ مثنوی
بحرالمحبت میں، مولوی عبدالماجد صاحب نے فلسفی الفاظ اور محاورں پر بھی تنقید کی ہے
اور ماضی و حال سے روزمرہ کا فرق ظاہر کیا ہے۔ لیکن "روح تنقید" کے مصنف
نے صرف تخیل و محاکات پر نظر کی ہے اور اس فرض کو بالکل ہاتھ نہیں لگایا آپ کے
پیش کردہ اصول تنقید میں ایک یہ بھی ہے کہ مصنف کی ذات اور ماحول پر نظر
کی جائے ماحول سے یہ مراد ہے کہ مصنف جس زمانہ میں تھا اس کے خیالات کیسے تھے
عام انداز بیان کیا تھا آپ نے اس اصول کی پابندی نہیں کی میر حسن مرحوم کے تاریخی حالات تو کم و بیش
لکھے ہیں۔ لیکن اس زمانہ کے شعراء سے ان کے انداز بیان کا تقابل نہیں کیا، اگر تقابل
کی ضرورت نہیں سمجھی گئی تو یہ سمجھنا چاہئے کہ اس کلیہ کا تعلق تنقید کتاب سے نہیں بہرحال اب
میں آپ کی تنقید کا نمونہ پیش کرتا ہوں ملاحظہ ہو۔

پڑے اسمیں فوارے چھٹتے ہوئے	ہوا بیچ موتی سے لٹتے ہوئے
وہ آنکھیں جو روتی تھیں بس پھوٹ پھوٹ	تو گویا کہ موتی بھرے کوٹ کوٹ
یہ سمجھا بناوٹ کا کچھ بھیس ہے	لگا کہنے جوگی جی آدیس ہے

ان شعروں کے اوپر جو نوٹ ہے اسکی عبارت ملاحظہ ہو۔

بعض جگہ مشکل سے مشکل اور ثقیل قافیے اس شائستگی سے استعمال کر دیئے
ہیں کہ ان کی ثقالت اور اشکال کا پیدا ہونا تو کجا پڑھنے والے کو لطف
ملنے لگتا ہے۔

ایک نقاد کا یہ فرض ہونا چاہئے کہ وہ جہاں مشکل اور ثقیل قافیوں کی بندش
پر نظر رکھے وہیں ان قافیوں کی حقیقت اور اصلیت پر بھی غور کرے لیکن صاحب کتاب
صرف ایک رسمی تبصرہ کر کے الگ ہو گئے ہیں بھیس کا قافیہ آدیس ضرور ہے

لیکن یہ کس زبان کا لفظ ہے کس معنی مین مستعمل ہوتا ہے مصنف نے اسمین کیا تصرف کیا ہے۔ اور کس رعایت سے اسکا استعمال کیا ہے ان باتون پر بھی تبصرہ کرنا ضروری تھا موجودہ زمانہ مین اکثر اُردو جاننے والے آدیس کے معنی سے واقف نہ ہونگے اسلیے اسکی حقیقی خوبی اسوقت تک ظاہر نہین ہوسکتی۔ جب تک مذکورہُ بالا باتون کی تشریح نہ کی جائے۔ ممکن ہے کہ اس موقع پر مصنف کے نزدیک یہ باتین غیر ضروری ہون لیکن کسی اور عنوان کی تحت مین ان باتون کو معرض بحث مین لانا ضروری تھا۔

میرحسن مرحوم کے زمانہ مین زبان وبیان کا انداز جداگانہ تھا اور اسوقت کی تصنیفات مین سے ایسے الفاظ نظر آتے ہین۔ جنکا استعمال اب نہین یا ہے بھی توکچھ تغیر وتبدل کے ساتھ، مثلاً

کے توکہ خوشبو یون کے پہاڑ

موجودہ زمانہ مین کوئی خوشبو یون کے پہاڑ نہ لکھے گا۔ لیکن تنقید نگار کا فرض ہے کہ وہ ان باتون کی طرف بھی اپنی تنقید مین اشارہ کرتا جائے۔ بہرحال میرا مقصود یہ ہے کہ جناب مصنف نے صرف جذبات نگاری و محاکات پر تبصرہ کیا ہے اور اپنے مقررہ اصول کی پوری پابندی نہین کی۔ اسی سلسلے مین مصنف روح تنقید کے پیش کردہ اصول بھی ملاحظہ ہون؛

۱۔ کتاب کی ظاہری شکل کے لحاظ سے جس صنف ادب تعلق رکھتی ہے اسکے تمام خصوصیات پر حاوی ہے یا نہین۔

۲۔ کتاب معانی و مطالب کے لحاظ سے اپنے موضوع کی تمام خوبیون سے متصف ہے یا نہین۔

۳۔ کسی ادبی کارنامہ کی زبان اور اسلوب بیان کی نگہداشت۔

۴۔ مصنف کی ذات اس کے ماحول اور اس مصنف کے ماخذ کا گہرا مطالعہ۔

۵۔ آخری اصول یہ ہے کہ تصنیف کی ادبی تکمیل پر نظر رکھی جائے۔
مجھے ان اصولوں سے اتفاق ہے لیکن آخری اصول کے مقابلے مین نمبر ۳ کو قطعاً بیکار سمجھتا ہون ۔ کیونکہ ادبی تکمیل مین زبان اور اسلوب بیان سب شامل ہین ۔ پہلا اور دوسرا نمبر اسطرح ایک کیا جا سکتا ہے ۔
کتاب صوری و معنوی حیثیت سے اپنے موضوع و مطالب کی تمام خوبیون سے متصف ہے یا نہین ۔

اصول نمبر ۴ کی بھی خاص خاص صورتون مین ضرورت پڑتی ہے ورنہ عموماً کسی کتاب کی تنقید سے مصنف کی ذات اور اسکی دوسری تصانیف کو بہت کم تعلق ہوتا ہے ۔ اسلئے عام طور پر تنقید مین اسی کتاب کے مضامین سے بحث ہوتی ہے جس کی تنقید مد نظر ہوتی ہے ۔ مصنف کی ذاتی حیثیت بھی صرف اسی وقت معرض بحث مین آتی ہے ۔ جب خود مصنف یا اسکے کسی دوست نے مقدمہ یا دیباچہ مین ایسی بات لکھی ہو جو مصنف مین موجود نہ ہو ۔ مثلاً ایک شخص شراب پیتا ہے اور سرور کی کیفیت کو تقرب الٰہی کی ایک باطنی کیفیت سے تعبیر کرتا ہے ۔ ایسی صورت مین بے شک تنقید نگار کو یہ جرات کرنا چاہیئے کہ اسکی ذاتی حالت سے بحث کرے ورنہ عام طور پر مصنف کے ذاتی حالات سے تعرض بیکار ہے ۔

روح تنقید کے شروع مین تعارف کے عنوان سے مولانا سلیم پانی پتی کا ایک پرخلوص مقدمہ ہے ۔ اس کے بعد محمد عمر صاحب یافعی کی ایک فخریہ تحریر ہے ۔ جسمین آپ نے ایک مدراسی اخبار کے حوالے سے لکھا ہے کہ " اب تک اُردو کے لیے جو کچھ کیا ہے دکن نے کیا ہے اور شکر ہے کہ روح تنقید بھی ایک دکنی کی تصنیف ہے ۔ ہر چند کہ مجھے اس تحریر سے کوئی تعرض نہین مگر اتنا عرض کرون گا کہ اس سے تعصب کی بو آتی ہے ۔

دیباچہ مین جناب مصنف لکھتے ہین ۔

" قلعۂ گولکنڈہ سے اگر آپ پہلے مرتبہ حیدرآباد جیسے وسیع شہر پر نظر ڈالین

تو وہ آپ کو جواہرات کی ایک چھوٹی سی کشتی کی شکل میں نظر آئے گا . . . . . .
عمارتون کی رفعت دو کانون کے سازوسامان اور بازارون کی چہل پہل آپ کو اس قدر محو کریگی کہ آپ خود کو بھی فراموش کر جائینگے - اسی طرح فن تنقید بھی اپنے خاص اصول کے لحاظ سے ایک بیگانہ زاویہ نگاہ سے بالکل آسان مختصر اور سہل الحصول معلوم ہوتا ہے - درحقیقت وہ منضبط خیالات کا ایک تلاطم خیز سمندر ہے -

جناب مصنف نے آغاز کتاب ہی مین اسلوب بیان کی ندرت کا تماشا دکھایا عبارت کا مطلب سمجھ مین آجاتا ہے لیکن ایسی غیر مانوس تشبیہ کا نتیجہ سمجھ مین نہین آتا -

ارتقائے تنقید کا عنوان کتاب کے آخر مین لگایا گیا ہے حالانکہ تنقید کی تعریف کے بعد ہی اسکا ہونا ضروری تھا - کیونکہ تنقید کے فوائد سننے کے بعد ارتقائے تنقید کے افسانے سننے کا خیال پیدا ہوتا ہے - بہرحال یہ حصہ تاریخی اعتبار سے بہت دلچسپ ہے -

واقعہ یہ ہے کہ روح تنقید اردو مین فن تنقید پر پہلی کتاب ہے اور نہایت تحقیق و تدقیق سے لکھی گئی ہے - اسکے مصنف جناب زور حیدر آبادی کو قدرت نے دقیقہ رس دماغ عطا فرمایا ہے - یقیناً آپ کو اس قابل قدر تصنیف کے صلہ مین دنیائے ادب سے مبارکباد ملنی چاہئے اور ہر ذوق آشنائے ادب کا فرض ہونا چاہئے کہ روح تنقید کا مطالعہ کرے - اسطرح مصنف کی حوصلہ افزائی بھی ہوگی اور ذوق تنقید کی اشاعت بھی -

روح تنقید چھوٹی تقطیع کے ۲۸۵ صفون پر ختم ہوئی ہے - کاغذ عمدہ کتابت و طباعت دیدہ زیب قیمت ۱۲؍ عثمانیہ ملنے کا پتہ - جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن -

"اعظمی"

نوعروسِ شام محو جلوہ آرائی ہوئی — یا فضا آئینہ دار بزمِ زیبائی ہوئی
وہ شفق پھولی کہ رشکِ رنگِ نائی ہوئی — دلکشا رنگینیان ہین ہر طرف چھائی ہوئی
نقرئی بادل کے ٹکڑے لال پیلے ہوگئے
کچھ بسنتی کچھ پیازی کچھ سنہرے ہوگئے

مسکراتی کسمساتی ناز سے آتی ہوئی — بلتی ہین رنگینیان آپس مین اٹھلاتی ہوئی
چھیڑ خانی کرتی چلتی ہین ہوا کھاتی ہوئی — دلکو پہلو سے لئے جاتی ہین بہکاتی ہوئی
کیا سرور افزائے جان ہے کیسی فرحت بیز ہے
دلکشائی دلفریبی سے فضا لبریز ہے

ہلکی ہلکی ٹھنڈی ٹھنڈی کیا ہوا ہے واہ وا — روح تازہ ہوگئی دل ہوگیا جس سے ہرا
جان مین جان آگئی ادرجی اُٹھی ساری فضا — شمع ہستی کی بجھی سے روشنی ہے اے ہوا
کچھ نہ ہو باغِ جہان مین اے ہوا گر تو نہ ہو
پھول پیڑون مین نہ ہون پھولون مین رنگ و بو نہ ہو

جھیل کی لہرین جو آئین موج مین گانے لگین — ڈالیان پیڑون کی وہ جھوم کر بل کھانے لگین
جسم سے لگ کر ہوائین دلکو گرمانے لگین — جان و تن مین آرزوئین آگ بھڑکانے لگین
وہ دمِ جانان کی نکہت بیزیان یاد آگئین
زلفِ مشکین کی شمیم انگیزیان یاد آگئین

ہلکی ہلکی پھوئیون پھوئیون گر چکی ہے اک پھوار — ہو چکا ہے پتے پتے بوٹے بوٹے کا نکھار
ڈوبتے سورج کی کرنون نے کھلائی ہے بہار — سبزۂ نودستہ و رنگین ہوا ہے زرنگار

اِک چمن زارِ نگارین دامنِ نظارہ ہے
حسنِ جان پرور کی آغوشِ فضا گہوارہ ہے

حسنِ فطرت ہے کہ یہ مجوبۂ جوشِ بہار　　خوشنما ہے جسکی سج دھج دلکشا جسکا سنگھار
کیا ہوا گر نذرِ صورت ہو گیا صبر و قرار　　ہر قدم پر جان صدقے ہر ادا پر دل نثار

"اِک ادا مستانہ سر سے پانون تک چھائی ہوئی"
اُف تری کافر جوانی جوش پر آئی ہوئی

جنگلون مین رہ کے دن بھر ڈھور ڈنگر چلدیے　　گھاس کا آخر تنکا کھا کے سب گھر چلدیے
نال کا پانی پیا بشاش ہو کر چل دیے　　آئے تھے جس راستے سے پھر اُسی پر چلدیے

خامشیٔ شام کا بارِ گران سر پر لیے
آگے پیچھے جا رہے ہین گردنین نیچی کیے

دھیمی دھیمی بج رہی ہین گردنون کی گھنٹیان　　بنگئی ہے جن کی دھن روحِ فضائے آسمان
ایک جانب بہہ رہا ہے چشمۂ آبِ روان　　درسِ حیرت دے رہی ہین جسکی نغمہ سنجیان

چشمِ باطن مین سمایا نورِ عرفان نیکے کون
بھر گیا تصویر دلمین رنگِ جانان سے نیکے کون

آسمان پر اک طرف کیسی لگی ہے آگ سی　　ساحلِ گنگا پہ یہ کسکی چتا روشن ہوئی
جذبۂ عشق و طہارت سے بھری ہے روشنی　　اے عروسِ حسنِ فطرت تو ہوئی کس پہ ستی

شب ہوئی ہان کاروانِ مہر انور چل دیا
تو سہاگن جس سے تھی وہ تیرا دلبر چل دیا

اے ازل کے حسن کی مشاطہ و آئینہ دار　　اُف ترا جوشِ نشاطِ مرگ سے شیدا نزار
تھین تری رنگینیان شوقِ شہادت کی بہار　　تو ستی ہونے کو آئی تھی کیے سولہ سنگھار

غم سے تیرے جوشِ جانبازی کی کلیان کھل گئین
خون ہوکر حسرتین رنگینیون مین مل گئین

آہ اے جانبازِ صادق مایۂ صد نازِ شوق — تیرے سوزِ غم نے دکھلایا عجب اعجازِ شوق
مشعلِ راہِ محبت ہے تیرا اندازِ شوق — سارے عالم کی ہے تو عقدہ کشا رازِ شوق

زندگی کا لطف کچھ غم کی پرستاری مین ہے
اور اگر جنت ہے تو مرگِ وفاداری مین ہے

وہ نگارِ آتشین رخ شاہِ خوبی اب کہان — اور ہی نقشہ جما جاہتا ہے آسمان
ہر طرف آثارِ تعظیم و مسرت ہین عیان — کسکی آمد کی ہے سن گن جپ ہے جو سارا جہان

کس کا ہوگا خیر مقدم کس کا ہے یہ انتظار
راہ مین آنکھین بچھائے ہین گیاہ و برگ و بار

پتے پتے بوٹے بوٹے کا عجب انداز ہے — خامشی مین موجزن صوتِ نوا پرداز ہے
روح جس سے وجد مین آجائے وہ آواز ہے — گوشِ دل ہی جسکو سن سکتے ہین ایسا ساز ہے

ذرے ذرے مین دکھائی دے رہی ہے لے بھری
نبکے فطرت بیٹھی ہے گویا مجسم راگنی

لیجئے وہ ملکۂ جادو نظر سیمین لقا — جسکے شوقِ دید مین عالم عجب فطرت کا تھا
لب پہ تھی مہرِ خموشی دل مین تھا محشر بپا — سر کھلے اورنگِ مشرق پر ہوئی جلوہ نما

روئے سیمین دیکھتے ہی گونج اٹھے کون و مکان
بنگیا بزمِ سرود و رقص کیفِ آگین جہان

مستِ عشرت ہوکے بول اٹھا پپیہا اک طرف — جھینگرون نے کردیا ہنگامہ برپا اک طرف
جھینگرون نے اُڑ کے اپنا راگ چھیڑا اک طرف — محوِ حیرت ہوکے گا اُٹھا پپیہا اک طرف

بج رہے ہین ساز کتنے ہی مگر لے ایک ہے
زمزمہ سنجون کا نشہ ایک ہے مے ایک ہے

مہر کرنوں نے پہنایا لالہ کے اک ٹونے کا تاج ذرّے ذرّے نے دیا تحسینِ وحدت کا خراج
... سکونِ بے نیازی سے بھرا ہے سارا تاج ٹھکیا ہے صفحۂ ہستی سے حرفِ احتیاج

دستِ سیمینِ خسروِ انجم اٹھا ہے ہر طرف
ہر طرف دریائے آبِ زر رواں ہے، ہر طرف

... قدم آئی رخِ سیمین سنہرا ہو گیا حسنِ جان پرور حرارت سے دو بالا ہو گیا
... بڑھ کر آ گیا، ہلکا سا پردا ہو گیا حسن کا شعلہ وہ بھڑکا بھڑک کر لالہ ہو گیا

نیلگوں بادل کے پردے مین ایاغِ نور ہے
یا کسی خوش رو کے دامن مین چراغِ طور ہے

... زمین چھن چھن کر گرین اور نور برسانے لگین حسن کی نیرنگیان آنکھون مین بھر جانے لگین
... لکے ذرّون کو جگا کر رقص مین لانے لگین انبساطِ روح سے کیفیتین آنے لگین

حسنِ رنگین مین جگر کا شوق لہرانے لگا
اور سرورِ جان بڑھا اتنا کہ وجد آنے لگا

شیام موہن لال جگر بی اے

ہمالہ

اونچا ہے اس جہان مین تیرا نشان ہمالہ بستا ہے زیرِ دامان تیرے جہان ہمالہ
آندھی ہو یا کہ طوفان کیا ڈگمگائے گی یہ کشتی ہند کا ہے تو بادبان ہمالہ
وہ شیرین شیرین چشمے وہ میٹھی میٹھی ندیان ہوتی ہین سر جھکا کر تجھ سے روان ہمالہ
کپل وکنادو گوتم تیری بغل سے نکلے رشیون کا تو رہا ہے اک خاندان ہمالہ
تیری بلندیون پہ دنیا کی ہین نگاہین قربان ہو چکا ہے اک کاروان ہمالہ

ہو لطف گر ہمیشہ تیری طرح ہو قائم
اور گرد گھومتا ہو سارا جہان ہمالہ

[illegible]

کلامِ جگر

یہ کون جام تہی کردۂ خراب اُٹھا
کہ میکدے کو لیے شورِ اضطراب اُٹھا

نظر کو مستِ مے حسن کر حجاب اُٹھا
جگر شراب نہ پی تہمتِ شراب اُٹھا

جدھر سے حسن کا اک گوشۂ نقاب اُٹھا
تمام ذرّے پکارے کہ آفتاب اُٹھا

نشانِ منزلِ جذب تمام چھپ نہ سکا
اُدھر فنا ہوا قطرہ ادھر حباب اُٹھا

وداعِ ہوش کو پابندِ اختصار نہ کر
سکونِ شوق سے بھی کیفِ اضطراب اُٹھا

جہانِ حسن سے تکمیلِ تشنگی کر لے
ابھی نظر سے نہ یہ پردۂ سراب اُٹھا

بھری ہوئی ہیں فضائیں جمالِ غم سے تمام
گناہگارِ نظر لذتِ عذاب اُٹھا

جدھر کو مستیٔ دریا نے رخ کیا اپنا
تڑپ کے موج اُٹھی جھوم کر حباب اُٹھا

کہاں مشاہدۂ روح میں ہے پابستہ
بہت لطیف سہی، پھر بھی یہ حجاب اُٹھا

رہِ طلب میں نہ کر خوفِ لغزشِ پا سے
یہاں جو گر کے اُٹھا بس وہ کامیاب اُٹھا

مجھے اُٹھانے کو آیا ہے واعظِ ناداں
جو اُٹھ سکے، تو مرا ساغرِ شراب اُٹھا

تجلیوں نے بڑھائی یہ شانِ بیتابی
نگاہِ شوق سے اک حشرِ اضطراب اُٹھا

کوئی خراب تماشا وہاں پہنچ نہ سکا
مگر جو میکدۂ عشق سے خراب اُٹھا

نمودِ عجز کی یہ گرمیٔ مزاج تو دیکھ
ہزار قطرے فنا کر کے اک حباب اُٹھا

اُٹھا چکا ہے بہت ناز بادہ و ساغر
شکستِ نشہ سے اب لذتِ شراب اُٹھا

نسیمِ شوق یہ لائی جوابِ نامۂ درد
کچھ اور دن ابھی تکلیفِ اضطراب اُٹھا

قریبِ ساعتِ وصل آ چکی ہے اب تو جگر
نچوڑ دامنِ تر دیدۂ پُر آب اُٹھا

(جگر مرادآبادی)

شاعر نکتہ سرا برج نرائن چکبست — جسکو قدرت نے دیا ذوق سخن روز الست

خادم قوم صفا کیش مرنجان و مرنج — ساقی میکدۂ نکتہ رسی جام بدست

سبق آموز ہے ہر نظم مرصع اسکی — صاف ترشے ہوئے ہیرے ہین کہ لفظون کی نشست

"حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد" — محفل عیش بہم خورد و خم بادہ شکست

خلش درد جدائی نہ مٹے گی تا حشر — دل احباب مین اک تیر ہوا ہے پیوست

دلنشین ہے سخن حافظ شیراز عزیز
زیر این طارم فیروزہ کسے خوش ننشست

عزیز (لکھنوی)

نوحۂ چکبست

سرشک غم ہے حجاب نگاہ اے چکبست! — زمانہ اب ہے نظر مین سیاہ اے چکبست!

دور غم سے ہے حالت تباہ اے چکبست! — اٹھا جہان سے تو آہ آہ اے چکبست!

عروس نظم ہے مصروف نوحہ خوانی مین
سہاگ لٹ گیا اُسکا بھری جوانی مین

وہ نظم و نثر کا انداز دلستان نہ رہا — وہ بولتی ہوئی تحریر کا سمان نہ رہا

وہ بندشین نہ رہین اور وہ بیان نہ رہا — زمین شعر پہ وہ رنگ آسمان نہ رہا

تمام اب تری تقریر دلپسند ہوئی
زبان جو سحر بیان تھی وہ آہ بند ہوئی

ترا بیان تھا دلکش سخن میں تھی تاثیر
وہ بندشیں تھیں دلوں کو جو کر رہی تھیں اسیر
وہ سادگی، وہ روانی وہ شوخیٔ تحریر
کہ زندہ تھی روش آتش و انیس و دبیر

کشش تھی ہر عمل فن نواز میں تیرے
ہزار طرح کے نغمے تھے ساز میں تیرے

غم وطن سے ترا دل مدام زار رہا
وطن پر اپنے دل و جان سے تو نثار رہا
نبرد قوم سے دم بھر تجھے قرار رہا
غریب قوم کی خدمت ترا شعار رہا

دہن سے اپنے وہ امرت پلا دیا تو نے
قلوب مردہ کو گویا جلا دیا تو نے

کہاں سے لائینگے تجھ سا ہم اب محب خلیق
کہ جس سے ہوتی تھی اصلاح طرز و طور و طریق
کہاں ملینگے ہمیں اب وہ نکتہ ہائے دقیق
کہ حل عقدۂ قومی سے جنکی تھی تطبیق

طرح طرح کے پھلوں سے کرے جو خلق کو شاد
ہزار حیف کہ یوں خشک ہو وہ نخل مراد!

ہے گو کہ ہند پہ تیری نوازشوں کا اثر
زیادہ سب سے ہے احسان زبان اردو پر
رلا رہا تھا ابھی تک غم سرور و نظر
چھوڑ ہی ہے تری یاد اسمیں اب نشتر

الٰہی اپنے نصیبوں میں ہے الم کیسا؟
گرا ہے ٹوٹ کے دلپر یہ کوہ غم کیسا؟

یہ قول سچ ہے کہ دنیا سرائے فانی ہے
مآل موت ہے، دو دن کی زندگانی ہے
تیرے لئے مگر اک عمر جاودانی ہے
ترا کلام ہی تیری امٹ نشانی ہے

کھلے رہیں گے سدا تیری یادگار کے پھول!
کہ تیرے شعر بنے ہیں سدا بہار کے پھول!

اقبال ورما سحر (ہتگامی)

علمی خبرین اور نوٹ

پنجاب رورل کیمونٹی بورڈ اسکولون اور دیہاتی مجمعون مین گانے کے لائق گیتون کی ایک کتاب مرتب کرانا چاہتے ہین جسکے بہترین گیت کے لیے ڈیڑھ سو روپیہ کا انعام اور دوسرے درجہ کے گیت کے لیے سو روپیہ انعام دیا جائے گا۔ اول دو گیتون کے علاوہ بھی ہر گیت کیلئے پچیس روپیہ کا انعام دیا جائیگا۔ گیتون کے لئے سادہ سلیس زبان مین ہونے کی شرط ضروری ہے اور ان کا انداز قومی ہونا چاہیئے نہ کہ فرقہ دارانہ یا جماعتی۔ جو صاحب طبع آزمائی کرنا چاہین وہ ۳۰ نومبر ۱۹۳۶ء تک اپنے اپنے بنائے ہوئے گیت خان بہادر سید مقبول شاہ صاحب سکریٹری رورل کیمونٹی بورڈ لاہور کے پاس بھیجدین

خورجہ کے نامور رئیس سیٹھ گوری شنکر گوئنکا نے سنسکرت کی تعلیم اور سنسکرت لٹریچر کی ترقی و اشاعت کے لیے ۵ ½ لاکھ روپیے کا گرانقدر عطیہ دیا ہے جسکا ایک حصہ ہندوستان بھر مین سنسکرت زبان کے فاضلون کو سالانہ وظائف عطا کرنے کی غرض سے محفوظ رکھا جائیگا اور ایک لاکھ روپیہ کے خرچ سے ایک کتبخانہ قائم کیا جائیگا جسمین سنسکرت کی نادر و کمیاب کتب جمع کیجائینگی اور مستند کتب سنسکرت کے ہندی ترجمے بھی شائع کئے جائینگے۔ سیٹھ جی نے اپنے باپ اور دادا کی یادگار مین سنسکرت کی ایک درسگاہ بھی بلقب "سری چھکو رام مشردل گوئنکا سنسکرت اکاڈیمی" قائم کی ہے جہان فاضل پنڈتون کو مختلف علوم کی قدیم تصنیفات کے مطالعہ و تحقیقات کا موقع ملیگا۔ اس اکاڈیمی کی نگرانی و رہنمائی بنارس کے تین نامور و ممتاز پنڈتون کو سپرد کی گئی ہے

جن کو انکی محنتوں کا معقول معاوضہ دیا جائیگا -

سیٹھ صاحب نے اپنی دولت کا جو مصرف اور اپنے بزرگون کی یادگار قائم رکھنے کا جو طریقہ تجویز کیا ہے اسپر وہ تمام علم دوست اصحاب کے دلی شکریہ کے مستحق ہین -

---

ممالک متحدہ آگرہ و اودھ کی انتظامی رپورٹ بابت سنہ ۲۶-۱۹۲۵ء سے معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۱۹۲۶ء مین اس صوبے مین کل ۲۷۰۲ کتابین طبع ہوئین جنمین سے ۵۵ فیصدی کتابین ہندی زبان کی تھین اسکے بعد اردو کتابون کا نمبر ہے جن کی تعداد پندرہ فیصدی تھی دو سو انیس انگریزی زبان کی اور سنسکرت زبان کی ایک سو تیس کتابین شائع ہوئین - دیگر زبانون کی مطبوعات کی تعداد یہ ہے

نیپالی	۴۰	فارسی	۳	بنگلہ	۱۳		
بری زبان	۹	عربی	۳	مرہٹی	۳	گجراتی	۲

صوبہ مین اخبارون اور رسالون کی تعداد ۵۱۳ تک ہوگئی ہے - جنمین سے ۲۲۵ ماہوار رسالے ۱۳۹ ہفتہ وار اخبار - اٹھارہ روزانہ اور تیرہ ہفتہ مین دو بار شائع ہوتے ہین - ہندی پرچون کی تعداد سب سے زیادہ یعنی ۲۱۸ ہے - اردو مین ۱۸۳ پرچے نکلتے ہین - انگریزی اخبار و رسالے ۱۰۳ بنگلہ و سنسکرت کے رسالون کی تعداد چار چار ہے اور ایک پرچہ گجراتی زبان مین نکلتا ہے - اسوقت سب سے زیادہ اخبار لکھنؤ سے شائع ہوتے ہین اسکے بعد الہ آباد کا نمبر ہے - کانپور اور بنارس تیسرے نمبر پر ہین -

مختلف شہرون کے اعداد و شمار حسب ذیل ہین -

لکھنؤ سے ۷۰ الہ آباد سے ۶۷ کانپور و بنارس مین سے ہر ایک شہر سے ۴۸ آگرہ سے ۳۷ میرٹھ سے ۲۹ علیگڈہ سے ۲۲ مرادآباد سے ۱۲ اور بجنور سے ۱۱ -

مگر ہم معزز ہمعصر ہمدم سے متفق ہین کہ پرچون کی یہ تعداد کسیقدر مبالغہ آمیز ہے اور اگر کسی اخبار یا رسالہ کا صرف ایک نمبر بھی کسی مقام سے شائع ہوا ہے تو وہ بھی اس فہرست مین شامل ہوگیا ہے - مستقل اخبارات و رسائل کی تعداد یقیناً اس سے بہت کم ہے - چنانچہ ہمعصر موصوف کا خیال ہے کہ لکھنؤ مین جہان اخبارات و رسائل کی تعداد ۷۰ بیان کی گئی ہے - شاید پچیس پرچے بھی مستقل طور پر شائع نہین ہوتے

ہین۔ بعض ایسے پرچے بھی ان مین شامل ہین جنکو حقیقی معنی مین اخبار یا رسالہ کہنا غلطی ہوگا۔ کیونکہ وہ صرف مخصوص اشخاص یا کارخانون کی اشتہاری اغراض کو پورا کرتے ہین اور خبرون کا ایک قلیل جزو ڈاکخانہ کی رعایت محصول سے فائدہ اٹھانیکے لیے ان مین داخل کر دیا جاتا ہے۔ بعض پرچے قومی ادارون کیلئے چندہ فراہم کرنے کی غرض سے نکالے جاتے ہین اور ان مین ادارت مذکور کی کارگزاریان بیان کرنیکے سوا عام اخباری یا لٹریری اغراض پر بہت کم توجہ کیجاتی ہے۔ ایسے فرضی پرچون کو اگر الگ کر دیا جائے تو اصل پرچون کی تعداد بہت کم ہو جائے گی۔

اخبارون کی تعداد اشاعت عموماً اس سال بہت گھٹ گئی ہے۔ چنانچہ ایک ہندی اخبار جسکی اشاعت سنہ ۱۹۲۳ء تک چودہ ہزار تک پہنچگئی تھی اس سال گھٹ کر ساڑھے چھ ہزار رہ گئی ہے سب سے زیادہ اشاعت ایک انگریزی اخبار (غالباً ہمعصر لیڈر) کی بیان کیگئی ہے جو سات ہزار نکل رہا ہے تیسرے نمبر پر ایک ہندی رسالہ غالباً (ہمعصر مادھوری) ہے جسکی اشاعت چھ ہزار ہے۔ اخبارات مین سب سے زیادہ اشاعت تین ہزار (غالباً ہمعصر ہمدم کی ہے۔

سرکاری رپورٹ مین بعض خاص خاص پرچون کے لیے ریمارک بھی دیئے گئے ہین چنانچہ لیڈر کے متعلق تحریر ہے کہ یہ سربرآوردہ لبرل اخبار اپنی شہرت قائم رکھے ہوئے ہے اور مثل سابق اب بھی گورنمنٹ اور اکسٹریمسٹ فریق دونون کا سخت نکتہ چین ہے۔

ہندی اخبارات کے متعلق لکھا گیا ہے کہ جسقدر کثیر الاشاعت ہین اسیقدر وہ محتاط اور انتہا پسند ہین۔ اُردو پرچون مین ہمدم لکھنو۔ آزاد کانپور اور الکبشیر اٹاوہ کے متعلق یہ بیان کیا گیا ہے کہ انمین حاضر الوقت سیاسی مسائل کو ہوشیاری کیساتھ دلنشین کرنے کا رحجان پایا جاتا ہے۔

دنیا کا سب سے بسیط لغت زبان انگریزی کا ہے جو اکسفورڈ یونیورسٹی کیطرف سے تیار ہو رہا ہے۔ اسکی تیاری مین ماہرین زبان مصروف ہین ۱۸۵۸ء مین اس لغت کی ترتیب و تدوین شروع ہوئی تھی اب تک ۹ جلدین ختم ہو چکی ہین جنمین چار لاکھ الفاظ کے معنی درج کیے گئے ہین اور الفاظ کے مفہوم کیساتھ پورے دو کروڑ کے قریب مثالین بھی اساتذہ کی پیش کی گئی ہین۔

اسی ڈکشنری کا ایک منتخب اور مختصر مجموعہ کانساین ا کسفورڈ ڈکشنری کے نام سے شائع ہوا ہے۔ اب اسکا ترجمہ اُردو مین انجمن اُردو کی ایک کمیٹی کے ماتحت حیدرآباد دکن مین ہو رہا ہے۔

انجمن ترقی اُردو اپنے سرگرم سکریٹری مولانا عبدالحق صاحب بی اے کے حسن کوشش سے اردو کی نہایت ہی قابل قدر خدمت کر رہی ہے۔

اس انجمن کی سرپرستی مین ابتک کئی اہم و قابل دید تصانیف شائع ہو چکی ہین۔ خواجہ میر درد کے برادر خورد میر اثر کی نایاب مثنوی "خواب و خیال" نامی اور کلیات ولی دکنی کی ترتیب کا کام ختم ہو چکا ہے اور اب یہ دونون کتابین انجمن اُردو کے سرپرستی مین زیر طبع ہین۔

مولانا عبدالحق صاحب کی مشہور تصنیف قواعد اُردو کا پہلا اڈیشن عرصہ ہوا ختم ہو چکا تھا اب اسکا دوسرا ایڈیشن لائق مصنف کے نظر ثانی و ترمیم کے بعد انجمن اُردو کے مطبع مین چھپ رہا ہے اور جلد شائع ہوگا۔

ڈاکٹر اقبال کا اُردو مجموعۂ کلام "بانگ درا" کے نام سے لاہور مین شائع ہوا ہے۔ اور اب اسکا دوسرا اڈیشن جو کسی قدر کم قیمت پر دستیاب ہو سکے گا۔ لاہور ہی مین زیر طبع ہے۔ کلیات اقبال کے نام سے ایک اور مجموعہ جسکا حجم چار سو صفحات کے قریب ہے حیدرآباد دکن مین شائع ہوا ہے۔ جسمین بعض نظمین "بانگ درا" سے زائد ہین اور سوا سو سے زائد صفحات کا ایک دیباچہ بھی اقبال کے حالات اور شاعری کے متعلق درج کیا گیا ہے۔

یہ مجموعہ سید مولوی نجم الدین صاحب احاطہ سید جنگ مرحوم ترپ بازار حیدرآباد دکن سے ملسکتا ہے۔

حیدرآباد کے رئیس اعظم نواب سالار جنگ بہادر نے انجمن ترقی اُردو کو یا مجموعہ پیہ عطا کرے ہین

Bharawi Ragini

Lakshmi Art, Bombay, 8.

جلد ۴۶ — نومبر ۱۹۲۶ء — نمبر ۵

فن تاریخ گوئی

خواجہ عشرت صاحب لکھنوی نے "زمانہ"[1] مین تاریخ گوئی پر مضمون لکھکر ادبی رسائل مین لٹریچر کے ایک نئے باب اور ایک دلچسپ شاخ کا اضافہ کیا ہے۔ اور اس عجیب فن کی لطافتون اور نزاکتون کی طرف متوجہ کیا ہے۔

فن تاریخ گوئی ادبی حیثیت اور تقویم زبان کے لحاظ سے کوئی بڑی اہمیت نہین رکھتا لیکن دلچسپ و عجیب ضرور ہے۔ اور السنۂ سہ گانہ (عربی۔ فارسی۔ اُردو) کی ایک نادر خصوصیت ہے۔ مجھے ایک عرصہ سے جستجو ہے کہ تاریخ گوئی کی ابتدا و ایجاد و موجد کا حال معلوم ہو لیکن نہ ہو سکا۔ علامہ شبلی مرحوم سے بھی مین نے دریافت کیا تھا وہ بھی نہ بتا سکے۔ السنۂ مذکورہ کے علاوہ اور زبانون مین یہ صنعت نہین پائی جاتی۔ انگریزی حروف تہجی مین سے صرف سات حرفون کے اعداد مقرر ہین (I = ۱ - V = ۵ - X = ۱۰ - L = ۵۰ - C = ۱۰۰ - D = ۵۰۰ - M = ۱۰۰۰) یہ حروف تاریخ گوئی کے لیے ناکافی ہین۔ لیکن اسپر بھی بعضون نے طبع آزمائی کی ہے۔ اور کھینچ تان کر تعمیہ تخرجہ کر کے تاریخ پیدا کی ہے۔ مین دو تاریخین پروفیسر ای۔ جی براؤن

---

[1] یہ مضمون زمانہ اکتوبر [illegible] مین شائع ہو چکا ہے۔

کی کتاب "تاریخ ادبیات ایران" سے پیش کرتا ہوں جو کم سے کم مستشرقین یورپ کی فن تاریخ گوئی سے دلچسپی کا توثبوت ہین -

۱ - مسٹر ہرمن بکنل (HERMAN BICKNELL) نے حافظ شیرازی کی تاریخ وفات ان کی مشہور تاریخ وفات "خاک مصلی" (۷۹۱ھ) سے اسطرح نکالی ہے -

Thrice take thou from MUSALLA'S EARTH
ITS RICHEST GRAIN.

اسکا ترجمہ یہ ہے کہ "خاک مصلی سے اسکا سب سے قیمتی دانہ تین بار نکالو" تاریخ اس طرح نکلتی ہے کہ پہلے مصرع کے جلی لکھے ہوئے الفاظ مین جتنے قابل اعداد حروف ہین ان کے اعداد مین سے دوسرے مصرع کے قابل اعداد حروف کے عدد تین بار نکال لئے جائین مصرع اول مین صرف تین حروف اعداد ہین L L M جن کے عدد (۱۱۰۰) ہوئے دوسرے مصرع مین یہ چار حرف ہین (I C I I = ۱۰۳) ان کے تگنے اعداد یعنی ۳۰۹ کو ۱۱۰۰ مین سے نکال لئے تو ۷۹۱ باقی رہتے ہین -

یہ زبردستی کی تاریخ ہے تاہم کوشش وتلاش اور شوق ودلچسپی قابل تحسین ہے لیکن ہماری زبانون مین اسطرح کا تخرجہ بعض موقعون پر عجیب لطف پیدا کر دیتا ہے مثلاً کسی کی تاریخ ہے (از حوض لطیف آب بردار) کہ مضمون بھی لطیف اور "حوض لطیف" مین سے "آب" کے عدد نکالکر تاریخ بھی بے نظیر -

۲ - دوسری تاریخ براؤن نے ملکہ الزبتھ کے انتقال کی درج کی ہے - وہ یہ ہے -

MY DAY IS CLOSED IN IMMORTALITY

یعنی میری زندگی غیر فانی ہوکر ختم ہوتی ہے" اسمین ایک او صنعت کی گئی ہے یعنی عا ؍ ؍ ؍ کے صرف پہلے حروف سے تاریخ نکلتی ہے (MDCIII = ۱۶۰۳) ہمارے یہان بھی اسطرح کی صنعتون سے کام لیا جاتا ہے - کبھی پہلے حروف سے تاریخ نکالی جاتی ہے - کبھی بیچ کے حرف لئے جاتے ہین - حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ وفات حکیم مومن خان نے خوب کہی ہے -

دست بیداد اجل سے بے سرو پا ہو گئے فقر و دین فضل و ہنر لطف و کرم علم و عمل

دوسرے مصرع کے تمام الفاظ کے بیچ کے حرفون سے شاہ صاحب کی تاریخ وفات ۱۲۳۹ھ نکلتی ہے۔

تاریخ گوئی نہایت مشکل فن ہے لیکن شوق و مشق ہو تو نہایت درجہ کا آسان ہو جاتا ہے اور کبھی کبھی الہام و اعجاز کی حد تک پہنچ جاتا ہے۔ تاریخ گوئی اصل مین صرف یادگار قائم کرنے کی غرض سے ایجاد کی گئی ہے اور کسی مشہور و خاص واقعہ کی تاریخین کہی جاتی تھین۔ اس مقصد کے لیے یا تو مادہ تاریخ ایک دو لفظون کا ہو کہ اختصار کے سبب سے یاد رہ جائے مثلاً غالب کی تاریخ عذر (غدر ہندی = ۱۲۷۳) یا پورا مصرع ہو کر نظم کی حسن ترتیب کے سبب یاد رہ سکے۔

کبھی الفاظ قرآنی یا کسی مشہور مصرع یا فقرے سے تاریخ نکل آتی ہے اور یہ تاریخ گو کی رسائی ذہن اور حسن تلاش کی دلیل ہے۔ مثلاً یورپ کی جنگ عظیم کی تاریخ کسی نے الفاظ قرآنی سے نکالی ہے بَعۡضُکُمۡ لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ (تم مین سے بعض بعض کے دشمن ہین) اس سے پورے ۱۹۱۴ء نکلتے ہین۔ یا مین نے حضرت امیر مینائی کی تاریخ وفات اس مصرع سے نکالی تھی۔

"آن قدح بشکست و آن ساقی نماند"

منشی امیر احمد صاحب مینائی مرحوم نے جب حیدرآباد کا آخری سفر کیا ہے تو راستہ مین یہ کہا تھا۔ یا پہلا کہا ہوا شعر پڑھا تھا

اب نہ آؤن جو کرے میری خوشامد بھی وطن
کہ پکارا ہے غریب الوطنی نے مجھکو

ان کی وفات کے بعد کسی نے لفظ غریب الوطنی سے ان کی تاریخ انتقال نکالی۔ پورے عدد ۱۳۱۸ نکلتے ہین۔ خوب ذہن پہنچا اور یہ پیشین گوئی بھی منشی صاحب کے صفائے باطن کا آئینہ اور ایک دلکش ادبی لطیفہ ہے۔

مجھے تاریخ گوئی کا آغاز سن شعور سے شوق ہے اور بلا مبالغہ کئی سو تاریخین کہی ہین

جن میں سے دو سو سے زیادہ کا مجموعہ کتاب کی صورت میں موجود ہے جو بہت بعد کو مرتب کیا گیا ہے۔ کتنی تاریخیں تھیں کہ یاد نہ رہیں اور ضائع ہو گئیں۔ لیکن یقین اسقدر دشوار ہے کہ باوجود اس کثرت مشق کے میں تاریخ گوئی پر ہمیشہ قادر نہیں۔ میرے تجربات بہت دلچسپ اور عجیب ہیں۔ بارہا ایسا ہوا ہے کہ پہلی بار جو مصرع ذہن میں آیا بغیر کسی کمی و بیشی کے اس میں پوری تاریخ نکل آئی چند بار ایسا ہوا ہے کہ کسی واقعہ کی تاریخ کہنے بیٹھا اور چند چند منٹ کے بعد اور بنے افکر و تامل سے نکلتی چلی آئیں گھنٹہ دو گھنٹہ میں آٹھ آٹھ دس دس مادے کہہ لئے ہیں۔ اور بارہا اتفاق ہوا ہے کہ ایک تاریخ کے لیے گھنٹوں بلکہ کئی کئی دن فکر کی ہے اور ہاتھ نہیں آئی۔ دو تین مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ قرآن شریف پڑھ رہا تھا۔ پڑھتے پڑھتے کسی زیر تلاوت آیت یا الفاظ پر خیال آیا کہ ان میں فلاں شخص کی تاریخ وفات نکل آتی۔ اسی وقت عدد نکالے تو تاریخ تھی۔ مثلاً فِیْ جَنَّۃٍ عَالِیَۃٍ قُطُوْفُھَا دَانِیَۃٌ[له] = ۱۳۲۵ (ترجمہ عالیشان باغ میں جسکے پھل جھکے ہوئے ہوں گے)۔ – اِحْسَنَتْ مُسْتَقَرّاً = ۱۳۳۹ (آرام کی جگہ کیسی عمدہ ہے)

یہ لطیفہ بھی سننے کے قابل ہے کہ اسی طرح دوران تلاوت قرآن میں ایک فقرہ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ (یہ میرے پروردگار کے فضل و کرم سے ہے) کے عدد نکالے تو (۱۹۱۸) نکلے یہ واقعہ ۱۹۱۶ء کا ہے۔ اسوقت کسی تاریخ کی فکر درپیش نہ تھی۔ اور ۱۹۱۸ء کے شروع ہونے میں تقریباً ڈیڑھ سال کا عرصہ باقی تھا۔ خیال آیا کہ یہ کسی بچہ کی تاریخ ولادت خوب ہوگی پھر سوچا کہ انشاء اللہ اُس سال میرے یہاں بچہ ہوگا۔ تاریخ لکھکر رکھ لی اتفاق سے مارچ ۱۹۱۸ء میں لڑکی پیدا ہوئی میں ان سطور کے لکھنے سے قبل بہت متامل تھا کہ یہ خود ستائی میں داخل ہے۔ لیکن محض لطائف ادبی سمجھکر احساس شرمندگی کے ساتھ لکھ رہا ہوں۔ کسی کام کی دُھن بھی عجیب چیز ہے۔

خواجہ عشرت صاحب نے تاریخ کے نہایت عمدہ نمونے پیش کئے ہیں اُمید ہے کہ آیندہ بھی اس سلسلے کو جاری رکھیں گے۔ میں اپنی ہی فکر کی چند مثالیں پیش کرتا ہوں اور

[له] بلحاظ قرأت دانیہ میں ت کی بجائے ہائے ہوز کے عدد لئے ہیں۔

۲۱۔ تاریخ وفات عم مکرم مولوی احمد علی قبلہ	خلق نبوی کی تھے وہ اک زندہ مثال
۲۲۔ تاریخ وفات حکیم محمد حسن تمکین بچھرایونی	رخصت ہوئے اب حکیم تمکین
۲۳۔ 〃 〃 〃	رضوان جنان کے پاس پہونچے
۲۴۔ 〃 〃 〃	تمکین سخنور بجنان شد زجہان
۲۵۔ تاریخ کامیابی برادر عزیز مولوی ظہیر عالم چشتی در امتحان بی۔ اے	ہوگئے بی اے ظہیر عالم
۲۶۔ تاریخ دیوان نواب محمد زمان خان آف باندہ	شاخ گل ہر شعر ہے دیوان مین
۲۷۔ تاریخ ترک ملازمت راقم از چھاونی ہو (ہند متوسط)	رخصت لے اہل ہو جاتے ہین ہم
۲۸۔ تاریخ خریدی بچہ سگ حکیم اختر حسین خان بیدل	کتا نہین ہے واقعی اک شیر کا بچہ ہے یہ
۲۹۔ تاریخ آتشزدگی در چھاونی ہو	ہو مین آج قیامت لبشکل نار آئی
۳۰۔ تاریخ وفات اہلیہ برادر عزیز مولوی فرید احمد	خاتون جنان کے پاس پہونچی
۳۱۔ تاریخ وفات والد ماجد راقم (پورے شعر مین)	کابل دین ھیدا احمد حسن رحمۃ اللہ علی احمد حسن
۳۱۔ تاریخ کامیابی برادر عزیز مولوی عابد حسن فریدی در امتحان ایل۔ ٹی۔	فریدی واہ تم استاد نکلے

امتحان ایل ٹی طریقۂ تعلیم اور استادی کا امتحان ہے۔ تاریخ مین اسی کی طرح اشارہ۔

۳۲۔ تاریخ وفات دختر خوردسال برادر مکرم مولوی سعید الرحمن	خاتون جنان کی گود مین ہو
۳۳۔ تاریخ وفات علامہ شبلی	ناظم، ناثر، ادیب، نقاد
۳۴۔ تاریخ وفات مولانا حالی	گل باغ اردو ادب ہو دحالے
۳۵۔ تاریخ تالیف واشاعت تذکرہ خمخانۂ جاوید	میکدہ گویا کشادہ بہر ستان سخن
۳۶۔ 〃 〃 〃	آج نکلا تذکرہ سب کا پری
۳۷۔ 〃 〃 〃	تاریخ ہے یہ بھی شاعرون کی

۳۸۔ تاریخ تالیف و اشاعت تذکرہ خمخانہ جاوید — یہ بھی اچھا ہے پر بجا نظم

۳۹۔ تاریخ طبع تذکرہ خمخانہ جاوید — یہی بادۂ شاعری کا ہے ساغر

۴۰۔ " " " " — آئینۂ عروس سخن صاف ہے یہی

۴۱۔ تاریخ کامیابی مقدمہ یکے از بزرگان راقم — دی فتح علانیہ خدا نے

۴۲۔ " " " " " — مال مالک کو ملا غاصب کو تہ بین سے

۴۳۔ تاریخ صحتیابی اہلیہ برادر مکرم مولوی سعید الرحمٰن — عطا کی ہے بھابی کو صحت خدا نے

۴۴۔ تاریخ تقریب منگنی یکے از برادران راقم — شادی کا یہ آج پیش خیمہ آیا

۴۵۔ " " " " " — کلی آئی جو نخل عیش میں اب پھول بھی آئے

۴۶۔ تاریخ تعمیر مکان مولوی انوار الحق قبلہ — بن گیا ہے مکان شکر خدا

۴۷۔ " " " " — مختصر ہے مگر نفیس مکان

۴۸۔ تاریخ طغیانی دریائے گنگا و بربادی ضلع بلیا — گنگا نے ڈبویا ضلع بلیا افسوس

۴۹۔ " " " " — ہوئی گنگا میں بھی ہے طغیانی

۵۰۔ تاریخ دیوان منشی عبد المجید ازل — یہ اچھا ہے خمخانۂ شاعری

۵۱۔ " " " — چشمۂ فیض ازل پاکیزہ ہے

۵۲۔ تاریخ صلح لوزان کانفرنس (در صنعت زبر و بینات غیر منقوط)[1] — صلح حاصل مراد دل کرد

۵۳۔ " " (در صنعت زبر و بینات) — کردہ[2] فتح بینے حاصل

۵۴۔ تاریخ رہائی مولانا محمد علی از قید فرنگ (در صنعت زبر و بینات) — باشد آزاد سرور سالار

۵۵۔ تاریخ وصال حضرت شاہ محی الدین احمد صاحب بریلوی — اولیا را ذرۃ التاج آمدی

حامد حسن قادری

---

[1] زبر و بینات تاریخ گوئی کی نہایت مشکل صنعت ہے یعنی اس میں ہر حرف کے نام ملفوظی کے عدد لئے جاتے ہیں مثلاً (صلح) کے عدد اسطرح نکالے جائیں گے صاد ۹۵ - لام ۷۱ - حا ۹ = ۱۷۵ صلح ۱۷۵، اصولی قاعدہ کو زبر کہتے ہیں اسکے حساب سے صلح کے عدد ۱۲۸ ہوتے ہیں

[2] مصطفیٰ کمال پاشا سے خطاب ہے۔

ملک عراق کی خصوصیات میں نہایت اہم اور ممتاز حیثیت رکھنے والی خصوصیت یہ ہے کہ اسکی سرزمین آثار قدیمہ کے خزانوں سے مالا مال ہے۔ کہیں منہدم مزارات ہیں۔ کہیں پر مینارے اور محل کھڑے ہیں۔ کہیں ایسے ٹیلے ہیں جنکے اندر قدیم زمانہ کے شہروں کے آثار مدفون ہیں۔ کہیں ایسے مقامات ہیں جو بلحاظ تاریخی حیثیت سے بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ کہیں نہروں اور تالابوں کے نشانات ہیں کسی جگہ ٹوٹے پھوٹے بت اور دیگر اقسام کے خداؤں کے مجسمے پائے جاتے ہیں جنکی بدولت اس کی سرزمین ساری مہذب دنیا کے حق میں ایک خاص علمی اہمیت رکھتی ہے۔

ملک عراق کی اقتصادی حالت کو خوشحالی میں تبدیل کرنے کا باعث صرف تجارت ہی نہیں بلکہ وہ چیزیں بھی ہیں جو یہاں سیاحوں کو دور دراز ممالک سے کھینچ لاتی ہیں۔ موجودہ فلسطین کے تمول کا باعث یہی امر ہے کہ وہاں دنیا کے ہر گوشہ سے لوگ کثرت کے ساتھ مقدس مقامات کی زیارت کے لیے آیا کرتے ہیں۔ اور اب تو امید ہے کہ عراق میں لوگ پہلے سے بہت زیادہ آیا کرینگے۔ کیونکہ اہل مغرب کی آمد و رفت کے وسائل برابر بہم پہنچائے جا رہے ہیں۔ اور اہل بلاد مشرقیہ کے لیے تو یہاں کا آنا بہت ہی محفوظ اور آسان ہو گیا ہے۔ بحالت موجودہ مصر میں اس درجہ شان مغربیت پیدا ہو گئی ہے کہ اسکو اہل مغرب و اہل مشرق کے باہمی اجتماع کا اصلی مرکز نہیں کہا جا سکتا۔ ہاں جس سیاح کو شان مشرقیت کا نظارہ دیکھنا ہو اسکو چاہیے کہ عراق کے بازاروں میں پھرے۔ بابل کے بدوؤں سے ملے۔ اونچے اونچے پہاڑوں میں رہنے والے کردوں سے ملاقات کرے۔ یزیدیوں اور قدیم نصرانیوں کو دیکھے۔ صابئین کے قریوں میں جائے اور دریائے دجلہ کے ملاحوں۔ بصرہ کے تاجروں

اور ایران اور سمرقند کے زائرون کو دیکھے۔ ایسی سرزمین مین جو تاریخی خزانون سے معمور ہو ایک سیاح کو مشرقی تمدن کے وہ رنگ اور زمانۂ ماضی وحال کے وہ جلوے نظر آئین گے جن کی زیارت دنیا کے اور کسی حلیفہ مین میسر نہین۔

یہان کے بشیار قدیم یادگارین یورپ و امریکہ کے عجائب خانون کو بھیجی جا چکی ہین۔ لیکن پھر بھی اس کثرت سے موجود ہین کہ کم از کم ایک صدی تک علمائے آثار قدیمہ کی توجہ ان کی جانب مبذول رہ سکتی ہے۔ لیکن ساتھ ہی اسکے یہ بھی لازم ہے کہ ان قدیم مقامات کی حفاظت کما حقہ کیجائے اور اگر بغداد مین اسی قسم کی یادگارون کو فراہم کرکے ایک عجائب خانہ قائم کیا جائے تو امید ہے کہ قاہرہ کے عجائب خانہ سے کم نہ ہوگا۔ اگر ایسا ہو تو اُن یادگارون کے مصنوعی نمونے جو یہان سے غیر ممالک کو بھیجی جا چکی ہین بآسانی مہیا ہو سکتے ہین اور اگر ساتھ ہی اسکے اہل آسیریا کے فنون اور خاصکر فن تعمیرات کے خاص خاص نمونون کو از سر نو عوام کے سامنے پیش کیا جائے تو کیا عجب ہے کہ بابل اور نمیوا کے زائرین کی تعداد روما القدیمہ کے آثار دیکھنے والون کی تعداد سے بھی تجاوز کر جائے۔

جرابلس وہ مقام ہے جہان حطّیطون کے (جنھون نے اسیریا مین ۲۰۰۰ قبل مسیح سے ۵۰۰ قبل مسیح تک حکومت کی تھی۔) قدیم دار السلطنت شہر کارشمش کے آثار قدیمہ کثرت سے پائے جاتے ہین۔ یوروپا ای ایک قدیم مشہور رومی شہر کے آثار حطیطون کے دو مختلف شہرون کے آثار کے گرد پھیلے ہوئے ہین۔ یہان پر (جسکو صحن عراق کہنا چاہیئے) اوّل اول بالمونیا ملتا ہے۔ وہ صنعت جسکا نمونہ برطانوی علمائے آثار قدیمہ کی برآمد کی ہوئی شاندار یادگارون مین پایا جاتا ہے۔ حطیطون نے اہل بابل سے حاصل کی تھی۔ اور کارشمش کی دیوی وہی ہے جسکو اہل بابل اُشتر کہا کرتے تھے۔ ان حطیطون کی چند سنگی تصویرین برآمد ہوئی ہین جو اب تک بالکل محفوظ ہین۔ ان کے کمرون مین کمربند کا نشان بنا ہوا ہے جو بعینہٖ اُسی پٹکے کی شکل وصورت کا ہے۔ جسکو آجکل کے شرفائے عرب استعمال کرتے ہین۔ حطیطی مندر کے اندر کا حصہ یروشلم کے یہودیون کے معبد کے اندرونی حصہ سے بیحد مشابہ ہے۔ محض کارشمش ہی کے دیکھنے سے ایک سیّاح کو لندن سے عراق تک سفر کی زحمتون کا صلہ مل سکتا ہے حالانکہ

اس خوشی کا محض پیش خیمہ سمجھنا چاہیے۔ جو اس سیاح کو بالمستان کی زیارت سے حاص
ہم وہ بلے فرات کو ایک وسیع ڈاٹ والے شاندار پل کے ذریعہ سے عبور کر کے بغداد
کے ذریعے سے نصیبین۔ راس العین اور موصل
لیے روانہ ہوتے ہین۔

نصیبین کلیسائی تاریخ مین ایک مشہور مقام ہے۔ جو دو سو سال تک اہل روم
قلعہ رہ چکا ہے۔ لیکن جب جوؤین مالک ہوا تو اُس نے ۱۶ میل کے فاصلہ پر دارا شہر آبا
جہان اس قدیم رومی شہر کے کھنڈرات دور تک نظر آتے ہین۔ شہر نصیبین پہاڑیون کے
مین میدان کے کنارے ایک نہایت ہی موزون جگہ پر واقع ہے۔ سلیم (المعروف
کے زمانہ تک یہ شہر گلزار تھا۔ اور چونکہ یورپ اور ایشیا کے درمیان کی سڑکین اسی سے
گذرتی اسلئے تجارتی مرکز بنگیا تھا۔ راس العین مین ۳۰۰ چشمے ہین۔ اور در
خابور یہین سے نکلتا ہے۔ ۱۸۳۸ء مین ہفیوڈوسس نے یہان پر ایک شہر آباد کیا تھا۔
چارون طرف شہر پناہ تھی۔ لیکن نینوی آتے ہوئے محض نصیبین اور راس العین ہی
مشہور آثار قدیمہ نہین ملتے بلکہ فرات سے خابور تک ساری زمین ایسے ٹیلون قبرون
دیگر تاریخی مقامون سے بھری پڑی ہے۔ جہان کسی یوروپی سیاح کا گزر مشکل سے ہوا
نینوا کے آثار قدیمہ موجودہ شہر موصل کے مقابل دجلہ کے مشرقی کنارہ پر واقع ہین۔ اصل
نینوا اُسی مقام پر آباد تھا جہان اب قیونجق اور نبی یونس کے ٹیلے واقع ہین۔ شہر کے گر
دو میل چوڑی اور چار میل لمبی شہر پناہ تھی۔ موجودہ پل جو موصل مین دریائے دجلہ پر بنا
اُنہین دیوارون کے پتھر سے تیار کیا گیا تھا۔ سب سے مشہور چیز جو قیونجق سے برآمد ہو
اشور بنی پال کا کتبخانہ ہے۔ مسٹر جارج اسمتھ نے بہت ہی جانفشانی کے بعد ان تختون کو
چنانچہ اسی کی بدولت خلقت۔ ہبوط آدم اور طوفان نوح کے متعلق کلدانیون کے اعت
کا پتہ دنیا کو چلا۔ ایک تختی مین سارا گون اور اشد ادکی لڑائی کا بھی ذکر ہے۔

اسکے علاوہ ایک اور خوبصورت سی تختی برآمد ہوئی تھی جس پر کچھ تصویرین بنی ہین ا
ایک عبارت کندہ ہے جسین سناچرب کے لاچش کے مال غنیمت کے ملاحظہ کرنے کا

مندرج ہے۔ قیونجق کے ٹیلے مین دو بڑے بڑے محلون کے نشان ملتے ہین ایک سناچرب کا اور دوسرا اُسکے پوتے اشور بنی پال (۶۶۸-۶۲۶ قبل مسیح) کا۔

علاوہ ان کے علمائے آثار قدیمہ نے متعدد سنگ مرمر کے بت۔ چونے کی تصویرین ستون اور بیشمار چیزین اسی ٹیلہ سے برآمد کی ہین۔ لیکن پھر بھی اس عظیم الشان ٹیلے مین اتنا سامان موجود ہے کہ اسکو برآمد کرنے کے لیے ایک زمانہ درکار ہے۔

تل بنی یونس مین ایک بڑی سی مسجد اب بھی نظر آتی ہے اور مسلمانون کی ایک چھوٹی سی بستی بھی آباد ہے۔ لیکن اس مقدس مقام پر آج تک کسیکو بھی کھودنے کی اجازت نہین ملی۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ گرمی کے موسم مین سر ہنری لے یارڈ نے اسی گاؤن کے ایک شخص سے دوستی پیدا کی۔ اُسکے پاس ایک عالیشان مکان تھا بہت کچھ کہنے سننے کے بعد مالک مکان نے ان کو اس امر کی اجازت دی کہ وہ مکان کے صحن مین آرام کرنے کے لیے ایک تہخانہ بنوالین مسٹر ہنری نے اس کمرہ کا کرایہ معمول سے بہت زیادہ دیا مگر اسکے عوض مین کھودتے وقت جو عجائبات روزگار حاصل ہوئے سب ان کے ہاتھ آئے۔ ۱۸۵۰ء مین والی موصل کو دو سنگی بیل اور دو سنگ مرمر کا تختہ ملا تھا۔ پرندے کے طور پر ان بیلون کے دو دو بازو تھے۔ یہ تختہ ۱۸۶۲ء مین قسطنطنیہ کے عجائب خانہ سے غائب ہو گیا اور چند سال کے بعد جزائر برطانیہ مین پھر نمودار ہوا۔

تل نمرود۔ جو قیونجق سے چند میل کے فاصلہ پر جانب جنوب واقع ہے ایک بہت بڑا ٹیلہ ہے۔ جسمین سے ملک عراق کی بہترین یادگارین اہل اسیریا کی بنائی ہوئی برآمد ہوئین۔ مثلاً شلم النصر (۸۶۰-۸۲۵ قبل مسیح) کا بنایا ہوا ۷ فیٹ بلند۔ سنگ مرمر کا ستون۔ جسپر ایک عبارت کندہ ہے۔ جسمین بادشاہ کا جیہو ابن عمری سے خراج لینے کا حال مندرج ہے۔ اسی شہر کالہ سے جسکا ذکر انجیل مین ہے ایک نہایت عمدہ سنگ مرمر کا بیل اور ایک شیر دو الجناحین اور کچھ گچ کی خوبصورت تصویرین سے یرڈ صاحب نے لندن بھیجی تھین۔ لیکن ان کے علاوہ بہت سی سنگی تصویرین پھر بدستور سابق اصلی جگہ پر دفن کر دی گئین۔ بعض بعض سنگ مرمر گچ کی دیوارون پر سرگون ثانی (۷۵۰-۷۲۴ قبل مسیح) اشور نبی پال (۸۸۵-۸۶۰ ق م) شلم النصر

اور ازرھدان (۶۸۱-۶۶۸ ق م) کے نام درج ہین -

نمرودی کی طرح ایک دوسرا عجیب و غریب شہر خورس آباد ہے یہ شہر موصل کے شمال و مشرق جانب ۱۴ میل کے فاصلہ پر دریائے خسر کے بائین کنارہ پر جو نینوا پہنچکر دجلہ مین گرتا ہے واقع ہے یہان پر درشرقین یا محل سرگون کے کھنڈرات جسکو سرگون ثانی یعنی سناچرب کے والد نے تعمیر کرایا تھا موجود ہین عمارت کی دیوارون پر ٹیلے اور سفید رنگ کے چمکدار پختہ مٹی کے ٹکڑون سے بیل بوٹے بنے ہین اور بڑے بڑے کمرون کی پر ابھری ہوئی تصویرین بنی ہین اور دروازے نہایت خوبصورت ہین - فرانسیسی لوگون نے انکو کھود کر نکالا تھا یہان ایک گوشہ مین پتھر کا ایک صندوق ملا جسپر کچھ نقوش کندہ تھے اسکے اندر سونے - چاندی - تانبے اور سیسے وغیرہ کی تختیان ملین جن پر مختلف عمارتون کی تعمیرات کی مختصر کیفیت درج تھی اس خرابہ کا رقبہ ۲۱۷ ایکڑ سے زیادہ ہے - چنانچہ جب ۱۸۴۳ء مین بوٹا نے اسکو دریافت کیا تو اہل یورپ کی آنکھین کہل گئین - اور انھون نے اس امر کو محسوس کیا کہ عراق کے جملہ ٹیلون کو اچھی طرح سے کھودنا چاہیے۔

موصل سے پندرہ میل پورب کیطرف ایک دوسرا مقام بلاوات ہے جسکو ابھی اچھی طرح نہین کھودا جا سکا کیونکہ لوگ وہان مردون کو دفن کرتے ہین اور بدینوجہ کھودنے کی اجازت نہین دیتے لیکن باوجود اسکے رسم صاحب نے چند خوبصورت کانسے کے مرصع ٹکڑے برآمد کئے جو شلم النصر ثانی کے بنا کردہ عالیشان محل کے پھاٹکون مین جڑے ہوئے تھے۔

بادیان کی یادگارین اور گندک کی پتھر کی مورتین اگوان کے پاس تک پہنچا قدرے دیکھنے کے قابل دیدہ ہن - بادیان کے پتھرون پر جو تصویرین بنی ہن ان سے معلوم ہوتا ہے کہ سناجریب دیوی اشتر کے سامنے کوئی نذر پیش کر رہا ہے - یہی عبارت ہے جو پتھر پر کندہ ہے بابل کی تباہی کا حال معلوم ہوتا ہے کہ جس کے باشندون نے بادشاہ کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تھا اور اسی قصور کے پاداش مین بادشاہ نے اسکو بالکل مسمار کر دیا یہین پر ایک بہت بڑا پتھر مربع تختہ ہے جسپر چار بڑی بڑی شکلین بنی ہین اس سے اوپر کی طرف مقابلتہً چھوٹے

گر ایک وہ جن کے قریب اور سنگی تختے ہین آباد یان۔ عین سفنی سے ۵ میل کے فاصلہ پر دریائے گومل کے کنارے آباد ہے۔ یہین پر پتھر کی کانین تھین جہان سے بت اور یادگارین تراشکر تراش کر نینوا کو بھیجی جاتی تھین۔ اول بت وغیرہ تراشے جاتے تھے پھر ان کو چٹان سے کاٹ کر ٹھیلون کے ذریعہ سے دریا کے کنارہ تک لایا جاتا تھا۔ وہان سے کلک کے ذریعہ انکو نینوا پہونچا دیا جاتا تھا۔ ان سنگی تختون کی پشت پر کچھ گڑھے بنے ہوئے ہین جن مین نینوا کی تباہی کے ایک ہزار سال بعد غالبًا فقراء رہا کرتے تھے۔

موصل سے مغرب کی طرف یزیدیون کے مسکن جبل سنجار کو جو سڑک جاتی ہے اُسکے کنارے کنارے قدیم کھنڈرات نظر آتے ہین جو دیکھنے کے قابل ہین۔ بشرطیکہ کسی زمانہ مین یہان تک پہنچنے کے لیے موٹر کی سڑک بنجائے۔ دریائے ترتر سنجار سے نکلکر ان خرابون کے پاس سے گذرتا ہے جو اب تک زمانہ کی دستبرد سے اس درجہ محفوظ ہین کہ ان کے مقابلہ کا کوئی خرابہ عراق مین نظر نہ آئے گا۔ یہ ہترا کا اُجڑا ہوا شہر ہے جو کسی زمانہ مین ایک وسیع سبزہ زار کے وسط مین آباد سڑکون سے بہت دور نہایت خوبصورتی کے ساتھ دائرہ کی شکل مین آباد کیا گیا تھا۔ اسکو لوگ فن تعمیرات کا مرکز کہا کرتے تھے۔ کیونکہ شاہان ساسانیہ اپنے شاندار محلون کے لیے جن سے ان کی دولت اور سطوت کا اظہار ہوتا ہے۔ معمار کاریگر اور عمارتون کے نقشے یہین سے منگایا کرتے تھے۔ اسکو کھودنے کی بہت کم ضرورت ہے۔ کیونکہ قدیم اہل اسیریہ کے آثار کے برعکس یہان چٹانین بہت کم ہین۔ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خوبصورت شہر تھا جو حال ہی مین زلزلہ کی وجہ سے غارت ہوا ہے۔ نفیس سنگی دیوارون پر بیشمار مینارین بنی ہین۔ وسط شہر مین ایک عالیشان محل کھڑا ہے جسکی دیوارین بجائے اینٹون کے پتھر کے چوکور ٹکڑون سے بنی ہین۔ اسکے علاوہ اور بہت سے مکانات ہین جن کی دیوارون پر تصویرین اور نقش و نگار بنے ہین۔ اغلب ہے کہ یہ شہر سنہ عیسوی کی پہلی صدی مین بنا ہوگا۔ اِس شہر پر ٹراجان اور سویرس نے باری باری حملہ کیا تھا۔ مگر دونون کو فتح نصیب نہ ہوئی۔ دریائے ترتر کا پانی بیحد تلخ اور شور ہے۔ لیکن مہذب عربون نے شیرین پانی کے لیے ضرور کسی دوسرے وسائل ضرور بہم پہنچائے ہونگے کیونکہ یہان بہت سے گہرے گہرے کنوئین

نظر آتے ہین جو نہایت خوبصورت ہین - یہ کنوئین اوپر سے تنگ اور نیچے سے چوڑے ہین اور اب تو نصف کے قریب کنکر پتھر سے پٹ گئے ہین۔ ہاترا کے آثار قدیمہ قدامت کے اعتبار سے مشہور نہین ہین۔ لیکن پھر بھی اکثر سیاح اس غیر آباد شہر کے دیکھنے کے لیے آیا کرینگے۔ سیاحون کو شاہ اور اسی طرح کے دیگر اصلی عربی عنایہ تنبوئون کے دلکش نظارے جو ہاترا آتے ہوئے نظر آئینگے عراق کے اور کسی حصہ مین مفقود ہین۔

ہاترا سے سب سے نزدیک مقام جہان اہل اسیریا کے خرابے ملتے ہین قلعہ شرقات ہے جو دریائے دجلہ کے مغربی کنارہ پر واقع ہے - اسی مقام پر کھودنے سے اُس اسیریا کے قدیم ترین دار السلطنت آشور کا پتہ چلا جسکو ام البلاد کہا جاتا ہے۔

موصل سے بغداد آتے ہوئے بغداد ریلوے کی مین لائن بہت سے ایسے قریون سے ہوکر یا ان کے قریب سے گزرتی ہے جہان اسیریا کے آثار قدیمہ پائے جاتے ہین -

حتی کہ گوگمیلا کے میدان مین داخل ہوتی ہے جہان یکم اکتوبر ۳۳۱ قبل مسیح) کو اسکندر اعظم اور دارا کے درمیان جنگ ہوئی تھی - چنانچہ سکندر نے دارا کو شکست دی اور اسکے بعد کل ایشیا پر قبضہ کر لیا - موجودہ اربیل یا اربیلا یہان سے بیس میل کے فاصلہ پر ایک ۱۵۰ فیٹ بلند مصنوعی ٹیلہ پر آباد ہے - اس ٹیلہ کو آجتک نہین کھودا گیا - کیونکہ ترکون کی شان سے یہ امر بہت بعید تھا کہ ایسے ٹیلہ کو جس کی چوٹی پر ایک میلا سا قلعہ بنا ہو کھودا جائے۔

تشیبی زاب (دریا) کا زورون سے بہتا ہوا دھارا کوہ آلتون کوپری کے قریب پایاب ہوتا ہے اسکو لوگ جسر ذہبی یا سونے کا پُل کہتے ہین (آلتون - سونا - کوپری - پُل بزبان ترکی) جس کی وجہ یہ ہے کہ یہان پر ترک ہر سال بد نصیب مسافرون سے ہزارون کی تعداد مین محصول وصول کیا کرتے تھے - آیندہ زمانہ مین سیاح غالباً ترکون کی بنائی ہوئی ایک بلند تنگی عمارت پر چڑھکر ایک معمولی برٹش ریلوے کے پُل کے ذریعہ سے کرکوک کو جایا کرینگے جہان کے نہایت ہی دلچسپ مناظر کا لطف شمع یا مشعل کی روشنی کے ذریعہ سے حاصل ہوگا۔

اس کردون کے شہر کرکوک کے آگے ہی ایک بڑی سی پہاڑی اور عیسائیون کا قبرستان ہے اگر کوئی شخص اس قبرستان کو دیکھنا چاہے تو گرجے کا محافظ اسکو ایک چھوٹے سے دروازہ

سے لیجائے گا جہان قبرون اور لحدون کی ایک بھول بھلیان سی نظر آئے گی اور چند قدیم گرجے بھی دکھلائی دینگے جہان کسی زمانہ مین عیسائیون نے ظالم تیمور لنگ کے خوف سے چھپکر اپنی جانین بچائی تھین۔

نہروان کی قدیم نہر بغداد کے راستہ مین ملتی ہے۔ اور دریائے دجلہ کے کنارہ پر دو مشہور قصبے تکریت اور سامرہ آباد ہین۔ تکریت مین کچھ پرانے کھنڈرات باقی ہین۔ یہ قصبہ کسی زمانہ مین عیسائی پادریون کا صدر مقام تھا لیکن سامرہ علاوہ ایک عالیشان اسلامی مزار رکھنے کے تاریخی حیثیت سے بھی بہت مشہور ہے اسکی بغداد (اسکی معنی قدیم زبان ترکی -) کے کھنڈرات کے درمیان اب بھی ایک بلند منارہ نظر آتا ہے کیونکہ یہ شہر ہارون الرشید کے بیٹے کے زمانہ مین دارالسلطنت بنگیا تھا۔ زمانۂ حال کے ایک عالم فن مساحت کرنل بیزلی نے دریافت کیا ہے کہ یہان زیرزمین آبپاشی کی نالیون کا ایک زبردست جال نظر آتا ہے۔ اور نیز یہ کہ قدیم شہر ۲ ½ میل چوڑا اور ۲۰ میل لمبا تھا۔ جسکی آبادی تخمیناً ۴۰۰۰۰۰ رہی ہوگی۔

بغداد اور سامرہ کے درمیان دجلہ کے ایک موڑ کے اندر بابلونیا کے شہر کے آثار قدیمہ تل منجور کے زبردست ٹیلہ مین مدفون ہین۔ اس شہر کا تعلق اس جنگ سے بھی ہے جو سکندر اعظم اور زینوفون کے درمیان ہوئی تھی۔ کسی زمانہ مین دریائے دجلہ اسی اوپس شہر کے مغرب جانب بہتا تھا جس سے اس بیان کی تصدیق ہوتی ہے کہ یہ شہر دریا کے بائین کنارہ پر تھا۔

نہروان نامی طویل نہر سامرہ کے شمال دجلہ سے نکلکر دیالہ (دریا) تک آتی ہے۔ اور یہان سے آگے بڑھکر کوت کے قریب پھر دجلہ سے ملجاتی ہے۔ بابلونیا کی سب سے بڑی نہر شط النیل تھی۔ جو بابل کے شمال سے نکلکر نغر ہوتی ہوئی ناصریہ کے قریب شط الحی سے آکر ملجاتی ہے۔ لوگ کہتے ہین کہ ارض کلدان مین جاکر اسکو دریائے چیار کے نام سے پکارا جاتا تھا جسکے پانی سے نشیبی عراق کے میدان مین صدیون تک آبپاشی ہوا کی ہے۔

مدینۃ الخلفا یعنی بغداد مشرق کے مشہور شہرون مین گنا جاتا ہے۔ لیکن اُسمین ایسی یادگارین بہت کم ہین جو علم آثار قدیمہ کے نقطۂ خیال سے مشہور ہون۔ بغداد کے اردگرد اکثر

ٹیلے ہین اور ان کے علاوہ ہارون الرشید کے محل اور شہر کے آثار بھی پائے جاتے ہین۔ مغربی جانب کے اکثر قدیم مکانات ان اینٹون کے بنے ہین جو بنوخذنصر کے مکانون سے نکلی تھین اور جو نیطا ہر بابل سے یہان آئی تھین۔ کئی سال کا ذکر ہے کہ دجلہ کے مغربی کنارہ پر ایک بڑا سا مٹی کا گھڑا کسی ملاح کے ڈانڈ سے ٹکرا جانے کی وجہ سے نکل آیا جس مین بہت سے سونے کے سکے بھرے تھے۔ عیسائیون کے محلہ کے قریب ایک قدیم منارہ ہے جو اب کس مپرسی کی حالت مین ہے ۱۲۳۵ھ مین خلیفہ مستنصر نے اسکو تعمیر کرایا تھا۔ اِس کے علاوہ ایک ٹوٹی پھوٹی کالج کی عمارت بھی باقی رہگئی ہے۔ جس کو کسی زمانہ مین ترکون نے (کمرک خانہ) چونگی گھر بنا رکھا تھا۔ شہر کے پچھم جانب ستہ زبیدہ کا مزار ہے۔ جو ہارون الرشید کی چہیتی بیوی تھی۔ اسی کے قریب شیخ معروف کرخی کا مزار ہے جو اب تک اچھی حالت مین ہے۔

بغداد سے ۱۵ میل کے فاصلہ پر جانب مغرب طاق کسریٰ واقع ہے جسکی صرف ایک محراب باقی رہ گئی ہے۔ اسکو خسرو ثانی (۵۹۱ - ۶۲۸) نے تعمیر کرایا تھا۔ یہ خسرو یا کسریٰ ایرانی ساسانی خاندان کا آخری مگر سب سے زبردست بادشاہ تھا۔ محراب مذکور ۱۲۰ فیٹ اونچی ۱۶۴ فیٹ لمبی اور ۸۲ فیٹ چوڑی ہے۔ جس وقت کہ برطانوی فوج نے بغداد کیجانب گولہ باری کی تھی تو ہزارون سپاہیون نے دوپہر کے وقت اس محراب کے سایہ مین دھوپ سے پناہ لی تھی۔

عراق کے جملہ خرابون مین عقرقوف سب سے زیادہ عجیب و غریب ہے۔ یہ مقام بغداد سے ۸ میل جانب مغرب فلوجہ کی قدیم شاہراہ کے نزدیک واقع ہے۔ اور ملکہ الزبتھ کے زمانہ تک انگریز سیاح اسکو غلطی سے بابل کا مینار سمجھتے تھے۔ اسکو شاہ قوری گلزو نے تعمیر کرایا تھا۔ جو اس زمانہ مین بابلستان مین حکمران تھا۔ جبکہ حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کو مصر کے باہر لیجا رہے تھے۔ آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ یہان پر ایک منارہ بنا ہوا تھا جو غالباً دو غرضون سے تعمیر کیا گیا ہوگا۔ اوّل تو مذہبی نقطۂ خیال سے ایک مقدس منارہ کے طور پر اور دوسرے رسدگاہ کا کام دینے کے لیے۔ اصل منارہ کا درمیانی حصہ ۱۰۰ فیٹ

سے زیادہ اونچا ہے اور پختہ اینٹون سے اس طور پر تعمیر ہوا ہے کہ ہر پانچ یا سات اینٹ کی موٹائی کے بعد نرکٹ کی چٹائیون کی تہ دی ہوئی ہے۔ اور ایک تہ کا فاصلہ دوسری تہ سے تخمیناً ۲ فیٹ ہے۔ پختہ اینٹین جو باہر کی طرف لگی ہوئی تھین اب بالکل غائب ہوگئی ہین۔ لیکن پھر بھی منارہ کی بنیاد کے قریب اُن کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے نظر آتے ہین عراق کے قدیم باشندے زمانۂ حال کے عربون اور ترکون سے کہین زیادہ مہذّب تھے۔ یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ علمِ ہیئت مین ان کو مہارت تامہ حاصل تھی۔ دوربینون کے متعدد صاف وشفاف شیشے برآمد ہوئے۔ اور کچھ تحریرین ملین جن سے پتہ چلتا ہے کہ اِن کے علم کے مطابق مشتری مین چار چاند تھے۔ برجون کے نام بھی اُنھون نے الگ الگ رکھے تھے۔ اور قطبین کو ۳۶۰ درجون مین تقسیم کیا تھا۔ اور پھر ہر درجہ کی ۶۰ دقیقہ اور دقیقہ کو ۶۰ ثانیہ مین۔ چنانچہ رات ودن کے تقسیم کا طریقہ جیساکہ آج کل گھڑیون کے ڈائل مین نظر آتا ہے (بقول پادری پارفٹ صاحب) انگریزون نے اُنھین سے سیکھا ہے۔ فلوجہ کے نزدیک جہان نہر عیسٰی جو کسی زمانہ مین عقرقوف کے پشت سے ہوتی ہوئی دجلہ تک جاری تھی آنکر فرات سے ملجاتی ہے۔ سفیرہ اور عنبر کے بڑے بڑے ٹیلے واقع ہین۔ جہان اُس زمانہ مین جبکہ فلوجہ صدیون تک دنیا کے خشکی کے راستون کا مرکز رہ چکا تھا بہت بڑے بڑے دو شہر اسی نام سے آباد تھے۔

سفیرہ سے جانب شمال ومغرب فرات کے کنارے اور دمشق کے بالکل مشرق مین ہیت کا مشہور قصبہ واقع ہے جسکو قدیم زمانہ مین مختلف نامون مثلاً اِس۔ آھوا اور راہی واقر وغیرہ سے پکارا جاتا تھا۔ اور اسی مقام سے اس سڑک کے لیے جسکو بخت نصر نے اپنے جلوس کے لیے بابل مین تعمیر کرایا تھا پتھر اور سمنٹ آیا کرتا تھا۔ اسکے اور آگے شمال کیطرف آنا مین پتھر کی کانین ہین جہان نہایت عمدہ پتھر نکلتا ہے۔ جو بالکل اُسی نمونہ کا ہے جیساکہ شارع بابل کے منقش سنگی سِلون کا پتھر ہے۔ دیرزبیر جاتے ہوئے جہان پر عراق اور شریفہ کی سرحد ہے۔ ذوبیہ کے آثارِ قدیمہ قابلِ دید ہین اور دیرہ کے شمال مین بنو جاتے ہوئے جہان پر عراق اور شریفہ کی سرحد ہے ذوبیہ کے آثارِ قدیمہ واقع ہین۔

قلوجہ کے جانب جنوب زمانۂ حال کے سیاحوں کا راستہ ابوحبہ کے ٹیلوں کے قریب سے ہو کر گذرتا تھا جو فرات سے ۴ میل کے فاصلہ پر اور محمودیہ کے جانب شمال تخمیناً اتنے ہی فاصلہ پر واقع ہیں۔ ۱۸۸۱ء میں رسام صاحب نے انکو تلاش کیا تھا۔ چنانچہ تحقیقات سے پتہ چلا کہ یہاں پر سپارہ (۵۰۰ سال قبل مسیح) کے آثار مدفون ہیں۔ ساٹھ ہزار تختیوں کے علاوہ شمس (آفتاب کی دیوی) کا مندر بھی نکلا اور دو بڑے بڑے مجوف ستون نبونیدس کے بنوائے ہوئے بر آمد ہوئے۔ جو تاریخی حیثیت سے بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ نبونیدس بالبستان کا ایک زبردست عالم آثار قدیمہ تھا۔ جسکے ذریعہ سے مورخین کو بہت سی تاریخیں دریافت ہوئیں۔ انھیں ستونوں پر اُسنے لکھا ہے کہ شمس کے مندر کے دوبارہ تعمیر کرنے سے پہلے ہمارے مزدور پہلے مندر کی بنیادوں کو کھود رہے تھے۔ کہ انکو اس سے بھی پہلے کا رم سین ابن سرگون اوّل کا رکھا ہوا سنگِ بنیاد ملا جو ۳۲۰۰ سال تک کسی اور بادشاہ کو نظر نہ آیا تھا۔ انھیں مجوف ستونوں کی بدولت ہمکو پتہ چلا کہ ۳۷۵۰ سال قبل مسیح بابل میں نرم سین حکومت کرتا تھا۔ اسی مقام سے عربوں نے من مانی صدہا چیزیں کھود کر نکالیں اور بابل کے ٹیلوں میں صرف یہی ایک ٹیلہ ہے جسکو ترکوں نے کُھدوایا تھا۔ ۱۸۹۴ء میں سلطان عبدالحمید خان نے ایک قلیل رقم اس مطلب کے لیے دی تھی۔ چنانچہ بدری بک اور عالم آثار اہل آسیریا فادر شیل کی نگرانی میں دو ماہ تک کھدائی کا سلسلہ جاری رہا

محمودیہ کے قریب بابل کے اور بہت سے ٹیلے ہیں چنانچہ خاص بابل کے قریب تل ابراہیم کے آثار پائے جاتے ہیں۔ اور بابل سے ۴ میل جانب شمال القرنیہ کے خزانے واقع ہیں اور حلہ سے دس میل جانب جنوب دِلهم کے ٹیلے ہیں اور فرات سے میل جانب شرق ایک ٹیلہ ہے جس پر سرخ مخروطی شکل کا منارہ بنا ہے۔ جہاں پر قدیم زمانہ کے شہر کیش کے آثار مدفون ہیں جو سمرتی کے زمانہ میں ایک گلزار شہر تھا۔

بابل بذات خود عراق کی حلبہ یادگاروں کا جوہر ہے۔ گزشتہ ۵۰ سال کے اندر جو چیزیں یہاں نکلی ہیں اور جن جن چیزوں کا انکشاف ہوا ہے ان کا اظہار مختصر الفاظ میں دشوار ہے ماہرین فن کی آگاہی کے لیے بڑی بڑی کتابیں شائع ہو گئی ہیں۔ اور کیا عجب ہے کہ پھر

کے بعد معمولی مسافرون اور سیاحون کی سہولیت کو مدنظر رکھکر اُنھین کتابون کو چھوٹی تقطیع پر شائع کردیا جاے تاکہ سفر مین انکو ساتھ رکھنے مین آسانی ہو۔ حلہ سے جانب شمال ۵ میل کے فاصلہ سے بابل کے آثار قدیمہ کا سلسلہ شروع ہوتا ہے اور سب سے پہلے بابل کا ٹیلا نظر آتا ہے جسکو اہل عرب مجلبہ کہتے ہین یہان بخت نصر کے ایک محل اور ایک قلعہ کے خرابے ہین اسکے دکھن جانب اور چھوٹے چھوٹے ٹیلے ہین جنکو القصر کہتے ہین۔ یہان پر بخت نصر کا خاص محل اور وہ شاہی سڑک تھی جو مردوق کے مندر کے پھاٹک موسوم بہ باب عشتر تک تیار کی گئی تھی۔ اس محل کا دیوان خاص جسمین شاہی تخت رہتا تھا ۶۰ فیٹ چوڑا اور ۱۷۰ فیٹ لمبا ہے۔ اس مندر والی سڑک کی دیوارون پر رنگ برنگ کی چمکدار مربع تختیان پختہ مٹی کی جڑی ہوئی ہین۔ محل کے اندر جاکر اگر دیکھئے تو وہ خاص کمرہ بھی نظر آئے گا۔ جس مین اسکندر اعظم مرا تھا۔ غالبًا اسی مقام پر یا بقول دیگر تل عمران پر معلق باغ تھا جو دنیا کے سات عجائبات مین سے شمار ہوتا ہے یہ باغ ایک وسیع عمارت کی چھتون پر لگایا گیا تھا۔ اس عالیشان محل کی ہر منزل کی چھت پر چوڑا ئون پر قائم تھی کئی فٹ اونچی مٹی ڈالی گئی تھی اور پھر اس مین درخت نصب کئے گئے تھے۔ ہوا جو ان سرسبز و شاداب درختون سے مکان کے اندر آتی ہوگی فی الواقع بہت ہی ٹھنڈی ہوتی ہوگی۔ اور کیا عجب ہے کہ اس محل کے عمال گرمی کے موسم مین اسکے ٹھنڈے کمرون ہی مین بیٹھکر اپنے اپنے فرائض انجام دیتے ہونگے۔ چنانچہ بغداد مین اب بھی رواج ہے کہ گرمیون مین لوگ دفترون اور سونے کے کمرون کے دروازون اور کھڑکیون مین جوانسا گھاس کی ٹٹیان لگاتے ہین جن پر تھوڑی دیر بعد پانی چھڑکا جاتا ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ گرم ہوا جو اس خوشبودار گھاس سے ہوکر گذرتی ہے۔ فورًا پانی کو بخارات کی شکل مین تبدیل کردیتی ہے۔ جو کمرون کو ٹھنڈا کردیتے ہین۔ چونکہ دروازون مین ٹٹیان رہتی ہین اسلئے آفتاب کی شعاؤن اور ہوا کی گرمی سے بہت بچاؤ رہتا ہے۔

قصر کے شمال مین تل عمران واقع ہے جہان اساغیلا کا مندر ہے۔ عمران کے قریب تن آنکی کا نشان ہے۔ جس کی نسبت اکثر لوگون کا خیال ہے کہ بابل کا منارہ یہین تھا نابوپلا اسکی مرمت کرائی تھی۔ چنانچہ اسکی اونچائی کی نسبت اسکا قول تھا کہ مین نے ناف زمین پر

اسکی بنیاد مستحکم کر دی ہے۔ اور اسکی چوٹی کو آسمان کی طرف بلند کر دیا ہے۔ بنو خد نصر نے بھی اسکی بلندی مین اضافہ کیا تھا۔ چنانچہ اُسکا قول ہے کہ مین نے اس امر کی کوشش کی کہ اُسکو اسقدر بلند کر دون کہ آسمان سے باتین کرے۔ لیکن اسکندر اعظم نے اسکو بالکل مسمار کرا دیا۔ شہر پناہ کے نشانات شمال کیطرف بابل کے قریب شط النیل سے جنوب کی طرف قریۂ جمجمہ تک پائے جاتے ہین۔

حلّہ سے ۹ میل جانب جنوب بیرس نمرود کے شاندار نشانات واقع ہین جسکو ایک عرصہ تک لوگ غلطی سے بابل کا مینار سمجھتے تھے۔ اصلیت یہ ہے کہ بنو خد نصر نے شہر بارسیا کے وسط مین سبع سیارات کے مندر کے نام سے ایک عمارت بنوائی تھی۔ اسکی منہدم دیوار ٹیلہ کی چوٹی پر باقی ہے جس کی بلند سطح زمین سے ۱۵۳ فیٹ ہے یہ مندر محافظ آسمان و زمین یعنی خدائے نیبو کے نام پر وقف کر دیا گیا تھا۔ عمارت ہفت منزلہ تھی اور ہر سیارہ کی رنگ کی مناسبت سے ہر منزل مختلف رنگ سے رنگی تھی۔ مثلاً

پہلی منزل کا رنگ زحل کے رنگ کی مناسبت سے سیاہ تھا۔ دوسری منزل کا رنگ مشتری کی رنگ کی مناسبت سے نارنجی تھا تیسری منزل کا رنگ مریخ کے رنگ کی مناسبت سرخ تھا۔ چوتھی منزل کا رنگ شمس کی رنگ کی مناسبت سے سنہرا تھا۔ پانچوین منزل کا رنگ زہرہ کے رنگ کی مناسبت سے سفیدی مائل زرد تھا۔ چھٹی منزل کا رنگ عطارد کے رنگ کی مناسبت سے نیلا تھا ساتوین منزل کا رنگ قمر کے رنگ کی مناسبت سے سفید تھا۔

چھٹی منزل نیلا رنگ چڑھانے کے بعد گرا گرا کر چمکائی گئی تھی۔ چنانچہ اس پکے گہرے نیلے رنگ ہی کی برکت سے یہ شاندار عمارت صدہا سال تک محفوظ رہ سکی۔

قریب قریب بابل ہی کے درجہ کے نفر کے ٹیلے ہین۔ جو عَفَج کے دلدل کے بالکل ہی کنارے واقع ہین۔ حال ہی مین پنسلوانیا یونیورسٹی نے ان کو کھدوا کر صدہا چیزین برآمد کی ہین۔ بسنے برگ صاحب کا خیال تھا کہ یہان پر کچھ بھی نہین ہے لیکن پچاس سال بعد پروفیسر ہل پریٹ نے اشتہار دیا کہ یہین سے ۔۔۔۔ ۶ تختیان برآمد ہوئین۔ ان کے علاوہ ایک مندر اور کتبخانہ کا نشان ملا اور سارگون کے بھی پہلے کا ایک دروازہ ملا جو ریگستان کی سطح کے

نشیب مین دفن تھا۔

عراق دو خاص حصون مین منقسم ہے۔ جنوبی حصہ ارض شنار کے نام سے تھا اور شمالی حصہ عقاد کہلاتا تھا۔ ارض شنار مین سفر کرنے والون کو چپہ چپہ پر بڑے بڑے خرابے ملین گے۔ اور چھوٹے چھوٹے خرابے تو اتنے ہین کہ انکا شمار دشوار ہے۔

ارض شنار کے بڑے بڑے خرابے سوق الشیوخ سے ۶۰ میل کے فاصلہ پر واقع ہین ان کی قدامت ۲۷۰۰ سال قبل مسیح ہے۔ مشہور ہے کہ یہ ورقہ کی یادگار ہین۔ جس کا نام انجیل مین ارک ہے۔ ان ٹیلون سے متعدد عجیب و غریب تابوت مردون کے برآمد ہوئے لیکن مشکل یہ درپیش ہوئی کہ باہر لاتے لاتے پاش پاش ہو جاتے تھے۔ چنانچہ فوراً ہی یہ تدبیر کی گئی کہ روشنی مین لانے کے ساتھ ہی ان پر کاغذ چسپان کر دیا جاتا تھا۔ بعد ازان باہر لائے جاتے تھے اور براہ راست یورپ کے عجائب خانون کو بھیج دیئے جاتے تھے۔ سنقرہ مین بھی جو ورقہ سے کچھ دور نہین ہے دو ٹیلے ہین جو چار میل کے دور مین پھیلے ہین۔ یہان ایک مندر اور ایک مینار منسوب بہ خدائے شمس کے آثار پائے جاتے ہین یہان بھی بہت سی تختیان نکلین اور ہر تختی مٹی کے ایک سیک لفافہ نما ڈبہ مین بند تھی۔ اسمین سے بعض مثلث کی شکل کی تھین جنکے ہر گوشہ پر ایک سوراخ تھا جس سے پتہ چلتا تھا کہ بطور لیبل کے کسی چیز پر چسپڑی ہوئی تھین ایک تختی پر دو آدمیون کی شکلین بنی تھین جو آپس مین مشت زنی کر رہے تھے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ۴۰۰۰ سال پیشتر ہی اسکا رواج تھا۔ انھین ٹیلون مین بابل کے بہت قدیم اور مشہور شہر مرسم کے کھنڈرات بھی ہین۔

تلو کو زمانۂ بابل کا باپ کہنا چاہئے۔ کہا جاتا ہے یہ شہر شطرہ سے شمال و مشرق کیطرف ۹ میل اور شط الحی سے جنوب کی طرف ۳ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اسکے خصوصیات یہ ہین۔

یہان ایک خاص قسم کے پتھر کے بہت سے مجسمے تھے جو چند ہی سال کا عرصہ ہوا کہ برآمد ہوئے ہین یہان بابل کے ایک مقدس مکان کو کھود کر آبادیہ والون کا ایک محل تعمیر ہوا تھا یہان بہت سی ایسی اشیا برآمد ہوئین۔ جن کی قدامت ۲۷۵۰ سال قبل مسیح ہے۔ یہان ۳۰۰۰ کے قریب پختہ مٹی کی تختیان نکلین جو ایک لمبے سے طاق مین متعدد قطارون مین ڈھیر تھین۔

معلوم ہوتا ہے کہ کسی کلیسا کے ریکارڈ ہین۔ انہین تختون مین سے ایک پر ایک ڈنگی نام
بادشاہ کا حال درج تھا جسکا شاہ اور یا دنیا کے چارون حصون کا بادشاہ کہا جاتا تھا۔ کیا عجب ہے
کہ کسی ایسے ہی بادشاہ یا اُسکے مورخ سنے عراق کے طوفان کو کل روئے زمین کا طوفان
قرار دیا ہو

تل مغیر مین جو ناصریہ سے جانب جنوب و مغرب ۷ میل ہے اُور کی یادگارین ہین۔ یہان
کے خزانے تخمیناً ۲۰۰۰ (قبل مسیح) سے پیشتر کے ہین۔ ان کتبون مین سے جو یہان سے برآمد
ہورے ایک مین شاہ بابل بلشزار کا نام درج ہے۔

ابو شہرین مین بھی جسکا نام تاریخ قدیم مین اریدو (متبرک شہر) ہے اس قسم کے بہت سے
کتبے نکلے ہین۔ ۱۸۵۴ء مین ٹیلر صاحب کو اسی مقام پر ایک مندر کی بنیاد ملی تھی جو مردوق سے
باپ اسّی کے نام سے منسوب تہا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اب سے ۶۰۰۰ سال پیشتر ابو شہرین ایک
بندرگاہ تھا یہان کے ٹیلون مین کلدان کے ایک نہایت ہی قدیم شہر کا پتہ لگتا ہے۔ جنگ
کے زمانہ مین کپتان ٹامسن صاحب سنے ان ٹیلون کو کھدوایا تھا۔ اور ان کو اس مہم مین بہت
کامیابی ہوئی تھی۔ یہان پر چاک کے ذریعہ سے بنائے ہوئے ہلکے زرد رنگ کے مٹی کے برتن
برآمد ہوئے جو بعینہ اسی شکل کے تھے۔ جیسے سوسا کے خرابے مین سب سے نیچے کی تہ مین نکلے
تھے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تاریخ سے قبل کے زمانہ مین ان دونون شہرون کے باشندے
ایک ہی قسم کے تھے۔ اگر ان ٹیلون کو از سر نو کھودا جائے تو کیا عجب ہے کہ باغ عدن کا بھی
پتہ چل جائے۔

برٹش میوزیم کے ایما سے ۱۹۱۹ء مین اُریدو اور اُور کے خزانون مین باقاعدہ طور
پر کھدائی کا کام جاری تھا۔ اور اچھی خاصی کامیابی ہوئی اُور مین ایک مندر (۲۰۰۰ قبل
مسیح) کے احاطہ کی دیوار نکلی۔ یہ دیوار ۳۸ فیٹ چوڑی ہے۔ اور چوڑان مین بہت سی کوٹھریان
بنی ہین۔

اُور سے ۴ میل جانب مغرب مسٹر ہال نے ایک اور نہایت ہی قدیم جگہ کھود کر نکالی
جہان عہد شومری (۳۰۰۰ قبل مسیح) کے آثار قدیمہ برآمد ہوئے۔ منجملہ ان کے تانبے کے بنے

ہوئے شیرون کے سر تھے جنکی آنکھین سرخ پتھر کی تھین۔ زبان سیاہ پتھر کی اور دانت سنگ مرمر کے علاوہ ان کے کئی ستون بھی نکلے جنپر سیاہ اور سرخ پتھر سے مثلث اور مربع شکل کے خطا کھنچے تھے اور ان مین جا بجا سیپ کے ٹکڑے بڑے ہوئے تھے۔

اہل برطانیہ کو بابل کے آثار قدیمہ کی طرف توجہ دلانے کی ابتدا ایسٹ انڈیا کمپنی کی جانب سے ہوئی تھی چنانچہ کمپنی مذکور نے رزیڈنٹ متعینہ بصرہ کو حکم بھیجکر وہان کی اینٹون کے نمونے لندن مین منگوائے تھے۔ لیکن جس شخص نے کہ اول اول بابل اور نینوی مین تحقیقات کی بنیاد ڈالی وہ ایسٹ انڈیا کمپنی کا رزیڈنٹ متعینہ بغداد تھا جسنے ۱۸۲۱ء مین عارضہ ہیضہ شیراز مین انتقال کیا اسکے بعد دیگر مشاہیر مثلاً کرابوراٹر۔ فریزر۔ جیزلی۔ راولن سن۔ لے یرڈ۔ جارج اسمتھ۔ رسام اور کنگ وغیرہ انھین کے نقش قدم پر چلے۔

اہل جرمنی کی جانب سے تحقیقات کی ابتدا ۱۸۸۳ء مین بمقام سرغول اور الحبہ مین ہوئی جو تلو سے بالکل نزدیک ہین لیکن کالڈیوی نے بابل کے ویرانون کے کھودنے کی ابتدا ۱۸۹۹ء مین کی جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ بنوخذ نضر (۶۰۴ ق۔م) تعمیر کردہ شہر کا ایک بہت بڑا حصہ برامد ہوا ۱۸۸۸ء مین اہل امریکہ نفر آئے جہان اُنھون نے کھدائی کا کام نہایت جانفشانی سے شروع کیا اور اگرچہ درمیان مین اکثر کاوٹین پڑین لیکن پھر بھی بہت درجہ کامیاب رہے مگر جنگ چھڑتے ہی ان کا کام بالکل رُک گیا۔

پچھلی نصف صدی مین ترکی حکومت کی بدولت عراق کی وہ حالت ہوگئی کہ سائنسدانون کی تحقیق اور تفتیش کے کامون مین بیحد دشواریان پڑنے لگین چنانچہ اُن مقامات کو معائنہ کرنے سے جہان کھدائی کا کام جاری تھا پتہ چل سکتا ہے کہ ان بندگان خدا کو جن کی جان توڑ کوششون کی بدولت ہمارے معلومات کا خزانہ زمانۂ ماضی کے حالات کے سکون سے مالا مال ہوگیا ہے۔ اپنے حصول مقاصد مین کتنی مصیبتین جھیلنی پڑی ہونگی۔ جس وقت کہ بانئے صاحب خورس آباد کے ٹیلون کو کھدوا رہے تھے ان کو زر کثیر صرف کرکے لکڑی کی بلیان منگوانی پڑین تاکہ مدفون شہر کی دیوارون کو اُن کے سہارے سے کھڑا رکھا جائے۔ لیکن افسوس ہے کہ قرب و جوار کے قریون کے باشندے ایک ایک کرکے اُن لکڑیون کو چرا لیگئے جسکی وجہ سے دیوارین

مسمار ہوگئین۔ ترکی گورنمنٹ کا خیال تھا کہ باٹے صاحب سونا نکالنے کی فکر مین ہین۔ چنانچہ اُس نے وہان پر پہرہ لگا دیا اور جب سونا نہ نکلا تو باٹے صاحب کے آدمیون کو قید کر دیا۔ الغرض جب خزانہ برآمد کرنے کی اُمید بندھ آئی تو رفع خجالت کے لئے یہ تدبیر کی کہ کھدائی کے کام کو یکلخت بند کر دیا اور قسطنطنیہ کو اس قسم کی خبر بھیجی کہ باٹے صاحب ایک قلعہ بنانا چاہتے ہین تاکہ ملک کو بزورِ شمشیر فتح کر کے خود سلطان بن بیٹھین۔

اسی پر مصیبت کا خاتمہ نہین ہوا بلکہ بہت سے عجائب روزگار جو خرساآباد مین نکلے تھے مع ۶۰ عدد صندوقون کو جنمین اشور بنی پال کے محل واقع قیونجق سے برآمد شدہ چونے کی تصویرین تھین۔ دجلہ مین کشتی کے غرق کر دیئے جانے کی وجہ سے ضائع ہو گئے۔ علاوہ اسکے وہ سارا سامان جو آبرٹ صاحب نے بابل مین خود کھود کر نکالا تھا یا کہ اورون سے مول لیا تھا مع عہد نرم سین (۲۷۵۰ ق۔م) کی قیمتی سنگ مرمر کی چھوٹی سی کشتی کے قرنا دریا کے قریب بصرہ جاتے ہوئے غرقاب ہو گیا۔

اہل امریکہ کو مقام نفر مین بڑی بڑی مصیبتین جھیلنی پڑین۔ ایک مرتبہ تو عربون نے یہ غضب ڈھایا کہ ان کے کیمپ مین آگ لگا دی۔ جس سے نصف سے زیادہ گھوڑے جلکر مر گئے اور ایک ہزار ڈالر نقد عربون کے ہاتھ آئے۔ بدینوجہ کچھ عرصہ تک کھدائی کا کام ملتوی رہا۔ لیکن غنیمت یہ ہوا کہ برآمد شدہ اشیاء سب بچ گئین۔

اگر ملک عراق کی قدیم یادگارون کو محض سطحی نظرون سے دیکھا جائے تو بھی پتہ چل جائیگا کہ مورخین علمائے آثار قدیمہ۔ سیاحون اور مسافرون کے لیے قدیم اور دلچسپ اشیاء کا کتنا بڑا ذخیرہ یہان موجود ہے۔

سیّد اطہر حسین جعفری (مرزاپور)

نقش فریادی ہے کس کی شوخیٔ تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکر تصویر کا

غالب کے اِس مطلع سر دیوان کے سمجھنے مین باستثنائے حضرت بیخود دہلوی تمام شارحین نے غلطی کی ہے۔ مولانا نظم طباطبائی نے تو اسے بے معنی قرار دیدیا۔ فرماتے ہین کہ۔

ہستی مین مبدا حقیقی سے جدائی و غیریت ہو جاتی ہے اور اُس معشوق کی مفارقت ایسی شاق ہے کہ نقش تصویر تک اُسکا فریادی ہے۔

یہ لفظ تک صاف صاف بتا رہا ہے کہ نقش اور تصویر سے جن چیزون کی طرف اشارہ ہے مولانا کی نظر وہان تک نہین پہنچی

اور پھر تصویر کی ہستی کوئی ہستی نہین مگر فنا فی اللہ ہونے کی اُسے بھی آرزو ہے کہ اپنی ہستی سے نالان ہے. . . . . اس شعر مین جب تک کوئی ایسا لفظ نہو جس سے فنا فی اللہ ہونے کا شوق اور ہستی اعتباری سے نفرت ظاہر ہو۔ اُسوقت تک اُسے بامعنی نہین کہہ سکتے جان بوجھکر تو بے معنے کہتا نہین یہی ہوتا ہے کہ وزن و قافیہ کی تنگی سے بعض بعض ضروری لفظون کی گنجائش نہ ہوئی اور شاعر سمجھا کہ مطلب ادا ہو گیا تب جتنے معنی کہ شاعر کے ذہن مین رہ گئے۔ اُسی کو المعنیٰ فی بطن الشاعر کہنا چاہئے۔ اِس شعر مین مصنف کی غرض یہ تھی کہ نقش تصویر فریادی ہے ہستی بے اختیار و بے توقیر کا اور یہی سبب ہے کاغذی پیرہن ہونے کا۔ ہستی بے اعتبار کی گنجائش نہوسکی اس سبب سے کہ قافیہ مزاحم تھا اور مقصود تھا مطلع کہنا ہستی کے بدلے شوخی تحریر کہدیا اور اس سے کوئی قرینہ

ہستی کے حذف پر نہین پیدا ہوا آخر خود ان کے مفہوم پر لوگون نے کہا کہ شعر بے معنی ہے۔

کیا اچھا ہوتا اگر جناب نظم شوخی تحریر کو بے ربط ثابت کرنے کے عوض اسکا مفہوم سمجھنے مین کوشان ہوتے اور کاغذی پیرہن کو محض ایران کی قدیم رسم تک محدود نہ کرتے بلکہ غور فرماتے کہ غالب نے اس رسم اور اس فقرہ سے کیا فائدہ اٹھایا ہے۔ نقش کو تحریر سے تعلق ہے نہ کہ ہستی بے اعتبار سے۔ ہستی بے اعتبار کا مفہوم تو خود نقش مین مضمر ہے ایران کی رسم قدیم کی بنا پر مولانا موصوف اور دیگر شارحین کو بجز جناب بیخود دہلوی کے کاغذی پیرہن نے ایسا چکر مین ڈالا کہ اُسکے دوسرے مفہوم (یعنی کمزور اور جلد فنا ہونے والا) کی طرف کسی صاحب نے توجہ نہین کی۔ حالانکہ بودی چیز کی تشبیہہ کاغذ سے عام ہے۔ کمزور کپڑے کے متعلق کہتے ہین کہ یہ تو کاغذ کی طرح پھٹتا یا کڑکتا ہے۔ ایران مین ایسی رسم ہونے سے کہ فریادی کاغذی کپڑے پہنتے تھے مزید حسن پیدا ہوگیا اگر نفس شعر کسی تلمیح کا محتاج نہین کلام غالب کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ محض تناسب لفظی کی بنا پر اُسکے معانی سمجھنے مین اکثر مغالطہ ہوتا ہے اُسکے اشعار مین ایک عجیب معنوی ربط ہے جسے دقت پسند غالب نے طرح طرح کی ترکیبون سے چھپایا ہے کہین تعقید سے کہین مراعات النظیر سے کہین کسی اور صنعت سے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ظاہر بین نگاہین صنائع و بدائع کی بھول بھلیون مین پڑکر بھٹکتی پھرتی ہین۔ اور اصل مطلب سے دور ہوجاتی ہین۔ اُسکے کلام مین یہ عیب ہے یا حسن اسوقت بحث نہین مگر یہ ایک امر واقع ہے۔ جو عرض کیا گیا اور جسکی مثالین دیوان غالب مین بکثرت موجود ہین مطلع زیر بحث کے ما سوا دو شعر اور بطور مثال نقل کئے جاتے ہین۔

(الف) یک الف بیش نہین صیقل آئینہ ہنوز　　چاک کرتا ہون مین جب سے کہ گریبان سمجھا

(ب) دل خون شدہ کشمکش حسرت دیدار　　آئینہ بدست بت بدست حنا ہے

پہلے شعر کی نثر یہ ہوگی۔

مین جب سے کہ گریبان چاک کرتا ہون (یہ بات) سمجھا کہ یک الف بیش نہین صیقل آئینہ ہنوز سمجھا کا مفعول پورا پہلا مصرعہ ہے مگر چونکہ گریبان کے قریب واقع ہوا ہے سب حضرات نے گریبان اس کا مفعول سمجھکر مطلب بیان کرنے کی کوشش کی ہے اور ٹھوکرین کھائی ہین۔

"یعنی گریبان کو گریبان سمجھا" پہلے گریبان کو کیا سمجھا تھا اسکا کوئی جواب نہین۔
دوسرے شعر کی شرح یون ہوگی۔
حنا بدست بت بدست آئینہ ہے۔ (اس بات کا کہ) دل خون شدہ کشمکش حسرت دیدار (ہے) لوگون اپنی انتہائی ذکاوت سے آئینہ کو حنا قرار دیکر جو ناممکن ہے) وہ وہ توجیہین کی کی ہین کہ باید و شاید! حالانکہ آئینہ یہان بطور محاورہ استعمال ہوا ہے بمعنی عیان ہونا۔ جیسے اس جملے مین۔ میری حالت اسپر آئینہ ہوگئی۔
ان اشعار کی شرح بعد کو ہوگی یہان صرف یہ دکھانا مقصود ہے کہ غالب تعقید لفظی کو محاسن شاعری مین شمار کرتا تھا اور عمداً لاتا تھا۔ میرے قول کی شاہد اسکے ایک خط کی عبارت ہے جسکا ملاحضہ کرنا طول دل ہے۔ مگر اس شعر کا مطلب کسی نے دریافت کیا تھا۔
لیتا نہ اگر دل تمہین دیتا کوئی دم چین کرتا جو نہ مرتا کوئی دن آہ و فغان اور
انھون نے لکھہ بھیجا۔ اُسنے دوبارہ لکھا کہ حضرت اگر یہ مطلب تھا تو شعر اسطرح کیون نہین موزون کیا۔
دیتا نہ اگر دل تمہین، لیتا کوئی دم چین مرتا جو نہ کرتا کوئی دن آہ و فغان اور
غالب نے جواب مین لکھا کہ تعقید لفظی عربی مین عیب مگر فارسی مین حسن کلام ہے اُردو مین فارسی کا تتبع کیا جاتا ہے۔ لہذا ایسی تعقید نہ صرف جائز بلکہ مستحسن ہے۔
مولانا بیخود دہلوی نے بھی غالب کے مطلع سر دیوان کا وہی مطلب رکھا ہے جو خود غالب مرحوم نے بیان کیا تھا یعنی ہستی موجب ملال و آزار ہے مگر شارح موصوف نے ایک بلیغ و پر معنی جملہ اضافہ کر دیا" بسبب ناپائدار اور فانی ہونے کے" یہی جناب نظم کے اعتراض کا جواب ہے۔ مین اسی مطلب کو تھوڑی وضاحت کے ساتھ اور چند گوشے اضافہ کرکے بیان کرنے کی جرارت کرتا ہون۔
نقش کے معنی وہی ہین جو مولانا بیخود دہلوی نے لئے۔ یعنی موجودات عالم۔ مگر "شوخیٔ تحریر" کے مفہوم مین مجھے اختلاف ہے۔ میری ناقص راے مین اسکے معنی "قیام پذیر نہ ہونا" نہین ہین بلکہ یہ مرادف ہے "خوبیٔ تخلیق" کا۔ کاغذی پیرہن کا مطلب وہی ہے جو مولانا نے

ارشاد فرمایا یعنی ہر چیز بے ثبات و فنا پذیر ہے۔ لفظ پیرہن ایک فائدہ یہ بھی دیتا ہے کہ فنا بیت جسم تک محدود ہے جو ہر ہستی یا روح جسم کے ساتھ فنا نہین ہوتی بلکہ باقی رہتی ہے صرف مادی اجزا محکوم فنا ہین۔ مولانا تجوید نے شعر کا حاصل یہ لیا کہ نقوش ہستی اپنی ناپائداری و بے ثباتی پر فریادی ہین جو بالکل درست ہے مگر اسکے علاوہ مطلع مین کچھ اور خوبیان نظر آئین جو مجملاً گزارش کرتا ہون۔ یہ ملحوظ خاطر رہے کہ اچھے شعر کا پورا مطلب بیان کرنا دشوار ہے اسکا لطف جداگانہ ہوتا ہے

موجودات عالم مین ہر چیز بجائے خود ایک تصویر ہے۔ ہر شے مین حکمت و دانش وصناعی کے بہترین نمونے نظر آتے ہین۔ مگر جس طرح کاغذ دیرپا نہین ہوتا نقوش ہستی برابر مٹتے رہتے ہین۔ تصویر کا رنگ اوڑا کرتا ہے عقل انسان حیران ہے کہ اسقدر جلد مٹنے اور بگڑنے والی چیزون کی ساخت مین اتنا اہتمام کیون کیا گیا۔ اسقدر صنعت کیون صرف کی گئی گویا ہر شے زبان حال سے اپنے خالق سے فریاد کر رہی ہے کہ تو نے ہمکو تمام خوبیون سے آراستہ کیا مگر افسوس خلعت بقا عطا نہ ہوا۔

خواہش بقا ہر انسان کے دلمین مضمر ہے۔ شعر ہی مین اس آرزو کی تکمیل وحصول کی طرف بھی اشارہ ہے۔ یہ فنا نقش و نگار ہستی (پیکر تصویر) تک محدود ہے ان سطحی نقوش کی تہ مین جو قوتین پنہان ہین اور جن کے سبب سے تصویر مین دلکشی ہے انھین فنا نہین اور انہین مین صناع کی قدرت و حکمت کا راز مخفی ہے۔ یہ ظاہری فنا اسکے سوا کچھ نہین کہ صانع کے خیال کا ایک پرتو جسے اُس نے اپنی شوخی سے پیکر تصویر مین منتقل و مقید و متشکل کردیا اس کاغذی لفافہ کو چاک کر کے ایجلا کے اپنی اصل کی طرف پرواز مین کوشان ہے سنگانہ ہونے کی شکایت آرزوے بقا کی دلیل ہے۔ یہی فنا بقا کا پیش خیمہ ہے۔ مگر اللہ رے شوخی تحریر کہ اسی فنا کی شکایت ہے، وراسی ہستی فانی وعارضی مین کشش ہے جو نفس انسانی کا خاصہ ہے۔ انسان مجموعہ ہے اضداد کا شعر مین یہ تمام گوناگون خوبیان شوخی تحریر کے فقرے سے پیدا ہوئین جسے مولانا نظم طباطبائی نے عجز نظم فرض کر کے غالب کو اظہار خیال مین عاجز ہونے کا الزام دیا۔ مولانا نے غالب کو بھی ان شاعرون مین شمار کیا ہے جو ردیف و قافیہ کی بنا پر شعر موزون کیا کرتے ہین۔ جو فطری شاعر ہے وہ کبھی قافیہ پیمائی نہین کرتا۔

جذبۂ شاعری جوش مین آیا ایک خاص کیفیت طاری ہوئی۔ خیالات کا دریا موجزن ہوا ادائے مطلب کے واسطے الفاظ اُبلنے لگے اُسوقت جو کچھ موزون ہوگیا وہ ایک جوہر ایک روح ہے جس نے الفاظ کا لبوس اختیار کیا۔ زمانہ سمجھے یا نہ سمجھے، ایسے اشعار کی قدر ہو یا نہو مگر ایک وقت ایسا ضرور آتا ہے کہ لفظون کا پردہ سرک جاتا ہے اور ایک روح بے پیکر، عریان و مرتعش، بصد انداز رعنائی حیرت فروش ہوتی ہے اور اسکا ایک جلوۂ مستانہ انسان کو دنیا و مافیہا سے بے خبر کردیتا ہے۔

مطلع مکمل ہے اور ہر لفظ اپنی جگہ پر اپنے صحیح معنون مین صرف ہوا ہے۔ اسکو بے معنی کہنا اور الفاظ کو ادائے مطلب مین قاصر کہنا درست نہین۔ انتخاب الفاظ و خوبی تخیل تعریف سے مستغنی ہے۔

مین نے جو مطلب بیان کیا اُس پر شاید یہ اعتراض ہو کہ اولاً نقش سے مراد تمام موجودات عالم سے لے گئی مگر اُسکے بعد صرف انسان کو مسند الیہ قرار دیا۔ میرا جواب یہ ہے کہ انسان اشرف المخلوقات ہے۔ خلاصہ ہے تمام موجودات عالم کا۔ رموز فطرت مین غور و فکر کرنے والا بھی یہی ہے۔

صناعی کا یہی بہترین نمونہ ہے اور اسی سے بحث ہے۔ باقی غیر متعلق اور اسی کے مشاہدہ کے تابع ہین بلکہ اسی کے واسطے خلق ہوئے۔

تھا خواب مین خیال کو تجھسے معاملہ
جب آنکھ کھل گئی نہ زیان تھا نہ سود تھا

مولانا نظم فرماتے ہین کہ

زمانہ عیش اسطرح گزر گیا جیسے خواب دیکھا تھا نہ اب لطف وصل ہے نہ صدمۂ ہجر کا مزہ ہے یون سمجھو کہ مصنف نے گویا اس شعر کو یون کہا ہے "زمانۂ عیش نہ تھا بلکہ تھا خواب مین خیال کو الخ"

اس شعر کا وہی مطلب اچھا ہوگا جسمین لطف تعمیم قائم رہے اور ماننا پڑے کہ پورے تجربہ کے بعد یہ ثابت ہوا کہ زیان و سود کچھ نہین تھا۔ مولانا نظم نے یہ فرض کرکے کہ

شعر مین زمانۂ عیش کا تذکرہ ہے مطلب بیان فرمایا۔ مگر ہمین کوئی حق حاصل ہنین کہ اپنی طرف سے الفاظ اضافہ کرین۔ وہ بات اور ہے کہ شعر مین خلو ہو اور سیاق عبارت اُسکی طرف اشارہ کرے۔

دنیاؤ ہستی دنیا کو شاعرون اور فلسفیون نے خواب سے تعبیر کیا ہے کیونکہ یہان سب کچھ ہو رہا ہے اور پھر کچھ ہنین ہوتا۔ اُس پر طرہ یہ کہ آلۂ ورک خیال، جسکا موہوم ہونا مشہور و مسلم۔

تجھسے کا مخاطب خدائے عزوجل ہے۔ آنکھ کھل گئی سے یہ مطلب ہے کہ جب بیدار ہوئے۔ جب ہوش آیا یعنی غفلت کے پردے اُٹھ گئے۔ شاعر کہتا ہے کہ ہمنے تمام عمر رموز قدرت دریافت کرنے مین صرف کی مگر نتیجہ کچھ ہنین نکلا ہمارے علم و معرفت مین شمہ بھر ترقی ہنین ہوئی جسطرح ابتدا مین ناواقف تھے اب بھی ہین اور یہ احساس بھی کم ہوا جب گور کنارے آ لگے (عام عقیدہ ہے کہ ہنگام مرگ آنکھون سے حجاب اُٹھ جاتے ہین اور حقیقت آشکار ہوتی ہے)۔ اُسوقت یہ ثابت ہوا کہ ہماری عمر رائیگا ہوئی کیونکہ اُسکو سمجھنا چاہا جو فہم و ادراک سے بالاتر ہے پھر اس دنیائے خواب مین وہ بھی خیال کے وسیلہ سے! یہ فعل عبث لیکن مستحسن تھا کیونکہ راہ غلط سہی مگر تھی معبود حقیقی کی تلاش اِسطرح بھی زیان و سود سے بری رہے۔ علاوہ برین اعتراف عجز اقرار عبودیت سے کم ہنین خواجہ درد علیہ الرحمہ نے اسی مضمون کو یون ادا کیا ہے ؎

وائے نادانی کہ وقت مرگ یہ ثابت ہوا   خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا
لیتا ہون مکتب غم دل مین سبق ہنوز   لیکن یہی کہ رفت گیا اور بود تھا

اسکے متعلق مولانا نظم فرماتے ہین کہ

غم وہ کیفیت انسانی ہے جو مطلب کے فوت ہونے سے پیدا ہو۔ مطلب یہ ہے کہ مکتب غم مین میرا سبق یہ ہے کہ رفت گیا اور بود تھا یعنی زمانۂ عیش کبھی تھا اور اب جاتا رہا۔

مولانا نے لفظ دل سے کوئی واسطہ ہنین رکھا۔ علاوہ برین مکتب تعلیم کی جگہ ہے ماتم کدہ

نہین جہان عیش گزشتہ پر افسوس کیا جاسے مکتب غم دلکو مدنظر رکھتے ہوے جو مطلب
چسپان ہو وہی حقیقت سے قریب ہو گا۔

غم کا لفظ شاعری مین بکثرت عشق کے معنون مین آیا ہے۔ اس سے شاید ہی کوئی
صاحب انکار کرین لہذا دل مکتب ہوا جسمین غم (عشق کی تعلیم دیجاتی ہے۔ دل اور عشق مین
جو ربط ہے ظاہر ہے حاصل یہ ہوا کہ مدت سے درس عشق لیتا ہون مگر ابھی تک میری حالت
ایک مبتدی ایک طفل دبستان سے زیادہ نہین جو برابر رٹا کرتا ہے کہ رفت گیا اور بود تھا
صیغۂ ماضی انتہائی مشغولیت و انہاک کا فائدہ دیتا ہے۔ یعنی حال و مستقبل کا ہوش نہین شعر
مین عشق کی دشواریان دکھائی ہین اور یہ ثابت کیا ہے کہ اسکی تھاہ نہین۔

اسی مطلب کو دوسرے شعر مین اس انداز سے بیان کیا ہے۔

یک الف بیش نہین صیقل آئینہ ہنوز چاک کرتا ہون مین جب سے کہ گریبان سمجھا

آئینہ سے دل مراد ہے۔ صیقل اسکی جلا اور صفائی ہے آلۂ صیقل عشق گریبان کا چاک
کرنا علامت جنون ہے۔ عشق کا وہ انتہائی درجہ جب اپنی ذات سے بیگانگی ہو جاے
ایک مدت سے عشق عشق کرتا ہون اور اُس انتہائی درجہ تک پہنچگیا ہون جسے دیوانگی عشق کا
یا بیخودی شوق سے کہتے ہین۔ ان مدارج کو طے کرنے کے بعد اب اسقدر احساس ہوا کہ میرے
دلکی صفائی مین میری معرفت مین یک الف (قلیل) بیشی نہین ہوئی۔ لفظی تناسب ظاہر ہے۔
الف صیقل گرون کی اصطلاح ہے۔ چاک گریبان کو بھی الف سے تشبیہہ دیتے ہین وغیرہ وغیرہ
شعر کی ترکیب پہلے بیان کی جا چکی ہے۔

مولانا نظم نے شعر کی یہ شرح لکھی ہے۔

یعنی جب سے مین گریبان کو گریبان سمجھا جب سے اُسے چاک کیا کرتا ہون۔
حاصل یہ ہے کہ جب سے مجھے اتنا شعور ہوا کہ تعلقات دنیا مانع صفاے نفس ہین
جب ہی سے مین نے ترک دنیا کیا لیکن اسپر بھی آئینہ دل صاف نہین ہو دیس
ظاہر مین جو آزادون کے سینہ پر ایک الف کھنچا ہوا ہوتا ہے وہ تو ہے صفاے
باطن کچھ نہین حاصل ہوئی اور گریبان تعلقات دنیا سے استعارہ ہے اسوجہ سے

یہ دونوں انسان کے گلو گیر ہیں۔ سینہ پر الف کھینچنا آزادوں کا طریقہ ہے اور یہ مضمون فارسی والے کہا کرتے ہیں اور (بیش نہیں) بیان حسرت کے لیے ہے مگر اردو کی نحو اسکی متحمل نہیں یہ فارسی کا ترجمہ ہے۔

جیسا پہلے لکھا جا چکا ہے "جیب سے گریبان کو گریبان سمجھا" ایک مہمل جملہ ہے۔ میں نے جو معنی بیان کئے الفاظ اور رنگ تغزل کے مناسب ہیں بخلاف حضرت طباطبائی کی شرح کے۔ گریبان کا تعلقات دنیا سے استعارہ بعید ہے۔ گریبان چاک کرنا علامت جنون مسلم اور عام فہم ہے جب اس سے مطلب نکل آتا ہے تو بال کی کھال کیوں کھینچی جائے خود غالب نے اپنے ایک خط میں گریبان چاک کرنے سے یہی مطلب لیا ہے۔ شعر کا حاصل بھی قریب قریب وہی بیان کیا ہے جو میں نے لکھا۔

دل خون شدۂ کشمکش حسرت دیدار آئینہ بدست بُت بدمست، حنا ہے

اسکی نثر پہلے کیجا چکی ہے۔ سہولت کے لیے مکرر درج کرتا ہوں۔

حنا بدست بت بدمست آئینہ ہے (اس امر کا کہ) میرا دل خون شدۂ کشمکش حسرت دیدار ہے

مولانا نظم اسکی شرح یوں فرماتے ہیں۔

آئینۂ دل مہندی بنگیا ہے یعنی حسرت دیدار نے اُسے پیس ڈالا اور اُسکے جگر کو لہو کر دیا۔ دلکو آئینہ بنا کر پھر اُسے حنا بنا دینا بہت ہی تصنع ہے اور بے لطف۔

غالب نے آئینہ کے مجازی معنی لئے ہیں۔ عیاں ہونا ظاہر ہونا کہ وہ آئینہ جس میں صورت دیکھی جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ آئینہ اور حنا میں کوئی وجہ شبہہ نہیں۔ غالب نے آئینہ کو حنا نہیں بنایا یہ مولانا کا تصرف ہے وہ کہتا ہے کہ معشوق نشۂ حسن سے ایسا مست و بیخبر ہے کہ اُسپر میرے دلکی حالت آئینہ نہیں ہوتی حالانکہ اُسکے ہاتھوں کی حنا میرے دل کے حسرت دیدار میں خون ہونے کی مکمل تصویر ہے۔ اُدھر حنا پستی ہے اِدھر میرا دل پستا ہے۔ اُدھر ہاتھوں میں حنا ملی جاتی یا باندھی جاتی ہے اِدھر کوئی میرے دلکو مسلتا یا سوستا ہے اُدھر مہندی رچی اِدھر میرا دل خون ہوا حنا نے یہ مصائب اسلئے اُٹھائے کہ اُسکے ہاتھوں تک پہنچ جائے وہ کامیاب ہوئی میرا دل حسرت دیدار میں خون ہوا مگر میں ایک نظر دیکھنے سے محروم ہوں دیکھنا کیسا اُس مغرور کو میرے حال کی خبر بھی نہیں۔

"بالمیک"

یزید کا دربار معاویہ پابہ زنجیر بیٹھا ہوا ہے چار غلام شمشیر برہنہ اسکے چار جانب کھڑے ہین۔ یزید کے تخت کے قریب سرجون رومی بیٹھا ہوا ہے

معاویہ (دل مین) نبی کی آل پر یہ ظلم! ابھی سے تو اسکا بدلا لیا جائے گا! باپ کا قرض بیٹے ہی کو ادا کرنا پڑتا ہے! اگر میرے خون سے اس ظلم کا داغ نہ مٹے گا ہرگز نہین اس خاندان کا نشان مٹ جائے گا۔ کوئی فاتحہ پڑھنے والا بھی نہ رہے گا۔ آہ! نبی کی آل اور یہ ظلم! جن کے قدمون کی خاک آنکھون مین لگانی چاہیے تھی! تباہی کے سامان ہین اے رسول پاک مین بیگناہ ہون (ظاہر) آپ جانتے ہین مولانا رومی کہ والد کا مجھے کب تک انتظار کرنا پڑے گا۔

رومی۔ آتے ہی ہونگے۔ زیاد سے کچھ باتین ہو رہی ہین۔

معاویہ۔ والد مجھے چاہتے ہین کہ مین اس معرکہ مین شریک ہو جاؤن۔ لیکن اگر ظالمون کے ہاتھ سے انتقام لینے کے لیے یہ پہلو اختیار کیا جاتا تو سب سے پہلے میری تلوار نیام سے نکلتی سب سے پہلے مین ہی کا جھنڈا اُٹھاتا۔ مگر حق کا خون کرنے کے لیے میری تلوار کبھی باہر نہ نکلے گی اور میری زبان اسوقت تک ملامت کرتی رہیگی جبتک وہ تالو سے کھینچ نہ لی جائے۔ رسول کی مسند پر جسنے دنیا کو ہدایت کا چراغ دکھایا جسنے نور ایمان سے قلوب کو منور کیا اس شخص کو بیٹھنے کا حق نہین ہے جو دین کو پیرون تلے کچلتا ہو۔ جو انسانیت کے نام کو داغ لگاتا ہو۔ چاہے وہ میرا باپ ہی کیون نہ ہو۔ اسلام کا

---

[۱] سلسلہ کے لیے دیکھو زمانہ اکتوبر سنہ ۲۶ء

خلیفہ ہونا چاہیئے جس پر انسانیت کو فخر ہو، جو دیندار ہو۔ حق پرست ہو۔ بیدار ہو۔ بے لوث ہو دوسرون کے لیے نمونہ ہو۔ جو طاقت سے نہین۔ فوج سے نہین۔ اپنے کمال ہی اپنے صفات سے دوسرون پر اپنا وقار جمائے۔

(یزید ضحاک۔ زیاد۔ شریک۔ شمس وغیرہ آتے ہین)

یزید۔ آپ لوگ دیکھئے یہ میرا لائق بیٹا ہے جو اپنے باپ کو کتے سے بھی زیادہ ناپاک سمجھتا ہے۔ میری پھولون کی سیج مین یہی ایک کانٹا ہے۔ میرے نعمتون کے خوان پر یہی ایک مکھی ہے۔ آپ لوگ اسے سمجھائین۔ اسے قائل کرین۔ اسیلئے مین نے اسے یہان بلایا ہے۔ اس کو سمجھائیے کہ خلیفہ کے لیے دینداری سے زیادہ ملک داری کی زیادہ ضرورت ہے۔ دین ملاؤن کے لیے ہے بادشاہون کے لیے نہین۔ دینداری و ملک داری دو الگ الگ چیزین ہین۔ اور ایک ہی ذات مین دونون ممکن نہین۔

معاویہ۔ اگر حکومت کرنے کے لیے دین اور حق کا خون کرنا ضروری ہے تو مین گداگری کو اس سے بہتر سمجھتا ہون۔ ملک داری کا منشا انصاف اور صداقت کی حفاظت کرنا ہے اسکا خون کرنا نہین۔

یزید۔ آپ لوگ سنتے ہین اسکی باتین یہ مجھے ملک داری کا سبق سکھا رہا ہے۔ اس کے سر سے ابھی سودا نہین گیا۔ اسے پھر وہین لیجاؤ۔ ایسے آدمی کو آزاد رکھنا خطرناک ہے۔ خواہ وہ تخت کا وارث ہی کیون نہ ہو۔ بعض حالتین ایسی ہوتی ہین کہ جب انسان کو اپنے ہی سے بچانا ضروری ہوتا ہے۔ دیوانہ کو نہ روکو تو وہ اپنا گوشت نوچ ڈالتا ہے (غلام معاویہ کو لیجاتا ہی) زیاد اب تم اپنی داستان کہو۔ جب تک تم مجھے اسکا یقین نہ دلا دو گے کہ تم کو فہ سے اپنی جان کے خوف سے نہین میرے فائدے کے خیال سے آئے ہو مین تمہین معاف نہ کرونگا ایسے نازک موقع پر جب شہر مین بغاوت کا ہنگامہ گرم ہو۔ سلطنت کے ہر ایک ملازم کا خواہ وہ صوبہ کا عامل ہو یا شاہی محل کا دربان یہی فرض ہے کہ وہ اپنی جگہ پر آخر تک کھڑا رہے۔ خواہ اسکا جسم تیرون سے چھلنی کیون نہ ہو جائے۔

زیاد۔ اے خلیفہ مین اپنے فرض سے واقف ہون۔ لیکن مین صرف یہ عرض کرنے کے

لیے حاضر ہوا ہون کہ اس وقت رعایا پر سختی کرنے سے حالت اور بھی نازک ہو جائے گی۔ جب سلطنت کو کسی دوسرے مدعی کا خوف ہو تو بادشاہ کو رعایا کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کر کے انھین اپنا دوست بنا لینا مناسب ہے۔ باغی رعایا تنکے کی طرح ہے جو ایک چنگاری سے جل اٹھتی ہے۔ میری عرض ہے کہ ہمین اسوقت رعایا کا دل اپنے ہاتھ مین کر لینا چاہیئے انکی گردنین احسان سے دبا دینی چاہیئین تاکہ وہ سر نہ اٹھا سکین۔

یزید۔ میری فوج باغیون کا سر کچلنے کے لیے کافی ہے۔

رومی۔ نازک موقع پر اگر کوئی چیز سلطنت کو بچا سکتی ہے تو یہ سختی ہے۔ شاید اور کسی حالت مین سختی کی اتنی زیادہ ضرورت نہین ہوتی۔

ضحاک۔ بادشاہ کی رعایا اسکی زوجہ کی طرح ہے۔ زوجہ پر ہم نثار ہوتے ہین اسکے تلوے سہلاتے ہین۔ اسکی بلائین لیتے ہین۔ لیکن جب اسے کسی رقیب سے مخاطب ہوتے دیکھتے ہین تو اس وقت اسکی بلائین نہین لیتے ہماری تلوار نیام سے نکل آتی ہے اور یا تو رقیب کی گردن پر گرتی ہے یا بیوی کی گردن پر یا دونون کی گردنون پر۔

رومی۔ بیشک کوفہ کو کچل دو۔ کوفہ کو فتنہ کر دو۔

یزید۔ کوفہ کو کوفت مین ڈال دو۔ یہان سے جاتے ہی جاتے فوجی قانون جاری کر دو ایکہزار آدمیون کو تیار رکھو جو آدمی ذرا بھی گرم ہوا سے فوراً قتل کر دو۔ سردارون کو یکبارگی گرفتار کر لو۔ فوج کو روزانہ شہر مین گشت کرنے کا حکم دو سب کی زبان بند کر دو۔ یہانتک کہ کوئی شاعر شعر نہ پڑھنے پائے۔ مسجدون مین خطبے نہ ہونے پائین۔ مکتبون مین کوئی لڑکا نہ جانے پائے۔ رئیسون کو خوب ذلیل کرو۔ ذلت سب سے بڑی سزا ہے۔

(ایک قاصد آتا ہے)

شمس۔ کہان سے آتے ہو؟

قاصد۔ خلیفہ پر میرا سلام ہو۔ مجھے مکہ کے امیر نے آپ کی خدمت مین یہ عرض کرنے کے لیے بھیجا ہے کہ حسینؑ کے چچازاد بھائی مسلم کوفہ کی طرف روانہ ہو گئے ہین۔

یزید۔ کوئی خط بھی لایا ہے؟

قاصد۔ عامل نے خط اسلئے نہین دیا کہ کہین مین دشمنون کے ہاتھ گرفتار نہ ہو جاؤن۔

یزید۔ زیاد تم اسی وقت کوفہ چلے جاؤ۔ تمھین میرے سب سے تیز گھوڑے کو لیجانے کا اختیار ہے۔ اگر میرا قابو ہوتا تو تمھین ہوا کے گھوڑے پر سوار کرتا۔

زیاد۔ خلیفہ پر میری جان نثار ہو مجھے اس مہم پر جانے سے معاف رکھئے ضحاک یا شمس کو تعینات فرمائین۔

یزید۔ اسکے معنی یہ ہین کہ مین اپنی ایک آنکھ پھوڑ لون۔

رومی۔ آخر تم کیا چاہتے ہو۔

زیاد۔ میرا سوال صرف یہ ہے کہ اس موقع پر رعایا کے ساتھ ملائمت کا برتاؤ کیا جائے سردارون کو جاگیرین دیجائین۔ ان کے وظیفے بڑھائے جائین۔ یتیمون اور بیواؤن کی پرورش کا انتظام کیا جائے۔ مین نے کوفہ والون کی خصلت کا غور سے مطالعہ کیا ہے۔ وہ حیادار نہین ہین۔ چند خاص آدمیون کو چھوڑ کر سب کے سب طماع اور خود غرض ہین بات پر قائم رہنے کا ان کا شعار نہین۔ شان کا قائم رکھنا ان کی خو نہین قلیل نفع کی غرض سے بھائی بھائی کے خون پر تیار ہو جاتا ہے۔ کتون کے دور کرنے کے لیے لاٹھی سے زیادہ مفید ہڈی کا ایک ٹکڑا ہوتا ہے۔ سب کے سب اس پر ٹوٹ پڑتے ہین۔ اور ایک دوسرے کو بھنبھوڑ کھاتے ہین۔ خلیفہ کا خزانہ دس بیس ہزار دینارون کے نکل جانے سے خالی نہ ہو جائے گا۔ مگر ایک قوم ہمارے ہاتھ آجائے گی۔ سختی کمزورون کے حق مین وہی کام کرتی ہے جو بل تنکون کے ساتھ۔ ہم ان بکون کے بدلے ہوا کے ایک جھونکے سے تنکون کو بکھیر سکتے ہین فوج سے فوج پامال کی جا سکتی ہے ایک قوم نہین۔

رومی۔ مین تو ہمیشہ سختی کا حامی رہا اور رہونگا۔

شریک۔ کامل وہ حکیم ہے جو مریض کے مزاج کے مطابق دوائین تبدیل کرتا رہے آپ نے اُس حکیم کا قصہ نہین سنا جو ہمیشہ فصد کھولنے کی تجویز کیا کرتا تھا ایک بار ایک دیوانہ کی فصد کھولنے گیا۔ دیوانہ نے حکیم کی گردن اس زور سے دبائی کہ حکیم صاحب کی زبان باہر نکل آئی۔ ملک الموت

کے آئین موقع اور ضرورت کے مطابق بدلتے رہتے ہین۔

یزید ۔ زیاد مین اس معاملہ مین تمہین مختار بناتا ہون ۔ مجھے بھی کچھ کچھ اندیشہ ہو رہا ہے کہ کہین حسینؑ کے وعدے کوفہ والون کو فریفتہ نہ کرلین تم جو مناسب سمجھو کرو۔ لیکن یاد رکھو کہ اگر کوفہ گیا تو تمہاری جان اسکے ساتھ جائے گی۔ یہ شرط منظور ہے

زیاد ۔ منظور ہے۔

یزید ۔ حُر کو تاکید کردو کہ بہت نہ بڑھے اور مسلم کو اس طرح تلاش کرے جیسے کوئی بخیل اپنی کھوئی ہوئی مرغی تلاش کرتا ہے ۔ تمہاری نرمی کمزوری کی نرمی نہین ہونی چاہیے جسے خوشامد کہتے ہین اسمین حکومت کی شان قائم رہنی چاہیے۔ بس جاؤ۔

(زیاد ۔ شریک اور قاصد چلے جاتے ہین)

ضحاک ۔ نرگس کو بلاؤ ذرا غم غلط کرے (غلام کے ہاتھ سے شراب کا پیالہ لیکر) یہ میری فتح کا جام ہے۔

رومی ۔ مبارک ہو (دل مین) زیاد تمہین ڈبا دیگا تب نرمی کا مزا معلوم ہوگا ۔

(نرگس ضحاک کی پیٹھ پر بیٹھی ہوئی آتی ہے)

یزید ۔ شاباش نرگس، شاباش کیا خوب خچر ہے اسکی کوئی تشبیہہ دینا شمس ۔

شمس ۔ مرغ کے سر پر تاج ہے ۔

رومی ۔ لید پر مکھی بیٹھی ہوئی ہے ۔

نرگس ۔ (گردن سے کود کر) لاحول ولا قوۃ ۔

یزید ۔ واللہ اس تشبیہہ سے دل خوش ہوگیا ۔ نرگس بس اسی بات پر ایک مستانہ غزل سناؤ ۔ خدا تمہارے دیوانون کو تم پر نثار کرے ۔

(نرگس گاتی ہے) (پردہ گرتا ہے)

چھٹا سین

شام کا وقت ہے آفتاب غروب ہو چکا ہے، کوفہ کے کئی ساربان اونٹون کا گلہ لیے

(داخل ہو رہے ہین)

پہلا - یار گلیون سے چلنا نہین تو کسی سپاہی کی نظر پڑ جائے گی تو مہینون بیگار جھیلنی ہوگی۔

دوسرا - ہان ہان سب بلا کے موذی ہین کچھ لادنے کو نہین ہوتا تو یونہی بیٹھ جاتی ہین۔ اور دس بیس کوس کا چکّر لگا کر لوٹ آتے ہین۔ ایسا اندھیر پہلے کبھی نہ ہوتا تھا مزدوری تو بہا ڑ مین گئی اوپر سے لات اور گالیان کھاؤ

تیسرا - یہ سب پیسہ کمانے کے ہتھکنڈے ہین نہ معلوم کہان کے کتے آکر سپاہیون مین داخل ہو گئے ہین۔ چھوٹے بڑے سب کے سب ایک ہی رنگ مین رنگے ہین۔

چوتھا - امیر کے پاس فریاد لیکر جاؤ تو الٹے اور بوچھار پڑتی ہے۔ عجیب مصیبت کا سامنا ہے حضرت امام حسینؑ جب تک نہ آئین گے ہمارے سر سے یہ بلا نہ جائے گی۔

(حضرت مسلم پیچھے سے آتے ہین)

مسلم - کیون دوستو اس شہر مین کوئی خدا کا بندہ ایسا ہے جس کے یہان مسافرون کے ٹھیرنے کو جگہ مل جائے؟

پہلا - یہان کے رئیسون کی کچھ نہ پوچھو کہنے کو دو چار بڑے آدمی ہین مگر کسی کے یہان پوری مزدوری نہین ملتی۔ ہان ذرا گالیان کم دیتے ہین۔

مسلم - سارے شہر مین ایک بھی سچّا مسلمان نہین ہے؟

دوسرا - جناب یہان کوئی شہر کے قاضی تو ہین نہین۔ ہان مختار کی نسبت سنتے ہین۔ کہ بڑے دیندار آدمی ہین۔ حیثیت تو ایسی نہین مگر خدا نے ہمت دی ہے۔ کوئی غریب چلا جائے تو بھوکا نہ لوٹے گا۔

تیسرا - سنا ہے ان کی جاگیر ضبط کر لی گئی ہے۔

مسلم - یہ کیون؟

تیسرا - اسی وجہ سے کہ اب تک انھون نے یزید کی بیعت نہین کی۔

مسلم - تم مین سے مجھے کوئی ان کے گھر تک پہنچا سکتا ہے؟

چوتھا - جناب یہ اٹھنون کے دوسرے کا وقت ہے ہین فرصت نہین سیدھے چلے جایئے

آگے لال مسجد ہے وہی ان کا مکان ہے۔

مسلم۔ خدا تم پر رحمت نازل فرمائے۔ اب چلا جاؤن گا۔

(پردہ بدلتا ہے مسجد کے قریب مختار کا مکان)

مسلم۔ (ایک بڈھے سے) یہی مختار کا مکان ہے نہ؟

بڈھا۔ جی ہان غریب ہی کا نام مختار ہے۔ آپ کہان سے تشریف لائے ہین۔

مسلم۔ مکہ شریف سے۔

مختار (مسلم کے گلے ملکر) معاف فرمائیے گا ضعیف کی بینائی شرابیون کی توبہ کی طرح کمزور ہوتی ہے۔ آج بڑا مبارک دن ہے۔ بارے حضرت نے ہماری فریاد سن لی۔ خیریت سے ہین نہ۔

مسلم۔ (خط نکالکر مختار کو دیتے ہین) اسمین انھون نے سب کچھ لکھدیا ہے۔

مختار۔ (خط کو چھاتی اور آنکھون سے لگاکر پڑھتے ہین) خوشا نصیب کہ حضرت کے قدمون سے یہ شہر پاک ہوگا۔ میری بیعت حاضر ہے اور میرے دوستون کی طرف سے بھی کوئی اندیشہ نہین۔ (غلام کو بلاتا ہے)

غلام۔ جناب نے کیا یاد فرمایا۔

مختار۔ دیکھو اسی وقت حارث۔ حجاج۔ سلیمان۔ شمر۔ قیس۔ شبث اور ہانی کے مکان پر جاؤ اور میرا یہ رقعہ دکھاکر جواب لاؤ۔

(غلام رقعہ لیکر چلا جاتا ہے)

پہلے مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضرت کا کوئی قاصد آئے گا تو مین شاید دیوانہ ہوجاؤن گا۔ مگر اس وقت آپ کو سامنے دیکھکر بھی خاموش بیٹھا ہوا ہون۔ کسی شاعر نے سچ کہا ہے ؎

جو مزا انتظار مین دیکھا ❊ نہ کبھی وصل یار مین دیکھا

جنت کا خیال کتنا دلفریب ہے مگر شاید اسمین داخل ہونے پر اتنی خوشی نہ رہے۔ آیئے نماز ادا کرلین اسکے بعد کچھ آرام فرما لیجئے پھر دم مارنے کی فرصت نہ ملے گی۔

(دونون مکان کے اندر چلے جاتے ہین پردہ بدلتا ہے مسلم اور مختار بیٹھے ہوئے ہین)

سلم۔ کتنے آدمی بیعت کے لیے تیار ہین ؟

ثار۔ دیکھیے سب ابھی آجاتے ہین۔ اگر یزید کی جانب سے ظلم اور سختیان اسی طرح رتی رہین تو ہمارے مددگارون کی تعداد روزانہ بڑھتی جائے گی۔ لیکن کہین اس نے دہ بی شروع کردی تو ہمین اتنی آسانی سے کامیابی نہ ہوگی۔

(سلیمان کا آنا)

سلیمان۔ السلام علیک حضرت سلم۔ آپ کے دیدار سے آنکھین روشن ہوگئین میرے بیاہ کے ایک سو آدمی جناب کے ہاتھ پر بیعت لینے کو حاضر ہین اوران مین ایک بشر بھی ایسا نہین جو بات پر مر مٹنے والا نہ ہو۔

سلم۔ آپ کو خدا نجات دے اُن آدمیون سے فرمایئے کل جامع مسجد مین جمع ہون آپ کا خط پڑھکر بھائی صاحب بیقرار ہوگئے انھون نے تو فیصلہ کر لیا تھا کہ مزار رسول کی خاکروبی کرکے زندگی صرف کردین پر آپ کے آخری خط نے ان کے خیالات مین ہیجان پیدا کردیا۔ سائل کی حمایت سے وہ ہرگز منھ نہین موڑ سکتے۔

(شیث، قیس، شمر، سعد، اور حجاج کا آنا)

شیث۔ السلام علیک حضرت سلم۔ آپ کے دیدار سے جگر ٹھنڈا ہو گیا۔

قیس۔ السلام علیک۔ آپ کے قدمون سے ہمارے خانہ ہائے ویران آباد ہو گئے۔

حجاج۔ السلام علیک۔ جناب کی تشریف آوری ہمارے تنِ بیجان کے لیے مسیحا کا کام کر گئی۔

مسلم۔ (سب سے گلے ملکر) حضرت امام نے مجھے یہ خط دیکر آپ اصحاب کی خدمت مین روانہ کیا ہے۔

(شمر خط لیکر بآواز بلند پڑھتا ہے اور سب لوگ سر جھکائے ہوئے سنتے ہین)

شیث۔ ہمارے زہے نصیب۔ مین تو دسترخوان پر تھا حضور کے آنے کی خبر پاتے ہی شرف زیارت کے لیے دوڑا آیا۔

حجاج۔ مین تو ابھی بصرہ سے لوٹا ہون۔ دم بھی نہ مارنے پایا تھا کہ جناب کے تشریف لانے کی

خبر پائی ہے ہر قبیلہ کے صدہا آدمی شرف بیعت کے لیے باہر کھڑے ہین۔

مسلم۔ ان لوگون کو کل جامع مسجد مین طلب فرمایئے۔

شمر۔ وہ کونسا دن ہوگا کہ ملعون یزید کے ظلم سے ہمین نجات ہوگی۔

شبیث۔ آن حضرت نے ہم مظلومون کی فریاد کسن لی ہماری عین خوش نصیبی،

قیس۔ ہماری قسمت کے ستارے اب روشن ہونگے۔ میری دلی تمنا ہے کہ زیاد کا سر اپنے پیرون کے نیچے دیکھون۔

(ہانی۔ اشعث کا آنا)

ہانی۔ " یا برادر حسین آپ کے اوپر خدا کی رحمت ہو "

کثیر۔ ہم تو حضور کے لیے چشم براہ تھے۔

مسلم۔ بھائی صاحب نے مجھے یہ خط دیکر آپ حضرات کی خدمت مین روانہ کیا ہے۔

ہانی خط لیکر آنکھون سے لگاتا ہے اور آنکھون پر عینک لگا کر پڑھتا ہے۔

شمر۔ اب زیاد کی خبر لونگا۔

کثیر۔ مین تو یزید کی آنکھون پر مرچ ڈالکر اُسکا تڑپنا دیکھون گا۔

مسلم۔ آپ لوگ بھی کل اپنے قبیلہ والون کو جامع مسجد مین طلب فرمائین۔ کل تین چار ہزار آدمی تو جمع ہو جائینگے "

شبیث۔ خدا جھوٹ نہ بلوائے تو اسکے دس گنے آدمی جمع ہو جائین گے۔

ہانی۔ آل رسول کی شان ہی اور ہے۔ وہ حسن، وہ اخلاق، وہ شرافت اور کہین نظر ہی نہین آتی۔

قیس۔ یزید کو دیکھو خاصا آبنوس کا کندا معلوم ہوتا ہے۔

مسلم۔ آپ لوگ اپنے اپنے قبیلون کو تیار رکھین تاکہ جو لوگ اسوقت یہان نہون وہ بھی آجائین۔

(سب لوگ رخصت ہوتے ہین)

مسلم (دل مین) یہ بھی حضرات کوفے کے نامی سردار ہین ہماری فتح یقینی ہے بیس ہزار آدمیون کی بیعت ملگئی تو پھر حضرت حسین کو مسند خلافت پر جلوہ افروز ہونے سے کون روک سکتا ہے۔

پریم چند

بھری

(۱)

خدا بھلا کرے للّو جی کی ماں کا جن کے دم سے سب طرح کا آرام ملتا ہے۔ ورنہ ڈاکخانہ کی نوکری جہاں سات آٹھ گھنٹہ کی حاضری اور کبھی دفتر کی دیر نہ ہو۔ یہ معجزہ نہیں تو اور کیا ہے۔ کل کام خانہ داری کا ہمیشہ خودبخود وقت پر ہو جاتا۔ ہماری گاڑی کبھی "لیٹ" ہوتی ہی نہین گھر بھر کی چولین گھڑی کے پرزون کی طرح ہمیشہ اپنی اپنی جگہ پر درست رہتی ہین۔ یہ سب للّو جی کی ماں کی کرامتین ہین۔ مجھے اگر کسی تعطیل مین دفتر جانا ہو تو رو دون مگر وہ بیچاری ہین کہ ان کو نہ توار سے مطلب ہے اور نہ بڑے دن سے کام ہے کہ روز افزون ہوا جاتا ہے۔ میرا مزاج تنخواہ کے ساتھ بڑھتا جاتا ہے۔ مگر وہ اُف نہین کرتین۔ گھر مین خدا کے فضل سے چار بچے ہین انھین کے کام سے ایک عورت کو فرصت ملنا دشوار ہے۔ پھر معلوم نہین کہ کسطرح وہ اور کامون کے لیے وقت نکال لیتی ہین۔ میرے ذاتی آسایش کے سب کام وہ خود ہی کرتی ہین۔ جاڑے مین صبح سے گرم پانی موجود حجامت کا سامان اپنی جگہ پر تیار۔ پوجا کے برتن صاف۔ جوتے مین پالش غرض کہین سے کوئی گنجایش حرف رکھنے کی نہ ملتی۔ اس پر لطف یہ کہ ان سب باتون مین کچھ صرف نہین ہوتا۔ ایک وقت تھا کہ مجھے بیس روپیہ ماہوار ملتے تھے۔ اُن وقت دیسی جوتا اور معمولی چارخانہ کے کوٹ پر گذر ہوتی تھی اب پرماتما کی کرپا سے سو روپیے ماہوار ملتے ہین۔ تو پالش دار جوتا اور ریشمی کوٹ سے کم نہ چاہیئے۔ وہ بیچاری ہین کہ جسطرح پیشتر رہتی تھین اُسی طرح آج بھی گزر کرتی ہین۔ صرف دوسرے سال ایک زیور اور کارتکی کے دن تربینی اشنان بس اسی مین خوش ہین۔ ہم لوگ ہین کہ ہر سال ترقی ملتی ہے لیکن شکریہ کی جگہ ہمیشہ شکوہ شکایت ہی زبان پر رہتی ہے اور ہر وقت پوسٹل ایسوسی ایشن کی پکار کہ ترقی مین اضافہ اور دفتر کا وقت

کم دکھا جائے اور کوئی افسر آنکھ اُٹھا کر نہ دیکھے۔ جو دال چاول مین کھاتا ہون وہی وہ بھی کھاتی ہین خدا کی دین ہے کہ انھین قناعت رہتی ہے اور مجھے بے اطمینانی اور بے صبری

(۲)

تنخواہ سب کی سب للوجی کی مان ہی کے ہاتھ مین دے دیتا ہون اور مجھے وہ آرام و آسائش ملتا ہے جو تین سو روپیہ کے افسر کو بھی نصیب نہ ہو۔ مہمان بھی خوش رہتے ہین رشتہ دار بھی سب رضامند ہین۔ سچ پوچھئے تو جتنا کام وہ کرتی ہین وہ سو روپیہ سے زیادہ کا ہوتا ہے صاحب لوگ اپنے بابا لوگون کے واسطے پندرہ بیس روپیہ ماہوار کی آیا رکھتے ہین۔ مگر انکو وہ آرام اور محبت نصیب نہین جو میرے بچون کو ملتا ہے۔ اگر مین ایک باورچی رکھون تو کم از کم دس روپیہ ماہوار اور خوراک دینے پر بھی اتنے اچھے کھانے نہین بنا سکتا۔ اسپر لطف یہ کہ خرچ مین ہمیشہ کفایت مدنظر رہتی ہے اگر مین اپنے واسطے ایک بیرا پندرہ روپیہ ماہوار کا رکھون تو بھی وہ اسقدر دیکھ بھال اور رکھ رکھاؤ نہ کر سکے گا۔ پھر بچون کے کپڑون کی سلائی ہی دس پندرہ روپے ماہوار کی ہو جاتی ہے۔ جھاڑو برتن کی ملازمہ دس پانچ روپیہ ماہوار لے جاتی۔ غرض چاہے جو حساب لگائیے میری قریب قریب کل تنخواہ بھی ملازمو کے نذر کر دی جائے تو بھی اتنا آرام نصیب نہین ہو سکتا ہے جتنا کہ اس نیک بخت کی ذات سے میسر ہے۔

(۳)

انگریزی تعلیم کا اثر سمجھئے یا اخبارون یا بڑے بڑے لیڈرون کے تقریرون کا نتیجہ مجھکو اکثر یہ خیال آتا ہے کہ اپنے شریک زندگی سے اسقدر محنت کرانا سخت زیادتی ہے اور واقعی کام ایک عورت کا اس قدر کام کرنا ستم ہے مگر وہ بیچاری اپنی زبان سے کچھ نہین کہتین شاید ان کے دلمین کبھی خیال ہی نہین آتا ہے میرے دل مین کبھی کبھی ولولہ پیدا ہوتا کہ ایک مہری یا ملازمہ رکھ دون۔ تو شاید انھین کچھ آرام ملے۔ واقعی بڑی خود غرضی کی بات ہے کہ مین تو بابو بنا ہوا اسطرح کا آرام اُٹھاؤن اور گھر کی دیوی لونڈی کی طرح دن بھر کام ہی کرتی رہے۔ لیکن جب کبھی خود دیوی جی سے اسکا ذکر آتا ہے تو وہ

ہمیشہ ہنس کر ٹال دیتی ہین۔

"کیون مفت مین خرچ بڑھاؤ گے۔ مین کچھ پڑھی لکھی تو ہون نہین جو دن بھر پلنگ پر لیٹی رہون یا صبح شام پارک کی سیر کو جاؤن جسطرح کام چلتا ہے چلنے دو" اگر مین زور دیتا ہون تو وہ کہنے لگتی ہین کہ مین تو منع نہین کرتی مہری رکھ لو۔ میرے وقت سے پہلے تو ہمیشہ ایک ملازمہ گھر مین رہی ہے وہی وقت مجکو یاد آتا ہے۔ بڑھیا لونی کے بعد گھر مین کوئی ملازمہ نہین رہی۔ خدا بخشے اُسکی کمر جھک گئی تھی مگر مرتے دم تک کل کام اکیلی کرتی رہی۔ ہمیشہ خدمت ہی کی بیماری تک مین خود کبھی کوئی خدمت نہ لی اُسپر لطف یہ کہ صرف ایک روپیہ ماہوار تنخواہ اور خوراک پر۔ وہ بھی مرتے عمر بھر کی تنخواہ گھر مین چھوڑ مری۔ ماں سے زیادہ خدمت کرنے والی۔ درد دکھ مین شریک ہونے والی! ایسی نوکر اب کہان ملتے ہین کیا زمانہ تھا۔ جب قلیل تنخواہون پر بھی لوگ خوشحال تھے۔ برعکس اسکے آجکل وہ وقت ہے کہ آمدنی اور خرچ دونون مین اضافہ اُسپر بھی ہر وقت بے اطمینانی۔ پہلے ہر چیز سستی تھی لنکلاٹ اور عمدہ ململ چار آنہ گز۔ اچھی مٹھائی پانچ چھ آنہ سیر۔ اب صرف دونا ہوگیا ہے مگر وہ بات میسّر نہین ہے۔ خدا کرے ایکبار تو وہ وقت پھر آجائے چاہے تھوڑے ہی عرصہ کے لیے ہو مگر ٹکے سیر بھاجی اور ٹکے سیر کھاجا ایک دفعہ تو بک جائے۔

(۴)

غرض اب مین نے کسی ضرورت کی وجہ سے نہین اور نہ دیوی جی کے کہنے پر بلکہ اپنی مرضی سے فیشن کے لحاظ سے ایک مہری رکھنے کا ارادہ کرلیا مگر یہ ارادہ راس نہ آیا ہر مرتبہ نئی مصیبتون کا سامنا ہوا اور آرام درکنار خلش ہی خلش رہی روز برتنون اور کپڑون کا گم ہونا شروع ہوگیا مصارف حد سے زیادہ بڑھ گئے۔ اگر بیشتر دس پندرہ روپیہ کے گھی مین کام چل جاتا تھا تو اب پچیس کا اُٹھنے لگا۔

خادمہ ہے کہ ہر وقت اپنے سابق مالک کی بڑائی کا گیت گا رہی ہے۔ وہان یہ ہوتا تھا۔ وہ ہوتا تھا۔ اِسطرح گھی پڑا لون بھایا جاتا تھا دودھ سے برتن دھلتے تھے۔ یہ ملتا تھا وہ ملتا تھا۔ غرض آرام کم اور صرف زیادہ ہوگیا۔ ہر وقت کی بک بک اسکے علاوہ۔

(۵)

پہلی خادمہ جو ملی اسکی عمر بیس بائیس برس کی ہوگی۔ آپ اسے قبول صورت نہین کہہ سکتے ہین مگر سفید پوشش ضرور تھی۔ اور اسکی آنکھ مین ایک قسم کی چمک بھی تھی حالانکہ کوئی خاص بات نہین ہوئی لیکن دیوی جی کو شکایت سی رہی۔ وہ کہتین کہ اب مین دفتر دیر سے جاتا اور جلدی واپس آجاتا ہون گر مین پورے وقت تک دفتر رہتا۔ ڈاکخانہ کی ملازمت مین دیر اور جلدی کیسی۔ دوسری شکایت یہ ہوئی کہ مین جمنا (ملازمہ کا نام) کی طرف بہت دیکھتا ہون ہر وقت اسی سے باتین کیا کرتا ہون مگر مجھے غیر معمولی بات معلوم نہ ہوئی تاہم جب شکایت کی ضرورت رنج و ملال تک پہنچی تو بالآخر مین نے اسکو علیحدہ کردیا۔

اسکے بعد مین نے تلاش کرکے ایک بڑھیا رکھی تاکہ گھر مین کسی قسم کا شک نہ پیدا ہو اور غرض بھی پوری ہو جائے۔ لیکن یہ تجربہ بھی ناکامیاب ہوا۔ بڑھیا سے نہ تو کوئی پانی بھرا برتن اُٹھتا ہے اور نہ پلنگ ہی اُٹھا سکتی ہے۔ وہ پوست اور ہڈیون کا ایک تھیلا تھی۔ اور سچ پوچھئے تو ایک خدمت گار کی اسے خود ہی حاجت ہے۔ بہرحال للّو جی کی ماں کو اس سے کوئی آرام نہ ملا انکو جتنا کام پیشتر کرنا پڑتا تھا۔ اتنا ہی اب بھی کرنا ہوتا تھا۔ درمیان ہین مین البتہ احمق بنا۔ قصہ کوتاہ آخر کار اسکو بھی برخاست کیا۔ اور اب اوسط درجہ کی جستجو ہوئی سروس سیکورٹیگ کمپنی کے ذریعہ ایک چہل سالہ خادمہ کی تلاش ہوئی اس سے پیشتر متعدد ملا مائین آئین اور چلی گئین کوئی کام کی تفصیل پوچھتی اور کام بتایا جاتا تو اُلٹے پاؤن یہ کہتی ہوئی چلی جاتی کہ کام تو دو نوکرون کا ہے اور تنخواہ ایک کی بھی نہین اس پر جب ایک دوسری مہری آئی تو مین نے کہا کہ کام کچھ نہین ہے۔ فقط پلنگ بچھا کر پڑا رہنا ہوگا۔

وہ بھی چلی گئی۔ عجب کیفیت ہے جو کام لیتا ہون تو ملازم نہین رہتا۔ جو کہتا ہون کہ کوئی کام نہین تو بھی کوئی نتیجہ نہین نکلتا۔ خیر ہفتہ عشرہ کی تلاش کے بعد ایک عورت ملی کہ جس پر نہ کسی طرح کے شکوک ہو سکتے تھے اور جو کام چور بھی نہ تھی بہر نوع اپنی دانست

مین اچھی طرح دیکھ بھال کر اُسے نوکر رکھا۔

(۶)

تھوڑے عرصہ مین معلوم ہوا کہ یہ عورت جب چاہتی کام اچھا کرتی اور جب چاہتی تو کچھ نہ کرتی طرہ یہ کہ جب جی مین آتا گستاخی سے پیش آتی ایک دن کا ذکر سنئے دیوی جی نے تھالی مین مٹی اور مٹی مین پنجہ کا نشان دیکھا تو اُس سے پوچھا چمپا یہ تھالی تو بڑی میلی ہے چمپا بولی کہ یہ تو صاف پنجہ اور انگلیون کے نشان ہین مین کیا سب ہی دیکھ سکتے ہین۔

مگر یہ میری ہنین ہین ہما کی ہونگی (یہ میری بڑی لڑکی کا نام ہے) لڑکے تو اس گھر مین مٹی کھیلا ہی کرتے ہین۔

دیوی ؎ - اری چمپا کیون اتنا جھوٹ بولتی ہے۔ لڑکی کے اتنی بڑی انگلیان کہان ناحق باتین بناتی ہے اور بچون کو بدنام کرتی ہے "

چمپا ؎ مین تو بات بناتی ہون مگر جھوٹ تو تم ہی بولا کرتی ہو "

دیوی ؎ زبان سنبھال کے بات کر یہ مہینہ پورا ہولے تو ہم تجھے برخاست کر دینگے۔

چمپا - تم کیا برخاست کروگی - مین خود ہی تھوڑے دنون سے نوکری چھوڑنے والی ہون صرف اپنا سو بتیا دیکھ رہی تھی - میرا آدمی حیران ہے کہ مین اتنے دنون یہان کیسے رہی - وہ تو شروع ہی سے اس گھر کے خلاف تھے - یہان کسی نوکر کا گذر ہو ہی ہنین سکتا - سب چیزون پر تالے اور مہرین لگی ہین - سوکھی تنخواہ ہی تنخواہ ہے - یہ بات تو صاف ہے کہ یہان کبھی کوئی نوکر ہنین رہا ہے "

جب مین شام کو دفتر سے آیا تو مجھے یہ حال معلوم ہوا مین نے یہ کہکر ٹالدیا کہ تمکو نوکر ہنین رکھنا ہے تو نکالدو - بعد کو مجھکو اُس بے انصافی پر جو مین نے للو جی کی مان کے ساتھ کی سخت افسوس ہوا - خیر اُسوقت تو یہ بات رفت گذشت ہوگئی اور مین نے چمپا کو سمجھا دیا - اور کچھ دنون کام چلتا رہا "

(۷)

ایک روز کا ذکر سنئے دیوی جی نے دس مرتبہ چمپا - چمپا بلایا - وہ نیچے تھی مگر نہ بولی - چمپا سنتی

گر بولتی نہین۔ تب دیوی نیچے آئین اور اس سے کہا کہ تجھے پچاس آوازین دین تو نے جواب
ندیا۔

چمپا:۔ ارے بی بی رہنے دو۔ کیون جھوٹ بولتی ہو۔ تم نے دس ہی مرتبہ تو پکارا اور پچاس
مرتبہ کہتی ہو تم ہی نے تو کہا تھا کہ مہینہ بند ہو جائے تو ہم نکالدینگے اور آج پہلی تاریخ ہے۔ اب
مین کیون بولون "

دیوی غصہ سے آگ ہوکر چلی آئین چمپا جواب دینے مین برق - دیوی جی بیچاری پردہ
مین رہنے والی چپ ہو کر میرے خیال سے غصہ پی جاتین اور مجھ سے کچھ نہ کہتین۔ میرا کمرہ
اچھی طرح صاف نہ ہوتا۔ اور اگر وہ کچھ کہتین تو وہ کہتی کہ کون بڑا صاف کمرہ ہے۔ ایک روز
چمپا نے چینی کے گلدان توڑ ڈالے۔ دیوی جی نے دریافت کیا تو کہا کہ لڑکون نے توڑے
ہین "

دیوی جی " لڑکے انکو کبھی نہین چھوتے "

چمپا:۔ تو صاحب مین ہی نے توڑے مجھے کب کہا تھا کہ گلدان نہ ٹوٹین شیشہ کے برتنون کو کہا تھا
سو آج تک ایک بھی نہین ٹوٹا ہے۔ جو کام کرے گا اُس سے ٹوٹ پھوٹ بھی ہوگی گلدان پرانے
تو تھے آپ کو نوکر نہین رکھنا ہے مفت تہمت لگاتی ہین۔

جب شام کو مین پہنچا تو کہا ہان سرکار خطا ہو گئی۔ صاف کرنے پر ایک دوسرے پر گر گیا
اور ٹوٹ گئے۔

مین حتی الامکان خوش رہنے کی کوشش کرتا ہون۔ کیا کرون دن بھر دفتر
کی ہائے ہائے۔ شام سے مکان کی پریشانیان۔ ایک روز مین نے کہا کہ چمپا میرے
جوتے مین ایک کیل نکل آئی ہے اُسکو کسی چیز سے ٹھونکدے۔

وہ خاموش رہی شاید دلمین یہ سوچتی رہی کہ جسوقت نوکر رکھا اور کام تبلایا تھا اُسوقت
یہ نہین کہا تھا کہ یہ کام بھی اسی کے ذمہ ہوگا۔ غالبًا اسی خیال سے اُس نے اس مین ہاتھ
تک نہ لگایا۔ مجھے صبح کو کیل ویسی ہی ملی تو مین نے اُس سے پوچھا کہ تو نے کل شام کو جو
کیل دبائی وہ رات مین پھر نکل آئی تو وہ جواب دیتی ہے۔ بابو جوتے پرانے ہین

کہاں تک چلیں - ان کو بدل ڈالو اور اچھے دام کے جوتے لے لو کہ چلیں - اس طرح جب میرا ناک میں دم آگیا تو میں نے اُسے علیحدہ کر دیا اور پھر کوئی اجری نہ رکھی اسطرح کھوئی ہوئی راحت خود بخود میسر ہوگئی - سچ ہے اب ملازموں کا وقت نہیں رہا - ہر شخص خود اپنا بہترین ملازم ہے -

"مہوق"

مراۃ الشعر

اس قابل قدر کتاب میں مولانا عبدالرحمٰن صاحب پروفیسر عربی سینٹ اسٹیفنس کالج دہلی نے نہایت قابلیت وجامعیت کے ساتھ اُصول شعر پر تبصرہ کیا ہے - ابتدا میں شعر کی تعریف اور وزن شعر کی ضرورت پر نہایت مدلل و دلچسپ بحث کی ہے اس کے بعد الفاظ - مجاز - استعارہ - خیال و تخیل - تمثیل و تشبیہ وغیرہ پر فرداً فرداً تنقید دی ہے - سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ ہر مسئلہ کے متعلق عربی فارسی اور اُردو کی متعدد مثالیں پیش کی ہیں - جن سے جناب مصنف کی علمی و دماغی قابلیت کا اندازہ ہوتا ہے اور کتاب کے مطالعے میں ایک خاص دلکشی پیدا ہو جاتی ہے -

مراۃ الشعر، صرف فن شعر سے دلچسپی رکھنے والے احباب ہی کے لیے مفید نہیں بلکہ وہ حضرات بھی اسکے مطالعہ سے لطف اندوز ہو سکتے ہیں جو شعر تو نہیں کہتے لیکن ذوق ادب رکھتے ہیں -

حجم ۳۰۴ صفحہ، کاغذ، نفیس کتابت و طباعت دیدہ زیب قیمت تین روپیہ شائقین جناب مصنف سے طلب فرمائیں -

جذباتِ سلیم

یکّ سب شانِ کبریائی اتیری بے پروائیان — تیرتی نادانیان ہین. ڈوبتی دانائیان
ایک ہی جلوہ سے اُسکے جل اُٹھے شمسی نظام — حسنِ عالم سوز کی دیکھو یہ بے پروائیان
نزع مین جسدم رگین کھنچنے لگین گی غافلو — یاد آیئن گی خمارِ عیش کی انگڑائیان
حضرتِ عشق ایک دن آنکلے بزمِ علم مین — مسکرائے دیکھکر عقلون کی رزم آرائیان
موسمِ گل کی ہوانے اُنکی آنکھین کھولدین — خاک کے گہوارہ مین سوتی تھین جو رعنائیان
چشمِ بینا ایک بھی آئی نہ عالم مین نظر — جستجو مین گرچہ دوڑین ہر طرف بینائیان
سر سے تا پا ہے تو اے بت مظہرِ شانِ خدا — تیری خاموشی کو سجدے کرتی ہین گویائیان
دیکھتے ہین معجزے سورج کی کرنون کے اگر — دیکھ رنگا رنگ پھولون کی چمن پیرائیان
دیدۂ خلوت پرست! انجم کا شکوہ ہے عبث — عرش کے اُس پار بھی ملتی نہین تنہائیان
اِنکو بادل کے ورق پر کھینچی ہے کس کی شکل — بجلیان کرتی ہین کیون پہرون قلم فرسائیان
دوستی کے شُہرتے انکے، دشمنی پھیلی مگر — جو بجا ئین تو نے اے حبِّ وطن شہنائیان
دھان کے ہین کھیت، یا نازک حسینون کے پرے — رنگ کی شادابیان ہین، حسن کی سرسائیان

قوم جو ڈوبی اُبھر کر پھر نہ آئی سطح پر ؎
تجھ مین ہین اے بحرِ غفلت کس قدر گہرائیان

ترقی معکوس

وہ مشرق جو ازل سے مطلعِ خورشیدِ خاور ہے
غضب ہے، انجمِ مغرب سے اب طالب ضیا کا ہے

وہ گلشن جسکی زیبائی نہ تھی ممنونِ فضلِ گل
ستم ہے اسکے برگ و بار کو شکوہ صبا کا ہے

وہ دریائے کرم عالم کو جو سیراب کرتا تھا
قیامت ہے کہ اب محتاج وہ ابرِ سخا کا ہے

حیاتِ جاوداں مردوں کو بخشی تھی مسیحا نے
وہ اپنے درد دل کیواسطے طالب دوا کا ہے

وہ رہبر مشعلِ رہ بنتے تھے نقشِ قدم جس کے
وہ خود گم کردۂ منزل ہے، جویا رہنما کا ہے

وہ بحرِ بیکراں اب دشتِ بے پایاں ہے مدت سے
مگر چشمِ توہم دیکھتی ہے اس مین طغیانی

پر پروانہ جو سایہ فگن تھا جل چکا پہلے
سرِ محفل تجلی ہے شمع کے جلوے کی عریانی

بہارِ باغ کو خود کر دیا تاراج بلبل نے
صبا اب شاخِ بے گل کی کرے گہوارہ جنبانی

ہوا ایوانِ ملت منہدم معمار کے ہاتھون
ٹپکتی ہے در و دیوار سے اسکے پریشانی

یقین کامل، طلب صادق، نہ کچھ ذوقِ عمل ہمین
خسوفِ کفر مین روپوش ہین انوار ایمانی

محمود اسرائیلی

بچپن کی یاد

مخمس بر غزل سرور مرحوم

خواہش ہے مجھے ہون پھر مین ہمکنار بچپن　　تجھکو گلے لگاکر ہون اشکبار بچپن
تیرے فراق سے ہے سینہ فگار بچپن　　ہان خواب مین دکھا دے منھ ایکبار بچپن
کب تک سہون یہ صدمے یہ انتشار بچپن

دل سے غم جدائی اک بار مین نکالون　　ہے آرزو یہ میری پھر تجھکو دیکھون بھالون
بے فکر کھیل کھیلون - گلدم - بٹیر پالون　　سیٹی بجا کر اُن کو جب چاہے دل بلالون
اے پیارے عہدِ طفلی اے غمگسار بچپن

اے کاش پھر وہ آئے جو وقت غمزدا تھا　　جب خوف سرزنش بھی اک لطفِ مرحبا تھا
تھا نفع کا نہ سودا نقصان نہ سوجھتا تھا　　مرنا تھا یا تھا جینا سب مجھکو ایک سا تھا
کیا بے بہا تھی نعمت اے کردگار بچپن

ماتا پتا کا اپنے مین پیارا لاڈلا تھا　　تھا دھن کا اپنی پکا گویا کہ بادشا تھا
حاسد نہ تھا کسیکا رنجش سے بھاگتا تھا　　یکسان مین نیک و بد کو اسوقت جانتا تھا
اک تجھکو جانتا تھا مین غمگسار بچپن

وہ ساتھیون کا میرے آگے سے ہونا اوجھل　　ان کی تلاس مین پھر وہ دوڑ دھوپ پیدل
وہ کھیل اور وہ چہلین وہ باغ اور وہ جنگل　　تھک تھک کے گھر کو واپس آنا وہان سے بیکل
دلمین ابھی ہے باقی وہ یادگار بچپن ؛

نفع و ضرر پہ ہر دم انجان مسکرانا　　وہ ساتھیون کا ہنسنا وہ میرا منھ چڑھانا
بزم خوشی مین گاہے روٹھے کا وہ منانا　　عیش و طرب کے نعرے چارون طرف لگانا
کیا کیا سناؤن تجھکو، ہون بیقرار بچپن

ہر بات پر بگڑنا ہر چیز پر مچلنا ــ گر بیٹھنا اچھلنا اور کودنا جو چلنا
الڑھ سپنے کا پہلو ہر کام مین نکلنا جو منھ سے کہدیا بس اسکا کبھی نہ ٹلنا
اے بادشاہ بچپن اے طرفہ کا بچپن

او نا سمجھ فسونگر او دل لبھانے والے دلمین لگن لگاکر دل کو جلانے والے
پھر کر ذرا نظر کر او منھ چھپانے والے مڑکر ذرا نگہ کر او تیز جانے والے
پیچھے ترے دوان ہون بے اختیار بچپن

رنگِ شفق وہی ہے نورِ سحر وہی ہے پہلے جو تھی ضیائے شمس و قمر وہی ہے
ذوقِ طرب وہی ہے غم کا اثر وہی ہے دنیا مین امن و راحت اور شور و شر وہی ہے
لیکن نہین وہ تیرے نقش و نگار بچپن

فرقت ہے تیری ظالم اک مرگ ناگہانی تف ایسی زندگی پر کیا لطفِ زندگانی
ہوگا نہ ارغوانی یہ رنگِ زعفرانی ہو جائے پیارے امیدِ شادمانی
آہستہ چل غدارا اے تیز کار بچپن

تقدیر مین جدائی لکھی تھی وائے حسرت ورنہ کبھی نہ کرتا بچپن مین تجھکو رخصت
جاہ و جلال تیرا باقی نہ تیری عظمت کھو بیٹھا تجھکو یکدم اے وائے میری قسمت
روتا ہون تیری دھن مین کیا زار زار بچپن

جب تو تھا میرا ساتھی چاہت نہ تھی جہان کی دیوانگی کی خواہش یا عقلِ نکتہ دان کی
دعوے نہ عشق کا تھا خواہش نہ امتحان کی تھی جو ادا سو دلکش جو چال تھی سو بانکی
جب تو گیا تو آئے کیونکر قرار بچپن

اِس عہد بیخودی پر ماتم مین کر رہا ہون اس عقل اور سمجھ سے بیزار ہو گیا ہون
نالون مین بلبلون کا طالب مین ہمنوا ہون مثلِ سرور ہر دم کرتا یہی دعا ہون
لے لے شباب، دے دے پروردگار بچپن

طالب کاشمیری

سُلگ رہا ہے اگیا بجھاؤ پیارے آنکھیں ترس رہی ہین درشن دکھاؤ پیارے
مٹاؤ پیارے دکھ سے چھڑاؤ پیارے پانی سے گلے تک آیا آکر بچاؤ پیارے
نیا پھنسی بھنور مین پار اب لگاؤ پیارے

ن رہا ہے، بجلی چمک رہی ہے گلشن مہک رہا ہے، بلبل چہک رہی ہے
ہ جان اپنی تم بن سسک رہی ہے اُمید مٹ رہی ہے حسرت پھڑک رہی ہے
نیّا پھنسی بھنور مین پار اب لگاؤ پیارے

ی ہے اُن مین جنپر پڑا ہے پانی سبزہ کا رنگ دھانی پھولون کا آسمانی
تم ہے مجکو ہے جوش پر جوانی چہرہ ہے زعفرانی آنکھین ہین ارغوانی
نیا پھنسی بھنور مین پار اب لگاؤ پیارے

رمین ہے کشتی طوفان آچکا ہے ہارے ہین سب کھیوی مایوس ناخدا ہے
بھی سہارا دشوار ہو گیا ہے یا آس ہے خدا کی یا تیرا آسرا ہے
نیّا پھنسی بھنور مین پار اب لگاؤ پیارے

ن کھڑا ہے ہاتھون مین جام لیکر صیّاد آرہا ہے کاندھے پہ دام لیکر
جو آئے تیرا پیام لیکر بیمار اُٹھ کھڑا ہو تیرا ہی نام لیکر
نیا پھنسی بھنور مین پار اب لگاؤ پیارے

طالب الہ آبادی

جناب طپش مارہروی

جب سے دیکھا ہے برابر اک کھٹک سی دلمین ہے
تیغ قاتل مین کہان ہے نوک جو قاتل مین ہے

ہائے بے شکوے کئے بھی جان اک مشکل مین ہے
میری صورت دیکھکر کوئی پشیمان دل مین ہے

جل رہا ہے سوزش الفت سے دل کس کس طرح
کس قیامت کا شرارہ ہے جو میرے دلمین ہے

یہ بھی ہے اک خاص حالت مجھ مین جوش عشق سے
وہ بھی ہے اک خاص کیفیت جو میرے دلمین ہے

تو بھی ہے قاصد بھی ہین خط بھی ہین ہم بھی غیر بھی
آج پورا حشر کا سامان تری محفل مین ہے

ہستی لیلیٰ ہے اک امیدوار مان کی شبیہ
یعنی مجنون کی مجسم آرزو محمل مین ہے

انکے آجانے سے پھر مرنے مین رخنہ پڑ گیا
موت کس مشکل مین ہے بیمار کس مشکل مین ہے

میرے انکے آگے دونون کا کھلا جاتا ہے حال
شمع بھی محفل مین ہے پروانہ بھی محفل مین ہے

کون ایسا راز دنیا ہے جو چھپ سکتا نہین
کسطرح اسکو چھپا ؤن جو محبت دل مین ہے

ایک عالم عبرتون کا ہے مری صورت مین طپش
ایک دنیا حسرتون کی ہے جو میرے دلمین ہے

جناب مولانا محوی لکھنوی

خزان مین کیا بتاؤن آہ کیا رنگ گلستان تھا
چمن کا پتہ پتہ ایک تصویر بیابان تھا

وہ عشرت آفرین صبح چمن بھی یاد ہے غافل
کہ ہر غنچہ تبسم ریز تھا، ہر پھول خندان تھا

مری امید ہمت آفرین لے آئی ساحل تک
سفینہ ورنہ دل کا ورخور ہر موج طوفان تھا

اٹھی جو میری جانب جھلکگئی پھر منفعل ہوکر
اسی قاتل نظر مین میری بربادی کا سامان تھا

نہ راس آئی کبھی آب و ہوا جسکو زمانے کی — وہ میرا باغِ ارمان تھا، وہ میرا داغِ حرمان تھا

مرے عزم وفا کی لاج رکھ لی سخت جانی نے — ہجوم بیکسی مین ورنہ جینا کونی آسان تھا

جگر مین پڑ گئے ناسور مژگان تک نہ اشک آئے — بتا اے ضبطِ غم آخر یہ کسکا رازِ پنہان تھا

نہ پوچھو کسطرح کاٹی ہین مین نے ہجر کی راتین — کسی کی یاد تھی آہین تھین مین تھا رنجِ ہجران تھا

کھلی ہے آنکھ جب میری ازل مین سامنے تو ہی
بہارِ حسن خندان تھی، جہان صبح خندان تھا

جناب مولانا سعید انصاری صاحب

چاہتے ہو جو سنو، شوق کے افسانے کو — شمع کے رخ سے ذرا پھیر دو پروانے کو

ایک میخانۂ ساکن ہے یہ ٹوٹا ہوا دل — نرگسین جام سے چھلکا ئیے میخانے کو

عشق اور حُسن کے الفاظ ہین یا دو قیدین — ان سلاسل سے نہ رسوا کرو دیوانے کو

وادیٔ نجد کے ذرون سے لگیگا نہ پتہ — شجرِ طور سے پوچھو مرے افسانے کو

آتشِ عشق کا پروانۂ اوّل ہے یہی — شمع پر فوق نہ ہوگا کبھی پروانے کو

چوٹ لگجائیگی دل پر، رہے اسکا بھی خیال — تم نہ دیوانہ کہو، حسن کے دیوانے کو

سوز کامل کیلئے سخت ضروری ہے گداز — شمع کے سامنے اب لائیے پروانے کو

کیفِ بےکیف کے اسرار، عیان ہین اُس پر
جذب کی روح سے جنبش نہ ہو دیوانے کو

جناب ثاقب کانپوری

اللہ اللہ یہ کیا انجمن آرائی ہے — خود تماشا ہے وہی خود ہی تماشائی ہے

کتنی با معنی تری شان خود آرائی ہے — تو ہے پردے مین مگر خلق تمنائی ہے

آہ اس طائرِ مجبور کی حسرت مت پوچھ — جو یہ سنتا ہو قفس مین کہ بہار آئی ہے

تم جو آجاؤ تو اس عشق کا پردہ رہ جائے — ورنہ اب ضبط ہے باقی نہ شکیبائی ہے

جسکے جلوے نے فرشتون کو کیا تھا مسجود — طور پر آج وہی شعلۂ سینائی ہے

ذرہ ذرہ ہے ترے نور سے ہمدوشِ فلک — کتنی پُر کیف تری انجمن آرائی ہے

مین سمجھتا ہون اسی کو جو حالت ہے تری

جس جگہ تک کہ تخیل کی بھی پرواز نہ ہو
اُس بلندی پہ تری ناصیہ فرسائی ہے

ہے یہ ثاقب اسی اک جلوہ رنگین کا اثر
مرے شیشے مین جو کچھ بادۂ مینائی ہے

جناب معین عثمان پوری

فرقتِ یار مین جسے سر بھی وبالِ دوش ہے
وعدے پہ صبر کر سکے اُسکو کہان یہ ہوش ہے

جام بدست بزم مین ساقیٔ فتنہ کوش ہے
عقل و خرد مین جنگ ہے، وقتِ وداعِ ہوش ہے

خلد نگاہِ شوق ہے تیری ادائے دلربا
تیری صدائے دلفریب عالم کیف گوش ہے

فصلِ بہار آتے ہی آگیا ہوش سا مجھے
اب نہ ہے بیخودی کا زور، اور نہ جنون کا جوش ہے

بادہ گسارِ عشق ہے میرا دلِ وفا پرست
تیری نگاہِ فتنہ زا ساقیٔ مے فروش ہے

غیر کیساتھ رات کو کی نہ ہوے کشی کہ آج
یار کی چشم مست مین رنگِ خمارِ دوش ہے

اُسکی نگاہ کیا پھری، پھر گیا مجھسے دل مرا
اب نہ وہ شوق دید ہے اب نہ وہ ذوقِ جوش ہے

کل تو معینِ مست تھا بندۂ پیر مے کدہ
سنتے ہین خانقاہ مین آج وہ خرقہ پوش ہے

جناب طالب الہ آبادی

کم ہوئی جاتی ہے یہ بیتابیٔ دل دیکھنا
ہان اُسی انداز سے پھر نبضِ لبمل دیکھنا

لو ابھی چھوٹا ہی ہوتا یہ تمہارے ہاتھ سے
ہے بہت نازک ہمارا شیشۂ دل دیکھنا

یہ مرے تازہ دن کے پائی دلکے ٹکڑے ہین پڑے
دیکھنا اے رہروان کوئے قاتل دیکھنا

آہ موجون کے تھپیڑون نے ڈبوکر دم لیا
جُرم اتنا ہی تھا اپنا سوئے ساحل دیکھنا

آنکھ ابھی بیمار ہجران کی لگی ہے اے نسیم
ہو گیا ہے صبح ہوتے ہوتے غافل دیکھنا
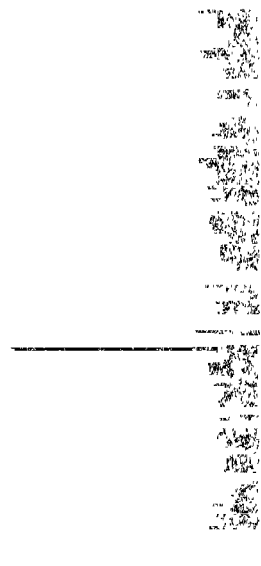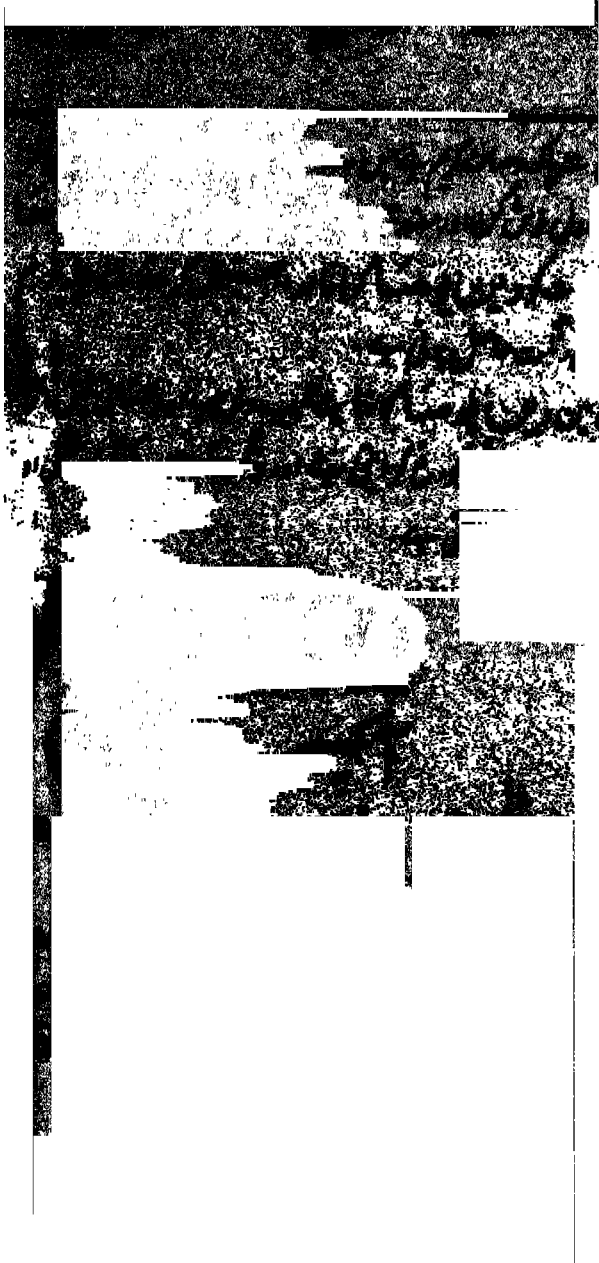
زمانہ

جلد ۴۷ — دسمبر ۱۹۲۶ء — نمبر ۶

موجودہ ہندو مسلم نفاق

یہ امر مسلّمہ ہے کہ ہندوستان کی آبادی بیشتر صرف ہندو اور مسلمان انھین دو فرقون پر مشتمل ہے پس انھین دونون کے باہمی اتحاد پر ملک کی خوشحالی اور ترقی کا دارومدار ہے ایسا اتحاد ایک عرصہ بعد وقتی حالات کے اقتضا سے ابھی چند ہی سال قبل رونما ہوا تھا جب ہندو مسلمان بھائیون کی طرح دوش بدوش ہو کر حصول آزادی کی جدوجہد مین مصروف ہو گئے ہمارا وہ اتحاد محض سطحی اور عارضی تھا تاہم اُس معمولی اتحاد کا بھی سرکار پر کافی اثر ہوا۔ تحریک نان کواپریشن کے زوال کے متعدد اسباب تھے۔ مثلاً مہاتما جی کی سزایابی لیڈران قوم کی خود بینی۔ سوراج پارٹی کی وجود پذیری وغیرہ۔ لیکن زوال مین ہندو مسلم نفاق کا [illegible] بہت [illegible] ہاتھ تھا۔ ملتان اور مالابار مین ہونے والی مسلم زیادتیون کے سبب شدھی اور سنگٹھن دو خاص تحریکون کا وجود ہوا جس سے مسلمان ایک دم برافروختہ ہو گئے۔ رفتہ رفتہ تبلیغ و تنظیم کی تحریکون کا [illegible] آمادگی کے ساتھ ابھار ہوا۔ اور ہندو مسلم نفاق کی خلیج وسیع سے وسیع تر ہوتی [illegible] لگے اس امر کا احساس ہوا۔ بہت کچھ خیال آرائیان و خامہ فرسائیان ہو چکین

مہاتما گاندھی اور علی برادران بھی قید سے رہا ہونے پر سارے باہمی نفاق کے مٹانے کی کاوش مین مبتلا ہوئے۔ مہاتما جی نے پورے اکیس روز تک فاقہ کشی کی جس سے سارے ملک مین سنسنی پھیل گئی اور ہندو مسلمان عیسائی سبھی دہلی مین جمع ہوئے مصالحتی کانفرنس کا انعقاد ہوا اور کئی روز کی گرماگرم بحث کے بعد چند قابل قدر تجاویز پاس کی گئین اگران تجاویز کو مستعدی اور ایمانداری سے عملی صورت مین منتقل کیا جاتا تو آج ہمکو ملک کی یہ افسوسناک حالت نظر نہ آتی۔ مگر بدقسمتی سے ہم ہندوستانیون مین کسی نیک کام کے شروع کر دینے کی تو لگن ہے۔ لیکن اسکے جاری رکھنے یا اُسے اختتام پر پہنچانے کی قوت نہین۔ بہرحال اسکا نتیجہ یہ ہے کہ فرقہ وارانہ عناد و کشیدگی کا سیلاب عظیم اب تقریباً اس ملک کی چپہ چپہ زمین کو غرقاب کئے ہوئے ہے اور مصالحتی کانفرنس کے شرکا بھی اپنے مین اُسکے انسداد کی قوت نہ پاکر اسوقت زیادہ تر اُسی رو مین بہے جارہے ہین ملک تباہ ہو رہا ہے اور ملکی ترقی کے سارے کامون پر پانی پھر گیا ہے!

آیئے اب اس مہلک مرض کے اسباب پر ذرا غور کرین۔ لالہ لاجپت رائے صاحب جداگانہ نیابت کے مسئلہ کو ہندو مسلم نفاق کا خاص سبب قرار دیتے ہین اور اسکی منسوخی تک اتفاق کا ہونا ناممکن بتلاتے ہین۔ لارڈ اولیویر سابق وزیر ہند بھی اپنے ۱۰ جولائی سنہ ۱۹۲۶ء کے ٹائمس والے مشہور مراسلہ مین موجودہ نفاق کے ذمہ داری اصلاحات پر ڈالتے ہوئے کہتے ہین کہ جبتک جماعتی اصولون پر انتخاب کے قواعد منسوخ نہ کر دیئے جائینگے اُسوقت تک نظام حکومت مین باقاعدہ ترقی کا ہونا ناممکن ہے۔ کرنل ویجوڈ بھی اپنی ایک حال کی تقریر مین اسی کی تائید کرتے ہوئے کہتے ہین کہ یہ طریقہ انتخاب ہر ایسی بات پر زور دیتا ہے جسکا بھول جانا ہی انسب ہے۔

لارڈ برکنہیڈ (وزیر ہند) اور لارڈ اردن (وائسرائے ہند) نے بھی اپنی تقریرون مین اس کا ذکر کرتے ہوئے فرقہ وارانہ انتخاب کو ایک حد تک قصوروار ٹھیرایا ہے۔ خیر۔ اب دوسری طرف لارڈ اولیویر صاحب ہندوستان کے سرکاری حکام کا ہندو قومیت کے مقابلہ مین توازن قائم رکھنے کے لیے مسلمانون کا طرفدار ہونا انسے دن کے ان ہندو مسلم جھگڑون کا ایک سبب قرار دیتے ہین اگرچہ لارڈ برکنہیڈ اور لارڈ ونٹرٹن صاحبان نے ابھی حال ہی مین ان الزامات کی پرزور تردید کرتے ہوئے سرکاری حکام کے منصفانہ اور غیر جانبدارانہ رویہ کی تعریف کی ہے لیکن شریعت بن جیبا

نے اپنے ایک مضمون مین تاریخی حیثیت سے لارڈ اولیو کو حق بجانب قرار دیا ہے اور گذشتہ صدی کی چند مثالین پیش کرتے ہوئے یہ فرمایا ہے کہ لارڈ اولیویر نے اپنی چٹھی مطبوعہ ٹائمس مین برٹش حکام کے طرفداری کے متعلق جو کچھ بیان کیا ہے اُسے لغو اور بیجا کہکر محض سرسری طریقہ پر خارج از توجہ نہین کیا جا سکتا ۔" کرنل ویجوڈ ایک مختلف نقطۂ خیال سے اسی امر کی تائید کرتے ہین، دار العوام مین ایک اہم تقریر کے دوران مین انھون نے فرمایا ہے کہ انسانی فطرت کے منافی ہوگا۔ اگر ہند کی برٹش حکومت اُن لوگون کے فرقہ وارانہ جھگڑون پر خوش ہو جو ابھی اسکے پہلے روسی حکومت کی بیخکنی پر تلے ہوئے تھے ۔" کرنل صاحب نے مزید بات یہ بھی کہی کہ انگریز لوگ قدرتاً مسلمانون کے مردانہ چلن کی قدر کرتے ہین۔ اب دیکھئے کلکتہ کا سیمی اجنٹ کار جین اس بارہ مین کیا کہتا ہے ۔" تاہم ہمارے لیے یہ یقین کرنا مشکل ہے (اور ہم تجربہ سے کہتے ہین کہ سرکار کے خلاف وہ الزامات جنکا ہز اکسلنسی نے ذکر کیا ہے، بالکل بے بنیاد نہین۔ جبتک کہ موجودہ سرکار اپنی ناکامی اور بدنامی کے باوجود اپنی طاقت کو برقرار رکھنے پر آمادہ رہے گی اُسوقت تک اُسکے لیے ایک ایسی مستقل ترغیب جس کی روک تمام کامیابی سے نہین کیجا سکتی ہے۔ برابر بنی ہی رہے گی کہ وہ دوسرون کے جھگڑون سے اپنا مطلب نکالے۔ کل دنیا مین جملہ سیاسی کاروبار کا یہ ایک عام اصول ہے اور ہم یقین نہین کر سکتے کہ ہند کی برٹش سرکار کا عام اخلاقی معیار سلطنت متحدہ (برطانیہ) کے سرکاری معیار سے بلند تر ہے [1]

مسٹر پال اس باہمی کشمکش کا ایک اور خاص سبب تبلاتے ہین - ۱۵ رجولائی سنہ ۱۹۲۶ء کے لیڈر مین۔ ہندو مسلم مسئلہ پر ان کا اوّل مضمون شائع ہوا تھا اُسمین اُنھون نے لکھا تھا کہ

> "سرکار اور ہمارے رہنمایانِ قوم دونون نے بلا کسی واقفیت کے تجربہ ساری خطرناک حالت کے پیدا ہونے مین مدد دی ہے۔ ابتک قانون وامن کا تحفظ سرکار کی واقعی مادّی قوت سے نہین بلکہ اُسی کی طاقت کے اُس بلاوام واسطہ خوف کے باعث ہوتا تھا جو غدر ۱۸۵۷ء کی بیرحمانہ بیخکنی کے وقت سے عوام پر طاری ہو گیا تھا۔ . . . مگر اسکولون اور کالجون اور زیادہ تر اخبارون اور بازاری باتون کے

[1] ماڈرن ریویو اگست ۱۹۲۶ء

ذرایع ملک اور عموماً کل دنیا کے متعلق عام واقفیت میں اضافہ ہونے سے ہندوستان میں برٹش قوت کی شان صورتاً گھٹ گئی ہے۔ ہم اس سے انکار نہیں کر سکتے کہ سوراج کی موجودہ جنگ میں لوگوں کے اخلاقی حالت میں استواری لانے کی کوشش کرتے ہوئے بھی خود ہی بالارادہ عوام میں پھیلے ہوئے سرکار کے اُس دیرینہ خوف کو بالکل دور کر دیا ہے۔ بہت بڑی اور گہری بد امنی کی وہ باقاعدہ اشاعت جسے پہلے مسٹر گاندھی اور پھر ان کے سوراجی نفٹنٹوں نے ملک بھر میں کی، موجودہ ہندو مسلم ہلچل کے لیے خصوصاً جوابدہ ہے۔ [1]

کرنل ویجوڈ دوسرا ہی سبب تبلاتے ہیں اور اُس پر فخر بھی کرتے ہیں۔ وہ اپنی متذکرۂ بالا تقریر میں کہتے ہیں "میں سمجھتا ہوں کہ جذبۂ خودداری یعنی ایک عام احساس کی افزونی اس بے چینی کا واقعی سبب ہے۔ غلاموں کی ذات میں جہاں سب برابر ہیں۔ اور جو پستی کی حالت میں ہوتے ہوئے جذبۂ خودداری سے بے بہرہ ہیں۔ آپ کو کسی قسم کی ہلچل یا سیاسی جد وجہد نظر نہ آئے گی۔ اب آپکو ہندوستان میں ہماری کارگزاری کی بدولت صدیوں کے کم وبیش غلامانہ روش کے بعد ایسے لوگ ملتے ہیں جو اس امر کو محسوس کرتے ہیں کہ اُنھیں اپنی عزت اپنے حقوق اپنے رتبہ اور اپنی مردانگی کے ثبات کے لیے کھڑا ہونا چاہیے۔ ہر شخص اپنی شخصیت کے محسوس ہونے پر اپنا یہ فرض اور حق سمجھتا ہے کہ وہ اپنی بے عزتی کا مقابلہ کرے۔ اور دکھلائے کہ اُسکی حقارت بلا مواخذہ نہیں کیجا سکتی۔

غرض یہ ہیں وہ مختلف امور جنکو خاص خاص ملکی و غیر ملکی ماہرین سیاست نے ہمارے موجودہ تنازع کا سبب قرار دیا ہے۔ میری سمجھ میں اس تنازع کے صرف ایک موٹی سی وجہ آتی ہے وہ ہے شدھی اور سنگھٹن کی تحریکوں کا اجرا جسکا میں اوپر ذکر کر چکا ہوں۔ ہندو مذہب دنیا کا

[1] اگر تحریک ترک موالات موجودہ ہندو مسلم ہل چل کے لیے خصوصاً جوابدہ بھی ہو تو بھی ہم ملکی آزادی کے خیال سے اُن اہم نتائج کو دیکھتے ہوئے جنکا ذکر حسب مذکورۂ بالا مسٹر شاستری نے کیا ہے، ایسے مہنگے سودے کا ہونا بھی برا نہیں سمجھتے۔ مترجم

قدیم ترین مذہب ہے اور امتداد زمانہ کے ساتھ اُسمین زوال کا آجانا بالکل قدرتی ہے بالخصوص صدیون سے غلامی کے سبب بھی اُسکی بہت سی خوبیان ناپید ہو چکی ہین۔ پرانی مذہبی اور تاریخی کتب کے ہوتے ہوے یہ تو ہم کبھی ماننے کے لیے تیار نہین کہ اس مذہب مین شدھی سنگھٹن یا مذہبی اشاعت کا رواج کبھی نہین رہا۔ البتہ ادہر صدیون سے اُسکی یہ کوششین سرد پڑ گئی تھین پھر بھی اسکو ایک خدائی مصلحت سمجھنی چاہیے کہ جب ہندو مذہب پر ناقابل برداشت یادتیان ہوئین تو اُسمین کم از کم سنگھٹن کے ساتھ مقابلہ کرنے کی جراءت ضرور آگئی۔ گورو گوبند سنگھ اور شیوا جی کے وقت کے کارنامے اسکی زندہ مثالین ہین۔ ملک مین برٹش حکومت کے ہوتے ہوئے نہ تو یہان بعض اسلامی حکومتون[1] کی سی وسیع پیمانہ پر زیادتیان ہو سکتی تھین اور نہ ویسی کسی بڑے سنگھٹن کی ضرورت ہی پڑی۔ مگر دراصل چھیڑ چھاڑ کا سلسلہ کبھی بالکل بند نہین ہوا یہانتک کہ ترک موالات والے زمانہ مین بھی اُسکا ظہور برابر ہوتا رہا۔ اہل اسلام کا تبلیغی کام بھی ہمیشہ کی طرح برابر جاری تھا جس سے رام اور کرشن کے نام لیوا لوگ تعداد مین[2] برابر گھٹ رہے تھے۔ ان ساری باتون کا خیال کرکے ہندو قوم کے بہی خواہون نے قومی برائیون کے دفعیہ کی مستقل تدبیرین سوچین اور اُنھون نے ہندو قوم کے تحفظ کیلئے دو قدیم مگر مُردہ تحریکون کو از سر نو زندہ کرنا مناسب خیال کیا۔ مگر ان تحریکون پر وقتی حالات ملک کے عام دماغی ارتقار اور وطنیت کے احساس کا نمایان اثر تھا فی الجملہ ان کا مقصد مدافعانہ تھا نہ کہ جارحانہ۔ ان سے ہندو قوم کی ایسی اصلاح و اعانت مقصود تھی کہ وہ حسب معمول آیندہ بھی اپنی ہستی قائم رکھنے کے قابل ہو سکے مسلمان بھائیون کو یہ باتین نئی معلوم ہوئین اور وہ بے اختیار بھڑک اُٹھے۔ اب تک وہ اپنا تبلیغی کام بلا روک ٹوک کرتے چلے آرہے تھے اور آیندہ بھی اُسے بلا روک ٹوک کے کرنا چاہتے تھے۔ پس ان کا بدظن ہونا بالکل قدرتی امر تھا۔ ہندو مذہب کے مقابلہ مین اُنکا مذہب

[1] واضح ہو کہ مین بلحاظ چند خاص ملکی و قومی فوائد کے گذشتہ اسلامی حکومت کو فی الجملہ ایک بہتر حکومت تسلیم کرتا ہون۔ مصنف

[2] گذشتہ چار مردم شماریون کے درمیان مین ہندوؤن کی تعداد دس یا ۸ فی صدی کم ہو گئی ہے۔ گو ہم تبلیغی کام کو کافی اسکا سبب نہین قرار دے سکتے۔ مصنف

افسوس کریں اور آیندہ ان کا وقوع پذیر ہونا اپنے لیے باعث شرم و ذلت سمجھیں یہ بات بخوبی سمجھ لینی چاہیئے۔ کہ جتنا اپنی حفاظت کے لیے واقعی ضروری ہو اُس سے ذرا بھی آگے نہ بڑھنا بزدلی نہیں بلکہ شرافت اور مردانگی کی علامت ہے۔ ہندو سنگھٹن کے اغراض کے لیے اتنا ہی کافی بھی ہوگا۔ قربانی گاؤ کے متعلق مین ہندوؤن کو خصوصاً صلاح دونگا کہ وہ اس معاملہ مین خوب سوچ سمجھکر کام کرین۔ انھین اس امر پر ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہیئے کہ جب وہ ہر سال لاکھون گایون بیلون کا ذبح کیا جانا نہین بند کر سکتے تو صرف چند سیکڑہ کے لیے کیون بے فائدہ فتنہ و فساد برپا کیا جاوے؟ اسمین شک نہین کہ اگر قربانی گاؤ مذہباً جائز بھی مان لی جائے تو بھی قربانی کے مواقع پر مسلمانون کا گایون کا جلوس وغیرہ نکالنا صریحاً ہندوؤن کی دل آزاری کی غرض سے ہوتا ہے۔ پھر بھی ایک دوسرے کا سر پھوڑنے سے تو کام نہ چلے گا بلکہ آپس کی چڑھ سے صورت حال زیادہ زیادہ ابتر ہی ہوتی جاے گی۔ البتہ جبدن مسلمانون کو وطنیت کے فرائض و نیز مشترکہ اقتصادی نقصانات کا احساس ہوگا اُس دن جلوس اور قربانی دونون کا انسداد ممکن ہوجائیگا پس مفت شور و شر کے بجائے اسی کے لیے کوشش کی جانی چاہیئے۔ بہرحال ہندو مسلم اتحاد کے بغیر تو کام چل نہین سکتا۔ آپ سوراج کے مسئلہ کو تو الگ کر دیجیے۔ صرف یہ سوچیے کہ ہندوؤن اور مسلمانون کو ہمیشہ کی طرح ایک ہی ملک اور بیشتر ایک ہی مقام مین یقیناً ساتھ ساتھ رہنا ہے تو کیا محض سکونتی اغراض کے لیے یہ ضروری نہین کہ لڑکر نہین بلکہ میل کرکے رہا جاوے؟ اگر مسلمان لوگ تھوڑی دیر کے لیے اس بات کو نہ سمجھین تو نہ سہی، مگر مین بحیثیت ہندو ہونے کے ہندوون سے خصوصاً کہونگا کہ وہ ابھی باہمی اتحاد کے لیے اپنی ہستی قائم رکھتے ہوئے جتنی بھی قربانی کر سکین اُس سے دریغ نہ کرین اور اس بات کا خیال رکھین کہ ہندو مذہب مین دیگر مذاہب سے موافقت پیدا کرا لینے کا جبلی خاصہ ہے۔ اُس کا سبب ہندو مذہب کا غیر متعصبانہ اور رواداراہ طرز عمل ہی ہے۔

ایک بات مسلمان بھائیون سے بھی کہونگا کہ آپ مہینون یا برسون سے نہین بلکہ صدیون سے اس ملک مین ہندوون کے ساتھ رہتے چلے آرہے ہین دونون کو ایک دوسرے سے واقف ہونے ایک دوسرے کی شادی و غم مین شرکت کرنے، ایک دوسرے کے کامون مین ہاتھ بٹانے اور

ایک حصہ ہے کے طرز معاشرت کو جزواً جذب کرلینے کا کافی سے زیادہ موقع ملا ہے۔ پھر یہ کتنے شرم و افسوس کا مقام ہے کہ وہ باہمی رواداری کی اسپرٹ جسکا پڑوسیون مین ہونا لابدی ہے ہنوز نظر نہین آتی۔ بات کا بتنگڑ بنانا اور ذرا ذرا سے معاملات مین دست و گریبان ہونا اب بھی بدستور جاری ہے۔ خصوصاً آج کل تو عناد و فساد مین وہ ترقی ہے جو یقیناً اسلامی بادشاہت مین بھی نہ ہوئی ہوگی۔ ایک بین ثبوت اِس امر کا یہ ہے کہ اگر آج کے سے جھگڑے روز روز صدیون تک جاری رہتے تو بلاشبہ آج ہمکو ہندؤن اور مسلمانون کے مکانات ایک دوسرے سے ملے ہوئے نہ دکھائی دیتے۔ کیونکہ دنیامین ہوتے ہوئے یہ تو ممکن نہین کہ کسی کے یہان کبھی خوشی کے شادیانے نہ بجین یا کسی کے گھر سے کبھی گریہ وزاری کی آواز کانون مین نہ پڑے نماز یا پوجا پاٹ بھی یقیناً کبھی بند نہ رہی ہوگی۔ آبادی مین مسجد کے ساتھ مندر بھی رہے ہونگے مسلمان ناقوس کی صدائین سنتے رہے ہونگے اور ہندو اذان کی آواز۔ یہ ساری باتین ابھی چندروز پہلے تک برابر ہوتی چلی آئی ہین اور انشاء اللہ چندروز بعد پھر برابر ہوتی چلی جائین گی پھر نہ جانے یہ شور وشر کیون ہے۔ تحمل و بردباری مین تو مذہب کی ہتک نہین بلکہ اسکی شان ہے۔ ہندو اور مسلمان دونون ایک ہی معبود حقیقی کی ذات کو افضل ترین مانتے اور اسی کی پرستش کرتے ہین۔ البتہ دونون کے طریقے مختلف ہین پھر کفر و ایمان کیلئے سزا و جزا کی دینے والی وہی ذات پاک ہے۔ پس کسی کو خواہ مخواہ "خدائی فوجدار" بنکر آسمان سر پر اٹھانا ہرگز مناسب نہین ہے۔ مجھے اسلامی مذہب کے مطالعہ کا ہنوز موقع نہین ملا مگر یہان پر کچھ ایسے احکامات درج کیے جاتے ہین جو مجھے ایک مضمون[1] کے ذریعہ معلوم ہوئے ہین۔ (۱) ذمی[2] غیر مسلم لوگ جو اسلامی سلطنت کے زیر سایہ ہون، اپنے حسب خواہش دن اور رات مین کسی وقت بھی سنکھ اور گھنٹہ بجا سکتے ہین البتہ بجز اسوقت کے جو نماز کے لیے ہو (کتاب الخراج)۔ (۲) ان بتون کو برا بھلا مت کہو جن کی وہ خدا کے علاوہ پرستش کرتے ہین۔ کیونکہ مبادا وہ ازراہ کینہ پروری بجالت لاعلمی خدا کو برا بھلا کہنے لگجائین

---

[1] مضمون مولوی واجد حسین صاحب مطبوعہ ماڈرن ریویو بابتہ جون ۱۹۲۶ء

[2] یہ بات قابل نوٹ ہے کہ یہ شرائط اون غیر مسلم اشخاص کے لیے ہے جو اسلامی بادشاہت مین رہتے ہون۔ محرر

قرآن مجید)۔ (۳) اپنے ان پڑوسیون سے جو تمہارے رشتہ دار ہین نیز اون سے جو اجنبی ہین مہربانی کا برتاؤ کرو (قرآن مجید) (۴) خدا کی مخلوق کیساتھ نیکی کرو کیونکہ خدا ان لوگون کو پیار کرتا ہے جو نیکی کرتا ہے۔ قرآن مجید (۵) متفق ہو کر میل جول کے ساتھ رہنے مین بہت بھلائی ہے اور ایک دوسرے کے ساتھ صلح پسندی سے رہو (قرآن مجید) (۶) کسی بھی مظلوم کی مدد کرو خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم (حدیث)۔ (۷) ایسا نہ کہو کہ لوگ ہمارے ساتھ بھلائی کرینگے تو ہم بھی ان ساتھ بھلائی کرینگے۔ اور اگر لوگ ہمین ستائینگے تو ہم بھی انھین ستائین گے بلکہ یہ قصد کرلو کہ اگر لوگ تمہارے ساتھ نیکی بھی نہ کرین تو بھی تم انکے ساتھ نیکی کروگے۔ اور اگر وہ تمہین ستائین تو تم انھین نہ ستاؤگے (حدیث)۔ (۸) سب خدا کے مخلوق اسکے اہل خاندان ہین اور وہ خدا کا سب سے پیارا ہے جو خدا کی مخلوق کے ساتھ سب سے زیادہ نیکی کرنے کی کوشش کرتا ہے (حدیث) (۹) آنکھ سے زنا کرنا دوسرے کی عورت کو بری نظر سے دیکھنا ہے۔ اور زبان سے زنا کرنا ایسی باتون کا کہنا ہے جو ممنوع ہین (حدیث) (۱۰) مین بجد اکہتا ہون کہ ایسا کوئی فعل نہین ہے جسکو خدا اسقدر ناپسند کرے۔ جتنا کہ اس خدا کے مرد اور عورت خدام (یعنی مردون اور عورتون) کا زنا کرنا دوسرے کی عورت کو بری نظر سے دیکھنا (حدیث) کتنی سنہری باتین ہین! یہی اسلامی مذہب کی خوبیان دکھلانے والی اور اسکی شان کو بڑھانے والی ہین۔ مین مسلمان بھائیون سے کہون گا کہ آپ تبلیغ و تنظیم شوق سے کیجئے مگر اپنے مذہب کی شان کو برقرار رکھتے ہوئے ساتھ ہی ساتھ شدھی اور سنگھٹن کے کامون کو بھی بلاکسی چڑھ کے ہونے دیجئے۔ مختصر یہ کہ اپنے حقوق کے ساتھ دوسرے کے حقوق کا بھی کافی خیال رکھئے جبھی نباہ ہوسکتا ہے۔

مغربی دنیا مین مذہب کے نام پر خوب کشت خون ہوچکا اب وہان انسانی رواداری کا احساس کافی ہوچکا ہے اور مذہبی آزادی کا مسئلہ ایک طے شدہ مسئلہ قرار پاچکا ہے۔ یہان بھی عیسائی مشنریون کا کام کتنی رواداری اور خاموشی اور پختگی کے ساتھ ہوتا ہے۔ ہملوگونکو ابھی ان سے بہت دنون تک سبق سیکھنے کی ضرورت ہے۔ جب مذہب کی آزادی کیساتھ ساتھ ہموطنی اور برادرانہ محبت کا خیال بھی دلون مین کافی پیدا ہو جائیگا اسوقت ہندو مسلم نفاق کا ہمیشہ کے لیئے خاتمہ ہو جائیگا۔ مگر سوال یہ ہے کہ اسوقت تک ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے تو رہا نہین جاسکتا

اور سوچنا یہ ہے کہ ایسی خوشگوار فضا پیدا کرنے کے لیے کون سے وسائل اختیار کئے جائین اسکے لیے چند آزاد خیال ہندوؤن مسلمانون کی ضرورت ہے اور ملک مین ایسے قابل قدر لوگون کی یقیناً کمی نہین ہے۔ اس زمانہ مین بھی چند ایسے اصحاب موجود ہین جو خدا لگتی کہنے کے لیئے تیار ہین اور واقعی قابل مبارکباد ہین وہ لوگ جو دونون قومون مین مستقل اتحاد کی جھلک دیکھنے کے تمنائی اور اسکے ملانے کے لیئے دل وجان سے کوشان ہین۔ نیشنل یونین کی قائمی اسکا ثبوت ہے۔ میری رائے مین اگر یہ یونین صرف اپنے مقصد کے حدتک بھی کانگریس سے ملکر کام کرے تو کام مین زیادہ قوت اور اس کی رفتار مین زیادہ تیزی پیدا ہوسکتی ہے اس اتحادی انجمن کو اسی دستور العمل کے مطابق کام کرنا چاہیئے جو ستمبر ۱۹۲۴ء والی دہلی کی مصالحتی کانفرنس مین طے ہوا تھا[1]۔ اسکے لیئے خاص خاص مرکزی مقامات مین حسب ضرورت مصالحتی بورڈ قائم کیے جائین

اسوقت سرکار بھی بہت متفکر ہے اور متفکر ہونے کی بات بھی ہے۔ کیونکہ ابھی تک تو چاہے تھوڑی بہت روک تھام بھی ہو سکے۔ لیکن اگر خدانخواستہ یہ جھگڑے گانون گانون مین پھیل گئے تو اسوقت بلاشبہہ حالت کا سنبھالنا ناممکن سا ہو جائے گا۔ اسکے علاوہ سرکار کو اپنی بدنامی کا بھی کافی خیال ہے۔ ابھی لارڈ برکنہیڈ وزیر ہند بہادر نے اپنی معرکتہ الارا تقریر کے دوران مین کہا ہے کہ

> "کیا کوئی۔ سمجھدار اور تجربہ کار شخص یہ یقین کرسکتا ہے کہ ہم جو اس چھوٹے بڑا عظم مین امن قائم رکھنے کے امین ہین۔ کیا کوئی شخص یقین کرسکتا ہے کہ اس سے بجز ہمارے انتہائی فرائض کے بدنامی کے اور کوئی بات پیدا ہو گی۔ اگر ہم ان لوگون کو جو ہمارے ساتھ وہان رہتے ہین امن قائم رکھنے، تشدد سے اجتناب کرنے اور کشت وخون سے باز رہنے کی ترغیب بھی نہ دیسکین؟ اس حکومت کو جو ہندوستان کے لیئے جوابدہ ہے۔ اس بدانتی سے بجز بدنامی کے اور کچھ نہین ملسکتا۔"

اس صورت مین سرکار کا فرض ہے کہ وہ جلد سے جلد اس بدنامی کو اپنے سر سے دور کرنے کی

---

[1] مولانا ابوالکلام آزاد تو اسی موافق کام ہونے کے لیئے کئی مرتبہ پرزور اپیل کر چکے ہین

کوشش کرے اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے جب حکام وقت پورے اتفاق کیساتھ غیر جانبدارانہ طریقہ پر کام کریں دونوں فرقوں میں دوبارہ توازن قائم کرنے کے لیے قدرتاً ضروری ہو کہ میزان عدل کے دونو پلڑے برابر رکھے جائیں۔ دونوں کے جائز حقوق کا واجبی تحفظ ہو اور ان کے ناجائز مطالبات کا سختی کیساتھ مقابلہ کیا جائے حضور والسرائے نے قانونی مجالس کے سامنے تقریر کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

جو مخالفت فرقہ ہائے متعلقہ کے چند ممبروں یا جماعتوں نے حال میں مذہبی رسوم کے بابت دکھلائی ہے وہ کسی حد تک اتنی زیادہ کسی مذہب کے روایتی پابندی پر محمول نہیں معلوم ہوتی جتنا کہ ان خیالی حقوق کے استقرار پر جنھیں قدیم اصولوں کی پاکیزگی میں رنگنے کی کوشش کی جاتی ہے .... گورنمنٹ کافی وضاحت اور زور کے ساتھ کہدینا چاہتی ہے کہ وہ کسی نامنصفانہ اور نامعقول دعاوی اور اس سے بھی کم کسی تشدد یا تشدد کی دھمکیوں سے اپنے امن عامہ کی قائمی کے صریح فرض سے باز آنے کے لیے ذرا بھی تیار نہیں ہو۔ اور جہانتک کہ امن مذکور کے قیام کی موافقت دوسروں کے حقوق کیساتھ ہو یعنی کسی شہری کا وہ شخصی حق جسکے رو سے وہ اپنے جائز کاموں کو بلا کسی مزاحمت کے کرنے کا حقدار ہے،،

کیا ہم دریافت کر سکتے ہیں کہ جماعتی حقوق (جائز حقوق) کے بارہ میں گورنمنٹ کا کیا رویہ ہوگا؟ بہرحال الفاظ بالا پر غور کرنے کے ساتھ ہی سرکار کے فرائض کو دھیان میں رکھنے سے ہمیں بالکل مایوس ہو جانے کے کافی وجہ نظر نہیں آتی۔ اب ہم اس سلسلہ میں گورنمنٹ سے ایک بات اور کہدینا چاہتے ہیں۔ انصاف ہمیشہ چند خاص امور کو معیارانہ طریقہ پر دھیان میں رکھکر کیا جاتا ہے۔ اس کے لیے ہم صلاح دینگے کہ انہیں دہلی کی مصالحتی کانفرنس والی قرارداد پر زور دیا جاوے اس سے ایک بات یہ بھی ہوگی کہ گورنمنٹ اس کام میں نیشنل یونین کے قرار واقعی مدد کر سکے گی۔ اور پھر سارا کام یقیناً زیادہ سہولت

عجلت کے ساتھ انجام پذیر ہوگا۔ البتہ سرکار یا سرکاری حکام کی جانب سے یونین کے کامون
مین خواہ مخواہ مداخلت نہ ہو۔ بلکہ یونین کی سفارشات کو توجہ اور قدر کا مستحق سمجھا جائے۔
اسمین شک نہین کہ گورنمنٹ یہ سب کچھ کرسکتی ہے مگر بقول شخصے اندھے کو تو جبھی اعتبار ہو سکتا ہے
جب اسکو دو آنکھین ملین ؎

اقبال ورما سحر ہنگامی

خلق عظیم

یہ کتاب مختلف اخلاقی و سبق آموز احادیث نبوی کا مجموعہ ہے جسکو میر ولی اللہ
صاحب بی۔ اے۔ ایل۔ ایل بی وکیل ایبٹ آباد نے نہایت حسن و خوبی سے مختلف
اخلاقی عنوانات کے تحت مین مرتب کیا ہے۔ ہر حدیث کے سامنے فصیح و سلیس ارد و۔
ترجمہ بھی موجود ہے۔ پیغمبر اسلام کی تعلیمات سے شوق رکھنے والے حضرات عموماً اور
مسلمان حضرات خصوصاً اس کتاب کے مطالعے سے فلاح دارین حاصل کرسکتے
ہین۔ عورتون اور لڑکون کے لیے اس کتاب کا مطالعہ بہت مفید ہوگا۔
کاغذ عمدہ لکھائی اور چھپائی اچھی حجم ۱۵۱ صفحہ قیمت ۸؍ شایقین میر صاحب موصوف سے
طلب فرمائین۔

عورت کی محبت غیر فانی ہے۔ صرف ایک چیز عورت کی محبت کو فنا کرتی ہے، وہ صدمہ رقابت ہے،

جو مرد کسی عورت کی خوبصورتی کے لیے اس سے شادی کرتا ہے وہ احمق ہے جو روپیہ
کے لیے کرتا ہے وہ لالچی ہے اور جو حسن سیرت کے لیے کرتا ہے وہ حقیقی شوہر ہے۔

میرزا اسداللہ خان غالب دہلوی کا مذہب

مرزا اسداللہ خان عرف مرزا نوشہ غالب علیہ الرحمہ کا سرمایۂ نازش ان کا کلیات نظم نثر فارسی ہے مگر ان کے مقصود کے خلاف جو شہرت ان کے کلام اردو کو ہندوستان مین حاصل ہوئی ہے وہ کلام فارسی کو نہین ہوئی۔ مرزا کے کلام کی خوبیون نے ہر صاحب فہم کو مرزا کا ہواخواہ بنالیا ہے۔ اور تقاضائے فطرت سے مجبور ہو کر سب کی یہ تمنا ہے کہ مرزا کے ساتھ ہمین اتحاد ذہنی حاصل ہو جائے یہی وجہ ہے کہ اس زمانے مین غالب کے انداز بیان کا تتبع کمال شاعری کا معیار سمجھا جاتا ہے۔ خیر یہانتک کوئی مضائقہ نہین مگر قیامت یہ کہ جوش محبت سے مجبور ہو کر لوگ کہتے ہین کہ غالب ہمارا ہم مذہب تھا اہل ہنود مجبور ہین کہ انھین کوئی ایسا موقع نہین ملتا مگر مسلمانون مین کوئی کہتا ہے کہ غالب شیعہ تھا کوئی کہتا ہے نہین وہ سنّی تھے۔ مین عرض کرتا ہون کہ مرزا صاحب جو اپنا مذہب اپنی زبان سے کہین وہ صحیح یا جو ان کے ہمنشین بیان کرین وہ درست ہے۔

میرے حقیقی نانا نواب محمد علیخان صاحب عرف نواب دولہ صاحب بہادر مغفور موسوی صفوی شاہجہان آبادی غالب کے دوست صادق الوداد تھے وہ مرزا اسداللہ خان غالب کو شیعہ اثنا عشری فرماتے تھے۔ خواجہ الطاف حسین خان حالی مغفور جو خود حنفی المذہب تھے یادگار غالب کے صفحہ ۶۷ مین مرزا غالب کے مذہب و ملت کے متعلق لکھتے ہین۔

انھون نے تمام عبادات اور فرائض و واجبات مین سے صرف دو چیزین لین تھین ایک توحید وجودی اور دوسرے نبی اور اہل بیت نبی کی محبت اور اسی کو وہ وسیلۂ نجات سمجھتے تھے۔

اسی کتاب کے صفحہ ۳۰ مین لکھتے ہین ۔

" اگرچہ مرزا کا مذہب صلح کل تھا مگر زیادہ تر ان کا میلان طبع تشیع کیطرف پایا جاتا تھا اور جناب امیر کو وہ رسول خدا کے بعد تمام امت سے افضل جانتے تھے "

ایک بار مرحوم بہادر شاہ نے دربار مین یہ کہا کہ ہمنے سنا ہے کہ مرزا اسد اللہ خان غالب شیعی المذہب ہین ۔ مرزا کو بھی اطلاع ہو گئی ۔ چند رباعیان لکھکر حضور کو سنائین جن مین تشیع سے تحاشی کی تھی ان مین سے ایک رباعی جو بہت لطیف ہے مجھکو یاد رہگئی ہے جو یہان لکھی جاتی ہے ۔

رباعی

جن لوگون کو ہے مجھسے عداوت گہری کہتے ہین مجھے وہ رافضی اور دہری
دہری کیونکر ہو جو کہ ہووے صوفی شیعی کیونکر ہو ماوراء النہری

اس رباعی کی توضیح و تشریح کے بعد خواجہ صاحب لکھتے ہین ۔

جو لوگ مرزا کی طرز مزاج اور طرز کلام سے ناآشنا ہین وہ شاید یہ سمجھین کہ مرزا نے بادشاہ کے حضور مین اپنا رسوخ قائم رکھنے کے لئے اپنا مذہب غلط بیان کیا ۔ لیکن اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ سب رباعیان صرف بادشاہ کے خوش کرنے اور اہل دربار کے ہنسانے کے لیے لکھی گئی تھین کیونکہ دربار مین ایک متنفس بھی ایسا نہ تھا جو مرزا کو شیعی یا کم سے کم تفضیلی نہ جانتا ہو ۔

پھر اسی کتاب کے صفحہ ۱۲۱ پر مرزا کا یہ شعر لکھا ہے ۔

با من میاویز اے پدر، فرزند آذر را نگر هر کس کہ شد صاحب نظر دین بزرگان خوش نکرد

لکھتے ہین کہ یہ نرا مضمون ہی نہین بلکہ مرزا کے حسب حال بھی ہے کیونکہ جہانتک ہمکو معلوم ہوا ہے مرزا کے والد (مرزا عبداللہ بیگ خان عرف مرزا دولہ) سنی المذہب تھے ۔ اور خود مرزا اثنا عشری تھے

مرحوم محمد حسین آزاد نے تذکرہ آب حیات مین غالب کو شیعہ اثنا عشری لکھا ہے مگر اس خیال سے کہ آزاد مرحوم شیعی المذہب تھے شاید کوئی کہنا انکا نہ مانے مین انکا کوئی قول یہان نقل نہین کرتا

مولوی عبد الباری صاحب آسی شرح دیوانِ غالب کے صفحہ ۲۸۷ مین فرماتے ہین "مرزا اہل تشیع سے تھے مگر اُن کا تمام خاندان سنی المذہب تھا اور وہ کسی سے تعصب نہین رکھتے تھے"۔

نواب ضیاء الدین احمد خان صاحب نیّر درخشان دہلوی کی ایک رباعی صحیفۂ زرین سے یہان نقل کرتا ہون اور دکھاتا ہون کہ مرزا کو حضرت علی مرتضےٰ سے کسقدر محبت تھی۔

استادِ من آن پیرِ حق آگہ غالب ؎ اقلیم کلام را شہنشہ غالب
میداشت عصائے کندہ چون مہر بدست ؎ بر نقش بر آن اسد اللہ غالب

نقل اقوال سے فرصت ملی اب دیکھئے کہ خود مرزا صاحب کیا فرماتے ہین۔ کلیات نظم غالب فارسی اسوقت پیش نظر ہے ایک قطعہ جو انھون نے نواب زین العابدین خان عارف مرحوم کی مدح مین لکھا ہے اس کا فقط ایک شعر بضرورت یہان لکھتا ہون ؎

در تولا فدائے نام علیست ؎ چو نباشد چنین کہ جانِ منست

کہتے ہین کہ ممدوح کا علی کے نام پر فدا ہونا کوئی تعجب کی بات نہین اسلیے کہ وہ میری جان ہے، اور میری جان علی پر قربان ہے مرزا کے سر دیوان کی غزل کا یہ شعر بھی لائق غور ہے۔

بزم ترا رنگ و بو خستگی بوتراب ؎ سازِ ترا زیر و بم واقعۂ کربلا

مختصر مدعا یہ کہ جو سب سے زیادہ ہدفِ تیر قضا ہوتے ہین وہ ہی مقربان درگاہِ الٰہی ہین بوتراب جناب امیر علیہ السلام کا لقب ہے۔

ایک اور جگہ لکھتے ہین

غالب نام آورم نام و نشانم مپرس ؎ ہم اسد اللّٰہیم و ہم اسد اللّٰہیم

اسد اللّٰہی منسوب بہ اسد اللہ الغالب علی ابن ابی طالب علیہ السلام

دوسرا شعر ؎

منصور فرقۂ علیٔ اللّٰہیان منم ؎ آوازۂ انا اسد اللہ برافگنم

علیٔ اللّٰہی شیعون کا وہ گروہ جو حضرت علیؑ مرتضیٰؑ کی الوہیت کا قائل تھا۔ آوازہ آواز کا مترادف یہان انا اسد اللہ مین جو ایہام ہے اسکا لطف زبان سے بیان نہین ہو سکتا۔

اسی کلیات مین غالب کا ایک مخمس موجود ہے جسکے مقطع کی نقل پر قناعت کرتا ہون۔

بر آستانِ سرورِ عالم نشستہ ام | اندوہ ناک فتنۂ دہر بے غم نشستہ ام
جنگم چرا ز خلق چو من ہم نشستہ ام | از خواجہ تاش خویش مقدم نشستہ ام

رحمے بہ حالِ غالب و قنبر کند علیؑ

ایک آقا کے دو غلام باہم خواجہ تاش کہلاتے ہین قنبر ایک ملک کا رئیس زادہ تھا جنے وسیلۂ نجات سمجھکر حضرت علی مرتضیٰ کی غلامی اختیار کی تھی بہ ضرورت قافیہ غالب کا لفظ یہان قنبر سے پیشتر آیا ہے۔ اس حسن اتفاق کو شاعر اپنی عزت افزائی سمجھ رہا ہے یون ع

با خواجہ تاش خویش مقدم نشستہ ام

زیادہ تر لطف کی یہ بات ہے کہ جس طرح قنبر نے باوجود رئیس زادہ ہونے کے ازراہ حسن عقیدت اپنے کو علیؑ کا غلام سمجھ رکھا تھا اُسی طرح غالب نے بھی باوجود ریاست خاندانی اپنے کو غلام سمجھ رکھا ہے۔

نظم فارسی کے کلیات مین بہ کثرت قصائد حضرت علی مرتضیٰ اور ائمہ اہلبیت کی مدح مین موجود ہین۔ مین ایک قصیدے کے چند شعر جس سے فی الجملہ مرزا کے عقائد کا حال معلوم ہوتا ہے یہان لکھتا ہون۔

چون برگ گل ز باد سحر گاہ سیم زبان | رقصد بنام حیدر کرار در دہن
فیضِ دم انا اسد اللہ بر آورم | منصورِ لا ابالی بے دار و بے رسن
ساغر کشِ صبوح لبالب کنم ز مے | چون من کہ لب زرز مزمۂ یا ابا الحسن
شاہ نجف۔ وصی نبی۔ مرتضیٰ علیؑ | آن از ائمہ اول و ثانی ز پنجتن
ذاتش دلیل قاطع ختم نبوت است | وقتِ غروب مہر دمد ماہ بے سخن
والای شب ست دولیعہد آفتاب | بایہ بروشنی مہ از مہر دم زدن
پیغمبر آفتاب فروغش جمالِ دین | عبد از نبی امام مہ و سپیدان پرن
اے از تو بودہ رونق دین محمدی | رو بیت سہیل و کعبہ ادیم و عرب یمن

غالب بہ چنین کشا کش اندر یا حضرت بو تراب تا کے

یہ شعر مرزا کی اُس غزل کا ہے جو سبد چین مین موجود ہے اور سبد چین مرزا کا دوسرا فارسی کا ایک مختصر دیوان ہے جو کلیات نظم فارسی کے بعد معرض طبع مین آیا تھا۔

مرزا اسداللہ خان غالب نے جو دیباچہ بزبان فارسی اپنے دیوان اُردو کا لکھا ہے وہ اس جملے پر ختم ہوتا ہے۔

"فرجامِ کار نجفی مدفن نیز باد"

مین ایسا جانتا ہون کہ سوا اہلِ تشیع کے اور کوئی گروہ اسلام کا نجف اشرف مین مدفون ہونے کی تمنا نہین کر سکتا۔ اُردو کے دیوان مین بھی دو قصیدے منقبت کے موجود ہین۔ ایک اُردو کی غزل کا مقطع بھی لایق تحریر ہے۔

غالب ندیمِ دوست سے آتی ہے بوے دوست مشغولِ حق ہون بندگی بو تراب مین

خلاصۂ مقصود یہ کہ علی کی اطاعت فی الواقع خدا کی عبادت ہے۔

عود ھندی اور اردوے معلٰے مین مرزاے مرحوم کے بہت سے ایسے خطوط موجود ہین جن سے ان کا تشیع ثابت ہوتا ہے۔ مین بخیال اختصار یہان ان کے ایک خط سے چند سطرین نقل کرون گا۔ یہ وہ خط ہے جو انھون نے نواب علاءالدین احمد خان تخلص رئیس و جاگیردار لوہارو کو دہلی سے لکھا تھا۔ تمہید یہ ہوئی کہ خدا بخشے نواب علاءالدین صاحب جو مرزا کے فیض صحبت سے شیعہ ہو گئے تھے ان کی سرکار مین مولوی حمزہ خان صاحب حنفی المذہب قدیم الایام سے ملازم تھے۔ انھون نے مرزا نوشہ خان غالب کے عادات اطوار خلاف شرع دیکھ کر اعتراض کیا بلکہ مشرک و مرتد تک کہہ گذرے۔ نواب مرحوم خدا مغفرت کرے مین جانتا ہون بڑے خوش مذاق آدمی تھے۔ جب وہ باتین کرتے تھے کیا کہون لطف آمیز باتین ہوتی تھین انھون نے مولوی حمزہ خان کے اعتراض بے تکلف مرزا صاحب کو لکھ بھیجے مرزا کو کہان تاب تھی۔ اعتراض دیکھتے ہی برس پڑے۔ فرماتے ہین۔

"حمزہ خان کو بعد سلام کہنا ع

اے بیخبر ز لذت شرب مدام ما

دیکھا ہلکو اون پلاتے ہین۔ درپے کے بنیون کے لونڈون کو پڑھا کر مولوی مشہور ہونا اور مسائل ابو حنیفہؒ کو دیکھنا اور مسائل حیض و نفاس مین غوطہ مارنا اور ہے اور عرفا، کے کلام سے حقیقت حقہ وحدت الوجود کو اپنا دلنشین کرنا اور ہے۔ مشرک وہ ہین جو وجود کو واجب و ممکن مین مشترک جانتے ہین وہ مشرک ہین جو مسیلمہ کو نبوت مین خاتم المرسلین کا شریک گردانتے ہین۔ مشرک وہ ہین جو نو مسلمون کو ابو الائمہ کا ہمسر جانتے ہین۔ مین موحد کامل اور مومن خالص ہون زبان سے لا الٰہ الا اللہ کہتا ہون اور دل مین لا موجود الا اللہ و لا موثر فی الوجود الا اللہ سمجھا ہوا ہون انبیا سب واجب التعظیم اور اپنے اپنے وقت مین سب مفترض الطاعت تھے محمد علیہ السلام پر نبوت ختم ہوئی یہ ختم المرسلین اور رحمۃ للعالمین ہین۔ مقطع نبوت کا مطلع امامت اور امامت نہ اجماعی بلکہ من اللہ ہے اور امام من اللہ علی علیہ السلام ہے ثم حسن ثم حسین اسی طرح تا مہدی موعود علیہ السلام ع بریں زیستم ہم بریں بگذرم"

ان مضامین و اشعار مذکورۂ بالا کو پڑھکر کسی کو مرزا کے تشیع مین شک نہین ہو سکتا۔ البتہ مرزا کی قبر دیکھکر ناواقف دھوکا کھا سکتا ہے کیونکہ یہ قبر خلاف قبور اہل تشیع بلند و مرتفع ہے اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ غالب مرحوم کی بی بی سنی المذہب تھین۔ عادت اور شرم خاندانی سے مجبور ہوکر انہون نے اپنے برادر عم زاد نواب ضیاء الدین احمد خان نیر مغفور کو سمجھا دیا تھا کہ تم اپنے استاد کو حسب دستور اہلسنت دفن کرنا باوجودیکہ بخشی صفدر سلطان مرحوم نے دلی دروازے کے باہر پہنچکر بہت کچھ کہا سنا کہ مرزا صاحب شیعہ تھے ہین ان کے دفن کرنے کی اجازت ہو مگر نواب صاحب نے ایک نہ مانی اور اپنے خواہر عم زاد کے حکم کی تعمیل کی۔ خیر مردہ بدست زندہ ؛

اس واقعہ کا ذکر کرکے خواجہ الطاف حسین صاحب حالی نے بہت لطف و تہذیب کے ساتھ اپنی رائے لکھی ہے مرزا مرحوم کی قبر سلطان جی مین ایک دیوار شکستہ کے عقب مین ہے۔ مین بارہا ادھر سے گذرا ہون اور فاتحہ پڑھی ہے۔ قبر انکی عوام الناس کی قبرون کیطرح بنائی گئی ہے حالانکہ عمائد دہلی کی قبرین عموماً سنگ خام سے بنائی جاتی ہین اہل نظر و بصر ایسے شخص کی قبر اس حالت مین دیکھکر بہت کچھ مطلب سمجھ سکتے ہین۔

خاقان حسین عارف

مجسمۂ اخلاق

اخلاق انسانی فطرت کا جزو اعظم ہے۔ بیکن مناسب تعلیم و تربیت کے بغیر اس کا ظہور ہونا محال ہے۔ جیسے لکڑی اور پتھر مین بہت سی صورتین اُسوقت تک پوشیدہ رہتی ہین کہ جبتک کسی ہوشیار کاریگر کا ہاتھ انہین کاٹ چھانٹ کر ایک موہنی مورت کی صورت مین نمودار نہ کردے۔ ویسے ہی ہماری اخلاقی صورتین بھی بلا صحیح تعلیم و تربیت کے ہماری ہستی کے آئینے مین نمودار نہین ہوتین۔ عام طور پر زندگی کے معمولی واقعات اخلاقی نشو و نما کے لیے ناکافی ثابت ہوتے ہین۔ مثلاً عموماً انسانی فطرت جلب منفعت و نیز دفع مضرت کے اُصول سے باہر نہین جاسکتی جلب منفعت کا تقاضا اگرچہ اخلاقی و عملی نشو و نما کے لیے لازمی اور ضروری ہے۔ تاہم ذاتی مفاد کا خیال حد سے متجاوز ہوکر ہماری اور دوسرون کی ترقی مین ہارج بنجاتا ہے اور رفتہ رفتہ دفع مضرت کی وہ مہیب صورت جا بجا رونما ہوجاتی ہے جسے خونریزی اور جنگ و جدال کے نام سے موسوم کیا کرتے ہین۔ اخلاق اور اعمال کی یہ ایک بدترین حالت ہے۔ اسکی وجہ سے انسان ایک ناہموار زندگی بسر کرنے کے عادی بنجاتے ہین۔ نیز ان کی ترقی کا میعار دوسرون کو نقصان پہونچا کر ذاتی مفاد حاصل کرنا ہی رہ جاتا ہے۔ ایثار اور کسر نفسی کا اظہار بھی مطلب سے خالی نہین ہوتا۔ عام ترقی کے راستہ مین ایسی رکاوٹین پیدا ہوجاتی ہین۔ جنکا عبور کرنا ہر شخص کے لیے دشوار بنجاتا ہے۔

اخلاق یہ چاہتا ہے کہ ہر شخص کے جذبات کا احترام کیا جائے مگر انہین حد سے متجاوز ہونے سے روکا جائے۔ اخلاقی تعلیم کا مقصد اولاً ایک معتدل حالت پیدا کرنے پر منحصر ہے۔ افراط و تفریط کی صورت مین اکثر آدمی یا تو کسر نفسی کی وجہ سے اپنے وجود کو ہی دوسرو کی مرضی پر چھوڑ بیٹھتے ہین یا جذبات کے مطیع ہوکر کمزورون کو خواہ مخواہ نقصان پہونچانے

کے درپے ہو جاتے ہین۔ پہلی صورت اخلاق کی ناقص اور کمزور حالت سے تعبیر کیجا سکتی ہے۔ اور دوسری اُسکی معیوب اور بگڑی ہوئی کیفیت سے۔ اخلاق کی ابتدائی تعلیم سے ہین مروّت اور ایثار کے حدود کا امتیاز اور نامناسب جذبات پر قابو پانے کا راز معلوم ہو سکتا ہے۔ مغربی علمار کا خیال کہ ایک عام تحریک کے زیر اثر کہ جسے SERVIVAL OF THE FITTEST کے مسئلہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اخلاقی مدارج کا ظہور اور ان کی نشو ونما خود بخود ہونا ممکن ہے صحیح نہین کہا جا سکتا۔ کیونکہ اسکا تعلق ایک ناہموار اور غیر معتدل حالت سے صاف ظاہر ہے۔ دلیل کے طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ ابتدئًا انسانی تہذیب اور تمدن کے لیے کوئی خاص اخلاقی اصول موجود نہ تھے۔ بادی النظر مین یہ دلیل ناقابل تردید معلوم ہوتی ہے۔ تاہم اُصول ارتقا کو اگر مادیات تک ہی محدود مانا جائے تو انسان کی حالت کا جانوروں سے گذر کر رموز معرفت اور حقیقت کی جہان بین تک ترقی کرنا بعید از قیاس معلوم ہوتا ہے۔ فی زمانہ یہ دیکھنے مین آرہا ہے کہ جن قومون نے اخلاقی تعلیم کو باعتبار اصلیت نظر انداز کر دیا ہے ان کا تمام علم و خیال جلب منفعت اور دفع مضرت کی کثیف ترین صورتون مین ہی رونما ہوتا رہتا ہے۔ اگر دنیا مین فی الواقع اخلاقی تعلیم کی حدین پیشتر سے معین اور موجود نہ تھین تو کس بنیاد پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ انسان کا دماغ یکدم جلب منفعت اور دفع مضرت کے فطرتی تقاضا سے ہٹکر دوسرون کو آرام و راحت پہونچانے کے درپے بنگیا۔ خیر کچھ ہی ہو اور کسی وجہ سے ظہور پذیر ہوا ہو۔ بہر نوع یہ امر ضرور غور طلب ہے کہ انسان نے اپنے اعمال اور خیالات مین اعتدال حاصل کرنے کے لیے ضرور ایک مناسب اخلاقی تعلیم کا سہارا لیا ہوگا۔ نیز یہ تعلیم اُسنے خود ذاتی تجربہ سے ایجاد نہین کی بلکہ اس کے ابتدائی گہوارے مین ہی ماں۔ باپ و نیز اُستاد کے ذریعہ برابر ایک دوسرے سے سلسلہ بہ سلسلہ حاصل ہوتی رہی۔

اعتدال کو ہم اسلئے اخلاقی تعلیم کا آغاز بنانا چاہتے ہین کہ انسان کا ذہن ترازو کے مثال ہے۔ جن لوگون کا ذہن دنیوی آلائشون سے صاف ہوتا ہے۔ اُن کی اس ترازو مین چھوٹی سی چھوٹی مناسب اور نامناسب حرکات و سکنات صحیح طور پر موازنہ کیجا سکتی

ہین اسی کو انصاف کہتے ہین اور یہی عدالت کی حد ہے۔ تاوقتیکہ کوئی تعلیم انسانی خدمات اور احساسات کی صحیح حد تک اپنا اثر ڈالنے مین کامیاب نہ ہوسکے۔ اُسوقت تک مناسب سزا و جزا کا انتظام کہ جو مساوات اور ہمواری کے لیے ضروری ہے۔ خیال مین نہین آسکتا پس اعتدال پر نگاہ رکھنے سے یہاں ایک طرف ذہن کی کنافتین رفتہ رفتہ دور ہونے لگتی ہین وہان اخلاقی نشو و نما کے لیے بھی ایک مستقل اور مستحکم بنیاد قائم ہو جاتی ہے۔ دینی اور دنیوی ترقی کے لیے استقلال ایک لازمی شے ہے۔ اسے اعتقاد سے بھی تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ تاہم اعتقاد مین اگر تفنیف اور فسادات کا اُصول صحیح طور پر ذہن نشین نہ کرلیا جائے تو آیندہ ترقی کے لیئے کوئی مضبوط اور مستحکم معیار قائم رکھنا دشوار ہو جائیگا۔

دوسری شرط جو اخلاقی نشو و نما کے لیئے اہم ضروری ہے۔ دوسرون کے قصور اور کمزوریون کو صبر اور تحمل سے برداشت کرنے کی عادت پر منحصر ہے یہ بھی اُصول اخلاق پر نگاہ رکھنے سے بخوبی نشو و نما پاسکتی ہے۔ اپنے حالات پر ایک نظر غائر ڈالنے سے جسطرح کے قصور و کمزوریان ہم دوسرون مین پاتے ہین۔ وہی ہمارے اندر بھی دکھائی دیتے ہین۔ ہم اپنے قصورات کے لیے بیشمار تاویلات گڑھتے رہتے ہین۔ مگر دوسرون کی کمزوریان ہمین بلاوجہ اور بے ضرورت بھی نظر آتی ہین۔ موجودہ اخلاق نے اس بارہ مین درگذر TOLERATION کی پالیسی پر اکتفا کرنا ہی مناسب خیال کیا ہے۔ گر اس سے اخلاقی ترقی رک جاتی ہے۔ اسکے معنی صرف یہی ہوتے ہین کہ تو نہ میری کہہ اور نہ مین تیری کہون۔ یا دوسرے الفاظ مین جائز نکتہ چینی سے لاپروائی کا نام ہی درگذر کہا جاسکتا ہے۔ بہر حال اخلاقی نشو و نما کے لئے لاپروائی اور درگذر سے کام نہین چل سکتا البتہ بعض صورتون مین نادانستہ طور پر جو قصورات سرزد ہوا کرتے ہین اُنہین دوسرون پر ظاہر کردینے کے بعد معاف کردینا نامناسب نہین۔

صبر و تحمل سے زیادہ تر یہ مراد لینا چاہئے کہ جو لوگ عادتاً یا اپنے یک طرفہ مفاد کی وجہ سے دوسرون کے لیے باعث مضرت ثابت ہوتے ہین۔ اُنہین کس طور پر رفتہ رفتہ اور بسہولت راہ راست پر لایا جائے۔ اس مرحلہ کو بھی آسانی طے کرنے کے لیے اعتدال کی ضرورت

یہ وہ کاٹ چھانٹ کی صورت ہے کہ جنمین بیجا تعصب، ذاتی مفاد اور حد سے متجاوز جذبات ایک فطرتی تساہلے کو ہمیشہ کے لیے خراب اور بیکار بنا دیتے ہین۔ مثلاً اگر ہم دوسرون کا مال چالاکی یا فریب سے اپنے قبضہ مین لانے کی کوشش کرین تو ان لوگون سے یہ توقع رکھنا کہ وہ صبر و تحمل سے کام لیتے ہوئے اسے برداشت کرلین گے اور ان کی اخلاقی فطرت انتقام کی طرف مائل نہ ہوگی فضول و بے معنی ہی نہین بلکہ خود کو ایک بہت بڑے مغالطہ مین ڈال دینا ہے۔ بس دوسرون کے مال و اسباب کی طرف نیت بد نہ رکھنا۔ اپنے خدمات پر قابو حاصل کرنا خواہشات نفسانی کو کم کرنا۔ تحصیل علم کے ذریعہ تعصب وجہل کی بیخکنی کرتے رہنا وغیرہ وغیرہ ایک صحیح معنی مین اخلاقی تصویر کا ڈھانچہ تیار کرنے مین کارآمد ہوسکتے ہین۔ اس تصویر مین اگر سچی ایثار نفسی راستبازی اور ہر حالت مین خوش خرّم رہنے کی عادات بطور رنگ آمیزی کے استعمال کیجاسکتی تو یہ ضرور ایک ایسی من موہنی تصویر بنجائے گی کہ جسکی پرستش کرنا مومن وگبر سب کے لیے یکسان فرض بنجائے گا۔

اخلاقی حالت جب بہمہ وجوہ مکمل ہوجاتی ہے تو اُسکے زیر اثر دوسری قوتین بھی کم وبیش ایک صاف اور ستھری روشنی سے منور ہونے لگتی ہین اور باوجود دنیوی علم کے ناکافی ہونے کے بھی (اگرچہ ہمیشہ مکمل طور پر حاصل ہونا ناممکن ہے) ایک روشن خیال اور روشن ضمیر ہستی ایک ایسی نورانی حیثیت اور حالت اختیار کرلیتی ہے۔ جسکا وجود ذات واجب الوجود کے اوصاف اور خواص کا ایک مرقع بنجاتا ہے اسی کو عام لوگ نبی یا اوتار سمجھنے لگتے ہین۔

فطرتی طور پر اعمال حسنہ کی تقسیم ذیل کے چار مدارج مین کیجاسکتی ہے۔

اوّل۔ افعال طبعی۔ دوم۔ سعی علمی۔ سوم۔ اظہار طمانیت۔ چہارم حصول راحت ان مین سے آخری دو صورتین علی الترتیب پہلی صورتون کا نتیجہ ہین۔ یعنی افعال طبعی کا نتیجہ ہمیشہ اطمینان قلبی کی صورت مین ظاہر ہوا کرتا ہے نیز سعی علمی ہی بہر نہج حصول راحت کا موجب ہے۔ اس اصول کو یون بھی بیان کرسکتے ہین کہ جب کبھی ہمارے افعال طبیعت کے ناموافق پائے جاتے ہین تو نتیجہ بے اطمینانی و بے قراری کے سوا کچھ نہین ہوتا اسی طرح غلط و ناقص علم کا ماحصل۔ راحت کے بجائے رنج اور کوفت کا موجب بنجاتا ہے۔

افعال طبعی کی جانچ کرنے کے لیے ہمارے پاس قدرتاً حواس ظاہری کا ہی ایک عام معیار پایا جاتا ہے - بُو۔ ذائقہ۔ لمس۔ سمع۔ و بصر۔ یہی پنجگونہ حواس ظاہری ہمین اپنے مناسب اور نامناسب افعال کی طرف طبعاً مائل ہونے یا ان سے محترز رہنے پر ترغیب و تاکید کیا کرتے ہین - دنیا بھر کے فلاسفر اور پیغامبر اس باب مین متفق الراے ہین کہ اطمینان قلب یا طمانیت کے لیے نہایت سادہ اور طبعی زندگی بسر کرنے کی ضرورت ہے - فطرتی اخلاق کا یہ جزو نہ صرف انسان ہی کا ہے . بلکہ ہر ذی روح کا پیدائشی حق ہے - انسان نے ناقص علم کی طرف سعی بڑھانے کی وجہ سے خود کو بہت کچھ اس حق سے محروم کر لیا ہے - تاہم اگر وہ اصلی علم کی جانب متوجہ ہونا چاہتا ہے تو اُسے افعال طبعی کے دائرہ مین اپنے آپکو لانا ہوگا - سیدھے اور سچے افعال کو معیار زندگی بنانے مین رکاوٹ اور مجبوری بہت کم رہجاتی ہے گو بحالت موجودہ عام طور پر اسے مانع ترقی خیال کیا جاتا ہے مگر ترقی یا تنزل کا انحصار صحیح معنی مین طمانیت اور حصول راحت کے اسباب پر قابو پانے کی ترمیم پر ہے - نہ کہ روز بروز اضطراب کی زیادتی اور رنج و محن کے اسباب کی کثرت پر -

شوپن ہائر (مشہور جرمن فلاسفر) کی رائے ہے کہ جتنا زیادہ ہم دکھون کے اسباب کو دور کرنے کی کوشش کرتے جاتے ہین - اُس سے کئی گنا زیادہ رنج و کلفت کے سامان اور پیدا ہو جاتے ہین - اس قول کی تصدیق دنیوی ترقی کے ہر شعبہ مین ناقابل تردید طریقہ مین ہوتی ہوئی نظر آتی ہے - علاوہ ازین سعی علمی کا دارومدار ہی بالکل ایک سادہ اور سچی زندگی پر ہے - دنیا مین مشکل سے کوئی مثال ایسی دی جائے گی کہ جہان عیش پرست و مکر و فریب سے کام نکالنے والے آدمیون نے کوئی علمی اصول دریافت کیا ہو - موجد اور محقق تقریباً سب کے سب سیدھے اور سچے انسان پائے جاتے ہین - ساتھ ہی یہ بات بھی سمجھ مین نہین آتی کہ اگر انسان خوراک و پوشاک مین سادگی کا برتاؤ کرین - معاملات مین صفائی اور راستگوئی کے پابند ہون - محنت اور جفاکشی اپنا شعار بنائین اور کسی جاندار کو بلا وجہ ستانے کی کوشش نہ کرین تو ان کے علمی مشاغل مین کون چیز حارج اور مانع ترقی ہو سکتی ہے -

اس بارہ مین صرف ایک بات خاص طور پر پیش کی جا سکتی ہے - وہ یہ کہ ترقی

بلا ضرورت نہین ہوا کرتی۔ ضرورت ایجاد کی مان ہے۔ یہ ایک مسئلہ ہے جسے عام طور پر ہر شخص کو صحیح ماننا پڑتا ہے۔ تاہم یہ بات بھی تو بالکل سچ ہے کہ انسان ہی اپنی ضرورتون کے رفع کرنے کے لیے ہر قسم کی ایجاد اور ترقی کی طرف بالطبع مائل پایا جاتا ہے۔ بہائم اپنے افعال خواص مین فطرت کے پابند ہین اور ان کی حالت مین اگر کچھ ترقی ہو سکتی ہے تو وہ اصول فطرت کے مطابق ہی ہونا ممکن ہے۔ لیکن خواہ انسان ہون یا بہائم ہر دو صورت مین ترقی کا منشا اور اسکی ضرورت حصول طمانیت سے علیحدہ اور تو کچھ خیال مین نہین آتی۔ یہ ایک جہالت کی بات ہے کہ ہم خیالی ضرورتون کا تار و پود پھیلا کر حصول اطمینان کے لیے ان کی پیچیدگیون سے گذرنے کی کوشش کیا کرین۔ ثانیاً اگر یہ کہا جائے کہ ہمارے قوائے ذہنی کی لطافت اور پاکیزگی کے لیے ہی اس قسم کی پیچیدگیان پیدا کرنا اور انھین رفع کرنے کی کوشش کرتے رہنا ضروری ہے تو یہ غایت ذاتی مفاد اور شخصی منفعت کو زیادہ سے زیادہ پس پشت ڈالدینے پر منحصر ہے۔ ہماری شخصیت ہی قوائے ذہنی کو کثیف ترین حالتون مین ظاہر کرنے کا موجب ہوا کرتی ہے۔ کینہ۔ حسد۔ غرور۔ نفرت غصّہ وغیرہ تمام کثیف جذبات محض شخصیت ہی کی وجہ سے پیدا ہوتے اور نشو و نما پاتے رہتے ہین۔ ان کی وجہ سے ذہن بجائے لطیف و پاکیزہ بننے کے روز بروز کند و کثیف ہوتا جاتا ہے۔ اضطراب اور بے قراری بڑھکر سچّے اطمینان اور راحت کے جراثیم کو ہی بیخ و بن سے اوکھاڑ ڈالتے ہین۔ غرضکہ دنیوی ترقی کے اعتبار سے جو عملی اور علمی پیچیدگیان پیدا کیا جانا ضروری سمجھا جائے ان کا ماحصل بھی سب کے لیے عام طور پر آرام دہ اور اطمینان بخش ہو جائے۔

علم کی بھی دو تقسیم ہین۔ ایک علم محسوسات۔ دوسرا علم مابعد الطبعیات حصول راحت کے لیے دوسری قسم کا علم ہی ضروری سمجھا گیا ہے۔ فی زمانہ اس علم کی تحقیق اور تعلیم محض سینہ بسینہ بھی باقی چلی جاتی ہے۔ کتابون مین جو باتین اس علم کے متعلق بیان کی گئی ہین انھین سمجھ بوجھکر عملی صورت دینا آجکل عوام کے لیے ایک دشوار ترین مرحلہ دکھائی دیتا ہے۔ رواجی طور پر اہنسا (جانداروں کو نہ ستانا) ستیہ (جھوٹ نہ بولنا) استیہ (چوری نہ کرنا) برہمچریہ (تجرد) اپری گرہ (روپیہ پیسہ کا لالچ نہ کرنا) یہ پانچ ابتدائی مراتب ایسے طالب علم کے لیے ضروری

قرار دیئے گئے ہین - ان کے ساتھ ہی ساتھ پانچ اور باتین بیان کی گئی ہین - جنھین پاکیزگی حواس - صبر کی عادت - ریاضت - اخلاقی کتابون کا پڑھتے رہنا - اور خدا کی صفات پر غور کرتے رہنا یہ سب کچھ داخل ہے - بعدہ پرانا یام (حبس دم) سے لیکر مراقبہ کے درجہ تک ترقی کرنے کی ضرورت ہے -

لیکن یہ باتین اوّل تو عوام کی سمجھ سے باہر ہین ثانیاً ان پر عمل پیرا ہونے کے لیے دنیاوی کاروبار سے یکدم بالکل الگ تھلگ بیٹھکر اسی کام مین مشغول رہنے کی ضرورت پائی جاتی ہے - یہ سب باتین ہر شخص سے ہر حالت مین ہونا ممکن نہین - عوام کے لیے کچھ ایسے ابتدائی اُصول قائم کئے جا سکتے ہین کہ جن کی پابندی اُنھین رفتہ رفتہ اصلی شاہراہ کی طرف قدم بڑھانے مین قدرتی طور پر معاون و مددگار ثابت ہو - مثلاً خوراک و پوشاک مین سادگی اور صفائی کا لحاظ - ہر ایک ذی حیات سے مروّت اور ہمدردی کا برتاؤ قوا ظاہری اور باطنی کا تحفظ روزمرّہ تخلیہ مین بیٹھکر اپنی ذات اور خدا کی اصلی صفات پر غور کرتے رہنا -

بلاشبہہ محسوسات کے متعلق غور و فکر کو کم کئے بغیر عین ذات محویت و استغراق ناممکن ہے - تاہم اگر محسوسات کے تعلق کو ایک فرض کی صورت مین ادا کیا جائے اور ذاتی نفع و نقصان کے اودھیڑون کی طرف زیادہ توجہ نہ کیجائے - تو اصلی استغراق کیحالت روز بروز ترقی پذیر ہوتی جائے گی - اور خود بخود اُسے ایسی باتون کا علم ہونے لگے گا کہ جسکا عام طور پر کبھی شان و گمان بھی نہین ہو سکتا تھا - سَتی علی کا یہی مطلب اور منشا ہے - اسی سے حصول راحت کی منزل کا آغاز ہوتا ہے اور اسی سے ہم اسکی انتہائی حد تک پہونچ جاتے ہین -

دوارکا پرشاد
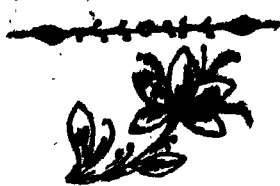
دفتر شکایت

کونسا دل ہے جو شکووں سے لبریز نہین۔ کونسا دماغ ہے جسپر شکایتون کا اثر طاری نہین کوئی غریب جور آسمان کا شاکی ہوکر آہ برلب ہے تو کوئی ناشاد رفتار زمانہ سے پامال ہو کر سرگرم نالہ ہے۔ کوئی دبی زبان سے یگانون کا شاکی ہے تو کوئی بالاعلان بیگانون کا شکوہ کرتا ہے۔ ہم تقدیر کا رونا روتے ہین۔ آپ تدبیر کی ناکامی پر آنکھون مین آنسو بھرے ہوئے ہین۔ کوئی دشمن کے ظلم ناروا پر خون کے آنسو بہاتا ہے۔ کوئی دوستانہ شکایت کا راگ گاتا ہے حاکم کو محکوم سے شکایت۔ محکوم کو حاکم سے شکوہ۔ شکایتون کی بنا پر (جائز ہون یا ناجائز) دو گروہ آپس مین برسر پیکار۔ ہندو مسلم فساد پر آمادہ دو قومین ایک دوسرے کے خلاف اور دو سلطنتین ایک دوسرے پر حملہ آور شکایتون کی بنا پر مقتول کے وارث قاتل کے خون کے پیاسے ہو رہے ہین اگر دنیائے محبت کی سیر کیجئے تو وہان بھی کوئی عشق کی افتادون پر اشک خون بہاتا ہے کوئی حسن کی بے نیازی پر آہ سرد بھرتا ہے۔ کوئی درد محبت کا شاکی ہے تو کوئی گیسوے پیچان کے گلہ لئے دراز کی سلسلہ جنبانی مین اولجھا ہوا ہے۔

غرضکہ جسطرف آنکھ اٹھاکر دیکھئے شکایتون کا طوفان برپا نظر آتا ہے۔ ہر خرمن پر شکایتون کی بجلیان گر رہی ہین۔ جو پردہ اُٹھا جاتا ہے شکایتون کے مناظر سامنے آتے ہین جس البم کو کھولیے اور جس تصویر کو دیکھئے رنگ شکایت کی آمیزش غالب ہے۔ اگر دنیائے شاعری پر نظر ڈالئے تو یہان بھی وہی آوازین جن سے ہمارے کان آشنا ہین گونج رہی ہین، حضرات شعرا کی نازک خیالی موسم بہار کی پھولون سے بھی کہین زیادہ نازک اور ان کے گل مضامین کی خوشبو۔ بیلے کے اردو

کی بھینی بھینی خوشبو سے بھی کہین زیادہ لطیف ہے ملاحظہ ہو۔

ذرا انصاف سے اتنا بتا دو اے چمن والو
کسی کا فصل گل مین آشیان برباد کرتے ہین (قدیر لکھنوی)

الفاظ مین جتنی سادگی ہے۔ کلام مین جتنی آمد۔ انداز بیان مین جو اثر ہے اگر اسکی داد نہ دیجائے تو شکایت اور بجا شکایت ہوسکتی ہے۔ فصل گل زورون پر ہے۔ جوش بہار کی وجہ سے ہر دل اور ہر دماغ پر ایک کیفِ انبساط طاری ہے۔ بلبل نے خوشی خوشی تنکے چن کر شاخِ گل پر نہایت تکلف سے آشیانہ بنایا تھا۔ شوخ اور شرارت پسند صیاد کا خدا بھلا کرے جس نے فتنون اور مرادون والے نشیمن کو تباہ و برباد کردیا۔ غریب بلبل اپنی مظلومی کی داد طلب کررہی ہے۔ اور دردانگیز مگر نرم الفاظ مین اہل چمن سے جو اسوقت تماشائیون کی حیثیت رکھتے ہین اپنا دکھ بیان کررہی ہے واقعی شکایت حق بجانب ہے۔ اُن ستائے ہوئے پرندون کا خیال کیجئے جن کے گھونسلون کو شریر بچے لگّون اور بانسون سے گرا دیتے ہین اور وہ بیبسی اور بیکسی کے عالم مین ادہر ادہر اوڑتے پھرتے ہین۔ اور زبان حال سے اس ظلم ناروا کی شکایت کرتے ہین۔ دوسرا شعر ملاحظہ ہو۔

نفس کی آمد و شد کا یہ حاصل مین نہ سمجھا تھا
کہ اسکی ذات سے گل میری شمع زندگی ہوگی (قدیر لکھنوی)

صداقت کا پہلو لیے ہوئے کسقدر لطیف اور پاکیزہ مگر شکایت آمیز خیال ہے۔ انسان کیا ہے محض سانسون کے شمار کا ایک طلسم جو آخری سانس کے بعد دفعتاً ٹوٹ جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ چراغ کے واسطے ہوا کی مخالفت کسقدر مضر ہے۔ نفس کی آمد و شد شمع حیات کے گل کرنے کا باعث قرار دی گئی ہے۔ یعنی حیات ہی مرگ انجام ثابت ہوئی ہرچند سانس ایک بے اعتبار شے ہے۔ مگر پھر بھی اپنی سانس ہے۔ اور اپنی چیز پر انسان کو جتنا بھروسہ ہوتا ہے ظاہر ہے۔ حضرت انسان محض دم کے بھروسہ پر اپنی ہستی ناچیز اور ناپائدار ہستی کو فراموش کردیتے ہین۔ اور جب انہین سانسون کی آمد و رفت سفر زندگی کو ختم کردیتی ہے تو سمجھ مین آتا ہے کہ ہماری زندگی کا

حاصل ہوت تھا۔ خیال پرانا ہے مگر تناسب الفاظ نے ایک خاص انداز پیدا کردیا ہے۔

نہ پوچھو ہمقفسو بدگمانیٔ صیاد
چمن مٹا دیا اک میرے آشیان کے لیے (منظر لکھنوی)

عاشق صاحب جو اس شعر مین ناشاد بلبل کا کیرکٹر اختیار کئے ہوے حسن عشق کے اسٹیج پر ایکٹنگ کررہے ہین۔ بے خانمان ہوگئے ہین۔ ممکن ہے کہ کوئی صاحب یہ اعتراض کربیٹھین کہ انسان ہو ہی نہین سکتا۔ اُسے بلبل کیون فرض کیا گیا۔ مختلف رسائل مین طرح طرح کے اعتراضات دیکھکر مجھے بہت خوف معلوم ہوتا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی صاحب یہ اعتراض کربیٹھین کہ بلبل حیوان مطلق ہے اُسکے پاس ایسی زبان کہان کہ گفتگو کرسکے۔ معترض حضرات سے سب کچھ امید ہوسکتی ہین۔ خیر جب اعتراض ہوگا تو دیکھا جائیگا۔ آمدم برسر مطلب غریب عاشق مزاج بلبل جو کبھی شاد کام تھی کبھی شاخ گل پر جبکا نشین تھا۔ جو کبھی گلون سے ہمکنار تھی جسکے شیرین نغمے سرون مین ڈوبکر فضا مین گونجا کرتے تھے اور دن کی روشنی مین اندھیری راتون کو سناٹے مین سننے والون کے دلون پر یکسان اثر کرتے تھے۔ آہ آج وہی بدنصیب بلبل ناشاد ہے۔ نامراد ہے۔ اور غالبًا پر شکستہ بھی ہے۔ پر شکستہ نہ بھی ہی تو دل شکستہ ضرور ہے کبھی آزاد تھی۔ لیکن آج قید مین شکوہ سنج ہے اور عالم رنگ و بو کے مالک و مختار ظالم صیاد کے مظالم کا رونا رو رہی ہے۔ جو ہمیشہ گلون سے راز و نیاز کی گفتگو کرنے کی عادی تھی۔ آج اُسکی بات بھی کوئی نہین پوچھتا۔ اور غریب بمجبوری ہم قفسون سے جو خود بھی اُسی مصیبت مین گرفتار ہین۔ ہمکلام ہے۔ ایک سرے سے سارے چمن کو صیاد نے اقتدار اور اختیار والے صیاد نے نیست و نابود کردیا ہے۔ ممکن ہے کہ چمن کی بربادی کا سبب کچھ اور ہو لیکن صیاد بھی شاعرانہ نقطۂ خیال سے اکثر معشوق کا درجہ رکھتا ہے۔ اور یہ ظاہر ہے۔

عشق است ہزار بدگمانی

لہذا عاشق مزاج بلبل کا گمان یقین کے درجے کو پہنچا ہے۔ اور اس کا خیال ہے کہ صیاد کی بدگمانی اس حد کو پہنچ گئی ہے کہ اس نے صرف میرے آشیان کے لیے سارے چمن کو برباد

کر دیا مگر حال چمن میں نشیمن بھی تھا لہذا بلبل کو شکایت کرنے کا حق حاصل ہے۔

کبھی حال اسیران ستم تو پوچھ لے آکر
ارے او بند کر کے قفل زندان بھولنے والے
(منظر لکھنوی)

اعتراضوں کے خوف سے اس امر کے صاف کرنے کی ضرورت ہے کہ عاشقوں کا محبس لکھنؤ کا سنٹرل جیل نہیں جہاں ملازمین جیل کی خوشامد اور اُنھیں سے رحم کی درخواست کرنے کی ضرورت ہو۔ عاشق کی سب سے بڑی قید۔ قید تنہائی ہے۔ ایک رخ تو اس شعر کا یہ ہے کہ چار دیوار عناصر قید خانہ ہے جس میں انسان کی روح معشوق حقیقی سے جدا ہو کر قید زیست کی سختیاں جھیل رہی ہے۔ اور جب تک اس زندان آب و گل سے اُسے نجات نہ ہو وہ معشوق حقیقی سے ہمکنار نہیں ہو سکتی لہذا وہ شکایت آمیز لہجے میں فریاد کر رہی ہے کہ اے قید میں مبتلا کرنے والے بے نیاز تو نے مجھے کس بلا میں گرفتار کیا ہے تو مجھ اسیر ستم کی خبر بھی نہیں لیتا۔

قتل پر میرے بہائے نہ کسی نے آنسو
داد قاتل کو دی ایک ایک تماشائی نے
(منظر لکھنوی)

صداقت کا پہلو لیے ہوئے ایک مظلومانہ شکایت ہے۔ قاتل اشارہ معشوق کی طرف اور معشوق کا ظلم اور عاشق کی بیگناہی اور مظلومیت محتاج بیان نہیں۔ مقتول عاشق کو تماشائیوں سے دوست سے اپنوں سے بیگانوں سے غرضکہ دنیا بھر سے شکایت ہے اور بجا شکایت ہے کہ مجھ بیگناہ کے قتل پر کسی نے اظہار تاسف نہ کیا۔ میرے بیگناہ خون کے مناظر دیکھنے والے اگرچہ دوانسک حسرت کے میرے قرضدار تھے مگر ان میں سے کسی بندۂ خدا نے رسماً بھی ایک آنسو میرے قتل پر نہ بہایا مگر برعکس اسکے ہر شخص قاتل کی تعریف کو اپنا خوشگوار فرض سمجھکر دل کھول کر اُسے داد دے رہا ہے۔ کوئی قاتل کے زور بازو کی تعریف کرتا ہے۔ کوئی شمشیر ادا کی برش اور روانی کی داد دیتا ہے۔ کوئی تیر نظر کے توڑ کا ثناخوان ہے۔

مگر مظلوم مقتول کی طرف سے سب بے نیاز ہیں۔ کیوں نہ ہو دنیا اسی کا نام ہے۔

رنگ تغزل سے قطع نظر کر کے خود غرض دنیا کا کسقدر سچا فوٹو کھینچا ہے۔ کیونکہ واقعہ بھی یہی ہے کہ کمزور مظلوم کا ساتھ کوئی نہین دیتا لیکن زبردست کی خوشامد سب کرتے ہین اور اختیار والے کے شریک ہوتے ہین۔

گلچین کو گلستان بھرا اچھا نظر آتا ہے
اِک میرا نشیمن ہی کانٹا نظر آتا ہے
(شمس لکھنوی)

ایک صاف سا شعر ہے۔ جسمین نہ شکوہ الفاظ ہے نہ پیچیدہ بندش اور نہ رقص ترکیب ظاہر ہے کہ اس شعر مین کوئی اضافت بھی نہین۔ اگر نثر بھی کیجائے تو قریب قریب یہی صورت قائم رہے گی۔ اسی کا نام سہل ممتنع ہے۔ یہ طرح عارفانہ مذاق کی ہے اسمین اتنی کامیابی کے ساتھ عاشقانہ رنگ بھرنا جناب شمس صاحب کی قوت نظم کا پتہ دیتا ہے۔ اُردو شاعری کا بہترین نمونہ ایسے ہی شعر کہے جا سکتے ہین جن شعرون کا لباس سادہ نہین ہوتا جو شاندار الفاظ سے آراستہ اور مزین ہوتے ہین۔ جو پیچیدہ بندشون کی وجہ سے ایک عجیب قسم کا طلسم معلوم ہوتے ہین۔ اور جن کے معنی اور مطلب سمجھنے مین دماغ پر زیادہ زور دینا پڑتا ہے وہی شعر علی العموم تو نہین مگر بعض اوقات دھوکے کی ٹٹی ثابت ہوتی ہین لیکن برعکس اسکے زیر بحث شعر پر ناظرین غور فرمائین۔ نہ اسکی ضرورت ہے کہ اسمین زبردستی معنی پیدا کئے جائین۔ نہ اسکی ضرورت ہے کہ سامع کو اپنے دماغ سے جہاد کرنا پڑے۔ بے تعلق حضرات بھی یا بالفاظ دیگر ایسے اشخاص بھی جنہین شعر و سخن سے کوئی سروکار نہین وہ بھی بے اختیار داد دینے پر مجبور ہونگے۔ بلبل کو اس بات کی شکایت ہے کہ گلچین کو گلستان بھر مین ہر شے دلکش اور بھلی معلوم ہوتی ہے اگر خار بنکر آنکھون مین کوئی چیز کھٹکتی ہے تو وہ ما ہی نشیمن ہے۔ اسکا سبب کیا ہے۔ بلبل کا خطاب کس سے ہے۔ آیا چمن اسکے جبل صیاد نے برباد کیا ہے یا اس نے اپنی عادت مین داخل کر لیا ہے کہ غریب بلبل جیسا بیچور فزا کیا شیاد بنائی ہے اور وہ ہمیشہ سے تباہ و برباد کرتا ہے۔ اُسنے ہنوز گل صید کرکے نقصان نہین پہنچایا ہے۔ لیکن اسکے طور و طریقے تیور اور انداز و اطوار سے پکار پکار کر کہہ رہے ہین کہ اس حقیر و کم مایہ کائنات خس و خاشاک کی ہستی کو جب دیکھتا ہے

[illegible] نہیں ۔ جو دونوں شعر سے پیدا ہوتی ہیں ہر شخص ذہل کا مخاطب [illegible] شعر
میں سے جا بجا ہیں ۔ اسکے اثر اور لطافت میں کوئی کمی نہیں ہوتی ہے اور [illegible] صورت [illegible]
حکایت حق بجانب ہے۔

یاد آتے ہیں ہر روز اسیروں کا مزاج
یہ نہیں کہتے کہ جاؤ تمہیں آزاد کیا
(شمس لکھنوی)

کس مزے کی شکایت ہے ۔ جو اوصاف جناب شمس صاحب کے پہلے شعر میں بیان کئے گئے وہ اسمیں بھی موجود ہیں۔ سادہ لباس نرم الفاظ تصنیع کیساتھ کسی سے خطاب نہیں۔ شعر نے دلکشی اثر۔ شوخی زبان کی چاشنی۔ آمد۔ بے ساختگی اور انداز بیان وغیرہ وغیرہ غرض جملہ خوبیوں سے مسلح ہو کر میدان نظم میں قدم رکھا ہے۔ پھر ہر انصاف پسند شخص ان لطیف اور بے نظیر جوہروں سے مغلوب ہو کر داد دینے پر کیوں نہ آمادہ ہو۔ مجرم الفت کی قید معمولی نہیں اسکی مدت روز قیامت سے دراز۔ اس کی تنہائی قبر کی تنہائی سے کہیں زیادہ سخت۔ ایسے قیدی علی العموم بھولے سے بھی یاد نہیں کئے جاتے۔ مگر یہاں قید کرنے والا روز آتا ہے۔ مزاج پرسی کرتا ہے۔ حال پوچھتا ہے اور ...... بس اور کیا اسکے علاوہ کچھ نہیں۔ قید کرنے والے کا روز آکر مزاج پوچھنا ظاہر ہے کہ اسیر محبت کے واسطے کسقدر خوش آئند اور مسرت افزا ہے۔ مگر جب اسیروں میں یاس کے پہلو نظر آتے ہیں تو قیدی زنجیر ضبط کو توڑ ڈالتے ہیں اور شکایت آمیز لہجے میں یہ کہہ گزرتے ہیں کہ آخر اس روزانہ کی مزاج پرسی کا ماحصل۔ زبان سے یہ نہیں نکلتا کہ جاؤ تمہیں آزاد کیا۔ کسقدر لطیف شکایت ہے۔

یہ کرشمے سب ہیں نصیب کے کہیں نیکی اور بدی ملے
ہمیں دل بھی دیدیا [illegible] مگر آپ ہی [illegible] نظر
(شمس لکھنوی)

عاشق کا دل چھین لیا گیا ہے۔ مطلب نہیں کہ زبردستی [illegible] حکمت عملی سے [illegible]
عبارات مشہور ہیں۔ ان کی سیاسی چالیں ایسی نوعیت ہے [illegible]
کل کیا جاتا ہے۔ بلا مثال بھی کسی ایسے شخص کو پیش نہیں کر سکتا [illegible]
خود غرض معشوقوں کی اوسنے اور معمولی باتوں کی [illegible] مقابل ہوں [illegible]

مہاتما گاندھی

جسٹس اقبال احمد صاحب ایڈیشنل جج ہائیکورٹ الہ آباد

ایک نگاہ دلنواز کے منتظر ہین اور ادھر یہ عالم کہ شرم مین ڈوبی ہوئی نیچی آنکھین کسی ستم شعار کو ایک نگاہ غلط انداز سے بھی عاشق کو محروم رکھنے کا مشورہ دے رہی ہین۔ گرحسن و عشق کی باتین بھی تو راز سربستہ ہوتی ہین۔ کوئی پرسان بر محفل نہین ہے۔ ممکن ہے کہ سر محفل بظاہر بے نیازی برتنے والے دوست کو کوئی حجاب مانع نہ ہو۔

اس کس مپرسی کے عالم مین کسی سرگشتۂ خمار امید کی زبان سے بے ساختہ یہ چند الفاظ شکایت مین ڈوبے ہوئے کلام موزون کی صورت مین نکلنا ایک محشرستان نامرادی سے کسی طرح کم نہین۔

"کوئی پرسان سرِ محفل نہین ہے
ہمارے پاس جیسے دل نہین ہے"

کہان ہین تغیر زمانے کا دیکھین
خدائی کا سامان کرجانے والے (حسرت لکھنوی)

جناب حسرت کا یہ شعر قیامت زار عبرت ہے تغیرات زمانہ کی شکایت کسقدر لطیف پیرایہ مین ادا کی گئی ہے۔

جو نہ یاد آئے وہ خواب ہون مین تباہ عہد شباب ہون
تری آرزو مین خراب ہون تجھے پھر بھی میری خبر نہین (حسرت لکھنوی)

ہر ہر لفظ اس شعر کا پتہ دیتا ہے کہ ہمہ تن شکایت ہوکر کسی ناکام عاشق کی زبان سے بدرجہ مجبوری غالبًا ایک ٹھنڈی سانس لینے کے بعد یہ الفاظ درد و تاثیر مین ڈوبکر ادا ہوئے ہین۔ عاشق سب سے پہلے اپنے آپ کو ایک بھولے ہوئے خواب سے تعبیر کرتا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ دعوے صحیح ہے۔ زندگی کو عہد ماضی کے خوشگوار واقعات کو وصل حبیب کو اور برق تمنا عہد شباب کو قریب قریب ہر شاعر نے اپنے اپنے محل پر خواب سے اکثر تعبیر کیا ہے۔ چنانچہ زیر بحث شعر مین بھی یہی بات ہے۔ ایک نامراد عاشق کسی فراموش کار سے مخاطب ہوکر عرض

کر رہا ہے اور اپنی موجودہ ہستی کو یا حالت کو صرف خواب ہی نہین بلکہ بھولا ہوا خواب قرار دے رہا ہے۔ اسلیے کہ جب معشوق کو اُسکا خیال ہی نہین آتا ہے تو وہ بھولے ہوئے خواب سے بدتر ہے۔ اسکے بعد وہ اپنے آپ کو تباہ عہد شباب بھی بتانے کا دعویدار ہے۔ دنیا بھر مین کوئی ذی روح ایسا نہین جو عہدِ شباب کا نوحہ خوان نہ ہو۔ میرا اشارہ بالتخصیص اُن لوگون کی جانب ہے جو اہلِ دل ہین ہر شخص اہلِ دل ہو نہین سکتا۔

آدمی ہونا بہت دشوار ہے

اور جسکے پاس دل نہین اُسکا ذکر فضول ہے ؎

جو نہ ہو مست نکالو اُسے میخانے سے

جسطرح پتھر مین آگ موجود ہے اُسی طرح ہر دل مین عشق کی چنگاری پنہان ہے۔ جو عالم شباب کی سخت چوٹ کھاکر ظاہر ہو جاتی ہے اور جب یہ آگ لگ گئی تو پھر کسکی مجال ہے کہ اسے بجھا سکے۔ ہمارے نزدیک تو تباہی عہد شباب عشق غارت گر کا دوسرا نام ہے۔ اب رہا عاشق کا یہ قول کہ تیری آرزو مین خراب ہون اور ان سب باتون کے بعد اک آہِ سرد بھر کر یہ بھی کہنا کہ مجھے پھر بھی تیری خبر نہین چوٹ کھائے ہوئے دل خوب سمجھ سکتے ہین۔

شکائتین اور پھر علی الخصوص شعرا کی کہان تک بیان کیجائین۔ اب ہمین یہ غور کرنے کی ضرورت ہے کہ آخر اس مرض کی کوئی دوا ہے۔ اس درد کا کوئی علاج بھی ہے۔ ضرور ہے البتہ طبیبون کے بس کی بات نہین۔ ڈاکٹر کے اختیار سے باہر ہے۔ اس مرض کا علاج خود مریض ہی کر سکتا ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کسی انگریز مصنف کا قول ہے کہ

"اگر کوئی شخص اپنی ہستی اور اپنی ذات کا دوسرے کے مقابلہ مین زیادہ خیال کرتا ہے تو ہمین ناراض ہونے کا حق نہین"

بالفاظ دیگر اگر کوئی اپنی بھلائی چاہتا ہے۔ اور ہمارا قطعی خیال نہین کرتا تو ہمین شکایت نہ کرنی چاہیئے۔ کتنے بلند اور اعلیٰ جذبات ہین اور کتنی عمدہ نصیحت ہے۔ مگر ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہین۔ غالب مرحوم اس سے اور دو چار قدم آگے ہین فرماتے ہین۔

ہم بھی دشمن تو نہین ہین اپنے
غیر کو تمسے محبت ہی سہی

لیکن مین یہ کہنے پر مجبور ہون کہ ہم دنیا دار ہین۔ ایسے دماغ کہان سے لائین اور ایسا دل کہان پائین۔ یہ بالکل وہی مثال ہے

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہٗ
باز میگوئی کہ دامان ترمکن ہشیار باش

میری راے ناقص تو یہ ہے کہ گرد شکایت سے کبھی ہمارا دامن پاک نہین رہ سکتا۔ اگر شکایت کا سبب پیدا ہوگا تو شکایت ضرور ہوگی۔ اگر اسکا کوئی علاج ہے تو یہی کہ سبب نہ پیدا ہو اور جب سبب نہین تو نتیجہ خود بخود معدوم ہوگا۔ شکایت نہ کرنا تو امکان سے باہر ہے مگر شکایت کا موقع نہ دینا سب کے امکان مین ہے۔

سراج لکھنوی

غذاے روح

غذاے روح شری بھگوت گیتا کا اُردو منظوم ترجمہ ہے۔ جسکے مترجم پنڈت پربھو دیال میر عاشق لکھنوی ہین۔ آپ نے ترجمے مین ردیف و قافیہ کا بہت کم خیال رکھا ہے۔ اکثر اشعار ان ظاہری قیود سے بالکل آزاد ہین۔

ترجمے کی زبان نہایت عام فہم اور سلیس ہے۔ سنسکرت کی خشک اصطلاحات و الفاظ کے معانی بھی حاشئے مین درج کر دیے گئے ہین۔ جس سے فلسفۂ تصوف کے سمجھنے مین بہت آسانی ہوتی ہے۔ مضامین کے متعلق جا بجا تصویرین بھی دیگئی ہین۔ صفحۂ اول پر سری کرشن جی کی تصویر اور ٹائیٹل کے صفحۂ آخر پر مترجم موصوف کی تصویر ثبت ہے کتاب کے آخر مین سنسکرت کے حسب منشا گیتا کا اشلوک بھی دیا گیا ہے تقطیع چھوٹی کتابت و طباعت عمدہ حجم ۱۱۰ صفحہ قیمت ایک روپیہ ملنے کا پتہ زمانہ بک ایجنسی کانپور۔

ساتوان سین

کوفہ کے چوک مین کئی دوکاندار باتین کر رہے ہین

پہلا - سنا آج حضرت حسینؑ تشریف لانے والے ہین۔

دوسرا - ہان کل مختار کے مکان پر بڑا جھمگٹ تھا۔ مکہ سے کوئی صاحب اُن کے یہان آنے کی خبر لائے ہین۔

تیسرا - خدا کرے جلد آئین کسی طرح ان ظالمون سے نجات تو ہو۔ مین نے یزید کی بیعت تو کر لی ہے لیکن حضرت حسینؑ آئین گے تو پھاڑ کر الگ ہو جاؤنگا۔

چوتھا - لوگ کہتے تھے حضرت بڑے دھوم دھام سے آرہے ہین۔ پیدل سوار خیمہ خرگاہ سب ساتھ ہین۔

پہلا - دوکان بڑھاؤ ہم لوگ بھی چلین۔ تقدیر مین جو کچھ لکھا تھا لکھ چکا۔ عاقبت کی بھی تو کچھ فکر کرنی چاہیے (چونک کر) ارے یہ باجے کی آوازین کہان سے آرہی ہین۔

دوسرا - آگئے شاید!

(سب دوڑا کرجاتے ہین۔ زیاد کا جلوس سامنے سے آتا ہے۔ زیاد چوک مین ممبر پر کھڑا ہو جاتا ہے)

کئی آوازین "مبارک ہو، مبارک ہو یا حضرت حسین"

زیاد - دوستو مین حضرت حسینؑ نہین ہون۔ حسینؑ کا ادنےٰ غلام۔ رسول پاک کے قدمون پر نثار ہونے والا آپکا ناچیز خادم بن زیاد ہون۔

ایک آواز - زیاد ہے! ملعون زیاد ہے!

---

۱ سلسلے کے لیے دیکھو زمانہ نومبر سنہ۲۶ء۔

دوسری آواز۔ گرادو مردود کو منبر سے، آتار دو ملعون کو،

تیسرا۔ لگادو تیر کا نشانہ، ظالم کی زبان بند ہو جائے۔ مکار!

چوتھا۔ خاموش، خاموش۔ سنو کیا کہتا ہے۔

زیاد۔ اگر آپ سمجھتے ہین کہ مین ظالم ہون تو بیشک مجھے تیر کا نشانہ بنایئے۔ سنگسار کیجئے گردن ماریئے حاضر ہون۔ بیشک ظالم گردن زدنی ہے۔ اور جو ظلم برداشت کرے وہ بے غیرت ہے۔

کئی آوازین۔ سنو، سنو، خاموش!

زیاد۔ ہان مین غیرت اور غرور سے نہین ڈرتا۔ کیونکہ یہی وہ طاقت ہے جو کسی قوم کو ظالم کے ہاتھ سے بچا سکتی ہے۔ خدا کے لئے اس ظلم کی ناقدری نہ کیجئے۔ جسنے آپ کی غیرت کو بیدار کیا۔ یہی میرا منشا تھا۔ یہی یزید کا منشا تھا۔ اور خدا کا شکر ہے کہ ہماری تمنا پوری ہوئی۔ اب ہمین یقین کامل ہو گیا۔ کہ ہم آپ کے اوپر اعتماد کر سکتے ہین۔ ظالم استاد کی بھی زندگی مین کبھی کبھی ضرورت ہوتی ہے حضرت حسینؑ جیسا پاک طینت۔ دیندار۔ فرشتہ خصال آپ کو یہ سبق نہ دے سکتا تھا۔ یہ ہم جیسے کور باطن، بے دین اور خود پرور آدمیون ہی کا کام تھا لیکن ہماری نیت خراب تھی اگر ہماری نیت خراب ہوتی تو اسوقت آپ مجھے یہان اُن رعایتون کا اذن عام کرتے نہ دیکھتے جو مین ابھی ابھی کرنے والا ہون۔ اِن اعلانون سے آپکو میرے قول کی صداقت روشن ہو جائے گی۔

کئی آوازین۔ خاموش۔ خاموش۔ سنو۔ سنو۔

زیاد۔ خلیفہ یزید کا حکم ہے کہ کوفہ اور بصرہ کا ہر ایک بالغ مرد خزانہ عامرہ سے پانچسو درہم سالانہ وظیفہ پائے۔

کئی آوازین۔ سبحان اللہ! سبحان اللہ!

زیاد۔ اور کوفہ اور بصرہ کی ہر ایک بالغ عورت کو تا وقت نکاح دوسو درہم سالانہ عطا کیا جائے۔

کئی آوازین۔ سبحان اللہ! سبحان اللہ!

زیاد - اور ہر ایک بیوہ عورت کو سو درہم سالانہ دیا جائے۔ جب تک موت اسکی زندگی کا خاتمہ نہ کر دے یا نکاح ثانی اسکی بیوگی اور بیچارگی کا۔

کئی آوازین - سبحان اللہ! سبحان اللہ۔

زیاد - یہ میرے ہاتھ مین خلیفہ کا فرمان ہے۔ جسے یقین نہ آئے آکر خود دیکھ لے۔ ہر ایک یتیم کو تا سن بلوغ ایک سو درہم سالانہ مقرر کیا گیا ہے۔ ہر ایک جوان مرد اور عورت کو نکاح کے وقت ایک ہزار درہم یکمشت اخراجات کے لیے عطا کیے جائینگے۔

بہت سی آوازین - خدا خلیفہ یزید پر اپنی برکتون کی بارش کرے۔ کتنی فیاضی کی ہے۔

زیاد - ابھی اور سنئے اور تب فیصلہ کیجیے کہ یزید ظالم ہے یا رعایا پرور۔ اسکا حکم ہے کہ ہر قبیلہ کے سردار کو ساحل دریا کی اتنی زمین عطا کی جائے جتنی دور اسکا تیر جا سکے۔

بہت سی آوازین - ہم خلیفہ یزید کی بیعت قبول کرتے ہین۔ یزید ہمارا خلیفہ اور ہمارا پشت پناہ ہے۔

زیاد - نہین، یزید بیعت کے لیے آپ کو رشوت نہین دیتا۔ بیعت قبول کرنا یا نکرنا آپ کے اختیار مین ہے۔ یزید حضرت حسینؑ کا مخالف نہین بننا چاہتا۔ اسکا حکم ہے کہ ندیون کے معبدون کا محصول معاف کر دیا جائے۔

بہت سی آوازین - ہم یزید کو اپنا خلیفہ تسلیم کرتے ہین۔

زیاد - نہین یزید کبھی حضرت حسین کے حقوق کو زائل نہ کریگا۔ حسینؑ عالم و فاضل ہین عابد ہین۔ زاہد ہین۔ یزید کو ان مین سے کوئی صفت رکھنے کا دعوےٰ نہین۔ یزید مین اگر کوئی صفت ہے تو وہ یہی کہ ظلم کرنا جانتا ہے۔ خاصکر نازک موقعہ پر، جب جان اور مال کی حفاظت کرنے والا کوئی نہ ہو۔ جب سبھی اپنے اپنے حقوق اور دعوے پیش کرنے مین مصروف ہون۔ کسی کو یہ خیال نہ رہے کہ رعایا پر کیا گذر رہی ہے۔

بہت سی آوازین - ظالم یزید ہی ہمارا امیر ہے۔ ہم دل سے اسکی بیعت قبول کرتے ہین۔

زیاد - سوچئے اور غور سے سوچئے اگر خلافت کے دوسرے دعویدارون کی طرح یزید بھی کبھی گوشۂ عافیت مین بیٹھا ہوا بیعت کے لیے ریشہ دوانیان کیا کرتا تو آج ملک کی کیا حالت ہوتی۔

آپ کے جان و مال کی کون حفاظت کرتا۔ کون اس ملک کو باہر کے حملوں اور اندر کی بغاوتوں سے بچاتا۔ کون عام شاہراہوں اور بندرگاہوں کو قزاقوں سے محفوظ رکھتا۔ کون قوم کی بہو بیٹیوں کی عزت و حرمت کا ذمہ دار ہوتا جس ایک فرد کی ذات نے اتنی عظیم ذمہ داریاں اپنے سر لے لی تھیں۔ جس ایک فرد کی ذات سے آپ کو اتنے فیوض حاصل ہوئے ہیں جنکے بیعت کی نسبت قوم کی حفاظت زیادہ ضروری سمجھی ہو۔

کیا وہ اسی قابل ہے کہ اُسے ملعون اور مردود کہا جاوے۔ اُسے سربازار گالیاں دی جائیں۔

ایک آواز۔ خدا ہمارے گناہوں کو معاف کرے۔ ہمسے بڑی تقصیر ہوئی ہم بہت نادم ہیں

شمر۔ ہمنے خلیفہ یزید کے ساتھ بڑی بے انصافی کی ہے۔

زیاد۔ ہاں آپ نے ضرور بے انصافی کی ہے۔ میں یہ کہنے کے لیے آپ کی معافی کا طالب نہیں ہوں ایسا شخص اس سے کہیں اچھے برتاؤ کا مستحق تھا۔ حسینؑ کی عزت یزید کے اور سب کے دلمیں بھی ہے جو ہر طرح کم نہیں ہے۔ جتنی اور کسی کے دلمیں ہوگی۔ اگر آپ انہیں اپنا خلیفہ تسلیم کرنا چاہیں تو آپ کو مبارک ہو۔ ہم خوش ہمارا خدا خوش! یزید سب سے پہلے اُنکی بیعت منظور کریگا۔ اسکے بعد میں ہونگا۔ رسول پاک نے خلافت کے لیے انتخاب کی شرط لگادی ہے۔ مگر حسینؑ کے لیے اسکی قید نہیں!

قیس۔ انتخاب کی قید ہر شخص کے لیے ہے اس سے کوئی مستثنیٰ نہیں۔

زیاد۔ اگر ہے تو انتخاب کا اس سے بہتر اور کون موقعہ ہوگا آپ اپنی رضا و رغبت سے کسی کا لحاظ یا مروت کئے بغیر جسے چاہیں خلیفہ بنالیں۔ میں کثرت رائے کے سامنے سر تسلیم ختم کرکے یزید کو اسکی اطلاع دے دوں گا۔

ایک طرف سے آوازیں۔ ہم یزید کو خلیفہ تسلیم کرتے ہیں۔

دوسری طرف سے آوازیں۔ ہم یزید کی بیعت قبول کرتے ہیں۔

تیسری طرف سے۔ یزید، یزید، یزید،

زیاد۔ خاموش اب مین آپ سے پوچھتا ہون کہ حضرت حسینؑ کے نام پر کون لوگ صاد کرتے ہین۔ مین کسی پر جبر نہین کرتا، ہر شخص کو یہان کامل آزادی سے اپنی راے ظاہر کرنے کا مجاز ہے۔

(کوئی آواز نہین آتی)

زیاد۔ آپ لوگ خاموش کیون ہین۔ کیا اس مجمع کثیر مین ایک فرد بھی حضرت حسینؑ کا مداح نہین؟

(کوئی آواز نہین آتی)

زیاد۔ آپ جانتے ہین یزید عابد نہین۔

کئی آوازین۔ ہمین عابد کی ضرورت نہین۔

زیاد۔ یزید عالم نہین، فاضل نہین، حافظ نہین۔

کئی آوازین۔ کوئی مضائقہ نہین۔ کوئی مضائقہ نہین۔

حجاج۔ کتنی لاثانی فیاضی ہے!

شمر۔ کسی خلیفہ نے اتنی فیاضی نہین دکھائی۔

شیث۔ عابد اکثر بخیل ہوتا ہے۔

اشعث۔ اجی کچھ نہ پوچھو، مسجد کے ملاؤن کو دیکھو، روٹیون پر جان دیتے ہین۔

زیاد۔ اچھا آپ نے تو یزید کو اپنا خلیفہ تسلیم کرلیا، لیکن فرض کیجیے حجاز، مصر، یمن، اور شام کے لوگ کسی اور کو خلیفہ بنائین تو؟

بہت سی آوازین۔ ہم خلیفہ یزید کے لیے جانین قربان کردینگے!

زیاد۔ بہت ممکن ہے حضرت حسینؑ ہی کو وہ لوگ اپنا خلیفہ بنائین۔ کیا اس حالت مین بھی آپ اپنا عہد پورا کرینگے؟

بہت سی آوازین۔ مردون کا قول جان کے ساتھ ہے۔ یزید کے سوا دوسرا خلیفہ نہین ہو سکتا۔

زیاد۔ مین نے سنا ہے کہ حضرت حسین نے اپنے چچیرے بھائی مسلم بن عقیل کو آپکی بیعت

لینے کے لیے بھیجا ہے۔ اور شاید خود بھی آ رہے ہین۔ یزید کو گوشے مین بیٹھکر خدا کی یاد کرنا اس سے کہین خوشگوار ہے کہ وہ خانۂ اسلام مین نفاق و شقاق کی آگ بھڑکائین ابھی موقع ہے آپ لوگ خوب غور کر لین۔

شمر۔ خوب غور کر لیا ہے۔

حجاج۔ حضرت حسین کو جانے کیون خلافت کی ہوس دامنگیر ہے۔ بیٹھے ہوئے خدا کی یاد کیون نہین کرتے؟

قیس۔ حسین اہل مدینہ کے ساتھ جو مراعات کرینگے وہ ہمارے ساتھ کبھی نہین کر سکتے

شیث۔ کاش ہمسے پہلے غلطی نہ ہوتی۔

زیاد۔ اگر آپ چاہتے ہین ملک مین امن و امان رہے تو خبردار۔ اسوقت ایک متنفس بھی جامع مسجد مین نہ جائے۔

حضرت حسین آئین ہمارے سر اور آنکھون پر، ہم انکی تعظیم کرینگے۔ لیکن اگر انھونے خلافت کا دعویٰ کیا تو ہمین امن قائم رکھنے کے لیے آپ کی مدد کی ضرورت ہو گی۔ وہی آپ کی آزمائش کا وقت ہوگا اور اس مین پورے اترنے پر اسلام کی زندگی کا دار و مدار ہے

(زیاد ممبر سے اتر آتا ہے)

شیث۔ بڑی غلطی ہوئی کہ حسین کو خط لکھا۔

شمر۔ مین تو جامع مسجد نہ جاؤنگا۔

قیس۔ یہان کون جاتا ہے۔

شیث۔ کاش انھین رعایتون کا چند روز قبل اعلان کر دیا ہوتا تو خط لکھنے کی نوبت ہی کیون آتی۔

شمر۔ دین کی فکر موٹے آدمی کرین۔ یہان دنیا کی فکر کافی ہے۔

(رفتہ رفتہ مجمع منتشر ہوجاتا ہے)

"پریم چند"
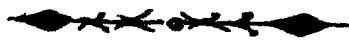
"تم میری یہ بات غور سے نہین سنتے"

"مین ایسا کیون کرون ؟"

اس نے بلورین جام سے ایک گھونٹ پیکر کہا:

"میرے اچھے دوست! مین چاہتا ہون کہ سارے واقعات من وعن تمہارے گوش گذار کر کے سبکبار ہو جاؤن لیکن . . . ."

ایک لمحہ کے لیے وہ خاموش ہو گیا۔ سگریٹ کے دو چار کش لگا کر وہ پھر غور و فکر مین مستغرق ہو گیا دھوئین کے بادل اسکے خیالات پریشان کیطرح چکر کھاتے ہوے ہوا مین غائب ہو گئے۔

عالم سکوت مین اس نے اپنی مستِ شباب آنکھین فضا ربسیط اسے ہٹا کر اسکی طرف پھیرین۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی اہم مسئلہ کی عقدہ کشائی کے لیے جد و جہد کر رہا ہے اور اسکی نیم وا آنکھین متکلم کے قلب کا جائزہ لے رہی ہون۔

وہ ایک ہیجان و اضطراب کے ساتھ سگریٹ پھینک اُٹھ کھڑا ہوا اور تیزی کے ساتھ کمرے مین اِدھر اُدھر ٹہلنے لگا۔ اس غیر معمولی برانگیختگی اور بے چینی سے قدرے متاثر ہو کر اس نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ اُسے مخاطب کر کے کہا۔ میرے رفیق میرے خیالات کی ادھیڑ بن مین کچھ ایسا محو رہا کہ تمہاری گفتگو پر توجہ نہ کر سکا اگر کوئی بات ناگوار طبع ہوئی ہو تو معاف کرنا۔ مین اپنے اس تغافل آمیز محویت پر خود نادم ہون . . . . ہان تم کیا کہہ رہے تھے؟ بیٹھ جاؤ مین بڑے غور سے تمہاری گفتگو سنون گا۔

وہ نہایت بے پروائی کے ساتھ ایک کرسی پر اسکے قریب جا بیٹھا۔ ایک کشادہ مختصر گر ضروری اسباب سے آراستہ کمرے میں جسے برقی روشنی نے بقعۂ نور بنا دیا تھا۔ یہ گفتگو ہو رہی تھی۔ درد آمیز لہجے میں وہ کہنے لگا:" موسیو! حسن اتفاق سے ہماری ملاقات لندن کے ایک مشہور نیلام گھر میں ہوئی تھی جہاں ہم دونوں آوارۂ وطن کی حیثیت سے سیر میں مصروف تھے۔ لیکن آہ! اسکے بعد تمنے مجھے بالکل فراموش اور زبردست وعدہ وعید کے باوجود بھی تمنے میرے خطوط کا جواب نہ دیا۔ میں اپنی پہلی ہی ملاقات میں کچھ ایسا مانوس اور بے تکلف ہو گیا تھا کہ تمہارے سامنے اپنے سارے راز بے کم و کاست کھولکر رکھدیئے۔ بظاہر یہ بیوقوفی ہے۔ لیکن درحقیقت یہ اقتضائے فطرت تھا۔ حالانکہ تم اسوقت بھی مجھ سے احتراز کرتے تھے۔ تمکو یاد ہوگا کہ تم نے بڑے پس و پیش اور قابل شکایت توقف کے بعد اپنا اسم گرامی اور پتہ بتانا گوارا کیا تھا۔ اسوقت ایسی تو کوئی بات معلوم نہیں ہوتی تھی جس سے میں یہ اندازہ لگا سکتا کہ تم میری صورت سے بیزار ہو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

اس نے سگریٹ سلگانے کے لیے کچھ تامل کیا۔ موسیو جو اس طویل تمہید سے اکتا گیا تھا اب ان چند لمحوں کے سکوت سے کچھ مطمئن سا نظر آتا تھا۔ اس نے انگڑائی لیتے ہوئے کہا" لیول! میں نہیں سمجھا کہ گذشتہ واقعات کے اعادہ سے تم کیا نتیجہ اخذ کرنا چاہتے ہو۔ ذرا وضاحت کیساتھ اپنا مدعا بیان کرو۔ میں یہ جاننے کے لیے بیحد مشتاق ہوں کہ اس لایعنی تمہید سے تمہارا کیا مطلب ہے؟"

اس نے ایک آہ سرد بھری اور سگریٹ کا دھواں اُڑاتے ہوئے بولا" موسیو مارگے! گھبراؤ نہیں میں تمام واقعات اچھی طرح تمہارے ذہن نشین کرا دونگا۔ درحقیقت میری اس بے وقت کی شہنائی کا مقصد بھی یہی ہے۔ قصہ حالانکہ طویل ہے لیکن میں حتی الامکان اختصار کو مد نظر رکھوں گا۔"

ہاں تو تمہیں یاد ہوگا ایک دفعہ میوزیم کی سیر کرتے ہوئے میں نے تم سے اپنی معشوقہ کا ذکر کیا تھا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور اپنے علیحدہ ہو جانے کے بعد میں نے تمہیں تمہارے بتائے ہوئے پتہ پر ایک خط روانہ کیا تھا جسمیں ۔۔ کا ایک فوٹو بھی تھا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لیکن شاید تم اسکو

نہ تھے یا کسی دوسری وجہ سے وہ لفافہ میرے پاس واپس آگیا۔ ۔ ۔ ۔"

اس نے اپنی جیبین ٹٹولین اور ایک سر بمہر لفافہ نکالکر میز پر ڈالدیا۔ موسیو کا چہرہ ایک لمحہ کے لیے اتر گیا اور اس کی حرکات و سکنات سے ایک ایسے جذبہ کا اظہار ہوتا تھا کہ کسی بھولے ہوئے خوفناک خواب کی یاد نے اسکے دماغ کو پریشان کردیا ہو۔ لیول کی نظروں سے اپنی اس ذہنی پریشانی اور قلبی بے چینی کو پوشیدہ رکھنے کے لیے وہ لفافہ اُٹھا کر پتہ دیکھنے مین مشغول ہو گیا اور ایسی صورت بنالی جس سے لیول کی محبوبہ کی نسبت اسکی لاعلمی مترشح تھی۔

آرسین لیول نے ایک ایسے انداز لاپرواہی کے ساتھ سلسلۂ کلام کو جاری رکھا گویا موسیو کے تبدیل ہیئت کا اسے کچھ علم ہی نہین ہے۔ جس کی ماہیت خواہ کچھ ہی کیون نہ ہو۔ مگر بظاہر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ لیول کی معشوقہ کا ذکر اُسے تکلیف دہ تہا۔

اس نے ایک سرد آہ بھری اور چپ چاپ بیٹھا سب کچھ سنتا رہا لیکن لیول مجذوبوں کی طرح بڑبڑاتا رہا کہ آہ موسیو بدقسمتی سے مین اسوقت ایک ایسے ناخوشگوار واقعہ کا ذکر کرنے والا ہون جو نہ صرف مجھے بلکہ خود تمھین بھی گران گذرے گا۔ لیکن موسیو! مین ڈرتا ہون کہ کہین ان واقعات کے ظاہر ہو جانے پر تم مجھسے متنفر نہ ہو جاؤ۔ اسمین شک نہین کہ مین قبل از وقت ہی ارتکاب جرم کا اعتراف کئے لیتا ہون اور میرا خیال ہے کہ اسی بنا پر تم مجھے معاف بھی کردوگ

اس نے آہستہ آہستہ لفافہ چاک کر ڈالا۔

حزن و ملال کے آثار اُسکے مضمحل چہرے پر نمایان تھے۔ آنکھین آبگون ہو رہی تھین۔ موسیو اس تقریر سے کچھ مبہوت سا ہو گیا تھا۔ سگریٹ کے مسلسل کشون سے دھوین کا ایک لطیف سا پردہ اپنے امین حائل کرکے جواب کا انتظار کئے بغیر ہی اُس نے کہنا شروع کیا! "اوہو۔ اب اس تحریر کے مطالعہ کی چندان ضرورت نہین۔ موسیو مین خود سارا معاملہ بیان کئے دیتا ہون۔ یہ پہلا صدمہ ہے جو عالم شباب مین مجھے برداشت کرنا پڑا اور جسنے میری زندگی تلخ کردی . . . مزید [illegible] کے لیے مین اس واقعہ کو پھر دوہرائے دیتا ہون۔ سنو شاید تمھین یاد ہو گا کہ مین لندن کے ایک قہوہ خانہ مین اس دوشیزہ کو دل دے بیٹھا تھا میرے دوست آتا

بھی واقفیت سے۔ تو تم کسی طرح انکار نہین کر سکتے اور اسکے بعد اسکا انجام کیا ہوا؟ یہ بھی تم پر اچھی طرح روشن ہے۔ تمہین معلوم ہے کہ دولت کی اسکے پاس کمی نہ تھی وہ محبت کی بھوکی تھی اور شاید یہ بات بھی پوشیدہ نہین ہے کہ وہ صرف تمہین چاہتی تھی حالانکہ تم چاہے اس حقیقت سے منکر ہو جاؤ۔ .... موسیو! یہ بات نہین مین جوشِ رقابت سے بھی کبھی مغلوب الغضب نہ ہوا۔

موسیو قدرے گھبرا گیا حیرت و استعجاب نے اسکے چہرے پر گہرے نشان بنا دیئے تھے وہ اپنے جذبات کو دل ہی دل مین دبا کر بولا "یول صحیح معاملات کا اندازہ لگانے مین تم غلطی پر ہو"

یہ کیون؟ موسیو ممکن ہے تمہارا قیاس درست ہو۔ لیکن یہ کوئی غیر قدرتی بات نہ تھی خیر جو کچھ ہو مجھے تمہاری خوش نصیبی پر رشک آتا ہے۔ خدا نے حسن و شباب کے ساتھ ساتھ موسیقی کی بے بہا دولت سے تمہین مالا مال کر دیا ہے۔ بہر حال تم اس امر سے تو انکار نہین کر سکتے ؟"

اس الزام کی تردید کے لیئے اپنی تمامتر قوتون کو یکجا کر کے موسیو نے جواب دیا۔ لیکن اگر تمہارا کہنا صحیح بھی مان لیا جائے تو اسکا تمہارے پاس کیا جواب ہے کہ اس نے کبھی تخلیہ مین بھی مجھسے اپنی محبت کا اظہار نہ کیا ....."

وہ مسکرایا، " آہ پیارے موسیو یہ بات نہین، اظہار تعشق کی قدرت صنف نازک مین قدرتی طور پر مفقود ہے اور مرد اس فقدان سے بہر طور مستفید ہو سکتا ہے۔ عورت جذبات کا پر سکون و بے پایان سمندر ہے۔ لیکن اسکی موجین پر شور نہین شرم عورت کی فطرت ہے اور وہ اصل نسوانی خوبصورتی بھی یہی ہے۔ حسن اور زیادہ دلکش۔ اور زیادہ جاذب اور زیادہ موثر ہو جاتا ہے جب حجاب کا پردہ درمیان مین حائل ہو ...... ہان یہ کتنا دشوار ہے کہ اس آتش سوزان کے شعلے تمہارے خرمنِ دل کو خاکستر کرنے مین کہانتک کامیاب ہوئے۔

اسوقت میرے دل کی کیا حالت تھی؟ تم بخوبی اس کا اندازہ لگا سکتے تھے۔ کہ ایک ناکام تمنائی نگاہون مین کائینات کی ساری رنگینیان پھیکی پڑ جاتی ہین میری مسرت و تمیز بھی باقی نہ رہ گیا تھا

حسرتین پامال ہو چکی تھین - دنیا میری نظرون مین تاریک تھی اسکی ساری دلچسپیان میرے نزدیک بے معنی اور ساری دلفریبیان پرخلش تھین اور تمہین یہ بھی معلوم ہو کہ حصول متنا کی ساری اُمیدین منقطع ہو جانے پر مین اپنی مایوس زندگی کی خشک گھڑیان سکون کے ساتھ بسر کرنے کے لئے میدان چھوڑکر لندن سے چلا گیا تھا - تاکہ کسی کو نہ معلوم ہو اکہ میرا حشر کیا ہو لیکن اس سے کیا ہو سکتا تھا ؟ لندن چھوڑ دینے کے بعد بھی تسکین نہ ہوئی - میری اضطرابیان اور بڑھ گئین ناچار بادل ناخواستہ واپس آنا پڑا - یہان آکر جو کچھ سنا کبھی خواب و خیال مین بھی اس کی امید نہ تھی - اس کی طبیعت علیل تھی، پیرس مین کسی نے فریب دیکر اس کے جواہرات چرائے تھے چور کا تو کسی طرح پتہ نہ چل سکا لیکن تمہاری بے التفاتی اور عدم توجہی سے اسکا دل ٹوٹ گیا - پیرس سے واپسی کے بعد وہ بستر سے لگ گئی - اور ہزار کوشش کرنے پر بھی جانبر نہ ہو سکی - موسیو! مین تمہارے مقابلہ مین اس سے دستبردار ہو چکا تھا - اور تمہاری بے نیازی اس کے لیے پیام موت بن گئی - بستر مرگ پر اس نے تمام واقعات مجھ سے بیان کئے وہ تمہاری سرد مہری کی شاکی تھی اور تمہارے دید کی متمنی لیکن آہ موسیو ـــــ"

اسکی آواز تھرتھرانے لگی - ایک گہرا سانس لیکر اسنے کہا " مین کسی طرح بھی صورت حالات سے تمہین مطلع نہ کر سکا - موسیو مجھے امید ہے کہ تم مجھے معاف کر دوگے "

اس نے جواب کے لیے ایک لمحہ بھی توقف نہ کیا اور موسیو کی متغیر حالت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اُٹھ کھڑا ہوا اور ایک سرگرم مصافحہ کے بعد کمرہ سے نکل گیا -

(۲)

تماشاگاہ مین تماشائیون کا ہجوم تھا - اسٹیج پر ایک مغنیہ نہایت خوش اسلوبی سے اپنا پارٹ ادا کر رہی تھی - تماشائی اس کی سریلی تانون مین غرق تھے - ہر طرف سکوت کا عالم طاری تھا - وہ رقص کر رہی تھی، اسکے جسم کی ہوش ربا لچک نے دیکھنے والون کو مسحور کر لیا تھا - اسکی دلربا ادائین تیر کی طرح دلون مین اُتر رہی تھین

وہ برق تھی اضطراب آموز شعلہ تھی - عریان و نیم برہنہ حسن و جمال کا مجسمہ اور جذبات محسوسات

کا آتشین و پر شور سمندر اس ساحرہ مغنیہ کے دلپذیر نغمے فضا مین ترنم پیدا کر رہے تھے۔ اور فضا خاموش اس کی ہم آہنگ ہو رہی تھی۔ ہزارون نظرین اس متحرک پیکر جمال پر جمی ہوئی تھین! لیکن موسیو اسطرف بالکل متوجہ نہ تھا۔ گویا اس ماہوش کے دلدوز نغمے بالکل بے اثر تھے۔ وہ کوچ پر بے حس و حرکت پڑا تھا۔ اسکی نرم و نازک انگلی مین ہیرے کی بیش قیمت انگوٹھی جگمگا رہی تھی۔ اور ہلکی سی گرفت مین سگار اسکے دل کی طرح سلگ رہا تھا۔

اس سکون و جمود مین اس کی مضطرب نگاہین پاس ہی بیٹھی ایک حسین دوشیزہ کی بلائین لے رہی تھین۔ وہ بلا کی حسین تھی۔ نزاکت و ملاحت ہر ہر ادا سے ٹپکی پڑتی تھی۔ اس کی بیش قیمت پوشاک کی چمک آنکھون کو خیرہ کئے دیتی تھی۔ موسیو کا دل کھنچکر اسکی آنکھون مین آگیا تھا۔ یکبارگی ساری فضا تالیون اور مرحبا آفرین کے نعرون سے گونج اٹھی۔ مغنیہ اپنا پارٹ ختم کر کے نظرون سے غائب ہو چکی تھی اور اسٹیج تھوڑی دیر کے لیے بے نور و سنسان ہو گیا تھا۔

جو ڈرامہ اسٹیج پر دکھایا جا رہا تھا اسکا واقعات سے کوئی لگاؤ ہو یا نہو لیکن وہ کسی باکمال ڈرامہ نویس کے تخیل کی بلند پروازیون کا نتیجہ ضرور تھا۔ اس تمثیلی نقل و حرکت کیساتھ ساتھ پس پردہ ایک ڈرامہ اور کھیلا جا رہا تھا جس کے ایکٹر دو پر آرزو دل تھے۔ مگر اس سے کوئی متنفس باخبر نہ تھا۔ ایک ماہرو دوشیزہ دلربائی کا پارٹ ادا کر رہی تھی اور حسن پرست موسیو سرگرم نیاز تھا۔

دونون نگاہین اسوقت بھی لڑ رہی تھین جبکہ اسٹیج خالی تھا۔ اور پر شوق نگاہین دو پر جوش دلون کو پیام محبت د[...] رہی تھین۔ چند لمحون کے روح پرور انتظار کے بعد پردہ اٹھا اور دوسرے لمحہ مین ایک [...] سین پیش نظر تھا۔ تماشاگاہ مین پھر گہری خاموشی کا تسلط ہو گیا۔ اس نئے سین کا ماحصل [...] یہ ہے۔ جبکہ بے وفا مہ وش وفا کوش محبوبہ کے زیورات اڑا لیتا ہے وہ معشوقہ اپنے عاش[...]ت کو رونے سے ملول ہو کر بستر سے لگجاتی ہے۔ اس حادثہ جانگاہ سے اسکے نظام عصبی مین خلل [...]۔ عاشق اسکے جذبہ انتقام کو ٹھنڈا کر دینے کیلئے ایک نرس کی اعانت سے اسے زہر دیدیتا ہے۔۔۔۔۔۔ عورت مر جاتی ہے۔۔۔۔

سارا پارٹ کچھ اس حسن وخوبی کے ساتھ ادا کیا گیا کہ دیکھنے والے تصویر حیرت بن گئے۔ موسیو پر اس مصنوعی واقعہ کا کچھ ایسا اثر ہوا کہ اسکے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ چہرہ کی رنگت بدل گئی۔ اس نے اپنے آپ کو سنبھالنے کی بہت کوشش کی مگر بے سود۔ اسکا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ اُس روز سیاہ کی مبہم تصویر نے اسے ایک لمحہ کیلئے بدحواس کردیا اور وہ کسی بھیانک تصویر سے بید کی طرح لرزنے لگا۔ حسینہ موسیو کی اس گھبراہٹ پر زیر لب مسکرا رہی تھی۔

کچھ عرصہ بعد موسیو سنبھلا اور پھر محبت کی دلچسپیوں سے لطف اندوز ہونے لگا۔ اس عورت کے خوفناک انجام کے پریشان کن تصور نے کئی بار اسکے دماغ پر قبضہ کرنے کی کوشش کی۔ مگر موسیو نے جدوجہد کرکے تمام خیالات کو باہر نکالدیا۔ اور فلسفہ حسن وعشق کی لاینحل پیچیدگیوں کو سلجھانے میں اپنی تمامتر دماغی قوتوں کے ساتھ مصروف ہوگیا۔

اسٹیج پر پردہ پڑگیا۔ لوگ ڈرامہ کے کومک انجام پر اپنے اپنے مذاق کے مطابق تبصرہ کرتے ہوئے ہشاش بشاش گھروں کو جانے لگے۔ موسیو بھی دوشیزہ پر حسرت بھری نگاہیں ڈالتا ہوا اُٹھ کھڑا ہوا دوشیزہ کی نگاہیں ہنس رہی تھیں۔ اس نے بھی موسیو کو ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ سب کی نظروں سے پوشیدہ دور کھڑا ہوا لیول اس جدائی کے سین کو معنی خیز نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

(۳)

گھنٹی کی ایک ہلکی سی آواز کے ساتھ موسیو کا سکرٹری اسکے کمرہ میں داخل ہوا۔ اور ایک بند لفافہ میز پر رکھکر کمرہ سے باہر ہوگیا۔ اس رات تماشہ سے واپس آنے کے بعد وہ کچھ غمگین اور کھویا ہوا سا رہتا تھا۔ خط دیکھکر اسکے خشک ہونٹوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ اس نے گھڑی پر نظر ڈالی اور بڑبڑانے لگا۔ "چار بجے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ پرنس ہوٹل میں ۔ ۔ ۔ ۔
اچھا اسوقت دو بجے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یقیناً وہ مجھپر۔ ۔ ۔ ۔ فریفتہ۔ ۔ ۔ ۔"

خدا معلوم اس تحریر میں ایسا کونسا جادو تھا جسنے اسے ایسا مستعد اور چست بنادیا۔ بجلی کی سی سرعت کے ساتھ کمرے سے نکلکر وہ ڈریسنگ روم میں جاپہنچا۔ پوشش کے انتخاب میں

اسے غیر معمولی وقت محسوس ہوئی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ ایک بہترین لباس مین ملبوس
ہوکر ایک قدِ آدم آئینے کے سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا۔ گھڑی دیکھکر اسکی بیچینی مین اور بھی اضافہ
ہوگیا ابھی ۲ ½ بجے تھے اور اسطرح اس اہم کام کی تکمیل مین صرف نصف گھنٹہ صرف ہوا تھا۔
جو اسکے خیال مین کام کی اہمیت کے لحاظ سے نہایت قلیل تھا۔ وہ کچھ برہم سا معلوم ہوتا تھا
ایک عجیب ہیجان کے ساتھ وہ ملحق کمرے مین گیا اور الماری مین سے ایک بوتل نکالکر کھڑے
ہی کھڑے پے در پے کئی جام خالی کر ڈالے۔ اسکی آنکھین شراب کا اثر قبول کر رہی تھین پانون
لڑکھڑا رہے تھے۔ اسنے پھر گھڑی کی طرف دیکھا۔ اب صرف تین بجنے مین پانچ منٹ باقی تھے
سوئیان گویا حرکت ہی نہ کرتی تھین۔ اسکی قوت احساس سلب ہوچکی تھی اور اب اسے یارائے
ضبط نہ تھا۔

کمرے سے نکلکر اپنے خیالات کی دھن مین غلطان و پیچان وہ دروازے پر آیا اور
بعجلت ایکہی جست مین سیڑھیون کو پار کرکے کار مین جا بیٹھا۔

* * * * * * * * * * * * * * *

وقت معینہ سے تقریبًا نصف گھنٹہ قبل وہ پرنس ہوٹل کے مخصوص کمرہ کے دروازہ
پر تھا۔ ایک صوفہ مین گر کر وہ نہایت اضطرابی کے ساتھ اپنے اجنبی مگر خوبصورت میزبان کی آمد
کا انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد سامنے کے پردے کو جسے وہ بیوقوفی سے اب تک دیوار
سمجھے ہوئے تھا۔ حرکت ہوئی اور . . . ——— موسیو کے تخیل کا حسین موضوع یعنی وہی
دوشیزہ اُسکے سامنے کھڑی مسکرا رہی تھی ——— "تم آگئے؟"

موسیو اپنی اس بے معنی تعجیل پر منفعل تھا۔ اسکا سر بار ندامت سے جھک گیا اور وہ
ضروری آداب کی تکمیل مین بھی قاصر رہا۔ بہرحال موسیو اپنی خوش نصیبی پر نازان تھا۔ اسے دنیا
و مافیہا کی کچھ خبر نہ تھی دوسرے لمحہ مین وہ اسکے پہلو مین تھی اور وہ اسکے اصرار سے آتش سیال
کے جام پر جام خالی کئے چلا جاتا تھا۔ رفتہ رفتہ اس پر غشی کا عالم طاری ہونے لگا۔ اور وہ حواس
باختہ ہوکر صوفہ مین دراز ہوگیا۔

* * * * * * * * *

جس وقت موسیو کی آنکھ کھلی تو کمرہ برقی قمقموں کی نور باشی سے جگمگا رہا تھا۔ وہ اپنے جسم میں درد سا محسوس کر رہا تھا۔ سارا بدن نہایت مضبوطی کے ساتھ صوفہ سے جکڑا ہوا تھا۔ اسکی حیرت کا کچھ ٹھکانہ نہ تھا۔ کوشش کرنے پر بھی وہ یہ نہ معلوم کر سکا کہ معاملہ کیا ہے۔ اسے کسی طرح صورت حالات پر یقین نہ آتا تھا۔

موسیو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ کمرہ خالی تھا۔ کہیں کوئی نہ تھا۔ اسے یقین ہو گیا کہ یہ خواب نہیں ہے۔ چند لمحوں کے بعد ایک ہلکی سی آہٹ کے ساتھ دروازہ کھلا اور وہ دوشیزہ کسی شخص کے ساتھ کمرہ میں داخل ہوئی۔

"مسٹر ہارڈی مبارک باد، آخر تم نے مس روزی کے قاتل کو گرفتار کر ہی لیا"

"ہن، لینی! میں تمہاری اس اعانت کا مشکور ہوں"

دروازہ پھر کھلا اور لینی نے پکار کر کہا۔ "آیئے! مسٹر میکسویل۔۔۔"

موسیو کی حیرت کی انتہا نہ رہی "یہ مشہور جاسوس مسٹر ہارڈی۔ وہ دل میں سوچنے لگا" یہ وہی لیول۔۔۔۔ اور یہ محکمہ پولیس کا افسر اعلےٰ مسٹر میکسویل!۔۔۔۔ میرا پرائیویٹ سکریٹری۔۔۔ آہ یہ سب کچھ فریب تھا۔ آخر راز طشت ازبام ہو ہی گیا۔۔۔۔"

اس غیر متوقع واقعہ سے متاثر ہو کر وہ دل ہی دل میں کہہ رہا تھا کہ "بے وقوف موسیو! تم نے سراب حسن سے تشنگی عشق بجھانے کی کوشش ہی کیوں کی؟"

ترجمہ جگیشور ناتھ ورما

رسید کتب

تندرستی ہزار نعمت، مصنفہ رائے بہادر سانولداس بی۔ اے مطبوعہ مشن پریس الہ آباد قیمت ۲/

مقصد زندگی۔ مطبوعہ گنیش پرنٹنگ پریس فیض آباد۔

گلزار نعت، مصنفہ خورشید حیدرآبادی قیمت ۳/

تھا پہلے جو دلِ غمگین

کچھ روز سے پھر محوِ سرور سا رہتا ہے — پھر جوشِ مسرت سے آباد یہ دنیا ہے
خاموش اُمنگون مین پھر حشر سا پیدا ہے — افسردہ طبیعت مین طوفان سا برپا ہے
اب پاتا ہون مین سینے مین اِک آرزوے رنگین

آنکھین تھین جو اشک آگین

اُکتا گئی ہین وہ بھی اِک گریۂ پیہم سے — آنسو بھی خفا سے ہین اب دیدۂ پرنم سے
حاصل نہ ہوا کچھ بھی ہر وقت کے ماتم سے — اے کاش ملے فرصت اندوہ دو عالم سے
کب تک رہتے یون آنسوؤن سے بالین

اِک جوش نمایان ہے

میرے تنِ خاکی کے ہر ایک رگ و پے مین — اِک ولولہ پیدا ہے نغمے کی ہر اِک لَے مین
وہ کیف مین پاتا ہون نظارۂ ہر شے مین — ممکن نہین ساقی کے جو جامِ پر از مَے مین
اُمیدون کی بستی مین اِک عالمِ طوفان ہے؛

دُور اے غم و حسرت ہو!

ہین زخمِ جگر بیزار اب رحمتِ مرہم سے — تنگ آگیا ہے دل بھی اندوہِ شبِ غم سے

دیتی ہے خبر مجھکو

یہ موج ہوائے گل پھر فصلِ بہار ان کی ٭ رُت پھر ہے بدلنے کو سارے چمنستان کی ٭
امّید بندھی ہے پھر نظارۂ جانان کی ٭ اب خیر نہین دل کے سوزِ غمِ پنہان کی
پھر دَورِ مسرّت کا آتا ہے نظر مجھکو ٭٭

ہر محوِ تغافل مین

پھر ہمّت و کوشش کا اک جوش سا پیدا ہے ٭ اور دیدۂ حسرت کو پھر ذوقِ تماشا ہے
سرسبز وطن ہو پھر یہ دل کی تمنا ہے ٭ دھن اسکی ترقی کی ہے، اور جنون زا ہے
اب کیف نہین ملتا، ذکرِ گل و بلبل مین

دن پھولنے پھلنے کے

اے پیارے وطن تیرے پھر آ ذہی والے ہین ٭ سرگرمِ عمل ہین پھر جو حوصلے و آلے ہین
دشوار ہے گو رستہ اور پاؤن مین چھالے ہین ٭ اب تھک کے نہ بیٹھین گے جب پاؤن نکالے ہین
ہرگز نہین عہد اپنا ہم تجھسے بدلنے کے

اے خاک وطن تجھکو

برباد کیا ہم نے آپس کی عداوت سے ٭ تاراج کیا تجھکو خود اپنی جہالت سے
بیزار ہین لیکن اب اِس باہمی نفرت سے ٭ سینچین گے زمین تیری یون خلق و محبّت سے
دیکھے تو سکے دنیا شاداب چمن تجھکو

ہان اے مری خودداری!

یہ دورِ گل آ سکے کھویا ہوا ہوش آئے ٭ افسردہ طبیعت مین پھر جوش و خروش آئے
میدان مین جو آئے وہ عزم فروش آئے ٭ اک برقِ عمل آئے، اک صاعقہ کوش آئے
دنیا کو دکھا دین ہم پھر حاصلِ بیداری

ک۔ ح۔ صفی

آئینۂ حال

درِ اغیار پر دونون کو ہے ذوقِ جبین سائی — کہ برپا ہندو مسلم مین ہے ہنگامہ آرائی
انھین برباد ہو کر بھی سمجھ اتنی نہین آئی — نفاق ایسی بُری شے ہے جو پربت کو کرے رائی
قریب ساحل اپنے ملک کا بیڑا ڈبونے کو — ہے بحثِ کفر و ایمان وقت پر یارون کو یاد آئی
عمل پیرا ہون مذہب پر اگر مذہب کے دیوانے — ہم دیگر گریبان گیر کیون ہون مثلِ سودائی
اگر ہو پاس کچھ بھی دلمین اپنے اپنے مذہب کا — تو ناممکن کہ پھر ہوان مین تابِ شورش افزائی
پیامِ روح ہے امن و امان و صدق و حق کوشی — فساد و فتنہ و شر نفس کی ہے کارفرمائی
غلامِ نفس ہین اور آڑ رکھتے ہین یہ مذہب کی — خدا کے قہر سے ڈرتے نہین مطلب کے شیدائی
"خدا شرے برانگیزد کہ در آن خیرِ ما باشد" — یہی ہے آرزو ان کی اسی کے ہین متمنّائی
نزاعِ باہمی سے اب وہ زائل ہو گئی ساری — بدقّت قوم نے حاصل جو کی تھی کچھ توانائی
ہم لڑ بھڑ کے کھو بیٹھے ہین دونون آبرو اپنی — ہوئے ہین اپنے ہاتھون سے یہ نادان مفت رسوائی

تمیزِ خیر و شر ان کو خدائے پاک دیر تر دے
کرے گی کیا اثر محروم تیری خامہ فرسائی

تلوک چند محروم

"۱۹ نومبر ۲۶ء کو کانپور میں بابا گرو نانک صاحب کی برسی کی تقریب سعید بہت دھوم دھام سے منائی گئی اس موقعہ کیلئے ہمارے دوست منشی کرشن سہائے بھٹناگری وحشی وکیل نے یہ نظم لکھی تھی"

کسکا پیغام لیے پھرتی ہے ای باد صبا ۔۔۔ کسکے توحید کے نغموں سے یہ گونج اٹھی صدا
کس کی آنے لگی کانوں میں یہ پرسوز صدا ۔۔۔ اپنی ہستی کو مٹا دے کہ فنا میں ہے بقا

اب میں سمجھا جو مرے روح سے دمساز ہے یہ
واگرو ست گرو دیو کی آواز ہے یہ

دل کو بیتاب کئے دیتا ہے نغمہ کس کا ۔۔۔ میری آنکھوں میں کھنچا جاتا ہے نقشہ کسکا
نظر آنے لگا آنکھوں کو یہ جلوہ کس کا ۔۔۔ سامنے سے یہ اٹھا جاتا ہے پردہ کسکا

در فردوس نظر آنے لگا باز مجھے
دیجئے دیجئے اک اور بھی آواز مجھے

مجھسے اے باد صبا دہر کی باتیں نہ بنا ۔۔۔ مجھکو افسانۂ نیرنگی عالم نہ سنا
لیکے آئی ہے جو پیغام رہائی وہ بتا ۔۔۔ روح خوابیدہ کو توحید کے نغموں سے جگا

تیرے پیغام کے صدقے تیرے نغموں کے فدا
چھیڑ پھر نعرۂ ہو کی وہی مستانہ صدا

وہ جو کہتا ہے کہ لب تشنہ کو ساحل نہ ملا ۔۔۔ فکر دنیا سے گرو ایک بھی عاقل نہ ملا
رگ ملنے کو سلے پر کوئی حامل نہ ملا ۔۔۔ میں کہونگا اُسے گرو دیو سا کامل نہ ملا

دیکھ لے آکے جو ہو آپ پہ تن من سے فدا
ابھی ملتا ہے اُسے منزلِ ہستی کا پتہ

اللہ اللہ رے اعجاز نمائی کی ادا — جی اُٹھے مردے اگر تم کبھی منھ سے نکلا
ہر زمان غیب سے کانون مین یہ آتی ہے صدا — ذات حق سے گرو نانک کی ہنین ذات جدا

سچ تو یہ ہے کہ اُسی ذات کے اوتار ہین آپ
رشک خورشید و قمر مظہرِ انوار ہین آپ

لاکھ پردون مین بھی وہ نورِ حقیقت نہ چھپا — ظلمتِ شب سے بھی خورشید نکل ہی کے رہا
جہل کی چھائی گھٹائین بھی تعصب بھی بڑہا — نورِ ایمان نہ مگر کفر کے روکے سے رُکا

دیکھیے دیکھیے وہ نورِ ہدایت چمکا
آتشِ طور کا وہ دیکھیے شعلہ لپکا

دفترِ شرک سے توحید کا قرآن نکلا — پردۂ کفر سے وہ دیکھیے ایمان نکلا
درد والون کیلئے درد کا درمان نکلا — بھولے بھٹکون کیلئے خضر بیابان نکلا

نا امیدی کی گھٹاؤن نے بہت زور کیا
پاؤن ہمت کا مگر بھول کے پیچھے نہ پڑا

لیکے ہستی کے کچھ اوراق پریشان نکلا — بادلِ پرغم و با دیدۂ گریان نکلا
چرخ پر پھر بھی نکلا مہ تابان نکلا — کون سیارہ مگر مثلِ مہ درخشان نکلا

جنگ ہفتاد و دو ملت کے مٹانے کے لیے
گھر سے نکلا ہے تو توحید سکھانے کے لیے

اپنی گردن مین حمائل کئے قرآن بھی ہے — اور ہاتھون مین لیے وید کا فرمان بھی ہے
دین و دنیا کا لیے ساتھ مین سامان بھی ہے — صدقے ہندو ہے تو قربان مسلمان بھی ہے

تجھسے آکر کوئی قرآن کے معنی پوچھے
تجھسے آکر کوئی رگ وید کا مطلب سمجھے

وحدت تفرقہ انداز کا قائل مین نہین — اپنے بیگانے کے تفریق پہ مائل مین نہین
کشت و خون جس سے ہو اُس فتنہ کا سایل مین نہین — واقف معنی توحید ہون جاہل مین نہین

وہ نہین ہون کہ جسے خلق کا کچھ پاس نہ ہو
درد ہو جسم مین اور جسم کو احساس نہ ہو

میری دانست مین وہ محرم اسرار نہین — جو گرو دیو سا ہر فرد کا غمخوار نہین
غم مخلوق الٰہی مین جو خونبار نہین — آنکھ وہ لائق دیدار رخ یار نہین

کفر کیا ہے غم ہستی سے جدا ہو جانا
عین ایمان اُسی ہستی مین فنا ہو جانا

ہے سبق ست گرو دیو کا یہ یاد رہے — کعبۂ دل نہ کبھی کفر سے آباد رہے
اپنے ہاتھون سے کوئی جیو نہ ناشاد رہے — اپنے ہی نفس پہ جو کچھ رہے بیداد رہے

یاد خالق سے نہ غافل کوئی دم بھر ہو جائے
آرزو مین جئے اور یاد مین اس کی کھو جائے

ہے تمنا کہ زبانون پہ ترا نام رہے — تو دلون مین ہو، لبون پر ترا پیغام رہے
مے توحید سے دن رات ہمین کام رہے — تو ہو ساقی۔ تری محفل ہو، ترا جام رہے

اے خوشا دم کہ فراغ از ہمہ کارم باشد
گوشۂ باشد و من باشم و یارم باشد

وحشی مرح سرا کی بھی خبر کچھ لیجئے — داس ہے آپکا اُمیدیش اسے بھی دیجئے
اک نگاہ کرم و لطف ادھر بھی کیجئے — اُسکی جھولی بھی پر از لعل و گہر کر دیجئے

شب تاریست چنین، باد مخالف ہم تیز
کشتیم می رود از دست خدا را برخیز

کرشن سہائے وحشی

حضرت طپش اہردی

ابھی کہاں ہے خاتمہ نظر کے اضطراب کا — تہ نقاب اور بھی نقاب ہے حجاب کا

پہنچ گیا تھا یہ کہاں کہاں یہ چوٹ کھا گیا — یہ دلکو روگ لگ گیا کہان سے اضطراب کا

کہان کو لے اُڑی تڑپ مقام ہے سے اُسطرف — پڑا ہے جا کے غلغلہ کہان اس اضطراب کا

فغان کا پردہ خوب تھا فغان کی عمر ہو دراز — کسی نے حال سُن لیا کسی کے اضطراب کا

جما ہوا ہے جا بجا شکستہ تیلیون پہ خون — قفس مین چھوڑ آئے ہین نشان یہ اضطراب کا

تڑپنے والے ہجر کے لحد مین جا کے سو رہے — سکونِ جاودان ہوا مآل اضطراب کا

ازل مین بیقراریان تری ہی جستجو مین تھین — پڑا ہے روح کو مزا وہین سے اضطراب کا

اُڑا رہا تھا وہ لہو کہ چھینٹین چشم تر مین تھین — وہ دل لگی کروٹون مین تھا جو رنگ اضطراب کا

حباب اُٹھ کھڑے ہوے کہ ہم بھی ساتھ ساتھ ہین — پڑا جو موج نے سبق فنا و اضطراب کا

رگانِ جسم مین لہو سب آنکھ سے اُبل پڑا — رگون مین دوڑنے لگا اثر جو اضطراب کا

بھٹک رہا ہے چار سو کسی کی جستجو مین طپش
بنا ہوا ہے حشر مین نمونہ اضطراب کا

جناب فرخ کانپوری

خوش ہوے غم نامۂ بیمار ہجران دیکھکر — جمع خاطر ہو گئی حالِ پریشان دیکھکر

چین پیشانی ہی اپنی شرح ضبط درد تھی — اُسنے سب کچھ پڑھ لیا نامہ کا عنوان دیکھکر

ہر طرف سے نکل پڑتی ہین بھیانک صورتین — ڈر رہا ہون منظر تاریکِ زندان دیکھکر

منکشف اُسپر نہ ہو جائین کہین مایوسیان — دیکھکر آنسو بہا اے چشم گریان دیکھکر

[illegible]

ہائے کیا چپکے سے کہکر اُٹھ گئے بالین سے وہ رہ گیا حسرت سے جو بیمار ہجران دیکھکر
خاک پاک لکھنو تجھ مین ہے اب بھی میرے وقت یہ یقین ہوتا ہے ناطق سا سخن دان دیکھکر
اُنکی زلفون کا بکھرنا اور نکھرنا حُسن کا
ہوش اُڑجائین نہ کیون فرخ یہ سامان دیکھکر

جناب مہدی اخباروی علیگ

بھلا کیونکر نہ مین روتا غبار کوے جانان کو کہ اُڑتے دیکھتا تھا دل کے ذرات پریشان کو
ہزارون حسرتین اِک تیغ سے اُس نے مٹا ڈالین قیامت تک نہ بھولون گا کبھی قاتل کے احسان کو
مرا سوز و گدازِ دل اگر تم دیکھنا چاہو شبِ فرقت مین جلتے دیکھ لو شمع شبستان کو
ریاکاری نے زاہد کو رکھا محروم جنت سے کبھی ماتم ہے حورون کا کبھی روتا ہے غلمان کو
بوقت نزع بھی مہدی مرا جوشِ جنون دیکھو
کہ کھنچکر کھینچ لائی ہین رگین تارِ رگ جان کو

جناب پروفیسر آسارام کوشک اثر ایم. اے

کیسے واقف ہونگے وہ مجھ خاکِ پا کے حال کے بادکش ہین جن کے ہاتھون مین ہما کی بال کے
کہتا ہون مین دیکھکر یہ دفترِ عصیان دہر چند کاغذ ہین یہ میرے نامۂ اعمال کے
رات دن جو کھینچتا ہے نقش نقاشِ ازل کیا بنا سکتا ہے ثانی تیرے رخ اور خال کے
دیکھتے ہین ہم قفس مین حاصل لطف فراغ گویا صدہا آئینہ خانے ہین حلقے جال کے
ابرِ رحمت تھا ترا اشکِ ندامت کیون کہون دھو دیے ہین حرف سارے نامۂ اعمال کے
افسرِ شاہی کو سر پر جب سمجھتے ہین وبال
کیون اثر مرہونِ منت ہون ہما کے بال کے

جناب فنی امروہوی

خواہش نہ مال کی نہ دولت کی آرزو مجھکو ہے صرف تیری محبت کی آرزو
باقی ہے کشتِ دل مین مرے رات دن نمو تیرے کرم کی تیری عنایت کی آرزو
کیون رو رہا ہے ہجر مین اب اے دل حزین پھر کیجیے کسی کی محبت کی آرزو

مین چاہتا ہون ظاہر و باطن مین ایک رنگ
مجھکو ہے حسن صورت و سیرت کی آرزو

اللہ رے شوقِ دید تمہارا، کہ مجھکو بھی
شامِ ازل سے صبح قیامت کی آرزو

لذت ہے تیغِ عشق مین ایسی کہ لاکھ بار
ہوکر شہید پھر ہے شہادت کی آرزو

مٹ کر ہوا ہے خاک اسی راہ مین مگر
پھر بھی ہے دل کو عشق و محبت کی آرزو

وہ دن خدا دکھائے کہ مجھکو نصیب ہو
اک عمر سے ہے تیری زیارت کی آرزو

آتا نہ اتنی دُور وطن چھوڑ کر آفق
لائی ہے کانپور مین حسرت کی آرزو

جناب پنڈت جگموہن ناتھ رینہ شوق شاہجہانپوری

عرض کرین گے حال دل پردۂ غم کے ساز مین
عشق کے راز کا بیان اُن سے کرینگے راز مین

سننے لگے ہو جی سے اب دردِ جگر کا ماجرا
سچ کہو کیا مزہ ملا نالۂ دل گداز مین

دیکھئے دلکا کیا ہو حشر کچھ بھی نہ کہتے بن پڑی
اُسکو چھپا کے لیگئے، اپنی نگاہِ ناز مین

شوق در بتان پہ آپ مدتون جبہ سا رہے
سر نہ جھکا یا ایک دن سجدۂ بے نیاز مین

سید اختر علی اختر

وفورِ شرم سے گردن جھکی جاتی ہے قاتل کی
نہ جانے کہہ گئی کیا کیا نگاہِ شوق بسمل کی

حجابِ ناز سے باہر وہ کیون آئین نقاب اُلٹے
تمنا کی ہین تصویرین نگاہین اہلِ محفل کی

بہت ہے ناز اُنکو اپنے اندازِ تغافل پر
ابھی دیکھی نہین تاثیر میرے جذبِ کامل کی

گلون کے خندہ ہائے ناز کیا وجہِ مسرت ہون
چمن مین گونجتی رہتی ہین فریادین عنادل کی

حقیقت مین نگاہون کو چمن ہے منظرِ عبرت
نظر آتی ہے پھولون مین جھلک خون عنادل کی

جنونِ عشق نے اختر مٹادی شانِ خودداری
چلا ہون پھر اُسی ظالم سے کہنے داستان دل کی

علمی نوٹ اور خبرین

مغربی علمدوستی کے نمونے آئے دن ہماری آنکھون کے سامنے آتے رہتے ہین۔ حال مین انگلستان کے مشہور مستشرق، پروفیسر ای۔ جی براؤن نے اپنی تمام جائداد جس کی میزان ۲۴ لاکھ بتائی جاتی ہے عربی و فارسی، ترکی اور دیگر ایشیائی زبانون کے تراجم کے لیے وقف کردی ہے۔ موصوف اپنی زندگی مین بھی فارسی اور عربی زبان کے دلدادہ تھے۔ اور مرنے کے بعد بھی اپنے ذوقِ خاص کی اشاعت کے لیے سرمایہ کا انتظام کر گئے۔

دار المصنفین اعظم گڈھ کے رکن اعظم، مولانا سیّد سلیمان ندوی نے علم دوست طبقہ سے اپیل کی ہے، کہ جو برگزیدہ اصحاب علوم و فنون سے دلچسپی رکھتے ہین۔ وہ بیس روپیہ سالانہ ادا کرکے دار المصنفین کے رکن اوّل بنجائین۔ اس طریقہ سے دار المصنفین کی امداد بھی ہوگی۔ اور چندہ ادا کرنے والے اصحاب کو سال بھر کی جملہ تصانیف اور رسالہ معارف مفت ملیگا۔ ہمین اُمید ہے کہ علمدوست حضرات اس درخواست پر التفات خاص سے کام لینگے۔ دار المصنفین کے ارکین مستقل خادمان ادب ہین۔ ان کی حوصلہ افزائی ہر حال مین ضروری ہے۔

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے سالانہ جلسے کے سلسلے سے انجمن اُردو ئے معلّٰے دہلی کیطرف سے ۲۸ دسمبر کو اردو کانفرنس کا جلسہ بھی منعقد ہوگا جسمین مقامی علم دوست حضرات کے علاوہ بیرونجات کے اہل علم بھی شرکت فرمائینگے، اس کانفرنس کی طرف سے ایک مشاعرہ بھی ہوگا۔ جس مین ایسی نظمین پڑھی جائینگی جو مختصر اور غیر مطبوعہ ہونے کے علاوہ مذہبی و جماعتی [illegible] ہونگی۔

سید شاکر حسین صاحب ساکن جے پور نے ساری دنیا کی ایک تاریخ مرتب کی ہے جسکی بائیس جلدین ہین، اس تاریخ کی ترتیب و تدوین مین مسلسل تیس سال صرف ہوئے ہین دیکھنے والون کا بیان ہے کہ دنیا کی کسی زبان مین ایسی مکمل تاریخ موجود نہین۔

سالہائے گزشتہ کی طرح امسال بھی پنجاب ٹکسٹ بک کمیٹی نے صوبۂ پنجاب کی حسب ذیل تصانیف پر انعامات دیے ہین۔

بمبہا لول کے مصنف باوا بدھ سنگھ اگزیکٹو انجینیر ملتان کو ایکہزار روپیہ۔ نظریۂ اضافیت کے مصنف ایم منہاج الدین صاحب پروفیسر اسلامیہ کالج پشاور کو سات سو پچاس۔ پنجابی اور ہندی کا بہاشا وگیان کے صلہ مین لالہ دونی چند ایم۔ اے کو سات سو روپیہ ورالنگ کی بہار تارا کے مصنف۔ لالہ سنت رام سمپتا کو چہ سو روپیہ اور موٹیلیر کے ڈاکٹر لکشمی سروپ۔ ایم اے ڈاکٹر فلاسفی کو پانچ سو روپیہ کو انعامات ملے ہین۔

گورنمنٹ حیدر آباد کی سرکاری اطلاع سے معلوم ہوا ہے کہ سنہ ۱۳۳۴ فصلی مین وہان ایک سو ستانوے اردو کتابین شایع ہوئی ہین جنکی تفصیل یہ ہے۔

الٰہیات واخلاق	۹۵	قانون	۳۵
تاریخ	۸	نظم و ڈرامہ	۹
قصص	۳	حفظان صحت	۲۲
تعلیمی	۲۵	متفرق	۶۰

حیدرآباد مین اردو تصانیف کی یہ ترقی قابل ستائش ہے۔

یورپ کی قدردان جماعت کیطرف سے، زبان انگریزی کے مشہور آئرش مصنف ڈرامانسٹ برنارڈ شا کو سال گذشتہ کے انتخاب مین نوبل پرائز عطا ہوا ہے۔ چنانچہ اس ماہ کے رسالے مین اس مصنف و مشہور ادیب کی تصویر ہدیۂ ناظرین کیجاتی ہے۔

یورپ و امریکہ مین اشتہارات کے ذریعہ سے اخبارون کو جو آمدنی ہوتی ہے وہ ہندوستان کے اکثر دیسی ریاستون کی آمدنی کے برابر ہے پچھلے سال اخبار نیویارک ٹائمس کو پرچون کے فروخت سے صرف پانچ لاکھ پونڈ سالانہ کی آمدنی ہوئی مگر اشتہارات کی آمدنی ۴۵ لاکھ پونڈ (۶ کروڑ روپیہ) ہوئی - یورپ و امریکہ مین اشتہارات کی آمدنی پر اکثر اخبارات کی زندگی کا دارو مدار ہے۔

الہ آباد مین حضور والا نسرا کسلنسی وائسرائے انگریزی اخبار پانیر کے دفتر مین بھی تشریف لیگئے تھے - پانیر کے اسٹاف مین سے جن حضرات کو حضور ممدوح نے شرف ملاقات بخشا ان مین ایک ہندو اور ایک مسلمان صاحب بھی شامل تھے۔

ہندوستان مین پہلا موقعہ ہے کہ نائب السلطنت ہند کسی اخبار کے دفتر مین تشریف لیگئے ہون -

---

"آئینہ" نام سے انجمن آئینہ ادب کانپور کیطرف سے ایک ماہوار ادبی رسالہ حضرت راز چاندپوری و قاضی امیر احمد بسمل بلگرامی اور مصطفےٰ حسین نیر کانپوری کی ایڈیٹری مین جاری ہوا ہے۔ اسوقت اسکا پہلا نمبر ہمارے سامنے ہے اسکے مضامین لکھائی چھپائی اچھی ہے - یہ پرچہ جنوری ۱۹۲۷ء کا ہے جو تاریخ اشاعت سے تقریباً ایک مہینہ پہلے وسط دسمبر مین شائع کیا گیا ہے - خدا کرے یہ عجلت رسالے کی اشاعت کیلئے فال نیک ثابت ہو - آئینہ کی سالانہ قیمت عہ ہے شائقین سکریٹری انجمن آئینہ ادب کانپور سے طلب فرمائین -

---

کونسل انتخابات کی وجہ سے ہندوستانی اکیڈمی کے افتتاح مین کسیقدر تاخیر ہوگئی ہے - ہمکو امید ہے کہ لوکل گورنمنٹ اسکے متعلق اب جلد سے جلد ضروری کارروائی کریگی - اس اکیڈمی کیلئے سر ولیم میرس گورنر صوبہ و رائے راجیشور بلی صاحب وزیر تعلیمات کا جسقدر شکریہ ادا کیا جائے کم ہے۔

حال ہی مین عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد دکن کا جلسہ تقسیم اسناد ہوا تھا ہندوستان

میں شروع سے آخر تک اردو زبان میں تعلیم دینے کا انتظام اسی یونیورسٹی میں ہے اُردو ادب کی توسیع و ترقی کا جس قدر عثمانیہ یونیورسٹی میں کام ہو رہا ہے۔ اور کسی دوسری یونیورسٹی میں نہیں۔

چنانچہ اب تک تین سو سے زائد مستند کتابوں کا ترجمہ اسی یونیورسٹی کے صیغہ دارالترجمہ کا مرہون منت ہے۔ مشہور تاریخی کتب ویدک انڈیا اور بدھسٹ انڈیا تاریخ فرشتہ۔ آئین اکبری۔ گرین ہسٹری آف دی انگلش پیپل نالکٹ کی ماڈرن یوروپ اسٹیفن کی ریوالیوشنری یوروپ۔ ہومس ویرنے کی ہسٹری آف گریس ہنٹ لینڈ کی ری پبلک پولک کی ہسٹری آف پالیٹکس۔ بیج ہٹ کی انگلش کانسٹی ٹیوشن وغیرہ اہم تاریخی تصانیف کے اُردو ترجمے ہو گئے ہیں۔ منطق، فلسفہ۔ ریاضیات و فزکس وکسٹری وغیرہ کی مشہور مشہور کتابوں کے ترجمے کا بھی بندوبست ہو رہا ہے۔ اُردو کے بعض نامور انشاپرداز اس محکمے میں مستقل کام کر رہے ہیں۔ خسرو دکن کی تھوڑی سی توجہ سے اردو میں ترقی کی کیسی کیسی شاہراہیں کھل رہی ہیں۔

اطلاع ضروری

جن صاحبوں کی خریداری ماہ جنوری سے شروع ہوتی ہے انکا حساب اس نمبر کیساتھ ختم ہو گیا اور آیندہ سال کی قیمت واجب الوصول ہو گئی لہذا گزارش ہے کہ ایسے سب اصحاب اس نمبر کے پہنچتے ہی ۱۰ جنوری تک زمانہ کا سالانہ چندہ مبلغ پانچ روپیہ بذریعہ منی آرڈر ارسال فرماویں ورنہ جنوری ۳۰ء کا پرچہ بذریعہ قیمت طلب پیکٹ (V.P.P) ارسال ہوگا۔ قواعد ڈاکخانہ کی رو سے زمانہ کی قیمت صرف ۲ ار میں بھی جا سکتی ہے لیکن قیمت طلب بلیو پی ایبل پیکٹ میں ناظرین کو چار آنہ بابت مصارف برداشت کرنا ہونگے۔

منی آرڈر بھیجنے والے اصحاب کوپن میں اپنا پورا نام مفصل پتہ اور جہانتک ممکن ہو اپنا نمبر خریداری صاف اور خوشخط تحریر فرمائیں۔

جن صاحبوں کو آیندہ خریداری جاری رکھنا منظور نہ ہو وہ براہ کرم فوراً اطلاع فرمائیں تاکہ وہ وی پی کی واپسی سے اور دفتر زمانہ مزید نقصان سے محفوظ رہے۔

منیجر زمانہ